اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا

ترجمہ

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور اپنی
نعمت تم پر پوری کر دی ۔ اور دین اسلام تمہارے لئے پسند کیا

اسلام

اور

معاشرتی، سیاسی اور معاشی نظریات

تعارفی و تقابلی مطالعہ

غلام رسول ایم اے

گورنمنٹ کالج شیخوپورہ

علمی کتاب خانہ ۔ اردو بازار لاہور

سیرت سید البشر

حصّہ سوم جز دوم

۱۹۷
67475
۱۸۸۳۰

دنیا کے تمام مسائل کا حل
اسلام کی تعلیم میں مضمر ہے

غلام رسول

(مطبوعہ اتحاد پریس لاہور)

Marfat.com

تقدیم

سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے اپنے فضل سے مجھے سیرت سید البشر
صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیر اسلامیہ جزو دوم مکمل کرنے کی توفیق عنایت کی ہے اس کے بعد میں اپنے
دو عالم دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تصنیف میں میری مدد کی۔ د
زا محمد حسین صاحب بی کام مصنف کتاب "اسلام اینڈ سوشلزم" اور پروفیسر فضیلت حسین
ہیں۔ مرزا صاحب نے "جدید سیاسی نظریات" سے متعلق قیمتی مواد مہیا کیا، اگر وہ
مجھے میسر نہ آتا تو میں "جدید سیاسی نظریات" پر بحث کرنے کا حق ادا نہ کر سکتا۔ پروفیسر
نعون نے جدید اقتصادی نظریات سے متعلق مواد مہیا کر کے دیا۔ ان دو قابل احترام دوستوں
کے علاوہ پروفیسر صابر حسین ایم اے بھی شکریہ کے مستحق ہیں، جو مجھے اپنے پاس بٹھا کر گھنٹوں
جدید سیاسی نظریات پر بحث کرتے رہتے جس وجہ سے میرے لیے یہ آسان ہو گیا تھا کہ میں مزید
سلالہ کے ساتھ جدید سیاسی نظریات کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر سکوں۔ اس حصہ میں
اسلام کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی نظاموں پر جدید سیاسی اور اقتصادی نظریات کے
ساتھ موازنہ کر کے بحث کی گئی ہے اور دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ اس دور کے سیاسی اور
اقتصادی مسائل کا حل صرف اسلام کی تعلیم میں مضمر ہے اور یہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر چل
کر دنیا امن اور فلاح سے ہمکنار ہو سکتی ہے اس راستہ کے علاوہ کوئی راستہ نہیں جو بنی نوع
انسان کے پیچیدہ مسائل کے حل کا ضامن ہو۔ دنیا آگ کے گڑھے کی طرف تیزی کے ساتھ جا رہی
ہے۔ اللہ تعالیٰ سے "خیر امت" کا لقب پانے والے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ
اپنی زبان اور قلم کے ذریعہ دنیا کو اسلام کی تعلیم سے آگاہ کریں۔ دنیا ایک ایسے راستہ
کی متلاشی ہے جس پر چل کر وہ امن اور سکون کا سانس لے سکے۔ جب وہ اسلام کی تعلیم سے آگاہ ہوں
گے تو وہ بول اٹھیں گے کہ یہی وہ راستہ ہے جس کے وہ متلاشی ہیں۔

خاکپائے محمد

غلام رسول

۲۷ - ۷ - ۷۱

Marfat.com

پیش لفظ

(از پروفیسر امان اللہ خاں صاحب ایم اے شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)

مجھے میرے محترم فاضل دوست چوہدری غلام رسول صاحب ایم اے نے اپنی تصنیف لطیف "اسلام کا معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی نظام" کا پیش لفظ لکھنے کو کہا میرے لیے یہ باعث مسرت کہ میں ایک دینی اور علمی کتاب کے متعلق چند سطور لکھ رہا ہوں اس مقصد کے لیے میں نے مسودے کے جستہ جستہ حصوں کا مطالعہ کیا ہے مصنف نے بڑی محنت عرق ریزی، جانفشانی اور کمال شفقت سے اسلام کے نظامہائے معاشرت، سیاست اور اقتصاد پر مختلف اور مفید مصادر سے معلومات کا ذخیرہ فراہم کر کے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ چوہدری صاحب کی یہ پرخلوص سعی قابل تحسین ہے کہ انہوں نے دورِ حاضر میں انسانیت کے تمام دکھوں کا مداوا اور نسل انسانی کے تمام مسائل کا حل اسلام ہی قرار دیا ہے۔

برادرم پروفیسر چوہدری غلام رسول صاحب علوم اسلامیہ میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنی اس دلچسپی کا اظہار مختلف اسلامی موضوعات پر متعدد کتب لکھ کر کر چکے ہیں۔ جو علمی اور دینی حلقوں میں عموماً اور طلباء میں خصوصاً پسندیدہ نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اب انہوں نے اپنے علمی ذوق کا اظہار زیرِ نظر تصنیف کو پیش کر کے کیا ہے۔ یہ کتاب عین وقت کی آواز ہے۔ اس دور میں اس موضوع پر جتنی کتب لکھی جائیں وہ کم ہیں، کیونکہ نظریاتی جنگ زوروں پر ہے۔ مسلمان مادی نظریات کی رو میں بہہ کر اسلام سے دوری اختیار کرتے جا رہے ہیں اس وجہ سے مادی نظریات سے متاثر حضرات کو اسلام کے حسین چہرے سے واقف کرانا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ پروفیسر صاحب نے مادی نظریات پر اسلام کی برتری ثابت کر کے ایک نہایت ہی اہم دینی فریضہ سر انجام دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب علمی اور دینی حلقوں اور طلباء میں پسندیدہ نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ میں طلباء سے خاص طور پر کہوں گا کہ وہ کتاب کا مطالعہ کریں۔

امان اللہ

۱۷/۸ ۵ء

انتساب

میں یہ تصنیف پروفیسر میاں عبدالعزیز ایم ایس سی
گورنمنٹ کالج ساہیوال کے نام معنون کرتا ہوں ۔

غلام رسول

Marfat.com

فہرست مضامین

(حصہ اوّل)

اسلام کا معاشرتی نظام

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
معاشرہ	۱	اسلامی ثقافت کا مفہوم	۳۵
معاشرہ کا آغاز اور ترقی	۲	تہذیب کا لغوی معنی	۳۶
قرابت داری، مذہب، امن و حفاظت	۳	تعریف	۳۹
معاشرے کے مقاصد	۴	تبصرہ	۴۰
معاشرہ اور ارتقاء	۵	ثقافت کی ارتقائی منزل	۴۱
معاشرہ کی چار منزلیں	۵	ثقافت و تہذیب کے عناصر ترکیبی	۴۲
معاشرہ کی پہلی منزل	۶	اسلامی تہذیب کی روح	۴۸
دوسری منزل کی حکمتیں	۷	تہذیب اسلامی کی خصوصیات	۵۲
تیسری منزل	۱۱	عظمت انسان	۵۲
چوتھی منزل	۱۳	مساوات	۵۳
اسلامی معاشرے کی خصوصیات	۱۴	اخوت اور اتحاد	۵۴
نسل انسانی کی وحدت کا اعلان	۱۴	رواداری	۵۶
وحدت نوع انسانی	۱۵	آزادی، امن عالم	۵۸
احترام انسانیت	۱۷	اعتدال اور میانہ روی	۵۹
معاشرتی معروف	۱۸	عدل و انصاف	۶۰
معاشرتی منکرات	۲۲	اخلاقی اصول	۶۱
اعلان مساوات	۲۶	عالمگیریت	۶۲
انسانی ذمہ داری، اطاعت رسول ﷺ	۲۷	ادارے	۶۳
[illegible]	[illegible]	خاندان اور اس کی اہمیت	۶۴

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عائلی زندگی از روئے قرآن وحدیث	۶۵	تعدد ازدواج	۸۶
فقہاء کی نظر میں	۶۶	اسلام میں تعدد ازدواج	۸۷
روشن خیال مفکرین کی نظر میں	۶۷	تعدد ازدواج کی اصلاح	۹۰
اجتماعی حیثیت سے اہمیت	۶۸	تعدد ازدواج غیروں کی نظر میں	۹۱
ترک لذت سے ممانعت	۶۹	رسول کریم کے تعدد ازدواج کے اسباب	۹۲
نکاح کی اساس	۶۹	طلاق دوسرے مذاہب میں	۹۴
ناجائز طریقوں سے تکمیل شہوت اسلام کی نظر میں	۶۹	اسلام کا قانون طلاق	۹۷
زنا کے نقصانات	۷۰	طلاق سے پہلے مصالحت کی کوشش	۹۷
لواطت	۷۲	طلاق پر چند پابندیاں	۹۸
استمناء بالید	۷۲	مدت تین طہر ہیں	۹۹
نکاح کے مقاصد	۷۳	طلاق کی اقسام	۱۰۰
مودت ورحمت کی اہمیت	۷۴	طلاق دینے کی تین صورتیں	۱۰۱
مودت ورحمت	۷۶	شرائط طلاق	۱۰۲
صحت	۷۷	حق حضانت	۱۰۳
احساس ذمہ داری	۷۸	نفقہ وسکنی	۱۰۴
جنسی میلان کا علاج، روحانی ترقی		خلع	۱۰۴
حرمت نسب	۷۹	مفقود الخبر	۱۰۶
حرمت مصاہرت	۸۰	عنین ومجبوب	۱۰۶
محرمات	۸۱	ایلاء	۱۰۸
نکاح کے احکام	۸۲	کفارہ	۱۰۹
مہر، صدقہ، نکاح کی عمر	۸۳	ظہار اور اس کا کفارہ	۱۰۹
ولی، اکفاء	۸۴	زوجین کے حقوق وفرائض	۱۱۱
عدت میں نکاح ازانیہ کے متعلق	۸۵	اسلام میں عورتوں کی حیثیت	۱۱۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عرب میں عورت کی حیثیت	۱۱۲	قانونی حقوق	۱۵۹
جاہلیت میں طلاق کے ظالمانہ طریقے	۱۱۲	اخلاقی حقوق	۱۵۹
یونان میں عورت کی حیثیت	۱۱۳	حقوق والدین، اہمیت	۱۶۱
روم میں عورت کی حیثیت	۱۱۴	مقام والدین	۱۶۲
عورت اور مغرب	۱۱۴	معاشرتی حقوق	۱۶۳
تصویر کا دوسرا رُخ	۱۱۵	آئینی حقوق	۱۶۷
ایران اور عورت	۱۱۵	اخلاقی حقوق	۱۶۹
مذاہب عالم میں عورت کا مقام	۱۱۶	حقوق اولاد	۱۷۰
بائبل اور عورت	۱۱۶	معاشرتی حقوق	۱۷۱
عیسائیت میں عورت کا مقام	۱۱۷	آئینی حقوق	۱۷۶
ہندو مذہب اور عورت	۱۱۸	اخلاقی حقوق	۱۷۹
اسلام اور عورت	۱۲۰	معاشرہ کے دیگر اجزا کے حقوق و	
عورت کا خصوصی درجہ	۱۲۱	فرائض	۱۸۲
گھریلو زندگی اور عورت	۱۲۳	رشتہ داروں کے معاشرتی حقوق	۱۸۴
یورپ میں عورت کی آزادی کا نعرہ	۱۲۷	رشتہ داروں کے اخلاقی حقوق	۱۸۷
بیوی کے حقوق	۱۳۲	یتیموں کے حقوق	۱۸۹
قدرتی حقوق	۱۳۴	یتیموں کے آئینی حقوق	۱۹۲
معاشی حقوق	۱۳۵	یتیموں کے اخلاقی حقوق	۱۹۵
تمدنی حقوق	۱۳۶	ہمسایوں کے حقوق	۱۹۶
قانونی حقوق	۱۴۱	ہمسایوں کے معاشرتی حقوق	۱۹۷
اخلاقی حقوق	۱۴۴	ہمسایوں کے آئینی حقوق	۱۹۹
خاوند کے حقوق	۱۴۶	ہمسایوں کے اخلاقی حقوق	۲۰۰
قدرتی حقوق	۱۴۶	حاجت مندوں کے حقوق	۲۰۱
تمدنی حقوق	۱۴۹	حاجت مندوں کے معاشرتی حقوق	۲۰۲

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حاجت مندوں کے آئینی حقوق	۲۰۵	مکتب	۲۶۱
مہمان و میزبان کے حقوق و فرائض	۲۰۶	اقوال در فضائل علم	۲۶۴
مہمان کے معاشرتی حقوق	۲۰۶	مکتب کا آغاز و ارتقاء	۲۶۵
مہمان کے اخلاقی حقوق	۲۰۷	شاہی مدارس	۲۶۷
میزبان کے حقوق	۲۰۸	کتب فروشی کی دکانیں	۲۶۹
میزبان کے معاشرتی حقوق	۲۰۹	جامعات	۲۷۰
میزبان کے اخلاقی حقوق	۲۰۹	طرز تعلیم	۲۷۱
بیمار کے حقوق	۲۱۰	معاشرے کی اصلاح میں مکتب کے فرائض	۲۷۲
خادم اور آقا کے فرائض	۲۱۲		
خادم کے معاشرتی حقوق	۲۱۴	معاشرہ میں استاد کا مقام	۲۷۶
خادم کے آئینی حقوق	۲۱۶	اساتذہ کے فرائض	۲۷۹
خادم کے اخلاقی حقوق	۲۱[illegible]	شاگرد کے فرائض	۲۸۲
آقا کے حقوق	۲۲۰	مسجد	۲۸۵
دو مسلموں کے حقوق	۲۲۱	مسجد کے آداب	۲۹۴
مسلمانوں کے حقوق و فرائض	۲۲۴	مسجد کے معاشرتی اثرات	۳۰۰
آئینی حقوق	۲۳۱	منڈی	۳۱۱
اخلاقی حقوق	۲۳۲	منڈی کے اقسام	۳۱۴
عام انسانوں کے حقوق	۲۳۳	منڈی بلحاظ وقت	۳۱۵
معاشرتی حقوق	۲۳۶	منڈی بلحاظ محل وقوع	۳۱۶
آئینی حقوق	۲۴۸	منڈی بلحاظ جنس	۳۱۷
اخلاقی حقوق	۲۴۹	منڈی بلحاظ مقابلہ	۳۱۸
امت اسلامیہ کے خصوصی امتیازات	۲۵۳	منڈی کی اہمیت، ارتقاء اور اثرات	۳۲۳
امت مسلمہ کے فرائض	۲۵۷		

Marfat.com

اسلام کا سیاسی نظام (حصہ دوم)

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
مملکت کیا ہے	۷	دستور کی اقسام	۹۴
سیاسی نظریات کی مختصر تاریخ	۱۰	غیر تحریری دستور کے فائدے	۹۷
مملکت کی قسمیں	۲۰	استوار دستور کے محاسن	۹۸
مملکت کے ابتدائی نظریات	۲۲	لچک دار دستور اساسی	۹۹
اسلام کا نظریہ ریاست	۲۵	جمہوری اور غیر جمہوری دستور	۱۰۰
اسلامی حکومت کے نام	〃	بنایا ہوا اور ارتقائی دستور	۱۰۱
اسلامی حکومتوں کے رئیس کے خطابات	۲۸	فردی یا ذاتی دستور	〃
شرائط امارت و خلافت	۳۹	قانون	۱۰۲
خلیفہ کے اختیارات	۴۲	قانون کے متعلق چند نظریات	۱۰۴
اختیارات پر پابندیاں	۴۳	الٰہی اور انسانی حقوق میں فرق	۱۰۷
خلیفہ کی معزولی	〃	اسلامی قانون کے مصادر	۱۱۳
اقتدار اعلیٰ	۴۵	تدوین و حفاظت قرآن	۱۱۶
حکومت کے فرائض	۵۷	اعجاز قرآن	۱۲۱
اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت	۶۰	خصائص القرآن	۱۳۹
سیکولرزم اور اقلیت	۶۳	قرآن مجید قانون کا اولین ماخذ	۱۴۲
اسلامی حکومت میں اقلیت	۶۵	قرآنی احکام کا نفاذ	۱۴۳
غیر مسلم رعایا کے حقوق	〃	فہم قرآن کے چند امور	۱۴۴
اقلیتوں کے پرسنل لاء	۷۳	سنت اور حدیث	۱۴۸
شہریوں کے فرائض	۷۶	عہد نبوی کا تحریری سرمایہ	۱۵۱
دستور اساسی	۸۰	عہد فاروقی میں تدوین سنت	۱۵۵
دستور کی خصوصیات	۸۲	چوتھا دور	۱۵۹
اسلامی دستور کی خصوصیات	〃	صحت حدیث کے قواعد	۱۶۶
اسلامی دستور کی بنیادیں	۸۴	اسلامی قانون میں حدیث کی اہمیت	۱۶۷

Marfat.com

تدوین فقہ اور حدیث	۱۷۱	سیاسی حریت	۲۲۵
اجتہاد	۱۷۲	عدل و انصاف	۲۲۶
مجتہد کے ضروری اوصاف	۱۷۴	اسلامی قانون کی خصوصیات	۲۲۷
اجتہاد قانون	″	اعضائے حکومت	۲۲۸
اجماع	۱۷۵	مجلس وضع قوانین	۲۲۹
اجماع کی قسمیں اور شرائط	۱۷۷	مجلس قانون ساز کے حقوق و فرائض	۲۳۰
اجماع کے فیصلوں کی حیثیت	۱۷۸	قانون سازی کا طریقہ	۲۳۱
قیاس	۱۷۹	عاملہ یا انتظامیہ	۲۳۲
قیاس کے ارکان و شرائط	۱۸۱	انتظامیہ کے اہم شعبے	۲۳۵
معروف	۱۸۲	محکمہ دفاع	۲۳۶
استحسان	۱۸۳	محکمہ مالیات	۲۳۷
استحسان کی قسمیں	۱۸۴	محکمہ ترقیات عامہ	۲۳۸
مصالح مرسلہ	۱۸۵	محکمہ آبادکاری	۲۳۹
استدلال	۱۸۶	سرکاری ملازمین کی ذمہ داریاں	۲۴۱
اسلام سے قبل شرائع	۱۸۷		
تعامل	۱۸۸	عدلیہ	۲۵۵
ملکی قانون	۱۹۰	قضا کا آزادانہ طریقہ	۲۶۰
تکمیلات قانون	۱۹۰	شہادت کی قسمیں	۲۶۱
		عدلیہ کی آزادی	۲۶۲
اقسام قانون	۲۰۴	قاضی کی شرائط	″
اسلامی سزائیں	۲۰۵	عدالت کے آداب	۲۶۳
دیوانی قانون	۲۱۳	قاضی کے اختیارات و فرائض	۲۶۴
قوانین	۲۱۵	ضابطہ شہادت	۲۶۸
اسلامی قانون کی خصوصیات	۲۱۹	گواہ کے اوصاف	۲۷۱
حریت عقیدہ	۲۲۲	اسلامی مملکت کے اوصاف	۲۷۳
حریت قول	۲۲۳	حکومت الٰہی	۲۷۴
معاشی آزادی	۲۲۴	انتخاب پیدا کرنے کے اصول	۲۸۱

Marfat.com

مساوات		جہاد میں کامیابی کے اصول	۳۸۵
ہندو مت اور مساوات	۲۸۴	شرائط جہاد	۳۸۷
اسلام اور مساوات	۲۸۵	اصلاح نفس کے اصول	۳۹۳
قانونی مساوات	۲۸۷	تبلیغ	۳۹۶
سیاسی مساوات	۲۹۲	تبلیغ کا طریق کار	۴۰۰
معبودانِ باطلہ کی غلامی سے نجات	۲۹۳	مبلغ کے اوصاف	۴۰۵
سیاسی غلامی سے نجات	۲۹۹	مبلغ کے فرائض	۴۰۷
کورانہ تقلید سے نجات	۳۰۳	غلط تبلیغ کی اصلاح	۴۱۰
تمدنی غلامی سے آزادی	۳۰۴	ریاست اور فرد	۴۱۲
نفس اور شیطان کی غلامی سے نجات	۳۰۵	خارجہ پالیسی کے اصول	۴۱۵
آزادی سکونت	۳۰۶		
فکر و عقیدہ اور رائے کی آزادی	۳۰۹	بین الاقوامی تنظیمیں	۴۲۱
غلاموں کی آزادی	۳۱۰	بین الاقوامی تنظیموں کے تصور کی نشوونما	۴۲۳
زمانہ قدیم میں غلامی	۳۱۱	جمعیت اقوام	۴۲۴
اسلام اور مسئلہ غلامی	۳۱۲	انجمن اقوام کی تنظیم	۴۲۶
جبری اسیری طریقے	۳۱۳	انجمن اقوام کی ناکامی کے اسباب	۴۲۹
آزادی کی صورتیں	۳۳۷	انجمن اقوام متحدہ کا قیام	۴۳۰
شوریٰ	۳۴۷	مقاصد	۴۳۰
شوریٰ کی قانونی صورتیں	۳۵۰	اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور	۴۳۱
عدل	۳۵۱	اقوام متحدہ کی تنظیم	۴۳۷
امن و دفع شر	۳۵۶	انجمن اقوام متحدہ کا مستقبل	۴۴۹
رواداری	۳۵۷	اسلام میں عالمگیر برادری کا تصور	۴۵۰
جہاد و تبلیغ	۳۶۱	عالمگیر برادری کا تصور توحید الٰہی میں	۴۵۳
جہاد کی بحث	۳۶۲	امن قائم کرنے کے متعلق اسلامی اصول	۴۵۶
قواعد جنگ	۳۷۱	جدید سیاسی نظریات	۴۶۱
صلح، اسلامی جنگ کی اخلاقی تدبیریں	۳۷۲	دور حاضر کا عمرانی پس منظر	۴۶۳
اسلام میں جنگ کے احکام	۳۷۳	جمہوریت	۴۶۶

Marfat.com

جمہوریت کی اقسام ۴۶۸
جمہوریت کے مفروضات ۴۶۹
جمہوریت کی خوبیاں ۴۷۱
جمہوریت کی خامیاں ۴۷۳
اسلام میں جمہوریت کا تصور ۴۷۹
قومیت ۴۸۶
قوم اور قومیت کی لغوی تشریح اور تعریف ۴۸۶
قومیت کے عناصر ترکیبی ۴۹۸
قومیت کے فوائد اور نقصانات ۴۹۸
امت کا تصور اور نیشنلزم ۵۰۳
امت اسلامیہ کی بنیاد ۵۰۴
امت اسلامیہ اصولی برادری ہے ۵۰۴
امت اسلامیہ کے اوصاف ۵۰۵
امت مسلمہ کا نصب العین ۵۱۵
امت مسلمہ کی ذمہ داریاں ۵۱۵
مارکسزم ۵۱۹
کارل مارکس کی سوانح حیات ۵۱۹
مارکسی تحریک انیسویں صدی ۵۲۳
کارل مارکس کی تصنیفات ۵۲۶
کمیونزم کا تاریخی پس منظر ۵۲۹
کمیونزم کے اجزائے بنیادی ۵۲۹
کیپٹلزم کی تشریح ۵۳۱
کیپٹلزم کا ارتقاء ۵۳۴
سرمایہ داروں کے انسانیت سوز حیلے ۵۳۵
امپیریلزم کا آغاز ۵۳۶
سرمایہ داروں کی رقابت اور جنگ کا آغاز ۵۳۷
سرمایہ داری اور تمدن کا تصادم ۵۳۹
کمیونزم کا اجزائے ترکیبی ۵۴۳
کمیونزم اور اسلام کا موازنہ ۵۴۵
سوشلزم ۵۴۷
سوشلزم کیا ہے ۵۴۷
سوشلزم کی پانچ خصوصیات ۵۵۰
سوشلزم اور کمیونزم میں فرق ۵۶۰
سنڈیکیٹ ۵۷۶
گلڈ سوشلزم ۵۸۴
تدریجی سوشلزم ۵۸۶
انارکزم کا علمی تجزیہ ۵۸۶
انارکزم اور کمیونزم
انارکزم کی تشریح ۵۹۵
فسطائیت ۵۹۷
فسطائیت کے اصول اور نظریات ۵۹۹
نازیت ۶۰۲
نازیت کے اصول ۶۰۳
اسلامی حکومت اور فاشزم اور نازی ازم کا موازنہ ۶۰۵

اسلام کا معاشی نظام

نظریہ اجتماعیت ۳
اجتماعیت کے بنیادی اصول ۳
نظریہ اجتماعیت کے مقاصد ۴
اسلام اور نظریہ اجتماعیت ۴
اشتمالیت (کمیونزم) ۶
اشتمالی نظام کے فوائد ۸
اشتمالی نظام کے نقصان ۹
اسلامی اقتصادی نظام اور اشتمالی اقتصادی نظام کا موازنہ ۱۱
سوشلزم ۱۲
روس میں اشتراکیت ۲۰
اسلامی اقتصادی نظام اور اشتراکی اقتصادی نظام کا موازنہ ۲۱

Marfat.com

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۵	رکاز (دفینہ)	۲۵	انفرادی ملکیت کے عقلی دلائل
۶۵	محنت	۲۷	فاشزم
۶۸	محنت کے معاوضہ کا مسئلہ	۲۷	فاشزم کا اقتصادی نظام
	انفرادی حقوق ملکیت کے	۲۸	اسلام اور فاشزم کا موازنہ
۷۰	شرعی حدود و قیود	۲۹	سرمایہ دارانہ نظام
		۳۰	سرمایہ دارانہ نظام کی خصوصیات
۷۱	شرعی پابندیاں		اسلامی اقتصادی نظام اور
۷۱	تجارتی بدعنوانیوں کا انسداد	۳۶	سرمایہ دارانہ نظام کا موازنہ
۷۲	احتکار	۳۳	اسلام کا صحیح تصور
۷۳	اتلاف مال	۴۳	انفرادی بنیاد
۷۵	تجنیس اشیاء	۴۸	انفرادی ملکیت اور آزادی
۷۶	اجارہ داری	۴۹	سرمایہ لگانے کی صورتیں
۷۷	بددیانتی	۵۰	ذاتی ملکیت کے شرعی ذرائع
	حرام چیزوں کے کاروبار	۵۱	تجارت
۷۷	کی ممانعت	۵۱	تجارت کی ترغیب
۷۹	ڈاکہ چوری سے روپیہ حاصل کرنا	۵۲	تجارت کے اصول
	پیروں کی چڑھاووں اور	۵۷	صنعت و حرفت
۸۰	نذرانوں سے آمدن	۵۹	احیائے موات
۸۰	خیانت اور رشوت ستانی	۶۰	اقطاع (عطیات)
	سود	۶۰	شکار
۸۱	ربا اور سود میں فرق	۶۱	جہاد
۸۱	ربا کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۶۲	وراثت
۸۲	عرب میں سود کے مختلف طریقے	۶۲	ہبہ
۸۲	قرآن مجید میں ربا کی حرمت	۶۳	وصیت
۸۵	تجارتی سود	۶۴	بیت المال سے مالی امداد

Marfat.com

938 1129
191

عنوان	صفحہ
حرمت سود کی وجوہ	۸۷
قمار بازی (جوا)	۹۱
تقسیم دولت کی راہیں	۹۲
صدقات	۹۲
ورثہ	۹۴
کفارات	۹۵
صدقۃ الفطر	۹۵
نفقات	۹۵
عُشر	۹۶
خراج وجزیہ	۹۶
وصیت	۹۶
وقف	۹۷
ضروریات سے زائد مال خرچ کرنے کی تعلیم	۹۷
انفرادی حقوق ملکیت کے حدود	۹۷
اسراف اور تبذیر کی ممانعت	۹۸
مال ضائع کرنے کی ممانعت	۹۹
عیش وعشرت کی ممانعت	۹۹
مضرت رساں استعمال ملکیت کی ممانعت	۱۰۱
اپنے اور متعلقین کے گذارے کیلئے کافی نہ ہونے کی صورت میں خیرات سے ممانعت	۱۰۲
فاتر العقل اور نابالغ کو انتظام مال سپرد کرنے کی ممانعت	۱۰۳
انفرادی ملکیت کی حدبندی	۱۰۴
زمین اور انفرادی ملکیت	۱۰۴
جاگیرداری اور اسلام	۱۰۵

عنوان	صفحہ
مزارعت	۱۱۳
بڑی بڑی صنعتیں	۱۱۸
رکاز	۱۱۹
تسعیر (قیمتیں مقرر کرنا)	۱۱۹
ریاست کی اجتماعی ملکیت	۱۲۱
بیت المال	۱۲۲
بنک	۱۲۷
اسلام میں نظام بنکاری	۱۵۳
بیمہ (انشورنس)	۱۵۶
زکوٰۃ	۱۶۲
زکوٰۃ کی حقیقت اور اس کی اہمیت	۱۶۲
زکوٰۃ کن اموال پر فرض ہے	۱۶۵
نصاب زکوٰۃ	۱۶۶
مصارف زکوٰۃ	۱۶۷
خیرات کی اقسام	۱۷۱
زکوٰۃ کے آداب وشرائط	۱۷۲
زکوٰۃ کے فوائد	۱۷۴
زکوٰۃ کا معاشی نظام میں مقام	۱۷۷
زکوٰۃ اور ٹیکس میں اصولی فرق	۱۷۸
زکوٰۃ کی وصولی اور ادائیگی کا مسئلہ	۱۷۹
اقتصادی ترقی	۱۸۰
اقتصادی ترقی کا مفہوم	۱۸۰
معاشی ترقی اور معاشی بہبود	۱۸۰
معاشی ترقی کی ضرورت	۱۸۱
معاشی ترقی کے عوامل	۱۸۱
اسلامی نظریہ معیشت کے خصائص	۱۸۲

Marfat.com

توضیح

اسلام کے معاشرتی نظام میں معاشرتی اداروں کے ضمن میں طوالت اور تکرار سے بچنے کے لئے اہم ادارہ ریاست کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس پر مفصل بحث اسلام کے سیاسی نظام میں "بعنوان" اسلام کا نظریہ ریاست" کے تحت آئے گی۔

Marfat.com

معاشرہ

معاشرہ کیا ہے؟
معاشرہ معاشرت کے لفظ کی ایک صورت ہے جسکے معنی ہیں مل جل کر زندگی بسر کرنا لیکن عمرانیات (SOCIOLOGY) میں معاشرہ کی اصطلاح اپنے مخصوص معنی رکھتی ہے اسے وسیع اور محدود دونوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے وسیع معنی میں تمام نسل انسانی کو معاشرہ یعنی سوسائٹی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور محدود معنی میں اس سے مراد وہ گروہ لیا جاتا ہے جو کچھ لوگوں یا خاندانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔
مختلف ماہرین عمرانیات SOCIOLOGISTS نے معاشرہ کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں کی ہے:

(۱) ایف ایچ گڈنگز (F.H. GIDDINGS) کہتا ہے:
"معاشرہ یا سماج ایک جیسے خیالات رکھنے والے افراد کا مجموعہ ہے جو ہم خیالی کو پسند کریں اور اس بناء پر مشترکہ مفادات کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں"

(۲) اسپنسر کہتا ہے:
"معاشرہ افراد کی ایک تعداد کا اجتماعی نام ہے اور بس"

(۳) جان ایف سوبر کہتا ہے:
"یہ ایک ایسا بہت بڑا انسانی گروہ ہے جو کافی عرصہ سے اکٹھا رہا ہو حتی کہ منظم ہو گیا ہو۔ اور جس کے افراد اپنے آپ کو ایک وحدت میں منظم کرے"

(۴) رالف لنٹن (RALPH LINTON) کہتا ہے:
"معاشرہ لوگوں کا ایسا گروہ ہے جو کافی عرصہ تک اکٹھا رہا ہو اور زندگی گذارتا ہو۔ اس حد تک کہ اپنے آپ کو ایک وحدت میں منظم کر لیا ہو"

Marfat.com

6) سمنر اور کیلر (Summer and Kella) کے نزدیک معاشرہ" ایسے افراد کا مجموعہ ہے جو کہ اشتراک عمل کے ذریعہ وسائل حیات کے حصول اور بقائے نسل کے لئے جدوجہد کرے۔

7) میک آئیور (MacIver) معاشرہ کو سماجی تعلقات کا وہ نظام قرار دیتا ہے جس میں اور جس کے ذریعہ ہم زندگی گزارتے ہیں۔

8) گمبلونز، معاشرہ کی تعریف میں کہتا ہے: "ایک گروہ جو کہ چند ایک یا زیادہ مشترک مفادات پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔"

مذکورہ بالا تعریفوں کے پیش نظر ہم حسب ذیل نتائج اخذ کرتے ہیں:

۱- معاشرہ افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو مشترک مفاد کے لئے ایک دوسرے سے تعاون کرتا ہے۔

۲- معاشرہ کو معرض وجود میں آنے کے لئے ایک کافی عرصہ کی ضرورت ہے۔

۳- ضروریات زندگی کو پورا کرنا معاشرے کا فرض ہے۔

۴- معاشرے کے سب ارکان اپنے آپ کو وحدت میں سمجھتے ہیں۔

۵- معاشرہ میں مختلف قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

۶- معاشرہ باہمی تعاون اور تعلق کی مستقل بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔

۷- ایک معاشرے کے لوگوں کی ثقافت مشترک ہوتی ہے۔

معاشرہ کا آغاز اور ترقی

جیسا کہ پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے اور اس میں مل جل کر زندگی بسر کرنے کا فطری رجحان ہے۔ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وہ دوسروں کا محتاج ہے۔ ابتداء میں سوسائٹی سادہ تھی۔ بتدریج سوسائٹی ترقی کرتی چلی گئی۔ آخر کار ابتدائی مملکت کا آغاز ہوا۔

معاشرہ کے اسباب: انسان کے اس فطری رجحان کے علاوہ معاشرہ کے قائم ہونے کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں (۱) ضروریات زندگی کی تکمیل (۲) قرابتداری (۳) مذہب (۴) امن و حفاظت کی ضرورت۔

انسان کی بنیادی ضروریات خوراک، اور لباس وغیرہ ہیں۔ ابتداء میں انسان پھل کھا کر اور درخت کے پتوں سے جسم ڈھانک کر زندگی بسر کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ بنیادی ضروریات

Marfat.com

کو پورا کرنے کے لئے مختلف وسائل معلوم ہوگئے اور انسان اوزار اور آلات بنانے لگا، تقسیم کار عمل میں آئی جوں جوں انسانی ضروریات بڑھتی چلی گئیں انسان کو ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اور آپس میں متحد ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس طرح ضروریات تکمیل کی بناء پر جماعتی زندگی میں تنظیم شروع ہوگئی۔

قرابت داری

معاشرتی زندگی کی تنظیم میں قرابت داری کا بہت اہم حصہ ہے۔ ایک خاندان یا قبیلہ نے مل جل کر زندگی گزارنا شروع کی۔ پھر چند خاندانوں یا قبیلوں نے مل جل کر رہنا شروع کر دیا، گاؤں اور شہر آباد ہونے لگے، اپنی حفاظت کے لئے تنظیم شروع کر دی۔ اور اسی تنظیم کے بطن سے مملکت نے جنم لیا ہے۔ ارسطو کہتا ہے کہ خاندانی زندگی کا مقصد معاشی ضرورتوں کو مہیا کرتا ہے اور مملکت کا مقصد انسانی اخلاق اور کردار کی تعمیر ہے۔

مذہب

معاشرہ کی تنظیم اور اتحاد میں مذہب کا بہت حصہ ہے۔ ہر نبی نے اپنی اپنی قوم کو اتحاد کی لڑی میں منسلک کرنے کی کوشش کی ہے۔ جماعتی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے والدین کے حقوق و فرائض، اولاد کے حقوق و فرائض، زوجین کے حقوق و فرائض، ہمسایہ کے حقوق و فرائض، انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض بیان کیئے۔

امن و حفاظت کی ضرورت

ابتداء میں جماعتی زندگی سادہ تھی۔ کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ اثاثہ نہ ہوتا تھا۔ جوں جوں زمانہ ترقی کرتا چلا گیا، وسائل معاش میں ترقی ہوتی چلی گئی۔ دولت اور ثروت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا، اندرونی اور بیرونی خطرات بڑھنے شروع ہوگئے۔ ان خطرات سے بچنے کے لئے اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسی تنظیم قائم کی جائے جو اندرونی اور بیرونی خطرات سے لوگوں کی حفاظت کرے۔

معاشرہ کے مقاصد

(۱) انسان عالم صغیر ہے۔ اس میں اللہ تعالٰی نے بے شمار قوتیں اور صلاحیتیں ودیعت کر رکھی ہیں، وہ مخفی صلاحیتیں صرف معاشرہ میں ہی نشوونما پا سکتی ہیں جس طرح درخت کا ایک چھوٹا سا بیج ہے اس بیج میں ہی شاخیں، تنے پتے، پھول اور پھل وغیرہ بننے کی صلاحیتیں پیدا کر رکھی ہیں جب اس بیج کو وہ

Marfat.com

ماحول مہیا کر دیا جائے تو اس کی تمام مخفی استعدادیں ظاہر ہو جاتی ہیں اسی طرح انسان کے لیئے یہ ضروری ہے کہ اس کے لیئے ایک ایسا ماحول ہو جس میں اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو ظاہر کر سکے۔ وہ ماحول صرف سوسائٹی میں میسر آسکتا ہے پس معاشرہ کا سب سے اہم مقصد افراد کی صلاحیتوں کی آب یاری کرنا ہے۔

جذبہ خدمت

۲۔ دوسرا مقصد افراد میں جذبہ خدمت پیدا کرنا ہے۔ اسلام نے خدمت خلق پر بہت زور دیا ہے۔ جب تک معاشرہ کے افراد میں خدمت خلق کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا اس وقت تک معاشرہ مستحکم بنیادوں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں خدمت خلق کے متعلق آتا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران ۳ : ۱۱۰) تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے فائدہ کے لیئے پیدا کی گئی ہو۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا [1]۔ اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ [2]۔ اور اس کی محبت کے لئے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو مال دیتے اور غلام آزاد کرتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے:

تو مومنوں کو ایک دوسرے پر رحم، محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا جیسا بدن میں ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارے اعضا بخار اور بیداری میں اس کے شریک ہوں[3]۔

جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو خدا اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ جو کسی مسلمان کی تنگی کو دور کرے گا تو اللہ اس کے بدلے قیامت میں اس کی تنگی کو دور کرے گا[4]۔

مادی ضروریات کی تکمیل

۳۔ معاشرہ کا تیسرا مقصد افراد کی مادی ضروریات پوری کرنا ہے۔ رسول کریم کی ایک حدیث قدسی ہے جو اس مقصد کی اہمیت ظاہر کرتی ہے۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک انسان سے پوچھے گا اے ابن آدم میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری

---

[1] الدھر ۷۶ : ۸ [2] البقرہ ۲ : ۱۷۷ [3] بخاری کتاب الاداب [4] ابو داؤد۔

Marfat.com

بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ متعجب ہو کر کہے گا بھلا ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے اور تو تو تمام جہانوں کا خود پالنے والا ہے۔ خدا فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی۔ اگر تو اس کی عیادت کے لئے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اسی طرح خدا فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے میں تجھے کیسے کھلاتا۔ آپ تو خود رب العالمین ہیں خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ فلاں میرے بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے کھلانے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو مجھے اسکے پاس پاتا ایسے ہی خدا فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے پیاس لگے تو تو خود پروردگار عالم ہے خدا فرمائے گا میرے فلاں پیاسے بندہ نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے اسے پانی نہیں پلایا اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو مجھے اسکے پاس پاتا۔[ا]

۴۔ معاشرہ کا چوتھا مقصد امن قائم کرنا ہے جب تک افراد معاشرہ، امن اور محبت کے ساتھ زندگی بسر نہیں کرتے۔ اس وقت تک معاشرہ حقیقی معنوں میں معاشرہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ معاشرہ کا نصب العین ہی امن کا قیام اور باہمی محبت کی فضا پیدا کرنا ہے۔

معاشرہ میں حقیقی امن جان، مال اور آبرو کی حفاظت سے قائم ہوتا ہے ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ[۲] اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: ان دماءکم و اموالکم و اعراضکم حرام کحرمة یومکم ھذا[۳]۔ تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی حرمت رکھتی ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت ہے (حج کے دن کی)

معاشرہ اور ارتقاء

معاشرہ کی چار منزلیں

انسانی معاشرہ ارتقاء پذیر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک معاشرہ

---

[۱] مسلم [۲] بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳ [۳] بخاری کتاب الحج

Marfat.com

کی چار ارتقائی منازل ہیں۔ ہر منزل ایک دوسرے کے بعد آتی ہے، معاشرہ ارتقاء کی اگلی منزل میں اس وقت قدم رکھتا ہے جب اس نے پہلی منزل طے کر لی ہو۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہر اگلی منزل اس وقت تک نہ آئے جب تک پہلی منزل ہر اعتبار سے مکمل نہ ہو جائے اور یہ خوبی ذہن اپنے اندر نہ لے لے۔ بلکہ معاشرہ کی اگلی منزل میں پہنچ کر انسان پہلی منزل کے عناصر میں حسن و خوبی اور کمال پیدا کرنے پر زیادہ قادر ہوتا ہے۔

معاشرہ کی پہلی منزل

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو ہر عقل سے نوازا ہے۔ اور یہی وہ جوہر ہے۔ جو اس کو دوسرے حیوانات سے ممیز کرتا ہے انسان اور حیوان کی بنیادی ضرورتیں ایک ہی ہیں یعنی کھانے پینے، گرمی سردی سے بچنا اور افزائش نسل کے جذبات انسان نے اپنی عقل خدا داد کی مدد سے انہی حیوانی ضروریات میں ایک خاص رنگ دے دیا۔ اپنی ضرورتیں حاصل کر کے ان میں اصلاح کی چنانچہ اس نے مختلف اناج تلاش کئے، اور تجربوں سے یہ معلوم کیا کہ کون سی غذا اس کی طبیعت کے موافق ہے۔ پھر اناجوں کو کثرت سے حاصل کرنے کی ترکیب سوچیں اس طرح کاشت کرنے، اناج بونے، اس کی آب یاری کرنے، فصل کاٹنے اور اناج کو بھوسے سے الگ کرنے کے طریقے معلوم کئے۔ پھر اپنی عقل خداداد کی مدد سے غذاؤں کو اچھی شکل میں استعمال کرنے کے طریقے معلوم کئے۔ پانی حاصل کرنے کے لئے کنوئیں کھودے ضرورت کے وقت پانی کو محفوظ رکھنے کے لئے برتن وغیرہ بنائے۔ حیوانات سے کام لینا شروع کیا، رہنے کے لئے گھر اور خیمے تعمیر کئے۔ گرمی اور سردی کی حفاظت اور عریانی کو چھپانے کے لئے لباس استعمال کرنا شروع کیا۔ اسی منزل میں افزائش نسل کے لئے ایک زوجہ منکوحہ معین کرنے کا طریقہ وضع کیا تاکہ بیوی ایک ہی مرد کی خیال کی جائے اور دوسرا مرد جذبہ جنسی کی تسکین کے لئے توجہ نہ کرے۔ غرض کہ انسان نے اس منزل میں ان تمام حیوانی ضروریات اور احتیاجات کو پورا کرنے میں اپنی عقل خدا داد کے ذریعہ حسن و خوبی اور کمال پیدا کیا۔

ابتدائی منزل انسانی معاشرہ کا سنگ بنیاد ہے۔ کوئی بھی انسانی جماعت خواہ وہ کہیں رہتی ہو ابتدائی منزل کے اجتماعی اداروں سے کسی حال میں بھی خالی نظر نہیں آتی۔

Marfat.com

دوسری منزل: وقت گزرنے کے ساتھ جب نوع انسانی کثرت میں تبدیل ہوگئی، زندگی میں یکسانیت تنوع پیدا ہوا اور باہمی معاملات میں اضافہ ہوا، چھوٹے چھوٹے گاؤں، شہروں اور قصبوں میں تبدیل ہوگئے تو انسان نے معاشرے کے پہلے درجہ پر قناعت نہ کی بلکہ اپنی خواہشات اور ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اچھے سے اچھے طریقوں کی تلاش کی۔ تجرباتی و مشاہداتی علوم نے ترقی کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک وہ پانچ قسم کے علوم ہیں جن کی وجہ سے معاشرہ نے ارتقاء کی دوسری منزل میں قدم رکھا وہ یہ ہیں:

(۱) حکمت معاشیہ

(۲) حکمت منزلیہ

(۳) حکمت اکتسابیہ

(۴) حکمت تعاملیہ

(۵) حکمت تعاونیہ

حکمت معاشیہ: یہ علم انسان کے طعام، شراب، لباس، رہائش، چلنا پھرنا، نشست و برخاست، سونا، مرض، مصائب، مسرت، تسکین جذبہ جنسی سفر سے تعلق رکھتا ہے مثلاً کھانے کے آداب میں یہ بات ضروری ہے وہ خراب نہ ہو۔ جو انسان کی صحت کو نقصان پہنچائے۔ کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھوئے۔ کلی کرے، اس کے بعد دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھائے۔ بڑے بڑے لقمے لے کر نہ کھائے۔ اس وقت کھانا کھائے جب بھوک لگی ہوئی ہو۔

پینے کی چیزوں میں یہ ضروری ہے کہ اس میں بدبو نہ آتی ہو، وہ اپنی طبعی حالت پر ہو۔ پینے کی چیزوں میں بدترین وہ چیزیں ہیں جو نشہ آور ہیں کیونکہ اس سے صرف انسان کی عقل ہی نہیں ماری جاتی۔ بلکہ معاشرہ میں فساد بھی پیدا ہوتا ہے۔

لباس: جب انسان کو یہ احساس پیدا ہوا کہ عریانی شرمناک ہے تو اس نے اپنی برہنگی کو چھپانے کے لئے کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرلی۔ اب بھی وحشی اقوام میں اپنی برہنگی کو چھپانے کے لئے درختوں کے پتوں سے کام لیا جاتا ہے۔ جب تمام لوگ اس امر پر متفق ہوگئے کہ عریانی بری چیز ہے تو سوچنے لگے کہ بہترین لباس کون سا ہوسکتا ہے۔ آخر انسان کی عقل نے اس طرف راہنمائی کی کہ بہترین لباس وہ ہے جو بدن کو چھپائے اور عیاشانہ تکلف سے پاک ہو۔

رہائش: مکان کا مقصد گرمی سردی سے بچاؤ اور جان اور مال کی حفاظت ہے۔ مکان اس قسم کا ہونا چاہیے جو اس مقصد کو پورا کرتا ہو۔ مکان کی تعمیر میں عیاشانہ تکلف سے کام نہ لیا جائے۔

Marfat.com

بہترین مکان وہ ہے جس کا مواد آسانی سے میسر آسکتا ہو مکان ہوادار اور کھلا ہو اور اوسط درجہ کا اونچا ہو۔

چلنا ، پھرنا: چلتے وقت میانہ روی سے کام لیا جائے چال میں غرور اور تکبر نہ ہو۔

نشست و برخاست: اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ بدترین نشست عام گذرگاہ ہے جہاں سے عورتیں گذرتی ہوں اور ان کے چہرہ پر نظر پڑ سکتی ہو۔

سونا: انسان کو چاہئے کہ وہ رات کو جلد سوئے اور دماغ کو گندے خیالات سے پاک کرکے سوئے۔

مرض: انسان جب بیمار ہو تو مجرب دوا استعمال کرے۔

مصائب: مصیبت کے وقت انسان جزع و فزع نہ کرے، صرف اللہ پر بھروسہ رکھے اور مصیبت کا سامنا کرے۔

مسرت: خوشی کو صرف اللہ کا فضل سمجھے اور اللہ کو بھول نہ جائے۔ خوشی کے سامانوں سے نوع انسانی کو بھی فائدہ پہنچائے۔

تسکین جذبہ جنسی: مرد اور عورت کا میلاپ ضروری امر ہے لیکن انسان کی غیرت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ زن شوئی تعلقات پوشیدہ ہوں، مرد کی منکوحہ معین ہو تاکہ دوسرا شخص اس سے تعلق پیدا نہ کر سکے۔

سفر: ضرورتوں کے لئے سفر ضروری ہے۔ ضرورت کے وقت جب سفر در پیش آئے زادِ راہ ساتھ لے لیا جائے۔ اگر ساتھی ہو تو بہت اچھا ہے۔

حکمت منزلیہ: حکمت منزلیہ سے مراد یہ ہے کہ اہل و عیال، اعزہ و اقرباء، دوستوں، اہل جار اور عام لوگوں سے ایسا سلوک کیا جائے جو اچھے اخلاق، منفعت عامہ اور صحیح تجربات کے مطابق ہو تاکہ انسانی معاشرہ میں خوشگوار ربط پیدا ہو سکے۔

حکمت منزلیہ میں خاص طور پر ان چار باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔

(۱) خاوند اور بیوی کے باہمی حقوق و فرائض۔

(۲) اولاد کے حقوق و فرائض۔

(۳) آقا اور خادم کے ایک دوسرے پر حقوق اور احکام

(۴) انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض

حکمت اکتسابیہ: حکمت اکتسابیہ یا نظام معاش کی تعریف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

Marfat.com

نے یہ کی ہے کہ "انسان اپنی معاش میں رفاہیت اور ذوق حسن یا ظرافت کا خیال رکھے اور کوشش کرے کہ انسان اپنی تمام ضرورتیں اوسط درجے کی رفاہیت سے پوری کرے اگر یہ کوشش نہ کی جائے تو انسان سخت تکلیف اور رنج وغم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اتنی حاجتیں جمع ہو جاتی ہیں کہ ایک شخص انہیں بطریق احسن پورا نہیں کر سکتا" لہ ۱

جب انسانی سوسائٹی کی ضروریات اور احتیاجات اتنی بڑھ گئیں اور سب کا پورا کرنا ایک شخص کے لیے مشکل ہو گیا تو لامحالہ دوسرے افراد کی ضرورت پڑی۔ سوسائٹی میں تخصیص پیشہ سے کام لیا جانے لگا کہ ایک ایک گروہ ان پیشوں میں مہارت پیدا کرنے اور اپنی بنائی ہوئی چیز وغیرہ سے دوسروں کی ضرورت پوری کرے۔ تقسیم عمل سے مبادلے کی ضرورت پیش آئی مثلاً ایک لوہار کوئی چیز بناتا ہے، اور اس کو جوتے کی ضرورت ہے اسے توقع تھی کہ اپنی لوہے کی بنائی ہوئی چیز دے کر موچی سے جوتا خرید لے گا۔ لیکن موچی کو فی الحال اس لوہے کی چیز کی ضرورت نہیں ہے اس لئے لوہار اپنی ضرورت پوری نہیں کر سکا۔ معاشرہ میں اس قسم کے واقعات رونما ہونے لگے تو عقلمندوں نے کسی ایسی چیز کی تلاش کی جو معاوضہ کی صلاحیت رکھتی ہو اور جلد خراب بھی نہ ہوتی ہو۔ آہستہ آہستہ سونا چاندی کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا جانے لگا اور سکے کا رواج شروع ہو گیا۔

جب سوسائٹی میں تخصیص پیشہ عمل میں آگئی تو ان پیشوں کو ایک ضابطے میں رکھنے کے لئے ایک طاقت اور سیاسی نظام کی ضرورت پیش آئی کیونکہ اگر پیشوں کو ایک ضابطے اور کنٹرول میں نہ لایا جائے تو معاشرۂ انسانی کو بہت سے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً تمام لوگ صنعت و حرفت میں ہی نہ لگ جائیں یا مویشیوں کی پرورش اور کاشت کاری کی طرف نہ مائل ہو جائیں۔ دفتروں میں ملازمت کے پیچھے نہ دوڑ پڑیں کیونکہ سب لوگوں کا ایک ہی پیشہ اختیار کرنے سے دوسرے پیشوں کیلئے آدمیوں کی تعداد گھٹ جائے گی پیشوں کے اس عدم توازن سے معاشرہ میں اجتماعی زندگی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ دوم لوگ ایسا پیشہ اختیار نہ کریں جس سے سوسائٹی پر برا اثر پڑتا ہو۔

ان حالات کو روکنے کے لئے حکومت کی ضرورت پیش آئی جو پیشوں کو ایک ضابطے کے تحت تقسیم کرے اور کوئی ایسا پیشہ عمل میں نہ آنے دے جو افراد معاشرہ کے لیے مخرب الاخلاق ہو۔

لہ ارتقاءات معاشیہ مصنفہ شیخ بشیر احمد بی۔ اے صفحہ ۸۵

Marfat.com

اور اسی طرح حکومت ایسے قوانین نافذ کرے جو سوسائٹی کے استحکام اور ترقی کے لئے ضروری ہوں، اور لوگوں کے ایسے اعمال کا محاسبہ کرے جو سوسائٹی کے لئے مضر ہیں۔

حکمت تدنِ ملیہ:۔ یہ علم لین دین کے اصول وضع کرتا ہے۔ لین دین کی کئی شکلیں ہیں۔

۱- بیع۔ اس میں مال کا مبادلہ مال کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۲- ہبہ۔ یعنی دنیاوی اور اخروی نفع کے لئے کوئی چیز بلا معاوضہ دینا۔

۳- اعارہ۔ اس میں نفع بلا معاوضہ دیا جاتا ہے۔

۴- دین۔ اس میں اعارہ اور بیع دونوں کی صفات پائی جاتی ہیں۔

مبادلے کے اصول:

۱- جس چیز کی خرید و فروخت کی جائے۔ اس کی قیمت اور دوسرے ضروری امور سے متعلق ہر بات واضح کر لی جائے۔

۲- فریقین سودے کے متعلق ایجاب قبول کریں یا نقد سودا ہو تاکہ فریقین کی رضامندی کا اظہار ہو جائے۔

۳- اگر لین دین نقد نہ ہو تو اسے لکھ لیا جائے جس پر شہادت ثبت ہو یا رہن رکھ لیا جائے تو بھی وثیقہ تحریر کر لیا جائے۔ اس سے معاشرہ میں باہمی جھگڑے کم ہو جاتے ہیں۔

سوسائٹی میں جھگڑے کے مواقع کم کرنے کے لئے حسب ذیل قوانین ضروری ہیں:

۱- تمام زمین اللہ کی ہے اور اس میں ان کی روزی کا سامان پیدا کیا ہے سب انسانوں کا حق ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں لیکن باہمی تنازعے کے انسداد کے لئے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ جو شخص کسی قطعہ زمین سے سب سے پہلے فائدہ حاصل کرنا شروع کر دے وہ اس کی ملکیت ہو گی۔ اسی کا نام حق ملکیت[1] یعنی حق انتفاع ہے۔ زمین پر قبضے کے صرف یہ معنی ہیں کہ وہ شخص دوسرے کی نسبت اس زمین سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

۲- ضابطہ معیشت میں سوسائٹی کے تمام افراد اس میں حصہ لیں اور ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

۳- جو چیزیں عام فائدہ کیلئے ہیں ان پر کسی کا قبضہ نہ ہو تاکہ ہر شخص ان سے استفادہ کر سکے۔

۴- سب لوگ باہمی تعاون سے سوسائٹی کی پیداوار میں اضافہ کریں اور نئی ایجادات اور اختراعات کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح کی کوشش کریں۔

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک انفرادی ملکیت اسی حد تک جائز ہے کہ وہ مفادِ عام کے خلاف نہ ہو۔

Marfat.com

۵۔ اجتماعی ترقی اور بہبودی کے لیئے ان تمام ناجائز ذرائع کو مسدود کر دیا جائے جو اصول تمدن کے منافی ہوں۔ مثلاً قمار بازی، سٹے، سود اور رشوت وغیرہ۔

حکمت تعاونیہ: یہ علم امداد باہمی سے تعلق رکھتا ہے۔ سوسائٹی میں رہنے والے تمام افراد کا حق ہے کہ ان کی تمام طبعی ضروریات پوری ہوں۔ وہ بھوکا نہ رہے اس کے پاس کپڑے ہوں، رہائش کے لیئے مکان ہو، صحت اور تعلیم کی عام ضرورتیں پوری ہوں۔ تمام افراد یکساں قابلیت اور اہلیت لے کر پیدا نہیں ہوتے۔ بعض لوگ زیادہ کما سکتے ہیں بعض کم۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی آفت یا حادثے کی وجہ سے کمانے کے قابل نہیں رہتے اس لیئے صاحب ثروت احباب کا طبعی فرض ہے کہ وہ سوسائٹی کے کم کمانے والوں یا نہ کما سکنے والوں کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ اگر صاحب ثروت احباب اس طبعی فرض سے روگردانی کریں گے تو معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

انسانی معاشرہ باہمی تعاون اور اشتراک عمل سے ہی ترقی کر سکتا ہے اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مندرجہ ذیل صورتیں بیان کی ہیں جو معاشرہ میں پیدا ہو چکی ہیں۔

۱۔ مفاوضت: اس میں ایک شخص کا مال ہوتا ہے اور دوسرا اس سے تجارت کرتا ہے نفع مفاوضت میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔

۲۔ : چند آدمی برابر کا مال شریک تجارت کر کے کاروبار کرتے ہیں نفع و نقصان میں برابر شریک ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل ہوتے ہیں۔

۳۔ عنان یہ ہے کہ معین مال میں شریک ہو کر کاروبار کیا جائے۔ مگر کوئی شخص دوسرے کا کفیل نہ ہو جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے سے مطالبہ کر سکیں۔

۴۔ شرکت صنائع۔ اس میں ایک پیشے کے چند افراد مل کر محنت کرتے ہیں اور اجرت آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔

۵۔ مزارعت: جس میں ایک شخص کی زمین ہوتی ہے اور دوسرے کی محنت اور آلات۔

تیسری منزل

جب سوسائٹی کے مختلف گروہوں کے مابین رابطہ قائم کرنے، اجتماعی مفاد کی حفاظت کرنے

Marfat.com

کے لئے ایک سیاسی نظام قائم ہو گیا تو معاشرہ نے تیسری منزل میں قدم رکھ لیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بدورِ بازغہ' میں اس تیسرے درجہ پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس سیاسی نظام کو معاشرہ کو درست رکھنے کے لئے پانچ کام انجام دینے پڑتے ہیں:-

۱۔ حرص، بخل اور حسد یہ وہ مذموم خصائل ہیں جو افراد معاشرہ کے دلوں میں اختلافات، نفرت اور دشمنی کو جنم دیتے ہیں۔ اگر اختلافات کو دور نہ کیا جائے تو آپس میں قتل و غارت کی نوبت آجاتی ہے۔ ایک قوی اور بااختیار سیاسی نظام کا یہ فرض ہے کہ وہ افراد معاشرہ کے تنازعات اور جھگڑوں کا منصفانہ طور پر فیصلہ کرے اور اپنی قوت سے تمام اختلافات کو جڑ سے اکھاڑ باہر پھینکے۔

۲۔ لیبا اوقات معاشرے کے کچھ لوگ بری عادات اور مخرب الاخلاق عمل میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور ان پر حیوانی جذبات کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ سیاسی نظام کا یہ فرض ہے کہ ان لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ناپاک ارادوں سے باز رکھے ورنہ یہ اندیشہ ہے کہ ان کی وجہ سے معاشرہ بد نتائج اور مہلک امراض کا شکار ہو جائے۔

۳۔ معاشرہ میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جن کا مقصد یا تو دوسرے لوگوں کا مال و دولت چھیننا ہوتا ہے یا ان کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح حکومت پر قابض ہو جائیں اور اپنے ناجائز حوصلوں کی آگ بجھائیں۔ اس قسم کے لوگ اپنے گرد بہت سے شر پسند عناصر کو جمع کرتے ہیں اس لئے سیاسی نظام کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر وقت ایسے فتنہ ساماں اور شر انگیز عناصر کے خلاف جدوجہد کرتا رہے تاکہ معاشرہ بدامنی کا شکار نہ ہو سکے۔

۴۔ ہر دور میں مفکرین امت کے سامنے انسانی اجتماع کو بہترین شکل میں قائم رکھنے کے لئے ایک نصب العین رہتا ہے۔ ان کی تمام سعی اور جدوجہد اس نصب العین کو حاصل کرنا ہوتا ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ معاشرہ میں عدالت اپنی مکمل ترین شکل میں قائم رہے۔ چنانچہ سیاسی نظام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس ارفع مقصد کے حصول کے لئے ان مفکرین کے ساتھ مکمل تعاون کرے۔

۵۔ دنیا کے جھگڑوں میں پھنس کر انسان اپنے اخلاقی اور مذہبی تقاضوں سے غافل ہو

Marfat.com

جاتا ہے اپنے دین اور فرائض کو بھلا دیتا ہے۔ اچھے سیاسی نظام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اخلاقی اقدار اور دینی فرائض کے احیاء کے لئے افراد معاشرہ کو وقتاً فوقتاً رشد و ہدایت کا راستہ بتاتا رہے اور انہیں اپنے خواب غفلت سے بیدار کرتا رہے۔
حکومت کے کاروبار چلانے کے لئے مالی ضرورت پڑتی ہے۔ مالی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے بیت المال قائم کیا جائے گا جس کی آمدنی کا ذریعہ مختلف قسم کے ٹیکس ہوں گے۔ اور یہ تمام ٹیکس مالداروں سے لئے جائیں گے اور ان اموال پر لگائے جائیں گے جو بڑھتے ہیں۔

چوتھی منزل

جب ہر قوم کا سیاسی نظام مستحکم ہو جاتا ہے۔ تو یہاں پہنچ کر ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے معاشرہ چوتھی منزل میں قدم رکھ لیتا ہے۔ وہ نئی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ مختلف سیاسی وحدتیں باہم دست وگریبان ہو جاتی ہیں ان کے جھگڑوں کے کئی وجوہ ہیں: یا تو ایک وحدت ہوس ملک گیری کے چکر میں پھنس کر دوسری وحدت پر حملہ کر دیتی ہے۔ یا کبھی قوم کی معاشی ضرورتیں مجبور کرتی ہیں کہ دوسرے ممالک پر قبضہ کر لیا جائے۔ بین الاقوامی امن قائم کرنے کے لئے ایک ایسے نظام کی ضرورت پڑتی ہے جو مختلف وحدتوں کے درمیان نظم قائم رکھ سکے۔
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک یہ نظام فوجی نقطہ نگاہ سے اتنا مضبوط ہونا چاہئے کہ مختلف ریاستیں مل کر بھی اس نظام کا مقابلہ کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں اس نظام کے ماتحت مختلف محکمے فوجی، مالی۔ پند و نصائح، قضا اور پولیس وغیرہ ہوں اور اس بین الاقوامی تنظیم کا یہ فرض ہوگا کہ اگر کوئی ریاست بین الاقوامی قانون کو توڑنے کی کوشش کرے تو اس کا سختی سے محاسبہ کرے اور اس کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دے۔

اسلامی معاشرے کی خصوصیات

اسلامی معاشرہ حسب ذیل خصوصیات کا حامل ہے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو دنیا کے کسی معاشرے میں پائی نہیں جاتیں۔
وحدتِ نسل انسانی: اسلام وحدت نسل انسانی کا داعی ہے۔ تفریق بین الناس کا

Marfat.com

شدید مخالف ہے۔ قومی، لونی، لسانی اور نسلی امتیازات کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ نسل انسانی کی وحدت کا نظریہ وہ نظریہ ہے جس کی نظیر دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں نہیں ملتی۔ یہی وہ نظریہ ہے جس پر امن کی عمارت کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

نسل انسانی کی وحدت کا اعلان:

(۱) يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً[۱] اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا ہے، اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

(۲) وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا[۲]۔ اور سب لوگ ایک ہی قوم ہیں اور وہ باہم جھگڑتے ہیں۔

(۳) وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ[۳]۔ یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ سو مجھ سے ڈرو۔ مگر انہوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے ہر گروہ اس پر خوش ہے جو ان کے پاس ہے۔

(۴) وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ[۴] اور یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ سو میری بندگی کرو مگر انہوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں قطع کر دیا۔ سب ہماری طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔

(۵) وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا[۵] اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو۔

(۶) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ[۶] مومن سب بھائی بھائی ہیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وحدت نسل انسانی کے تصور کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

---

[۱] النساء ۴: ۱ [۲] یونس ۱۰: ۱۹ [۳] المومنون ۲۳: ۵۲، ۵۳ [۴] الانبیاء ۲۱: ۹۲، ۹۳ [۵] آل عمران ۳: ۱۰۳ [۶] الحجرات: ۱۰۔

Marfat.com

(۳) الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ[۱] ۔ ساری مخلوق عیال اللہ ہے، اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق کو سب سے زیادہ چاہتا ہے۔

(۴) کونوا عباد اللہ اخوانا ۔ تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔

(۵) اللھم ربنا و رب کل شیء انی اشھد ان العباد کلھم اخوۃ[۲] اے ہمارے اور ہر چیز کے رب میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

عملی اتحاد کی بنیاد: تمام تفریقات اور امتیازات کو مٹانے کے لئے سب سے پہلی بنیاد مسجد ہے جہاں پانچ وقت مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں جہاں غریب امیر کے ساتھ خادم آقا کے ساتھ دوش بدوش کھڑا ہوتا ہے۔

حج کی عبادت کا بھی ایک عظیم مقصد جاہلیت کے امتیازات کو مٹانا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلعم نے وحدت نسل انسانی کے پیغام کو دھراتے ہوئے فرمایا: ایھا الناس الا ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی[۳] ۔ لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر اور سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

وحدت فکر انسانی

نسل انسانی کے زیغ اور تشتت اور افتراق کی سب سے بڑی وجہ مصنوعی اور غیر فطری فرق ہے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے تباہ کن ہے۔ اسلام نے نسل انسانی کو وحدت فکر کی سلک میں منسلک کرنے کے لئے ایسے اصول وضع کئے ہیں جن کی پابندی انتشار فکر سے محفوظ رکھتی ہے۔ اسلام نے غور و فکر سے منع نہیں کیا بلکہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ اپنی عقل سے کام لو بلکہ منع اس امر سے کرتا ہے کہ عقل کے گھوڑے کو بے لگام نہ چھوڑ دو

---

۱ بیہقی کتاب الایمان ۲ بخاری ۳ اخرجہ احمد وابو داؤد۔ مسند احمد۔

Marfat.com

جہاں چاہے دوڑتا پھرتا ہے۔ بلکہ عقل کی رہنمائی کے لئے کچھ اصول مقرر کئے ہیں ان کی پابندی لازمی ہے۔ وہ اصول قرآن مجید میں بیان کر دیئے ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کو ہدایت للناس اور ہدایت للمتقین کہا ہے۔

وحدت فکر انسانی کے متعلق ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ[۱]۔ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور انہوں نے جن کو کتاب دی گئی اختلاف نہیں کیا مگر اس کے پیچھے کہ ان کے پاس علم آ چکا ہے آپس کی ضد سے۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام صرف قرآن مجید کے اصولوں کے ہی داعی تھے۔ لیکن ان کے ماننے والے ان اصولوں کو چھوڑ کر اپنی اغراض اور خواہشات کے پیچھے دوڑ پڑے۔ انتشار فکر کا شکار ہو گئے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ[۲] سب لوگ ایک ہی جماعت تھے۔ پس اللہ نے نبیوں کو بھیجا خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں میں ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں باہم اختلاف کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وحدت فکر انسانی کے لئے اللہ تعالےٰ نے آسمانی اصول نازل کئے ہیں۔ اگر لوگوں کی عقلیں اختلافات اور انتشار کی دلدل میں پھنس جائیں تو آسمانوں کی روشنی سے کام لے کر وحدت فکر کی سلک میں منسلک ہو جائیں۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ[۳]
اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دین چاہتا ہے تو اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ وہی سوچ اور سمجھ صحیح ہو گی جو قرآنی اصولوں کی روشنی میں ہو گی۔ قرآنی اصولوں کو چھوڑ کر جو بھی سوچے گا وہ جادہ صواب سے ہٹ

---

[۱] آل عمران ۳: ۱۹ [۲] البقرہ ۲: ۲۱۳ [۳] آل عمران ۳: ۸۵

Marfat.com

جائے گا۔ اور ہلاکت و بربادی کا راستہ اختیار کرے گا۔

احترام انسانیت

اسلامی معاشرہ میں انسان ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں۔ نہ تو امارت اور نہ غربت کسی کے لئے وجہ تکریم ہے اور نہ غربت وجہ ذلت۔ اور نہ کوئی نسل کے لحاظ سے مسند صدارت پر بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہو سکتا ہے۔ دنیا کی ہر انسان ہونے کے لحاظ سے احترام کا مستحق ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ یعنی ہم نے آدمؑ کے بیٹوں کو عزت کے قابل بنایا ہے۔ اب رہا یہ کہ معاشرہ میں لوگوں کی عزت اور ذلت کا معیار کیا ہے۔ سو اس کے لئے قرآن مجید نے اچھے اعمال اور تقوے کا معیار مقرر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا۔ یعنی ہر ایک کا درجہ اسکے کاموں کے لحاظ سے مقرر کرو۔ دوسری جگہ آتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ تم میں سب سے زیادہ عزت کا مستحق اللہ کے نزدیک وہ ہے۔ جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ تقویٰ کیا ہے۔ اللہ کے احکام کی پیروی کرنا۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر: اسلام معاشرہ کے لئے ایک ایسا ضابطہ اخلاق مقرر کرتا ہے جس سے کسی کو بھی سرمو تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا صرف اس ضابطہ اخلاق کو خود اپنانا ہی لازمی قرار نہیں دیتا بلکہ یہ بھی حکم دیتا ہے کہ جو شخص اس سے انحراف کرنے کی طرف مائل ہو اس کو روکا جائے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ ہی معاشرہ میں حسن اور نظم پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے بغیر معاشرہ میں فساد اور بگاڑ ہو جاتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[۱] نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[۲]

۱؎ المائدہ ۵ : ۲ ۲؎ آل عمران ۳ : ۱۱۰

Marfat.com

تم سب سے اچھی جماعت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئی ہے تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[۵۱]

اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں۔

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں: من رای منکم منکراً فلیغفر بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان[۵۲] تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے درست کر دے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل میں برا منائے اور یہ کمزور ترین ایمان ہو گا۔

والذی نفسی بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر او لیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عذاباً من عندہ ثم لتدعنہ ولا یستجاب لکم[۵۳] قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہیں ضرور نیکی کی ہدایت کرنا ہو گی اور برائی سے روکنا ہو گا ورنہ عین ممکن ہے اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے پھر تم اسے پکارو گے اور تمہاری پکار کا جواب نہ دیا جائے گا۔

معاشرتی معروف

جان مال اور آبرو کی حفاظت: اسلامی معاشرہ ہر فرد کو جان مال اور آبرو کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے کوئی شخص مجاز نہیں کہ وہ دوسرے کی جان مال اور آبرو کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ معاشرہ میں بگاڑ اور فساد ہمیشہ جان مال اور آبرو کی بے حرمتی سے پیدا ہوتا ہے اسلام نے معاشرہ کو صحت مند رکھنے کے لئے یہ حکم دیا کہ کسی کے

---

۵۱ آل عمران ۳: ۱۰۴ ۵۲ مشکوۃ المصابیح کتاب الآداب باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ۵۳ ایضاً۔

Marfat.com

جان مال اور آبرو کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا[۱] جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے بدلے کے یا زمین میں فساد کے مار ڈالے تو گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا اور جو کوئی اس کو زندہ رکھے تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ[۱] اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا[۳] تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت ہے یعنی حج کے دن کی۔

مذہبی رواداری: اسلام کا یہ ایک بنیادی اصول ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہر قوم کی طرف نبی بھیجے اور اس قوم کو جادہ صواب پر چلانے کے لئے احکام نازل کئے۔ بناءبریں اسلام ہر اس شخص سے جو دائرہ اسلام میں داخل ہو، یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ہر مذہبی کتاب اور ہر نبی کو تسلیم کرے اور ان میں کسی قسم کا امتیاز نہ کرے اور کسی مذہب والے کو بھی جبراً عقائد منوانے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہی وہ اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے جو بلاشبہ امن عالم کی ضامن ہو سکتی ہے۔

عقائد منوانے میں جبر نہیں: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ[۴] اور کہہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو کوئی چاہے انکار کرے۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[۵] دین میں کوئی جبر منوانا نہیں۔ ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔

---

[۱] بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳ [۲] المائدہ ۵: ۳۲ [۳] بخاری کتاب الحج
[۴] الکہف ۱۸: ۲۹ [۵] البقرہ ۲: ۲۵۶

ایثار: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [۵۱] اور اپنے آپ پر انہیں (اپنے بھائی بندوں کو) مقدم رکھتے ہیں گو انہیں تنگی ہی ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے تو وہی کامیاب ہوں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں بخاری میں اس صحابی کا قصہ لکھا ہے جس کے سپرد رسول کریم صلعم نے ایک مہمان کیا تو اس کے گھر میں سوائے بچوں کے کھانے کو کچھ نہ تھا تو خاوند اور بیوی نے بچوں کو بھوکا سلا دیا اور چراغ بجھا کر جو کچھ تھا وہ مہمان کو کھلا دیا اور خود بھوکے رہے۔

احسان: احسان سے مراد بنی نوع انسان کے ساتھ نیک سلوک۔ اور ان کے حق سے زیادہ دینے کا نام ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ [۵۲] اور احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ بے شک اللہ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

باہمی محبت اور میل جول: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا [۵۳] اور سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ [۵۴] محمد (صلعم) اللہ کا رسول ہے اور جو اس کے ساتھ ہیں کافروں کے مقابلہ میں قوی، آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔

رسول کریمؐ فرماتے ہیں: مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم کمثل الجسد الواحد مومنوں کی مثال آپس کی محبت اور رحم میں ایک جسم کی مثال ہے۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا [۵۵] جب تمہیں سلامتی کی دعا دی جائے تو اس سے بہتر دعا دو یا اسی کو لوٹا دو۔

---

[۵۱] الحشر ۵۹: ۹ [۵۲] القصص ۲۸: ۷۷ [۵۳] آل عمران ۳: ۱۰۳ [۵۴] الفتح ۴۸: ۲۹

[۵۵] النساء ۴: ۸۶

Marfat.com

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ [۱] اور لوگوں سے بے رخی نہ کرو۔

اِنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [۲] کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ [۳] درگزر اختیار کر اور نیک کام کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کر۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ [۴] کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

غضِ بصر: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ [۵] مومنوں کو کہہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔

امانت داری: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا [۶] اور اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کر دو۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عھد لہ [۷] جو امانت دار نہیں اس کا ایمان نہیں۔ جس کے پاس عہد نہیں اس کا دین نہیں۔

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ [۸] وہ اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

رسول کریم فرماتے ہیں: جابر ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔

سچی گواہی: عدل و انصاف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جس شخص کو کسی بات کا علم ہو، حاکم گواہی کے لئے طلب کرے تو وہ گواہی کو نہ چھپائے۔ خواہ وہ گواہی اس کے اپنے نفس یا عزیز کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ [۹] گواہی کو نہ چھپاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ [۱۰] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ انصاف پر قائم ہونے والے

---

۱ لقمٰن ۳۱: ۱۸ ۲ الانعام ۶: ۵۴ ۳ اعراف ۷: ۱۹۹ ۴ البقرہ ۲: ۴۴ ۵ النور ۲۴: ۳۰
۶ النساء ۴: ۵۸ ۷ مشکوٰۃ ۸ المائدہ ۵: ۵۴ ۹ البقرہ ۲: ۲۸۳ ۱۰ النساء ۴: ۱۳۵

Marfat.com

اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو۔ گو وہ گواہی تمہاری اپنی ذات یا والدین یا قریبیوں کے خلاف ہو۔

عدل و انصاف: وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ[۵۱] جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى[۵۲] اور جب تم بات کہو تو عدل کرو اگرچہ قریبی ہو۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ[۵۳] اور ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔

معاشرتی منکرات: بعض ایسی برائیاں ہیں جو معاشرے کو گھن کی طرح کھا جاتی ہیں اور معاشرے کی تباہی و بربادی کا باعث بنتی ہیں۔ اسلام نے جہاں معاشرتی معروفات کو اپنانے کی تاکید کی ہے وہاں معاشرتی منکرات سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔

تہمت سے پرہیز: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا[۵۴] اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے قصور کیا ہو تو وہ بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

بدگمانی سے اجتناب: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ[۵۵] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت گمان بد کرنے سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے۔

توہین سے پرہیز: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ[۵۶] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں پر ہنسی کریں۔ شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور اپنے لوگوں کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو، ایمان کے بعد برا نام کیا ہی برا ہے اور جو توبہ نہ کرے تو وہی ظالم ہیں۔

---

۵۱ النساء ۴: ۵۸ ۵۲ الانعام ۶: ۱۵۲ ۵۳ الانعام ۶: ۱۵۲ ۵۴ الاحزاب ۳۳: ۵۸
۵۵ الحجرات ۴۹: ۱۲ ۵۶ الحجرات ۴۹: ۱۱

67475

Marfat.com

حسد: اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ[1] بلکہ وہ لوگوں سے جو اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے۔

رسول کریم صلعم نے فرمایا: ایاکم والحسد فان الحسد یا کل الحسنات کما تا کل النار الحطب[2] حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔

خیانت: وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ[3] اور جو خیانت کرے گا تو اس نے جو کچھ خیانت کی ہے قیامت کے دن لائے گا پھر ہر شخص کو جو اس نے کمایا ہے پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

جھوٹ: واجتنبو قول الزور[4] اور جھوٹ بات سے بچو۔

وعدہ خلافی: فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ[5] سو اس نے انہیں بدلہ دیا کہ ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس دن تک کہ وہ اس سے ملیں اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے اس کے خلاف کیا جو اس سے وعدہ کیا تھا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

غیبت: وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ[6] اور کسی کی غیبت مت کرو کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ تو تم اس سے کراہت کرتے ہو اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ رجوع برحمت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

منافقت: انّ المنافقین فی الدّرک الاسفل من النّار ولن تجد لھم نصیرا[7] منافق آگ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ اور تو ان کے لئے کوئی مددگار نہیں پائے گا۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں تجدون شرّ النّاس یوم القیمة ذا الوجھین الذی یاتی ھولاء بوجہ وھولاء بوجہ[8] تم قیامت کے دن منافقوں کو سب

---

[1] النساء ۴: ۵۴ [2] ابوداؤد [3] آل عمران ۳: ۱۶۱ [4] الحج ۲۲: ۳۰ [5] التوبہ ۹: ۷۷ [6] الحجرات ۴۹: ۱۲ [7] النساء ۴: ۱۴۵ [8] بخاری

Marfat.com

لوگوں سے بدتر حالت میں پاؤ گے جو ان لوگوں کے پاس ایک طریق اور ان لوگوں کے پاس دوسرے طریق سے آمد و رفت کرتا ہے۔

فضول خرچی: وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ[۱] اور کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا[۲] بے جا خرچ کر کے مال کو نہ اڑا مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

رسول کریم صلعم کا ارشاد ہے ناز و نعمت اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ ایسے لوگ اللہ کے بندے کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔

حبِّ دنیا: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ[۳] لوگوں کو نفسانی خواہشوں کی محبت بھلی معلوم ہوتی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور ڈھیروں ڈھیر سونا اور چاندی اور پلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی یہ اس ورلی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔

بخل۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ[۴] اور وہ لوگ جو اس میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے یہ خیال نہ کریں یہ ان کے لئے اچھا ہے بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے۔

* شراب نوشی اور جوا سے ممانعت: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[۵] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو شراب اور جوا اور بت اور پاسے ناپاک کام صرف شیطان کے عمل سے ہیں۔ اس سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو۔

---

[۱] الاعراف ۷: ۳۱ [۲] بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶، ۲۷ [۳] آل عمران ۳: ۱۴ [۴] آل عمران ۳: ۱۸۰ [۵] المائدہ ۵: ۹۰۔

Marfat.com

سود: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا[1] اور اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

احتکار: رسول کریم صلعم نے فرمایا: اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَّالْمُحْتَکِرُ مَلْعُوْنٌ[2] جالب (باہر سے مال لانے والا) خوش نصیب ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے۔

رشوت: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ[3] اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ۔

بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا: لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ[4] سوائے دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور ان کے رہنے والوں پر سلام نہ کر لو یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کر لو پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔

عریانی اور فحاشی سے اجتناب: اسلام عریانی اور فحاشی کو تمدنی زندگی کے لئے تباہ کن قرار دیتا ہے۔ تاریخی طور پر یہ امر واضح ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی اقوام محض عریانی اور فحاشی کی وجہ سے نیست و نابود ہو گئیں۔ اس وجہ سے اسلام ہر فرد کو عریانی اور فحاشی سے اجتناب کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک آنکھ جو نظر بد سے دیکھے زناکار ہے اور جو عورت خوشبو لگا کر کسی مجلس کے پاس سے گذرتی ہے تو وہ ایسی ہے جیسے زانیہ ہے[5]

عریانی اور فحاشی کو روکنے کے لئے اسلام نے پردہ کا حکم دیا ہے تاکہ مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط نہ ہو سکے۔ اسلام ان تمام امور کو ناجائز اور ممنوع قرار دیتا ہے جو معاشرہ میں بے حیائی اور برائی پیدا کرنے کا سبب بن سکتے ہیں۔

---

[1] البقرہ ۲: ۲۷۵ [2] ابن ماجہ باب الحکرۃ الجلب [3] النساء ۴: ۲۹ [4] النور ۲۴: ۲۷ و ۲۸ [5] الانعام ۶: ۱۴۱ [6] اعراف ۷: ۳۱ [7] ترمذی، ابوداود، والنسائی۔

Marfat.com

مساوات: اسلامی معاشرہ میں ہر فرد کو ہر قسم کی مساوات حاصل ہے نہ تو کسی کو دوسرے پر نسلی، لونی، قومی فوقیت حاصل ہے اور نہ کسی کو قانونی برتری، اسلامی معاشرہ میں تمام لوگوں کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ یہ خصوصیت اسلامی معاشرہ کے ہر پہلو میں نمایاں نظر آتی ہے۔ نماز میں سب لوگ ایک ہی حیثیت سے کھڑے ہوتے ہیں، امیر غریب شاہ و گدا، آجر اور اجیر سب ایک ہی صف میں دست بستہ خدا کے حضور کھڑے ہوتے ہیں، کسی کے لئے بھی کھڑا ہونے کے لئے کوئی خاص مقام نہیں ہوتا۔ ماہِ رمضان کا مہینہ آتا ہے تو سب یکساں طور پر بھوکے رہتے ہیں حج کا موسم آتا ہے تو تمام اکناف عالم سے مسلمان مکہ پہنچ جاتے ہیں اور سب ایک ہی لباس میں ملبوس ہوتے ہیں اور مناسک حج ادا کرتے۔ معاشرہ میں عدل و انصاف قائم رکھنے کے لئے سب لوگ قانون کی نظر میں برابر ہیں امیر قانون شکنی کرتا ہے تو سزا پاتا ہے۔ غریب قانون کی حد کو توڑتا ہے تو وہ سزا پاتا ہے۔

قرآن میں اعلان مساوات: قرآن مجید نے مساوات کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام انسان ایک ہی اصل سے پیدا ہوئے۔ ارشاد الٰہی ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً[۱]

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

حدیث میں اعلان مساوات: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے مشہور خطبہ میں فرمایا: ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی۔

اے لوگو! ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

آزادی: اسلام سوائے خدا اور قانون الٰہی کی غلامی کے ہر قسم کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے آزادی کا مقصد شتر بے مہار ہونا نہیں ہے فیثا غورث سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ آزاد آدمی کون ہے اسنے جواب دیا جو نیکی کیلئے وقف ہو جائے۔ اسلام ہر فرد کو شریعت کی حدود کے اندر رہ کر اپنے

۱۔ النساء ۴: ۱

Marfat.com

حقوق سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتا ہے قرآن مجید میں آتا ہے لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ[1]
یعنی تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔
ایک اور جگہ اللہ فرماتا ہے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ[2] یعنی دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔

احساس ذمہ داری: اسلام ہر فرد کو اپنے فرائض کی ادائیگی کی تعلیم دیتا ہے۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ[3] خبردار تم میں سے ہر ایک شخص ذمہ دار ہے اور اس کی ذمہ داری کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا۔

خدا پرستی: اسلامی کی تعلیم کی کا بنیادی پتھر توحید ہے یعنی خدا کو اس کی ذات صفات اور اعمال میں ایک جاننا اور اسی کی عبادت بجا لانا۔ ما سوا اللہ کے نقوش کو دل سے مٹا دینا اس وجہ سے اسلامی معاشرہ کی اہم اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تمام افراد صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں۔ خدا پرستی ہی وہ خصوصیت ہے جس سے اسلامی معاشرہ کی تمیز دوسرے معاشروں سے کی جاسکتی ہے

اطاعت رسول: اطاعت رسول توحید کا لازمہ ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے اطاعت رسول پر بہت ہی زور دیا ہے قرآن مجید میں آتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[4] یعنی تمہارے لئے اللہ کے رسول میں عمل کا نمونہ ہے یعنی رسول کے نقش قدم پر چلو۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا[5]
اور یعنی رسول جو کچھ تمہیں دے اس کو لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔
فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ۔
اور اللہ سے ڈرتے رہو اور باہمی مصالحانہ رویہ اختیار کرو اللہ اور رسول کی اطاعت کرو

شرف انسانیت: توحید کا لازمی نتیجہ شرف انسانیت ہے کیونکہ توحید انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلاتی ہے اور اس کو اشرف المخلوقات قرار دیتی ہے۔ اس دور میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو حقیقی توحید کا علمبردار ہے۔ جو مذہب آگ ہوا۔ سورج اور پانی کی پرستش کی تعلیم دیتا ہے پھر تمام معاشرے کو درجہ بندی کے ساتھ چار ذاتوں

---

[1] الکفرون ۱۰۹: ۶ [2] البقرہ ۲: ۲۵۶ [3] بخاری مسلم [4] احزاب ۳۳: ۲۱ [5] ۵۹: ۷

Marfat.com

برہمن، کشتری، ویش اور شودر میں تقسیم کیا ہے اور ان چار ذاتوں میں شودر نہایت ہی ذلیل ورن ہے منو میں لکھا ہے کہ برہما نے شودر کو برہمنوں کی خدمت کے واسطے بنایا ہے اور اس لیئے خواہ شودر ہو یا غلام ہو اس سے کام برابر لینا چاہیئے (۴۱۳)

ہندوازم نے انسانوں میں تقسیم کرنے سے ایک حصے کو شرف انسانیت سے گرا دیا ہے۔ بدھ ازم نے انسانوں کو حقیقی نجات حاصل کرنے کے لئے ترکِ دنیا کی تعلیم دے کر انسانیت کو مقام ارفع سے گرا دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو بے شمار مخفی قوتیں اور استعدادیں دی ہیں جن کا اظہار دنیا میں رہ کر ہی ہو سکتا ہے۔ ان کے اظہار میں عظمتِ آدمیت ہے۔

شنٹو ازم مظاہر پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس مذہب کے ماننے والوں کا سب سے بڑا معبود سورج ہے اس کے علاوہ ان کے ان گنت معبود ہیں۔

عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیدائشی طور پر گناہ گار ہے۔ آدم اور حوا نے جو گناہ کیا وہ وراثتہً ہر شخص کی فطرت میں چلا آرہا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص گنہ گار ہے۔ گناہ شرف اور عظمت کے منافی ہے اس وجہ سے انسان کو گنہ گار قرار دینا شرف انسانیت سے گرا کر قعرِ مذلت میں پھینکنا ہے۔

تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو شرف انسانیت کا علمبردار ہے جس نے پوری کائنات پر اس کو برتری دی ہے۔

عظمتِ آدمیت کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا [۱] اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو بہتوں پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے بڑی فضیلت دی ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ [۲] اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو انہوں نے فرمانبرداری کی۔ مگر

---

[۱] بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰ [۲] البقرۃ ۲: ۳۴۔

Marfat.com

ابلیس نے نہ کی اس آیت کریمہ میں انسان کو اپنی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے مسجود ملائک قرار دیا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ [۱] یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے احسن تقویم میں عظمت انسانیت کی طرف اشارہ ہے۔

اور انسان کو یہ عظمت اور بزرگی صرف اللہ کا نائب ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے اور اسی کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے کائنات کی ہر چیز اس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً [۲] اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ [۳] کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [۴] اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بنو۔

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا [۵] جو کچھ زمین میں ہے اس نے صرف انسانوں کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ [۶]

کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور کشتی کو بھی کہ وہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ [۷] اور اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کیئے اور آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعہ تمہارے رزق کیلئے پھل پیدا کیئے اور کشتی کو تمہارے کام میں لگایا جو اسکے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور تمہارے لئے نہریں مسخر کردیں

---

[۱] التین ۹۵:۴ [۲] البقرہ ۲:۳۰ [۳] الذاریات [۴] بقرہ ۲: ۲۱ [۵] البقرہ ۲: ۲۹ [۶] الحج ۲۲: ۶۵ [۷] ابراہیم ۱۴: ۳۲-۳۳

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؁۱

اور تمہارے لیے سورج اور چاند اور دن اور رات مسخر کئے۔

قرآن مجید میں اس مضمون کی بے شمار آیات ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز انسان کی خدمت کے لیئے پیدا کی گئی ہے۔

انسان کی مدنیت پسندی: انسانوں میں اور حیوانوں میں کم وبیش جماعت پسندی کا فطری رجحان ہے ایک تاریخی مسلمہ امر ہے کہ انسان ابتدائے آفرینش سے کسی نہ کسی شکل میں معاشرہ سے وابستہ رہا ہے۔ تقریباً دو ہزار سال قبل یونانی فلاسفر ارسطو نے یہ کہا تھا کہ انسان مدنی الطبع ہے وہ سوسائٹی میں پیدا ہوتا ہے۔ پروان چڑھتا ہے اور اس میں رہتا ہے۔

ابن خلدون کہتا ہے:

"افراد انسانی کا اکٹھے مل جل کر رہنا ایک ناگزیر امر ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جسے اہل علم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور مدنیت پسند واقع ہوا ہے" ؁۲

کولے اپنی کتاب (Humanture and The Social order) میں فرد اور معاشرہ کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ فرد اور معاشرہ کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ انفرادیت وقت اور اخلاقی رتبہ سے کسی طرح بھی معاشرہ پسندی سے نہ برتر ہے اور نہ تو اولیت رکھتی ہے انفرادیت اور معاشرت پسندی دونوں ساتھ ساتھ وجود میں آئے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اسی بناپر وہ کہتا ہے۔ (Self and Socity are Twin born)

ڈاکٹر بینی پرشاد نے انسان کو تین اسباب کی بناپر مدنی الطبع قرار دیا ہے۔

اول: پیدائش کے وقت کی بے بسی

دوم: اس کی پیدائشی صلاحیتیں

سوم: بچپن سے اس کا دماغ لچک دار ہونا۔

؁۱ - ابراہیم ۱۴: ۳۳

؁۲ - ابن خلدون المقدمہ صفحہ ۷۹ مطبوعہ بیروت

Marfat.com

مفکر اسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی انسان کو مدنی الطبع دو وجوہ کی بنا پر قرار دیتے ہیں۔

اول: حفظ نفس: بھوک پیاس سردی گرمی اور دشمن سے بچاؤ کے طریقے۔

دوم: بقائے نسل: جنسی خواہش عورت اور مرد کے تعلقات اولاد ماں باپ کا تعلق ہی وہ بنیادی وجوہ ہیں۔ جن کی بناء پر انسان اور کم و بیش حیوان اجتماع پسند ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ انسان میں تین ایسی خواہشات بھی تسلیم کرتے ہیں جو دوسرے حیوانات میں پائی نہیں جاتیں۔ اپنی خواہشات کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں ترقی کی رفتار بہت تیز ہے اور اس کے ارتقاء کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے نہیں پاتا۔ اس کے برعکس حیوانات میں ان خواہشات کا فقدان حیوانی معاشرہ کو جامد بنا دیتا ہے

۱۔ انسان کے ہر کام کا سبب نظام اعصاب کی فوری تحریک نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے کاموں کے لئے منفی تقاضے بھی محرک ہوتے ہیں۔ انسان ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچے گا کہ آیا اس کا کام انسانیت کے لئے غیر مفید تو نہیں جو کام انسانیت کے لئے غیر مفید ہو گا تو وہ اس سے کنارہ کش رہیگا۔ حیوانوں کا ہر کام نظام اعصاب کی فوری تحریک کے تحت ہوتا ہے۔ حیوان کام کرنے سے پہلے یہ نہیں سوچتا کہ وہ دوسرے حیوانوں کے لئے مفید ہے یا نہیں۔ شاہ صاحب انسان کی اس خواہش کو رائے کلی کے مطابق عمل کرنے کی خواہش سے تعبیر کرتے ہیں۔

۲۔ انسان دوسرے حیوانات کی طرح محض حفظ نفس اور بقاء نسل کی ابتدائی ضروریات پوری کرنے پر ہی قناعت نہیں کرتا اسکی نظر ایک مقام پر ٹھہری رہتی ہے بلکہ اسکا ذوق لطیف اور ذوق جمال بلند سے بلند تر مقام کیطرف دوڑتا پھرتا ہے خوب سے خوب تر حاصل کرنے کی تڑپ انسان کو کبھی ایجادات اور اختراعات کی دنیا میں لیجاتی ہے۔

۳۔ تیسری بات جو انسان کو دوسرے حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ حیوان اپنی خواہشات کو صرف فطری الہامات سے انجام دیتے ہیں جب کبھی بھی کسی خواہش کے پورا کرنیکا وقت آتا ہے تو فطری الہام اس خواہش کے پورا کرنیکی طرف راہنمائی کر دیتا ہے اسکے برعکس انسان صرف الہامات سے ہی نوازا نہیں گیا بلکہ عقل اور وحی کی نعمت سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔ جب انسانی احتیاجات اور ضروریات بڑھتی ہیں تو انسان اپنی عقل کے ذریعہ اپنی ضروریات کو پورا کرتا ہے انسان نے تسخیر کائنات کی مہم محض ضروریات اور احتیاجات کی تکمیل کے لئے شروع کی ہے۔

Marfat.com

اسلام اور نظریہ اجتماع: قرآن مجید اور احادیث سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ انسان فطری طور پر معاشرت پسند ہے قرآن مجید میں کہیں یہ ذکر ہے کہ سب لوگ ایک امت ہیں کہیں یہ ذکر ہے اللہ تعالےٰ نے تمہیں قومیں اور خاندان بنایا ہے۔ کہیں یہ ذکر کیا ہے کہ اتحاد کو قائم رکھو اور جُدا نہ ہو جاؤ۔ رسول کریم صلعم اسلامی نظریہ اجتماع بیان کرتے ہوئے کہیں یہ فرماتے ہیں الخلق عیال اللہ۔ کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے کہیں انسانی اجتماع کو ایک عمارت سے تشبیہہ دیتے ہیں کہیں ایک جسم سے کہیں انسانی اجتماع سے فرار کرنے والے کو عذاب الیم کی خبر دیتے ہیں۔

غرض کہ اسلام انسان کو معاشرت پسند قرار دیتا ہے قرآن اور حدیث کی روشنی میں تفصیل حسب ذیل ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً [1] اور اس کے نشانوں میں سے ہے کہ تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے تسکین پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحم پیدا کیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً [2] اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

اس آیت میں ساری نسل انسانی کو ایک کنبہ قرار دیا ہے۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا [3] اور سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں سو وہ اختلاف کرتے ہیں۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ [4] اور یہ کہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میرا تقویٰ کرو۔

---

[1] الروم ۳۰: ۲۱ [2] النساء ۴: ۱ [3] یونس ۱۰: ۱۹ [4] المومنون ۲۳: ۵۲

Marfat.com

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۔ ؎۱ اور وہی جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اسے نسب اور سسرال والا بنایا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ؎۲

مومن بھائی بھائی ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ ؎۳ اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

خلیفہ کا لفظ بنی آدم کی معاشرت پسندی پر دلالت کرتا ہے۔ اگر انسان معاشرت پسند نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کا اپنا جانشین بنانا بے معنی ہے۔

قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبعی خصلت اجتماع پسندی کا ذکر کیا ہے۔ وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے اگر انسان نے اپنے اجتماع اور اتحاد کو پارہ پارہ نہ کیا اور اپنی طبعی خصلت سے منہ پھیر لیا تو وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر جائے گا۔ چوں کہ اسلام فطری دین ہے اس لیے فطری دین کے بیان کے ساتھ ساتھ ان غیر فطری امور کی طرف بھی اشارہ کرتا جاتا ہے۔ جن پر چلنے سے انسان کی دینی اور دنیاوی ہلاکت ہوتی ہے۔

معاشرے اور اجتماع کو برباد کرنے کے خطرناک نتائج کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۔ ؎۴ وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی فرقے بن گئے تیرا ان سے کچھ واسطہ نہیں ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے پھر وہ بتائے گا جو وہ کرتے تھے

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ۔ ؎۵ اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور

؎۱ الفرقان ۲۵ : ۵۴ ؎۲ الحجرات ۴۹ : ۱۰ ؎۳ البقرہ ۲ : ۳۰ ؎۴ الانعام ۶ : ۱۵۹
؎۵ آل عمران ۳ : ۱۰۵

Marfat.com

اختلاف کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی باتیں آچکی تھیں اور انہی کے لیے بڑا عذاب ہے۔
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا [1] اور سب کے سب اللہ کے عہد کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ نہ کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاشرت اور اجتماعیت کے متعلق فرماتے ہیں۔
الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله [2] ساری مخلوق اللہ کی عیال (اولاد) ہے اور اللہ سب سے محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے۔
اللهم ربنا ورب كل شيئ انى اشهد ان العباد كلهم اخوة [3] اے ہمارے رب اور ہر چیز کے رب میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب ہیں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
كونوا عباد الله اخوانا [4] تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔

الاسلام احوج الى الجماعة [5] اسلام جماعتی نظام چاہتا ہے
الجماعة رحمة والفرقة عذاب [6] جماعت رحمت ہے اور متفرق ہونا عذاب ہے۔

ترى المومنين فى تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضوتداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى [7] تو مومنین کو ایک دوسرے سے رحم اور محبت اور مہربانی میں ایسے دیکھے گا جیسا بدن میں ایک عضو بیمار ہوجائے تو سارا جسم بخار اور بیداری میں اس کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔

المومن للمومن كالبنيان يشد بعضه بعضا ثم شبك بين اصابعه [8] ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسا کہ ایک عمارت کا ایک جزو دوسرے جزو کو قوت دیتا ہے پھر اپنی انگلیوں کو ملا کر مثال دی۔

---

[1] آل عمران ۳: ۱۰۳ [2] بیہقی کتاب الایمان [3] اخراجہ احمد ابو داؤد [4] بخاری
[5] کنوز الحقائق حرف الہمزہ [6] کنوز الحقائق حرف الجیم [7] بخاری کتاب الادب

Marfat.com

کہ اس طرح ایک دوسرے سے مل کر قوت دیتے ہیں۔

حدیث قدسی قال اللہ تعالیٰ انا الرحمٰن انا خلقت الرحم وشققت لها اسما من اسمی فمن وصلها وصلتہ ومن قطعها قطعتہ ومن بتہا بتتہ[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں رحمٰن ہوں میں نے رحم پیدا کیا ہے (اپنے نام) سے اس کا نام نکالا ہے جس نے اسے پیوست رکھا میں نے اس کو پیوست رکھا اور جس نے اسے کاٹ دیا میں نے اسے کاٹ دیا۔

ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء[2]

تم اہل زمین پر مہربانی کرو خدا تم پر مہربان ہوگا۔

اسلام کی تعلیم کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے رسول کریم صلعم نے فرمایا۔

التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی عیال اللہ[3] اللہ کے احکام کی تعظیم کرو اور اللہ کی مخلوق سے محبت کرو۔

تفرقہ کے بدنتائج بیان کرتے ہوئے رسول کریم صلعم نے فرمایا:

انما اھلک من کان قبلکم الاختلاف[4] اگلے لوگوں کو اختلاف نے ہلاک کیا اسلام نے عبادات اور تقریبات میں بھی اجتماعیت کے احساس کی آبیاری کی ہے تاکہ انسان کبھی بھی اس فطری ضرورت کو نہ بھلائے۔

اسلامی ثقافت کسی علم پر بحث کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اس کے لفظی اور لغوی معنی اور پس منظر پر بحث کرلیجائے تاکہ اس علم کے مختلف پہلوؤں کو آسانی سے سمجھا جاسکے۔

مفہوم انگریزی کا لفظ کلچر (culture) عربی کے لفظ ثقافت کا مترادف ہے یہ لفظ تہذیب پر بھی بولا جاتا ہے ثَقِفَ ثَقْفًا اور ثَقَافَۃً کے معنی ہیں زیرکی۔ دانائی اور کسی کام کے کرنے میں عقلمندی اور مہارت ثَقُفَ یعنی وہ زیرک اور دانا حاذق ہوا ثَقِفَ۔ ثَقْفَ ثَقِفَ اور تَثْقِیف

---

[1] مختصر شرح جامع المناوی جزثانی [2] بخاری کتاب الادب [3] بیہقی کتاب الایمان [4] کنوز الحقائق حرف الہمزہ۔

Marfat.com

زیرک ذہین اور حاذق شخص کو کہتے ہیں (قاموس)
ثَقِفَ یعنی کسی نے کسی امر کو پالیا۔ کامیاب اور فتح مند ہوا۔ ثَقِیفٌ
کامیاب اور ناتح شخص ثَقِفْتُ الْحَدِیْثَ - یعنی بات تیزی سے سمجھ لی۔
یہ بھی کہا جاتا ہے: وَهُوَ غُلَامٌ لَقِنٌ ثَقِفٌ، یعنی وہ ایسا زود فہم اور دانا
لڑکا ہے ثِقَافٌ اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے نیزے سیدھے کیے جاتے ہیں۔
امام راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کسی چیز کے بھانپ لینے
اور کسی کام کے کرنے میں مہارت اور حذاقت کا نام ثَقَفٌ ہے اس سے مُثَاقَفَةٌ
کا لفظ مشتق ہے جس کے معنی باہم شمشیر زنی کے ہیں رُمْحٌ مُثَقَّفٌ کے معنی ہیں سیدھا
کیا ہوا نیزہ اور جس آلہ سے نیزے کو سیدھا کیا جاتا ہے وہ ثِقَافٌ کہلاتا ہے
ثَقِفْتُ کذا کے معنی ہیں کہ میں نے وقت نظر سے کسی چیز کو تاڑ لیا۔ پھر یہی
لفظ گرفت اور پانے میں استعمال کیا جانے لگا۔ خواہ اس کے ساتھ ذکاوت اور حذاقت
شامل یا نہ ہو جیسا کہ ان آیات میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ
ثَقِفْتُمُوْهُمْ[1] اور جہاں ان کو پاؤ ارو۔ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ
فِي الْحَرْبِ[2] اگر تو ان کو لڑائی میں پائے۔
مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا
[3] پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے
علامہ زمخشری اپنی کتاب "اساس" میں لکھتے ہیں کہ مجازاً "آداب سکھانے اور
مہذب بنانے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے چنانچہ یوں کہا جاتا ہے وَلَا تَثْقِيْفُكَ
وَتَوْقِيْفُكَ لِمَا كُنْتُ شَيْئًا - یعنی اگر تو مجھے نہ سنوارتا اور باخبر نہ کرتا تو
میں کچھ بھی نہ ہوتا۔ اس طرح یوں بھی کہا جاتا ہے۔ هَلْ تَهَذَّبْتُ وَتَثَقَّفْتُ
اِلَّا عَلٰى يَدِكَ یعنی میں نے تجھ سے ہی ادب اور تہذیب سیکھی۔
راغب علی بیرونی اپنے رسالہ الثقافۃ میں لکھتے ہیں:
الثقافۃ إنما هي الاصلاح النفس الصحيح الكامل بحيث
يكون صاحبها مرآة الكمال والفضائل۔ اصلاح الفاسد وتقويم المعوج[4]

---

[1] بقرہ ۲: ۱۹۱ [2] الانفال ۸: ۵۷ [3] الاحزاب ۳۳: ۶۱ [4] الثقافۃ صفحہ ۱۹

Marfat.com

یعنی ثقافت نام ہے نفس کی صحیح اور کامل اصلاح کا اس طرح کہ شگفتہ آدمی کی ذات کمال اور فضائل کا آئینہ ہو..... فاسد کی اصلاح اور ٹیڑھے پن کو سیدھا کرنا ثقافت ہے۔

ارنلڈ اپنی کتاب Culture and Anarchy میں کلچر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کلچر انسان کی بے لوث سعی ہے۔ کلچر کمال کی تحصیل ہے[۱]۔ ٹی۔ ایس ایلیٹ ثقافت (کلچر) کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں

"ثقافت آداب کی شائستگی کا نام ہے یعنی مدنیت اور انسانیت[۲] پھر اس کی مزید توضیح و تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ثقافت سے میری اولین مراد وہ ہے جسے ماہرین لسانیات بیان کرتے ہیں یعنی ایک خاص مقام پر رہنے والے مخصوص افراد کا طرز حیات[۳]"

محسن مہدی لکھتے ہیں:

"ثقافت نہ تو صلاحیت و استعداد کا نام ہے اور نہ ان خواہشات کا جو آدمی کی ذات کے اندر موجود ہیں بلکہ صحیح طور پر یہ معاشرتی ادارات اور فنی تخلیقات کی عادی اور رسمی صورت کا نام ہے[۴]"

فلپ بگ بی لکھتے ہیں:

"ثقافت معاشرے کے افراد کے داخلی اور مادی طرز عمل کی باقاعدگیوں کا نام ہے اس میں وہ باقاعدگیاں بھی شامل ہیں۔ جو صاف طور پر موروثی بنیاد رکھتی ہیں[۵]"

فیضی لکھتے ہیں:

"کلچر کسی مخصوص زمانے یا ملک کے عام دانشورانہ معیار کا نام ہے[۶]

پروفیسر ہیری شپیرو Harry Shapiro نے اسے فقط اکتسابی طرز عمل کا نام دیا ہے[۷]۔

---

[۱] ترجمہ ثقافت وانتشار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کراچی صفحہ ۱۶۱ [۲] (Note) Towards The difination of culture P.13 صفحہ ۱۳ [۳] صفحہ ۱۲۰

[۴] Ibn Khalduns Philosophy of History P. No (81)

[۵] Culture and History P. No 80

[۶] Islamic culture

[۷] ثقافت کا مسئلہ (ترجمہ سید قاسم محمود) صفحہ ۲۰

ہاب ہاؤس Hob-House کے نزدیک

"ہر وہ شئے جو افراد کے جذبات اور احساسات سے وجود میں آئے" ثقافت ہے۔ میلی نوسکی (Mali nowski) کے نزدیک

"زندہ رہنے کے مجموعی سلیقے کا نام ثقافت ہے جو ہمہ قسم کے ذہنی معاشرتی اور مادی آلات پر مشتمل ہے"۔

گستاف کلائم (Gustave Clime) کے نزدیک رسوم و روایات اکتسابی طریق کار امن اور جنگ کے دنوں میں شخصی اور اجتماعی زندگی مذہب سائنس اور فنون کا ایک ایسا مجموعہ جو ماضی کا ورثہ ہے۔ اور مستقبل کیلئے تجربہ بھی۔[1]

رابرٹ ریڈ فیلڈ (Robert Red Field) کسی انسانی گروہ کے علوم اور خود ساختہ فنون کا ایک ایسا مصالحتی نظام جو باقاعدگی سے رواں دواں ہو۔[2]

کلیرنس ایم کیس (Clarence . M . case) ثقافت ایک ایسا منفرد اور جامع تصور ہے جس میں کم از کم ہر قسم کے خارجی ذخائر اور داخلی طور پر ذاتی اور اجتماعی تجربات کے نچوڑ کی ترسیل اور تبادلہ بھی شامل ہے۔[3]

پروفیسر ایڈورڈ ٹائلر نے لکھا ہے۔ ثقافت ایک ایسا مرکب سالمیت کا نام ہے۔ جس میں ہر قسم کے علوم و فنون رسم و رواج عقائد اور قوانین اور دوسری تمام وہ صلاحیتیں شامل ہیں جو معاشرہ کا رکن ہونے کی صورت میں کسی فرد میں پائی جاتی ہیں۔[4]

جان۔ ایف سیوبر (John F. Cuber) ثقافت کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے کہ ثقافت آموختہ کردار اور اس کے نتائج سے پیدا شدہ ایک نقش ہے جو ہر لمحہ تبدیل ہوتا رہتا ہے اور جو معاشرہ کے مختلف افراد کے درمیان رواج پاتا ہے اس میں ہر قسم کا انسانی رویہ اقدار علوم اور مادی اشیا شامل ہیں۔[5]

۱؎ بینی ڈکٹ بحوالہ ترجمہ سید قاسم محمود "قدیم تہذیب اور جدید انسان" شیش محل کتاب گھر لاہور ۵۱۷

۲؎ Ogburn-W.F. and Nimk off M.F. Sociology P.No 50

۳؎ اگبرن اور نمکاف ۴؎ اگبرن اور نمکان صفحہ ۷۹

۵؎ Social A synopsis of Principles Jhon F Cuber P.No 6,67

Marfat.com

ڈاکٹر برہان الدین احمد فاروقی کہتے ہیں کہ
"یہ جرمن زبان کے لفظ کلٹور سے ماخوذ ہے جس میں جوتنے بونے اور اگانے کا استعارہ پایا جاتا ہے مگر جو کچھ جوتا جاتا ہے وہ زمین نہیں انفرادی اور اجتماعی ذہن ہے جو کچھ بویا جاتا ہے وہ بیج نہیں تصورات ہیں اور جو کچھ اگایا جاتا ہے وہ اناج کی فصل نہیں بلکہ یکجہانیت کردار کا نمونہ ہے جس کی بدولت کسی گروہ میں وحدت کا شعور راسخ رہتا ہے" [۱]

مذکورہ بالا تعریفات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ کلچر (ثقافت) کی اصطلاح کتنی مبہم ہے۔ کہ ہر ماہر فن نے ایک دوسرے سے مختلف تعریف کی۔
جیسا کہ پہلے یہ بیان ہو چکا ہے۔ لفظ کلچر کو عربی زبان کے لفظ تہذیب کا بھی مترادف قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ تہذیب کا لغوی معنی:

جدید عربی کی مشہور لغت القاموس العصری میں اس کے حسب ذیل معنی لکھے گئے ہیں

۱۔ کسی درخت، مضمون، یا مسودہ قانون وغیرہ کی کاٹ چھانٹ کرنا۔
۲۔ نقائص سے پاک کرنا صاف کرنا۔ ٹیڑھ نکال دینا۔ یا اصلاح کرنا۔
۳۔ تعلیم دینا۔ رہنمائی کرنا
۴۔ کلچر
۵۔ تنقیح۔

بعض مصنفین نے تہذیب کی تعریف اس طرح کی ہے کہ:

تعریف "وہ ایک ایسا نظام اجتماعی جو انسان کو ثقافتی ثمرات کے حصول میں زیادہ سے زیادہ مدد دیتا رہتا ہے" [۲]

سرسید احمد خان "تہذیب الاخلاق" کی دوسری جلد میں تہذیب پر بحث کرتے

---

[۱] بحوالہ سید قاسم محمود مذکورہ صفحہ ۵۱۸ [۲] اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو مصنفہ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مترجم سید معروف شاہ شیرازی صفحہ ۳۹

Marfat.com

ہوئے کہتے ہیں۔

"تہذیب سے مراد انسان کے تمام افعالِ ارادی اخلاقی اور معاملات، معاشرت تمدّن اور طریقہ تمدّن، صرف اوقات، علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا۔ اور اس کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے تمکّن وقار، قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہے۔ اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے۔"

تبصرہ ثقافت اور تہذیب کی لغوی اور اصطلاحی بحث پڑھنے کے بعد قاری اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ الفاظ اپنے اندر اتنا وسیع مفہوم رکھتے ہیں کہ کوئی بھی ماہر عمرانیات جچے تلے الفاظ میں تعریف نہیں کر سکا میتھو ارنلڈ نے اپنی کتاب Cultar and anarchy میں (A.i Krocher and Klnch Halin کے حوالے سے لکھا ہے اس کی ایک سو اکسٹھ تعریفیں کی گئی ہیں۔

قرآن مجید میں کلچر کا مترادف لفظ فلاح آیا ہے جیسا کہ قرآن کے آغاز میں أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کے الفاظ آتے ہیں۔ فلح کے اصل معنی شق یعنی پھاڑنا ہیں زمین میں ہل چلانے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اس لئے کسان کو فلاّح کہتے ہیں اور فلاح کے معنی ظفر اور ادراک بُغیہ ہیں (امام راغب) یعنی کامیابی اور مطلوب کا پالینا

پس قرآنی نقطہ نگاہ سے تہذیب سے مُراد ان قوائے مضمرہ کا ظہور ہے جو اللہ تعالےٰ نے کائنات کے ذرہ ذرہ میں ودیعت کر رکھے ہیں۔

جب کائنات کا ذرہ ذرہ انسان کی خدمت میں لگ جائے اور دوسری طرف انسان کی تمام مخفی استعدادیں نشوونما پا جائیں تب تہذیب اپنے نقطہ کمال کو پہنچتی ہے اللہ تعالےٰ نے کائنات کے ذرہ ذرہ کو خادم بنانے اور انسان کے قوائے مضمرہ کی نشوونما کے لئے دو چیزیں عنایت کی ہیں۔ اول وحی الٰہی جو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السّلام کے دلوں پر جبرائیل علیہ السّلام کے ذریعہ نازل کرتا ہے وحی الٰہی آسمانی پانی ہے۔ جو دلوں کی مُردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور انسان کی تمام مخفی استعدادیں جاگ اٹھتی ہیں اللہ تعالےٰ نے وحی الٰہی اور انبیاءؑ علیہم السّلام کو ماننا اسی وجہ سے جزو ایمان ٹھہرایا تاکہ انسان اپنی زندگی کے مقصد کو پا سکے۔

دوم عقل: ۔ اور اللہ تعالےٰ نے انسان کو عقل دی ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنی مخفی طاقتوں

Marfat.com

کو بروئے کار لا سکے۔

ثقافت کی ارتقائی منزل مارگن MORGAN کے خیال میں ثقافت مندرجہ ذیل تین ادوار سے گزری ہے۔

۱۔ وحشی پن Savagery وحشی پن کے اس پہلے دور میں تین مراحل پائے جاتے ہیں ان میں پہلا مرحلہ سب سے کم وحشی پن کا ہے جو کہ نسل انسانی کی ابتدا سے شروع ہوتا ہے انسان نے اس دور میں مچھلی پکڑنے اور آگ کے استعمال کا طریقہ سیکھا ان چیزوں کے حصول سے دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور یہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ انسان نے تیر اور کمان ایجاد نہ کر لی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی انسان نے وحشی پن کے تیسرے اور اعلیٰ درجہ میں قدم رکھا۔

۲۔ بربریت (Barbarime) بربریت کا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ انسان مٹی کے برتن وغیرہ بنانے کا فن ایجاد کیا۔ یہ بربریت کا سب سے نچلا درجہ تھا۔ اس کے بعد جب انسان نے جانوروں کو گھریلو استعمال میں لانا شروع کیا۔ اور اس کے علاوہ اینٹ اور پتھر سے گھر بنانے کا فن سیکھ لیا۔ تو وہ بربریت کے دوسرے دور میں داخل ہو گیا جانوروں کو استعمال میں لانے سے نہ صرف انسان کی خوراک میں اضافہ ہوا بلکہ اب انسانی طاقت کو حیوانی طاقت سے تقویت بھی پہنچی جو ایک نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

بربریت کے تیسرے دور میں انسان نے کچی دھات کو صاف کرنا سیکھا لوہے کے ہتھیار اور اوزار بنانے سیکھے اور انہیں استعمال کرنے کا علم بھی حاصل کر لیا۔

۳۔ تہذیب civilization مارگن کے کہنے کے مطابق صوتی حروف تہجی phonetic alphabet کی ایجاد سے انسان نے تہذیب دور میں قدم رکھا اس دور میں قبائلی رشتوں اور تعلق پہ قائم شدہ حکومت کے بجائے علاقہ اور املاک پر مبنی حکومت کی ابتدا ہوئی۔[۱]

۱؎ عمرانی افکار مصنفہ ارشدی رضوی صفحہ ۱۲۷۔

Marfat.com

کلچر (ثقافت اور تہذیب) کے عناصر ترکیبی

تہذیب اور اس کی حقیقی روح کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے عناصر ترکیبی کا جائزہ لیا جائے یہ عناصر پانچ ہیں۔

① ← پہلا عنصر: کسی تہذیب کا پہلا عنصر یہ ہے کہ اس کا دنیوی زندگی کے متعلق کیا تصور ہے وہ اس دنیا میں انسان کو کیا مقام دیتی ہے کائنات اور انسان کا باہمی کیا تعلق ہے۔

② ← دوسرا عنصر: انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے اور وہ کون سی منزل ہے جس کے لئے انسان کو کوشش کرنی چاہیئے۔

③ ← تیسرا عنصر: اس تہذیب کی بنیاد کن عقائد اور افکار پر ہے وہ افکار اور عقائد انسانی زندگی پر کیا اثر انداز ہوتے ہیں۔

④ ← چوتھا عنصر: وہ تہذیب سوسائٹی کے افراد کو کن کن اخلاق کا حامل بنانا چاہتی ہے اور کن کن اخلاق سے بچنے کی ہدایت کرتی ہے۔

⑤ ← پانچواں عنصر: اس تہذیب کا اجتماعی نظام کیا ہے اجتماعی نظام ایک فرض (فرد) کی زندگی سے لیکر بین الاقوامی زندگی پر پھیلا ہوا ہے۔

● پہلا عنصر انسان کا مقام اور اس کا تعلق کائنات سے: اسلام جس تہذیب کا علمبردار ہے اس میں انسان کو ارفع مقام دیتا ہے جو کسی دوسری تہذیب نے نہیں دیا۔ عیسائیت انسان کو پیدائشی گنہگار قرار دیتی ہے اور وہ اس وقت تک پاک نہیں رہ سکتا جب تک کفارہ پر ایمان نہ لائے۔ عیسائیت کے آغوش میں جو بھی تہذیب پرورش پائے گی اس میں انسان ایک گھٹیا مقام پر کھڑا ہوگا۔

ہندومت ذات پات کا قائل ہے اور شودر کو سوسائٹی میں وہ حق دینے کو تیار نہیں جو برہمن کو حاصل ہے۔ اس ذات پات کے بطن سے جو بھی تہذیب جنم لے گی وہ نسل انسانی میں پیدائشی تفریق پیدا کر دے گی اور مساوات، محبت، اتحاد رواداری کو ختم کر دے گی۔

پھر کوئی مذہب بھی کائنات کو انسان کا خادم قرار نہیں دیتا بلکہ انسان کو کائنات کے مختلف عناصر کے سامنے سرنگوں ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔

Marfat.com

اسلام نسل انسانی کو مقام تکریم پر کھڑا کرتا ہے اور تفریق بین الناس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے کائنات کو خادم اور انسان کو مخدوم اور مالک قرار دیتا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ [1] یعنی ہم نے نوعِ انسانی کو قابل تکریم بنایا ہے۔ وجہ تکریم حسب نسب کو قرار نہیں دیا بلکہ تقویٰ کو قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے ان اکرمکم عند الله اتقاکم [2] کہ تم میں سے اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے وہ تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا احمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی۔ [3] عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے اس کرۂ ارضی میں سب چیزیں انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی۔ ارشادِ الٰہی هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا۔ [4] وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔

دوسری جگہ آتا ہے: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔ [5] کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو پورا کیا۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسی دوسری مخلوق کے سامنے جھکنے سے منع فرمایا ہے کیوں کہ خدا کے سوا کسی کے آگے جھکنا انسانیت کی ذلت ہے

دوسرا عنصر: انسانی زندگی کا مقصد: اسلام میں انسانی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [6] اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی ہو۔

---

[1] بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰ [2] [3] مسند احمد [4] البقرہ ۲: ۲۹

[5] لقمان ۳۱: ۲۰ [6] بقرہ ۲: ۲۱

Marfat.com

دوسری جگہ آتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [۱] کہ میں نے جن اور انسان اس لیے پیدا کیے ہیں تاکہ وہ میری عبادت کریں دین اسلام میں عبادت چند الفاظ اور حرکات کا نام نہیں یہ لفظ اپنے اندر ایک وسیع مفہوم سمیٹے ہوئے ہے اللہ تعالےٰ ہمارے چند تعریفی کلمات کا محتاج نہیں ہے نہ ہی اس کے حضور باادب کھڑے ہونے رکوع کرتے سجدہ کرنے سے اس کی شان میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔ وہ خالق ہے ہم مخلوق اس وجہ سے ہم ہر لحاظ سے اس کے محتاج ہیں اس کے فضل کے بغیر دنیا کی کوئی چیز بقید حیات نہیں رہ سکتی۔ وہ ہمارے ہر عمل سے مستغنی ہے کیوں کہ وہ صمد ہے اسلام میں اللہ کی عبادت کرنے کا مفہوم صرف یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرے۔ جب انسان خدا کی تعلیم کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لے گا تو وہ حقیقی معنی میں اس کا عبد بن جائے گا۔

● تیسرا عنصر: بنیادی عقائد اور افکار: اسلامی تہذیب کے بنیادی عقائد اور افکار پانچ ہیں۔

۱۔ اللہ پر ایمان۔
۲۔ ملائکہ پر ایمان
۳۔ آسمانی کتب پر ایمان
۴۔ اللہ کے رسولوں پر ایمان
۵۔ آخرت پر ایمان

اللہ پر ایمان: ارشاد الٰہی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ [۲] اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ پر ایمان لاؤ۔ اللہ پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو تمام خوبیوں کا جامع اور تمام عیوب سے منزّہ سمجھنا اور اس کی تعلیم کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا ہے۔

ملائکہ پر ایمان: ارشاد الٰہی ہے: وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ [۳] جو اللہ اور اس نے فرشتوں کا انکار کرے۔ ملائکہ ملک کی جمع ہے جس کے معنی فرشتہ ہیں یہ لفظ

---

[۱] الذاریات
[۲] نساء ۴: ۱۳۶ [۳] نساء ۴: ۱۳۶۔

Marfat.com

مالک سے مشتق ہے جس کے معنی رسالت ہیں۔ ملائکہ وہ خارجی ہستیاں ہیں جو ہماری جسمانی اور روحانی ربوبیت کے لیے پیدا کی گئی ہیں کائنات میں سورج، چاند ستارے ہوائیں بادل وغیرہ تمام عناصر جو انسان کے لیے کام کرتے نظر آ رہے ہیں در پردہ یہ ملائکہ کے کام ہیں۔ ملائکہ نسل انسانی کی روحانی ربوبیت کے لیے وحی لانے کے وسائط ہیں[۱] مومنین کی مدد کے لئے اور ان کے دشمنوں کے خلاف بھیجے جاتے ہیں[۲] مومنوں اور غیر مومنوں سب کے لئے دعا مغفرت مانگتے ہیں[۳]۔ مومنوں کی روح قبض کرتے ہیں[۴]۔ غیر مومنوں کی بھی[۵] لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں[۶]۔ قیامت کے دن لوگوں کی شفاعت کریں گے[۷]۔ اعمال صالح کے لیے تحریکات کرتے ہیں۔ ملائکہ پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ ہر نیکی کی تحریک جو ملائکہ کی طرف سے ہوتی ہے اس پر عمل کرنے میں کبھی سستی سے کام نہ لیا جائے اور فوراً اس پر عمل کیا جائے کیوں کہ ملائکہ انسان میں روحانی زندگی پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔

کتب سماوی پر ایمان: کتب سماوی سے مراد وہ تمام آسمانی کتب ہیں جو وقتاً فوقتاً انبیا علیہم السلام پر لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوتی رہی ہیں ان کتب پر ایمان لانے کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ۔[۸] اور اس کتاب پر ایمان لائے جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری۔ ایک اور جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ[۹] جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔ تمام کتب سماوی پر ایمان لانا مسلمانوں کے مذہب کا اصول ہے۔

جس طرح اللہ تعالےٰ نے نسل انسانی کی جسمانی ربوبیت کے لئے خوراک اور دوسری اشیا پیدا کی ہیں۔ اس طرح روحانی و اخلاقی ترقی کے لیئے روحانی خوراک سے متمتع کیا ہے۔ ہر قوم کی ہدایت کے لیے اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے ہر نبی پر وحی نبوت یعنی کتاب نازل فرمائی ہے ارشاد الٰہی ہے وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ

۱؎ النساء ۴: ۱۶۳ ۲؎ ۳: ۱۲۳: ۱۲۴ ۳؎ ۴۲: ۵ ۴؎ ۱۶: ۳۲ ۵؎ ۴: ۹۷
۶؎ ۱۶: ۲۸ ۷؎ ۲۸: ۱۰، ۱۲ ۸؎ ۵۳: ۲۶ ۹؎ ۴: ۱۴۳
۹؎ ۲: ۴

بالحق اور انکے ساتھ ہی کیساتھ کتابیں اتاریں کتب سماوی پر ایمان لانا اس وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور فرامین کی حامل ہوتی ہیں جن پر عمل کرکے انسان اپنی انفرادی اور دنیوی زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے کتب سماوی کی تکمیل قرآن مجید کی شکل میں ہوگئی جیسا کہ قرآن مجید کا دعویٰ ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ ؎۱ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور تمہارا دین اسلام ہونے پر راضی ہوا ہوں۔

دوسری جگہ آتا ہے فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ۔ یعنی قرآن مجید تمام کتب سماوی کی تعلیمات کا نچوڑ ہے اب بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے قرآن ہی کافی ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر ایمان:۔ قرآن مجید میں آتا ہے کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (۲/۲۸۵) وہ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ وہ مقدس اور مطہر ہستیاں ہیں جن کے دلوں پر جبریل علیہم السلام اللہ کے احکام لے کر اترتا رہا۔ پھر یہ ہستیاں ان احکام پر خود عمل کرکے لوگوں کے لئے عملی نمونہ بنتے رہے۔ وہی نمونہ متبعین کی راہنمائی کا موجب ہے۔ اسلامی نظریہ کی رو سے ہر قوم کی طرف ہی آتے رہے ہیں جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ؎۲ اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی مشیت نے یہ چاہا کہ انبیاء کی تمام متفرق اقوام کو وحدت کی لڑی میں منسلک کرے تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ؎۳ اور ہم نے تجھے تمام قوموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے دوسری جگہ آتا ہے: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ ؎۴ اور ہم نے تجھے لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

؎۱ المائدہ ۵: ۳ ؎۲ فاطر ۳۵: ۲۴ ؎۳ الانبیاء ۲۱: ۱۰۷
؎۴ سبا ۳۴: ۲۸

Marfat.com

اب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے تمام مدارج ختم ہو چکے تھے اس وجہ سے آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا ارشادِ الٰہی ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا[۱] محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

ختم نبوت کا مقصد نسلِ انسانی میں اتحاد پیدا کرنا ہے

قرآن مجید میں رسول کے آنے کی اغراض ایک آیت میں جمع کر دی ہیں ارشادِ الٰہی ہے: ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیتنا ویزکیکم وَيُعَلِّمُكُمُ الكتاب والحكمة۔[۲] تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

قیامت پر ایمان: قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ[۳] اور آخرت پر وہ ایمان رکھتے ہیں دوسری جگہ آتا ہے:

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ[۴] جو کوئی بھی اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے تو ان کے لئے ان کا بدلہ اپنے رب کے ہاں ہے۔

بعث بعد الموت پر ایمان لانے سے انسان کے اندر نیکی کا جذبہ ابھرتا ہے اور بدی سے نفرت پیدا ہوتی ہے کیوں کہ اس کو احکم الحاکمین کے سامنے موت کے بعد حاضر ہونے کا یقین ہوتا ہے یہ فطری اصول ہے کہ انسان کو جہاں خوشی اور راحت پہنچتی ہے وہاں خوشی سے جاتا ہے جہاں دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے وہاں سے ہٹ جاتا ہے۔ جنت آرام اور خوشیوں کی جگہ ہے اور جہنم دکھ اور تکلیف کی جگہ جب انسان جنت اور دوزخ کا قائل ہوگا تو وہ لازمی طور پر جنت کے حصول کی کوشش کرے گا تاکہ وہ آرام سے زندگی بسر کر سکے۔

- چوتھا عنصر اخلاق: اخلاق فاضلہ وہ اعمال ہیں جو اللہ تعالےٰ کی صفات کے مقتضیات ہوں اور جو صفات الٰہیہ کی مقتضیات کے برعکس ہوں وہ اخلاق رذیلہ ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں

---

[۱] الاحزاب ۳۳:۴۰ [۲] البقرہ ۲:۱۵۱ [۳] البقرہ ۲:۴ [۴] البقرہ ۲:۶۲

Marfat.com

آتا ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً [1]
اللہ کا رنگ اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے۔

اسلام میں اخلاق کو بہت اہمیت حاصل ہے رسول کریم صلعم کی بعثت کی اغراض میں سے ایک غرض اللہ تعالٰے نے یہ فرمائی ہے :- يُزَكِّيهِمْ [2] وہ انہیں پاک کرتا ہے۔ رسول کریم صلعم خود فرماتے ہیں بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ [3] پھر فرماتے ہیں :- اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا [4] مومنوں میں سے ایمان کے لحاظ سے کامل وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں

پانچواں عنصر۔ اسلامی تہذیب کا پانچواں ترکیبی عنصر اس کا اجتماعی نظام ہے جو ایک فرد کی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی پر پھیلا ہوا ہے قرآن مجید ~~میں آتا ہے~~ - مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ - بنی نوع انسان کی ضرورت کی کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کتاب میں بیان نہ ہوئی ہو اس وجہ سے اسلام اکمل ہونے کا دعوٰی کرتا ہے ارشاد الٰہی ہے :

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [5]
آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارا دین اسلام ہونے پر راضی ہوا ہوں۔

اسلامی تہذیب کا اجتماعی نظام معاشرت۔ تقسیم دولت اور ریاست پر مشتمل ہے اس کتاب کا موضوع ہی اسلام کا اجتماعی نظام بیان کرنا ہے اس وجہ سے ان موضوعات پر بحث اپنی اپنی جگہ تفصیل کے ساتھ آئے گی۔

اسلامی تہذیب کی روح

اسلامی تہذیب کی روح توحید ہے

توحید کے

---

[1] البقرہ ۲:۳ [2] جمعہ ۶۲:۲ [3] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۵
[4] ترمذی [5] ۵:۳

Marfat.com

اس مفہوم کو سامنے رکھ کر توحید کے مسئلہ کو مختلف پیرایوں میں قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر دہرایا ہے قرآن مجید کا کوئی صفحہ نہیں ہے جہاں اس مسئلہ پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو تمام علمائے اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ توحید ہی تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلقہ قرآنی تعلیمات کا عمود ہے اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ایک پوری سورت نازل ہوئی ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔[1]

کہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کا بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں اس مختصر سی سورت میں توحید کے اثبات اور شرک کی نفی کے تمام دلائل دے دیئے ہیں۔

توحید تین امور کو ظاہر کرتی ہے۔

اوّل: اللہ تعالٰے اور انسان کا باہمی تعلق۔

دوم: انسانوں کا باہمی تعلق

سوم: انسان کا دوسری مخلوقات سے تعلق

امر اوّل اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ انسان اللہ تعالٰے کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے اور اسی کی عبادت میں حقیقی خوشی محسوس کرے اس کے غیر کے تمام بتوں سے اپنے دل کو صاف رکھے۔ قرآن مجید نے اس تعلق کو مختلف رنگوں میں بیان کیا ہے ارشاد الٰہی ہے: يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ[2] (بقرہ) لوگو اپنے رب کی عبادت کرو: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ[3] (سورۃ فاتحہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[4]

میں نے جن اور انس اس لئے پیدا کئے ہیں کہ وہ میری عبادت کریں

توحید کی ضد شرک ہے قرآن مجید نے اس کو بھی براہین قاطعہ سے باطل کیا ہے اور

---

[1] سورۃ اخلاص ۱۱۲ [2] بقرہ ۲ : ۲۱ [3] فاتحہ ۱ : ۵

[4] الذاریات ۵۱ : ۵۶

Marfat.com

تمام گناہوں سے بدترین گناہ قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ؕ۱
شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔

شرک کو اس وجہ سے بدترین گناہ قرار دیا ہے کہ وہ مانع تہذیب ہے جب انسان ماسوا اللہ کی پرستش کرتا ہے تو وہ سب علمی تحقیقات کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیتا ہے۔ جب انسان حجر، شجر، شمس و قمر اور دیگر مخلوقات کو اپنا معبود اور مطلوب بنا لیتا ہے تو ان کو مسخر کرنے اور ان سے خدمت لینے کی تمام راہیں مسدود کر لیتا ہے یہی وجہ ہے اسلام سے قبل علوم مادیات میں کوئی ترقی نہ ہوئی اس وجہ سے اسلام نے شرک کی ہر قسم کو باطل قرار دیا ہے تاکہ یہ انسان ماسوا اللہ کی زنجیروں سے آزاد ہو کر تہذیب کے میدان میں ترقی کرے قرآن مجید نے شرک کی مختلف صورتوں کو سورۃ آل عمران کی آیت ۶۴ میں اکٹھا کر دیا ہے۔ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ۲: کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔

پس اللہ تعالےٰ اور انسان کے درمیان تعلق عبودیت کا ہے۔ عبودیت یہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان احکام الٰہی کی کامل فرمانبرداری کرے۔ جب ایک انسان اللہ تعالےٰ کا ہی حقیقی بندہ بن جاتا ہے تو انسان کی مخفی استعدادیں ترقی کرنا شروع کر دیتی ہیں نیکیوں سے محبت اور بدیوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ رسول کریم صلعم کی بعثت سے قبل تمام عرب شرک میں مبتلا تھا جس کی وجہ سے ان میں ہر قسم کی برائی پائی جاتی تھی۔ جونہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا نعرہ بلند کیا اور لوگوں نے ایمان لانا شروع کیا۔ تو ان میں ایک روحانی انقلاب رونما ہو گیا وہی لوگ جو بتوں کی پوجا کرتے تھے اور ہر قسم کی برائیوں کی آلودگیوں میں ملوث تھے۔ وہی لوگ نیکی کے راستہ پہ قدم مارنے لگے۔ اور برائیوں سے نفرت کرنے لگے۔

امر دوم: توحید الٰہیہ نسل انسانی کے اتحاد کی متقاضی ہے نسل انسانی کی وحدت پر جو توحید کا نتیجہ ہے۔ قرآن مجید نے بہت زور دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: كَانَ

---

۱ لقمٰن ۳۱ : ۱۳

اَلنَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً[۵۱] سب لوگ ایک ہی قوم ہیں۔ پھر فرمایا وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً[۵۲] وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً[۵۳] سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں۔

امر سوم: توحید انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ وہ کائنات کو اپنا خادم سمجھے۔ یہی وہ تصور ہے جس نے مادی ترقی کے راستے کھولے ہیں۔ ایک وقت تھا جب دنیا نے کائنات اور اس کے عناصر کو اپنا معبود سمجھا تھا۔ اس عناصر پرستی کی وجہ سے انسان کے دل میں یہ کبھی بھی خیال نہیں آ سکتا تھا کہ کائنات اور اس کے عناصر اس کی خدمت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ جب تک کائنات اور اس کے عناصر معبود اور مطلوب بنے رہے تو انسان نے ان کے متعلق کسی قسم کی تحقیق نہیں کی۔ جب اسلام نے توحید کا پیغام سنایا۔ عناصر کی پرستش کی۔ زنجیروں سے نجات دلائی۔ اور یہ سبق دیا۔ سورج۔ چاند، ستارے۔ دریا سمندر، آگ ہوا پانی۔ غرض کہ یہ دنیا کی ہر چیز تمہاری خادم ہے۔ اور تم ان کے مخدوم تب انسان نے ان کو مسخر کرنے کی طرف توجہ کی۔ سائنٹفک تحقیقات کے دروازے کھلے۔ یہ امر واقع ہے کہ اسلام کے آنے سے ہی علوم جدیدہ اور سائنس کی ترقی ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً[۵۴] کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو پورا کیا ہے۔

پس قرآنی توحید نے ہی انسان کو علمی تحقیق کی طرف توجہ دلائی ہے اگر حکماء کی آراء و افکار کا جائزہ لیا جائے تو یہی تین امور جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے سامنے آتے ہیں۔ جن کو حکماء نے اصول تہذیب ٹھہرایا ہے۔

---

۵۱ البقرہ ۲: ۲۱۳

۵۲ یونس ۱۰: ۱۹

۵۳ لقمان ۳۱: ۲۰

Marfat.com

مشہور فلاسفر کینٹ (Kant) نے یہ تسلیم کیا ہے کہ
"تہذیب انسانی اس وقت کمال کو پہنچے گی جب انسان خدا کی وحدانیت
کو تسلیم کرے گا"۱

تہذیب اسلامی کی خصوصیات

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اسلامی تہذیب کی روح توحید ہے جو بھی تہذیب اسلامی کی خصوصیات بیان ہوں گی وہ دراصل توحید کے ہی ثمرات ہیں جو تہذیب اسلامی کے شجر کو لگتے ہیں۔

(۱) — **عظمت انسان** اسلامی تہذیب کا درخشندہ پہلو عظمت انسان ہے یہ وہ پہلو ہے جو دنیا کی کسی تہذیب میں نہیں پایا جاتا۔ ہندوؤں نے ذات پات کے مسئلہ سے انسانوں کو عظمت کے لحاظ سے تقسیم کر دیا ہے۔ شودر بقیہ تین ذاتوں کی خدمت کیلئے پیدا کیا گیا ہے ہندو تہذیب میں شودر کی حیثیت ایک گری پڑی شے سے زیادہ نہیں عیسائیت نے تو اولاد آدم کو پیدائشی گنہگار قرار دے کر ذلت کا طوق اس کی گردن میں پہنا دیا ہے۔

اسلام نے جو عظمت انسان کا تصور دیا ہے وہ دنیا کی کسی تہذیب میں نہیں ملتا۔ قرآن مجید میں آتا ہے:-

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۲

اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہتوں پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے بڑی فضیلت دی ہے دوسری جگہ فرمایا: وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۳ اور اس نے تم کو مخلوقات پر فضیلت دی ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۴

---

۱ تمدن اسلام حصہ اول مصنفہ خواجہ کمال الدین ۲ بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰ ۳ الاعراف ۷: ۱۴۰ ۴ التین ۹۵: ۴

Marfat.com

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔
وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ[۱]
اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو انہوں نے فرمانبرداری کی مگر ابلیس نے اللہ تعالےٰ انسان کو اس دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے تاکہ اس کی صفات کا کُلّی طور پر اظہار کرے۔ خدا کا نائب ہونے کا تصور دنیا کی کسی کتاب نے نہیں دیا۔ خدا کی نیابت ہی انسان کی عظمت کا راز مضمر ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ[۲] اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔
رسول کریم صلعم نے فرمایا: خلق اللّٰہ اٰدم علٰی صورتہٖ[۲] اللہ نے آدم کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔ اسلام نے انسان کی اس عظمت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دی یہ تعلیم دی ہے کہ ہر انسان ایک دوسرے کی عزت و تکریم کرے اور محبت سے پیش آئے۔ رسول کریم صلعم نے فرمایا: الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیالہ[۳] ساری مخلوق عیال اللہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق سے سب سے زیادہ بھلائی کرتا ہے۔
ایک دفعہ رسول کریم صلعم نے اسلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کیا ہے التعظیم لامر اللّٰہ والشفقۃ علی عیال اللّٰہ[۴] اللہ کے احکام کی تعظیم کرو اور اللہ کی مخلوق سے محبت رکھو

(۱۱) **مساوات** اسلامی تہذیب مساوات کا سبق دیتی ہے اور مسئلہ ذات پات کو جڑ سے کاٹتی ہے۔ پامال شدہ لوگوں کو اٹھا کر بڑوں کے دوش بدوش کھڑا کرتی ہے۔ اس تہذیب کا عملی سبق نماز اور حج کے موقع پر ملتا ہے۔ مسجد میں پانچ دفعہ نماز کے وقت لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور ایک امام کے پیچھے امیر غریب، شاہ و گدا، چھوٹا و بڑا صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہر قسم کے امتیازات مٹ جاتے ہیں ساری

---

[۱] البقرہ ۲: ۳۰ [۲] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب صفحہ ۳۹۷ [۳] بیہقی کتاب الایمان [۴] بیہقی کتاب الایمان

Marfat.com

طرح حج کے موقع پر دنیا کے ہر کونے سے مسلمان مکہ میں جمع ہوتے ہیں اور ایک ہی لباس میں ملبوس ہو کر مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ گورے کالے کی تمیز مٹ جاتی ہے۔ غریب اور امیر کی تقسیم ختم ہو جاتی ہے ہر قسم کا طبقہ بغیر کسی امتیاز کے مناسک حج ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ مساوات کا اس قسم کا نظارہ دنیا کے کسی اجتماع میں نظر نہیں آتا۔

قرآن مجید میں مساوات انسانی کا سبق ان الفاظ میں دیا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ [1]

اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے اللہ جاننے والا خبردار ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ایها الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی [2]

لوگو ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوی کے سبب سے۔ اسلام نے سب سے پہلے دنیا میں مساوات کا زریں سبق دیا۔ اسی سبق سے رنگ ملک قوم کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔ دنیا میں حقیقی تہذیب قائم ہوتے ہیں یہی تفرقات روک بنے ہوئے ہیں اگر یہ تفرقات مٹ جائیں تو حقیقی تہذیب دنیا میں قائم ہو سکتی ہے۔

(۱۳) **اخوت اور اتحاد** اسلام ہی وہ دین ہے جس نے وحدت انسانی کی تعلیم دی ہے۔ اسلام سے قبل انسانیت ملکی۔ قومی۔ لونی (رنگ)۔ لسانی۔ نسبی تعصبات اور تفریقات میں بٹی ہوئی تھی

---

[1] الحجرات ۴۹: ۱۳

[2] مسند احمد

Marfat.com

ہر قوم دوسری قوم کو اپنا دشمن تصوّر کرتی تھی۔ اور ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتی تھی۔ اسلام نے یہ نعرہ بلند کیا کہ کل روئے زمین کے انسان ایک ہی اصل سے ہیں اس نعرہ نے تعصبات اور تفریقات کی زنجیروں کو کاٹا۔ اتحاد اور اخوت کی لڑی میں منسلک کر دیا۔ ارشادِ الٰہی ہے: یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً۔ ؎۱ اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا ؎۲

اور سب لوگ ایک ہی گروہ کے ہیں سو وہ اختلاف کرتے ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ ؎۳ مومن بھائی بھائی ہیں۔

رسولِ کریم صلعم فرماتے ہیں: اللھم ربنا ورب کل شیٔ انی اشھد ان العباد کلھم اخوۃ ؎۴ اے اللہ ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں: تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی لہ بسائر جسدہ بالسھر والحمی۔ ؎۵ ..... تو اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو ایک دوسرے سے رحم اور محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا جیسا بدن میں ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارے اعضاء بخار اور بیداری میں اس کے شریک ہو جاتے ہیں۔

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا ثم شبک بین اصابعہ ؎۶ مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسا کہ عمارت کا ایک جزو دوسرے جزو کو قوت دیتا ہے۔

؎۱ نساء ۴: ۱ ؎۲ یونس ۱۰: ۱۹ ؎۳ الحجرات ۴۹: ۱۰ ؎۴ احمد۔ ابوداؤد۔
؎۵ بخاری کتاب الادب ؎۶ بخاری کتاب الادب۔

Marfat.com

(۷) **رواداری** — اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ مذہبی رواداری کی علمبردار ہے وہ ہر ایک سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہر مذہبی کتاب اور ہر پیغمبر کو مانا جائے۔ اور ان کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہ کی جائے ارشادِ الٰہی ہے: مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ؎۱ جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے:

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ؎۲ کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور اس پر جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ؎۳ رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن بھی سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے۔

اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ قوت اور طاقت سے دین کی اشاعت کی جائے۔ اور لوگوں کو جبراً دین منوایا جائے۔ دین کا اختیار کرنا لوگوں کی رضا و رغبت پر چھوڑ دیا گیا ہے اسلام محض مذہبی اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا ارشادِ الٰہی ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ؎۴ کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔

؎۱ البقرہ ۲: ۱۷۷ ؎۲ آل عمران ۳: ۸۴ ؎۳ البقرہ ۲: ۲۸۵
؎۴ البقرہ ۲: ۲۵۶

Marfat.com

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ - (یونس ۱۰: ۹۹) کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن بن جائیں۔

اسلام تمام ادیان کی عبادت گاہوں کو قابل احترام سمجھتا ہے اور ان کی حفاظت اور مدافعت کی تعلیم دیتا ہے ارشادِ الٰہی ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا - ؎۱ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جائیں۔ اسلامی تہذیب صرف جبر نہ کرنے اور دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرنے ہی تعلیم نہیں دیتی بلکہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے باطل عقائد کی بنا پر سب وشتم کی بھی اجازت نہیں دیتی ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ - ؎۲ اور ان لوگوں کو گالی نہ دو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ زیادتی کر کے بے علمی سے اللہ کو گالی دیں۔

اسلام محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے دوسروں سے نیکی اور صلہ رحمی میں حائل ہونے سے منع کرتا ہے اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ مسطح جو حضرت ابوبکرؓ کی خالہ یا ہمشیرہ کا بیٹا تھا تشہیر افک میں ملوث تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اس کی مالی امداد کیا کرتے تھے افک میں ملوث ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے امداد کرنا چھوڑ دی اس پر یہ آیت نازل فرمائی وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا - ؎۳ اور تم میں سے بزرگی اور وسعت والے یہ قسم نہ کھائیں ۔ کہ وہ غریبوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہیں دیں گے اور چاہیے کہ معاف کریں ۔ اور درگزر کریں۔

؎۱ الحج ۲۲: ۴۰ ؎۲ الانعام ۶: ۱۰۸ ؎۳ النور ۲۴: ۲۲

Marfat.com

(۵) **آزادی** انسان فطرتاً آزادی کا خواہش مند ہے اور اگر کوئی فرد غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہو تو اس کی روح آزادی کے لئے تڑپتی ہے۔ تاریخ کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ جب کوئی قوم اپنی بداعمالیوں اور ترقی کے راستوں کو چھوڑ دینے کی وجہ سے کسی قوم کی غلام بن جاتی ہے۔ تو وہ قوم اپنی اس طبعی خواہش کی وجہ سے از سر نو آزادی کا سانس لینے کے لئے تگ و دو کرنا شروع کر دیتی ہے۔ دنیا کی اکثر جنگیں ہی حصول آزادی کے لئے لڑی گئی ہیں۔ انسان کے اس طبعی تقاضے کی وجہ سے اسلامی تہذیب حریت کا پیغام دیتی ہے ارشاد الٰہی ہے: فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ۔ [۱] سو وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے کسی گردن کا آزاد کرنا۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے۔ کہ انسان تہذیب و تمدن کی ارفع گھاٹی پر نہیں چڑھ سکتا جب تک غلاموں کی آزادی کے لئے جدوجہد نہیں کرتا۔ حقیقی تہذیب اس وقت دنیا میں قائم ہوگی جب ہر فرد آزادی کی دولت سے متمتع ہوگا۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: شرار الناس الذین یشترون الناس ویبیعونہم [۲] برے لوگ وہ ہیں جو انسان کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔

ان من شرار الناس الذین یبیعون الناس۔

[۳] بہت برے وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کو فروخت کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک گورنر کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

متی کم تعبدتم الناس وقد ولدتہم امہاتہم احرارا [۴] تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا ہے۔

(۶) **امن عالم** اسلامی تہذیب امن عالم کی زبردست حامی ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اسلامی تہذیب کا بنیادی پتھر توحید ہے۔ عقیدہ توحید نفرت اور دشمنی

[۱] البلد ۹۰: ۱۱: ۱۳ [۲] ترمذی کنوز الحقائق [۳] بخاری
[۴] الحسن المحاضر جلد ۲ صفحہ ۱

Marfat.com

کو ختم کرتا ہے ہر قسم کے تعصبات کو مٹا دیتا ہے۔ انسانی عظمت مساوات اتحاد، اخوت، مذہبی رواداری اور آزادی کو برقرار کرتا ہے۔ جب دنیا سے دشمنی ختم ہو جائے۔ اور اس کی جگہ اخوت لے لے تو دنیا میں حقیقی امن ہو سکتا ہے۔ یہی دو اصول اسلامی تہذیب کے ہیں ایک طرف دنیا سے دشمنی کو ختم کرتی ہے تو دوسری طرف انسانی عظمت اور اخوت کو فروغ دیتی ہے۔ اس طرح امن عالم کے لیئے راستہ ہموار کرتی ہے۔

رسول کریم صلعم نے مسلمان کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ وہ مسلمان ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا امن میں رہے۔ رسول کریم صلعم کی اس تعریف کیمطابق مسلمان اسلامی تہذیب کا نمونہ ہوتا ہے جس کے قول اور فعل سے نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں ہو سکتا

• **اعتدال اور میانہ روی:** اسلامی تہذیب زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال پسندی کی تعلیم دیتی ہے اور افراط اور تفریط سے روکتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا[1] اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسطی بنایا امت وسطی سے مراد ایسا گروہ ہے جو افراط اور تفریط سے پاک ہو۔

دوسرا جگہ آتا ہے: وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا[2] اور درمیان کی راہ اختیار کرو نماز اسلام کی ایک اہم عبادت ہے۔ جس کو بارشاد نبوی دین کا ستون کہا گیا ہے۔ اس میں بھی اعتدال سے کام لینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت عثمان رضؓ بن مظعون نے جب راتیں نماز اور دن روزہ میں بسر کرنا شروع کیا تو رسول کریم صلعم نے ان کو روک دیا۔ اور فرمایا تم پر اور بھی حقوق ہیں جن کو ادا کرنا ضروری ہے۔ حد سے زیادہ بڑھنے والوں کے متعلق فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ (سورۃ بقرہ) اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

صدقہ و خیرات بھی اسلامی عبادات کا اہم جز ہے اس میں بھی اعتدال سے کام لینے کا حکم ہے ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا[3]۔ اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول۔ ورنہ تو ملامت کیا ہوا درماندہ ہو کر بیٹھ رہیگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما عال من قصد (اقتصد)۔ جس نے

[1] البقرہ ۲: ۱۴۳ [2] بنی اسرائیل ۱۷: ۱۱۰ [3] بنی اسرائیل ۱۷: ۲۹

میانہ روی اختیار کی وہ محتاج بہ ہُوا۔ اخروی اور دنیوی زندگی کا مجموعہ پھر فرمایا دینِ فطرت اور صراطِ مستقیم سراپا اعتدال اور مجسمہ اسلامی تہذیب دونوں زندگیوں دنیاوی اور اخروی زندگی کا تصور پیش کرتی ہے قرآن مجید میں آتا ہے: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ لے اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت پر بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اسلام نے آخرت پر ایمان لانا مسلمان ہونے کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ اور ایمان بالآخرۃ کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے انسان جو کچھ یہاں اعمال بجا لائے گا۔ اس کا ثمر آخرت میں پائے گا۔

(ک) **عدل و انصاف** اسلامی تہذیب عدل و انصاف پہ بہت زور دیتی ہے قرآن مجید میں آتا ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ۲ے اللہ تمہیں عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ۔ ۳ے اور جب تم بات کہو۔ تو عدل کرو اگرچہ قریبی ہو۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔ ۴ے اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کے لیے کھڑے ہونے والے انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو۔ یہ تقویٰ سے قریب تر ہے اللہ کا تقویٰ کرو۔ اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

رسول کریم صلعم نے فرمایا قیامت کے دن جب خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔ سات شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں لے گا جن میں سے ایک شخص امام عادل

لے البقرہ ۲
۲ے نحل ۱۶: ۹۰
۳ے الانعام ۶: ۱۵۲
۴ے المائدہ ۵: ۸

Marfat.com

ہو گا[1]۔ ایک مرتبہ ایک قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ شہادتوں سے جرم ثابت ہو گیا۔ رسول کریم صلعم نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صحابہ نے حضرت اسامہؓ کو سفارش کے لئے بھیجا۔ جب حضرت اسامہ نے اپنے مدعا کا اظہار کیا تو آپ غصہ ہو کر بولے تم سے پہلی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ ان کا بڑا آدمی قصور کرتا تھا تو اس سے درگزر کرتی تھیں۔ لیکن اگر چھوٹے آدمی سے کوئی قصور سرزد ہو جاتا تھا تو اسے سخت سزا دیتی تھیں تم فاطمہ مخزومیہ کی سفارش کر رہے ہو۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس جرم کی پاداش میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

(۸) اخلاقی اصول

اسلامی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنے پورے نظام میں اخلاقی اصولوں کو جگہ دی۔ برائی کا سرچشمہ دل ہے۔ دل میں برے خیالات جنم لیتے ہیں۔ پھر وہ جوارح کے ذریعہ جامہ عمل پہنتے ہیں۔ قرآن مجید میں برے خیالات سے پاک رکھنے کے متعلق آتا ہے: وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ۔[2] اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ اس کا حساب لے گا۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ۔[3] اور کھلے اور چھپے گناہ کو چھوڑ دو۔

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ[4] بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جاؤ۔ جو ان میں سے ظاہر ہوں اور چھپی ہوئی ہوں۔

اعضاء کو برائیوں کی آگ سے بچانے کے لئے قرآن مجید میں آتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ[5] اے لوگو! جو ایمان لائے اپنے نفسوں کی برائی کی آگ سے حفاظت کرو۔

کسی تہذیب کا درخت برگ و بار نہیں لا سکتا۔ جب تک اس درخت کو تہذیب کا پانی نہ دیا جائے۔ جب کسی تہذیب میں بداخلاقی اور بدکرداری جگہ لے لیتی ہے

---

[1] بخاری [2] البقرہ ۲: ۲۸۴ [3] الانعام ۶: ۱۲۰ [4] الانعام ۶: ۱۵۱
[5] مائدہ ۵:

Marfat.com

تو وہ تہذیب مٹنا شروع ہو جاتی ہے - دنیا میں جتنی تہذیبیں گزر چکی ہیں اگر ان کے مٹنے کی وجوہ معلوم کریں تو یہ وجہ نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ان تہذیبوں میں بداخلاقی نے جگہ لے لی تھی۔

(۹) **عالمگیریت** اسلامی تہذیب عالمگیر تہذیب ہے اس کے بنیادی اصول تمام نسل انسانی کے لیے ہیں - اسلام سے قبل کسی مذہب نے بھی عالمگیر تہذیب کی بنیاد نہیں ڈالی ہندوؤں کا یہ ایمان ہے کہ برہما صرف ان کی قوم کا خدا ہے اور وہی اس کی چہیتی قوم ہے - ہندوستان سے باہر جتنی قوم بستی ہیں وہ سب کی سب ناپاک ہیں ان کے چھو جانے سے ان کی ہر چیز ناپاک ہو جاتی ہے - غیر ہندو ہندوؤں کے برتن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا - ہندو قوم صرف غیر ملک کے رہنے والوں سے ہی نفرت نہیں کرتے بلکہ ہندوستان میں دس کروڑ اچھوت رہ رہے ہیں - ان کو بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں -

یہودی قوم کا بھی یہ نظریہ ہے - یہوواہ صرف ان کا ہی خدا ہے اور وہ اس کی محبوب ترین قوم ہیں - نجات صرف یہودیوں کے لیئے ہے - قرآن مجید نے ان کے تعصبات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے - نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ یعنی ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں دوسری جگہ آتا ہے، لَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ - صرف اسی شخص پر ایمان لاؤ جو تمہارے دین کا پیروکار ہے جو تمہارے دین کے سوا اور کوئی عقیدہ رکھتا ہو اس کی بات پر کان نہ دھرو اور آسمانی کتب صرف انہیں کے لئے نازل ہوئی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر ہیں انہوں نے تو صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا[۱] (متی $\frac{۱۵}{۲۴}$) - اپنے شاگردوں کو یہ نصیحت فرمائی کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھر کی کھوئی بھیڑوں کے پاس جانا (متی باب ۱۰ صفحہ ۵) فرمایا "کہ نجات صرف یہودیوں کے لئے ہے (یوحنا $\frac{۴}{۲۲}$)

---

۱ مزید تلخ زبان میں تلقین کی کہ پاک چیز کو کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو (متی $\frac{۷}{۶}$)

Marfat.com

پس ہندو یہودی اور عیسائی تہذیب ہے صرف قومی تہذیب ہے صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس نے ایک عالمگیر تہذیب کی بنیاد ڈالی فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن یعنی اسلام خدا صرف مسلمانوں کا ہی خدا نہیں بلکہ تمام دنیا کی اقوام کا پروردگا ہے:۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۔ یعنی اسلام کا خدا اہل مشرق کی تربیت ونشوونما کرتا ہے اور اہل مغرب کا پروردگار ہے اس کے سوا اور کوئی دوسرا خالق اور ربوبیت کرنے والا نہیں اسی کو اپنا کارساز بنانا چاہیئے۔

قرآن مجید میں آتا ہے ھدی للناس یعنی تمام روئے زمین کے لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ۔ یعنی تمام جہانوں کے لئے نصیحت۔ رسول کریم کے متعلق ارشاد ہے۔ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ۔ یعنی تمام جہانوں کے لئے رحمت کا پیغام لے کر آئے ہیں۔

غرضیکہ اسلام ہی ایک ایسی عالمگیر تہذیب کی بنیاد ڈالتا ہے جس کے اندر عالمگیریت کی شان ہے۔

ادارے

مفکرین نے ادارے کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں کی ہے

"ادارے سے مراد افراد کا ایسا گروہ ہے جو کسی ایک یا ایک سے زیادہ مشترک مقاصد کے حصول کے لئے اپنے آپ کو منظم کرے۔

اس تعریف کے لحاظ سے ادارے کی تین خصوصیات ضروری ہیں

اول: ادارے کے لئے ایک سے زیادہ افراد کا ہونا ضروری ہے۔

دوم: افراد کے سامنے بعض مشترک مقاصد ہونا ضروری ہے تاکہ باہمی اتحاد اور تعاون کی راہیں پیدا ہوں۔

سوم: مقاصد کی حصول کے لئے ادارے کا ہونا ضروری ہے۔

ادارہ کی دو قسمیں ہیں۔

قدرتی ادارے۔ اور رضاکارانہ ادارے۔

قدرتی ادارے سے مراد ایسے ادارے ہیں جن کی رکنیت افراد کو پیدائشی طور پر حاصل ہوتی ہے۔ رضاکارانہ ادارے سے مراد وہ ادارے ہیں جن کی رکنیت افراد کو بعض شرائط کو پورا کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

Marfat.com

خاندان: قدرتی اداروں میں وہ ادارہ جو ابتدائے آفرینش سے موجود ہے اور اب تک موجود رہیگا - ارسطو کہتا ہے کہ "خاندان ایک قدرتی ادارہ ہے جس کی ابتدا انسانی ضروریات کی وجہ سے ہوئی انسان کو اپنی مختلف ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے ساتھیوں کی ضرورت رہی ابتدا ہی میں عورت زندگی کی بہترین ساتھی ثابت ہوئی اور مرد عورت دونوں کی رفاقت کی وجہ سے خاندان ظہور پذیر ہوا

معاشرتی زندگی میں خاندان کی اہمیت

۱- خاندان بچے کے لیے ابتدائی درسگاہ ہے - قدیم زمانہ میں تعلیم کا بڑا مرکز خاندان ہی سمجھا جاتا تھا - جب بچہ اس دنیا میں سانس لیتا ہے تو اسکو ماں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے - اس کی جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ ذہنی پرورش بھی کرتی ہے - مافی الضمیر ادا کرنے کے لیے زبان سکھاتی ہے - جب سن شعور کو پہنچتا ہے تو والدین بچے کی اخلاقی اور روحانی پرورش کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس کام سے روکتے ہیں جو مخرب الاخلاق ہوتی ہے (E.M. WHITE) لکھتا ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ معاشرہ میں یا معاشرہ کے ذریعہ کرتا ہے خاندان وہ پہلی درس گاہ ہے جو اسے معاشرہ کا مفہوم اور معاشرتی عادات کی اہمیت سکھاتی ہے -

۲- خاندان شہریت کی پہلی درسگاہ ہے جہاں سے بچہ مفاد عامہ نظم وضبط کی پابندی سماجی بہبود اور حقوق و فرائض کی ادائیگی کا سبق سیکھتا ہے یہی امور سماجی زندگی کو بہتر بناتے ہیں -

۳- خاندان افراد میں سیاسی شعور پیدا کرتا ہے - ویسے بھی خاندان کو ایک چھوٹی سی ریاست سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اس وجہ سے ارسطو نے کہا کہ جو ایک خاندان کا نظام اچھی طرح سنبھال سکتا ہے وہ ایک حکومت کا بھی اچھی طرح نظام چلا سکتا ہے -

۴- خاندان معاشرہ میں معاشی ادارہ بھی سمجھا جاتا ہے - باپ اپنے بچوں کی پرورش کیلئے دن رات محنت کرتا ہے - اگر وہ اکیلا اپنی محنت سے افراد خاندان کی ضروریات پوری نہیں کرسکتا تو اس کی بیوی بھی کسب کے میدان میں قدم رکھ دیتی ہے تو متحد کوششوں سے گھر کی تمام ضروریات اور احتیاجات پورا کرلیتے ہیں جب بچے جوان ہوتے ہیں تو وہ کنبہ کی معاشی ضروریات کا بوجھ سنبھال لیتے ہیں -

Marfat.com

عائلی زندگی: ازدواجی زندگی انسانی تہذیب اور معاشرہ کا سنگ بنیاد ہے اس وجہ سے اسلام نے اس کے متعلق شرح و بسط کے ساتھ تعلیم دی ہے ازدواج کے لیے عربی لفظ نکاح ہے۔ تناکحت الاشجار اذا تمایلت وانضم بعضھا الی بعض[۱] عبدالرحمن الجزیری نے نکاح کے معنی پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ نکاح کے معنی عقد اور زوجیت کے ہیں۔ قرآن مجید نے نکاح کو میثاقاً غلیظاً (النساء: ۲۱) پختہ عہد قرار دیا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے میاں بیوی دونوں اپنے کندھوں پر بعض اہم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کا اقرار کرتے ہیں۔

نکاح کی اہمیت از روئے قرآن مجید: اسلام نے ازدواجی زندگی کو اختیار کرنا لازمی قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ[۲] جو تم میں سے مجرد ہیں ان کے نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو صلاحیت رکھتے ہوں اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ فراخی والا علم والا ہے۔

یہ آیت واضح طور پر رشتہ ازدواج کے قیام کی تاکید کرتی ہے۔ تمام مرد اور عورتوں کو شادی کا حکم دیتی ہے سوائے اس کے کہ کوئی خاص وجوہ مانع نہ ہوں۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔[۳]

اور ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے اور انہیں بیویاں اور اولاد بھی دی۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے ازدواجی زندگی اختیار کرنا تمام رسولوں کی سنت تھی۔

از روئے حدیث: رسول کریم صلعم نے نکاح کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اتزوج فمن رغب عن سنتی فلیس منی[۴] میں شادی کرتا ہوں پس جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

---

[۱] عبدالرحمن الجزیری الفقہ علی المذاہب اربعہ کتاب النکاح جلد ۴ صفحہ نمبر ۱

[۲] نور ۲۴: ۳۲ [۳] الرعد ۱۳: ۳۸

[۴] بخاری باب الترغیب فی النکاح۔

Marfat.com

اتزوج العبد فقد استکمل نصف الدین [1] جب بندہ نے شادی کر لی تو اس نے نصف دین پورا کر لیا۔

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج [2] اے جوانوں کے گروہ جو تم میں سے نفقہ و مہر دینے کی طاقت رکھتا ہے اسے نکاح کرنا چاہیے۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں ایک دن رسول کریم صلعم کی خدمت میں عکاف بن بشیر تمیمی آئے تو رسول کریم صلعم نے عکاف سے پوچھا اے عکاف! تمہاری بیوی ہے؟ حضرت عکاف نے جواب دیا نہیں۔ رسول کریم نے پوچھا لونڈی؟ حضرت عکاف نے کہا نہیں۔ یہ جواب سن کر آپؐ نے فرمایا تم صلاحیت بھی رکھتے ہو اور خوش حال بھی ہو پھر تم نے شادی سے گریز کیا ہے: اذا انت من اخوان الشیاطین [3] تب تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا کلہا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ [4] حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساری دنیا متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔

فقہا کی نظر میں اہمیت: فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب جذبہ شہوت حد برداشت سے باہر ہو جائے اور شرعی حدود کے توڑنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت نکاح کرنا واجب ہے اگر جنسی میلان حد سے نہ گزر رہا ہو اس پر قابو پانا آسان ہو تو تب نکاح سنت موکدہ ہے۔

ترک لذت روشن خیال مفکرین کی نظر میں: حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ

"مادہ تولید کی پیداوار میں جب زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوبصورت عورتوں کو دیکھنا آدمی کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔ اور ان کی محبت دلوں میں جگہ بنانے لگتی

---

[1] مشکوۃ کتاب النکاح [2] بخاری کتاب النکاح جلد ۳ صفحہ ۱۷۰

[3] مجمع الفوائد کتاب النکاح عن احمد [4] مشکوۃ المصابیح کتاب النکاح صفحہ ۲۶۴

Marfat.com

ہے اس بخار کا ایک حصہ شرم گاہ کی طرف بھی آتا ہے جس کی وجہ سے تقاضے میں شدت پیدا ہوتی ہے۔ مقاربت کی قوت ابھرتی ہے اور یہ عموماً نوجوانی کے دور میں ہوتا ہے اور شادی نہ ہونے کی صورت میں بالآخر یہ چیز زنا کے لیے ابھارتی ہے اس کے اخلاق گندے ہونے شروع ہوتے ہیں اور ایک دن شہوت اسے بڑے خطروں میں ڈال دیتی ہے"[۵۱]

علامہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ مقاربت سے بالکل کنارہ کشی نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ جس طرح اس کنوئیں کا پانی خراب ہو جاتا ہے جس کا پانی نکالا نہیں جاتا۔ یہی حشر کلی پرہیز کا بھی ہوگا۔[۵۲]

مفکرین کی نظر میں: مفکرین اور فلاسفر کی یہی رائے ہے کہ نکاح عائلی زندگی کے لیے نہایت ہی ضروری ہے چنانچہ مسٹر راج گوپال اچار یہ کہتے ہیں۔

"عورتوں کے لیے شادی کرنا بہت ضروری ہے ڈاکٹری انجینئرنگ اور سیاست دانی بلاشبہ باعزت دیتے ہیں۔ مگر گھر بار کی نگرانی اور بچوں کی پرورش بھی کچھ کم قابل عزت نہیں ہے فوجی کارخانوں میں کام کرنا اور دفتروں میں حاضری دینا خواہ کتنا ہی اہم ہو لیکن گھریلو زندگی کے نوک و پلک درست کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے میں نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں جو تجربہ حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے اخلاق کی تکمیل ماں بن کر ہو سکتی ہے"[۵۳]

فاضل فرنگن لکھتی ہے:

"عورت کا اولین فریضہ شادی مادریت اور خانہ داری ہے۔ معاشرہ کا فرض ہے کہ ہر عورت کے لیے اس کے موقع بہم پہنچائے اور جو عورت اس کی تلاش میں ہو اسے وہ آسانی سے مل جائے جیسے مرد کو ذریعہ معاش۔[۵۴]

ایک مغربی مفکر انیتھونی ایم لوڈو یسی اپنی کتاب "عورتوں کا تحفظ" میں

---

[۵۱] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۲۲ [۵۲] زاد المعاد ج ۳ ص ۱۲۶

[۵۳] زمزم لاہور ۷ اگست ۱۹۴۵ء [۵۴] صدیق جدید لکھنؤ ۱۸ جنوری ۱۹۵۲ء

Marfat.com

رقمطراز ہے ؎

"یہ اس امر پر زور دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر عورت کے لیے ایک خاص عمر تک ازدواجی زندگی کو مقصود زندگی قرار دیا جانا چاہیئے۔ اور والدین کے ذہن نشین یہ امر کرنا چاہیئے کہ ازدواج ہی وہ اصل غرض ہے جس کے لیئے لڑکیوں کی تربیت کی جانی چاہیئے انسانیت کے بہترین پہلوؤں کی تکمیل ماں بننے سے ہی ہوتی ہے اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ایک عورت حاصل کرے وہ اس سے کم تر درجہ رکھتی ہے اور وہ لوگ جو اسے عالم شباب میں یہ فریب دیتے ہیں کہ اس کے لیے ماں بننے سے بڑھ کر یا اس کے برابر اور مشاغل بھی ہیں۔ نہ صرف صنف نازک کے بلکہ نوع انسانی کے دشمن ہیں[۵۱]"

اجتماعی حیثیت سے اہمیت: نظام حیات کا تمام دارومدار نکاح پر ہے اس وجہ سے شادی کرنا اجتماعی لحاظ سے بہت ضروری ہے۔ نکاح دو خاندانوں کو باہمی محبت اور مودّت کے رشتہ میں منسلک کر دیتا ہے۔ سوسائٹی کے پراگندہ اور منتشر اجزا کو مربوط کر دیتا ہے۔ شادی سے ہی تمام رشتے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان رشتوں کے باہمی تعلق سے ایک سوسائٹی معرض وجود میں آتی ہے قرآن مجید میں آتا ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا[۵۲] اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

تمدّن اور اجتماعی زندگی کا منبع ہی متاہل زندگی ہے اگر سوسائٹی کے پراگندہ اجزاء کو نکاح کے ذریعہ اکٹھا نہ کیا جائے تو کوئی تہذیب و تمدّن اور اجتماعی زندگی معرض وجود میں نہیں آسکتی۔

---

۵۱ ندائے حرم کراچی جمادی الاولیٰ ۹۶ھ
۵۲ سورۃ النساء آیت ۱

Marfat.com

ترک لذت سے ممانعت: اسلام ایک متحرک مذہب ہے دین اور دنیا کا جامع ہے اس وجہ سے اسلام نے ان تمام امور سے سختی سے روکا ہے جو ازدواجی زندگی پر اثر انداز ہوں۔ ارشاد الٰہی ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ؎۱

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ ٹھہراو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ عرب میں بعض زاہد متقشف اپنی قوت رجولیت ہی ختم کرا دیتے تھے۔ رسول کریم صلعم نے اس رسم کو سختی سے ختم کیا اور صحابہ کرام کو ترک نکاح سے منع فرمایا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلعم نے حضرت عثمانؓ بن مظعون کی ترک نکاح کی درخواست رد فرما دی ورنہ ہم لوگ قوت رجولیت ہی کو ختم کرا دیتے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں دنیا کو آخرت کے لیے ترک کرنے والا اچھا نہیں نہ آخرت کو دنیا کے لیے ترک کرنے والا بلکہ وہ شخص بہتر ہے جو آخرت کو بھی اختیار کرتا اور دنیا کو بھی۔

نکاح کی اساس:

اسلام کی روح تقویٰ ہے اور اس روح کو ازدواجی زندگی میں بھی برقرار رکھا ہے۔ رسول کریم صلعم نے مسلمانوں کو نکاح کے بارہ میں یہ نصیحت فرمائی ہے۔

لا تزوجوھن لحسنھن فعسی حسنھن ان یردیھن ولا تزوجوھن لاموالھن فعسی اموالھن ان تطغیھن ولکن تزوجوھن علی الدین ولامۃ خرماء سوداء ذات دین افضل ؎۲ عورتوں سے ان کے حسن کی وجہ سے نکاح نہ کرو ممکن ہے کہ ان کا حسن انہیں خراب کر دے اور نہ ان کے مال و دولت کی وجہ سے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ مال انہیں متکبر کر دے بلکہ ان سے دین کی بنیاد پر نکاح کرو کیونکہ سیاہ فام کان چھدی متدینہ لونڈی زیادہ بہتر ہے۔

ناجائز طریقوں سے تکمیل شہوت اسلام کی نظر میں: اسلام نے تکمیل شہوت کے

؎۱ مائدہ ۵ : ۸۷

؎۲ ابن ماجہ شامی باب تزویج ذات الدین جلد ا صفحہ ۵۹۷

Marfat.com

لیے تمام ناجائز طریقوں سے منع کیا ہے۔ پہلا طریقہ زنا ہے۔ قرآن مجید نے زنا کو بدترین جرم اور فاحش قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۚ وَّسَآءَ سَبِيْلًا [۱] اور زنا کے قریب مت جاؤ کیوں کہ وہ بے حیائی کی بات ہے اور بُری راہ ہے رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ..... ایاکم ایاکم [۲] زناکار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا اس جرم عظیم سے بچو بچو ما من ذنب بعد الشرك اعظم عند الله من نطفة وضعها رجل فی رحم لا یحل لہ [۳] شرک کے بعد کوئی گناہ اس نطفہ سے بڑھ کر گناہ نہیں جس کو کوئی شخص کسی ایسے رحم میں رکھے جو اس کے لیے شرعاً حلال نہیں تھا۔

لاتشرکوا باللہ شیئًا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقذفوا المحصنة [۴]

زنا کے نقصان: (۱) زنا اخلاق کو برباد کر دیتا ہے۔ قوموں کی ترقی کا راز اخلاق حمیدہ میں ہی مضمر ہے جو قوم اخلاق کے زیور سے عاری ہو جاتی ہے وہ تنزل کے اتھاہ گڑھے میں گر جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ماظھر الربا والزنا فی قریۃ الا اذن اللہ باھلاکھا۔ (الجواب الکافی صفحہ ۲۲) جب کسی بستی میں سود اور زنا پھیل جاتا ہے تو اللہ اس بستی کی ہلاکت کی اجازت دیتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیعت عامہ ہو جانے کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں مسلمانوں کو یہ نصیحت کی اور دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیا اللہ نے اسے ذلیل کر دیا ہے۔ اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس میں مصیبت کو پھیلا دیتا ہے (تاریخ ملت جلد ۲ صفحہ ۴۰)

۲- نسوانی عفت کا شیشہ ٹوٹ جاتا ہے۔ عفت اور عصمت ہی عورت کا حقیقی لباس ہے۔ جب کوئی عورت اس لباس سے ننگی ہو جاتی ہے تو وہ

---

[۱] بنی اسرائیل ۳۲
[۲] مشکوۃ باب الکبائر
[۳] ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۸
[۴] مشکوۃ باب الکبائر

Marfat.com

معاشرہ کے لیے تباہی کا موجب بن جاتی ہے۔

۳۔ زنا اس بچہ پر ظلم ہے جو ناجائز طور پر کسی عورت کے رحم میں ٹھہر جاتا ہے اور اس کو ضائع کر دیا جائے تو بے قصور قتل کیا جائے گا اگر ضائع نہ کیا جائے تو وہ معاشرہ میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔ بعض اوقات اس قسم کے بچے سوسائٹی کے بیئے وبال جان بن جاتے ہیں۔ مودودی صاحب انگلستان میں اسقاط حمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انگلستان میں کم از کم اندازہ کے مطابق ہر سال نوے ہزار حمل اسقاط کیئے جاتے ہیں" ۵۱

۴۔ بیماریاں: زنا بیماریوں کا سرچشمہ ہے سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب امریکہ میں زنا کی وبا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تیئیس چالیس ہزار کے درمیان بچوں کی اموات صرف موروثی آتشک کی بدولت ہوتی ہیں .... سوزاک میں نوجوان کم از کم ساٹھ فیصدی مبتلا ہیں اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں ہیں .... شادی شدہ عورتوں کے اعضائے جنسی پر جتنے اپریشن کیئے جاتے ہیں ان میں پچھتر فیصدی ایسی نکلتی ہیں جن میں سوزاک کا اثر پایا جاتا ہے ۵۲"

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۳ صفحہ ۴۵ کے حوالہ سے مودودی صاحب لکھتے ہیں

"امریکہ کے دواخانوں میں اوسطاً ہر سال آتشک کے دو لاکھ اور سوزاک کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے چھ سو پچاس دواخانے صرف انہی امراض کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر سرکاری دواخانوں سے زیادہ مرجوعہ پرائیویٹ ڈاکٹروں کا ہے۔ جن کے پاس اکسٹھ فیصدی آتشک اور سوزاک کے نواسی فیصدی مریض جاتے ہیں ۵۳

ایک فرانسیسی ڈاکٹر کا بیان ہے کہ فرانس میں ہر سال آتشک اور اس کے پیدا کردہ امراض کی وجہ سے تیس ہزار جانیں ضائع ہوتی ہیں ۵۴۔

---

۵۱ پردہ صفحہ ۵۴ — ۵۲ پردہ صفحہ ۶۹

۵۳ پردہ صفحہ ۶۸ — ۵۴ پردہ صفحہ ۵۷

Marfat.com

لواطت: دو مردوں کا تکمیل شہوت کے لئے ایک دوسرے کے قریب جانا لواطت کہلاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس غیر فطری فعل سے منع کیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا[1] اور جو تم میں سے اس کا ارتکاب کریں تو ان کو سزا دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور اصلاح کریں تو ان کو جانے دو اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے: اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ[2] تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے آتے ہو۔ بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ (ترمذی ج ۱ صفحہ ۱۸۶) تم جس کو قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو: لا ینظر اللہ عزوجل الی رجل اتی رجلا او امراۃ فی دبرھا۔ (ترمذی ج ۱ صفحہ ۱۴۸) اللہ تعالیٰ اس شخص کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا جو کسی مرد یا عورت سے لواطت کرتا ہے۔

اس فحش اور غیر طبعی فعل سے انسان بے شمار اخلاقی تمدنی اور معاشرتی برائیوں کا مرتکب ہوتا ہے۔

اولاً ایک مرد کو غیر طبعی زنانہ پن میں مبتلا کر کے اس کی دلیری اور بہادری کے جوہر کو ضائع کر دیتا ہے۔

ثانیاً نکاح کرنے کے ساتھ جو انسان پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔

ثالثاً وہ اپنی اور اپنے معمول کی طبعی ساخت کے خلاف کلام کرتا ہے۔

رابعاً ایک متعمد حکیم اس حرکت کے بدنتائج کے متعلق لکھتا ہے

"ایک اور قبیح و شنیع حرکت بھی ہوتی ہے ۔۔۔۔ وہ اغلام ہے اس کے نتائج بھی قریب قریب جلق ہی جیسے ہوتے ہیں اور اس علت کا گرفتار بھی ایسی ہی پریشانی اٹھاتا ہے جیسی جلوق ان دونوں صورتوں میں عضو

---

[1] النساء ۴: ۱۶
[2] الاعراف ۷: ۸۱

Marfat.com

مخصوص کے پٹھے بالکل کمزور ہو کر ماند پڑ جاتے ہیں اور رطوبات فاسدہ جمع ہو کر اس کو فعل طبعی سے روک دیتی ہے اور اس وجہ سے ضعف انتشار اس کا اولین نتیجہ ہوتا ہے یہ بات مانی جا چکی ہے کہ ہاتھ میں ایک قسم کی سمیت ہوتی ہے"۔[1]

استمنا بالید: یہ ایک ایسا قبیح فعل ہے جس سے کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ اس کا اثر قلب دو دماغ جگر معدہ گردوں اور آلات تولید پر پڑتا ہے حدیث میں اس کی ممانعت کے بارے میں آتا ہے: الناکح بالید ملعون یعنی ہاتھ سے مادہ تولید ضائع کرنے والا ملعون ہے۔

نکاح کے مقاصد

اسلام نے نکاح کو جذبہ شہوت کی تسکین کا ذریعہ نہیں ٹھہرایا بلکہ نکاح کے اغراض و مقاصد کو شہوت رانی سے بہت بلند قرار دیا ہے۔

افزائش نسل: نکاح کا ایک مقصد نسل انسانی کی افزونی ہے ارشاد الٰہی ہے:

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ[2] آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑا پیدا کیا اور چارپایوں کے بھی جوڑے پیدا کیے وہ اس طرح سے تمہیں پھیلاتا رہتا ہے۔

افزائش نسل کا دارومدار مرد اور عورت کے مستقل عہد پر ہے۔ نوع انسانی کی بقا نہ تو آزاد محبت سے قائم رہ سکتی ہے۔ اور نہ عارضی نکاح سے جیسا کہ آج کل مغربی ممالک نکاح کی بجائے آزاد محبت کی طرف جھکتے چلے جا رہے ہیں۔ آزاد محبت میں بچوں کی فلاح اور تربیت کا خیال نہیں رکھا جاتا اور حتی الامکان بچوں کے پیدا کرنے سے احتراز کیا جاتا ہے عموماً ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب فریقین میں سے کسی ایک فریق کی طبیعت

---

[1] حاذق ۲۲۶ [2] الشوریٰ ۴۲: ۱۱

Marfat.com

پر ہو جاتی ہے تو بچوں کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ کر کسی اور فریق کی تلاش میں گھومنا شروع ہو جاتا ہے اسلام نے اس عارضی نکاح کو اس وجہ سے منع فرمایا ہے کہ مرد اور عورت کے تعلقات میں استحکام اور پائیداری نہیں ہوتی۔ بچوں کو پیدا کرنے سے حتی الامکان گریز کیا جاتا ہے اگر اولاد پیدا بھی ہو جائے تو باپ بھی ان کی پرورش کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا وہ بھی ماں کی طرح کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ کوئی ایسا قانون نہیں ہوتا جو باپ کو مجبور کرے کہ وہ بچوں کی غور و پرداخت کرے قرآن مجید نے ذمہ داریوں کے بندھن کو توڑ کر جذبہ شہوت کو تسکین دینے کا نام سفاح رکھا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے لہ اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان (المائدہ - ۵) جب تم ان کو ان کے مہر دے دو نکاح میں لانے والے نہ عارضی نکاح کرنے والے اور نہ چھپی دوستی رکھنے والے یہ لفظ سفح سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پانی کو باہر انڈیلنا یا خون گرانا۔[۱] حضرت ابن عمرؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے عارضی نکاح (متعہ) کو سفاح قرار دیا ہے[۲] رسول کریم صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے حضرت امام بخاری نے متعہ کے باب کا یہ عنوان باندھا ہے۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن النکاح المتعۃ اخرا - کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح متعہ سے بالآخر منع فرمانا اس عنوان کے تحت حضرت علیؓ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ رسول کریم صلعم نے مہم خیبر کے موقعہ پر متعہ اور گھریلو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔[۳]

عفت اور عصمت: انسان کا سب سے قیمتی جوہر اس کی عفت اور پاک دامنی ہے اس جوہر کو محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بے شمار قواعد اور ضوابط مقرر کیے ہیں ان میں سے ایک نکاح ہے قرآن مجید نے نکاح کو احصان سے تعبیر کیا ہے۔ احصان حصن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ناممکن الحصول تھا یا ناممکن الحصول ہو گیا یا یہ کہ اس کو قلعہ کے اندر لے لیا گیا یا حملہ کے مقابل پر محفوظ کر دیا گیا گویا نکاح مرد

سلہ لینز عربیک انگلش لیکسی کان سلہ عون المعبود علی سنن ابوداؤد نمبر ۲ صفحہ ۱۸۶
سلہ بخاری کتاب النکاح باب ۳۲ بعنوان مندرجہ متن۔

Marfat.com

اور عورت کے لیے ایک ایسا قلعہ ہے جہاں سے شیطان اس پر حملہ کرنے سے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؎۱ اور جو اس کے سوا ہیں وہ تمہارے لیے حلال ہیں اس طرح کہ تم اپنے مالوں کے ساتھ چاہو نکاح میں لا کر نہ شہوت رانی کرتے ہوئے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے لیے لباس قرار دیا ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؎۲ وہ تمہارے لیے لباس اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ جس طرح لباس انسانی جسم کی پردہ پوشی کرتا ہے اس طرح مرد اور عورت جب عقد نکاح میں آجاتے ہیں وہ ایک دوسرے کے جوہر عفت کی حفاظت کرتے ہیں رسول کریم صلعم نے فرمایا: یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ؎۳ اے نوجوانوں کے گروہ تم میں سے جو اسباب معیشت رکھتا ہو اس کو نکاح کرنا چاہیئے کیوں کہ یہ نگاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور جائے شہوت کو بچاتا ہے۔

من اراد ان یلقی اللہ طاھرًا مطھرًا فلیتزوج الحرائر ؎۴ جو شخص اللہ تعالیٰ سے پاک و صاف ملنا چاہتا ہے تو وہ شریف عورتوں سے شادی کرے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے: ویتزوج لکسر الشھوۃ واعفاف النفس وتکثیر النسل ؎۵ شادی شہوت توڑنے نفس کو پاک رکھنے اور نسل کی کثرت کے لئے کی جاتی ہے۔

اسلام میں عفت اور پاک دامنی کی اہمیت: اسلام نے عفت اور پاک دامنی کے لیئے مختلف پیرایوں میں تعلیم دی ہے کیونکہ اس کی حفاظت پر ہی فرد اور قوم کی ترقی کا انحصار ہے اور تمدن کا سنگ بنیاد ہے قرآن مجید میں آتا ہے: وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ ؎۶ اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ

؎۱ النساء ۴: ۲۴ ؎۲ البقرہ ۲: ۱۸۷

؎۳ بخاری کتاب النکاح ؎۴ مشکوٰۃ کتاب النکاح

؎۵ فتح الباری پ۲۱ ص ۲۷ ؎۶ الاحزاب ۳۳: ۳۵

Marfat.com

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ؁۵۱ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیوی سے یا ان سے جن کے ان کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے تو وہ ملامت کئے گئے نہیں: وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ ؁۵۲ زنا نہ کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے کوئی بہتان باندھ لائیں ایک دفعہ رسول کریم صلعم نے عفت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا یاشباب قریش احفظوا فروجکم ولاتزنوا الا من حفظ فرجہ فلہ الجنۃ ؁۵۳ رواہ الحاکم والبیہقی وقال صحیح علی شرطہما اے قریش کے نوجوانو! اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ زنا نہ کرو۔ سنو جو اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے گا اس کے لیئے جنت ہے۔

من توکل لی ما بین رجلیہ وما بین لحییہ توکلت لہ بالجنۃ ؁۵۴ جو میرے لیئے شرم گاہ اور زبان کی حفاظت کی ذمہ داری لے میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لوں گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعاؤں میں عفت طلب کرتے رہتے تھے۔

اللّٰھم انی اسئلك الھدی والتقی والعفاف والغنی ؁۵۵ اے اللہ میں تجھ سے ہدایت تقویٰ پاک دامنی اور غنیٰ طلب کرتا ہوں۔

اللّٰھم انی اسئلك الصحۃ والعفۃ والحسن الرضا بالقدر ؁۵۶ اے اللہ تجھ سے صحت۔ عفت۔ اچھائی اور تقدیر پر رضا کی درخواست کرتا ہوں۔

مودت و رحمت: ازدواجی زندگی مودت اور تسکین کا سرچشمہ ہے اور محبت اور مودت کی اساس پر ہی تہذیب و تمدن ترقی کرتا ہے ارشادِ الٰہی ہے: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ؁۵۷ وہی ذات ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا کہ

؁۵۱ المومنون ۲۳: ۵:۶ ؁۵۲ الممتحنہ ۶۰: ۱۲
؁۵۳ مفتاح الخطابۃ باب الزنا ؁۵۴ بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش مشکوۃ باب جامع الدعا صفحہ ۲۱۸ ؁۵۵ مشکوۃ باب جامع الدعا صفحہ ۲۲۰
؁۵۶ الاعراف ۷: ۱۸۹

Marfat.com

اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ[۵۱] اور اس کی نشانوں میں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہارے نفسوں سے جوڑے پیدا کئے تاکہ ہم ان سے تسکین پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحم پیدا کیا یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو فکر کرتے ہیں

صحت: ڈاکٹر اور اطبا اس امر پر متفق ہیں کہ جماع انسانی صحت کے لئے ضروری ہے اگر مادہ تولید ایک عرصہ تک رکا رہے تو قسما قسم کی بیماریاں جنم لے لیتی ہیں۔ جالینوس کا قول ہے کہ مادہ تولید پر آگ اور ہوا غالب ہے اور اس کی طبعیت گرم وتر ہے اس کا فاضل حصہ جب بھی روک لیا جاتا ہے اور اسی طرح ایک عرصہ تک رہتا ہے تو اس سے خراب قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ کبھی وسوداس کی بیماری ہوتی ہے کبھی جنوں کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور کبھی مرگی کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز مادہ تولید کا اخراج معتدل صحت پر خوشگوار اثر ڈالتا ہے بہت سی بیماریوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے۔ ورنہ رکاوٹ سے ایک زہریلا مادہ تمام جسم میں دوڑ جاتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے زیادتی کے وقت انسانی طبعیت اس کے باہر نکالنے پر مجبور ہوتی ہے[۵۲]

نفیسی طب کی مشہور کتاب ہے اس میں لکھا ہے:

"اور اس وقت مقاربت اور مادہ تولید کا خارج کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر اسے ترک کر دیا جائے گا اور وہ ظرف میں زیادہ ہو جائے گا تو حرارت عزیزی کا گلا گھونٹ دے گا اور اسے بجھا دے گا اور لازم ہو گا کہ وہ خود ٹھنڈا پڑ جائے اور بدن کو بھی ٹھنڈا کر دے"

مادہ تولید زہر آلود طبعیت میں بدل جائے گا اور زہر آلود مادہ دل اور دماغ کی طرف زہر آلود ردی بخار کو روانہ کرے گا۔ جو غشی، مرگی اور اس طرح کی دوسری بیماریوں

---

[۵۱] الروم ۳۰   [۵۲] زاد المعادہ ج ۳ صفحہ ۱۴۶

Marfat.com

کا موجب ہو گا۔[۱]

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

مرد ہر جنسی میلان کا تقاضا بسا اوقات مشغولی ہو جاتا ہے اگر اس تقاضے کی تکمیل میں تاخیر سے کام لیا جائے گا تو نقصان بدن کو بھی پہنچتا ہے۔ اور دل کو بھی بینائی کو بھی" (نووی شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۴۵)

جالینوس نے اپنی کتاب حفظ الصحت میں لکھا ہے کہ:

"بیوی سے اختلاط مخصوص اعتدال کے ساتھ تندرستی کے مختلف ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے اور بہت سے امراض کو شفا ہے (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۳۲) ان تمام اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شادی صحت کے لیے ضروری ہے۔

احساس ذمہ داری پیدا کرنا: متاہل زندگی کا مقصد احساس ذمہ داری پیدا کرنا ہے جو بغیر شادی کرنے کے پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ بغیر شادی شدہ کی توجہ کا مرکز صرف اس کی اپنی ذات ہوتی ہے۔ لیکن شادی کے بعد ایک تو باہر سے ایک عورت آجاتی ہے جس کی دیکھ بھال۔ آرام و آسائش وغیرہ کی ذمہ داری مرد کے کندھوں پر آپڑتی ہے اس کے بعد اولاد پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے مزید ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن سعی کرتا ہے۔ ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے اپنی تمام استعدادوں کو بروئے کار لاتا ہے اس وجہ سے حافظ ابن کثیر نے عبداللہ بن مسعود کا ایک قول نقل کیا ہے التمسوا الغنی فی النکاح[۲] یعنی نکاح میں تونگری تلاش کرو۔

قرآن مجید میں آتا ہے: اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔[۳] اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ فراخی والا علم والا ہے۔

---

[۱] نفیسی ص ۳۱۴ [۲] ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۲۸۶

[۳] النور ۲۴ : ۳۲

Marfat.com

رسول کریم صلعم کا ایک قول ہے التمسوا الرزق بالنکاح [۵۱] یعنی نکاح کے ذریعہ رزق تلاش کرو۔ ان فرمودات سے مراد یہ ہے کہ احساس ذمہ داری سے انسان جد وجہد کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور عمل اور کوشش سے ان وسائل کو تلاش کرتا ہے جو رزق کی فراخی کا موجب ہوتے ہیں۔

۴۔ جنسی میلان کا علاج: جنسی میلان ایک طبعی جذبہ ہے۔ جب یہ میلان حد اعتدال سے بڑھ جاتا ہے تو اس کا بخار دماغ پر اتنا مستولی ہوتا ہے کہ انسان شہوت کے بخار کی حدت کو بجھانے کے لیے زنا کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جنسی میلان میں اعتدال اور توازن قائم رکھنے کے لیے نکاح ضروری ہے۔ نکاح ہی ایک ذریعہ ہے جس سے قوت بہیمیہ دب جاتی ہے۔

۵۔ روحانی ترقی: نکاح انسان کی روحانی ترقی اور تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی ؒ نے ایک عقیدت مند کو لکھتے ہیں

"تمہارا یہ کہنا کہ شادی کرنے کے بعد باطن کی اصلاح ناممکن ہے میں اسے تسلیم نہیں کرتا کیوں کہ مقاربت تو دل کو جلا بخشتی ہے اور روحانی الائشوں کو صاف کرتی ہے قاضی عیاض کی کتاب کے شارح نے کہا ہے کہ "ہر شہوت قلب کو سیاہ کرتی ہے۔ مگر ایک مقاربت کا فعل کہ اس سے دل کو روشنی حاصل ہوتی ہے [۵۲]۔"

حرام عورتیں: اسلام نے بعض رشتوں کے احترام خاندانی تعلقات کی پاکیزگی معاشرہ کی اصلاح اور بقا کے لیے بعض رشتوں میں باہم نکاح حرام قرار دیا ہے اس حرمت کی تین وجوہ ہیں نسب۔ رضاعت اور مصاہرت۔

حرمت نسب: حقیقی ماں باپ کے تعلق سے جو رشتے قائم ہوتے ہیں۔ یہ سات ہیں۔ ماں۔ بیٹی۔ بہن۔ پھوپھی۔ خالہ۔ بھتیجی۔ بھانجی۔

حرمت رضاعت: رضاعی رشتہ کی بنا پر مثلاً رضاعی ماں یا رضاعی بہن رضاعت کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو حقیقی ماں باپ کے تعلق سے

---

[۵۱] مدارک

[۵۲] مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲ ص ۱۳۱

Marfat.com

حرام ہوتے ہیں رسول کریم صلعم نے فرمایا یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب یعنی رضاعت سے تمام وہ رشتے حرام ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

حُرمت مصاہرت: نکاح کے تعلق سے کچھ رشتے حرام ہو جاتے ہیں مثلاً ساس سالی۔ بیٹے کی بیوی۔

محرمات سے نکاح نہایت ہی برا فعل اور گناہ ہے ابن ماجہ نے ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جو شخص محرمات میں سے کسی سے ملوث ہو۔ اس کو قتل کر دو۔

ماں: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ۔ تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔ ماں کے حکم میں دادی، نانی پھر دادی اور نانی کی ماں اور ماں کی ماں اوپر تک داخل ہیں۔

بیٹی: وَبَنٰتُكُمْ۔ اور تمہاری بیٹیاں بیٹی کے حکم میں اولاد کی بیٹی یا اولاد کی اولاد کی بیٹی بھی شامل ہیں۔

بہن: وَاَخَوٰتُكُمْ اور تمہاری بہنیں۔ بہنوں میں سگی بہنوں کے علاوہ ماں شریک بہن اور باپ شریک بہنیں شامل ہیں

پھوپھی: وَعَمّٰتُكُمْ اور تمہاری پھوپھیاں پھوپھی کے حکم میں دادا کی بہن اور اوپر تک کی پشتوں کی بہن سب شامل ہیں

خالہ: وَخٰلٰتُكُمْ اور تمہاری خالائیں۔ ماں کی بہن کے علاوہ نانی، پرنانی کی بہنیں بھی اس حکم میں شامل ہیں۔

بھتیجی: وَبَنٰتُ الْاَخِ۔ اور تمہاری بھتیجیاں۔ بھائی خواہ سگا ہو یا سوتیلا اس کی بیٹی حرام عورتوں کے حکم میں شامل ہے

ساس: وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ: اور تمہاری بیویوں کی مائیں۔

سوتیلی بیٹی، وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ اور تمہاری پالی ہوئی لڑکیاں جو تمہاری حفاظت میں ہوں ان عورتوں کے بطن سے جن پر تم داخل ہو چکے ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ۔

اور اگر تم ان پر داخل نہ ہوئے ہو تو تم پر گناہ نہیں۔

بہو: وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ۔ اور تمہارے

Marfat.com

ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشتوں سے ہوں۔
بیٹے کی بیوی کے حکم میں پوتے اور نواسے کی بیوی بھی شامل ہے۔
بیک وقت دو بہنیں: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ ۵[1] اور دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔
بہن کی طرح اس کی خالہ پھوپھی۔ بھانجی اور بھتیجی کو بھی اکٹھا کرنا حرام ہے۔ ہدایہ میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ دو ایسی عورتوں کو بیک وقت زوجیت میں لینا منع ہے جن میں سے اگر ایک مرد ہوتی تو ان کی شادی حرام ہوتی۔
دوسرے کی منکوحہ: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ۵[2] ان عورتوں سے بھی شادی کرنا حرام ہے جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں۔
سوتیلی ماں: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ۵[3] اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں۔
مشرکہ عورت سے: قرآن مجید نے مشرکہ عورت سے بھی شادی کرنا ناجائز قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ[4] اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور یقیناً ایک مومن لونڈی ایک مشرک عورت سے بہتر ہے گو وہ تمہیں اچھی لگتی ہو۔
اس آیت میں مشرکہ سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کے پاس آسمانی کتاب نہیں سورۃ مائدہ آیت ۵ میں واضح یہ حکم ملتا ہے کہ ان عورتوں سے شادی کی اجازت ہے جو کسی آسمانی کتاب کو مانتی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم۔ یعنی پاک دامن عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ حرام عورتوں کا ذکر کرنے کے بعد اس بات کا بتانا بھی ضروری ہے کہ آیا ایک مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم سے کیا جا سکتا ہے۔ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان عورت کا غیر مسلم مرد سے نکاح جائز نہیں۔

۵۱۔ النساء ۴: ۲۳
۵۲۔ النساء ۴: ۲۴
۵۳۔ النساء ۴: ۲۲
۵۴۔ سورۃ البقرۃ ۲: ۲۲۱

نکاح کے احکام: اسلام نکاح کو پختہ عہد قرار دیتا ہے اس وجہ سے اسلام نکاح میں انتخاب کی آزادی دیتا ہے ارشاد الٰہی ہے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ[1] ایسی عورتوں سے شادی کرو جو تمہیں پسند ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرنے کی تجویز کرے تو اسے دیکھ لینا چاہیئے حضرت امام بخاری نے ایک باب کا یہ عنوان باندھا ہے۔ النظر الی المرأۃ قبل التزویج۔ یعنی نکاح سے قبل عورت کو دیکھنا۔ رسول کریم صلعم سے ایک حدیث مروی ہے مغیرہ بن شعبہ نے ایک عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تو رسول کریم صلعم نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم نے اس عورت کو دیکھ لیا ہے۔ مغیرہ نے جواب دیا یا رسول اللہ نہیں جس پر حضور نے فرمایا کہ اسے پہلے دیکھ لو۔ کیونکہ اس سے زیادہ محبت اور یگانگت پیدا ہونے کی توقع ہے[2]

عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی رضا دینے سے پہلے مرد کو دیکھ لے نکاح میں مرد اور عورت دونوں کی رضامندی ضروری ہے ارشاد الٰہی ہے: فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ[3] تم انہیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں جب آپس میں پسندیدہ طور پر راضی ہوں۔

> عورت کو دیکھنے کا وقت منگنی سے قبل ہونا چاہیئے ۔۔۔ عورت کیلئے سفارش کی گئی ہے کہ وہ مرد کو اگر اس سے نکاح کرنا چاہتی ہے ایک نظر دیکھ لے کیوں کہ مرد کی جو چیز عورت کو خوش کرے گی وہ مرد کو بھی عورت کے معاملہ میں خوش کرے گی ۔۔۔ اور ان میں سے ہر ایک جب چاہے ایک دوسرے کو از سر نو دیکھ سکتا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے خدوخال کا علم حاصل کر سکیں اور ان کو نکاح کے بعد پچھتانا نہ پڑے۔[1]

نکاح علانیہ کیا جائے: تمام فقہائے نے نکاح کو برسر عام اور علانیہ کرنا ضروری سمجھا ہے اسی وجہ سے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نکاح کا اعلان دف کے ساتھ کرنا مستحسن ہے تاکہ

---

[1] النساء ۴: ۳

[2] مشکوٰۃ کتاب النکاح باب النظر الی المخطوبہ الفصل الثانی

[3] البقرہ ۲: ۲۳۲

Marfat.com

دوسروں کو بھی خبر ہو جائے۔ اور پیچھے کسی قسم کی خرابی پیدا نہ ہو۔ کئی دفعہ نکاحوں کے متعلق مقدمات تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ پھر وراثت پر بھی اثر پڑتا ہے اس وجہ سے اعلان کرنا ضروری ہے۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: اعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف۔ (ترمذی باب ما جاء فی اعلان النکاح)

اس نکاح کا اعلان کرو اور نکاح مسجد میں کرو اور دف بجاؤ۔

مہر: نکاح میں حق مہر ضروری ہے۔ قرآن مجید کی رو سے مہر ایک عطیہ ہے جو نکاح کے موقع پر خاوند بغیر کسی معاوضہ کے بیوی کو دینے کا وعدہ کرتا ہے قرآن مجید نے مہر کے لیے اجر۔ صدقہ اور فریضہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اجر کے معنی ہیں صلہ یا عطیہ جو دلہن کو دیا جاتا ہے[1]۔ حضرت امام راغب لکھتے ہیں۔ اجر وہ ہے جس میں فائدہ ہی فائدہ ہو۔ نقصان نہ ہو۔ قرآن مجید میں آتا ہے: فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً[2] ان کے مقررشدہ مہر دے دو۔

صدقہ: صدق سے مشتق ہے جس کے معنی سچائی ہیں، یہ لفظ ظاہر کرتا ہے۔ کہ مہر خلوص نیت، صدق دل اور طیب خاطر سے دیا جائے فاتوا النساء صدقاتھن نحلۃ[3] اور عورتوں کو ان کے مہر بلا بدل دو فریضہ کے معنی ہیں۔ وہ چیز جو فرض کی گئی ہو ارشاد[4] الٰہی ہے: ولا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جب کہ تم نے ابھی ان کو چھوا نہ ہو۔ یا مہر مقرر نہ کیا ہو۔

حضرت عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن شرطوں کو تم پورا کرتے ہو ان میں سب سے زیادہ ضروری اس شرط کا پورا کرنا ہے جس کی وجہ سے تم نے عورتوں کی ناموس اپنے لیے حلال کی ہے[5]۔

نکاح کی عمر: قرآن مجید نکاح کی عمر بلوغت قرار دیتا ہے ارشاد ہے: وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا۔[6]

---

[1] لینز عربک انگلش لکسی کان [2] النساء آیت ۲۴ [3] النساء ۴:۱
[4] البقرہ آیت ۲۳۶ [5] بخاری مسلم [6] سورۃ النساء ۶

Marfat.com

اور یتیموں کا امتحان لیتے رہو۔ یہاں تک کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہنچ جائیں تب اگر تم ان میں عقل کی پختگی پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کردو فضول خرچی سے اور جلدی کر کے ان کو کھا نہ جاؤ۔ چونکہ اسلام میں نکاح کی اصل روح فریقین کی رضامندی ہے۔ اس وجہ سے نکاح کے لئے مرد اور عورت کا بالغ ہونا ضروری ہے فتاوی عالمگیری کی رُو سے نکاح کے لیے مرد اور عورت میں عقل اور تمیز بلوغت اور حریت کا ہونا ضروری ہے۔[1]

نکاح میں ولی: مرد کے بارہ میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں کہ وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کی منظوری دے سکتا ہے۔ لیکن عورت کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کی منظوری دے سکتی ہے یا کہ نہیں۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھا ہے:

> ایک آزاد عورت جو بالغہ اور عاقلہ ہو اس کی اپنی منظوری سے معاہدہ نکاح مکمل ہو جاتا ہے خواہ وہ کنواری ہو یا پہلے بیاہی جا چکی ہو۔ اور اگرچہ اس کے ولی نے اس کے نکاح کی توثیق نہ بھی کی ہو۔[2]

شیعوں کا بھی یہی نقطۂ نگاہ ہے چنانچہ امیر علی محمڈن لاء میں لکھتا ہے۔

> "ایک راشدہ عورت کے نکاح کے لیے کسی ولی کی ضرورت نہیں"

لیکن امام مالک اور امام شافعی دونوں کا یہ مسلک ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔

نکاح میں اکفاء: اسلام نسلی۔ قومی لونی، ہر قسم کے امتیازات مٹانے اور تمام نوع انسانی کو اخوت اور مساوات کی لڑی میں منسلک کرنے آیا ہے۔ اس وجہ سے وہ تمام شرائط جو اخوت اور مساوات کی تعلیم کے خلاف ہوں گے وہ ناجائز ہوں گی۔ اس وجہ سے نکاح کے لیے کفو کی شرط ناجائز ہے۔ ابن حجر کے قول کے مطابق کفو نسبی کے معتبر ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس کتب میں ایسے آثار اور روایات کا ذخیرہ پایا جاتا ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں نسبی کفو کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔

---

[1] فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۱ [2] ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳

Marfat.com

حضرت امام بخاریؒ نے باب الاکفاء فی الدین کے عنوان کے تحت دو واقعات بیان ہیں جن سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نکاح میں نسبی کفو کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ پہلا واقع حضرت ابوحذیفہ کا ہے انہوں نے اپنی بھتیجی ہند بنت ولیدؓ کی شادی حضرت سالم سے جو ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے کر دی دوسرا واقعہ ضباعہ بنت زبیر کا بیان کیا ہے ان کی شادی حضرت مقداد سے ہوئی تھی ضباعہ اپنے نسب کے لحاظ سے بہت اونچی تھیں حافظ ابن قیم نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام میں نسبی کفو کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اور اسلامی روح کے منافی ہے اسلام نے صرف تقویٰ کو ہی وجہ تکریم بیان کیا ہے ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات) یقیناً اللہ کے نزدیک مکرّم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (حجرات) اسلام نے نکاح کے اعلان کی ایک اور صورت بھی اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی کے تعلقات کرنے کے بعد ولیمہ کیا جائے۔ رسول کریم صلعم صحابہ کو دعوت ولیمہ کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف کا بیان ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا: اولم ولو بشاۃ (بخاری باب الولیمۃ حق) دعوت ولیمہ کرو خواہ ایک ہی بکری سے ہو۔

عدت میں نکاح: وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَۃَ النِّکَاحِ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتٰبُ اَجَلَہٗ (البقرہ ۲: ۲۳۵) اور نکاح کی گرہ کو پختہ نہ کرو یہاں تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے

تہذیب و تمدن اور معاشرہ کی اساس خاندان ہے اس وجہ سے اسلام نے خاندان کے ماحول کو پاکیزہ رکھنے کے لیے یہ حکم دیا ہے نہ زانیہ عورتوں سے نکاح کیا جائے نہ بدکاروں سے مومن اور پاک عورتوں کو بیاہا جائے۔ صرف پاک مرد اور پاک عورت کے ساتھ نکاح ہونا چاہئے۔

زانیہ کے متعلق: وَالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (النور ۲۴: ۳) اور زنا کرنے والی عورت کے ساتھ سوائے زانی یا مشرک کے کوئی نکاح نہیں کر سکتا اور یہ مومنوں پر حرام ہے۔

بدکاروں سے نکاح نہ کیا جائے: اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً (نور ۲۴: ۳) زانی مرد کا نکاح زانیہ یا مشرکہ کے ساتھ ہی ہو سکتا

Marfat.com

پاکیزہ مردوں کیلئے پاکیزہ عورتیں اور پاکیزہ عورتوں کیلئے پاکیزہ مرد: والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات ۔ (النور ۲۴: ۲۶) پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے۔

تعداد ازدواج: اسلام سے پہلے دنیا کی دوسری قوموں میں تعداد ازدواج کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ دنیا کی کوئی مذہبی کتاب نہیں جس نے تعدد ازدواج کو ممنوع قرار دیا ہو۔ ہر مذہب کے مقدس بزرگوں نے ایک سے زائد بیویاں کیں۔ سری کرشن جی کی سینکڑوں بیویاں تھیں راجا پانڈو کی دو بیویاں تھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں حضرت یعقوب علیہ السلام چار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار حضرت داؤد علیہ السلام کی نو اور حضرت سلیمان[۱] کی ایک ہزار عورتیں تھیں۔

عرب میں تعدد ازدواج کا عام رواج تھا۔ قبائل کے روساء ایک سے زائد بیویاں کرتے تھے۔ مردوں کا صرف ایک شادی کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

فرانس کا مشہور سائنس دان ناٹسکو یہ کہتا ہے کہ

میرودنجیسن کے بادشاہاں جنہوں نے پانچویں صدی سے لے کر ۷۵۲ء تک فرانس پر حکومت کی ایک سے زیادہ بیویاں کرتے تھے۔ اور اس کو اپنی شان وشوکت کا باعث خیال کرتے تھے۔ ایک سیاح عورت لکھتی ہے

"امریکہ میں میکسیکو کے بادشاہوں کے خلفاء اور مقربین کا یہ اعتقاد تھا کہ عورتوں اور لونڈیوں کی کثرت سے وہ بلند مراتب اور عالی مقامات حاصل کر سکتے ہیں"

برٹن کہتا ہے:

"افریقہ کے بعض قبائل میں زیادہ عورتیں رکھنے والے کو قابل فخر و مباہات گردانا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک شخص بارہ سے تین سو عورتوں تک اپنے لیے اختیار کرتا ہے"

ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اقوام عالم میں تعدد ازدواج کا رواج تھا۔ اس کے کئی اسباب تھے۔

---

[۱] سلاطین ۱۱: ۳

Marfat.com

۱۔ زیادہ بیویاں رکھنے کو وجہ تکریم و فخر گردانا جاتا تھا۔ ان کی تعداد سے ہی مرد کی شجاعت، قوت اور ثروت کا اندازہ لگایا جاتا تھا جیسا کہ برٹن اور مانٹسکو کے بیان سے ظاہر ہے۔

۲۔ افریقہ میں مرد عورتوں سے امور خانہ داری کے علاوہ باغوں کھیتوں اور دوسرے کاروبار میں کام لیتے تھے۔ عورتوں کا دائرہ عمل صرف گھر ہی نہ تھا بلکہ باہر بھی تھا اس وجہ سے امراء کی یہ عادت تھی کہ کئی کئی بیویاں کرتے تھے تاکہ ان کو اقتصادی امور سونپے جا سکیں۔ لیبان تمدن عرب میں لکھتا ہے اس کے علاوہ مشرق میں جن گھرانوں کا مدار زراعت اور مویشی پر ہے ان میں بسا اوقات جب پہلی بیوی تنہا گھر اور کھیتی کا انتظام نہیں سنبھال سکتی تو وہ خود شوہر کو دوسری شادی کرنے پر مجبور کرتی۔

۳۔ تعداد ازدواج کا ایک سبب دینی مصلحت بھی تھا۔ چنانچہ شیلوی کے قبائل کا یہ عقیدہ تھا کہ زیادہ بیویاں کرنے والا ان کے معبود روح اکبر کے نزدیک محبوب ہوتا ہے۔

۴۔ تعداد ازدواج کا سبب آب و ہوا کے اثرات بھی ہے۔ جن ممالک کی آب و ہوا گرم ہوگی وہاں تعداد ازدواج کا رواج عام ہوگا۔ یہی وجہ ہے افریقہ اور اہل مشرق میں زیادہ رواج ہے۔

۵۔ بعض اوقات عورتوں کی بیماری سبب بن جاتی ہے کہ دوسری بیوی کی جائے۔

۶۔ دنیا میں لڑائیوں کا سلسلہ غیر متناہی ہے۔ مرد مر جاتے ہیں ان کے پیچھے بیوہ اور یتیم بچے رہ جاتے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے دوسری شادی کرنے کی اجازت ضروری ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ملک میں لڑائیوں کا لمبا سلسلہ ہو جانے کی وجہ سے مرد کم رہ جاتے ہیں اور عورتیں زیادہ۔ تو معاشرہ کو برائیوں اور بے حیائیوں سے بچانے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ایک سے زائد بیویاں کی جائیں۔

اسلام میں تعداد ازدواج: اسلام اصولی طور صرف ایک ہی عورت کے ساتھ

Marfat.com

شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے لیکن بعض حالات میں ایک سے زائد عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت بھی دے دی ہے ارشاد ہے: وَاِنْ خِفْتُمْ اِلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً [1] اور اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار اور اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی یہی وہ قرآن مجید کی آیت ہے جس میں تعدد ازدواج کا ذکر ہے یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اس آیت کریمہ میں حکم نہیں بلکہ ضروریات اور شرائط کے ساتھ اجازت دی گئی ہے جب تک وہ ضروریات اور اسباب پیدا نہ ہوں اس وقت تک دوسری شادی کرنا مستحب نہیں۔

قرآن مجید نے تعدادِ ازدواج کی انفرادی اور ملکی ضرورتوں کی تصریح نہیں کی اس کی وجہ یہ ہے انسانی ضروریات زمانہ اور حالات کے تغیر سے بدلتی رہتی ہیں اس وجہ سے قرآن مجید نے تعدد ازدواج کو وقتی ضروریات کے ساتھ مقید کر دیا ہے کہ جب بھی تعدادِ ازدواج کی ضرورت پڑے تو اس تعلیم پر عمل کر لیا جائے۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو حسب ذیل اسباب اور ضروریات کے تحت دوسری شادی کی جا سکتی ہے۔

۱۔ دنیا میں اکثر خون ریز جنگیں ہوتی رہتی ہیں جن میں لاکھوں مرد موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں اس وقت اگر ایک سے زائد بیویاں نہ کی جائیں تو عورتوں کی ایک خاصی تعداد باقی رہ جائے گی۔ جن کو عائلی زندگی میسر نہ ہو گی اور وہ بے حیائیوں میں مبتلا ہو جائیں گی ہربرٹ اسپنسر اپنی کتاب علم الاجتماع میں لکھتا ہے۔

"تعدد زوجات قوموں کے لیے بے حد مفید ہے"

آگے لکھتا ہے

"جب کسی قوم پر کوئی ایسی حالت طاری ہو مثلاً جنگوں اور خون ریزیوں کی وجہ سے اس قوم کے اکثر مرد کام آجائیں تباہ ہو جائیں اور ان عورتوں

---

[1] النساء ۴: ۳

کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو جائے جن کے شوہر مر چکے ہیں یا مردم شماری میں اناث کی زیادتی ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ نسل میں انحطاط واقع ہو جائے گا۔"

مسٹر بر ڈسل کال کنز صدر نیگ وومن کرسچین ایسوسی ایشن نے واشنگٹن میں بیان دیتے ہوئے کہا ہے:

"امریکہ میں چودہ سال سے اوپر کی جوان لڑکیوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے جو سب کی سب کنواری ہیں ان کے مقابلہ میں کنواروں کی تعداد نوے لاکھ ہے اس حساب سے تیس لاکھ کنواری لڑکیوں کے لیئے شوہروں کا ملنا محال ہے کیونکہ جنگ نے مردوں اور عورتوں کا عادی توازن بہت بڑی حد تک خراب کر دیا ہے۔"[۱]

جس زمانے میں تعداد ازدواج کی اجازت نازل ہوئی تھی وہ بھی لڑائیوں کا زمانہ تھا۔ مسلمان بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی پرورش کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ کسی کی سرپرستی میں آئیں۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیئے یہ حکم نازل ہوا۔

۲۔ عورت ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے جس سے اولاد کی پیدا ہونے کی امید نہ ہے ایسی صورت میں مرد اولاد کے لیئے دوسری شادی کر سکتا ہے۔

۳۔ بعض اوقات سوسائٹی میں زناکاری اور بے حیائی کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان بیماریوں کا واحد علاج تعدد ازدواج ہے چنانچہ مشہور فلسفی سر طامس مور اس قسم کی بیماریوں کا علاج تجویز کرتے ہوئے لکھتا ہے

"مرد کے لئے ایک سے زیادہ عورتوں کو مباح کر دیا جائے۔ یہی ایک دوا ہے۔ جو تمام مہلک امراض کے حق میں تریاق ہے اور یہی وہ تیر بہدف نسخہ ہے۔ جو سوسائٹی کے زہریلے جراثیم کو تباہ کر دیتا ہے۔ یورپ میں سب سے بڑی بیماری اور متعدی بلا یہ ہے کہ یہاں مردوں نے محض ایک عورت پر اکتفا کر لیا ہے یہی وہ تخریب ہے جس نے موجودہ زمانے میں ہماری لڑکیوں کو مردوں کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کرنے

---

[۱] زمزم لاہور ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء

اور سر بازار زنا اور فحش کاری کرنے غرض کہ دنیا بھر کی برائیوں اور مہلک بیماریوں کا شکار بننے کے لیے آمادہ کر دیا ہے۔ اگر یہی حال رہا اور تعدد ازدواج کو مباح قرار دینے کے لیے کوئی قانون نافذ نہ ہوا تو اس طوفان بدتمیزی کے اور بڑھ جانے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے گا افسوس اگر اس مسئلہ کو پہلے ہی سے مباح قرار دیا جاتا تو آج اس قدر لاوارث اولاد جو حرام کاری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ابنائے قوم و وطن کے لیے باعث ننگ و عار اور انسانیت کے دامن پر بدنما داغ ثابت نہ ہوتی ہے"

تعدد ازدواج کی اصلاح: اسلام نے انفرادی اور ملکی ضرورتوں کی وجہ سے تعدد ازدواج کی رسم کو باقی رکھا لیکن اس رسم میں جو خرابیاں تھیں ان کی اصلاح کر دی اسلام سے قبل تعدد ازدواج میں یہ خرابی تھی کہ مرد بلا تعین عورتوں سے نکاح کر لیتے تھے اسلام نے چار کی حد بندی کر دی جیسا کہ ارشاد ہے: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ [1] پس ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار چنانچہ جی ڈبلیو لائٹنر اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی کتاب (Muhammad anism ...) میں لکھتا ہے

"اس غیر محدود تعدد ازدواج کو جو صورت حالات کا ذمہ دار تھا پیغمبر اسلام نے روک دیا انہوں نے اذن دیا مرد دو تین یا چار عورتوں سے عقد کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ان سب کے ساتھ ویسے ہی انصاف کی زندگی بسر کرے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اس کو صرف ایک بیوی کی اجازت تھی۔ اب چونکہ کوئی شخص بطور قاعدہ دو یا زیادہ بیویوں کے ساتھ اسی انصاف سے نہیں رہ سکتا لہذا پیغمبر اسلام کے قانون کی روح صاف طور پر اسی طرف مائل نظر آتی تھی کہ ایک بیوی کے ساتھ شادی کی جائے"

دوسری اصلاح: اسلام سے قبل فخر و مباہات، شان و شوکت، قوت و شجاعت

[1] النساء ۴: ۳

کے اظہار کے لئے بلا تعین تعدادِ ازدواج کا رواج تھا۔ خاوند نہ تو بیویوں میں عدل و مساوات قائم کر سکتے تھے اور نہ کرتے تھے۔ اس برائی کو ختم کرنے کے لیے اسلام نے یہ حکم دیا کہ اگر بیویوں میں عدل و مساوات قائم نہیں کر سکتے تو صرف ایک ہی نکاح کیا جائے ارشادِ الٰہی ہے: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ؁۱
اگر تمہیں خوف ہو کہ بیویوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو بس ایک ہی بیوی کرو
دوسری جگہ آتا ہے: فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؁۲
بس بالکل ہی نہ جھک جاؤ کہ ادھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: اذا کانت عند الرجل امراتان فلم یعدل بینھما جاء یوم القیٰمۃ وشقہ ساقط رواہ الترمذی وغیرہ (مشکوٰۃ باب القسم) جب کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو ساقط ہوگا۔

تعدادِ ازدواج غیروں کی نظر میں: تجربہ کے بعد اب حقیقت پسند دوسرے مذاہب کے علماء نے بھی اسلام کے قانون "تعدادِ ازدواج" کو درست تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے۔ معاشرہ کی بعض خرابیوں کا علاج اسی قانون کو تجویز کیا ہے چنانچہ لندن کے ایک سکول کی استانی میری اسمتھ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے

"یک زوجی کا جو قاعدہ قانون برطانیہ میں چلا ہوا ہے وہ تمام تر غلط ہے مردوں کو دوسری شادی کی اجازت ملنا چاہیے"

ایک اور جگہ لکھتی ہے

چونکہ اس ملک (برطانیہ) میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے اس لیے ہر عورت شوہر کو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی"

اس کے بعد اس نے کہا ہے:

"ایک بیوی کا رواج ناکام ہو چکا ہے اور یہ رواج کوئی سائنٹفک نہیں ہے؁۳"

؁۱ النساء ۴: ۳ ؁۲ النساء ۴: ۱۲۹
؁۳ ندائے حرم کراچی ربیع الآخر ۱۳۷۱ھ

Marfat.com

انگلستان میں جنسی بے راہ روی کو روکنے کے لیے سترھویں صدی سے کثرت ازدواج کا چرچا شروع کیا گیا چنانچہ ۱۶۵۸ء میں ایک شخص نے زناکاری اور نومولود حرامی بچوں کی اموات کو روکنے کے لیے کثرت ازدواج کی حمایت میں ایک پمفلٹ شائع کیا اس کے ایک صدی بعد انگلستان کے ایک قابل اعتماد اور صاحب کردار پادری نے اس مسئلہ کی تائید میں ایک کتاب لکھی مشہور ماہر جنسیات جیمس ہلٹن نے فحاشی اور زناکاری کو روکنے کے لیے کثرت ازدواج کے طریقہ کو اختیار کرنے کی رائے دی۔[۹۱]

"لوگ سمجھتے ہیں تعدد ازدواج اور وحدت ازدواجی میں مقابلہ ہے لیکن یہ غلط ہے اصل میں مقابلہ ہے محدود تعدد ازدواجی کا لا محدود حرام کاری سے اسلام بعض سخت شرائط کے تحت محدود تعدد ازدواجی کی اجازت اس لیے دیتا ہے کہ لا محدود حرام کاری کا سد باب ہو لیکن جو وحدت ازدواجی کے قائل ہیں ان کے پاس لا محدود حرام کاری کے انسداد کا کوئی علاج نہیں اسی لیے تو وہ تعدد ازدواجی کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں مگر یہ آواز بلند نہیں کرتے کہ ایک عورت والے مرد کو دوسری جگہ شہوانی خدمات کی میری کے لیے منہ کالا نہ کرنا چاہیے"[۹۲]

مدارس ہندو مہاسبھا نے ہندو کمیٹی کے نام جو یادداشت ارسال کی ہے اس میں پہلی بار ہندو سوسائٹی کے لیے بعض ایسے حالات میں تعدد ازدواج کی ضرورت کا اعتراف کیا گیا ہے یعنی ہندوؤں کو بعض ایسے حالات بھی پیش آسکتے ہیں جن میں ایک مرد کو کئی عورتوں سے شادی کی اجازت ہونی چاہیے[۹۳]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد زوجات کے اسباب: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضرت کے تعدد زوجات کے دو سبب تھے ایک سبب دینی تھا اور دوسرا ملکی قرآن مجید نے دینی غرض ان الفاظ میں بیان کی ہے: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا (اے نبی کی بیویو!) تمہارے گھروں میں اللہ

---

[۹۱] اسلام اور جنسیات صفحہ ۲۸۶ [۹۲] زمزم لاہور ۷ اگست ۱۹۴۵ء
[۹۳] زمزم لاہور ۲۳ فروری ۱۹۴۵ء [۹۴] الاحزاب ۳۴

Marfat.com

کی آیتوں اور حکمت سے پڑھا جاتا ہے اللہ باریک باتوں کا جاننے والا خبردار ہے۔

اس آیت میں ازواج مطہرات کے رسول کریم صلعم کے عقد نکاح میں آنے کی یہ غرض بیان کی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو لوگوں تک پہنچائیں۔ اسلام میں عورتوں کے بعض ایسے مسائل ہیں جن کو مرد شرم و حیا کی وجہ سے بیان نہیں کر سکتا۔ حضرت عائشہ رضم کی ایک حدیث ہے کہ اسماء بنت یزید انصاریہ نے رسول کریم صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ میں غسل حیض کس طرح کروں۔ آپ نے فرمایا ایک روئی کا ٹکڑا رکھ لے اور وضو کر لے۔ اس کے بعد آپ نے شرم و حیا کی وجہ سے اپنا روئے مبارک پھیر لیا۔ حضرت عائشہ رضم پاس ہی کھڑی تھیں۔ اسماءؓ کا دامن کھینچا اور رسول کریم صلعم کی مراد کو سمجھایا۔

عورتوں کے اس قسم کے مسائل اور احکام کی تعلیم و اشاعت کے لئے متعدد نکاحوں کی ضرورت تھی رسول کریم صلعم کا یہ قول بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے: خذوا دینکم من هذه الحميرا یعنی تم اپنا دین حضرت عائشہ سے حاصل کرو۔

ملکی ضرورت: رسول کریم صلعم نے متعدد شادیاں بچپن اور ساٹھ سال کی عمر کے درمیان کی تھیں اور یہی زمانہ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا ہے۔ جب کفار مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا ارادہ کر چکے تھے اور ان کا ہر حملہ پہلے حملہ سے زیادہ زبردست ہوتا تھا۔ مسلمان دن رات مسلح رہتے تھے۔ کبھی تنگ آ کر یہ کہتے تھے اے اللہ کے رسول ہم دن رات زرہ لگائے اور ہتھیار پہنے تھک گئے ہیں تو آپ جواب دیتے تھے کہ یہ زمانہ ختم ہو جائیگا۔ آپ ہر وقت اس فکر میں غلطاں رہتے کہ کس طرح مٹھی بھر مسلمانوں کی حفاظت کی جائے آپ کو صرف بیرونی دشمنوں سے ہی واسطہ نہیں تھا بلکہ مدینہ کے اندر یہود اور منافق بھی مار آستین بنے ہوئے تھے۔ وہ بھی ہر وقت مسلمانوں کو گزند پہنچانے کے لیے منصوبے گھڑتے رہتے تھے۔ ان حالات میں بھلا کسی کو رنگ رلیاں اور عیاشی سوجھ سکتی ہے اور رات کو عیش و طرب کی محفل جمائی جا سکتی ہے ان تاریک حالات میں طاقتور دشمن پر غلبہ حاصل کرنا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ معترضین کا اعتراض بالکل باطل ہے کہ آپ نے شادیاں عیش و عشرت کے لیے کی تھیں۔

عیش و عشرت کا زمانہ یا تو شباب کا ہوتا ہے۔ جب رگوں میں تازہ اور گرم خون

Marfat.com

دوڑ رہا ہوتا ہے۔ یا فارغ البالی اور اقتدار کا زمانہ رسول کریم صلعم عین شباب کی بہاروں میں صرف ایک چالیس سالہ عورت سے شادی کرتے ہیں اور ان کی زندگی میں ایک وقت وہ بھی آیا۔ جب کفار نے عرب کی حسین ترین عورت سے شادی کرانے کی پیش کش کی۔ لیکن آپ نے ان کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

جب رسول کریم صلعم نے تمام دشمنوں کو زیر کر لیا۔ اور آپ کے اقتدار کا پرچم تمام عرب پہ لہرانے لگا۔ اس زمانہ میں بھی کوئی شادی نہیں کی۔ اس کے علاوہ اگر آپ کی راتوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات نمایاں طور پر سامنے آتی ہے کہ رات کا اکثر حصہ بارگاہ الٰہی میں قیام کے ساتھ گزارتے تھے اور قیام بھی اتنا لمبا کہ پاؤں متورّم ہو جاتے تھے۔

پس بڑھاپے میں آپ کا متعدد نکاح کرنا اور صرف جنگ کے زمانہ تک کرنا صاف بتاتا ہے کہ تعداد ازدواج کا تعلق جنگ سے ضرور ہے ظاہر ہے کہ جنگوں میں مرد مارے جاتے ہیں عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہیں۔ اس وقت یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ عورتوں کی خبر گیری اور ان کو بے حیائیوں سے بچانے کے لیے ایک مرد متعدد شادیاں کرے پس رسول کریم صلعم نے بیواؤں کی خبر گیری کے لیئے متعدد نکاح کیئے باسورتھ سمتھ ایک عیسائی مصنف نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے وہ لکھتا ہے۔

"یہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ حضرت محمد (صلعم) کے بہت سے نکاحوں کی جہاں دیگر وجوہات ہو سکتی ہیں یہ معقول وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ نے یہ نکاح ان بیبیوں پر رحم کھا کر کئے جو بے کس بے یار و مددگار رہ گئی تھیں۔ یہ عورتیں قریباً سب کی سب بیوہ ہی تھیں اور ان کے حسن و دولت کا کوئی شہرہ نہ تھا بلکہ بات اس کے بالکل برعکس تھی۔

طلاق: اگر مرد عورت کے تعلق ازدواج اتنے خراب ہو جائیں کہ باہمی محبت اور اتحاد کی زندگی گزارنا محال ہو جائے تو ایسے موقع پر مرد عورت کو علیحدہ کر سکتا ہے۔

طلاق کا قانون توراۃ میں: یہودیت میں طلاق کا کلی اختیار خاوند کو حاصل ہے جب چاہے ادنیٰ وجوہ کی بنا پر طلاق دے سکتا ہے کیونکہ یہودیت میں عورت کی حیثیت محض ایک مملوکہ شے کی ہے اور مرد مالک اور مختار، شریعت کے تمام احکام اسی مرکزی محور کے گرد گھومتے ہیں۔ چنانچہ توراۃ میں لکھا ہے

اگر کوئی مرد کوئی عورت لے اس سے شادی کرے اور بعد اس کے لیا

Marfat.com

ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو اس سبب سے کہ اس نے اس میں کچھ بیہودہ بات پائی ہو تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کے اس کے ہاتھ دے اور اسے اپنے گھر سے باہر کر دے[۹۱]"

طلاق کے متعلق یہود کا شدید اختلاف ہے فرقہ شماعی کہتا ہے کہ عورت جب تک زنا کا ارتکاب نہ کرے اس وقت تک مرد اسے طلاق نہیں دے سکتا ہے۔ مگر ہلل جو شمع کا شاگرد تھا۔ اور اس کا ایک فرقہ تھا وہ کہتا ہے کہ خاوند ادنی قصور پر بھی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ اچھا کھانا تیار نہ کر سکے کوئی اور عورت پسند آ جائے۔ استثناء ۲۱: ۱۴ میں ہے کہ:

"جب کسی کو اسیران جنگ میں سے کوئی عورت پسند آ جائے تو وہ اسے اپنی بیوی بنا لے اس کے بعد اگر وہ اسے اچھی نہ لگے تو اسے گھر سے نکال دے"

عزیزی نے بنی اسرائیل سے عذاب الٰہی کو دور کرنے کے لیے تمام اجنبی عورتوں کو طلاق دلوا دی۔ اسی طرح نحمیاہ ۱۳: ۲۰ میں غیر اقوام کی عورتوں کو طلاق دینے کا حکم موجود ہے غرض کہ یہودی شریعت میں طلاق کا کلی اختیار مرد ہاتھ میں ہے جب چاہے بیوی کو طلاق دے کر گھر سے باہر نکال سکتا ہے۔

قانون طلاق عیسائیوں میں: پہلے عیسائیت میں طلاق سرے سے جائز نہ تھی۔ میاں بیوی کا رشتہ ازدواجی دوامی سمجھا جاتا تھا۔ فرانسیسیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال کیا "کیا جائز ہے کہ مرد ہر ایک سبب سے اپنی بیوی کو طلاق دے دے[۹۲]" آپ نے فرمایا جسے خدا نے ملایا ہے اسے انسان جدا نہ کرے[۹۳]۔

ایک لمبے عرصہ تک مسیحی دنیا اس قانون پر عامل رہی۔ جب عملی زندگی میں میاں بیوی کے درمیان تفریق نہ ہونے کی وجہ سے دشواریاں پیدا ہوئیں۔ اور یہ قانون وبال جان بنا تو مشرقی کلیسا نے بعض حالتوں میں طلاق کو جائز قرار دیا۔ مگر مغربی کلیسا نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

آہستہ آہستہ اس قانون کی اصلاح کے لیئے آوازیں بلند ہونی شروع ہوئیں مختلف زمانوں میں مختلف اصلاحیں ہوتی رہیں سنہ ۱۹۱۰ء میں انگلستان میں طلاق اور نکاح کے مسائل پر غور کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر ہوا اس نے سفارش کی کہ اسباب طلاق کے

---

۹۱ استثناء ۲۴: ۱ ۹۲ متی ۱۹: ۳ ۹۳ متی ۱۹: ۶

اعتبار سے مرد و عورت دونوں کو مساوی قرار دیا جائے۔ یعنی جن وجوہ کی بنا پر مرد طلاق کی ڈگری پانے کا مستحق ہے۔ انہی وجوہ کی بنا پر عورت بھی طلاق حاصل کرنے کی مستحق ہے ۱۹۲۳ء کے قانون میں یہ شامل کر لیا گیا کہ مرد اگر ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب کرے تو عورت مرد سے طلاق لے سکتی ہے۔

یہودی شریعت میں افراط سے کام لیا گیا اور عیسائیت میں تفریط سے۔ جونہی طلاق کی اجازت دے دی گئی تو طلاق کثرت سے ہونے لگیں چنانچہ آرتھر گار فیلڈ ہیس ایم اے ایل ایل بی ایک مقالہ میں لکھتا ہے

"بتیس سال قبل ہر سات شادیوں میں ایک طلاق ہوتی تھی اب اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ولایات متحدہ میں ہر تین شادیوں میں ایک طلاق ہونے لگی۔ یہ شرح کچھ عرصہ سے برابر بڑھتی جا رہی ہے[1]"

انگلستان کی ایک عدالت جب تعطیل کے بعد کھلی تو پہلے ہی روز چار ہزار ایک سو طلاقوں کی درخواستیں پیش ہوئیں[2]"

قانون طلاق اور ہندو مت: سنسکرت میں بیوی کو پتنی اور خاوند کو پتی کہا جاتا ہے۔ پتی کے معنی مالک کے ہیں اور پتنی کے معنی مملوک۔ بیوی اپنے اختیار سے خاوند سے الگ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ خاوند کی مملوکہ ہے۔ بودھائن سمرتی صرف مرد کو طلاق کا اختیار دیتی ہے مرد اس عورت کو طلاق دے کر الگ کر سکتا ہے جو دس برس تک بچہ پیدا نہیں کرتی۔ جو صرف لڑکیاں ہی پیدا کرتی جائے اسے بارہویں سال جس کے بچے مرتے چلے جائیں اسے پندرہویں سال مگر جو جھگڑالو ہو تو اسے فوراً الگ کیا جا سکتا ہے مگر منوسمرتی میں لکھا ہے کہ خاوند سے دشمنی کرنے والی عورت کو ایک سال تک دیکھا جائے ایک سال کے بعد اس سے زیور کپڑا چھین کر اسے طلاق دے دی جائے۔ جو عورت نشہ یا بیماری کی وجہ سے خاوند کی ہتک کرے اس کے کپڑے زیور چھین کر تین ماہ کے بعد اسے گھر سے نکال دے۔ عورت کے اولاد نہ ہوتی ہو تو آٹھویں برس اور ہو کر مر جاتی ہو تو دسویں برس اگر لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہوں تو گیارہویں برس دوسرا بیاہ کرے اور اگر بیوی سخت

---

[1] صدق جدید لکھنؤ ۸ جنوری ۱۹۵۲ء [2] زمزم لاہور ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء

Marfat.com

کلام ہو تو فوراً دوسرا بیاہ کرے[1]۔

ہندو مذہب میں طلاق کا قانون غیر انسانی اقدار پر مبنی ہے۔ صرف عورت کو طلاق لینے کے حق سے محروم ہی نہیں کیا گیا بلکہ عورت کو مرد کے ہاتھ میں قیدی بنا دیا گیا ہے۔

اسلام کا قانون طلاق: اسلام نے جو طلاق کا قانون پیش کیا ہے وہ افراط اور تفریط سے پاک اور اعتدال پر مبنی ہے اس قانون میں مرد اور عورت دونوں کو پورا پورا حق دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں لیکن یہ حق مخصوص حالات کے تابع ہے۔ اگر میاں بیوی دیکھیں کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق و فرائض ادا نہیں کر سکتے۔ ان کے اکٹھا رہنے سے اولاد اور دوسرے رشتہ داروں پر برا اثر پڑتا ہے۔ نکاح کی روح مجروح ہوتی ہے تو اس وقت میاں بیوی ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں

قرآن مجید اور رسول کریم صلعم کی یہ واضح تعلیم ہے کہ علیحدہ ہونے سے پہلے ہر ممکن کوشش کرلینی چاہیئے کہ وہ حالت سدھر جائیں جن کی بنا پر علیحدگی اختیار کی جارہی ہے اسلام نے طلاق کے بارہ میں عجلت سے روکا ہے شریعت اسلام میں گو طلاق جائز ہے مگر رسول کریم صلعم نے اُسے حلال چیزوں میں سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ بتایا ہے رسول کریم صلعم فرماتے ہیں ابغض الحلال الی اللہ الطلاق[2] حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اللہ تعالی کو طلاق ہے: ولا خلق اللہ شیئا علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق[3] اللہ تعالے نے روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر کوئی چیز مبغوض پیدا نہیں کی۔ قرآن مجید میں آتا ہے: فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا[4] اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی رکھ دے۔

یہ آیت طلاق سے باز رہنے کی ترغیب دیتی ہے

طلاق دینے سے پہلے مصالحت کی کوشش: اسلامی سوسائٹی کی بنیاد محبت

---

[1] تفصیل کیلئے منو ۹: ۷۷-۸۰: ۸۱ ستیارتھ پرکاش باب ۴ ملاحظہ کریں۔
[2] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطلاق صفحہ ۲۸۳ [3] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطلاق صفحہ ۲۸۴
[4] النساء ۴: ۱۹

Marfat.com

اور اخوت پر ہے۔ سوسائٹی کے تمام افراد جسم کے اعضا کی مانند ہیں جس طرح جسم کے کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو تمام جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح سوسائٹی کے کسی ایک فرد تکلیف پہنچے تو تمام سوسائٹی اس تکلیف سے متاثر ہوتی ہے۔ اسی اصول کے تحت گو طلاق کو حلال قرار دیا ہے لیکن اس فعل کو ناپسندیدہ اور مبغوض سمجھا ہے اس وجہ سے اس حلال فعل کو روکنے کے لیے اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان کشیدگی اور اختلاف پیدا ہو جائے تو جہاں تک ممکن ہو دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کرنی چاہیئے ارشاد الٰہی ہے: وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۱؎ اگر تم کو دونوں (میاں بیوی) میں باہم دشمنی کا ڈر ہو۔ تو ایک فیصلہ کرنے والا اس مرد کے لوگوں میں سے اور ایک فیصلہ کرنے والا اس عورت کے لوگوں میں سے مقرر کرو اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ ان میں موافقت کر دے گا۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۲؎ اور اگر ایک عورت کو اپنے خاوند کی زیادتی یا بے رغبتی کا ڈر ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح اچھی چیز ہے۔

ان آیات میں منصفین کا یہ کام بیان کیا ہے۔ کہ وہ میاں بیوی کی کشیدگی کی وجوہ معلوم کر کے ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں صلح کی کوشش کے ناکام ہونے کی صورت میں آخری انقطاع ہوگا۔ اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاوند اپنی مرضی سے نکاح فسخ نہیں کر سکتا۔ فیصلہ منصفوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور فریقین کو منصفوں کے فیصلے کی پابندی لازمی ہوگی۔

طلاق پر حد بندیاں: طلاق دینے کی پہلی شرط یہ ہے کہ حالت طہر میں دی جائے۔ حالت حیض میں میاں بیوی زن و شوئی تعلقات سے الگ ہوتے ہیں۔ ناراضی اور

۱؎ النساء ۴: ۳۵   ۲؎ النساء ۴: ۱۲۸

Marfat.com

کشیدگی کو دور کرنے کے موقعے نہیں ملتے۔ مگر حالت طہر میں خاوند بیوی میں تعلقات قائم ہوتے ہیں اور اختلاف دور کرنے کا موقع مل جاتا ہے اس وجہ سے اسلام نے ایام حیض میں طلاق دینا ممنوع قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے: وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ [1] اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں حالت طہر سے حیض میں داخل ہونے کا نام ہے۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حالت حیض میں طلاق دے دی تو رسول کریم صلعم سخت ناراض ہوئے اور رجوع کا حکم دیا [2] یہ شرط طلاق پر ایک روک ہے دوسری حد بندی عدت ہے جو آخری انقطاع کے راستے میں ایک روک ہے اختلاف اور کشیدگی پیدا ہونے کے بعد بھی اسلام نے فریقین کو یہ موقع دیا کہ وہ ہر طلاق کے بعد عدت مقرر کی گئی ہے ارشادِ الٰہی ہے: یاایّھا النّبیّ اذا طلّقتم النساء فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔ [3] اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں عدت کے شروع میں طلاق دو۔

عدت تین طہر ہیں: جیسا کہ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ سے ظاہر ہے عام حالتوں میں یہ تقریباً چار مہینہ کا عرصہ ہوتا ہے جن عورتوں کے حیض بند ہو گئے ہیں ان کی عدت تین ماہ کی ہے [4]۔ اور حاملہ عورتوں کا زمانہ انتظار وضع حمل تک ہے ارشاد الٰہی ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ [5] اور حمل والی عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جنیں۔

تیسری حد بندی: عدت گزرنے کے بھی دوبارہ نکاح کی اجازت ہے ارشاد ہے: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ [6] اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور پھر وہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں تو اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کر لیں جب آپس میں پسندیدہ طور پر راضی ہوں صحیح بخاری میں ہے کہ معقل بن یسار

---

[1] البقرہ ۲:۲۲۸ [2] بخاری کتاب الطلاق باب قول اللہ تعالیٰ یاایھا النبی اذا طلقتم النساء [3] الطلاق ۶۵:۱ [4] الطلاق ۶۵:۴

[5] الطلاق ۶۵:۴ [6] البقرہ ۲:۲۳۲

Marfat.com

کی ہمشیرہ کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی۔ جب عدت گزر گئی تو خاوند نے دوبارہ اس سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ معقل نے انکار کر دیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی تو معقل نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح پہلے خاوند سے کرایا۔ بیوی بھی رضامند تھی۔

چوتھی حدبندی: جس طرح زمانہ انتظار میں رجوع کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح عدت گزر جانے کے بعد بھی نکاح جائز ہے۔ قابل منسوخ طلاق جس کو فقہاء نے طلاق رجعی کا نام دیا ہے دو دفعہ دی جاسکتی ہے ارشاد الٰہی ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ [۱] طلاق دو دفعہ ہے پھر پسندیدہ طور پر رکھنا یا حسن سلوک سے رخصت کرنا ہے

پانچویں حدبندی: قرآن مجید کی تعلیم کی رو سے عورت کو مہر کی ادائیگی ضروری ہے بر ادائیگی خاوند کو بلاوجہ طلاق دینے میں مانع ہے ارشاد الٰہی ہے: ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ [۲] اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم اس مال سے جو کچھ تو تم نے انہیں دیا سوا اس کے کہ دونوں کو ڈر ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے پس اگر تم بھی یہ ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر ان پر اس کے بارہ میں کچھ گناہ نہیں جو عورت فدیہ دے دے۔ دوسری جگہ آتا ہے: واتوا النساء صدقتھن نحلۃ [۳] اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو۔

چھٹی حدبندی: طلاق مغلظ۔ طلاق کی آزادی پر ایک زبردست روک ہے خاوند تیسری طلاق بڑے غور و خوض کے بعد دے گا۔ کیوں کہ اس کو علم ہے اس طلاق کے بعد شادی نہیں کر سکتا ہے جب تک وہ کسی اور خاوند کے عقد نکاح میں نہ جائے اور وہ اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے دے۔

طلاق کی اقسام: فقہائے نے طلاق کی تین قسمیں بیان کی ہیں

---

[۱] الطلاق ۶۵: ۴
[۲] البقرہ ۲: ۲۲۹
[۳] النساء ۴: ۴

Marfat.com

الف: تین طلاقیں دی جائیں تو وہ طلاق مغلظہ کہلاتی ہے طلاق مغلظہ کے بعد میاں بیوی رجوع نہیں کر سکتے جب تک مطلقہ کوئی دوسرا نکاح نہ کرے پھر دوسرے خاوند سے طلاق یا موت کی وجہ سے جدائی ہو کر عدت پوری نہ کرے۔ ارشاد الٰہی ہے: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ فان طلقها فلا جناح علیهما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود الله۔ ؎۱ پھر اگر وہ اسے تیسری بار طلاق دے تو وہ عورت اس کے بعد اس کے لیے حلال نہیں۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے خاوند سے نکاح کرے پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں اگر وہ ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لیں بشرطیکہ ان کو یقین ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھیں گے۔

ب۔ تین سے کم طلاقیں دی جائیں اور عدت گذر جائے تو وہ طلاق بائنہ کہلاتی ہے۔ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے گی لیکن میاں بیوی دوبارہ زوجین بنا چاہیں۔ تو تجدید نکاح سے زوجین بن سکتے ہیں ارشاد ہے: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؎۲ طلاق دو دفعہ ہے پھر پسندیدہ طور سے رکھنا یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرنا ہے۔

ج: تین سے کم طلاقوں میں عدت ختم نہ ہوئی ہو تو قول یا عمل سے رجوع ہو سکتا ہے تجدید نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔

طلاق دینے کی تین صورتیں: طلاق دینے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک ہی وقت تین طلاقیں دے دی جائیں اور ان کو تین طلاقیں خیال کر لی جائیں۔ یہ طلاق بدعی ہے اس طلاق کو نبی کریم صلعم نے سخت ناپسند کیا ہے نسائی کی روایت ہے کہ رسول کریم صلعم کو ایک شخص کے متعلق خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ اکٹھی طلاق دی ہے: فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب الله عزوجل وانا بین اظهرکم ؎۳ آپ غصہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ کیا اللہ کی کتاب سے ہنسی کی جاتی ہے اور میں تمہارے درمیان میں ہوں۔

؎۱ سورۃ البقرہ ۲: ۲۳۰ ؎۲ البقرہ ۲: ۲۲۹

؎۳ مشکوۃ المصابیح باب الخلع والطلاق صفحہ ۲۸۴

Marfat.com

اکٹھی تین طلاقیں دینے کا رواج زمانہ جاہلیت میں تھا رسول کریم صلعم نے اس رواج کو ختم کیا ہے اور بیک وقت تین طلاقیں دینے کو تسلیم نہ کیا ابوداؤد ترمذی کی حدیث ہے رکانہ بن یزید نے رسول کریم صلعم کے پاس آیا اور عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تیرا ارادہ کیا تھا تو کہا کہ میرا ارادہ ایک ہی طلاق کا تھا۔ آنحضرت نے رجوع کی اجازت دے دی۔[۵۱]

صاحب فتح القدیر کہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ایک ایسی نص ہے کہ جسمیں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی مولانا عبدالحی فرنگی محل کے فتاوی میں لکھا ہے کہ ایسی طلاق اگر موجب ہو تو بہت سی دشواریاں کا تو کسی شافعی عالم سے فتوی لے کر رجوع کر لیا جائے انتہی مخلصاً[۵۲] ابن قیم اعلام الموقعین میں کہتے ہیں

"حضرت عبداللہ بن عباس رض حضرت علی رض اور حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے دو طرح کی روائتیں ہیں یعنی ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک ہی رجعی ہوں گی اور یہ بھی کہ وہ مغلظ ہوں گے زبیر بن العوام رض ۔ عبدالرحمن بن عوف عکرمہ طاؤس محمد بن اسحق خلاس رض بن عمرو حارث عکلی ۔ داؤد بن علی اور ان کے پیرو بعض مالکیہ خود بعض حنفی علما اور حنبلی علما اس کے قائل ہیں کہ ایسی طلاقیں ایک ہی طلاق ہو گی[۵۳]"

طلاق کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو پہلی طلاق طہر میں دیتا ہے پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق پھر تیسرے طہر میں تیسری طلاق دیتا ہے اس طریقہ کو فقہاء نے طلاق حسن کہا ہے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے ایک طہر میں صرف ایک دفعہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد زمانہ انتظار گزر جائے۔ یہ طریقہ طلاق ہے جس کا علم قرآن اور احادیث سے ہوتا ہے۔

شرائط طلاق

طلاق کے لیے حسب ذیل شرائط ہیں

---

۵۱ مشکوۃ المصابیح باب الخلع والطلاق صفحہ ۲۸۴ ۔ ۵۲ فتاوی مولانا عبدالحی مسئلہ ۴۰۳ ۔ ۵۳ اعلام الموقعین جلد اول صفحہ ۲۴

Marfat.com

عقل: رسول کریم صلعم فرماتے ہیں کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ والمغلوب علی عقلہ [1] ہر طلاق جائز ہے سوائے مدہوش کے اور جس کی عقل پر غلبہ ہے

اختیار: رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق قیل معنی الاغلاق الاکراہ [2] اغلاق کی حالت میں طلاق اور عتاق نہیں ہے اغلاق کے معنی اکراہ اور جبر کے ہیں۔

بلوغت: شریعت اسلامی میں نابالغ مکلف نہیں ہے رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یبلغ وعن المعتوہ حتی یعقل۔ [2] تین آدمیوں سے بازپرس نہیں ہوتی سونے والے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے بچے سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو۔ مغلوب العقل سے حتیٰ کہ وہ ہوش میں آجائے۔

گواہ: دو گواہوں کی موجودگی کے بغیر طلاق درست نہیں ارشادِ الٰہی ہے: واشھدوا ذوی عدل منکم [3] یعنی طلاق دیتے وقت دو معتبر گواہ بنالو

حالت طہر: طلاق حالت طہر میں بغیر مواصلت کے دی جائے گی ارشاد ہے: یَاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ [5] اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی جب رسول کریم صلعم کو علم ہوا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور رجوع کا حکم دیا۔

حق حضانت: عورت کو حق حضانت دیا جائے گا تمام اخراجات خاوند کے ذمہ ہوں گے ابوداؤد میں ایک روایت ہے رسول کریم صلعم کے پاس ایک عورت نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ یہ میرا بچہ ہے جس کے لیے میرا شکم اس کا ظرف میرا سینہ اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا مسکن بنا رہا ہے۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اس بچے کو مجھ سے

سلہ ترمذی کتاب الطلاق باب ماجاء فی طلاق المعتوہ مع شرح ابن عربی ج ۴ صفحہ ۱۶۷

سلہ مشکوٰۃ المصابیح باب الخلع والطلاق صفحہ ۲۸۴ سلہ ابن ماجہ سنن کتاب الطلاق باب طلاق المعتوہ صفحہ ۱۶۸ جلد ۱ سلہ النساء

سلہ الطلاق ۶۵: ۱

Marfat.com

چھینا چاہتا ہے آپ نے فرمایا کہ جب تک تیرا عقد ثانی نہ ہو اس بچے کی حق دار تو ہی ہے۔

عدت: طلاق کے بعد عدت ضروری ہے ارشاد ہے: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ [1] اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں۔

نفقہ و سکنیٰ: عدت کے دوران نفقہ و سکنیٰ مرد پر لازم ہیں اگر بیوی حاملہ ہے تو وضع حمل تک کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہیں۔

زمانہ جاہلیت کے طریقہ طلاق کی اصلاح: زمانہ جاہلیت میں مرد عورتوں کو قسما قسم کے طریقوں سے ستانے اور تکلیف پہنچانے اسلام نے صرف ستانے اور تکلیف دینے سے ہی نہیں روکا بلکہ علیحدگی کی صورت میں احسان اور شریفانہ طریقہ سے رخصت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ [2] اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لیے جائز نہیں کہ عورتوں کو زبردستی ورثہ میں لو اور نہ ان کو روک رکھو اس لیے کہ اس کا کچھ حصہ لے لو جو تم نے انہیں دیا ہے سوائے اس کے وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

عربوں میں یہ رواج تھا کہ جب ایک شخص اپنی بیوی کو ناپسند کرتا تو بجائے اس کے کہ اسے طلاق دے اسے روکے رکھتا اور اس کو طرح طرح کی تکالیف دیتا یہاں تک کہ بیوی تنگ آ کر یہ شرط قبول کر لیتی کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ اس کو دے دے گی۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ [3] اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر اپنی میعاد کو پہنچ جائیں تو انہیں اس بات سے نہ روکو کہ وہ خاوندوں سے نکاح کر لیں جب وہ آپس میں پسندیدہ طور پر راضی ہوں۔

اس آیت میں یہ تعلیم دی ہے کہ عدت گزر جانے کے بعد عورت کو شادی کرنے سے روکنا نہیں چاہیئے اسلام صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ مطلقہ عورتوں کو ستانا نہیں چاہیئے بلکہ یہ تعلیم دیتا ہے مطلقہ عورت کو شریفانہ رویہ کے ساتھ رخصت کرو ارشاد ہے:

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ [4] یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دو

---

[1] البقرہ ۲: ۲۲۸ [2] النساء ۴: ۱۹ [3] البقرہ ۲: ۲۳۲ [4] البقرہ ۲: ۲۳۱

Marfat.com

خلع : خلع کے لغوی معنی ازالہ کے ہیں لسان العرب میں ہے : خلع الرجل ثوبہ خلعًا ازالہ عن بدنہ ونزعہ عنہ ۱؎ یعنی آدمی نے کپڑے اتارے اپنے بدن سے ہٹائے اور اتارے۔ اسلام کی اصطلاح میں خلع اس ترک تعلق کو کہتے ہیں جو بیوی خاوند کو ناپسند کرنے کی وجہ سے مطالبہ کرتی ہے علیحدگی کے معاملہ میں مرد اور عورت دونوں مساوی ہیں جس طرح مرد کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے اسیطرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ خاوند سے علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے قرآن مجید میں آتا ہے : فَاِنْ خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ ۲؎ پس اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر اس کے بارے میں کچھ گناہ نہیں جو عورت فدیہ دے دے۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے اگر عورت طلاق لینا چاہے تو وہ بذریعہ قاضی طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ حدیث اس مسئلہ کو اور بھی زیادہ واضح کرتی ہے بخاری میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلعم نے ایک عورت سے جس کا نام امیمہ یا بنت الجون تھا نکاح کیا۔ جب آنحضرت اس کے قریب گئے تو اس نے کہا کہ میں آپ سے پناہ مانگتی ہوں یعنی طلاق چاہتی ہوں اس پر رسول کریم صلعم نے اس کو طلاق دے دی اور کچھ تحفے تحائف دے کر رخصت کیا ۳؎

عن ابن عباس ان امراۃ ثابت بن قیس اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ما اعتب علیہ فی خلق ولا دین ولکن اکرہ الکفر فی الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتردین علیہ حدیقتہ قالت نعم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقۃ طلقھا تطلیقۃ۔ ۴؎

ابن عباس سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول اللہ میں اس کے خلق اور دین پر کوئی عیب نہیں لگاتی لیکن میں اسلام میں کفر کو پسند نہیں کرتی اس پر رسول کریم صلعم نے فرمایا۔ کہ تو اس کا باغیچہ واپس کر دے گی اس نے

۱؎ لسان العرب ج ۸ صفحہ ۷۶ ۲؎ البقرہ ۲ : ۲۲۹

۳؎ بخاری کتاب ۶۸ الطلاق باب ۳

۴؎ مشکوٰۃ المصابیح باب الخلع والطلاق صفحہ ۲۸۳

Marfat.com

کہا ہاں آنحضرت نے فرمایا باغیچہ لے لو اور اسے طلاق دے دو۔

عن نافع عن مولاۃ لصفیۃ بنت ابی عبید انھا اختلعت من زوجھا بکل شئ لھا فلم ینکر ذلک عبد اللہ بن عمر [1]

یعنی نافع نے صفیہ بنت ابی عبید کی باندی سے روایت کیا ہے اس نے اپنے خاوند سے اس تمام مال کے بدلہ میں جو اس کے پاس تھا خلع لیا اور عبداللہ بن عمر نے اسے ناپسند نہ کیا جس طرح رسول کریم صلعم نے مرد کا عورت کو طلاق دینے کو ناپسند کیا ہے اسی طرح عورت کو خاوند سے خلع لینے کو بھی ناپسند کیا رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: المختلعات من المنافقات [2] علیحدگی چاہنے والی اور خلع حاصل کرنے والی عورتیں منافق ہیں۔

ایما امرأۃ سالت زوجھا فی غیر ما بس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ [3]

جو عورت اپنے شوہر سے کسی برائی کے بغیر ہی طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

خلع طلاق بائنہ ہوتا ہے۔ دوبارہ میاں بیوی بننے کے لئے تجدید نکاح ضروری ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: لاتکون طلقۃ بائنۃ الا فی فدیۃ او ایلاء۔ یعنی خلع اور ایلا کے سوا کوئی طلاق بائنہ نہیں ہوتی۔

خلع کی شرائط: (۱) حق مہر وغیرہ واپس خاوند کو لوٹانا ہوتا ہے جیسا کہ ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلعم نے ثابت بن قیس کی بیوی کو باغیچہ واپس لوٹانے کو کہا۔

۲۔ عورت محض ناموافقت طبع کی وجہ سے بھی خلع لے سکتی ہے۔ جیسا کہ جمیلہ کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں: ما اعتب علیہ فی خلق ولا دین یعنی میں نہ اس کے اخلاق پر عیب لگاتی ہوں اور نہ دین پر۔

۳۔ میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کرنے سے قبل بعث حکمین کا حکم پورا کیا جائے۔

۴۔ دو گواہ ٹھہرائے جائیں۔

۵۔ تکمیل عدت تک نفقہ سکنی مرد کے ذمہ ہوگا۔

۶۔ دودھ پلانے کی اجرت شوہر کے ذمہ ہوگی۔

---

[1] الموطا صفحہ ۲۸۴ [2] ترمذی

[3] مشکوۃ المصابیح باب الخلع والطلاق صفحہ ۲۸۳

Marfat.com

۷۔ حق حضانت قائم رہے گا۔

مفقود الخبر: اگر شوہر مفقود الخبر ہو جائے تو بیوی کو طلاق لینے کا حق حاصل ہے۔ کتنے عرصہ تک خاوند مفقود الخبر ہو اس کے بارے میں فقہاء کا شدید اختلاف ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں کوئی ایسا فیصلہ نہیں ملتا کہ اس صورت میں بیوی کب تک خاوند کا انتظار کرے امام ابو حنیفہ کی رائے کے مطابق ۱۲۰ سال اور امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق ۱۰۰ سال تک انتظار کرے[1]۔ شافعی فقہ نے سات سال اور امام مالک کے نزدیک یہ معیاد چار سال کی ہے[2]۔ موطا امام مالک میں حضرت عمرؓ کا یہ اثر منقول ہے: ایما امرأة فقدت زوجها فلم تدر این هو فانها تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعة وعشراً ثم تحل۔ یعنی جس عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو جائے اور اسے یہ نہ پتہ چلے کہ وہ کہاں ہے تو وہ چار سال انتظار کر کے چار ماہ دس دن کی عدت گزار دے اور آزاد ہو جائے۔ ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق نے بھی اپنی مصنّفات میں حضرت عثمانؓ کا ایسا ہی قول درج کیا ہے۔

ابن مسیب کا یہ مذہب ہے اگر کوئی شخص جنگ کے دوران گم ہو جائے تو اس کی بیوی کو ایک سال تک انتظار کرنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ابن مسعودؓ کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے جس نے اپنی ایک خادمہ کے شوہر کو ایک سال تک تلاش کیا۔ پھر اس کو مفقود خیال کیا۔ زمانہ حاضرہ میں رسل و رسائل کی سہولت کی وجہ سے مفقود الخبر کے لیے ایک سال کی معیاد کافی ہے

عُنّہ (نامردی)، مجبوب (مقطوع الذکر) اگر خاوند نامرد ہو تو قاضی علاج کیلئے ایک مدت مقرر کر دے گا اگر وہ جماع پر قادر نہ ہو سکے گا تو علیحدگی کرا دے گا ہدایہ میں لکھا ہے: واذا کان الزوج عنینا اجله الحاکم سنة فان وصل الیها فبها والا فرق بینهما۔ (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۰) اگر خاوند نامرد ہے تو قاضی اسے علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا پھر اگر وہ تعلق ازدواجی کے قابل ہو گیا تو بہتر ورنہ ان دونوں میں تفریق کرا دے گا۔ حضرت سعید بن المسیب کہتے ہیں:۔ من تزوج امرأة فلم یستطع ان یمسها فانه یضرب اجل سنة

---

[1] ہدایہ نمبر ۱ صفحہ ۵۹۸، ۵۹۹ [2] ہدایہ نمبر ۱ صفحہ ۵۹۷

Marfat.com

فان تسها والا فرق بینهما - (موطا امام مالک ج ۲ ص ۳۲) جو کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کو عورت سے تعلق مناکحت قائم کرنے کی طاقت نہ ہو۔ تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی اگر اس کے بعد وہ ہم بستری کے قابل ہو جائے تب خیر۔ ورنہ دونوں میں علیحدگی کر دی جائے گی۔ اگر مرد مقطوع الذکر ہو تو قاضی خود تفریق کر دے (قدوزی مصری کتاب النکاح صفحہ ۱۷)

ایلاء

ایلاء کے یہ معنی ہیں کوتاہی ایلاء وہ قسم ہے جس کی غرض کسی حق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا ہو شریعت اسلامی میں ایلاء یہ ہے کہ مرد قسم کھائے کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اسے چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ کر کفارا ادا کرنا چاہیئے۔ ورنہ چار ماہ کے بعد طلاق بائن ہو جائے گی۔ یہ علیحدگی امام شافعی کے نزدیک از خود نہیں ہو گی بلکہ تبین بتفریق القاضی لانہ مانع حقها فی الجماع فینوب القاضی منابہ فی التسریح کما فی الجب والعنۃ[1] وہ قاضی کی تفریق کے بعد بائنہ ہو گی کیوں کہ وہ عورت کے حق میں مانع ہے لہذا قاضی اس جدائی میں خاوند کا قائم مقام ہو جائے گا جس طرح مقطوع الذکر اور نامردی کی صورت میں ہوتا ہے مالکیہ کا یہ مذہب ہے۔ اگر قاضی ایلاء کرنے والے شوہر کو رجوع کا حکم دے۔ اور وہ رجوع نہ کرے تو وہ اسے طلاق دینے کا حکم دے گا۔ لیکن اگر وہ طلاق نہ بھی دے تو قاضی خود اسے ایک طلاق رجعی دے گا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قاضی خود طلاق نہ دے گا بلکہ بیوی کو حکم دے گا کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے دے پھر قاضی طلاق کا حکم صادر کر دے گا .... اگر کسی جگہ قاضی موجود نہ ہو۔ تو مسلمانوں کی ایک جماعت اسے طلاق دے دے گی[2]

حنابلہ کہتے ہیں: اگر ایلاء کرنے والا خاوند چار ماہ سے پہلے قاضی کے حکم کے مطابق اپنی بیوی سے تعلق مناکحت پیدا کرنے سے انکار کر دے تو قاضی اسے طلاق دینے کا حکم دے گا اگر وہ طلاق بھی نہ دے گا تو اس کی طرف سے خود قاضی ایک یا دو یا تین طلاقیں دے دے گا۔ کیوں کہ اس صورت میں قاضی خاوند کا قائم مقام ہے اور وہ تینوں طلاقوں کا

---

[1] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۱ [2] الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۴ صفحہ ۴۸۰، ۴۸۱

Marfat.com

مالک ہے اگر قاضی یہ کہہ دے کہ میں نے تم دونوں کا نکاح فسخ کر دیا تو یہ بھی صحیح ہو گا۔ لیکن یہ فسخ ہو گا طلاق نہیں ہو گی اور یہی صورت فسخ ہو گی اگر قاضی کہے گا کہ میں نے تم دونوں کے درمیان علیحدگی کر دی ہے۔ اور قاضی خاوند کو طلاق کا حکم اس وقت دے گا جب اس سے عورت اس کا مطالبہ کرے[1]۔

کفارہ: اگر خاوند چار ماہ کے اندر اندر اپنی قسم توڑ ڈالے اور صحبت کرے۔ تو قسم توڑنے کا کفارہ دس فقیروں کا کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا۔ یا ایک غلام آزاد کرنا اگر یہ نہ کر سکے تو تین دن کے روزے رکھے۔ مسلم میں ہے: عن ابن عباسؓ اذا حرم الرجل امراته فهو يمين يكفرها[2] حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تو میرے لیے حرام ہے تو یہ قسم کھانے کی طرح ہے اس میں قسم کا کفارہ دینا ہو گا۔

ظہار: زمانہ جاہلیت میں اہل عرب غصہ کی حالت میں کبھی یہ کہہ دیتے تھے:۔ انت علی كظهر امی۔ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں ہے ان الفاظ سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ عورت اس پر حرام ہو گئی ہے۔ اسلام نے اس رسم کی اصلاح کی اور کہا کہ اپنی بیوی کو ماں کہہ دینے سے ماں نہیں بن جاتی بلکہ ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے آدمی پیدا ہو۔ محض زبان سے ماں کہہ دینے سے ماں نہیں بن جاتی ہے ارشادِ الٰہی ہے: وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ۔[3] اور نہ تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں بنایا ہے

قرآن مجید نے اس رسم کو نامعقول قرار دیا ہے ارشاد ہے: وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا[4] اور وہ بیہودہ بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔

ظہار سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا ارشاد ہے: الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي

---

[1] الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۴ صفحہ ۴۸۸، ۴۸۷
[2] کتاب النکاح باب الطلاق [3] الاحزاب ۳۳: ۴
[4] المجادلہ ۵۸: ۲

Marfat.com

وَلَدْنَهُمْ ؎۱ تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں کو مائیں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں صرف وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا۔

کفارہ: وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا۔ ؎۲

اور جو لوگ اپنی عورتوں کو مائیں کہہ دیتے ہیں پھر اس کی طرف واپس لوٹتے ہیں جو کہا تھا تو ایک غلام کا آزاد کرنا ہے اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں اس کے ساتھ تمہیں وعظ کیا جاتا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔ پھر جو کوئی غلام نہ پائے تو دو مہینے کے متواتر روزے رکھے۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں پھر جسے یہ بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

لعان: لعان کا لفظ لعنت سے مشتق ہے جس کے معنی لعنت کے ہیں ایک دوسرے پر لعنت بھیجنا۔ مگر اسلامی اصطلاح میں شوہر اور بیوی میں علیحدگی کی اس صورت کا نام ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کی تائید میں گواہ پیش نہ کر سکے قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ ؎۳

اور جو لوگ اپنی عورتوں پر تہمت لگائیں اور سوائے اپنے ان کا کوئی گواہ نہ ہو تو ان تہمت لگانے والوں میں سے ایک کی گواہی یہ ہے کہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار بار گواہی دے کہ

؎۱ المجادلہ ۵۸: ۲ ؎۲ المجادلہ ۵۸: ۳: ۴
؎۳ النور ۲۴: ۶: ۹

Marfat.com

وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی لعنت اس پر ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے اور عورت سے یہ بات سزا کو ٹال سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار بار گواہی دے کہ وہ مرد جھوٹوں میں سے ہے اور پانچواں بار یہ کہ اللہ کا غضب اس پر ہو اگر وہ سچوں میں سے ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے رسول کریم صلعم سے دریافت کیا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو فاحشہ کام میں مبتلا دیکھ لے تو کیا کرے اگر وہ دوسروں سے بیان کرتا ہے یہ بہت بڑا کام ہے اگر وہ خاموش رہتا ہے تو یہ بھی ایک مشکل کام ہے آنحضرت نے جواب نہ دیا اس کے کچھ عرصہ بعد وہ شخص آپ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا۔ یا رسول اللہ جس امر کے متعلق میں نے آپ سے پوچھا تھا اس میں مبتلا ہو گیا ہوں اس وقت سورۃ نور کی آیتیں نازل ہوئیں آپ صلعم نے ان کو تلاوت فرما کر وعظ و نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہی ہلکا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے اس عورت کے بارے میں جھوٹ نہیں بولا۔ پھر آپ نے اس عورت کو بلایا اس کو بھی اسطرح پند و نصیحت فرمائی اس نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے یہ جھوٹا ہے تب آنحضرت نے مرد سے قسم کی ابتدا فرمائی چنانچہ اس نے چار مرتبہ قسمیں کھائیں اس کے بعد آپ نے عورت سے بھی قسمیں کھلوائیں اور دونوں کے درمیان تفریق کرادی:

اس تفریق کے لیے میاں بیوی کی رضامندی ضروری نہیں

لعان زوجین میں ہمیشہ کے لیئے تفریق کردیتا ہے۔

زوجین کے حقوق و فرائض

اسلام میں عورتوں کا درجہ اور حیثیت: عورت انسانی سوسائٹی کا ایک نہایت

؎ عمدہ الرعایا حاشیہ شرح وقایہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ حاشیہ ۹

Marfat.com

ہی اہم حصہ ہے جس کے بغیر سوسائٹی کی گاڑی چل ہی نہیں سکتی۔ تخلیق اور افزائش نسل انسانی کے لئے دونوں کا وجود لازم وملزوم ہے سوسائٹی کا اتنا اہم اور ضروری جز ہونے کے باوجود اسلام سے قبل دوسری اقوام عالم اور مذاہب میں عورت کا درجہ بہت ہی پست تھا۔ وہ مردوں کی محکوم اور دست نگر خیال کی جاتی ہے۔ اسلام میں عورت کا درجہ اور حیثیت بیان کرنے سے قبل یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ پرانی ترقی یافتہ اور مہذب اقوام اور مذاہب میں عورت کو کیا درجہ حاصل تھا تاکہ عورت کے بارہ میں اسلام کی پاکیزہ تعلیم قاری پر واضح ہوسکے۔

عرب میں عورت کی حیثیت: ایک مرد جس قدر چاہتا شادیاں کر لیتا غیلان بن سلمہ الثقفی جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں۔ وہب نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی آٹھ بیویاں تھیں۔ ایک عورت کے پاس کئی مرد آتے ہم بستری کرتے مگر ان کی تعداد دس سے کم ہوتی۔ عورت کو جب حمل ہو جاتا اور بچہ جنتی تو ان تمام مردوں کو کہلا بھیجتی جب سب اس کے پاس آجاتے تو یہ عورت کسی ایک مرد کو کہتی کہ اے فلاں شخص یہ تیرا بچہ ہے چنانچہ وہ بچہ اسکا ہو جاتا اور حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنیکا عرب میں رواج تھا۔ باپ مرجاتا تو اس کی کل بیویاں سوائے حقیقی ماں کے بیٹے کے تصرف میں آتیں اور اس کی جائز بیویاں سمجھی جاتیں۔

لونڈیوں سے زنا کروا کر روپیہ کماتے اگر لڑائیوں میں مفتوحہ قبیلہ کی عورتیں ہاتھ میں آجاتیں تو ان کی عزت وناموس محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔ فاتحین اس تصرف پہ فخر کرتے اور اشعار بیان کرتے۔ عرب میں استبضاع کی رسم تھی جس کی تشریح اہل لغت نے یہ کی ہے کہ عورت صرف خواہش اولاد کے لیے اپنے خاوند کے سوائے دوسرے سے تعلق پیدا کرے۔ بلکہ لکھا ہے کہ مرد اپنی عورت یا لونڈی کو کہہ دیتا تھا: ارسلی الی فلان فاستبضعی منہ۔ یعنی فلاں کو کہلا بھیجو اور اس سے اولاد حاصل کرنے کے لیے تعلق پیدا کرو۔

طلاق دینے کے ظالمانہ طریقے رائج تھے: اگر ایک مرد چاہتا تو ایک عورت کو ہزار مرتبہ بھی طلاق دے کر عدت کے اندر رجوع کر لیتا بعض دفعہ مرد یہ قسم کھا لیتا کہ میں اپنی بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا۔ تو وہ عورت نہ مطلقہ کے حکم کے تحت آتی اور نہ منکوحہ کے بعض اوقات خاوند اپنی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو اسے اسی طرح معلقہ کی حالت میں چھوڑ دیتا۔

جس گھر میں لڑکی پیدا ہوتی اس کو سخت رنج ہوتا شرم کے مارے گھر سے باہر نہ نکلتا

Marfat.com

قرآن مجید میں آتا ہے: وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ[۵۱]
اور جب ان میں سے ایک کو لڑکی کی خبر دی جاتی اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھرا ہوتا ہے وہ اس خبر کی برائی سے جو اسے دی جاتی ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کیا اسے ذلت کے ساتھ رہنے دے یا اسے مٹی میں گاڑ دے۔

دختر کشی کی رسم تھی وحشیانہ پن میں انتہا کو پہنچا ہوا فعل تھا۔ اسی سنگ دلی کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے: وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ[۵۲]
اور جب وقت لڑکی سے جو زندہ درگور کر دی گئی تھی پوچھا جاتے کہ وہ کس قصور کے بدلے مار ڈالی گئی۔

عورت وراثت میں حصہ دار نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ شوہر کے وارثوں کی ملک تصور کی جاتی تھی۔ عورتیں رہن رکھی جاتی تھیں۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں جب کعب بن اشرف کے پاس گیا اور غلہ قرض دینے کی درخواست کی تو اس نے کہا: ارھنونی نساءکم قالوا کیف نرھنک نساءنا وانت اجمل العرب[۵۳] تم اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو انہوں نے کہا آپ کے پاس ہم اپنی عورتیں کیسے گروی کر سکتے ہیں جب کہ آپ عرب میں سب سے خوبصورت ہیں۔ یہ تاریخی واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عرب میں عورت نہایت ہی ذلیل اور پست درجہ خیال کی جاتی تھی۔

یونان اور روم میں عورت کی حیثیت: یونان اور روم تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا۔ ان ملکوں میں عورتوں کو کچھ ضرور حقوق حاصل ہوتے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ نہایت ہی گھٹیا اور کم درجہ کی مخلوق تصور کی جاتی تھی۔ مشہور غیر مسلم ڈاکٹر گستاؤلی بان تمدن عرب میں بیان کرتا ہے

"یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے.... اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اس کو مار ڈالتے تھے[۵۴]"

لیکی عورت کی اس ذلت کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے

"بحیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بے غایت پست تھا۔ اس کی زندگی

---

[۵۱] النحل ۱۶: ۵۸: ۵۹ [۵۲] التکویر ۸۱: ۸: ۹
[۵۳] بخاری باب قتل کعب بن الاشرف [۵۴] تمدن عرب ص ۲۷۴

مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی لڑکپن میں اپنے والدین کی جوانی میں اپنے شوہر کی اور بیوگی میں اپنے فرزندوں کی دراشت میں اس کے مقابلہ میں اس کے مرد اعزہ کا حق ہمیشہ راجح سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا تاہم وہ عملاً اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی کہ عدالت میں اس کا اظہار دینا یونانی ناموس حیا کے منافی تھا البتہ وہ اپنے ساتھ جہیز ضرور لاتی تھی اور اپنی لڑکیوں کو بھی شادی کے وقت جہیز دینا اس کے فرائض میں داخل تھا اور دوسری بات یہ تھی کہ اثینیا کا قانون یتیم لڑکیوں پر خاص طور سے مہربان تھا لیکن بس ان دو باتوں کے سوا کوئی شے حقوق نسواں کی تائید میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ افلاطون نے بے شبہ مرد اور عورت کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی۔ عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔[۱]"

روم میں عورت کی حیثیت : روم میں عورت کی حیثیت بیان کرتے ہوئے لیکی لکھتا ہے:۔

"عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا افسر خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر اسے اپنی بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دولہن کے والد کو نذرانہ دینے کی مطلق رسم نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھی کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی کو توڑ سکتا تھا زمانہ بعد یعنی تاریخی دور میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا تھا اور اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا۔ ۵۲۰ سال تک طلاق کا کسی نے نام بھی نہیں سنا[۲]"

عورت اور مغرب : مغرب کے جدید مفکرین نے سب سے پہلے عورت کو انسانی حقوق سے محروم کر کے تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی اور یہ قانون بنایا

---

[۱] تاریخ اخلاق یورپ ترجمہ اردو جلد دوم ص ۱۸۲

[۲] تاریخ اخلاق یورپ لیکی ج دوم ص ۱۹۰

Marfat.com

۱۔ عورت شادی کے بعد اپنی پدری اقارب سے کٹ کر شوہر کے خاندان کا ایک فرد ہے۔ اس کی تمام ملکیت شوہر کی ہے اور وہ خود کسی چیز کی مالک نہیں بن سکتی اور نکاح ہونے کے باوجود جب تک رخصتی نہ ہو تو خاوند کی ملکیت سے اس کا تعلق نہیں اور خاوند کے مرنے پر وہ وارث نہیں ہو سکتی۔

۲۔ شادی عورت کو جب شوہر کے گھر میں نہ ہو اپنی اولاد سے کوئی تعلق نہیں اگر ماں مرگئی یا اس کی اولاد تو ان کے درمیان وراثت نہ ہو گی بلکہ کنبہ کا رئیس اور سرپرست سب چیز کا حق دار ہے[۱]۔

۳۔ عورت کو خرید و فروخت اور کسی معاملہ کا اپنی ملکیت میں بھی شوہر کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں۔

۴۔ عورت کے املاک پر شوہر کا تسلط حاصل ہے۔ وہ خرید فروخت اور شرکت کا اختیار نہیں رکھتی[۲]۔

عورت کسی معاملہ میں مدعیہ یا مدعی علیہا نہیں بن سکتی اور نہ عدالت میں حاضر ہو سکتی ہے جب تک شوہر کی اجازت نہ ہو[۳]۔

تصویر کا دوسرا رخ: عورت کی اس بے بسی اور مظلومی کے دور کے بعد یورپ میں ایک ایسی تبدیلی آئی کہ عورت اپنی غلامی کی تمام زنجیروں کو کاٹ کر حریت اور مساوات کے ایسے غیر طبعی درجہ پر آکھڑی ہوئی جس نے تمدن کی بنیادوں کو بالکل ہلا دیا۔ عورت کو مردوں کے ساتھ تمام امور میں مساوی قرار دیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ازدواجی رشتہ بالکل کمزور کرنے کی وجہ سے عائلی زندگی کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ مشہور لڈوسی اپنی مشہور کتاب (woman) میں رقمطراز ہے

> یورپ کی عائلی زندگی کا علاج اب صرف یہی ہے کہ عورت کو دانایان مشرق کے قواعد کے تحت دوبارہ کنٹرول کیا جائے۔"

ایران اور عورت: مانی نے رہبانیت پر زور دیا ہے۔ یہ عورت کے حقوق سے

---

[۱] قانون روما المعتازات التشریعیۃ بین القوانین الوضعیۃ المدنیۃ والتشریع الاسلامی۔ سید عبداللہ صفحہ ۱۷۱

[۲] ایضاً قانوناً فرانس صفحہ ۱۷۷

[۳] ایضاً صفحہ ۱۸۱

Marfat.com

دست برداری کی تعلیم سے مزدک نے عورت کو آگ پانی اور چارے کی طرح مردوں کی مشترکہ جائیداد قرار دیا ہے۔ دختر اور ہمشیرہ تک سے نکاح جائز اور بعض موقعوں پر تو باعث ثواب تھا۔

مذاہب عالم کی نظر میں عورت کا مقام: مذاہب عالم نے بھی عورت کو نہایت ہی گھٹیا اور پست مقام دیا ہے۔

بائبل اور عورت: بائبل کی عربی زبان میں شوہر کو بعل (مالک خداوند) اور بیوی کو بعولہ یعنی جائیداد اور منقولہ کہا گیا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا بیبلکاس میں ان لفظوں پر لکھا ہے (The man is the owner the woman the chattle)

اسی وجہ سے یہودی قسم کی شادی کو (Baal Marriage) بعل میرج (جس میں عورت کے حقوق سلب ہو جاتے ہیں) کہا گیا ہے۔ بائبل آدم اور حوا کے واقعہ میں حوا کو مجرم قرار دیتی ہے۔ اور اس جرم کی پاداش میں عورت کو مرد کا بالکل محکوم بنا دیا ہے۔

> اور خداوند نے کہا تیرے درد حمل کو بڑھاؤں گا تو درد کے ساتھ بچہ جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہو گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔[1]

انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ یہودی قانون میں مرد وارث کی موجودگی میں عورت وراثت سے محروم ہو جاتی ہے۔ نیز عورت کو خاوند کے مرجانے کے بعد دوسری شادی کا حق نہیں رہتا۔[2]

اگر کوئی مرد کسی عورت کو اغوا کرے تو یہودی قانون کے مطابق وہ لڑکی کے والد کو جرمانہ یا قیمت ادا کرے چنانچہ خروج ۲۲: ۱۶ میں لکھا ہے

اگر کوئی ایک چھوکری کو جو اس کی منگیتر نہیں فریب دے کر اس سے مباشرت کرے وہ البتہ اس کی قیمت دے کر اس سے نکاح کرے اگر اس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اسے اس کو دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے نقدی دے۔ اس کی وضاحت کتاب استثناء ۲۲: ۲۸، ۲۹ میں کی گئی ہے۔

---

[1] پیدائش باب ۳ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ یہودیت۔

Marfat.com

"اگر کوئی آدمی کنواری لڑکی پاوے۔ جو کسی کی منگیتر نہ ہو اور اسے پکڑ کر اس سے ہم بستر ہو اور وہ پکڑے جائیں تو وہ مرد جو اس کے ساتھ ہم بستر ہوا لڑکی کے باپ کو پچاس مثقال چاندی دے اور وہ اس کی جورو ہو کیونکہ اس نے اسے رسوا کیا ہے اور اپنی زندگی بھر اسے طلاق نہ دے۔"

عیسائیت اور عورت: عیسائیت عورتوں کے متعلق یہ احکام دیتی ہے

چاہیئے کہ عورت چپ چاپ کمال فرماں برداری سیکھے اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا آپ شوہر پہ حاکم بن بیٹھے بلکہ خاموشی کے ساتھ رہے کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا اور اس کے بعد حوا اور آدم نے فریب نہیں کھایا۔ پر عورت فریب کھا کر گناہ میں پھنسی [1]"

ایک دوسرے خط میں پولس کہتا ہے

مرد کو نہیں چاہیئے کہ اپنے سر کو ڈھانپے کہ وہ خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے پر عورت مرد کا جلال ہے اس لیے مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے اور مرد عورت کے لیے نہیں بلکہ عورت مرد کیلئے پیدا ہوئی۔"

پولس کا ایک اور مشہور قول ہے۔

عورت کے ذریعہ ہی گناہ [2] دنیا میں آیا اور عورت کے طفیل ہی ہم کو موت دیکھنی پڑی بانی کلیسا پولس کی اس تعلیم کی روشنی میں مسیحی علمائے نے عورتوں کے متعلق نہایت ہی ناپاک الفاظ استعمال کئے۔ ان تمام ناپاک الفاظ کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ اگرچہ ان میں سے چند الفاظ بیان کر دیتا ہوں جو برنارڈ۔ انتانی۔ بونا وینچر جیروم گیبر یگرے اعظم اور سی پین نے عورت کے متعلق کہا ہے "شیطان کا آلہ شیطان کے ہتھیاروں کی بربریت بچھو جو کاٹنے کے لیے ہر وقت تیار ہے۔ شیطان کا دروازہ اور گناہ معصیاں کی سڑک۔ زنبور کا زہر۔ وہ آلہ جو ہماری روحوں پر قبضہ کرنے کے لیے شیطان استعمال کرتا ہے۔"

ترتولیان جو عیسائیت کے دور ابتدائی کا امام تھا وہ عورت کے متعلق کہتا ہے

---

[1] پولس پہلا خط تمطاؤس ج دوم صفحہ ۱۹۰

[2] پولس کا پہلا خط افرنتیوں کے نام باب ۱۱

Marfat.com

"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے جو شجر ممنوع کی طرف لے جانے والی خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر یعنی مرد کو غارت کرنے والی ہے[1]"
مسیحی عالم کرائی سوسٹم عورت کے بارے میں کہتا ہے:
"ایک ناگزیر برائی ایک پیدائشی وسوسہ ایک مرغوب آفت ایک خانگی خطرہ ایک غارت گر دلربائی اور ایک آراستہ مصیبت" (پردہ ص ۲۰)

ہندو مذہب اور عورت: ہندو مذہب نے عورت کو ادھر دیا ہے۔ اس کے متعلق ان کی مقدس کتب کے چند حوالے درج ذیل ہیں۔ رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۵ منتر ۱۵ میں لکھا ہے:
"عورتوں کے ساتھ محبت نہیں رہ سکتی عورتوں کے دل میں فی الحقیقت بھیڑیوں کی کھوٹ ہے"
دوسری جگہ لکھا ہے
"اندر نے خود یہ کہا ہے کہ عورت کا دل استقلال سے خالی ہے اور وہ عقل کی رو سے ایک نہایت ہی ہلکی چیز ہے" (رگوید منڈل ۸ سوکت ۳۳ منتر ۱۷)

عورت کے متعلق قوانین: (۱) عورت اور شودر کو نردھن (مال سے محروم) کیا گیا ہے (یجروید ادھیائے ۸ منتر ۵ متوادھیائے ۸ شلوک ۴۱۶ ادھیائے ۹ شلوک ۱۹۹)
۲۔ لڑکی باپ کی جائیداد کی وارث نہیں (اتھروید کانڈ ۱ سوکت ۱۷ منتر ا یجروید ۸: ۵ منو ۹: ۱۹۹)
۳۔ کسی عورت کو خاوند سے حکومت نہیں مل سکتی (اتھروید کانڈ ا سوکت ۱۷ منتر ا یجروید ۸: ۵: ۹: ۱۹۹)
۴۔ بیوہ کو اختیار بیع و فروخت نہیں (منو: ۱۹۹)
۵۔ لڑکی کا بیاہ گھوڑے اور گائے کی طرح دان کہلاتا ہے (منو ۳: ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ وغیرہ)
۶ لڑکا نہ ہونے پر بھی لڑکی وارث نہیں بلکہ متبنٰی وارث ہوتا ہے (منو ۸: ۶ ۱۴۱)

[1] پردہ صفحہ ۱۶ از سید ابوالاعلیٰ مودودی

Marfat.com

۷- عورت کو جوئے میں ہارنے اور فروخت کا جواز (تراکت ۳: ۴)

۸- لڑکی ہو کر ماں باپ کے بیوی ہو کر خاوند کے ماں ہو کر بیٹے کے ماتحت رہے۔ (منو ۹: ۳)

۹- جن لڑکیوں کے بھائی نہ ہوں ان کی شادی نہیں ہو سکتی (انفرویدا: ۱۷: ۱)

۱۰- عورت نابالغ ہو یا جوان یا بوڑھی گھر میں کوئی کام خود مختاری سے نہ کرے۔ (منو ۵: ۱۴۷)

۱۱- عورتوں کے لیے عبادت کی ضرورت نہیں شوہر کی خدمت اس کے لیے سب سے بڑی عبادت اور نجات کا ذریعہ ہے۔ عورتوں کے یگیہ اور برت اور اوپاس علیحدہ نہیں ہے صرف شوہر کی خدمت گزاری سے سورگ لوک میں پہنچ کر اعلیٰ درجہ پاتی ہے۔ (منو ۵: ۱۵۵)

۱۲- شوہر کی موت کے بعد عقد ثانی کی اجازت نہیں اس کا فرض ہے کہ قوت لایموت پر پاک بازی سے زندگی بسر کر دے (منو ۵: ۱۵۷)

۱۳- جھوٹ بولنا بغیر سوچے کام کرنا فریب حماقت۔ طمع ناپاکی بے رحمی عورت کے جبلی عیب ہیں (باب ۲)

۱۴- شہزادوں سے تہذیب اخلاق عالموں سے شیریں کلامی۔ قمار بازاں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہیئے ($\frac{۱۱}{۸}$)

۱۵- آگ پانی جاہل مطلق سانپ، خاندان شاہی اور عورت یہ سب موجب ہلاکت ہیں ان سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ ($\frac{۱۴}{۱۲}$)

۱۶- دوست خدمت گار اور عورت مفلس آدمی کو چھوڑ دیتے ہیں اور جب وہ دولت مند ہو جاتا ہے تو پھر اس کے پاس آجاتے ہیں ($\frac{۱۵}{۵}$)

۱۷- عورت کا سب سے قیمتی جوہر اس کی عفت ہے۔ عورت کے اس جوہر کو ہندو مذہب نے خاک میں ملا دیا ہے عورت کو اولاد کے نہ ہونے کی صورت میں خاوند کے علاوہ کسی دوسرے سے ہم بستری کی اجازت دیتا ہے۔ جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے قابل ہو تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ اے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنے والی عورت! تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر

Marfat.com

کیوں کہ اب مجھ سے اولاد نہ ہو سکے گی تب عورت دوسرے کے ساتھ تیوگ کرکے اولاد پیدا کرے لیکن اس بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۵۲)

اسلام اور عورت: اسلام نے عورت کا درجہ دو حیثیتوں سے متعین کیا ہے۔ ایک عمومی حیثیت سے اور دوسرا خصوصی حیثیت سے۔ عمومی حیثیت سے عورت کو انسانیت کا وہی درجہ دیا ہے جو مرد کو حاصل ہے ارشاد الٰہی ہے: یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً۔ [۵۱] اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک اصل سے پیدا کیا ہے اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ اس آیت کریمہ میں مرد اور عورت کو ایک ہی اصل سے قرار دے کر دونوں کو انسانیت میں مساوی درجہ دیا ہے۔ روحانی اور اخلاقی میدان میں مرد اور عورت میں کامل مساوات ہے جس طرح مرد جدوجہد سے اطاعت گذاری سے اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے اسی طرح عورت بھی اعلیٰ مدارج تک پہنچ سکتی ہے ارشاد الٰہی ہے: وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا [۵۲] جو نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو بھی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ بھر بھی ظلم نہ کیا جائیگا تعلیم کے حاصل کرنے میں عورت مرد کے برابر ہے رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

مادی لحاظ سے بھی عورت کو مرد کے مساوی درجہ دیا ہے۔ جس طرح مرد روپیہ کما سکتا ہے اسی طرح عورت کو اجازت دی ہے چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے: لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ [۵۳] مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

---

[۵۱] النساء ۴: ۱
[۵۲] النساء ۴: ۱۲۴
[۵۳] النساء ۴: ۳۲

عورت کو اپنی ملکیت کے تصرف پر پورا اختیار حاصل ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

فان طبن لکم عن شیءٍ منه نفسا فکلوہ ھنیئاً مریاً[۱]

پھر اگر وہ خوشی سے اس میں سے کچھ تمہارے لیے خود دے دیں تو اسے مزے خوشگواری سے کھاؤ۔

اسلام نے عورت کو مردوں کی طرح میراث میں شریک قرار دیا ہے قرآن مجید کہتا ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ[۲] مردوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی رشتے دار چھوڑیں اور عورتوں کے لیے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور قریبی چھوڑیں۔

عورت کا خصوصی حیثیت سے مقام: عورت کی مختلف خصوصی حیثیتیں ہیں وہ بیوی بھی ہے ماں بھی ہے اور بیٹی بھی ہے۔ ہر حیثیت سے اسلام نے ذلت کے گڑھے سے نکال کر عزت و تکریم کے مقام پر کھڑا کیا ہے۔

بیوی کی حیثیت سے: بیوی سکون قلب کا ذریعہ ہے ارشاد ہے: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً۔[۳] اس (خدا) کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں۔ تاکہ ان کے پاس سکون قلب پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحم پیدا کیا۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ[۴] عورتوں سے نیکی اور بھلائی کے ساتھ پیش آؤ۔

ماں کی حیثیت سے: اسلام نے ماں کو عظمت و احترام کے بلند مقام پر کھڑا کیا ہے اس عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ توحید الٰہی کے بعد دوسرا درجہ والدین کی اطاعت کا ہے ارشاد الٰہی ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ

---

[۱] النساء ۴:۴ [۲] النساء ۴:۷

[۳] سورہ البقرہ ۲:۱۸۷ [۴] النساء ۴:۱۹

Marfat.com

وَالْيَتَامٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ [1]

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ سوائے اللہ کے تم کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کو اچھی بات کہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو پھر تم پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے اور تم منہ موڑنے والے ہو ایک دوسری آیت ہے: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا [2] کہہ دو میں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے حرام کیا ہے تم پر واجب ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔

حدیث میں آتا ہے: عن ابی هريرة قال قال رجل يا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من احق بحسن صحابتی قال امك قال ثم من؟ قال امك قال ثم من؟ قال امك قال ثم من قال ابوك [3] متفق علیہ

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے آپ نے فرمایا تمہاری ماں! بولا پھر کون! فرمایا تیری ماں بولا پھر کون فرمایا تیری ماں بولا پھر کون؟ فرمایا تیرا باپ۔

عن المغيرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان الله حرم عليكم عقوق الامهات و وادالبنات ومنع وهات وكره لكم قيل وقال وكثرة السوال واضاعة المال [4] (متفق علیہ)

حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے یقیناً تم پر حرام کیا ہے ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ در گور کرنا اور بخل اور گداگری کو تمہارے لیے ناپسند کیا ہے فضول باتیں اور کثرت سوال اور مال ضائع کرنا۔

__بیٹی کی حیثیت سے__: اسلام نے بیٹی کے ساتھ حسن سلوک۔ محبت اور شفقت سے

---

[1] البقرہ ۲: ۸۳ [2] الانعام ۶: ۱۵۱
[3] محمد بن عبداللہ خطیب التبریزی مشکوۃ المصابیح باب البر والصلہ صفحہ ۴۱۸
[4] مشکوۃ المصابیح باب البر والصلہ صفحہ ۴۱۹

Marfat.com

پیش آنے کی تعلیم دی ہے اور اس کی اچھی تعلیم و تربیت کو دوزخ کی آگ سے نجات کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول کریم صلعم نے فرمایا جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو قیامت کے دن میرا اس کا ساتھ انگلیوں کو ملا کر فرمایا اس طرح ہو گا[1] مسلم کی روایت ہے کہ جو شخص لڑکیوں کی پیدائش میں مبتلا ہو گیا اور اس نے ان کو پوری پرورش اور دیکھ بھال کی تو وہ لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے نجات کا باعث بن جائیں گی[2]

گھریلو زندگی میں درجہ: اسلام ایک عملی مذہب ہے۔ اس وجہ سے اس کی تعلیم زندگی کے ہر شعبہ میں حسن اور استواری بخشتی ہے۔ اس تعلیم کے علاوہ جو قانون بھی نافذ کیا جائے گا۔ خواہ بظاہر کتنا ہی دلکش اور حسین ہو وہ بگاڑ اور فساد کا موجب ہو گا گھریلو معاشرہ کی پہلی اکائی خاندان ہے۔ اسی پر تہذیب و تمدن کی عمارت کھڑی ہوتی ہے اس وجہ سے اسلام نے اصولی طور پر خاندان کے متعلق احکام بیان کر دیئے ہیں وہ ایسے فطری اصول ہیں کہ انہی پر خاندان کا نظام احسن طریق پر چل سکتا ہے اسلام نے مرد اور عورت کے جداگانہ طبعی میلانات جسمانی ساخت عضویاتی اختلافات کے پیش نظر دونوں کے وظائف مقرر کر دیئے ہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے دائرہ عمل میں آزاد ہے۔ لیکن مجموعی طور پر مرد کو گھریلو زندگی میں نگران اعلیٰ مقرر کیا ہے جس کے یہ معنی نہیں کہ مرد حاکم ہیں اور عورتیں محکوم قرآن مجید میں آتا ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ[3]

مرد عورتوں کے گذارہ کے ذمہ دار ہیں اس لیئے اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ انہوں نے اپنے مالوں سے کچھ خرچ کیا ہے

اللہ تعالیٰ نے مرد کو جسمانی اور بدنی قوت میں عورت پر فضیلت دی ہے اس وجہ سے اس کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ مشقت اور محنت سے روزی کمائے اور

---

[1] مسلم کتاب البر والصلۃ والاداب باب فضل الاحسان الی البنات

[2] مسلم باب فضل الاحسان الی البنات۔

[3] النساء ۴: ۳۴

Marfat.com

اور اہل عیال کی پرورش کرنے اور عورت مرد سے محبت اور شفقت میں سبقت لے جاتی ہے اس وجہ سے پیش نظر عورت کے سپرد بال بچوں کی پرورش کردی - کیوں کہ پرورش محبت اور شفقت کے جذبہ سے ہی صحیح ہوتی ہے - نسل انسانی کی ترقی کے لیئے بھی تقسیم ضروری ہے کہ روٹی کمانے کا کام مرد کے سپرد ہونا چاہیئے اور بچے پالنے کا کام عورت کو تفویض ہو - حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نظام منزلی میں دنیا کے بڑے بڑے مفکر اور دانشور مرد کی صدارت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں ضروری ہے کہ مرد کو اس کی بیوی کا قوام بنایا جائے اور فطرت کا تقاضا ہے کہ عورت پر مرد کو غلبہ حاصل ہو اس لیئے کہ مرد عقل میں کامل سیاست میں ماہر حمایت میں مضبوط اور ننگ و عار کو دور کرنے کی صلاحیت کا مالک ہے اور اس حیثیت سے بھی مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے کہ مرد عورت کا کپڑا روٹی اور گھر مہیا کرتا ہے[1] مرد اور عورت کے عضویاتی اختلافات کی وجہ سے اسلام کی تعلیم کی طرف آرہے ہیں اور برملا اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ عورتوں کا دائرہ عمل گھر کی چاردیواری ہے اور ان کا مردوں کے مشاغل میں شریک ہونا سوسائٹی کے لیے زہر قاتل ہے - چنانچہ فلسفہ حسی کا موسس اگسٹ کونٹ اپنی مشہور تصنیف میں رقمطراز ہے :

> جس طرح ہمارے زمانہ میں عورتوں کی سوشیل حالت کے متعلق خیالی گمراہیاں پیدا ہو رہی ہیں اسی طرح کے تغیر نظام تمدن اور آداب معاشرت کے ہر ایک دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں مگر وہ لاآف نیچر جو جنس محب (عورت) کو منزلی زندگی کے لیے مخصوص رکھتا ہے اس میں کبھی کوئی اہم تغیر واقع نہیں ہوا یہ قانون الٰہی اس درجہ صحیح اور محقق ہے کہ گو اس کی مخالفت میں سینکڑوں باطل خیالات قائم ہوتے رہے - مگر یہ بغیر کسی نقصان یا تغیر کے سب پر غالب آتا رہا - مردوں کے مشاغل میں عورتوں کی شرکت سے جو خوفناک نتائج اور فساد پیدا ہو رہے ہیں ان کا علاج یہی ہے کہ دنیا میں جنس عامل (مرد) پر جنس محب (عورت)

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ حقوق زوجیہ ج ۲ صفحہ ۱۳۶

Marfat.com

کے جو مادی فرائض ہیں ان کی حد بندی اور تعین کر دی جائے مرد پر واجب ہے کہ عورت کے تغذیہ کا انتظام کرے یہی وہ قانون طبعی اور ناموس الٰہی ہے جو جنس محب کی اصلی زندگی کو منزلی دائرہ میں محدود کرتا ہے یہی وہ قاعدہ ہے جو ہیئت اجتماعی کے خوفناک اور مہیب اشکال کو احسن اور اکمل کر دیتا ہے یہی وہ قانون ہے جو عورت کو اپنے طبعی جذبات سے ترقی نوع انسانی جیسے شریف فرض کی بجا آوری پر آمادہ کرتا ہے[1]"

علوم مادیہ کا ایک اور ماہر ژول سیمان اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے "عورت کو چاہیئے عورت رہے ہاں بے شک عورت کو چاہیئے عورت رہے اسی میں اس کے لیے فلاح ہے اور یہی وہ صفت ہے جو اسکو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتی ہے قدرت کا یہ قانون ہے اور قدرت کی یہ ہدایت ہے اس لیے جس قدر عورت اس سے قریب ہوگی اس کی حقیقی قدر و منزلت بڑھے گی اور جس قدر دور ہوگی اس کے مصائب ترقی کریں گے - بعض فلاسفہ انسانی زندگی کو پاکیزگی سے خالی سمجھتے ہیں - مگر میں کہتا ہوں کہ انسان کی زندگی دلفریب پاک اور بے حد پاکیزہ ہے بشرطیکہ ہر مرد اور ہر عورت اپنے مدارج سے واقف ہو جائے جو قدرت نے اس کے لیے قرار دیئے ہیں اور اپنے فرائض ادا کرے جو قدرت نے اس کے متعلق کر دیئے ہیں[2]"

یہی ژول سیمان ایک موقع پر لکھتا ہے:

"جو عورت اپنے گھر سے باہر کی دنیا کے مشاغل میں شریک ہوتی ہے اس میں شک نہیں[3] کہ وہ ایک عامل بسیط کے فرائض انجام دیتی ہے مگر افسوس کہ عورت نہیں رہتی"

اگسٹ کونٹ انتظام السیاسی میں لکھتا ہے:

"شوہر یا کسی قریبی رشتہ دار کی عدم موجودگی میں سوسائٹی کا فرض ہے

---

[1] مسلمان عورت صفحہ ۶۴، ۶۵ [2] مسلمان عورت صفحہ ۵۸، ۵۹
[3] ایضاً -

Marfat.com

کہ عورت کی ضروریات کا اپنی دولت سے انتظام کرے تاکہ معاش کی ضرورت سے مجبور ہو کر اسے گھر کے باہر کی زندگی میں اپنے آپ کو مبتلا نہ کرنا پڑے کیونکہ حتی الامکان عورت کی زندگی کو منزلی دائرے میں محدود رہنا چاہیئے اور ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ عورت خارجی زندگی کے مصائب اور تکلیفوں سے محفوظ ہے اور قدرت نے جس دائرہ میں محدود کر دیا ہے اس سے باہر نکلنے پر مجبور نہ ہو۔[1]

یورپ میں عورتوں کی آزادی کا نعرہ اور اس کے نتائج: عمل کا ردعمل ہوتا ہے یورپ میں اٹھارویں تک مسیحی فلسفہ زندگی کے زیر اثر عورت ہر قسم کے انسانی حقوق سے محروم تھی اسی مظلومی اور محکومی کے بطن سے آزادی نسواں کی تحریک اٹھی اور بیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے یہ تحریک بے اعتدالی اور افراط کا راستہ اختیار کر گئی اب یورپ میں یہ تحریک تین عنوانوں کے تحت آتی ہے۔

۱۔ عورتوں اور مردوں میں مساوات۔
۲۔ عورتوں کا معاشی استقلال۔
۳۔ مرد اور عورت میں آزادانہ اختلاط۔

اس آزادی کا نقشہ مولانا محمد ظفر الدین کا اپنی تصنیف اسلام کا نظام عفت و عصمت میں ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

"کون نہیں جانتا کہ عورتوں کی آزادی ملک کو تباہ کر ڈالتی ہے قوم کی ریڑھ کی ہڈی کو توڑ ڈالتی ہے اور خود عورتوں کو تو جنت سے جہنم میں پہنچا دیتی ہے عورت اس بیسویں صدی میں خوش ہے کہ اسے حقوق مل رہے ہیں وہ ہر محکمہ میں ملازمت حاصل کر رہی ہے مگر اسے پتہ نہیں کہ مردوں نے اسے بیل گائے کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اسے ذرہ برابر چین نہیں اپنے قدرتی فرائض سے دن بدن دور ہوتی چلی جا رہی ہے مردوں کی تفریح کے لئے عورتوں کو سینما کے پردوں پر آنا پڑا امردوں کی دلبستگی کا سامان مہیا کرنے کے لیے تھیٹر کی ناپاک

---

[1] مسلمان عورت ص ۹۷

Marfat.com

زندگی قبول کرنی پڑی - مردوں کی ہوس پوری کرنے کے لیے انکو کلب
اور ناچ گھروں میں ناچنا پڑا اور حد یہ ہے کہ محض مردوں کی شہوت پرستی
کے سلسلہ میں عورتوں کو عریاں کلب بنانا پڑا مگر اب تک عورت یہ سمجھ
رہی ہے کہ مردوں کی غلامی سے ہمیں نجات مل گئی[1]"

اس آزادی کے نتیجہ میں بدکاری اور بے حیائی کے چشمے یورپ میں ابلنے لگے ہیں زنا عام ہو گیا
مالی منفعت کے لیے ایک منظم حرفہ بن گیا چنانچہ پول بیورو لکھتا ہے

"یہ ایک زبردست نظام ہے جو پورے منظم طریقے سے تنخواہ یاب
عہدیداروں اور کارکنوں کے ساتھ چل رہا ہے ناشرین اور اہل قلم
(Preachers) خطباء و مقررین اطباء اور قابلات
اور تجارتی سیاح اس میں باقاعدہ ملازم ہیں اور اشتہار
اور مظاہرہ کے جدید طریقے اس کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں[2]"

فرنچ سینٹ کے ایک رکن موسیو فرڈینان درلیغوئے بیان کیا کہ:

"قحبہ گری کا پیشہ اب محض ایک انفرادی کام نہیں رہا بلکہ اس کی ایجنسی
سے جو عظیم مالی فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کی وجہ سے اب یہ ایک
تجارت (Business) اور ایک منظم حرفہ (organised
Industry) بن گیا ہے اس کے "خام پیداوار" مہیا کرنے
والے ایجنٹ الگ ہیں سفری ایجنٹ الگ ہیں اس کی باقاعدہ منڈیاں
موجود ہیں - جوان لڑکیاں اور کم سن بچیاں وہ تجارتی مال ہیں جس
کی درآمد و برآمد ہوتی ہے اور دس سال سے کم عمر کی لڑکیوں کی مانگ
زیادہ ہے"

ڈاکٹر ایڈتھ ہوکر (Edith Hooker) اپنی کتاب (Laws of
Sex) میں لکھتا ہے کہ:

"نہایت مہذب اور دولت مند طبقوں میں بھی یہ کوئی غیر معمولی بات
نہیں ہے کہ آٹھ برس کی لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں سے عشق و محبت

---

[1] صفحہ ۲۴۳ [2] پردہ از مودودی صاحب صفحہ ۸۵

Marfat.com

کے تعلقات رکھتی ہیں جن کے ساتھ لبسا اوقات مباشرت بھی ہو جاتی ہے۔[1]

اس کا بیان ہے: "ایک سات برس کی چھوٹی سی لڑکی جو ایک نہایت شریف خاندان کی چشم و چراغ تھی خود اپنے بڑے بھائی اور اس کے چند دوستوں سے ملوث ہوئی ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ پانچ بچوں کا ایک گروہ جو دو لڑکیوں اور تین لڑکوں پر مشتمل تھا اور جن کے گھر پاس پاس واقع ہوئے تھے باہم شہوانی تعلقات میں والبتہ پائے گئے۔ اور انہوں نے دوسرے کم سن بچوں کو بھی اس کی ترغیب دی ان میں سب سے بڑے بچے کی عمر صرف دس سال کی تھی ایک اور واقعہ ایک ۹ سال کی بچی کا ہے جو بظاہر بہت حفاظت سے رکھی جاتی تھی اس بچی کو "متعدد عشاق" کی منظور نظر ہونے کا فخر حاصل تھا۔[2]"

امریکہ میں جن عورتوں نے زناکاری کو مستقل پیشہ بنالیا ہے ان کی تعداد کا کم سے کم اندازہ چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔[3]

انگلستان کا ایک مصنف جارج رایلی اسکاٹ اپنی کتاب History of Prostitution میں اپنے ملک کی نسل کی بے راہ روی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"جن عورتوں کی لبسر اوقات کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ اپنے جسم کو کرایہ پر چلا کر روزی کمائیں ان کے علاوہ ایک بہت بڑی تعداد ان عورتوں کی بھی ہے اور وہ روز بروز زیادہ ہو رہی ہے جو اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے دوسرے ذرائع رکھتی ہیں اور ضمنی طور پر اس کے ساتھ فاحشہ گری بھی کرتی ہیں تاکہ آمدنی میں کچھ اور اضافہ ہو جائے یہ پیشہ ور فاحشات سے کچھ بھی مختلف نہیں ہیں مگر اس نام کا اطلاق

---

[1] پردہ صفحہ ۸۵ — [2] (Laws of Sex) صفحہ ۳۲۸ بحوالہ پردہ صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸ — [3] (Prostien in The United State Page No 138) بحوالہ پردہ صفحہ ۱۱۲

ان پر کیا نہیں جاتا ہم ان کو غیر پیشہ ور فاحشات کہہ سکتے ہیں۔"
"ان شوقین یا غیر پیشہ ور فاحشات کی کثرت آج کل جتنی ہے اتنی کبھی نہ تھی۔ سوسائٹی کے نیچے سے لے کر اوپر تک ہر طبقہ میں یہ پائی جاتی ہیں اگر ان معزز خواتین کو کہیں اشارے کنائے میں بھی "فاحشہ" کہہ دیا جائے۔ تو یہ آگ بگولا ہو جائیں گی مگر ان کی ناراضی سے حقیقت نہیں بدل سکتی حقیقت بہر حال یہی ہے۔ اب جوان لڑکی کے لیے بدچلنی اور بے باکی بلکہ سوقیانہ اطوار تک فیشن میں داخل ہو گئے ہیں اور سگریٹ پینا تلخ شرابیں استعمال کرنا فحش لٹریچر پر گفتگو کرنا یہ سب چیزیں بھی ان کے لیے فیشن بنی ہوئی ہیں۔ ایسی لڑکیوں اور عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جو شادی سے پہلے صنفی تعلقات بلا تکلف قائم کر لیتی ہیں اور وہ لڑکیاں اب شاذ کے حکم میں ہیں جو کلیسا کی قربان گاہ کے سامنے نکاح کا پیمان وفا باندھتے وقت صحیح معنوں میں دوشیزہ ہوتی ہوں"[1]

یہ مصنف ان بے حیائیوں کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:
"عورتوں کی آزادی کا بھی ان حالات کی پیدائش میں بہت کچھ دخل ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں لڑکیوں پر سے والدین کی حفاظت و نگرانی اس حد تک کم ہو گئی ہے کہ تیس چالیس سال قبل لڑکوں کو بھی اتنی آزادی حاصل نہ تھی جتنی اب لڑکیوں کو حاصل ہے۔"

"ایک اور اہم سبب جو سوسائٹی میں وسیع پیمانہ پر صنفی آوارگی پھیلنے کا موجب ہوا یہ ہے کہ عورتیں روز افزوں تعداد میں تجارتی کاروبار دفتری ملازمتوں اور مختلف پیشوں میں داخل ہو رہی ہیں جہاں شب و روز ان کو مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونے کا موقع ملتا ہے اس چیز نے عورتوں اور مردوں کے اخلاقی معیار کو بہت گرا دیا ہے مردانہ اقدامات کے مقابلہ میں عورتوں کی قوت مزاحمت کو بہت کم کر دیا ہے اور دونوں صنفوں کے شہوانی تعلق کو تمام اخلاقی بندشوں سے آزاد کر کے رکھ دیا ہے۔ اب

---

[1] بحوالہ دہ صفحہ ۱۲۱، ۱۲۲

جوان لڑکیوں کے ذہن میں شادی اور باعصمت زندگی کا خیال آتا ہی نہیں آزادانہ خوش وقتی جسے پہلے کبھی آوارہ قسم کے مرد ڈھونڈتے پھرتے تھے آج ہر لڑکی اس کی جستجو کرتی پھرتی ہے۔ دوشیزگی اور بکارت کو ایک دقیانوسی چیز سمجھا جاتا ہے اور دور جدید کی لڑکی اس کو ایک مصیبت خیال کرتی ہے اس کے نزدیک زندگی کا لطف یہ ہے کہ عہد شباب میں لذات نفس کا جام خوب جی بھر کر پیا جائے۔ اسی چیز کی تلاش میں وہ رقص خانوں ناٹک کلبوں اور ہوٹلوں اور قہوہ خانوں کے چکر لگاتی ہے اور اس کی جستجو میں وہ بالکل اجنبی مردوں کے ساتھ موٹر کی سیر کے لیے بھی جانے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ جان بوجھ کر خود اپنی خواہش سے اپنے آپ کو ایسے ماحول میں اور ایسے حالات میں پہنچا دیتی ہے۔ اور پہنچاتی رہتی ہے۔ جو صنفی جذبات کو مشتعل کرنے والے ہیں اور پھر اس کے جو قدرتی نتائج ہیں ان سے وہ گھبراتی نہیں ہے بلکہ ان کا خیر مقدم کرتی ہے"۔ [۱]

جنسی آوارگی اس آزادی اور مساوات کا نتیجہ ہے۔ جو یورپ نے عورت کو دے رکھی ہے اور یورپ کے مفکرین ان فواحش کو دیکھ کر نوحہ کر رہے ہیں تاریخی حقائق اور شواہد سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنسی مساوات اور آزادی کا جو تصور قرآن نے پیش کیا ہے وہی عین فطرت کے مطابق ہے اور وہی معاشرہ کی پاکیزگی کا موجب ہو سکتا ہے۔ اس کی تصدیق مغربی حکماء اور ماہرین نفسیات نے بھی کی۔ چنانچہ ایک فرانسیسی مصنف الکزس کیرل اپنی کتاب (Man The unknown) میں لکھتا ہے

مردوں اور عورتوں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ بنیادی نوعیت کے ہیں۔ یہ اختلافات ان کے جسم کی رگوں اور ریشوں کی ساخت کے مختلف ہونے سے پیدا ہوتے ہیں عورتوں کے بیضہ دان سے جو کیمیادی مادے خارج ہوتے ہیں۔ ان کا اثر صنف نازک کے ہر حصہ پر پڑتا ہے مردوں اور عورتوں کے طبعی اور نفسیاتی اختلافات کا سبب بھی یہی ہے ان بنیادی حقائق کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے نسوانی آزادی کے

---

[۱] بحوالہ پردہ صفحہ ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵

Marfat.com

علمبرداروں نے یہ دعویٰ کیا کہ مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں اور حقوق بالکل یکساں اور مساوی ہونے چاہئیں۔ حالانکہ فی الحقیقت مردوں اور عورتوں کے درمیان بے حد اختلافات پائے جاتے ہیں۔ عورت کے جسم کے ہر خلیہ پر اس کی نسوانیت کے نقوش مرتسم ہوتے ہیں یہی بات اس کے اعضائے کے متعلق بھی صحیح ہے اور بالخصوص اس کے نظام عصبی کے متعلق عورتوں کو اپنی فطرت کے مطابق اپنے رجحانات کی تشکیل کرنی چاہئیے بغیر اس کے کہ وہ مردوں کی تقلید کریں۔ تہذیب کے ارتقاء میں عورتوں کا بہ نسبت مردوں کے زیادہ حصہ ہے اس لیے انہیں اپنے خصوصی فرائض سے پہلوتہی نہیں کرنی چاہئیے۔[۵۱]

ڈاکٹر لیمبروس گنا اپنی کتاب "روح نسوانیت" میں رقمطراز ہے کہ:

"عورتیں اور مرد صرف طول و قامت، ہڈیوں کی ساخت اور عضلاتی بناوٹ کے اعتبار سے ہی مختلف نہیں بلکہ اس اعتبار سے بھی مختلف ہیں کہ وہ ہوا اور غذا کی ایک ہی مقدار جذب نہیں کرتے ان کے امراض کی نوعیت مختلف ہوتی ہے ان کے ذہنی اور اخلاقی رجحانات میں بھی فرق پایا جاتا ہے اس کے بعد وہ کہتی ہے ترقی اور ارتقاء صرف اسی طرح ممکن ہے کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق و فرائض کا تعین کرنے میں ان کے فروق و اختلافات کو مدنظر رکھا جائے۔[۵۲]"

انسائیکلوپیڈیا کا مصنف پروفیسر ڈوفارینی لکھتا ہے:

"جس طرح مرد اور عورت کے جسمانی اور دماغی قویٰ کا باہمی اختلاف تم کو پیرس جیسے متمدن شہر کے شائستہ باشندوں میں نظر آتا ہے اسی طرح امریکہ کے وحشی ترین اقوام میں پایا جاتا ہے۔[۵۳]"

ان تحریرات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے مرد اور عورت کے درمیان طبعی اختلافات

---

۵۱ اسلام میں حیثیت نسواں مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی صفحہ ۲۸

۵۲ اسلام میں حیثیت نسواں مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی صفحہ ۳۱

۵۳ مسلمان عورت ص ۷۵

Marfat.com

کو مدنظر رکھ کر عورت کو جو درجہ دیا ہے۔ وہی ٹھیک ہے اور اسی سے معاشرہ میں اعتدال قائم رہ سکتا ہے۔ قرآن مجید کا عطا کردہ درجہ افراط اور تفریط سے پاک ہے اور عورتوں کے طبعی رجحانات جسمانی ساخت کے مطابق ہے۔

بیوی کے حقوق یا شوہر کے فرائض: حقوق حق کی جمع ہے۔ علمائے لغت نے حق کے کئی معنی کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو حق کہا گیا ہے اس وجہ سے کہ وہ چیزوں کو اقتضائے حکمت کے مطابق ایجاد کرتا ہے: ثمّ ردوا الی اللہ مولھم الحق [1] پھر وہ اپنے سچے مالک کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

خدا کی پیدا کی ہوئی اشیاء کو حق کہا جاتا ہے اس وجہ سے کہ: وہ اقتضائے حکمت کے مطابق پیدا کی گئی ہیں۔ ھوالذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا و قدّرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ماخلق اللہ ذلک الا بالحق [2] وہی ذات ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو نور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور کاموں کا حساب معلوم کرو یہ سب کچھ اللہ نے حق کے ساتھ پیدا کیا۔

ہر اس فعل اور قول کو حق کہا جاتا ہے جو اسکے مطابق ہو جو واجب ہے اور اس اندازہ سے ہو جو واجب ہے اور اس وقت پر ہو جو واجب ہے۔

حق کے معنی کے صدق۔ مطابقت، موافقت لازم اور واجب کے بھی ہوتے ہیں اصطلاحی معنوں میں حقوق کی یہ تعریف ہے حقوق انسانی وہ اختیارات ہیں جنہیں معاشرہ مفاد عامہ کے لیے ضروری قرار دے۔ پروفیسر ہالینڈ نے کہا ہے حق انسان کی وہ صلاحیت ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں کے افعال پر ذاتی قوت سے نہیں بلکہ سماج کی قوت یا رائے عامہ سے اثر ڈال سکتا ہے: آسٹن حق کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔ حق انسان کی وہ قوت یا صلاحیت ہے جس کے ذریعہ وہ دوسروں کو صبر و تحمل یا دوسرے کاموں کی تلقین کرتا ہے حقوق کی کئی اقسام ہیں

۱۔ قدرتی حقوق

۲۔ قانونی حقوق

۳۔ اخلاقی حقوق، معاشی حقوق، تمدنی حقوق۔

---

[1] الانعام ۶: ۶۲ [2] یونس آیت ۵

Marfat.com

قدرتی حقوق سے مراد وہ حقوق ہوتے ہیں جو ہر ذی روح اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اور ان حقوق کے لیے انسان کو کسی قسم کی جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ مثلاً انسان پیدا ہوتے ہی۔ ہوا۔ روشنی۔ پانی وغیرہ سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

قانونی حقوق سے مراد وہ حقوق ہوتے ہیں جن کو حکومت تسلیم کرتی ہے اور انکی خلاف ورزی پر عدالتوں کے ذریعہ سزا دی جاتی ہے۔

اخلاقی قانون سے مراد وہ حقوق ہوتے ہیں جن کو عوام نے از خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہوتا ہے قانون کی رو سے ان کی پابندی لازم نہیں ہے اور نہ ان کا توڑنا جرم ہے۔

معاشی حقوق سے مُراد وہ حقوق ہوتے ہیں جن کا تعلق روپیہ پیسے سے ہوتا ہے۔

تمدنی حقوق سے مُراد وہ حقوق ہیں جو بنی نوع انسانی کے معاشرتی تعلق سے پیدا ہوتے ہیں۔

فرائض: فرائض فرض کی جمع ہے۔ حقوق اور فرائض لازم ملزوم ہیں۔ جب انسان کو حقوق حاصل ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ ساتھ کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو فرائض کہا جاتا ہے۔

فرائض کو عموماً دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ قانونی فرائض

۲۔ اخلاقی فرائض۔

قانونی فرائض وہ ہوتے ہیں جن کا ادا کرنا ہر انسان پر قانونی طور پر واجب ہوتا ہے۔ جن کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے حکومت کی طرف سزا ہے

اخلاقی فرائض وہ ہیں جن کی ادائیگی معاشرہ کے دباؤ کی وجہ سے کی جاتی ہے اگر ان فرائض کو ادا نہ کیا جائے تو قانون گرفت نہیں کرتا۔

حقوق و فرائض کا باہمی تعلق: حقوق و فرائض لازم ملزوم ہیں ایک کے بغیر دوسرے کا کوئی وجود نہیں۔ یہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ ہر حق کے ساتھ فرض ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ حقوق کی ادائیگی پر تو زور دیا جائے۔ لیکن فرائض کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ہر حق کے ساتھ ایک فرض ہے۔ حقوق اور فرائض کے گہرے تعلق کا سبب انسان کا

Marfat.com

مدنی الطبع ہوتا ہے ہر انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہوتا ہے اس لیے اس کا ہر فعل دوسرے پر اثر انداز ہوگا۔ معاشرتی تعلقات کو درست اور مضبوط رکھنے کے حقوق و فرائض ضروری ہیں۔

بیوی کے حقوق یا شوہر فرائض

فطرتی حقوق۔ ہم بستری اسلام نے عبادت اور ریاضت کو قرب الٰہی کا ذریعہ ٹھہرایا ہے یہی وہ راستہ ہے جس پر ایک سالک چل کر سلوک کی منزلیں طے کرتا ہے۔ دن رات میں پانچ دفعہ بارگاہ ایزدی میں حاضری دینا ہر مسلم پر فرض ہے۔ قرآن مجید نے انسان کی پیدائش کی غرض و غایت ہی عبادت قرار دی ہے ارشاد ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ یعنی میں نے جن و انس کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ عبادت کی اتنی اہمیت کے باوجود اسلام نے یہ اجازت نہیں دی کہ کوئی مسلمان عورت کے اس حق پر دست درازی کر کے دن رات عبادت میں مشغول رہے۔ چند صحابی ایسے تھے کہ جن کی نگاہ میں زن و شوہر کے باہمی تعلقات کی کوئی وقعت نہ تھی تو آپ نے ان کو بلا کر فرمایا ان لزوجك عليك حقا۔ (بخاری باب لزوجك عليك الحق۔ یعنی تم پر تمہاری بیوی کا حق ہے قرآن مجید میں آتا ہے: اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ [۱] تمہارے لیے روزوں کی رات میں اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا حلال کیا گیا ہے وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو اللہ جانتا ہے کہ تم اپنی جانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ سو اس نے تم پر رجوع برحمت کیا اور تم کو معاف کیا بس اب ان سے میل جول رکھو اور جو اللہ نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے چاہو حضرت عمر نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا،

---

[۱] البقرہ ۲: ۱۸۷

Marfat.com

وحصنوا فروج ھذہ النساء (مسند احمد) ان عورتوں کی شرم گاہوں کو محفوظ رکھو۔ امام ابن تیمیہ کا قول ہے۔ مرد پر واجب ہے کہ معروف طریقے سے اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کرے یہ بیوی کا نہایت ہی موکد حق ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ا صفحہ ۵٦) حافظ ابن قیم زاد المعاد میں رقمطراز ہیں۔ بیوی کا خاوند پر حق ہے کہ وہ اس کے ساتھ فطری طریقہ پر ہم بستری کرے۔

معاشی حقوق نفقہ: نفقہ سے مراد کھانا کپڑا اور مکان ہے در مختار باب النفقہ میں لکھا ہے: ھی لغۃ ماینفقہ الانسان علی عیالہ وشرعاھی الطعام والکسوۃ والسکنی یعنی لغت میں نفقہ سے مراد یہ ہے جو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور شریعت میں نفقہ کھانا کپڑا اور مکان کا نام ہے۔ شوہر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نان و نفقہ کے لیے روزی کمائے۔ اور اپنی بساط کے مطابق گزارہ کا کام انتظام کرے قرآن مجید میں آتا ہے: لینفق ذوسعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتٰہ اللہ لایکلف اللہ نفسا الا ما اتھا۔ [1] چاہیئے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر اس کی روزی تنگ ہے تو چاہیئے کہ وہ اس سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے اللہ کسی شخص پر کچھ لازم نہیں کرتا مگر اسی کے مطابق جو اسے دیا ہے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت حکیم بن معاویہ قشیری کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے ہر ایک کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا جس وقت تو کھائے اسے بھی کھلائے اور جب تو پہنے اسے بھی پہنائے اور نہ تو اس کے منہ پر مارے اور نہ یہ کہے کہ تیری شکل اچھی نہیں اور باہم لڑائی ہو تو صرف گھر ہی میں اس کی خواب گاہ علیحدہ کر دے۔ [2]

ان تحسنوا الیھن فی کسوتھن وطعامھن [3] یعنی تم ان (بیویوں) کے ساتھ کپڑا اور کھانا دینے میں اچھا سلوک کرو۔ خاوند کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کی رہائش کا انتظام کرے۔

---

[1] سورۃ الطلاق آیت ۷ [2] ابوداؤد ابن ماجہ

[3] ترمذی باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا

Marfat.com

ارشادِ الٰہی ہے: اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم[1] عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہو۔

مہر: قرآن مجید میں آتا ہے: فَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ فَرِیْضَۃً۔[2] پس ان کے مقرر شدہ مہر دے دو۔

دوسری جگہ آتا ہے: آتوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحْلَۃً[3] اور عورتوں کو ان کے مہر بلا بدل دو۔

حدیث میں آتا ہے: عن عقبۃ ابن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق ما اوفیتم بہ من الشروط استحللتم بہ الفروج[4] حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہا کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا جن شرطوں کو تم پورا کرتے ہو۔ ان سب سے زیادہ ضروری اس شرط کو پورا کرنا ہے جس کی وجہ سے تم نے عورتوں کی ناموس اپنے لیے حلال کی ہے۔

وراثت: للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون[5] یعنی مردوں کیلئے اس سے ایک حصہ ہے جو انکے والدین اور قریبی چھوڑیں اور عورتوں کیلئے اس سے ایک حصہ جو ان کے ماں باپ اور قریبی چھوڑ جائیں۔

ملکیت اور اس پر تصرف کی اجازت: اگر عورت ضرورت محسوس کرے تو اس کو کوئی پیشہ اختیار کرنے کی اجازت ہے اور وہ مرد کی طرح روپیہ پیسہ کما سکتی ہے پھر اسے اپنی ملکیت پر پورا پورا اختیار ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے: لِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ[6] اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

تمدنی حقوق ۔ حسنِ سلوک: قرآن مجید نے عورتوں سے حسن سلوک کی بہت تاکید کی ہے ارشادِ الٰہی ہے: وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[7] عورتوں سے حسن معاشرت کرو۔

---

[1] سورۃ طلاق آیت ۶
[2] النساء ۴: ۲۴
[3] النساء ۴: ۴
[4] بخاری مسلم
[5] النساء ۴: ۷
[6] النساء ۴: ۳۲
[7] النساء ۴: ۱۹

Marfat.com

رسول کریم صلعم عورتوں سے حسن سلوک اور بھلائی کی وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: استوصوا بالنساء خیراً فانھن خلقن من ضلع وانه اعوج شی فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء [1] تمکو عورتوں سے بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیوں کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر والا ہے لہٰذا تم اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ کے لیئے کجی رہ جائے گی اس لیے عورتوں کے متعلق نصیحت قبول کرو۔

اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا وخیارکم خیارکم لنسائھم [2] یعنی ایمان میں سب سے کامل ترین وہ ہے جو اپنے اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے اچھا ہو۔

خیرکم خیرکم لاھلہ [3] تم میں بہترین وہ شخص ہے جو اپنی بیویوں سے نیک سلوک کرے۔

ظلم و تعدی سے ممانعت: عورت کی طبیعت حساس ہونے کی وجہ سے ضدی درشت خو اور ذرا ذرا سی بات پر وہ چراغ پا ہو جاتی ہے۔ اگر اس کمزوری کو لحاظ انداز نہ کیا جائے تو گھر دوزخ بن جاتا ہے اسی وجہ سے رسول کریم صلعم نے عورت کو ٹیڑھی پسلی سے تشبیہ دی ہے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے ٹیڑھے پن کو درست کرنے کی کوشش نہ کی جائے اگر کوشش کی گئی تو ٹوٹ جائے گی قرآن مجید نے بار بار عفو و کرم سے کام لینے اور ظلم و تعدی سے باز رہنے کی تعلیم دی ہے ارشاد ہے۔ یاایھا الذین امنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور رحیم۔ [4] اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہاری بیویوں میں سے اور تمہاری اولادوں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کر دو اور درگذر کرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا

---

[1] بخاری باب الوصاۃ بالنساء [2] ترمذی باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا۔ [3] مشکوۃ المصابیح کتاب النکاح باب فی عشرۃ النکاح الفصل الثانی۔ [4] التغابن ۶۴:۱۴

Marfat.com

رحم کرنے والا ہے۔

قرآن مجید نے یہاں تک تحمل اور بردباری سے کام لینے کی تعلیم دی ہے کہ اگر ان کی بعض حرکات ناپسند بھی ہوں تب بھی تحمل سے کام لینا چاہیے ارشاد ہے: فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا [1] اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اسی میں بہت سی بھلائی رکھ دے قرآن مجید نے جہاں عورتوں کو طلاق دینے کا ذکر کیا ہے وہاں مردوں کو ہدایت کی ہے کہ عورتوں پر ظلم و تعدی نہ کی جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا [2] اور ان کو دکھ دینے کے لیے نہ روک رکھو تاکہ تم زیادتی کرو اور جو ایسا کرتا ہے وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور اللہ کی باتوں سے ہنسی نہ کرو۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: لایجلد احدکم امرأته جلد العبد ثم یجامعها فی الیوم الاخر [3] تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اسی طرح نہ پیٹنا شروع کر دے جس طرح غلام کو پیٹا جاتا ہے اور پھر دوسرے دن جنسی میلان کو پورا کرنے کے لیے اس کے پاس پہنچے۔ لاتضرب ظعینتك ضربك امتك [4] اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح ہرگز نہ پیٹو لاتضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا فی البیت [5] نہ اس کے چہرے پر مارو اور نہ برا بھلا کہو اور نہ علیحدگی اختیار کرو اگر اس کا موقع بھی آئے تو یہ گھر ہی میں ہو۔

سرزنش کی اجازت: چوں کہ اسلام ایک عملی دین ہے اس وجہ سے خاص حالات میں جسمانی اذیت دینے کی اجازت دیتی ہے ارشاد الٰہی ہے: وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا [6] اور جن عورتوں کی سرکشی کا تمہیں

---

[1] النساء ۴: ۱۹ [2] البقرہ ۲: ۲۳۱
[3] بخاری باب مایکرہ من ضرب النساء [4] مشکوۃ ص ۲۸۲
[5] مشکوۃ باب عشرۃ النساء [6] النساء ۴: ۳۴

Marfat.com

ڈرہو۔ تو ان کو وعظ و نصیحت کرو اور ان کے بستروں سے الگ رہو اور ان کو مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف کوئی راہ تلاش نہ کرو۔

رسول کریم صلعم نے ضرب کی حد بندی کرتے ہوئے فرمایا: وَاضْرِبُوْهُنَّ ضرب غیر مبرح ان کو مارو مگر صرف ایسا جس کا اثر نہ ہو۔

بیوی کے لیے سامان طہارت و نظافت: شوہر پر بیوی کے لیے سامان طہارت و نظافت کا مہیا کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو صاف ستھری رکھ سکے۔ اور خاوند کے دل کو زیادہ بھا سکے۔ خاوند اور بیوی کی باہمی محبت جتنی زیادہ ہوگی۔ اتنا ہی گھر کا ماحول پر سکون اور خوشگوار ہوگا۔

فقہاء نے خاوند کے فرائض میں سے یہ ایک فریضہ قرار دیا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو سامان زینت اور نظافت مہیا کر کے دے۔

ویجب علیہ ماتنظف بہ و تزیل الوسخ کالمشط والدھن والسدر والخطمی والاشنان والصابون علی عادۃ اھل البلد ..... واما الطیب فیجب علیہ مایقطع السھوکۃ ولایغیر علیہ ماتقطع الصنان [1]

شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کے لیے ایسی چیزیں مہیا کر دے جس سے وہ اپنے آپ کو ستھری رکھ سکے اور میل کچیل دور کر سکے جیسے کنگھی تیل۔ بیری کی پتی خطمی اشنان اور صابون جیسا کہ شہر کے رہنے والوں کا رواج ہے۔ اتنی خوشبو کا فراہم کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح بغل کی بو کو دور کرنے کا سامان۔

بیوی پر اعتماد اور بھروسہ: گھر کا انتظام میاں بیوی کے باہمی اعتماد اور بھروسہ پر چلتا ہے۔ اگر ایک فریق بھی بد اعتمادی کرے گا تو گھر کا سکون ختم ہو جائے گا۔ چوں کہ مرد گھر کا صدر ہے۔ اس وجہ سے مرد پر فریضہ ہے کہ وہ بیوی پر اعتماد کرے اور گھر کے اندرونی معاملات اس کے سپرد کر دے۔ تاکہ اس کو اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔ رسول کریم صلعم نے عورتوں کو ہی گھر کا نگران قرار دیا ہے فرماتے ہیں والمراۃ داعیۃ علی بیت زوجھا [2] عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے

---

[1] ردالمختار ج ۲ ص ۷:۴۲ [2] بخاری باب المرأۃ راعیۃ بیت زوجھا

Marfat.com

باہمی مصالحت کی کوشش: میاں بیوی کی زندگی میں کئی بار ناراضی اور شکر رنجی کے مواقع آتے ہیں ناراضی اور شکر رنجی اور شکایت کے دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ طلاق خلع کے ذریعہ مستقل طور پر ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔ اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ فریقین باہمی مصالحت کی کوشش کریں اور ان شکایات کے ازالہ کی کوشش کریں جن کی وجہ سے گھر کا ماحول خراب ہوا ہے۔ قرآن اسی طریقہ کو بہتر قرار دیتا ہے ارشادِ الٰہی ہے: وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ۔ [۱] اور اگر ایک عورت کو اپنے خاوند کی زیادتی یا بے رغبتی کا خوف ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح اچھی چیز ہے اسلام نے صلح کرانے کا ایک عمدہ طریقہ یہ بیان کیا ہے کہ دونوں جانب سے حکم مقرر کر دیئے جائیں۔ وہ میاں بیوی کے اختلاف اور رنجشوں کی وجوہ معلوم کر کے ان کو دور کرنے کی تجاویز پیش کریں میاں بیوی کو پھر اتحاد اور محبت کی لڑی میں منسلک کر دیں ارشاد ہے: وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔ [۲]

اور تم کو دونوں (میاں بیوی) میں باہم دشمنی کا ڈر ہو۔ تو ایک فیصلہ کرنے والا اس مرد کے لوگوں میں سے اور ایک فیصلہ کرنے والا اس عورت کے لوگوں میں سے مقرر کرو۔

بیویوں میں عدل و انصاف: اگر خاوند کی ایک سے زائد بیویاں ہیں تو ان کے درمیان عدل و انصاف ایک ضروری امر ہے ارشادِ الٰہی ہے: وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا۔ [۳] اور اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایسی عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں۔ دو دو۔ تین تین اور چار چار اور اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے ایک ہی

---

[۱] النساء ۴: ۱۲۸ [۲] النساء ۴: ۳۵

[۳] النساء ۴: ۳

Marfat.com

یا جس کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے یہ زیادہ نزدیک ہے۔ کہ تم نا انصافی نہ کرو۔

حدیث میں آتا ہے: عن ابی ھریرۃ عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال اذا کانت عند الرجل امرا تان فلم یعدل بینھما جاء یوم القیٰمۃ وشقّہٗ ساقط[1] حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا جب کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور ان میں انصاف نہیں کرتا تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا نصف بدن خمیدہ ہو گا

مطلقہ عورت کو عقد ثانی سے روکنے کی ممانعت: زمانہ جاہلیت میں مطلقہ عورت کو قسما قسم طریقوں سے دوسری شادی سے روکتے تھے۔ اسلام نے عورت کو عقد ثانی سے روکنے کی ممانعت کر دی ارشاد ہے: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ[2] اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور پھر وہ اپنی معیاد کو پہنچ جائیں تو انہیں اس بات سے مت روکو کہ وہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کریں۔ جب کہ وہ جائز طور پر باہم راضی ہو جائیں۔

نکاح سے قبل عورتوں کی رضامندی: اسلام سے قبل عورتوں سے نکاح سے قبل رضامندی حاصل نہیں کرتے تھے ولی جہاں چاہے جس سے چاہے شادی کر دیتا تھا۔ اسلام نے نکاح سے قبل عورتوں سے رضامندی حاصل کرنا ضروری قرار دیا رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ ثیبہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک وہ صریح اجازت نہ دے دے اور دوشیزہ کا اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی رضامندی حاصل نہ کر لی جائے۔ لوگوں نے پوچھا اس کی رضامندی کی کیا صورت ہے فرمایا خاموش رہنے[3]۔

قانونی حقوق: جس طرح مردوں کیلئے عورتوں کو طلاق دینے کا حق ہے۔ اسی طرح اسلام نے عورتوں کو بھی مردوں سے علیحدگی اختیار کرنے کا حق دیا ہے۔ اس علیحدگی

---

[1] ترمذی ابوداؤد۔ نسائی [2] البقرہ ۲: ۲۳۲

[3] مسلم کتاب النکاح باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت

Marfat.com

کا نام اسلامی اصطلاح میں خلع ہے - ارشادِ الٰہی ہے: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ[۹۱] پس اگر تمہیں یہ ڈر ہو کر وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو پھر ان پر اس کے بارہ میں کچھ گناہ نہیں جو عورت فدیہ دے دے اس کی تشریح حدیث سے ہوتی ہے - حبیبہ بنت سہل سے روایت ہے جو قیس بن شماس کے بیٹے سہل کے نکاح میں تھیں ایک دن رسول اللہ صلعم نماز فجر کے لیے نکلے - تو حبیبہ بنت سہل کو اندھیرے میں اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑا پایا - آپ نے پوچھا کون ہے؟ حبیبہ نے جواب دیا یا رسول اللہ میں حبیبہ بنت سہل ہوں فرمایا کیسے آنا ہوا - عرض کیا میں اور ثابت بن قیس نکاح میں نہیں رہ سکتے جب ثابت آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا یہ حبیبہ بنت سہل ہیں ان کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکیں حبیبہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ثابت نے جو کچھ مجھ کو دیا تھا سب میرے پاس موجود ہے رسول کریم صلعم نے ثابت سے یہ فرمایا کہ اس میں سے کچھ لے لو - اور حبیبہ کو چھوڑ دو - چنانچہ انہوں نے لے لیا اور حبیبہ اپنے کنبہ میں جا بیٹھی[۹۲]

جبریہ شادی میں فسخ نکاح کا حق: اگر ولی لڑکی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کر دے تو لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت میں جا کر فسخ نکاح کرا لے -

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک لڑکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر شکایت کی کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی کر دی ہے آپ نے اس لڑکی کو اختیار دیا کہ چاہے وہ قبول کر لے چاہے رد کر دے[۹۳] -

حضرت ابن عباس سے ایک دوسری روایت ہے کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا اس نے ایک شخص سے نکاح کرنا چاہا لیکن اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف ایک دوسرے شخص سے شادی کر دی - عورت نے رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی - آنحضرت نے اس کے والد کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تم نے اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی کی ہے اس نے کہا ہاں جس سے لڑکی شادی کرنا چاہتی تھی اس سے بہتر شخص کے ساتھ میں نے شادی کی ہے آپ نے دونوں میں تفریق کرا دی[۹۴] -

---

۹۱؎ البقرہ ۲: ۲۲۹ ۹۲؎ موطا باب ما جاء فی الخلع -

۹۳؎ سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی البکر یزوجہا ابوہا ولا یستأمرہا

۹۴؎ مسند ابو حنیفہ زوج ہریرہ رضہ

Marfat.com

مفقود الخبر خاوند سے انقطاع: خاوند کے مفقود الخبر ہونے کی حالت میں بیوی کو علیحدگی اختیار کرنے کا حق حاصل ہے قرآن مجید اور احادیث میں کوئی قطعی فیصلہ تو موجود نہیں کہ بیوی کو کب تک انتظار کرنا چاہیے۔ اس وجہ سے فقہا کے درمیان مفقود الخبری کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کی رائے کے مطابق بیس سال امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق سو سال حضرت امام شافعی کی رائے کے مطابق سات سال اور حضرت امام مالک کے نزدیک چار سال کی میعاد ہے ابن مسیب کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوران جنگ مفقود الخبر ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال تک انتظار کرے آج کل رسل و رسائل کا سلسلہ آسان اور عام ہے اس وجہ سے ایک سال کی میعاد کافی ہے۔

شوہر کا نامرد اور مجبوب ہونا: اگر شوہر نامرد ہے تو مرد کو ایک سال کی مہلت علاج کے لیے دی جائے گی اگر مرد ہم بستری کے قابل ہو گیا تو فبہا ورنہ بیوی کو علیحدگی اختیار کرنے کا حق حاصل ہے حضرت سعید بن المسیب کا بیان ہے: من تزوج امراۃ فلم یستطع ان یمسھا فانہ یضرب اجل سنۃ فان مسھا والافرق بینھما[1] اگر کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے اور اس کو عورت سے ہم بستر ہونے کی قدرت نہ ہو تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی اگر اس کے بعد وہ زن و شوہر کے تعلقات کے قابل ہو گیا تو بہتر ورنہ ان دونوں میں علیحدگی کر دی جائے گی۔ لیکن اگر خاوند مجبوب (عضو تناسل کا کٹا ہوا ہونا) ہے۔ اور وہ ہم بستری کے لائق نہیں ہے۔ تو خاوند کو بغیر کوئی مہلت دئے ہوئے عورت کو علیحدگی اختیار کرنے کا حق حاصل ہے

امام قدوری فرماتے ہیں: فان کان عنینا اجلہ الحاکم حولا فان وصل الیھا والافرق بینھما ان طلبت المرأۃ ذلک .... وان کان مجبوبا فرق القاضی بینھما فی الحال ولم یوجلہ[2] اگر مرد نامرد ہو تو حاکم اسے علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا۔ اگر وہ ہم بستری کے لائق ہو گیا تب تو خیر ورنہ ان دونوں میں عورت کے مطالبہ پر علیحدگی کر دی جائے گی اگر مقطوع الذکر ہو تو قاضی فوراً بغیر مہلت دیئے تفریق کر دے گا۔

---

[1] موطا امام مالک ج ۲ صفحہ ۳۲ [2] قدوری مصری کتاب النکاح

Marfat.com

حافظ ابن القیم ایک عام اصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: والقیاس ان کل عیب ینفر الزوج الاخر ولا یحصل به مقصود النکاح من الرحمۃ والمودۃ یوجب الخیار [۱] ہر وہ عیب جس کی وجہ سے مرد ہم بستری کے لائق نہیں رہتا اور نکاح کا مقصد جو محبت اور مودت ہے فوت ہو جائے تو ایسی حالت میں علیحدگی اختیار دینا ضروری ہو جاتا ہے۔

بیوی کے جذبات کا پاس: خاوند کا یہ فرض ہے کہ وہ عورت کے جذبات اور داعیات کا پاس کرے۔ حضرت عمرؓ نے ہر شادی شدہ سپاہی کو چار ماہ کے بعد گھر آنے کا حکم دیا ہوا تھا لا یتخلف المتزوج عن اهله اکثر منها [۲] جو سپاہی شادی شدہ ہو وہ اپنی بیوی سے چار مہینے سے زیادہ الگ نہ رہے اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے: لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [۳] ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں کے حق دینے میں قسم کھا لیتے ہیں چار ماہ کا انتظار ہے اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اگر کوئی خاوند چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لے اور رجوع نہ کرے تو اس صورت میں عورت کو طلاق ہو جائے گی اور اس کو دوسری شادی کرنے کی اجازت ہو جائے گی۔

اخلاقی حقوق

اظہار وفاداری خاوند کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی سے مصیبت میں اظہار وفاداری کرے۔ اگر کسی بیماری یا آفت کی وجہ سے بیوی کی شکل و صورت میں فرق آ جائے تو عورت کے بدشکل ہو جانے کی وجہ سے بدسلوکی سے پیش نہ آئے بلکہ اپنی وفاداری محبت اور پیار کا اظہار کرے اس سے بیوی کا دل مسرت سے لبریز ہو جائے گا۔ اور وہ اپنے شوہر کو وفادار پا کر اس کیلئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لیے تیار ہو جائے گی۔

---

[۱] زاد المعاد ج ۴ صفحہ ۳۱ [۲] رد المختار ج ۲ ص ۴۳۳

[۳] سورۃ البقرہ ۲: ۲۲۶

Marfat.com

اور وہ ایک جان نثار رفیق ثابت ہوگا۔

بیوی کی رازداری: شوہر پر یہ ایک بھی فرض ہے کہ عورت کے ساتھ مخفی تعلقات کو دوسروں کے سامنے پیش نہ کرے رسول کریم صلعم نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ الرجل یفضی الی امراتہ وتفضی الیہ ثم ینشر سرھا [۱] لوگوں میں اللہ کے نزدیک بدترین وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور وہ اس کے پاس آئے پھر مرد اس کے مخفی تعلقات کو پھیلاوے

حضرت امام نووی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فی ھذا الحدیث تحریم افشاء الرجل ما یجری بینہ وبین امراتہ من امور الاستمتاع ووصف تفاصیل ذلک وما یجری من المرأۃ فیہ من قول او فعل او نحوہ [۲] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے راز کی باتوں کا افشا کرنا جیسے استمتاع اور اس کی تفصیل کہا ایسے ایسے حرام ہوا ہے۔ اسی طرح عورت سے متعلق کوئی مخفی بات یا کوئی فعل یا اور کوئی ایسی ہی چیز کا اظہار حرام ہے

والدین سے ملنے کی اجازت: بیوی کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ خاوند اس کو والدین اور قریبی رشتے داروں سے ملنے سے محروم نہ کرے رسول کریم صلعم خود حضرت فاطمہؓ کے گھر پر جا کر ملاقات کرتے تھے فقہائے نے لکھا ہے ہفتہ میں ایک دن والدین سے ملنے کے لیے جائے تو خاوند کو روکنا نہیں چاہیئے یہ اس وقت جب کہ بیوی کے والدین کسی معقول عذر کی وجہ سے ملنے کے لیے نہ آسکتے ہوں (مختار)

مطلقہ کو کچھ فائدہ پہنچانا: اگر مجبوری کی حالت میں خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دنیا ہے تو خاوند پر یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ مہر کے علاوہ دستور کے مطابق بیوی کو دے کر رخصت کرے قرآن مجید میں آتا ہے: اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ [۳] یا شریفانہ طریقے پر انہیں رخصت کرو۔

او تسریح باحسان ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا [۴] حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرنا ہے اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اس مال سے کچھ واپس لو جو تم نے انہیں دیا ہے۔

---

[۱] مسلم باب تحریم افشاء سر المراۃ [۲] شرح مسلم ج ا ص ۴۶۴ [۳] البقرہ ۲۳۱ [۴] البقرہ ۲:۲۲۹

Marfat.com

اخلاق اور آخرت سنوارنے کی کوشش: جہاں مرد پر شادی کے بعد بے شمار فرائض عائد ہوتے ہیں وہاں ایک یہ بھی فرض ہے کہ بیوی کے اخلاق کو سنوارنے اور اس کی آخرت کو بہتر بنانے کی سعی کرے ارشاد الٰہی ہے: قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا [1] اپنے آپ کو اور اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ [2] تو اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرا۔

خاوند کا صاف ستھرا رہنا: عورت طبعاً نظافت پسند ہے اور اس کی حس جمالیات بہت تیز ہوتی ہے اس وجہ سے شوہر کا یہ فرض ہے۔ وہ اپنے لباس اور جسم کو صاف ستھرا رکھے تاکہ اس کی بیوی اس کو دیکھ کر خوش ہو۔ رسول کریم صلعم کسی صحابی کو گندے لباس میں دیکھ کر ناراضی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ رسول کریم صلعم مسجد میں تشریف فرما تھے ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال پراگندہ تھے۔ آپ نے اشارہ سے فرمایا کہ بالوں کو درست کرے چنانچہ اس نے سر اور داڑھی کے بال درست کر لئے اس شخص کو واپس جاتے وقت آپ نے جب اس کو اچھی ہیئت میں دیکھا تو فرمایا کیا یہ ہیئت پہلی ہیئت سے اچھی نہیں ہے جو شیطان سی معلوم ہوتی تھی [3] یہ مشہور حدیث ہے: ان اللہ طیب یحب الطیب نظیف یحب النظافۃ [4] اللہ پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے اللہ صاف اور پاکیزہ ہے اور صفائی کو محبوب رکھتا ہے۔

خاوند کے حقوق یا بیوی کے فرائض

قدرتی حقوق | اسلام نے عائلی زندگی میں شوہر کو گھر کا نگران اور صدر منتخب کیا ہے ارشاد الٰہی ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ [5] مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں اسلئے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ انہوں نے اپنے

---

[1] تحریم: ۶ [2] الشعراء ۲۱۴ [3] مشکوٰۃ باب الترجل
[4] مشکوٰۃ باب الترجل [5] النساء ۴: ۳۴

Marfat.com

بالوں سے کچھ خرچ کیا ہے۔ مرد کے قوام ہونے کی دو وجوہ بیان کی ہیں اوّل مرد عورت سے جسمانی اور دماغی قویٰ میں برتر ہے۔ دوم۔ مرد عورت کے لیے کپڑا روٹی گھر وغیرہ مہیا کرتا ہے۔

جدید تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مرد عورت سے عقلی قویٰ میں افضل ہے۔ اور وہ جسم اور عضلات میں مضبوط ہے۔ مشہور فلاسفر علامہ پرودھن اپنی کتاب انیکار النظام میں لکھتا ہے:

عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے اسی قدر ضعیف ہے جس قدر اس کی عقلی قوت مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے اور ایک دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن و قبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے وہ مردوں کی رائے کے مطابق نہیں ہوتی پس مرد اور عورت میں یہ فرق کوئی عارضی امر نہیں بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے۔[1]

اس قول کو نقل کر کے علامہ فرید وجدی رقمطراز ہیں۔ حواس خمسہ پر انسان کی عقلی اور دماغی نشوونما کا دارومدار ہے۔ اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ نیکولس اور علامہ بیلی نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں۔[2]

پھر علامہ صاحب لکھتے ہیں:

علم سائیکلوجیا نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں مادۃً اور شکلاً سخت اختلاف ہے۔ مرد کے بھیجے کے وزن کا اوسط عورت کے بھیجے سے سو ڈرام زیادہ ہے۔[3]"

اس کے بعد علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:

"یہی وہ قوائے عقلیہ کا سرچشمہ ہے جس میں مرد کا پلہ عورت سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے مرد کے دماغ کے وزن کا اوسط عام طور پر (۴۹½) ساڑھے انچاس اوقیہ

---

[1] مسلمان عورت ص ۳۹
[2] مسلمان عورت ص ۳۹
[3] مسلمان عورت ص ۴۱

Marfat.com

ہے اور عورت کے دماغ کا وزن صرف (۴۴) چوالیس دو سو اٹھتر مردوں کے دماغ وزن کیئے گئے تو سب سے بڑے دماغ کا وزن (۶۵) پینسٹھ اوقیہ اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن (۳۴) چونتیس اوقیہ ثابت ہوا لیکن جب دو سو اکانوے (۲۹۱) دماغ عورتوں کے وزن کیے گئے تو سب سے وزنی دماغ چوّن اوقیہ کا اور سب سے کم وزنی دماغ اکیس ½ اوقیہ کا نکلا کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ عورتوں کے عقلی قوی مرد کے قوی سے بدرجہا ضعیف ہیں۔ ”[۱]

جدید تحقیقات نے یہ امر واضح کر دیا ہے کہ مرد عورتوں سے جسمانی اور دماغی صلاحیتوں میں افضل اور برتر ہیں اس وجہ سے گھر کے انتظام کی بھاگ ڈور مرد کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ اسلام نے بھی انہی وجوہ کی بنا پر نظام منزلی میں مرد کو صدر قرار دیا ہے اسلام نے مرد کو نظامِ منزلی کا نگران اعلیٰ مقرر کرنے کے باوجود یہ حکم دیا ہے کہ گھریلو امور باہمی مشورہ سے طے کیئے جائیں قرآن مجید میں آتا ہے: فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا۔ [۲] اگر وہ دونوں آپس کی رضا مندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

پھر ایک عام اصول مقرر کر دیا کہ مومن ہر معاملہ باہمی مشورہ سے انجام دیں ارشاد الٰہی ہے: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [۳] ان کا کام آپس میں مشورے ہوتا ہے۔

جنسی میلان میں حکم کی بجاآوری: جنسی میلان کی تکمیل ایک طبعی تقاضا ہے۔ اس طبعی تقاضا کی تکمیل کے ساتھ بے شمار اخلاقی تمدنی اور روحانی فوائد وابستہ ہیں اس وجہ سے اسلام نے عورت کو یہ حکم دیا ہے کہ جب اس کا شوہر بلائے تو وہ فرمانبرداری کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اذا الرجل دعا ھا وجته لحاجته فلتأته وان کانت على التنور [۴] جب خاوند اپنی بیوی کو جنسی میلان کی تکمیل کے لیے بلائے تو وہ فوراً اس کے پاس آجائے۔ گو وہ تنور پر بیٹھی روٹی پکا رہی ہو اگر وہ حکم بجا لائے

---

[۱] مسلمان عورت ص ۱۴۱ — [۲] البقرہ ۲: ۲۳۳

[۳] الشوریٰ ۴۲: ۳۸ — [۴] ترمذی باب عشرۃ النساء

Marfat.com

تو وہ گنہگار ہو گی فرماتے ہیں: اذا دعا الرجل امرأته الی فراشه فابت ان تجی لعنتها الملئکه حتی تصبح (بخاری)

خاوند جب اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو فرشتے اس پہ صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔

حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ بغیر عذر شرعی بیوی کا خاوند کے مطالبہ ہم بستری کا انکار کر دینا حرام ہے[1]۔ گو جنسی میلان کی تکمیل کے لیے بیوی کا خاوند کے مطالبہ ہمبستری تسلیمات ضروری ہے۔ لیکن فقہائے نے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے۔ کہ اگر بیوی کی صحت اس امر کی اجازت نہ دے تو مرد اجتناب کرے۔ لو تضررت من کثرة جماعه لم تجز الزیادة علی قدر طاقتها[2] اگر کثرت جماع عورت کی صحت کے لیے مضر ہو تو ایسی حالت میں اس کی طاقت سے زیادہ ہم بستری جائز نہیں۔

تمدنی حقوق

اطاعت دنیا کے تمام نظاموں کے استحکام اور استواری کا راز اطاعت ناظم الامور اور نگران اعلیٰ میں مضمر ہے۔ اسی وجہ سے رسول کریم صلعم نے اطاعت امیر پہ بہت زور دیا ہے۔ منزلی نظام بھی اطاعت کے بغیر نہیں چل سکتا۔ نہ گھر کا ماحول خوشگوار بن سکتا ہے اس وجہ سے اسلام بیویوں کے لیے یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کی اطاعت کریں چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ[3] سو نیک عورتیں خاوندوں کی فرمانبردار ہوتی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے حضرت خولا ایک دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں جاکر حاضر ہوئیں اور بیان کیا کہ میں ہر رات بہن اوڑھ کر اور آراستہ ہو کر لوجہ اللہ اپنے شوہر کے لیے دلہن بن جاتی ہوں۔ اور ان کے پاس سوتی ہوں مگر پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ خدمت نبوی میں عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] شرح مسلم ج ۱ ص ۴۶۴ [2] درمختار باب القسم

[3] النساء ۴: ۳۴ [4] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۳

Marfat.com

سُن کر فرمایا ان سے کہہ دو کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہیں[۱]۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت امراحد ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا[۲]

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا اگر میں کسی کو کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ عن ام سلمۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ ماتت وزوجھا عنھا راض دخلت الجنۃ[۳]

اُمّ سلمہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا ہر وہ عورت جو اس حالت میں فوت ہو کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔

گھر میں کام کاج کرنا: گھر کے کاموں کو اپنے ہاتھ سے کرنا بیوی کے فرائض میں سے ایک فریضہ ہے۔ ازواجِ مطہرات اور حضرت فاطمہ رضؓ اور دیگر صحابیات گھر کے کاموں کو از خود کیا کرتی تھیں۔ حضرت امام بخاری نے اپنی جامع میں ایک باب باندھا ہے۔ عمل المرأۃ فی بیت زوجھا۔ یعنی عورت کا اپنے خاوند کے گھر میں کام کاج کرنا حضرت فاطمہ گوشۂ جگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آٹا پیسنے کے لیے چکی چلایا کرتی تھیں۔ اور ان کے ہاتھوں پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ حضرت امام مالک رحؒ تو فرماتے ہیں کہ بیوی پر اس وقت تک گھر میں اپنے ہاتھ سے کام کرنا لازم ہے جب تک اس کا خاوند مالدار نہیں ہو جاتا۔ خواہ بیوی کسی بڑے گھرانے کی چشم و چراغ کیوں نہ ہو[۴]۔

حفظِ غیب: قرآن مجید نے نیک عورتوں کی ایک صفت حفظت اللغیب بما حفظ اللہ (پیٹھ پیچھے حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اسی وجہ سے جو اللہ نے ان کی حفاظت کی ہے) بیان کی ہے۔ حفاظت کی مفعول "حقوق خاوند" مضمر ہے۔

حفظ غیب سے مراد بیوی کا خاوند کی غیر موجودگی میں اپنی عصمت اور عفت کی حفاظت، مال کی حفاظت اور رازوں کی حفاظت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اربع من اعطی فقد اعطی خیر الدنیا والاخرۃ قلب شاکر و لسان ذاکر و بدن علی البلاء صابر و زوجۃ لاتبغیہ خوف فی نفسھا ولا فی مالہ[۵]

---

[۱] اسوہ صحابہ ج ۱ ص ۲۵۲ [۲] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۳
[۳] مشکوٰۃ المصابیح باب عشرۃ النساء ص ۲۸۱ [۴] عمدۃ القاری ج ۹ ص ۷۶۵ و زاد المعاد ج ۴ ص ۳۲ [۵] مشکوٰۃ المصابیح باب عشرۃ النسا صفحہ ۲۸۳

Marfat.com

چار چیزیں ہیں جس کو وہ دی گئی ہوں اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی۔ شکر گزار دل ذکر الٰہی کرنے والی زبان مصائب میں صبر کرنے والا جسم اور وہ عورت جو اپنی ذات اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے۔ قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای النساء خیر قال التی تسرہ اذا نظر و تطیعہ اذا امر ولا تخالفہ فی نفسہا ولا فی مالہا بما یکرہ[1]

رسول کریم صلعم سے عرض کیا گیا کہ عورتوں میں سے بہتر عورت کون سی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کہ جب شوہر اس کو دیکھے تو اس کو خوش کر دے اور جب وہ حکم دے تو اس کا حکم بجا لائے اور اپنی جان اور مال میں کسی ایسی بات میں اس کی مخالفت نہ کرے جو اس کو ناپسند ہو۔

لا تصدق بشیء من بیتہ الا باذنہ فان فعلت فان لہ الاجر وعلیہا الوزر ولا تخرج من بیتہ الا باذنہ۔[2]

بیوی کو شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے خیرات نہیں کرنا چاہیے اگر وہ ایسا کرے گی تو اس کے لیے ثواب ہوگا اور اس پر گناہ اور اس کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔

المرأۃ راعیۃ علی بیت زوجہا وھی مسؤلۃ عورت اپنے شوہر کے گھر پر نگران ہے اور اس سے پوچھا جائے گا۔

خاوند کے رشتے داروں اور دوستوں سے حسن سلوک: قرآن مجید نے عزیزوں اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے ارشادِ الٰہی ہے: وآت ذا القربیٰ حقہ[3] سو قریبی کو اس کا حق دے۔ قریبی رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی جس طرح مرد پر فرض ہے اسی طرح عورت پر بھی فرض ہے۔

عفت اور عصمت کی حفاظت کے لوازمات: قرآن مجید کی تعلیم کا یہ کمال ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق اس کی تعلیم کامل ترین ہے۔ قرآن مجید نے پاک دامن رہنے کا حکم دیا ہے تو ساتھ ہی پاک دامن رکھنے کے لیے طریقے بھی بتلا دیئے ہیں۔

تحفظات کے یہ طریقے تین قسم کے ہیں۔

۱۔ **اصلاح باطن:** اسلام نے اصلاح باطن کی بنیاد معرفت الٰہی پر رکھی ہے جتنی اللہ کی معرفت زیادہ ہوگی۔ اتنا ہی گناہوں کی وادی سے دور رہے گا اللہ کی معرفت ہی

---

[1] مشکوۃ المصابیح باب عشرۃ النساء صفحہ ۲۸۲ [2] بخاری کتاب النکاح باب قوا انفسکم واہلیکم نارا صفحہ ۱۸۳ [3] روم ۳۰: ۳۸

وہ علاج جس سے انسان اپنے دل کو پاک رکھ سکتا ہے۔ تعزیری قوانین سے ڈر کر ان اعمال سے رک سکتا ہے جو سوسائٹی کے بگاڑ کا موجب ہو سکتے ہیں لیکن تعزیری قوانین دل کو پاک نہیں کر سکتے اس لیے قرآن مجید کی تمام تعلیمات کا حقیقی محور ایمان باللہ ہے جس کے دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا تصور مستولی ہو گا وہ گناہوں کے زہر کا پیالہ کبھی بھی اپنے لبوں تک نہیں لائے گا۔ جس طرح وہ شخص جس کو یہ علم ہو کہ اس بل میں سانپ ہے اس میں ہلاکت سے بچنے کے لیے ہاتھ نہیں ڈالتا۔ یا جس کو یہ علم ہو کہ کھانے میں زہر ملا ہے۔ اس کا لقمہ اپنے منہ میں نہیں ڈالتا۔ اسی طرح جس کا دل اللہ کی حقیقی معرفت سے بھرا ہو وہ گناہوں کے قریب نہیں پھٹکتا۔ اللہ کی حقیقی معرفت کا نہ ہونا ہی گناہوں کے ارتکاب کی سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حقیقی معرفت حاصل کرنے کے ذکر الٰہی دعا مجاہدہ اور راست بازوں کی صحبت میں رہنے کی تعلیم دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے منکرات سے اور خواہش سے بچنے کے لیے انسان کی فطرت میں حیا کا مادہ رکھ دیا ہے۔ انسان بالطبع برائیوں سے نفرت کرتا ہے۔ یہ اس کی نفرت حیا کے مادہ سے پھوٹتی ہے۔

اصلاح باطن کا دوسرا طریقہ مادہ حیا کو جلا دینا ہے جو انسان کو ہر وقت برائیوں سے دور رہنے کی تلقین کرتا رہتا ہے اگر انسان غلطی سے کسی گناہ کا ارتکاب کر بھی جائے تو پھر اس کو ندامت کے تازیانے مارتا رہتا ہے اور وہ آئندہ کے لیے فواحش کا ارتکاب کرنے سے توبۃ النصوح کر لیتا ہے۔ قرآن مجید نے اس مضمون کو آدم علیہ السلام کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ کس طرح جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو اس کو مادہ حیا نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ آستانہ الوہیت پر گر پڑا اور اپنی ندامت کے آنسوؤں سے گناہوں کی میل کو صاف کیا ارشادِ الٰہی ہے: فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ [1]

شیطان نے دھوکے سے ان کو گرا دیا سو جب ان دونوں نے درخت کو چکھا ان کے عیب ان پر کھل گئے اور وہ باغ کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانکنے لگے۔

---

[1] الاعراف ۷: ۲۲

Marfat.com

آدم علیہ السلام کو اپنی لغزش کا احساس شرم وحیا کی وجہ سے ہوا اور یہ وہ فطری خوبی ہے جس سے انسان برائیوں سے بچتا ہے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں الحیا خیر کلہ[1] یعنی حیا سراسر بھلائی ہے ان لکل دین خلقا وخلق الاسلام الحیاء[2] ہر دین کے لیے ایک صنعت ہوتی ہے اور اسلام کی صفت حیا ہے

۴۔ انسدادی تدابیر: اسلام نے عورت کی عفت کو محفوظ رکھنے کے لیے بعض ایسی انسدادی تدابیر بھی تجویز کی ہیں ان کو اختیار کرنے سے عورت فواحش سے آسانی سے بچ سکتی ہے۔

پردہ: اسلام میں پردہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں محصور رکھا جائے اور کسی کام کے لیے بھی گھر سے باہر قدم نہ رکھنے کی اجازت نہ دی جائے پردہ کا یہ تصور جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے اسلام میں پردہ سے مراد صرف یہ ہے کہ عورت اور مرد کو آزادانہ اختلاط نظر اندازی اور اپنی آرائش وزیبائش کے دکھانے کے مواقع ختم کیے جائیں اس سلسلہ میں حسب ذیل تعلیم دی ہے۔

بغیر ضرورت گھر سے باہر نہ نکلنا: وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ[3] اور اپنے گھر میں ٹھہری رہو۔

اس آیت کا یہ مفہوم نہیں کہ عورت گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکتی اس کا صرف مطلب ہے کہ عورتیں بغیر کسی وجہ اور کام کے گھر سے باہر نہ نکلیں حدیث شریف میں عورتوں کو کام سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے رسول کریم صلعم نے عورتوں سے فرمایا کہ تمہیں اجازت ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لیے اپنے گھروں سے باہر جاؤ[4]۔

فقہائے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ چند گنے چنے اسباب کے سوا عورت کو اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنے کا حق نہیں ان اسباب میں سے ایک یہ کہ وہ ایسے مکان میں ہو جس کے گرنے کا خطرہ ہو۔

[1] بخاری
[2] الموطا
[3] الاحزاب ۳۳: ۳۳
[4] بخاری کتاب الوضوباب وبکتاب النکاح

Marfat.com

ایک یہ کوئی مسئلہ پیش آجائے اور خاوند فقیہ نہ ہو۔ تو وہ بلا اجازت علمی مجالس کی طرف رخ کر سکتی ہے۔ اسی طرح اس پر حج فرض ہو جائے گا تو اگر کوئی محرم بھی موجود ہو تو شوہر اسے جانے کی اجازت دے سکتا ہے اور اس سے وہ گنہگار نہ ہو گا۔ اسی طرح والدین کی ملاقات ان کی عیادت تعزیت اور محرم رشتے داروں سے ملنے جلنے کے لیے بھی وہ شوہر کی اجازت کی پابند نہیں (فتاوی قاضی خان ج ا ص ۴۴۳)

نقاب اوڑھ کر نکلنا: یایھا النبی قل لازواجک و بنتک و نساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین وکان اللہ غفورًا رحیمًا [۱] اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں ایذا نہ دی جائے۔

جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو سارے جسم کو ڈھانپ لے۔ پنجاب کے دیہاتوں میں بوڑھی عورتوں میں اب تک چادر اوڑھنے کا رواج ہے۔ وہ اس طرح اوڑھتی ہیں کہ بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر لٹکا لیتی ہیں۔ جس کو گھونگٹ کہا جاتا ہے۔ روایات میں آتا ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمان عورتیں جسم اور چہرہ چھپا کر باہر نکلتی تھیں حضرت ابن عباس رضی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خواتین کو حکم دیا ہے کہ جب کسی کام کے لیے گھر سے باہر نکلیں تو اپنی چادروں سے اپنا سر اور منہ چھپا لیں۔ اور صرف ایک آنکھ کھلی رہے۔

ایک بار محمد ابن سیرین رح نے حضرت عبید سلیمانی رح سے اس آیت کی تشریح پوچھی تو انہوں نے زبان سے تشریح کرنے کی بجائے اپنی چادر لی اور اس طرح اوڑھ کر دکھائی کہ سر چہرہ وغیرہ سب کچھ چھپا لیا۔ صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔

علامہ زمخشری کشاف میں اور علامہ عبداللہ بن احمد نسفی مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں۔ عورتیں اپنے اوپر چادر کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں اور اس سے اپنے چہرے اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔

حضرت ابن جریر فرماتے ہیں۔ شریف خواتین لونڈیاں کا سا لباس پہن کر گھروں

---

[۱] الاحزاب ۳۳ : ۵۹

Marfat.com

سے باہر نہ نکلیں کہ ان کا چہرے اور سر کے بال کھلے ہوئے ہوں بلکہ انہیں چاہیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں تاکہ کوئی بدکردار ان کو چھیڑنے کی جرأت نہ کر سکے۔

اظہار زیبائش کی ممانعت: اسلام عورتوں کو اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ بن ٹھن کر گھروں سے باہر نکلیں ارشادِ الٰہی ہے: ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی[1]

پہلی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو۔

دوسری جگہ آتا ہے: ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن[2]

اپنے پاؤں کو اس طرح زمین پر نہ ماریں کہ ان کے چھپے ہوئے زیور معلوم ہو جائیں۔

مرد کی فطرت میں داخل ہے جب وہ کسی عورت کی پازیب کی آواز سنتا ہے تو اس کا جنسی میلان کا جذبہ بھڑک اٹھتا ہے اس وجہ سے اسلام نے عورتوں کو منع کر دیا ہے وہ اس قسم کے زیورات پہن کر نہ نکلیں۔ جو چلنے میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر آواز پیدا کریں۔

خوشبو لگا کر نکلنے کی ممانعت: یہ آیت اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ عورت خوشبو اور عطر وغیرہ لگا کر گھر سے باہر نہ نکلے کیوں کہ خوشبو بھی مرد کی توجہ کو عورت کی طرف کھینچتی ہے ایک حدیث ہے: کل عین زانیۃ والمرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ[3] ہر آنکھ زانیہ ہے اور جو عورت خوشبو لگا کر مجلس پر گزرتی ہے وہ بھی زانیہ ہے۔

نگاہیں نیچی رکھنا: تمام فتنے نظر اندازی سے اٹھتے ہیں اسوجہ سے مرد اور عورت دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کی تعلیم دی ہے چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے۔ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم وقل للمومنٰت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا[4] مومنوں کو کہہ دو اپنی نظریں نیچے رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو عادتاً کھلا رہتا ہے

[1] الاحزاب ۳۳:۳۳ [2] النور ۲۴:۳۰:۳۱

[3] ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۲۸۶ [4] النور ۲۴:۳۰:۳۱

Marfat.com

حضرت علیؓ سے ایک دفعہ رسول کریم صلعم نے فرمایا: یاعلی لا تتبع النظرۃ النظرۃ فان لک الاولی ولیست لک الاخرۃ [1] اے علی ایک بار نظر پڑ جانے کے بعد دوبارہ نہ دیکھو کیوں کہ تمہارے لیے صرف پہلی نظر معاف ہے دوسری نہیں۔ بعض روایات میں آپ نے فرمایا اطرق بصرک (ابن کثیر) نواپنی نگاہ جھکا لے۔ ایک دفعہ فرمایا غضوا ابصارکم واحفظوا فروجکم [2] اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو۔ طبرانی میں ہے رسول کریم صلعم نے فرمایا: لتغضن ابصارکم ولتحفظن فروجکم [3] تم ضرور اپنی نگاہیں نیچی رکھو۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

اوٹ کے پیچھے سے استفادہ کرنا: واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب ذالکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن [4] اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے ان سے مانگو یہ تمہارے دلوں کے لیے اور ان کے دلوں کے لیے بہت پاک ہے اس آیت کا منشا یہ ہے۔ کہ غیر مرد آزادانہ دوسرے گھروں میں نہ جائیں۔

غیر مردوں سے کھرے لہجہ میں بات کرنا: ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا [5] اگر تم تقوی اختیار کرو سو نرم آواز میں بات نہ کرو الیا نہ ہو کہ وہ جس کے دل میں بیماری ہے طمع کرے اور نیکی کی بات کہو۔

عموماً عورتوں کی آواز میں شیرینی اور لگاوٹ ہوتی ہے اس وجہ سے اسلام نے عورتوں کو تعلیم دی ہے کہ اگر کسی ضرورت کے تحت کسی مرد سے کلام کرنا پڑے تو مردانہ انداز کلام اختیار کریں تاکہ وہ غلط امید نہ باندھ لے۔

عام گزرگاہ سے اجتناب کرنا: گزرگاہوں اور صدر راستوں پر عام مردوں کا گزر ہوتا ہے جہاں عورتوں کا چلنا فتنہ کا موجب بن جاتا ہے اس وجہ سے عورتوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ راستہ کے کنارے پر چلیں۔

---

[1] الجواب الکافی صفحہ ۲۰۴
[2] مشکوۃ
[3] الجواب الکافی ص ۲۰۴
[4] ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۲۸۲
[5] الاحزاب ۳۳: ۲۷

Marfat.com

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: استاخرن فانہ لیس لکن ان تحتضن الطریق علیکن بحافات الطریق سلہ عورتیں پیچھے ہو جائیں عورتوں کے لیے یہ ضروری ہے وہ راستہ کے کنارے پر چلیں۔

تخلیہ: اسلام نے ان تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے جن کے راستہ سے شیطان کسی عورت کی پاک دامنی اور عفت پر حملہ کر سکتا ہے ان خطرناک دروازوں میں سے ایک دروازہ مرد کا عورت سے علیحدگی میں ملنا ہے۔

رسول کریم صلعم نے مرد کو عورت سے علیحدگی میں ملنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: لایخلون رجل بامراۃ الاکان ثالثھما الشیطان سلہ کوئی مرد کسی عورت سے تخلیہ میں نہیں ملتا مگر تیسرا شیطان موجود رہتا ہے ایک دفعہ آنحضرت صلعم سے شوہر کے بھائی کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا الحمو الموت سلہ یعنی شوہر کا بھائی موت ہے۔

سفر: عورت کو بعض اوقات سفر حج، والدین کی ملاقات عیادت اور تعزیت اور دیگر ضروری حاجتوں کے لیئے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ اسلام نے فتنوں سے بچنے کے لیے معیت محرم کی شرط لگا دی ارشاد نبوی ہے، لایحل لامرأۃ ان تحج الامع زوج او محرم سلہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ خاوند یا کسی محرم کے بغیر حج کرے (معجم طبرانی) یہاں پردہ اور دوسرے تحفظات کے متعلق۔ وان ہمر و ہملٹن کے تاثرات درج کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔

وان ہمر کہتا ہے:

> پردہ کو اسلام نے ضروری اور عورتوں کو اجنبیوں سے میل جول رکھنے کو جو حرام کر دیا ہے اس کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے کہ عورتوں سے اعتماد کے جذبہ کو فنا کر دیا جائے بلکہ یہ ایک وسیلہ ہے ان کے ناموس کی حفاظت احترام کا اور ذریعہ ہے ان کی رسوائی کی روک تھام کا در حقیقت اسلام کی نظر میں عورت کا جو درجہ و مقام ہے وہ یقیناً قابل رشک ہے سلہ۔

سلہ ۱ ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۲۸۶ — سلہ ۲ مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۹

سلہ ۳ مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ — سلہ ۴ اسلام کا نظام حیات صفحہ ۱۵۰

اسلام کا معاشرتی نظام

Marfat.com

ہملٹن کہتا ہے :

"اسلامی احکام عورت کی شان میں نہایت صریح ہیں جو اس کی عزت افزائی کو برقرار رکھنے اور اس کو بے حرمتی و ایذا رسانی سے محفوظ رکھنے کی طرف خاص توجہ دلاتے ہیں اسلام نے پردہ کے باب میں تنگ نظری سے کام نہیں لیا۔ جیسا کہ بعض مصنفوں کا خیال ہے بلکہ اس سے غیرت و مروت کے اسباب کا لحاظ رکھا ہے[۵۱]۔"

تعزیری قانون : عفت اور عصمت کو محفوظ رکھنے کے لیے ان تمام محرکات اور اسباب کا خاتمہ کرنے کے بعد اگر کوئی عورت اور مرد زنا کے مرتکب ہوتے ہیں تو ان کے لیے سو کوڑے کی سزا مقرر ہے ارشادِ الٰہی ہے: الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ولیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین[۵۲] زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور ان پر مہربانی اللہ کے حکم کی تعمیل سے نہ روکے اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہو۔ اور چاہیئے ہو کہ ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود ہو۔

اگر لونڈیاں زنا کی مرتکب ہوں تو ان کی اس سے **نصف** سزا ہو گی۔ فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب[۵۳] پھر جب وہ نکاح میں لائی جائیں تو اگر بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کے لیے آزاد عورتوں کی سزا سے آدھی سزا ہے۔

حد قذف : قذف کے معنی ہیں کسی پر جھوٹی تہمت لگانا چونکہ اس سے ایک شریف عورت بدنام ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے شریعت نے اس کی بھی سزا مقرر کر دی ہے۔

والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمنین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئک ھم الفاسقون[۵۴] اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے

---

۵۱ ایضاً صفحہ ۱۴۹ — ۵۲ النور آیت ۲

۵۳ النساء ۴ : ۲۵ — ۵۴ النور آیت ۴

لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہ نافرمان ہیں۔

قانونی حقوق

طلاق ازدواجی زندگی میں بعض ایسے مواقع آتے ہیں کہ جب میاں بیوی پرسکون ماحول میں اکٹھی زندگی بسر نہیں کر سکتے اور اکٹھے رہنے سے مختلف قسم کے اخلاقی معاشرتی مفاسد پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں اسلام نے مرد کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ عورت کو طلاق دے دے۔ ارشاد الٰہی ہے: لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ [1] تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو۔

طلاق کے احکام پہلے گزر چکے ہیں اس وجہ سے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اخلاقی حقوق خاوند کا خندہ پیشانی سے پیش آنا شادی کا ایک اہم مقصد تسکین قلب ہے ارشاد الٰہی ہے: وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۔ [2] اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہارے نفسوں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے تسکین پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحم پیدا کیا یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو فکر کرتے ہیں۔

یہ آیت اس بات کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے کہ بیوی کا یہ فرض ہے کہ خاوند جب گھر میں داخل ہو تو اس کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرے محبت بھرے لہجے میں اس کا حال دریافت کرے۔ اس طریقہ سے مرد کی دن بھر کی تھکاوٹ اور پریشانی ایک لحظہ میں غائب ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے بہترین عورت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: التی تسرہ اذا نظر [3] جب خاوند کی نگاہ بیوی پر پڑے تو اس کو

---

[1] البقرہ ۲: ۲۳۶ [2] سورۃ روم ۳۰: ۲۱
[3] مشکوۃ

Marfat.com

خوش کر دے۔

ہٹ دھرمی سے اجتناب: ہٹ دھرمی اور ضد اور بات بات پر آگ بگولا بن جانا رشتہ مودت کو جلا کر رکھ دیتا ہے اس وجہ سے اگر عورتوں کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ وہ خاوند کا خندہ روئی سے خیر مقدم کریں تو اس کے لیے یہ امر اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ وہ ان تمام امور سے اجتناب کریں جو رشتہ مودت کو ختم کرنے کا سبب بن سکتے ہیں بیوی کا اپنے رویہ کو درست رکھنے اور ہٹ دھرمی سے باز رہنے کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے: فالصالحات پس جو نیک روش اختیار کرنے والی عورتیں ہیں۔

صبر اور تحمل سے کام لینا: ازدواجی زندگی میں ایسے مواقع بھی آجاتے ہیں جب کہ خاوند زیادتی پر اتر آتا ہے۔ گو اسلام نے مردوں کو عورتوں پر زیادتی کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ لیکن پھر بھی اگر خاوند کی طرف سے زیادتی اور تشدد ہو تو عورت کے لیے یہ امر لازمی ہے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے۔ صلح اور آشتی کی طرف ہاتھ بڑھائے تاکہ عمر بھر کی ازدواجی رفاقت کا رشتہ ٹوٹ نہ جائے قرآن مجید میں آتا ہے وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ۔ [۲] اور ایک عورت کو اپنے خاوند کی زیادتی یا بے رغبتی کا ڈر ہو۔ تو ان دونوں پہ کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح اچھی چیز ہے۔

زیبائش و آرائش اختیار کرنا: مرد طبعی طور پر بیوی کے زیبائش و آرائش کو پسند کرتا ہے۔ اس وجہ سے بیوی کا یہ فرض ہے کہ زینت اختیار کرے تاکہ اس میں قوت جذب بڑھے اور خاوند اس کی طرف زیادہ مائل ہو۔ عہد نبوی اور عہد صحابہ کرام میں عورتیں اپنے خاوندوں کو خوش رکھنے میں بے حد کوشش کیا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک دن اپنے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے پہنے ہوئے تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھلوں کو دیکھ کر فرمایا عائشہ یہ کیا ہے۔ جواب دیا آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پہنے ہیں۔[۳]

---

[۱] النساء ۴: ۳۴ [۲] النساء ۴: ۱۲۸ [۳] اسوہ صحابہ ج ا صفحہ ۲۵۲

Marfat.com

حضرت خولاء ہر روز اپنے شوہر کے لیے آراستہ پیراستہ ہو جاتی تھیں [۱]۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی بیوی کو زینت کے لباس سے عاری دیکھا تو انہوں نے دریافت کیا کیا عثمان سفر پر گئے ہوئے ہیں [۲]۔

حضرت امام شوکانی نیل الاوطار میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعجب سے دریافت کرنا یہ ظاہر کرتا ہے بیویوں کو اپنے شوہروں کے لیے زیبائش و آرائش اختیار کرنا پسندیدہ ہے۔

شکر گزاری: عورتوں کا اپنے خاوندوں کے احسانات کی شکر گزاری کرنا نہایت ہی اہم فریضہ ہے۔ کیوں کہ شکر گزاری محبت کے جذبے کو ابھارتی ہے اور ناشکر گزاری جذبۂ نفرت کو بھڑکاتی ہے۔ بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلعم نے خطبہ عید میں عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو کیوں کہ میں نے تمہیں دوزخ میں مردوں کی نسبت زیادہ تعداد میں دیکھا ہے۔ ایک عورت بول اٹھی یا رسول اللہ ایسا کیوں ہوا؟ تو آپ نے جواب دیا تکثرن اللعنۃ وتکفرن العشیر۔ تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔

حقوق والدین

حقوق والدین کی اہمیت والدین معاشرہ کی اصل ہیں۔ اگر یہ اصل مضبوط اور صحیح سلامت رہے تو معاشرہ کا درخت سرسبز اور ثمر رہے گا۔ اس وجہ سے ہر مذہب اور ہر قوم میں والدین کی عظمت مسلم ہے۔ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسی قوم ہو جو والدین کی عظمت کی معترف نہ ہو۔ والدین اللہ کی صفت ربوبیت کے مظہر ہوتے ہیں۔

بائیبل میں والدین کے احترام کے باب میں آتا ہے:

تو اپنے والدین کو عزت دے۔ ہر ایک اپنے ماں اور باپ سے ڈرتا ہے [۳]

---

[۱] اسوہ صحابہ ج ۱ صفحہ ۲۵۲ [۲] مسند احمد

[۳] خروج ۲۰ : ۱۲

Marfat.com

جو کوئی ماں باپ پر لعنت کرے وہ مار ڈالا جائے گا[۵۱] اسلام نے والدین کے حقوق کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔"

والدین کا مقام: اسلام نے والدین کو عزت واحترام کے ایک بلند مقام پر کھڑا کیا ہے۔ اتنا بلند مقام کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنے اور شرک سے باز رہنے کا حکم دیا ہے وہاں والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تعلیم دی ہے ارشاد الٰہی ہے: وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا[۵۲] اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ سوائے اللہ کے تم کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا[۵۳] اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے نیکی کرو حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنا چاہتا ہوں پوچھا کیا اللہ تعالیٰ سے اجر چاہتے ہو۔ اور تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے عرض کیا ہاں دونوں زندہ ہیں پس فرمایا جاؤ ان کی خدمت کرو[۵۴]

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا۔ ذلیل ہو گیا وہ شخص ذلیل ہو گیا وہ شخص ذلیل ہو گیا وہ شخص عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون فرمایا جس نے ماں باپ سے ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا[۵۵]۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے[۵۶]۔ ابو امامہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے۔ فرمایا وہ تیری جنت اور تیری دوزخ ہیں[۵۷]

---

۵۱ احبار ۲۰: ۹
۵۲ البقرہ ۲: ۸۳
۵۳ بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳
۵۴ مسلم کتاب البر والصلۃ
۵۵ مشکوۃ المصابیح باب البر والصلۃ صفحہ ۴۱۸
۵۶ ایضاً ۴۱۸
۵۷ ایضاً ۴۱۸

Marfat.com

معاشرتی حقوق - احسان کرنا

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا [1] اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور اسے تکلیف سے جنا اور اس کا حمل میں رکھنا اور دودھ چھڑانا تیس مہینے تک ہے۔ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا [2] اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا [3] اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیکی کا حکم دیا ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا [4] کہہ آؤ میں تم کو پڑھ کر بتاؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا حرام کیا ہے یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے رسول کریم صلعم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کام کون سا ہے آپ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا پوچھا پھر کون سا ہے۔ فرمایا والدین کے ساتھ نیکی کرنا پوچھا اس کے بعد فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔[5]

حضرت عبداللہ بن سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کہ جہاد کی اجازت طلب کی۔ آپ نے پوچھا تمہارے والدین زندہ ہیں اس نے کہا ہاں زندہ ہیں فرمایا جاؤ انہی کی خدمت کا فریضہ جہاد ادا کرو۔[6]

ابوہریرہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے۔ فرمایا تمہاری ماں بولا پھر کون فرمایا تیری ماں بولا پھر کون فرمایا تیری بولا پھر کون فرمایا تیرا باپ۔[7]

---

[1] الاحقاف ۴۶: ۱۵ [2] النساء ۴: ۳۶
[3] عنکبوت ۲۹: ۸ [4] انعام [5] بخاری کتاب الادب باب ووصینا الانسان بوالدیہ [6] مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب بر الوالدین انہما احق بہ [7] مشکوٰۃ المصابیح باب البر والصلۃ صفحہ ۴۱۸

Marfat.com

شکر گزاری: دنیا میں انسان کے سب سے بڑے محسن والدین ہیں۔ بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے خون سے اس کی پرورش کرنا شروع کر دیتی ہے۔ جب بچہ اس دنیا میں سانس لیتا ہے تو چھاتیوں سے دودھ پلا کر اس کو پالتی ہے ذرا تکلیف ہو جائے۔ ساری رات دکھ اور درد سے آنکھوں میں کاٹتی ہے۔ درد یوں محسوس کرتی ہے گویا وہ خود بیمار ہے۔ اپنا آرام اپنی خوشی اپنی امید سب بچے کی خوشیوں پر قربان کر دیتی ہے۔ یہ سب کچھ بے غرض محبت سے کرتی ہے۔ دل کے کسی گوشہ میں بھی حرص اور طمع نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اولاد کا یہ فرض ہے کہ والدین کے شکر گزار بنیں قرآن مجید میں آتا ہے: اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ؎۱ میرا شکر گزار اور اپنے ماں باپ کا بھی۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو تم اپنے باپ سے بیزار مت ہو کیونکہ باپ سے بیزار ہونا ناشکر گزاری ہے۔ ؎۲

والدین کا ادب: قرآن مجید میں آتا ہے: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ؎۳ تو ان کو اُف تک نہ کہہ اور نہ ان کو ڈانٹ ان دونوں سے ادب سے بات کر۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپس کی لڑائی جھگڑے میں ایک دوسرے کو گالی گلوچ دینے سے منع فرمایا کیونکہ ایک آدمی جب دوسرے آدمی کو گالی دے گا تو لازمی طور پر دوسرا شخص جواباً اس کو بھی گالی دے گا تو اس طرح وہ والدین کی توہین اور بے ادبی کے مرتکب ہوں گے۔: عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الکبائر شتم الرجل والدیہ قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل یشتم الرجل والدیہ قال نعم یسب ابا الرجل فیسب اباہ ویسب امہ فیسب امہ ؎۴ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کوئی اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا آدمی اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں کہ کوئی کسی کے باپ کو گالی دے اور وہ اس کے باپ کو گالی دے اور وہ اس کی

؎۱ لقمن ۳۱: ۱۴ ؎۲ صحیح بخاری کتاب الفرائض
؎۳ بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳ ؎۴ مشکوۃ المصابیح باب البر والصلۃ صفحہ ۴۱۸

ماں کو گالی دے تو یہ اس کی ماں کو گالی دے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک دفعہ دو آدمیوں کو دیکھا ایک سے پوچھا یہ دوسرے تمہارے کون ہیں اس نے کہا یہ میرے والد ہیں آپ نے فرمایا دیکھو نہ ان کا نام لینا نہ کبھی ان سے آگے چلنا اور نہ کبھی ان سے پہلے بیٹھنا۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ نے ابن عباسؓ سے پوچھا کیا آپ چاہتے ہیں کہ جہنم سے دور ہیں اور جنت میں داخل ہوں۔ ابن عباس نے کہا کیوں نہیں خدا کی قسم یہی چاہتا ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ نے پوچھا آپ کے والدین زندہ ہیں۔ ابن عباس نے کہا ہاں میری والدہ زندہ ہیں ابن عمرؓ نے فرمایا اگر آپ اُن کے ساتھ نرمی سے بات چیت کریں اور ان کے کھانے پینے کا خیال رکھیں تو آپ ضرور جنت میں جائیں گے۔ بشرطیکہ کبیرہ گناہ سے بچتے رہیں

عاجزی اور انکساری سے پیش آنا: قرآن مجید میں آتا ہے: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ؎۱ اور ان دونوں کے آگے رحم کے ساتھ عاجزی کے بازو جھکا دو

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اطاعت: اولاد پر خلاف شرع بات کے علاوہ ہر امر میں والدین کی فرمانبرداری فرض ہے۔ ارشاد ہے:۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ ؎۲ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ دوسروں کو شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی بات نہ مان تمہیں میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پس میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کرتے تھے۔

رسول کریم صلعم نے والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: کل الذنوب یغفر اللہ منہ ما شاء الا عقوق الوالدین فانہ یعجل لصاحبہ فی الحیاۃ قبل الممات ؎۳ اللہ سب گناہوں کو بخش دیتا ہے سوائے والدین کی نافرمانی

؎۱ بنی اسرائیل ۱۷: ۲۴ ؎۲ عنکبوت ۲۹: ۸

؎۳ مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۸

Marfat.com

کے وہ اس کے مرتکب کو مرنے سے پہلے اس دنیا میں ہی سزا دے دیتا ہے" میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں صحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! فرمایا خدا کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا ہاں جھوٹی بات اور جھوٹی شہادت اور اس کو بار بار دہراتے رہے حتیٰ کہ مجھے خیال ہوا کہ آپ سکوت نہ فرمائیں گے[۱]

حضرت ابوالدرداءؓ انصاری کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے " مجھ کو نو۹ چیزوں کی وصیت کی تھی ۔ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ ٹھہرانا۔ خواہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاؤ جلا دیئے جاؤ فرض نمازیں نہ چھوڑنا۔ جو عمداً نماز چھوڑے گا اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ شراب نہ پینا کہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ والدین کی اطاعت کرنا حتیٰ کہ اگر وہ دنیا چھوڑ دینے کو کہیں تو ان کے لیے دنیا چھوڑ دینا۔[۲]

ایک شخص نے رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ہجرت کی بیعت کرنا چاہتا ہوں اور ماں باپ کو روتا چھوڑ کر آیا ہوں فرمایا واپس جاؤ جس طرح ان کو رلایا ہے اسی طرح ہنساؤ[۳]۔

قرآن مجید میں والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ۔[۴]

جب وہ اس کے ساتھ کام کاج کی عمر کو پہنچا اس نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا اے میرے باپ جو کچھ تجھے حکم دیا جاتا ہے کر تو مجھے اگر اللہ چاہے صبر کرنے والوں میں سے پائیگا۔

یہ کامل فرمانبردار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلامؑ نے رویا دیکھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ باپ نے اپنے بیٹے کو رویا بتائی تو بغیر کسی ہچکچاہٹ اور دلیل بازی کے بیٹے نے اپنی گردن ذبح ہونے کیلئے زمین پر رکھ دی

---

[۱] بخاری کتاب الادب عقوق الوالدین من الکبائر [۲] ادب المفرد باب بِرّ والدیہ مالم یکن معصیۃ [۳] ایضاً [۴] الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۰۲

Marfat.com

صحابہ کا نمونہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے عقد نکاح میں ایک عورت تھی جسے میں بہت پسند کرتا تھا اور میرے والد حضرت عمرؓ اس سے ناخوش تھے انہوں نے مجھے اس کو طلاق دینے کے لیے کہا میں نے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کر دیا تو رسول کریم صلعم نے فرمایا۔ اسے طلاق دے دو۔[۱]

والدین کے اقارب اور دوستوں سے حسن سلوک: اسلام والدین کے اقرباء اور ان کے دوستوں سے نیک سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے اب اس سے توبہ کا کوئی راستہ ہے۔ آپ نے پوچھا تمہاری ماں زندہ ہے انہوں نے کہا نہیں پوچھا خالہ زندہ ہے اس نے کہا ہاں فرمایا تو اس کے ساتھ نیکی کرو۔[۲]

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلعم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ سب سے بڑی نیکی اولاد کا اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک ہے۔[۳]

آئینی حقوق نفقہ والدین پر خرچ کرنا اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا والدین کا پرورش کرنے کا حق ادا کرنا ہے قرآن مجید میں آتا ہے: يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ[۴] تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ کہو جو کچھ بھی اچھے مال سے خرچ کرو وہ ماں باپ کے لیے ہے

حدیث میں آتا ہے: عن عمرو بن العاص انه اتاه رجل فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لی مالا ولدا وان ابی یحتاج الی مالی فقال انت ومالك لابیك ۔[۵] حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے۔ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے

۱ـ ترمذی، ابوداؤد ۲ـ ترمذی کتاب البر والصلۃ

۳ـ مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب فضل صلۃ اصدقاء الاب والام ونحوہما

۴ـ البقرہ ۲: ۲۱۵ ۵ـ مشکوۃ المصابیح البر والصلۃ صفحہ ۴۱۸۔

Marfat.com

پاس مال ہے اور صاحب اولاد بھی ہوں اور میرا باپ میرے مال کی حاجت رکھتا ہے آپ نے فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کی متاع ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے۔ انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک آدمی نے رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ میرے پاس مال ہے اور میرا والد بھی ہے جسے میرے مال کی حاجت ہے فرمایا تو اور تیرا مال تیرے والد کی متاع ہے[۱]۔

والدین کا نفقہ اولاد کے ذمہ ہے اگر اولاد اس بارے میں کوتاہی کرے تو والدین عدالت کے ذریعہ خرچہ لے سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے کے مال سے تعرض کیا تو اس نے حضرت عمرؓ کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ دیا انت ومالک لابیک تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

میراث: قرآن مجید میں آتا ہے: وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اور اس کے ماں باپ کے لیے دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اس کا چھٹا حصّہ ہے جو چھوڑا ہے۔

بیوہ کی حرمت: خاوند کے مرجانے کے بعد بیوہ روئے زمین پر سب سے زیادہ رحم اور حسن سلوک کی مستحق ہوتی ہے۔ مختلف زبانوں میں بیواؤں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا جاتا رہا ہے۔ اسے انسانی حقوق سے محروم رکھا جاتا۔ اسے منحوس سمجھ کر عضو معطل کی طرح سوسائٹی سے باہر پھینک دیا جاتا۔ نہ انہیں کسی دعوت میں مدعو کیا جاتا نہ کسی خوشی کی تقریب پر بلایا جاتا۔ ہندوؤں میں تو اسے شوہر کی لاش کے ساتھ جل مرنے کے لیے مجبور کیا جاتا۔ بعض مذاہب میں دوسری شادی کرنے کی اجازت حاصل نہ تھی۔

اسلام نے بیواؤں کو سوسائٹی میں ایک عزت کے مقام پر کھڑا کیا ہے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کی تعلیم دی ہے۔

نکاح کی اجازت: قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ[۲] اور تم میں سے جو عورتیں بیوہ ہیں ان کے نکاح کرو۔

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح باب النفقات وحق المملوک ج ۳ صفحہ ۱۴۵ [۲] النور ۳۲

Marfat.com

میراث نہ سمجھو: عرب میں کسی آدمی کے مرجانے کے بعد اس کی بیویاں اولاد میں ورثہ کے کے طور پر تقسیم ہوتی تھیں اسلام نے اس رسم کو ختم کرتے ہوئے کہا کہ بیواؤں کو اپنی میراث نہ سمجھو ارشاد الٰہی ہے:۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا ؕ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی (بیوہ) عورتوں کو اپنی میراث بنالو۔

مال ہتھیانے کی کوشش نہ کرو: وَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْھَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ ۲ؕ اور تمہارے لیے یہ بات جائز نہیں کہ تم انہیں تنگ کر کے ان کا وہ مال لے لو جو تم انہیں دے چکے ہو۔

خبر گیری کرنا: حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا دن کو روزہ رکھنے والے اور رات کو نماز کے لیے کھڑا رہنے والے کی مانند ہے ۵۳۔

اخلاقی حقوق۔ دعا قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۵۴ میرے رب تو ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے ہوتے پالا رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۵۵ اے میرے رب مجھے بخش دینا میرے باپ کو اور مومنوں کو بھی جس دن حساب قائم ہوگا ایک مرتبہ نبی صلعم کے ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کوئی ایسی نیکی ہے جو ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ سلوک کر سکوں فرمایا ان کے لیے دعا کرو ان کی مغفرت چاہو ان کے بعد ان کے کیئے ہوئے وعدوں کو پورا کرو ان کے اعزہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ ان کے دوستوں کا احترام کرو ۵۶

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ کسی بندے کے والدین یا ان میں سے ایک مرجاتا ہے اور وہ ان کا فرمانبردار ہوتا ہے پھر وہ ان کے

---

۵۱ النساء ۴ : ۱۹ ۵۲ النساء ۴ : ۱۹

۵۳ صحیح ترمذی ابواب البر والاحسان ۵۴ بنی اسرائیل ۱۷ : ۲۴

۵۵ ابراہیم ۱۴ : ۴۱ ۵۶ ابوداؤد کتاب الادب باب فی البر الوالدین

Marfat.com

لیے دُعا اور استغفار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو سعادت مندوں میں سے لکھتا ہے۔[1]

محبت: اسلام والدین کے ساتھ احسان انکساری اور ادب کے ساتھ پیش آنے کی ہی تعلیم نہیں دیتا۔ بلکہ والدین کے بلند ترین قیام کے پیش نظر اس بات کی بھی تلقین کرتا ہے کہ ان کے ساتھ ظاہراً اچھا سلوک کرنے کے ساتھ دل کی گہرائیوں میں ان کے لیے محبت رکھے حدیث میں ہے: عن ابن عباس ان رسول الله صلّى الله عليه وسلم قال ما من ولد بار ينظر الى والديه نظرة رحمة الا كتب الله له بكل نظرة حجة مبرورة قالوا وان نظر كل يوم مائة مرة قال نعم والله اكبر واطيب[2] حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نیک لڑکا اپنے والدین کو محبت بھری نگاہ سے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر نگاہ کے عوض ایک حج مقبول ثواب لکھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اگرچہ دن میں سو مرتبہ دیکھے فرمایا ہاں خدا بزرگ تر اور پاک تر ہے۔

حقوق اولاد

حقوق والدین تو ہر مذہب نے تسلیم کیے ہیں اور ان کی ادائیگی پر زور دیا ہے۔ لیکن کسی مذہب نے تعلیم نہیں دی کہ والدین پر اولاد کے کیا حقوق ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض قوموں میں اولاد کو قتل کر دینا کوئی جرم خیال نہیں کیا جاتا تھا روما کے قانون میں باپ کو اولاد کو مار ڈالنے کا پورا اختیار تھا[3]۔ عرب میں اولاد کشی کی رسم رائج تھی۔ راجپوتوں میں دختر کشی کی عام رسم تھی۔ اسلام نے جہاں والدین کے حقوق متعین کئے ہیں۔ اور ان کی ادائیگی معاشرہ کے لیے ضروری ہے اسی طرح اولاد کے حقوق مقرر کر دیئے ہیں۔

اسلام میں اولاد کا مقام: اسلام اولاد کو آنکھ کی ٹھنڈک قرار دیتا ہے ارشاد الٰہی ہے: فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا[4] پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر یہ حکم اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت دیا تھا

[1] بیہقی [2] مسلم [3] لیکی کی تاریخ یورپ ج اول ص ۲۲ [4] مریم ۱۹: ۲۶

اولاد کی آرزو: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىٕكَ رَبِّ شَقِیًّا وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا[1]

کہا میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر بالوں کی سفیدی سے شعلے مار رہا ہے اور میرے رب تجھ سے دُعا کر کے محروم نہیں رہا۔ اور میں اپنے بھائی بندوں سے اپنے پیچھے ڈرتا ہوں۔ اور میری عورت بانجھ ہے سو اپنے پاس سے مجھے کوئی وارث عطا فرما۔ جو میرا ورثہ لے اور آلِ یعقوب کا ورثہ لے اور اے میرے رب اسے پسندیدہ بنا۔

معاشرتی حقوق

پرورش کرنا اولاد کی پیدائش کے بعد سب سے اہم فریضہ والدین پر ان کی پرورش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بچہ کی ابتدائی پرورش کے لئے ماں کی چھاتیوں میں دودھ کا انتظام کر دیا ہے تاکہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس قدرتی غذا سے پرورش پائے۔ اللہ تعالیٰ نے دودھ پر پرورش پانے کی مدت دو سال مقرر کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:- وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔[2] اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ اس کے لئے جو دودھ پلانے کے زمانہ کو پورا کرانا چاہتا ہے اور جس کا بچہ ہے اس پر اچھے طور پر ان کا کھانا اور ان کا کپڑا ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامۃ انا وھو ھکذا وضم اصابعہ[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو قیامت کے دن میرا تعلق اس کے ساتھ (انگلیوں کو ملا کر فرمایا) اس طرح ہوگا۔

---

[1] مریم ۴:۶-۶ [2] بقرہ ۲:۲۳۳ [3] مشکوۃ المصابیح باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق صفحہ ۴۲۱

Marfat.com

عن عائشۃ قالت جاءتنی امراۃ ولعھا ابنتان تسئلنی فلم تجد عندی غیر تمرۃ واحدۃ فاعطیتھا ایاھا فقسمتھا بین ابنتیھا ولم تاکل منھا شیئا ثم قامت فخرجت فدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحدثتہ فقال من ابتلی من ھذہ البنات بشئ فاحسن الیھن کن لہ سترا من النار[1]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک عورت میرے پاس کچھ مانگنے آئی اور اسکے ہمراہ اس کی دو بیٹیاں تھیں اس نے میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہ پایا میں نے وہی کھجور اسے دے دی۔ پھر اس نے اسے اپنی بیٹیوں میں تقسیم کر دیا اور اس نے خود کچھ نہ کھایا۔ پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔ اس کے بعد نبی کریم صلعم گھر تشریف لائے اور میں نے آپ کو بتایا تو آپؐ نے فرمایا جو ان بیٹیوں کی پرورش کی آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لئے جہنم کی آگ سے آڑ ہوں گی۔

ابوداؤد میں ہے کہ جس نے تین لڑکیوں کی پرورش اور شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔[2]

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے افضل دینار وہ ہے جس کو آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور جس کو جہاد کی سواری پر صرف کرے اور جس کو اللہ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر صرف کرے۔ اس روایت کے ایک راوی ابوقلابہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ پہلے آپ نے اہل وعیال کا ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ اس شخص سے بڑا اجر کس کو ہو سکتا ہے۔ جو اپنے صغیر السن بچوں پر صرف کرتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ ان کو دوسروں کی ضرورت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ (ترمذی باب ماجاء فی النفقۃ علی الاھل۔

روحانی پرورش (تعلیم وتربیت اور ادب سکھانا)

جسمانی پرورش کے بعد والدین پر سب سے اہم فریضہ اولاد کی روحانی پرورش ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

یَاأَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا قُوا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا

---

[1] مشکوۃ المصابیح باب

[2] ابوداؤد کتاب الادب باب فضل من عال یتیما۔

Marfat.com

وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ[1] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اس کے اوپر فرشتے مقرر ہیں سخت اور طاقتور اللہ جو حکم انہیں دے وہ اسکی نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ حکم ملتا ہے وہی کرتے ہیں۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: ما نحل والد ولدہ من نحل افضل من ادب حسن (ترمذی ابواب البر والاحسان) کسی باپ نے اپنے بیٹے کو حسن ادب سے اچھا عطیہ نہیں دیا دوسری روایت ہے آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے۔

رُوحانی پرورش کے طریقے

اسلام نے اولاد کی روحانی پرورش کے تین طریقے بیان کئے ہیں۔

تعلیم: قرآن مجید میں آتا ہے: قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ[2] کہہ کیا علم والے اور جاہل برابر ہوتے ہیں وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اہل عقل ہیں۔

دوسری جگہ ہے: یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ[3] اللہ ان لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے جو تم میں سے ایمان لاتا ہے اور وہ جنہیں علم دیا گیا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ[4] یقیناً خدا سے علم رکھنے والے بندے ہی ڈرتے ہیں یقیناً اللہ غالب بخشنے والا ہے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے۔

آیات اور حدیث اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ علم روحانی راستوں کو آسان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قریب کا وسیلہ ہے۔ اس وجہ سے بچے کی روحانی پرورش کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کو علم کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔

حضرت امام غزالی کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن آدمی کے ساتھ

---

[1] التحریم ۶۶: ۶ ۔ [2] الزمر: ۹ ۔ [3] المجادلہ ۵۸: ۱۱ ۔ [4] فاطر: ۲۸

Marfat.com

سب سے پہلے جھگڑنے والے اس کے اہل وعیال ہوں گے وہ کہیں گے کہ اے اللہ! تو اس سے ہماری داد لے ہم ناواقف تھے اس نے ہمیں حرام کھلایا اور جو تعلیم و تربیت اس کے ذمہ تھی وہ اس نے ہمیں نہ دی اور ہم جاہل رہ گئے۔

دُعا: وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ [1]

میرے لئے میری اولاد کی اصلاح کر میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں فرمان برداروں میں سے ہوں۔

عبادت کی تلقین نماز کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ یعنی نماز ہر قسم کی بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ لوگو! جب تمہارے بچے سات برس کے ہوں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اگر وہ نماز نہ پڑھیں تو انہیں مارو۔[2]

حضرت شاہ ولی اللہ بچوں کو ادب سکھانے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حجۃ اللہ البالغہ میں کہتے ہیں۔

"چونکہ بچوں کی زندگی میں استقلال نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے والدین کی نگرانی میں زندگی بسر کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ماں باپ کے دلوں میں بے پناہ شفقت اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کیا تاکہ وہ تربیت اولاد کا کام بالطبع انجام دیں اور ہر طرح ان کے نگران حال رہیں وہ ان کی تربیت ایسے طریقے پر کریں جس سے ان کی آئندہ زندگی سنبھل جائے اور وہ ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے جائز اور باعزت طریقے پر کمانا جان سکیں زیور علم سے آراستہ ہوں والدین اپنی اولاد کے بزرگ و محترم ہوتے ہیں اور محسن بھی اور ان کی ظاہری اور معنوی تربیت میں انہوں نے وہ تکالیف برداشت کی ہیں جن کا اندازہ لگانا یقیناً مشکل ہے۔"

عقیقہ کرنا عن سلمان بن عامر الضبی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مع الغلام عقیقۃ فاھریقوا

---

[1] الاحقاف ۴۶:۱۵ [2] ابوداؤد

Marfat.com

عنہ وما او امیطوا عنہ الاذی ؎۱

حضرت سلمان بن عامر ضبی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لڑکے کی ولادت کے ساتھ عقیقہ ہے اس کی طرف سے خون بہاؤ اور بالوں وغیرہ کی گندگی اس سے دور کرو۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولد لہ ولد فاحب ان ینسک عنہ فلینسک عن الغلام شاتین وعن الجاریۃ شاۃً ؎۲ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہو۔ تو میں اس بات کو پسند کرتا ہوں اس کی طرف سے قربانی کی جائے لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا۔

عدل و مساوات اولاد کے درمیان عدل و مساوات قائم رکھنا نہایت ہی ضروری ہے بعض اوقات عدل و انصاف کو قائم نہ رکھنا بچوں کے درمیان دشمنی اور والدین کے ساتھ نفرت اور بغض کا سبب بن جاتا ہے جس سے گھر کا امن تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائلی زندگی کی فضا کو خوشگوار رکھنے کے لئے والدین کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اولاد کے درمیان عدل مساوات قائم رکھیں حدیث میں ہے نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے اپنے ایک لڑکے کو ایک غلام عطیہ میں دیا اور رسول کریم صلعم کو گواہ بننے کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا جیسا تم نے اپنے اس لڑکے کو ایک غلام دیا ہے کیا ویسا ہی اپنے باقی سب لڑکوں کو بھی دیا ہے۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ نہیں آپؐ نے فرمایا تو اس کو واپس لے لو ؎۳

نکاح والدین پہ فرض ہے جب بچہ جوان ہو جائے تو اس کے نکاح کا انتظام کریں رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ من ولد لہ فلیحسن اسمہ و ادبہ واذا بلغ فلیتزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثما فانما اثمہ علی ابیہ۔ جس کے ہاں لڑکا پیدا ہو۔ اسے اس کا اچھا نام رکھنا چاہیئے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی

؎۱ بخاری۔ ؎۲ ابوداؤد۔ ؎۳ ترمذی ابواب الاحکام

Marfat.com

کرنی چاہیئے اگر وہ بالغ ہو اور اس کی شادی نہ کی اور اس نے گناہ کیا تو اس کا گناہ باپ کے سر پر ہی ہے۔

عن عمر بن الخطاب وانس بن مالك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فی التوراة مكتوب من بلغت ابنة اثنتى عشرة سنة ولم تزوجها فاصابت اثما فاثم ذلك عليه۔

حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا:۔ تورات میں لکھا ہے کہ جس کی بیٹی بارہ برس کی ہوئی اور اس نے اس کی شادی نہ کی اور اس نے گناہ کیا تو اس کا گناہ باپ کے سر پر ہی ہے۔

ابوداؤد میں ہے کہ جس نے تین لڑکیوں کی پرورش اور شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا وہ جنت میں داخل ہو گا۔ [۱]

نکاح کرتے وقت لڑکیوں سے اجازت کرنا ضروری ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ لا تنكح الايم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستاذن [۲] بیوہ کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس کا حکم نہ لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کرلی جائے۔

ایک اور حدیث ہے:۔ الايم احق بنفسها من وليها والبكر تستأذن فی نفسها واذنها صماتها۔ [۳]

بیوہ خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حق دار ہے۔ اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔

آئینی حقوق

نسل کی حفاظت: اولاد کا حق استقرار حمل سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ

[۱] ابو داؤد کتاب الادب باب فضل من عال یتیما۔
[۲] بخاری باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر الثیب الا برضاہا۔
[۳] مسلم باب استیذان الثیب بالنطق والبکر بالسکوت۔

Marfat.com

بغیر طبی ضرورت کے اسقاط حمل گناہ ہے۔ اور قتل اولاد کے زمرہ میں آتا ہے۔ بعض لوگ اپنی غربت کے پیش نظر یہ فعل کر گزرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کہتا ہے:۔

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ؏ اور اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی یقیناً نسل کشی بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؏

کہو آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے حرام کیا ہے تم پر واجب ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو ہم تم کو رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو چھپی ہوئی ہوں اور اس جان کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہو قتل نہ کرو سوائے اس کے کہ انصاف چاہتا ہو۔ اس کا تم کو حکم دیتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

حدیث میں آتا ہے: حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں:۔

قال قال رجل یارسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ قال ان تدعوا للہ ندا وھو خلقک قال ثم ای قال ان تقتل ولدک خشیۃ ان یطعم معک ۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے فرمایا:۔ کسی کو خدا کا شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے پوچھا پھر کون سا گناہ ہے فرمایا:۔ اولاد کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔

؎ بنی اسرائیل: ۳۱ ؎ الانعام ۶: ۱۵۲

Marfat.com

لڑکیوں کے قتل کی ممانعت: عرب میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کی ظالمانہ رسم چلی آرہی تھی۔ بعض قبیلے لڑکی کی پیدائش باعث ذلت اور عار سمجھتے تھے۔ اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تو وہ مارے شرم کے باہر نہیں نکلتا تھا۔ وہ یوں سمجھتا تھا کہ کوئی بلائے ناگہانی آگئی ہے۔ اس ذلت اور عار سے بچنے کیلئے وہ لڑکی کو زندہ درگور کر دیتا تھا۔ اس کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے:۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ [1] اور جب ان میں سے ایک کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھرا ہوا ہوتا ہے وہ اس خبر کی برائی کی وجہ سے جو اسے دی جاتی ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کیا اسے ذلت کے لئے رہنے دے یا اسے مٹی میں گاڑ دے سو وہ بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

سنن دارمی کی روایت ہے۔ کہ ایک شخص نے رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم لوگ جاہلیت کے لوگ تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے اولاد کو مار ڈالتے تھے۔ میرے ایک لڑکی تھی جب میں اس کو بلاتا تو وہ دوڑ کر میرے پاس چلی آتی ایک دن میں نے اس کو بلایا وہ خوش خوش میرے پاس چلی آئی۔ اور میرے پیچھے ہو لی۔ میں ایک کنوئیں کے پاس پہنچا جو میرے گھر کے قریب ہی تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں گرا دیا۔ وہ ابا ابا کہہ کر پکارتے لگی یہ اس کی زندگی کی آخری آواز تھی۔

یہ واقعہ سن کر رسول کریم صلعم کے آنسو رواں ہو گئے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس شخص کو ملامت کی کہ تم نے رسول کریم صلعم کو غمگین کر دیا ہے آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو اس پر جو مصیبت پڑی ہے اس کا علاج پوچھنے آیا ہے اور اس سے دوبارہ اس قصہ کو سنا اور اس قدر روئے کہ آنسو بہہ کر ریش مبارک تک آگئے۔ پھر فرمایا۔ جاؤ جاہلیت کے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے۔ اب از سر نو عمل شروع کرو[2]۔ مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا حرام کر دیا ہے اور حق کا ترک کرنا ناحق چیزوں کا لینا منع کر دیا ہے اور تمہارے لئے قیل و قال

---

[1] نحل: ۵۸۔ [2] سنن دارمی۔

Marfat.com

اور کثرت سوال اور اضاعت مال کو ناپسند کیا ہے۔[1]

حق میراث: اسلام نے باپ کی جائیداد میں اولاد کو شریک ٹھہرایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔[2]

اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہو۔

تمام جائیداد کا ہبہ کر دینے کی ممانعت: اسلام نے صرف اولاد کو ترکہ میں ہی حصے دار نہیں ٹھہرایا بلکہ والدین کے لئے یہ امر بھی ناجائز قرار دے دیا کہ وہ ساری جائیداد وفات سے قبل ہبہ کر دیں۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص صاحب ثروت صحابی تھے ان کے صرف ایک ہی لڑکی تھی وہ ایک مرتبہ اتنے شدید بیمار ہوئے کہ بچنے کی امید جاتی رہی رسول کریم صلعم ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس دولت ہے اور میری وارث صرف ایک لڑکی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ دو تہائی مال کی وصیت کر جاؤں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ سعد نے عرض کیا اچھا نصف مال کی وصیت کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ صرف ایک تہائی کی وصیت کر سکتے ہو۔ اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔ اپنے بعد اپنے ورثا کو خوشحال چھوڑ جانا اس امر سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج چھوڑ جاؤ اور وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔[3]

اخلاقی حقوق

اچھا نام رکھنا

بچے کی ولادت کے بعد اس کا نام ایسا رکھا جائے جو اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب کی عکاسی کرتا ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

احب الاسماء الی اللہ عبد اللہ وعبد الرحمان[4] حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بُرا اور کم بخت نام اس شخص کا ہو گا جو ملک الملوک کہلائے گا۔[5]

[1] بخاری۔ [2] النساء ۴:۱۱، ۱۲۔ [3] مسلم باب الوصیۃ بالثلث۔
[4] مشکوٰۃ المصابیح باب الاسامی صفحہ ۴۰۷ [5] مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۰۷۔

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی اچھے نام رکھنے کی فلاسفی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں[1]:
معلوم ہونا چاہیئے کہ شریعت کے اہم اور عظیم ترین مقاصد میں سے ایک یہ مقصد بھی ہے کہ تمام ارتفاقات ضروریہ اور تدابیر معاشیات و اقتصادیات میں بھی ذکر الٰہی شامل کر دیا جائے اور اسے دوچند کر دیا جائے تاکہ یہ امور بھی دعوت اسلام کی زبان بن کر حق کی دعوت دیں، اور نومولود بچے کو عبداللہ اور عبدالرحمٰن سے موسوم کرنا درحقیقت اسے توحید سے آگاہ و باخبر کرنا اور توحید آشنا بنانا ہے نیز اہل عرب اور دیگر ممالک کے باشندے اپنی اولاد کا نام ان لوگوں کے نام سے رکھتے تھے جن کی وہ لوگ عبادت و پرستش کیا کرتے تھے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی مراسم توحید قائم کرنا تھا اس لئے لازم و ضروری ہوا کہ نام رکھنے میں سنت توحید اور طریق توحید ہی کا اعتبار اور لحاظ رکھا جائے۔

حسن سلوک سے پیش آنا: محبت اور حسن سلوک بچے کے کردار اور ذہنی قویٰ کو جلا دیتا ہے۔ اور اخلاق اور نفسیاتی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ اس وجہ سے رسول کریم صلعم نے بچوں سے حسن سلوک اور محبت سے پیش آنے کی تعلیم دی ہے۔ فرماتے ہیں: من لم یرحم صغیرنا ولم یوقّر کبیرنا فلیس منا[2] جو چھوٹے پر رحم نہیں کرتا اور بڑے کی توقیر نہیں کرتا وہ ہم سے نہیں ہے۔

حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے واقعات محفوظ ہیں۔ حضرت فاطمہ جب آپ کی خدمت میں آتیں تو ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اپنے پہلو میں بٹھاتے ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے۔ جب سفر میں جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ سے رخصت ہوتے اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ سے ملتے[3]۔

رسول کریم صلعم کو اپنے نواسوں حضرت حسن حضرت حسین اور اپنی نواسی حضرت امامہ سے جو پیار تھا وہ مسلمانوں کے لئے اولاد سے پیار کرنے میں مشعل راہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ اقرع بن حابس نے رسول کریم صلعم کو حضرت حسنؓ کا بوسہ لیتے دیکھا اور ابن ابی عمر کہتے ہیں کہ حضرت حسن اور حضرت حسین کا بوسہ لیتے دیکھا اور اقرع بن حابس نے کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں میں نے ان میں سے کسی ایک

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ صفحہ ۳۹۱۔ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳۔
[3] یہ تمام واقعات فضائل فاطمہ میں ہیں۔

Marfat.com

کا بھی بوسہ نہیں لیا۔ یہ سن کر آنحضرت صلعم نے فرمایا: جو شخص رحم نہیں کرتا۔ اس پر رحم نہیں کیا جاتا[۱]۔

آپ کی صاحبزادی حضرت زینب کی ایک صغیر السن بچی امامہ تھیں۔ رسول کریم صلعم کو اس سے اتنی محبت تھی کہ کبھی کبھی مسجد میں ساتھ لے آتے اور گود میں لئے ہوئے نماز ادا کرتے تھے ایک مرتبہ امامہ کو کندھے پر بٹھائے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور اس حالت میں نماز پڑھائی۔ جب رکوع میں جاتے تھے تو اتار دیتے تھے اور جب کھڑے ہوتے تو پھر اٹھا لیتے[۲]۔

عفو اور درگزر کرنا: بچے کم علمی اور کم تجربہ اور کم عقل کی وجہ سے شرارتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کو معاف کر دینا چاہیئے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ[۳] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تمہاری بیویوں میں سے اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

بیٹی سے پیار اور محبت: عرب اور بعض دوسری قومیں بیٹی کی ولادت کو عار اور ننگ سمجھتی تھیں۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے بیٹی کے متعلق خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ ان سے محبت اور حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ عربوں کی بیٹیوں سے نفرت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَہٗ وَلَھُمْ مَّا یَشْتَھُوْنَ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ کَظِیْمٌ[۴]

اور اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں وہ پاک ہے اور ان کے لئے ہے جو وہ چاہتے ہیں اور جب ان میں سے ایک کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ غصہ سے بھرا ہوتا ہے۔

چہرے کے سیاہ ہو جانے سے مراد غم اور نفرت کا پیدا ہونا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

---

[۱] ترمذی ابواب البر والاحسان۔ [۲] بخاری باب اذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلوٰۃ [۳] التغابن ۶۴: ۱۴۔ [۴] النحل ۱۶: ۵۷، ۵۸

Marfat.com

حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا: جس کے ہاں بیٹی پیدا ہو پس وہ نہ تو اسے زندہ درگور کرے اور نہ ذلت کی حالت میں رکھے اور نہ بچوں کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا[1]۔

معاشرہ کے بقیہ اجزائے ترکیبی اور ان کے حقوق و فرائض

رشتے داروں کے حقوق

معاشرے کے اور بھی عناصر ترکیبی ہیں۔ جن کے ملنے سے معاشرہ تشکیل ہوتا ہے۔ انسان اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے دوسرے انسانوں خاص طور پر رشتہ داروں کا بہت ہی محتاج ہے۔ یہ احتیاج اس امر کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ ایک دوسرے کے حقوق متعین کئے جائیں۔ پھر ہر ایک ان متعینہ حقوق و فرائض کی نگہداشت کرے۔ حقوق و فرائض کی نگہداشت اور حفاظت ہی معاشرہ کو بنیان مرصوص بناتی ہے۔ اگر ان حقوق کی حفاظت نہ کی جائے تو سوسائٹی انتشار اور ہلاکت کا شکار ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید نے رشتہ داروں کو ذی القربی اور ارحام کے الفاظ سے پکارا ہے۔ قرب کئی لحاظ سے ہوتا ہے۔ نسبت کے لحاظ سے قرب پھر نسبت یا تو والد کے لحاظ سے ہو گی یا ماں کے لحاظ سے پھر قرب مرتبہ کے لحاظ سے بھی ہوتا ہے اور قرب مکان و زمان کے لحاظ سے بھی ہوتا ہے۔ یہاں قرب سے مراد نسبت کے لحاظ سے ہے۔

ارحام رحم کی جمع ہے۔ یعنی عورت کا رحم اور استعارۃً قرابت پر بولا جاتا ہے کیونکہ قریبی ایک ہی رحم سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔

قرآن مجید اور حدیث میں رشتہ داروں کے حقوق و فرائض کی ادائیگی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ[2] قریبی رشتے داروں کو ان کے حقوق ادا کرو وَاٰتِ ذِی الْقُرْبٰى حَقَّهٗ[3] اور قرابت داروں کو ان کے حق ادا کرو: قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى[4] کہہ دیں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا مگر قریبیوں میں باہم محبت وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا[5]

---

[1] ابوداؤد۔ [2] بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶۔ [3] روم ۳۰: ۳۸۔ [4] شوریٰ ۴۲: ۲۳۔ [5] نساء ۴: ۱

Marfat.com

اس خدا سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ اور رشتے داروں کے حقوق کی نگہداشت کرو اللہ تم پر نگہبان ہے۔

اس تاکیدی حکم کے ساتھ قطع رحم کرنے والوں کو فاسق کہا گیا ہے۔ وَمَا يُضِلُّ بِهِ الْفَاسِقِينَ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهِ اَنْ يُّوصَلَ [1] اور سوائے فاسقوں کے کسی کو گمراہ نہیں ٹھہراتا (فاسق وہ ہیں) جو اللہ کے عہد کو اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں۔ اور اسے کاٹتے ہیں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ ملایا جائے۔

وصل رحم اور قطع رحم کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے: الرحم شجنة الرحمن فقال الله من وصلك وصلته ومن قطعك قطعته [2] رحم رحمن سے نکلی ہوئی ایک شاخ ہے اللہ نے فرمایا جو تجھ کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو تجھ کو کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا۔

مسلم میں آتا ہے۔ وہ قوم اللہ کی رحمت سے محروم رہتی ہے جس میں کوئی قاطع رحم ہوتا ہے اور اس کو دنیا ہی میں قطع رحم کی سزا مل جاتی ہے [3]۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی پیدا ہو اس کو صلہ رحم کرنا چاہیئے بعض روایتوں میں ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر میں اضافہ ہو اس کو صلہ رحم کرنا چاہیئے۔

ایک اعرابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسی چیز بتایئے جو مجھ کو جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے فرمایا اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز پڑھو زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحم کرو [4]۔

حضرت جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صلہ رحمی نہ کرے گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا [5]۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی احسان جتانے والا قطع رحم کرنے والا اور شراب کشید کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا [6]

---

[1] بقرہ ۲: ۲۷ [2] بخاری کتاب الادب باب من وصل وصلہ اللہ [3] ادب المفرد۔
[4] ادب المفرد باب صلہ رحم [5] بخاری اثم القاطع [6] نسائی۔ دارمی۔

Marfat.com

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمثیلی پیرائے میں صلہ رحم کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کی پیدائش سے فارغ ہو چکا تو رحم نے اللہ تعالیٰ کا دامن تھام لیا۔ اور کہا یہ اس کا مسکن ہوگا جو تیری گرہ (صلہ رحم کو) کاٹنے سے بچے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک کیا تجھ کو یہ بات پسند نہیں کہ جو تجھ کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا۔ اور جو تجھے کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا۔ رحم نے عرض کیا ہاں! اے پروردگار عالم فرمایا تو یہ تجھ کو دیا گیا یہ بڑا حق ہے۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم لوگ چاہو تو آیت پڑھ لو۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ[1] (محمد ۴۷: ۲۲) (پس اگر تم حاکم بن جاؤ تو قریب ہے کہ زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رحموں کو قطع کرو)۔

معاشرتی حقوق

احسان اسلام رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک اور محبت سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے ارشاد الٰہی ہے:۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ[2] ماں باپ اور رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ[3] اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیتا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ[4] اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں کے ساتھ۔

حدیث شریف میں ہے۔ ابوہریرہ سے روایت ہے:۔ انہوں نے کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور عمر بڑھے[5] تو اس کو چاہیئے کہ اپنے رشتے داروں سے حسن سلوک کرے۔

[1] بخاری کتاب الادب باب من وصل وصلہ اللہ [2] بقرہ ۲: ۸۳۔
[3] نحل ۱۶: ۹ [4] النساء ۴: ۳۶۔ [5] صحیح بخاری کتاب الادب باب۔

Marfat.com

مالی امداد رشتے داروں کی مالی امداد اور دست گیری کرنا بڑی نیکی کا کام ہے۔ جس کو قرآن اور حدیث میں خاص اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی [1] (حقیقی نیکی یہ ہے) کہ مال کی محبت کے باوجود رشتے داروں کو دے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی۔ [2]
بے شک اللہ انصاف حسن سلوک اور رشتے داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

قرابت داروں کو مالی امداد اور دست گیری کرنے کی اہمیت اس تاریخی واقعہ سے ہو سکتی ہے کہ واقعہ افک میں حضرت ابوبکرؓ کے ایک عزیز مسطح بھی شامل تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کی دست گیری کرنا بند کر دی اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ [3] اور تم میں جو لوگ بڑائی اور وسعت مال رکھتے ہیں۔ وہ رشتے داروں اور محتاجوں کو دینے کی قسم نہ کھالیں۔

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ [4] کہہ جو تم خرچ کرو تو وہ ماں باپ رشتہ داروں یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ حضرت حکیم بن حزام رسول کریم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ صدقہ کا آغاز اس شخص سے کرو جو تمہارے عیال میں ہو اور اچھا صدقہ وہ ہے۔ جو فاضل مال سے دیا جائے اور جو شخص سوال سے بچے گا۔ اللہ اسے بچائے گا اور جو شخص مستغنی رہے گا اللہ اسے غنی کر دیگا [5]
حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں۔ ابوطلحہ انصار مدینہ میں کھجور کے باغات کے سلسلہ میں سب سے زیادہ مال دار تھے لیکن ان کو اموال میں سے ایک میٹھا کنواں بہت پسند تھا جو مسجد نبوی کے سامنے تھا۔ رسول کریم صلعم اس کے پاس سے ہو کر گذرتے تو اس کا پانی پیتے جو خوشگوار اور میٹھا ہوتا جب یہ آیت نازل ہوئی۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکو گے جب تک تم اپنی عزیز ترین چیزیں خرچ نہ کرو گے) ابوطلحہ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ تم اپنی پسندیدہ اشیاء

---

[1] بقرہ ۲: ۱۷۷۔ [2] نحل ۱۶: ۹۰ [3] نور ۲۴: ۲۲ [4] البقرہ ۲: ۲۱۵
[5] صحیح بخاری کتاب البر۔

Marfat.com

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور یہ کنواں مجھے بہت ہی محبوب اور عزیز ہے۔ اس لئے اس کو میں بطور صدقہ کے دیتا ہوں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیکی اور ذخیرہ آخرت کا سامان ٹھہرائے گا آپ اس صدقہ کو اللہ کی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں خرچ کریں۔ آپ نے فرمایا آمدنی کا اچھا ذریعہ ہے۔ میں نے تمہاری بات سن لی ہے۔ میری رائے میں یہ بہتر ہے کہ اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو ابو طلحہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میں ایسا ہی کروں گا چنانچہ انہوں نے اپنے رشتے داروں اور بنی عم میں اسے تقسیم کر دیا[1]۔

قرآن مجید میں میراث سے محروم رشتہ داروں کے متعلق یہ حکم ہے۔ اگر وہ میراث کی تقسیم کے وقت حاضر ہوں تو فیاضی سے کام لے کر کنزور رشتے داروں کی مالی اعانت کرنا چاہیئے ارشاد الٰہی ہے۔ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا[2] اور جب میراث کی تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو۔

اس آیت کریمہ میں میت کے وارثوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر میراث کی تقسیم کے وقت نادار اور غریب رشتہ دار حاضر ہوں تو ان کی مالی اعانت کر دینی چاہیئے تاکہ باہم محبت اور الفت بڑھے۔ ان کی غربت اور افلاس دور ہو۔

میراث وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ[3] اور جو بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ تم میں سے ہی ہیں اور رشتہ کے تعلقات والے اللہ کے حکم میں ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو رسول کریم صلعم نے اسلامی معاشرہ کو مستحکم کرنے اور بنیان مرصوص بنانے کیلئے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان اخوت قائم کر دی۔

انصار نے یہاں تک قربانی کر دی کہ گھر بار مال و اسباب نصف نصف مہاجرین

---

[1] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ [2] النساء ۴: ۸ [3] الانفال ۸: ۷۵

Marfat.com

کو دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ وفات کے بعد حصۂ میراث بھی تو اسلام نے اس امر سے روک دیا اور یہ تعلیم دی کہ میراث میں حقیقی وارث رشتہ دار ہی ہیں۔

آج مسلمان گھروں میں رشتہ داروں کو میراث سے محروم رکھنے کے لئے قسم قسم کے حیلے اختیار کئے جاتے ہیں۔ جس سے ایک طرف تو دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے دوسری طرف منافرت تباغض اور عداوت بڑھ جاتی ہے۔

خاندانوں میں قتل کی بے شمار وارداتیں اس وجہ سے ہو رہی ہیں کہ مختلف طریقوں سے ایک دوسرے کے شرعی حق کو غصب کیا جا رہا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضؓ سے کسی نے بیٹی پوتی اور بہن کے حصوں کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا۔ آدھا بیٹی کے لئے اور آدھا بہن کے واسطے اور تم ابن مسعودؓ سے جا کر دریافت کر لو یقین ہے وہ بھی میری طرح جواب دیں گے۔ اس شخص نے ابن مسعودؓ سے جا کر پوچھا اور حضرت ابو موسیٰ کا جواب بھی بتا دیا۔ انہوں نے کہا اگر میں یہ جواب دوں تو میں اس میں وہی حکم لگاؤں گا جو رسول کریم صلعم نے لگایا ہے۔ بیٹی کے واسطے نصف نواسہ کے واسطے چھٹا۔ یہ دو تہائی ہو گئیں اور باقی ایک تہائی بہن کے واسطے۔ پھر ابو موسیٰؓ سے ابن مسعودؓ کا یہ فتویٰ بیان کیا گیا تو انہوں نے کہا جب تک فقیہ ابن مسعود تم میں زندہ ہے۔ مجھ سے بھی کبھی نہ پوچھنا۔ ؎۱

حضرت ابن عباسؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ میراث اہل تک پہنچا دو اور جو باقی ہے وہ زیادہ قریبی مرد کے واسطے ہے۔ ؎۲

اخلاقی حقوق

اصلاح معاشرہ کی اساس لوگوں کے کردار اور اخلاق کی درستی پر ہے۔ جس سوسائٹی کے لوگ اخلاق فاضلہ اور کردار عالیہ کے زیور سے مزین ہوں گے۔ اس سوسائٹی کی عمارت مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہو گی۔ اس وجہ سے رشتہ داروں کے باہمی حقوق و فرائض میں یہ امر بھی شامل ہے کہ ہر ایک رشتہ دار ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کے

؎۱ صحیح بخاری کتاب الفرائض۔ ؎۲ صحیح بخاری کتاب الفرائض۔

Marfat.com

احکام کی پابندی کرنے کی تعلیم و تبلیغ کا فریضہ انجام دے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رسالت کی گراں ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے کر میدان عمل میں اترے تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو یہ حکم دیا کہ وہ پیغام رسالت کو اپنے رشتہ داروں تک پہنچائیں۔ چنانچہ آپ نے دعوت پر مدعو کر کے اور اعلانیہ بھی اپنے رشتہ داروں کو پیغام رسالت پہنچایا۔ اور ان کو خدا کی وحدانیت پر ایمان لانے کے لئے بلایا۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ [۱]

اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا اور اپنے بازو کو اس کے لئے جھکا جو مومنوں میں سے تیری پیروی کرتا ہے۔

بخاری میں ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکارا اے بنی فہر اے بنی عدی اور قریش کے مختلف بطنوں کو پکارتے رہے جب تمام جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ان وادیوں میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو میری بات مان لوگے؟ انہوں نے کہا ہاں! کیونکہ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ فرمایا تو میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔

محبت و مودت

رشتے داروں سے محبت کرنے کا اتنا اہم فریضہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اسلام کی راہ میں جو مصائب جھیلنے پڑے ان کے صلہ میں آپؐ نے اپنی امت سے صرف رشتے داروں سے محبت سے پیش آنے کی خواہش کی۔ ارشاد الٰہی ہے: قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى [۲] کہہ تم سے اس پہ کوئی اجر نہیں مانگتا مگر قریبیوں میں باہم محبت چاہتا ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اہل جنت تین قسم کے لوگ ہیں اول منصف بادشاہ لوگوں کے ساتھ احسان کرنے والا اور بھلائی کی توفیق دیا گیا۔ دوسرا مہربان شفیق اور نرم دل آدمی جو قریبی رشتے داروں اور نیز ہر مسلمان کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے تیسرا عیال دار پارسا جو حرام کاری سے باز رہتا ہے اور محتاجی کے اغیار سے شرم کرتا ہے [۳]۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رشتہ داروں کے ساتھ اس لئے سلوک کرتا ہے کہ وہ بھی اس کے ساتھ اسی رنگ

---

[۱] الشعراء ۲۶: ۲۱۴، ۲۱۵ [۲] شوریٰ ۴۲: ۲۳ [۳] مسلم۔

Marfat.com

میں پیش آئیں تو یہ اعلیٰ درجہ کی صلہ رحمی نہیں کمال درجہ کی صلہ رحمی یہ ہے۔ جب دوسرے رشتہ دار اس سے بدسلوکی سے پیش آئیں تو یہ اس وقت ان سے تعلق جوڑے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرے۔

یتیموں کے حقوق

یتیم معاشرہ کا وہ محتاج اور بے بس فرد ہوتا ہے جس کا باپ کم سنی میں ہی فوت ہو جاتا ہے۔ وہ یتیم فرد سوسائٹی کی مدد اور خدمت کا بہت ہی محتاج ہوتا ہے اسلام نے یتامیٰ کے حقوق متعین کر کے ان کی نگہداشت اور حفاظت کی بہت تاکید کی ہے۔

عربوں میں ہر وقت قتل و غارت کا بازار گرم رہتا تھا۔ اس وجہ سے یتیموں کی کثرت تھی۔ ان کو باپ کی وراثت سے محروم رکھا جاتا اور نہ ان کی پرورش کا سامان ہوتا تھا۔ وہ سوسائٹی میں ذلیل اور حقیر سمجھے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عربوں کی یتامیٰ سے بدسلوکی کو قرآن مجید میں کئی جگہ بیان کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۔ [1] کیا تو نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جو دین کو جھٹلاتا ہے یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

کَلَّا بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ وَتَاْکُلُوْنَ التُّرَاثَ اَکْلًا لَّمًّا وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا [2]

ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی خاطر داری نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے اور میراث کو سب کچھ سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بے حد پیار کرتے ہو۔

معاشرتی حقوق

احسان اسلام نے یتیم کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تعلیم دی ہے۔ اور اس کو اتنی اہمیت دی ہے کہ عبادت الٰہی کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کے حکم کے بعد یہ حکم دیا ہے کہ یتامیٰ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ چنانچہ

---

[1] الماعون ۱۰۷: ۱، ۲ [2] الفجر ۸۹: ۱۷، ۱۸، ۱۹

Marfat.com

ارشادِ الٰہی ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ۔ [1]
اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور قریبیوں یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ بھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مسلمانوں میں سب سے بہتر وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور مسلمانوں کا سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا جائے [2]۔

جو کسی یتیم لڑکی یا یتیم لڑکے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا جو اس کے پاس ہے۔ تو میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے اور آپ نے دونوں انگلیوں کو ملا کر لوگوں کو دکھایا [3]۔

یتیم کو دھکے دینے اور اس کو ڈانٹ ڈپٹ سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔ اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ [4] کیا تو نے اس شخص کی حالت کو نہیں دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ وہ مذہب کی تکذیب کرتا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ [5]
سو یتیم پر سختی نہ کر۔

نفقہ انسانی طبعی ضروریات میں سے سب سے اہم ضرورت پیٹ کی بھوک کو دور کرنا ہے اس طبعی ضرورت کے پیش نظر اسلام دولت مندوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ یتامیٰ کی پرورش کریں تاکہ اس بے کس طبقے کی روٹی کا مسئلہ حل ہو جائے ارشاد الٰہی ہے:۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ

---

[1] النساء ۴: ۳۶ [2] ابن ماجہ [3] ترمذی۔ احمد [4] الماعون ۱۰۷: ۱، ۲۔
[5] الضحیٰ ۹۳: ۹۔

Marfat.com

لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا۔ [1]
اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھانا کھلاتے ہیں ہم نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ يَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ [2] یا بھوک کے دن کھانا کھلانا قریبی یتیم کو۔

قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى (البقرہ ۲: ۲۱۵) کہہ جو کچھ بھی اچھے مال سے خرچ کرو وہ ماں باپ اور قریبیوں اور یتیموں کے لئے ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَنْ اٰوٰى يَتِيْمًا اِلٰى طَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ الْبَتَّةَ اِلَّا اَنْ يَّعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ۔ [3]
جو شخص یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شریک کرے گا خدا اس کے لئے جنت واجب کر دے گا۔ بشرطیکہ وہ کسی ایسے گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو جو قابل معافی نہ ہو۔

صحابہ کا نمونہ:۔ جب یتامیٰ کی پرورش اور ان کو کھانے پر مدعو کرنے کی آیات نازل ہوئیں تو ہر صحابی کا گھر یتیم خانہ بن گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کسی یتیم بچے کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔

کان لا یاکل الطعام والّا وعلی خوانہ یتیم [4]

حضرت عائشہؓ اپنے خاندان اور انصار کی یتیم لڑکیوں کی پرورش اپنے گھر میں لا کر کرتی تھیں [5]۔

ایک مرتبہ ایک یتیم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں ایک شخص پر ایک نخلستان کا دعویٰ کیا مگر اس کا ثبوت نہ پیش کر سکا اس لئے آپ نے مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا۔ وہ یتیم رونے لگا آپؐ کا دل رحم سے پگھل گیا۔ مدعا علیہ سے فرمایا کہ تم یہ نخلستان اس کو دے دو خدا اس کے بدلہ تم کو جنت میں دے گا۔ مگر وہ نہ مانا۔ ایک صحابی حضرت ابوالدحداحؓ

---

[1] الدھر ۷۶: ۹،۸ [2] بلد ۹۰: ۱۴، ۱۵ [3] ترمذی ابواب البر والصلوٰۃ باب فی رحمۃ الیتیم [4] ادب المفرد [5] مؤطا امام مالک و مسند احمد بن حنبل۔

Marfat.com

پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس شخص سے کہا تم اس نخلستان کو میرے نخلستان سے بدل سکتے ہو اور وہ تیار ہو گیا ابوالدحداح نے اس کا نخلستان اپنے نخلستان سے بدل کر یتیم کے حوالے کر دیا [۱]

اصلاح :۔ جس طرح یتیم کی جسمانی پرورش ضروری ہے۔ اسی طرح اس کی روحانی پرورش بھی ضروری ہے۔ اسلام نے یتامیٰ کی اصلاح اور کردار کو سنوارنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ وہ سوسائٹی کا ایک اچھا فرد ثابت ہوں نہ کہ ننگ و عار ارشاد الٰہی ہے :۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ۔ [۲]

اور تجھ سے یتیموں کی نسبت پوچھتے ہیں۔ کہ ان کی اصلاح کرنا اچھا ہے۔

انصاف :۔ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ جو فرد سوسائٹی میں کمزور ہوتا ہے۔ اس کے معاملہ میں انصاف نہیں کیا جاتا۔ انسان کی اس طبعی کمزوری کو دیکھ کر اسلام نے یتامیٰ کے بارہ میں خاص طور پر یہ تاکید کی ہے کہ ان کے بارہ میں انصاف سے کام لیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی کمزوری انصاف کی راہ سے ہٹا دے۔ ارشاد الٰہی ہے :۔

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا۔ [۳]

یہ کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف پر قائم رہو اور جو کچھ بھلائی تم کرو تو اللہ اسے جاننے والا ہے۔

آئینی حقوق

مال کی حفاظت کسی بچے کے والدین فوت ہو جائیں۔ ورثہ میں اس کے حصے میں مال و دولت آ جائے تو یتیم بچے کے اعزاء و اقرباء پر یہ لازم ہے۔ کہ وہ اس کے مال کی حفاظت کریں۔ جب وہ سن بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کی تحویل میں دے دیا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے :۔

---

[۱] استیعاب تذکرہ ابوالدحداح۔ [۲] البقرہ ۲ : ۲۲۰۔
[۳] النساء ۴ : ۱۲۷۔

Marfat.com

اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ[1]

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس طریق سے جو بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰی اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ[2]

اور یتیموں کو ان کا مال دے دو اور اچھی چیز کو بری چیز سے نہ بدلو۔

یتیم کا مال کھانا گناہ ہے:۔ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا۔[3] اور ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے جو شخص یتیم کا مال کھاتا ہے وہ گویا جہنم کی آگ سے پیٹ بھرتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۔[4] جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی کھاتے ہیں اور وہ بھڑکائی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

اگر یتیم کا سرپرست کوئی غریب مفلس شخص ہے تو اسلام اس کو بقدر ضرورت حق الخدمت لینے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن اگر ولی آسودہ حال ہے تو وہ یتیم کے مال سے اس کا معاوضہ ہرگز نہ لے۔

ارشاد الٰہی ہے:۔ وَمَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ[5]

اور جو مفلس ہو تو وہ دستور کے مطابق کھائے۔

وَمَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ[6]

اور جو خوش حال ہے ان کے مال سے پرہیز کرے۔

جب تک یتیم عاقل بالغ نہ ہو جائے اور اس میں مال کی حفاظت کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک مال اس کی تحویل میں نہیں دینا چاہیئے جب وہ عقل و شعور کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کو دے دینا چاہیئے چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے:۔

---

[1] الانعام ۶: ۱۵۲ [2] نساء ۴: ۲ [3] النساء ۴: ۲ [4] نساء ۴: ۱۰
[5] نساء ۴: ۶ [6] نساء ۴

Marfat.com

فَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؎۱
اور کم عقل لوگوں کو تم اپنے مال نہ دے دو جن کو اللہ نے تمہارے لئے سہارا بنایا ہے اور تم انہیں ان کے ذریعے سے کھانے کے لئے دو اور انہیں کپڑا پہناؤ اور انہیں بھلی بات کہتے رہو۔ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ؎۲
اور یتیموں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں تب اگر ان میں عقل کی پختگی پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔

اختلاف اور جھگڑے سے بچنے کے لئے اسلام نے یہ تعلیم دی ہے یتیم کا مال گواہوں کی موجودگی میں واپس کیا جائے۔ ارشاد الٰہی :۔ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ؎۳
پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کر دو تو ان پر گواہ کر لو اور اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

مال غنیمت میں سے یتیموں کا حصہ : اسلام نے صرف انفرادی طور پر ہی یتیموں کی پرورش اور دستگیری کی ترغیب نہیں دی بلکہ قومی بیت المال میں مال غنیمت اور فئے میں سے یتیموں کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے :۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؎۴ اور جان لو کہ جو کوئی چیز تم دشمن سے حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور قریبیوں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے

دوسری جگہ آتا ہے :۔ وَمَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؎۵ جو اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے مال غنیمت دلایا تو وہ اللہ کے لئے اور رسول کے لئے اور قریبیوں کے لئے اور یتیموں

؎۱ نساء ۴ : ۵ ؎۲ نساء ۴ : ۶ ؎۳ نساء ۴ : ۶ ؎۴ الانفال ۸ : ۴۱
؎۵ حشر ۵۹ : ۷ ۔

Marfat.com

کے لئے اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

انصاف نہ کر سکنے پر یتیم لڑکیوں سے شادی کرنے کی ممانعت

جیسا کہ پہلے بیان ذکر ہو چکا ہے کہ عرب میں یتیم ذلیل و مقہور طبقہ خیال کیا جاتا تھا۔ امراء یتیم لڑکیوں سے شادی کر لیتے اور ان سے بد سلوکی سے پیش آتے۔ ان کے ازدواجی حقوق کو پامال کرتے۔ وہ یتیم لڑکیاں امراء کے ہاتھوں میں محض کھلونا بنی رہتیں۔ اسلام آیا تو اس نے یتیموں کو عزت کے مقام پر لا کھڑا کیا۔ امراء کو یہ حکم دیا کہ اگر وہ یتیم لڑکیوں کے بارہ میں انصاف سے کام نہیں لے سکتے تو ان کو صرف ایک ہی شادی کرنی چاہیئے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ [1] اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایسی عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں۔

اخلاقی حقوق

اولاد جیسا برتاؤ

وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَکُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَیْهِمْ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا [2] اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو اگر اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑیں تو ان کے لئے ڈرتے ہوں۔ پس چاہیئے کہ اللہ کا تقویٰ کریں اور چاہیئے کہ سیدھی سادھی بات کریں۔

اس آیت کریمہ میں فطرت انسانی کو اپیل کی ہے۔ کہ جس طرح کوئی شخص مرنے لگے اور اس کی چھوٹی چھوٹی اولاد پیچھے رہ جائے۔ اس کی یہ دلی تمنا ہوتی ہے کہ دوسرے اس کی اولاد پر رحم کریں اور متکفل ہوں۔ اسی طرح ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ یتیموں کے ساتھ اپنے بچوں کی طرح نیک سلوک کریں اور ان کے متکفل بنیں۔

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص

---

[1] النساء ۴:۴ [2] النساء ۴:۹

Marfat.com

یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے اور محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے تو اسے ہر بال کے عوض جس پر اس کا ہاتھ گذرتا ہے نیکیاں ملتی ہیں لہ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلعم سے اپنی سنگ دلی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو۔ اور محتاج کو کھانا کھلایا کرو ؎۔

ہمسایوں کے حقوق

قرآن مجید نے اعزاء و اقرباء کے حقوق و فرائض کی اہمیت کے بعد ہمسایوں کی ذمہ داریوں پر زور دیا ہے۔ کیونکہ ہمسائے ہی ایک دوسرے کے قریب رہنے کی وجہ سے ایک دوسرے کی غمی و خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ ہمسایہ وہ دو آدمی ہیں جو ایک دوسرے کے قریب رہتے ہوں۔

اسلام نے الجار (پڑوسی) میں ہر قسم کے رفقائے کار کو شامل کیا ہے۔ جیسے وہ ہمسفر وہ طالب علم۔ وہ استاد۔ وہ مزدور وغیرہ۔ جیساکہ ارشاد الٰہی ہے۔ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ۔ ؎ اللہ تعالیٰ نے قریبی پڑوسی اور دور والے پڑوسی اور پہلو والے ساتھی کے ساتھ نیکی کا حکم دیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں پڑوسی کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ جو رشتے دار ہو اور پڑوسی بھی ہو۔ دوسرے جو صرف پڑوسی ہو۔ تیسرے رفقائے کار۔

پڑوسی کے حقوق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه ؎ حضرت جبرئیل پڑوسیوں کے متعلق اس تاکید کے ساتھ وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ ان کو وراثت میں حصہ دار بنا دیں گے۔

جس کو یہ پسند ہو کہ خدا اور اس کا رسول اس کو پیار کرے۔ یا جس کو خدا اور اسکے

لہ ترمذی۔ ؎ مسند امام احمد۔ ؎ نساء ۴ : ۳۶۔

؎ بخاری کتاب الادب باب الوصایا بالجار۔

Marfat.com

رسول کی محبت کا دعویٰ ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے پڑوسی کا حق ادا کرے۔

معاشرتی حقوق

پڑوسی کو ایذا نہ دی جائے

معاشرہ کا تانا بانا ایک دوسرے کو تکلیف اور ایذاء دینے سے ہی ٹوٹتا ہے۔ اور باہمی ہمدردی اشتراک عمل۔ تعاون اور موالات سے ہی معاشرہ مضبوط بنیادوں پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے پڑوسیوں کو ہر قسم کی ایذاء دینے سے منع فرمایا۔

حدیث شریف میں ہے۔ ابو شریح روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں خدا کی قسم وہ مومن نہیں خدا کی قسم وہ مومن نہیں کسی صحابی نے پوچھا کون یا رسول اللہ! فرمایا جس کی شر سے اسکے پڑوسی محفوظ نہ ہوں [۱]

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے [۲]۔

ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ فلاں عورت رات بھر نمازیں پڑھتی ہے اور دن کو روزہ رکھتی ہے۔ اور صدقہ بھی کرتی ہے۔ لیکن اپنے پڑوسی کو اپنی زبان سے ایذاء پہنچاتی ہے۔ فرمایا وہ جہنمی ہے۔ کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں عورت صرف نمازیں پڑھتی ہے رمضان کے روزے رکھتی ہے۔ کچھ کپڑے خیرات بھی کر دیتی ہے لیکن کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی فرمایا وہ جنتی ہے [۳]

حسن سلوک

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس وقت تک بندہ مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی یا پڑوسی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے [۴] جو

---

[۱] بخاری کتاب الادب باب اثم من لا یامن جارہ بوائقہ۔ [۲] بخاری باب من کان یومن باللہ والیوم الاخرۃ فلا یوذ جارہ [۳] ادب المفرد باب لا یوذی جارہ [۴] مسلم باب الایمان باب الدلیل علیٰ ان من خصال الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔

Marfat.com

شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے[1]
فرمایا: اللہ کے نزدیک ساتھیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہو۔ اور اللہ کے نزدیک پڑوسیوں میں سب سے بہتر وہ ہے۔ جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہو[2]۔

تحریج کرنا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن بہت سے ایسے پڑوسی ہوں گے جو اپنے پڑوسیوں کا دامن تھامے ہوئے کہیں گے کہ یارب اس نے اپنا دروازہ مجھ پر بند کر رکھا تھا۔ اور روزمرہ کی استعمال کی چیزوں سے روکتا تھا[3]۔

وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود تو شکم سیر ہو۔ اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے[4]۔

جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کر دیا کرو تاکہ پڑوسی کو بھی دے سکو[5]۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجا کروں فرمایا: جس کا دروازہ تمہارے گھر کے قریب ہو[6]۔

مال و عزت و آبرو اور جان کی حفاظت: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نے رسول کریم صلعم سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! خدا کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا حالانکہ اس نے تجھ کو پیدا کیا ہے۔ اس نے عرض کیا پھر کون سا گناہ فرمایا اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر دینا کہ بڑے ہو کر تیرے ساتھ کھائیں گے۔ اس نے عرض کیا پھر کون سا فرمایا پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا[7]۔

ایک مرتبہ پڑوسی کے مال و عزت کی حفاظت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

آپ نے صحابہ کرام سے زنا کے بارہ پوچھا۔ تو انہوں نے جواب دیا وہ حرام ہے اور اللہ اور اس کے رسول نے اس کو حرام کیا ہے فرمایا لیکن اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا دس عورتوں کے ساتھ بدکاری کرنے سے زیادہ سنگین ہے۔ پھر چوری کے بارہ میں سوال کیا۔ صحابہ نے عرض کیا حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے اس کو حرام قرار دیا ہے فرمایا: پڑوسی کے

---

[1] مسلم باب الایمان باب الحث علی اکرام الجار۔ [2] ادب المفرد باب خیر الجیران۔
[3] ادب المفرد باب من اغلق الباب علی الجار۔ [4] ادب المفرد باب من لا یشبع دون جارہ
[5] ادب المفرد باب یکثر ماء المرق فیقسم فی الجیران [6] بخاری باب حق الجوار فی قرب الابواب۔ [7] متفق علیہ۔

Marfat.com

گھر میں چوری کرنا دس گھروں میں چوری کرنے سے زیادہ سنگین ہے [۱]۔

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو قتل کریں گے [۲]۔

آزادی کی حفاظت:۔ ابوداؤد میں روایت ہے۔ کہ مدینہ میں کچھ لوگ شبہ کی بناء پر گرفتار کر لئے گئے۔ ایک صحابی نے عین خطبہ کے دوران اٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے ہمسایہ کو کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ ان کے سوالوں کو سن کر جواب نہ دیا تاکہ کوتوال شہر ان کی گرفتاری کے لئے معقول وجہ رکھتا ہو تو اٹھ کر بیان کرے لیکن جب تیسری مرتبہ اس صحابی نے اپنے سوال کا اعادہ کیا اور کوتوال نے کوئی وجہ بیان نہ کی تو آپ نے حکم صادر فرمایا: خلوا له جيرانه کہ اس کے پڑوسی کو رہا کر دو [۳]۔

بیمار پرسی کرنا:۔ پڑوسی سے حسن معاشرت کیلئے صرف مسلمان ہونا ہی شرط نہیں بلکہ غیر مسلم پڑوسی بھی اسی حسن سلوک اور مواسات کا مستحق ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

بریدہ سے روایت ہے: ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا ہمارے ساتھ چلو کہ ہم اپنے اس یہودی ہمسائے کی عیادت کریں بریدہ نے کہا ہم اس کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا کیا حال ہے۔ تیرا دل کیسا ہے [۴]۔

آئینی حقوق

شفعہ

شفعہ ہمسایہ کا ایک شرعی حق ہے۔ اگر کوئی ہمسایہ اپنی جائیداد فروخت کرنا چاہے تو اس کا یہ فرض ہے کہ پہلے اپنے پڑوسی سے دریافت کرے کہ وہ خریدنا چاہتا ہے یا کہ نہیں۔ اگر وہ خریدنا چاہے تو اس کے ہاتھ فروخت کرے۔ اگر وہ نہ خریدنا چاہے تب وہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے۔ اگر پڑوسی سے بغیر پوچھے کوئی جائیداد کو فروخت کر دے تو پڑوسی کو عدالت کی معرفت فروخت کی ہوئی جائیداد حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ حدیث میں ہے۔

---

[۱] ادب المفرد باب حق الجار۔ [۲] ادب المفرد [۳] ابوداؤد۔
[۴] کتاب الآثار باب الایمان۔

Marfat.com

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمسایہ اپنے شفعہ کا زیادہ مستحق ہے۔ اگر وہ غائب ہو تو شفعہ کے لئے اس کا انتظار کیا جائے۔ مگر یہ شفعہ اس وقت ہو گا جب ان دونوں کا راستہ ایک ہو۔ (بخاری)

حضرت جابر سے روایت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مشترک چیز میں شفعہ کا حکم دیا ہے۔ جب تک اس کی تقسیم نہ ہوئی ہو۔ خواہ مکان ہو۔ خواہ باغ ہو۔ مالک کو یہ جائز نہیں کہ اپنے شریک کو اطلاع دیئے بغیر اسے فروخت کر دے۔ شریک کو اختیار ہے چاہے اس کو لے لے یا چھوڑ دے جب مالک فروخت کر دے اور شریک کو اطلاع نہ دے تو شریک اس کا زیادہ مستحق ہو گا حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ سعد نے اپنا ایک گھر مجھے پیش کیا اور کہا اسے لے لو۔ گو مجھے اس کی زیادہ قیمت ملتی ہے جو تم مجھ کو دیتے ہو لیکن تم اس کے زیادہ مستحق ہو۔ کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ پڑوسی کے ہوتے ہوئے اجنبی آدمی خریدنے کا حق نہیں رکھتا [1]۔

اخلاقی حقوق

دین کی تعلیم تعلیم یافتہ پڑوسیوں کا یہ حق ہے۔ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین کی تعلیم دیں۔ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا، لوگ اپنے پڑوسیوں میں دینی سمجھ پیدا نہیں کرتے ایسا کیوں ہے؟ پھر دوبارہ فرمایا کہ ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں سے دین نہیں سیکھتے؟ اور اس کے بعد حکم دیا کہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً تعلیم دیں حضور کے اس خطبہ کی خبر جب قبیلہ اشعر کے لوگوں کو ہوئی تو آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا ہم دوسرے لوگوں میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں؟ ان کے خیال میں یہ ان پر فرض نہ تھا آپؐ نے فرمایا: ہاں یہ بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔ پھر ان لوگوں نے حضور سے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے ایک سال کی مہلت مانگی [2]۔

---

[1] کتاب الآثار باب الشفعہ [2] راہ عمل از مولانا جلیل احسن ندوی۔

Marfat.com

حاجت مندوں کے حقوق

قرآن مجید نے حاجت مند کو دو لفظوں فقیر اور مسکین سے پکارا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:۔ الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ [1] زکوٰۃ صرف ناداروں اور مسکینوں کے لئے ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فقیر اور مسکین کا فرق صرف اتنا بیان کیا ہے، فقیر وہ ہے جس کے پاس نہ مال ہو نہ وہ کوئی پیشہ جانتا ہو، مسکین وہ ہے جس کے پاس مال یا ہنر تو ہو۔ مگر اس کی ضروریات کے لئے مکتفی نہ ہو۔ اسی پر انہوں نے قرآن مجید کی آیت : واما السفینۃ فکانت لمساکین ۔ [2] کو پیش کیا ہے۔ کیونکہ جن کے پاس کشتی تھی وہ نادار نہ تھے۔

یہ دنیا دار الابتلا ہے۔ یہ روزمرہ کے مشاہدات ہیں کہ لاکھوں پتی آدمی کسی ناگہانی مصیبت کی وجہ سے کوڑیوں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ کوئی صحیح اور تندرست اعضاء والا شخص کسی عضو سے بے کار ہو جاتا ہے۔ کوئی صاحب ہنر آدمی ہے۔ لیکن اس کا ہاتھ اتنا تنگ ہے کہ وہ ہتھیار اور آلات ہی نہیں خرید سکتا۔ ذہین طالب علم ہے۔ والدین تعلیم کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے۔ تعلیم جاری رکھنے کے لئے ان کو مالی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس قسم کے اور بھی معاشرہ میں لوگ ہوتے ہیں جو دوسروں کے سہارے کے محتاج ہوتے ہیں۔ اسلام نے ہر قسم کے محتاج کی ضرورت کو پورا کرنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ تاکہ ضرورت مند طبقہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ اور معاشرہ کی تقویت اور استحکام کا موجب بن سکے۔

---

[1] التوبہ ۹ : ۶۰ [2] الکہف ۱۸ : ۷۹۔

Marfat.com

معاشرتی حقوق

حسن سلوک قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ [1] اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اسی طرح رشتہ داروں یتیموں اور حاجت مندوں کے ساتھ۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ [2] اور مانگنے والے کو مت جھڑک۔ سائل سے مراد ہر وہ ضرورت مند ہے۔ جو کسی مالی مدد کا خواست گار ہوتا ہے۔

مالی امداد:۔ اسلام نے امراء کے مالوں میں ناداراور حاجت مندوں کو حق دار قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ [3] اور ان کے مالوں میں سوالی اور نہ مانگنے والے محتاج کا حق تھا۔

امام راغب کے نزدیک محروم سے مراد وہ شخص ہے جس کا رزق وسیع نہیں جس طرح اوروں کا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ محروم وہ ہے جس کے پاس کچھ نہیں اور جس کی حاجت کا علم نہیں ہوتا کہ اسے کوئی خیرات دے۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ۔ [4]

---

[1] النساء ۴: ۳۶۔ [2] الضحیٰ ۹۳: ۹ [3] الذاریات ۵۱: ۱۹۔
[4] البقرہ ۲: ۱۷۷۔

Marfat.com

بڑی نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مونہوں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو۔ بلکہ بڑا نیک وہ ہے جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت کے لئے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو اور غلام آزاد کرنے میں مال دے۔

قرآن مجید نے حاجت مندوں کو نہ دینے کی ہولناک سزا کا ذکر کیا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا کتنا ضروری ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ لَا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ۔ [1]

اسے پکڑو پھر اسے طوق پہناؤ پھر اسے دوزخ میں داخل کرو پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی ناپ ستر ہاتھ ہے۔ اسے جکڑو وہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔ سو آج اس کے لئے یہاں کوئی دوست نہیں اور نہ دھوؤں کے سوائے کوئی کھانا ہے سوائے خطا کاروں کے اسے کوئی نہیں کھاتا۔

دوسری جگہ حاجت مندوں کے حقوق کو نہ ادا کرنے کو دین کی تکذیب قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ [2]

کیا تو نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جو دین کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی حاجت مند آتا تو آپ صحابہ سے فرماتے کہ تم سفارش کرو تو تمہیں بھی ثواب ملے گا [3]۔

---

[1] الحاقہ ۶۹: ۳۰-۳۷ [2] ۱۰۷: ۱-۳ [3] بخاری کتاب الادب باب تعاون المؤمنین و باب قول اللہ من یشفع شفاعۃ حسنۃ)

Marfat.com

ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کچھ اور نہ ہو سکے تو بے کس حاجت مند کی مدد ہی کیا کرو۔ [۱]
جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو خدا اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا اور جو کسی مسلمان کی کسی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو اس سے دور فرمائے گا [۲]۔

صحابہ کا نمونہ:۔ صحابہ کرام نے اسلام کی اس تعلیم کے پیش نظر ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے جائیدادیں وقف کر دی تھی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنا ایک عمدہ مال رسول کریم صلعم کے زمانہ میں خیرات کر دیا تھا وہ ایک باغ تھا جس کا نام ثمغ تھا۔ حضرت عمرؓ نے رسول کریم صلعم سے عرض کیا میرا ایک مال ہے اور وہ مجھے بہت عزیز ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے خیرات کر دوں آپؐ نے فرمایا تم باغ اس شرط پر خیرات کر دو کہ اس کے درخت نہ بیچے جائیں اور نہ ہبہ کیے جائیں۔ نہ ان میں وراثت جاری ہو۔ بلکہ پھل کام میں لائے جائیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس شرط پر اس باغ کو خیرات کر دیا۔ ان کا یہ صدقہ اللہ کی راہ میں غلاموں اور مسکینوں مہمانوں اور مسافروں اور قرابت داروں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اور یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ جو شخص اس کا متولی ہو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ دستور کے مطابق خود بھی کھا لے یا اپنے کسی دوست کو بھی کھلا دے بشرطیکہ وہ اس سے مال جمع کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ [۳]

صدقہ دینے والوں کے لئے اخلاقی احکام:۔ صدقہ دینے والوں کو یہ حکم دیا کہ وہ صدقہ لینے والے پر نہ احسان جتائیں اور نہ کسی اور طریقے سے ایذا پہنچائیں ارشاد الٰہی ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى ۔ [۴] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کو جتا کر اور ستا کر باطل نہ کرو۔

اگر حاجت مند سوال کرتے وقت اصرار سے کام لے تو اس کو نرمی اور محبت سے جواب دینا چاہیئے اور صبر کی تلقین کرنی چاہیئے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ

---

[۱] بخاری باب کل معروف صدقہ [۲] صحیحین - [۳] صحیح بخاری کتاب الوصایا [۴] البقرہ ۲: ۲۶۴

Marfat.com

أَذًى وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ؕ [1] نیک بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ پہنچایا جائے اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے۔

حدیث میں آتا ہے: کہ انصار کے چند آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مانگنے آئے تو آپ نے ان کو دے دیا۔ پھر مانگا آپ نے پھر دے دیا حتیٰ کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ ختم ہو گیا تو آپ نے فرمایا میرے پاس جتنا مال بھی ہو اس کو تم سے بچا کر جمع رکھنے والا نہیں ہوں۔ لیکن جو شخص مانگنے سے بچا رہے گا خدا اسے محتاجی سے بچائے رکھے گا۔ اور جو صبر کرے گا خدا اسے صبر کی توفیق دے گا اور کوئی شخص صبر سے بہتر اور فراخ چیز نہیں دیا گیا [2]۔

اسلام کی تعلیم ہر پہلو سے جامع اور اکمل ہے۔ اسلام نے جہاں حاجت مندوں کی دست گیری کی تعلیم دی ہے وہاں مفت خوری کے لئے سوال کی بڑی مذمت کی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تمہارے لئے لکڑی کا بوجھ اٹھا کر کمانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ بھیک مانگے اور دینے والے کو اختیار ہے کہ وہ دے یا نہ دے [3]۔

ایک دفعہ ایک ضرورت مند صحابی نے آپ سے سوال کیا، آپ نے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے اس نے جواب دیا ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ ہے۔ آپ نے اس کو منگا کر نیلام فرمایا اور اس کی قیمت سے کلہاڑی خرید کر اس کو دی اور فرمایا۔ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرو ان کی محنت میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ ان کی حالت اتنی اچھی ہو گئی کہ پھر ان کو کسی سے مانگنے کی ضرورت ہی نہ رہی [4]۔

آئینی حقوق

اسلام نے حاجت مندوں کے لئے زکوٰۃ سے شرعی حق مقرر کر دیا ہے۔ اور حکومت پر یہ فرض عائد کیا ہے۔ کہ وہ مال زکوٰۃ سے ان کی حاجت براری کرے ارشاد الٰہی ہے:

---

[1] البقرہ ۲: ۲۶۳ [2] صحیحین [3] بخاری باب کراہیۃ المسئلۃ
[4] ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ۔

Marfat.com

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ [1] زکوٰۃ صرف نادار اور مسکینوں کے لئے ہے۔

مہمان و میزبان کے حقوق و فرائض

مہمان کے حقوق

معاشرتی حقوق

تکریم کسی مذہب نے بھی مہمان نوازی کی تعلیم نہیں دی۔ لیکن زمانہ جاہلیت میں مہمان نوازی کو وجہ تکریم سمجھا جاتا تھا۔ اور اسلام نے مہمان نوازی کی اہمیت کو اور بھی بڑھایا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ اسلام اور لوط علیہ اسلام کے ذکر میں ان کی مہمان نوازی کا ذکر کیا ہے۔ جس سے تکریم ضیف کا سبق ملتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: هَلْ أَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ فَرَاغَ إِلٰى أَهْلِهٖ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ فَقَرَّبَهٗ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُوْنَ [2]

کیا تیرے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی؟ جب اس پر داخل ہوئے کہا سلام اس نے کہا سلام۔ یہ اجنبی لوگ تھے۔ پس وہ اپنے گھر کی طرف چپکے سے گیا اور ایک موٹا بچھڑا لایا سو اسنے ان کے نزدیک کیا کہا کیا تم کھاتے نہیں۔

ان آیات سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں ۱۔ مہمان اور میزبان کے درمیان کلام کی ابتداء سلام سے ہونی چاہیئے۔ اس سے دونوں کی دلی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔

۲۔ جب مہمان آجائے تو اس کے کھانے کا بندوبست فوراً کرنا چاہیئے۔ اور اس سے یہ دریافت نہیں کرنا چاہیئے کہ آیا وہ کھانا کھائے گا یا کہ نہیں۔ ممکن ہے۔ کہ مہمان

---

[1] التوبہ: ۹: ۶۰۔ [2] ذاریات ۵۱: ۲۴-۲۷۔

Marfat.com

ایسے وقت میں آجائے جب گھر والے کھانا کھا چکے ہوں۔ تو مہمان سے کھانا کھانے کے متعلق دریافت کیا جائے تو وہ شرم وحیا سے کھانا کھانے سے انکار کر دے۔ اور بھوکا رہے۔

۳۔ مہمان کے سامنے عمدہ اور بافراغت کھانا رکھنا چاہیئے جیسا کہ بعجل سمین (موٹا بچھڑا) سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جب مہمان آئے تو لوط کی قوم نے ان کی اہانت کرنا چاہی۔ لیکن حضرت لوط علیہ السلام نے مہمانوں کی طرف سے دفاع کیا اور ان کو اہانت اور ذلت سے بچایا۔ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ ضَيْفِىْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ۔ [1] لوط نے کہا یہ میرے مہمان ہیں تو تم مجھے رسوا نہ کرو اور اللہ کا تقویٰ کرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔

حدیث شریف میں آتا ہے:۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ اور جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے قرابت کے تعلقات کو جوڑے رکھے[2]

ضیافت:۔ حدیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کا جائزہ عزت کے ساتھ دے۔ کہا گیا یا رسول اللہ اس کا جائزہ کیا ہے۔ تو فرمایا:۔ ایک دن ایک رات اور مہمانی تین دن کی ہے۔ اس کے آگے مہمان پر صدقہ ہوگا[3]

اخلاقی حقوق

متابعت: مہمان کو رخصت کرتے وقت اس کے ساتھ تکریم وتعظیم کے لئے کچھ فاصلہ تک چلنا چاہیئے رسول کریم صلعم نے فرمایا:۔ من السنۃ ان یخرج

---

[1] الحجر ۱۵: ۶۸، ۶۹۔ [2] بخاری کتاب الادب باب اکرام الضیف وخدمتہ بنفسہ وقولہ تعالیٰ ضیف ابراھیم المکرمین۔

[3] بخاری کتاب الادب باب من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ۔

Marfat.com

الرجل مع ضیفه الی باب الدار ۔ [1]

یہ بات سنت سے ہے کہ آدمی اپنے مہمان کے ساتھ اس کی تکریم کے لئے گھر کے دروازے تک جائے۔

ایثار:۔ معاشرہ کو مستحکم کرنے کے لئے اپنی ضرورت اور حاجت پر دوسروں کی حاجت اور ضرورت کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ اس سے محبت بڑھتی ہے بغض اور عناد دور ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ [2]

اور وہ جو ان سے پہلے ہجرت کے گھر میں رہتے اور ایمان رکھتے تھے۔ وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ جو ہجرت کر کے ان کی طرف آتا ہے اور اپنے سینوں میں اس کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو انہیں دیا جاتا ہے اور وہ اپنے آپ پر انہیں مقدم رکھتے ہیں گو انہیں تنگی ہی ہو۔ جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے تو وہی کامیاب ہوں گے۔

اس آیت کریمہ میں انصار کے ایثار کا ذکر کیا ہے کہ جب مسلمان تہی دست مدینہ آئے تو انصار نے اپنے مالوں اور مکانوں میں سے حصہ دے دیا۔

اس آیت کی تفسیر میں بخاری میں اس شخص کا واقعہ بیان کیا ہے جس کے سپرد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہمان کیا۔ اس کے گھر سوائے بچوں کے کھانے کے اور کچھ نہ تھا۔ تو میاں بیوی نے بچوں کو تو بھوکا سلا دیا اور چراغ بجھا کر جو کچھ تھا وہ مہمان کو کھلا دیا اور خود بھوکے رہے۔

میزبان کے حقوق

اسلام نے مہمان کے حقوق بیان کرنے کے ساتھ میزبان کے حقوق بھی بیان کئے ہیں۔ جو مہمان کو ادا کرنے چاہئیں۔

---

[1] ابن ماجہ بیہقی [2] الحشر ۵۹:۹۔

Marfat.com

معاشرتی حقوق

بغیر اجازت گھر میں داخل نہ ہونا

قرآن مجید میں آتا ہے: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَھْلِھَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ[1] اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوائے دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو ان کے رہنے والوں پر سلام نہ کر لو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کر لو۔

اس آیت کریمہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ گھروں میں بغیر اجازت کے اور اسلام علیکم کہنے کے داخل نہیں ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ انسان ہر وقت اس حالت میں نہیں ہوتا کہ وہ پسند کرتا ہو۔ کہ کوئی اسے دیکھ لے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کے گھر پر جاتے تو دروازہ پر کھڑے ہو کر تین دفعہ سلام کہتے اگر اندر سے جواب ملتا تو اندر تشریف لے جاتے ورنہ واپس تشریف لے آتے۔ مہمان کے ساتھ دوسرا آدمی ہو تو میزبان کو اطلاع کر دینا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ انصار میں ایک شخص تھا جس کو ابو شعیب کہتے تھے۔ اس کا ایک قصاب غلام تھا۔ انصاری نے اپنے غلام سے کہا کہ میرے لیے تھوڑا سا کھانا تیار کر دے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کروں گا اور چار آدمی آپ کے ساتھ اور ہوں گے اور آپ ان کے پانچویں ہوں گے۔ چنانچہ آپ بلائے گئے اور آپ کے ہمراہ چار آدمی اور راستہ میں ایک اور شخص بھی ان کے پیچھے ہو لیا تو رسول کریم صلعم نے انصاری سے فرمایا۔ تو تم نے پانچ آدمیوں کو دعوت دی تھی۔ یہ شخص رستے میں ہمارے ساتھ ہو لیا ہے اگر پسند ہو تو آنے کی اجازت دے دو ورنہ چھوڑ دو۔ اس نے کہا کہ میں نے اس کو اجازت دے دی ہے[2]

کھانا کھانے کے بعد کوئی نہ اُٹھے: اگر کسی دعوت پر چند آدمی اکٹھے ہو جائیں

---

[1] النور ۲۴: ۲۷ [2] بخاری

Marfat.com

تک سب کھانا نہ کھالیں اس وقت تک کوئی آدمی بھی، اگر وہ سیر ہو کر دوسرے آدمیوں سے پہلے دستر خوان سے اٹھ کھڑے ہوں تو دوسرے آدمی شرم سے کھانا چھوڑ دیتے ہیں اور بھوکے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دستر خوان بچھا دیا جائے تو کوئی شخص نہ اٹھے حتیٰ کہ دستر خوان اٹھا نہ لیا جائے اور اپنا ہاتھ کھانے سے نہ اٹھائے تاکہ وقتیکہ اور لوگ سیر ہو کر نہ کھالیں خواہ خود سیر ہی ہو گیا ہو اور اگر پہلے ہاتھ کھینچ لینا چاہتا ہے تو عذر بیان کر دے کیوں کہ بغیر عذر کھانے سے ہاتھ کھینچ لینا ساتھی کو شرمندہ کرتا ہے اور وہ بھی اپنا ہاتھ سکیڑ لیتا ہے اور ممکن ہے کہ اسے کھانے کی ضرورت ہو۔[۱]

کم مدت قیام: حدیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہمان کو کسی کے پاس تین دن سے زیادہ قیام نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اس سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوگی اور اس پر بوجھ پڑے گا۔[۲]

اخلاقی حقوق

دعائے خیر: مہمان اپنے میزبان کے لیے دعائے خیر کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب خانہ کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے حدیث شریف میں آتا ہے۔ رسول کریم صلعم انصار کے ایک گھر والوں سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں کھانا تناول فرمایا جب تشریف لانے لگے تو آپ نے گھر کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا اور وہاں چٹائی پر پانی چھڑکا گیا تو آپ نے اس پر نماز ادا کی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔[۳]

بیمار کے حقوق

انسانی معاشرہ میں بیماریوں کا ایک ایسا طبقہ ہے جو ہماری ہمدردیوں اور

---

[۱] ابن ماجہ [۲] بخاری کتاب الاداب باب اکرام الضیف وخدمتہ ایاہ بنفسہ [۳] بخاری

Marfat.com

خبرگیری کا مستحق ہے اس وجہ سے اسلام نے ان کی عیادت کا حکم دیا ہے عیادت کا صرف یہی مفہوم نہیں ہے کہ مریض کی بیمار پرسی کر جائے۔ بلکہ اس کا حقیقی مفہوم مریض کی دیکھ بھال اور غمخواری۔ اور ہمدردی ہے۔ اسلام نے بیماروں کیلئے بعض شرعی سہولتیں دے دی ہیں۔ حج ساقط ہو جاتا ہے جہاد موقوف ہو جاتا ہے وضو معاف ہو جاتا ہے اگر کھڑا ہونے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی اجازت ہے۔ اگر بیٹھ کر بھی نماز ادا نہیں کر سکتا تو لیٹ کر۔ اگر لیٹ کر بھی نہیں تو اشارہ سے روزہ توڑنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

قران مجید نے ایک کلی اصول مقرر کر دیا ہے

اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے۔

عیادت:۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ بیمار پڑے تو وہ اس کی عیادت کرے[۲]۔

صحابہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلعم نے ہم کو سات باتوں کا حکم دیا جن میں سے ایک بیمار کی عیادت ہے[۳]

فرمایا جب کوئی صبح کو کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور جب وہ شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک فرشتے اس کی بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں[۴]

دُعا۔ جناب رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ جب کوئی کسی کی عیادت کے لیے جائے۔ تو اس کے ہاتھ اور پیشانی پر ہاتھ رکھے۔ اور اس کو تسلی دے اور اس کے شفا پانے کیلئے دُعا کرے[۵]۔

ایک دفعہ رسول کریم صلعم نے عیادت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہ کی۔ وہ کہے گا اے میرے پروردگار! تو تو سارے جہانوں کا پروردگار تھا میں تیری

---

[۱] نور [۲] صحیح بخاری کتاب الجنائز [۳] صحیح بخاری کتاب الجنائز [۴] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز [۵] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز

Marfat.com

عیادت کیونکر کرتا اللہ تعالے فرمائے گا کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا۔ مگر تو نے اس کی عیادت نہ کی اگر کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا ۵ ا‌۔

خادم اور آقا کے فرائض

خادم کے معاشرتی حقوق

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی ہر چیز کے لیے رحمت کا پیغام لے کر آئے۔ اس پیغام نے ظلم و جور کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ دنیا کے ہر ملک میں بعثت نبوی سے قبل خادموں کے ساتھ نہایت ہی وحشیانہ اور بہیمانہ سلوک ہوتا تھا۔ ہر وقت محنت اور کام میں مصروف رکھے جاتے۔ پیٹ بھر کر روٹی نہ دی جاتی۔ تن ڈھانپنے کے لیے چار گرہ کپڑا نہ دیا جاتا۔ ذرا سی غلطی پر مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا۔ سب سے بڑھ کر اگر کوئی ملازمہ عورت ہے تو اس کی آبرو محفوظ نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کو ذریعہ آمدن بنا لیا جاتا اسلام نے خادموں کے حقوق مقرر کئے۔ ان کو پستی سے اٹھا کر مقام عزت پر لا کھڑا کیا۔

حسن سلوک: اسلام نے صرف والدین اور رشتے داروں سے نیک سلوک کرنے کی تعلیم نہیں دی بلکہ ملازموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تعلیم بھی دی ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۵۲ اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قریبیوں کے ساتھ بھی اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی اور دور کے پڑوسی اور پاس والے ساتھی اور مسافر اور ان کے ساتھ جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے اللہ اسے پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا فخر کرنے والا ہے

---

۵۲ النساء ۴: ۳۶ ۵۱ صحیح مسلم باب فضل عیادۃ المریض

حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثلاث من کن فیہ یسّر اللہ حتفہ وادخلہ جنتہ رفق بالضعیف وشفقۃ علی الوالدین واحسان الی المملوک [۱] جس میں تین خصلتیں ہوں خدا اس کی موت آسان کر دیتا ہے اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔ ناتوانوں کے ساتھ نرمی اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اور غلاموں کے ساتھ احسان کرنا۔

حسن الملکۃ یمن وسوء الخلق شوم [۲] غلاموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا برکت کا باعث ہے اور بدخلقی سے پیش آنا بے برکتی کا موجب ہے۔

کھانا کپڑا: اسلام صرف یہی تعلیم نہیں دیتا کہ ملازموں کو کھانا کپڑا دیا جائے بلکہ یہ حکم دیتا ہے کہ آقا جو کھائے وہی ملازم کو کھلائے اور جو پہنے وہی ملازم کو پہنائے

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لونڈی غلام تمہارے بھائی بہن ہیں۔ خدا نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے تو جس کے بھائی بہن کو اللہ تعالیٰ اس کے ماتحت کر دے اس کو چاہیئے کہ جیسا وہ خود کھاتا ہے ویسا ہی ان کو کھلائے اور جیسا خود پہنتا ہے ویسا ہی ان کو پہنائے ان کو ایسے کام پر مجبور نہ کیا جائے جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ اگر کوئی ایسا کام کرنے کے لیے کہا جائے تو آقا خود بھی اس کام میں اس کا ہاتھ بٹائے چنانچہ حضرت ابوذرؓ جو خود کھاتے پہنتے تھے وہی غلام کو کھلاتے پہناتے تھے [۳]۔

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا جب تم لوگوں میں سے کسی کا خادم آپ کے لیے کھانا تیار کر کے لائے کیوں کہ اس نے کھانا پکانے میں آگ کی گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے۔ اس لیے اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانا چاہیئے اگر کھانا کم ہو تب بھی اس کے ہاتھ پر چند لقمے رکھ دینا چاہیئے [۴]

فرمایا: لحی اللہ قوما رغبون عن ارقائھم ان یاکلو امعھم [۵] اور ان لوگوں پر لعنت کرے جو اپنے غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے سے احتراز کرتے ہیں۔

---

[۱] ترمذی [۲] ابوداؤد [۳] بخاری باب قول النبی العبید اخوانکم فاطعموھم مما تاکلون۔ [۴] مسلم کتاب الایمان باب اطعام المملوک مما یاکل۔ [۵] الادب المفرد باب ھل یجلس خادمہ۔

Marfat.com

ملازموں کو مارنے کی ممانعت:- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا لوگو! میں تم کو بتاؤں بدترین آدمی کون ہے وہ جو تنہا کھاتا ہے اپنے نوکر کو تازیانہ لگاتا ہے مگر اس کو کھانے کے لیے کچھ نہیں دیتا۔[۱]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم لونڈی غلاموں کے ساتھ بھلائی کرنے کی ہدایت فرماتے تھے کہ جو تم کھاتے اور پہنتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور اللہ کی مخلوق (ملازم) کو سزا نہ دو۔[۲]

حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کو مارے تو اللہ کو یاد کرے۔[۳]

حضرت ابومسعود سے روایت ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے آواز دی ابومسعود جان لو ابومسعود جان لو پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم صلعم تھے آپ نے فرمایا تم کو اپنے غلام پر قدرت ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ طاقت تم پر رکھتا ہے ابومسعود کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنے کسی غلام کو نہیں مارا۔[۴]

عفو و درگزر:- اسلام نے صرف مارنے اور جھڑکنے ہی سے منع نہیں کیا بلکہ ان سے غلطی سرزد ہو جائے تو درگزر کرنے کی تعلیم دی ہے حدیث شریف میں آتا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی یا رسول اللہ ہم خدمتگاروں کے قصوروں سے کتنی دفعہ درگزر کریں آپ خاموش رہے۔ اس نے پھر اپنی بات کو دہرایا آپ پھر خاموش رہے۔ جب تیسری دفعہ اس نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ہر روز ستر دفعہ درگزر کیا کرو۔[۵]

شادی کی ذمہ داری:- رومن ایمپائر میں غلام قانونی طور پر شادی کا حق دار نہ تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس باب سلیوری) لیکن قرآن میں آتا ہے آقا پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے خدمتگار (مرد یا عورت) کی شادی کرے قرآن مجید میں آتا ہے:-
وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء

---

[۱] مشکوۃ باب النفقات وحق المملوک [۲] ادب المفرد باب اکسوہم مما تلبسون [۳] ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی ادب الخادم [۴] ترمذی ابواب البر والصلۃ باب النہی عن ضرب الخدام وشتمہم [۵] ابوداؤد ترمذی ابواب البر والصلۃ ماجاء فی ادب الخادم

Marfat.com

یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ [1]

اور جو تم میں سے مجرد ہیں۔ ان کے نکاح کردو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو صلاحیت رکھتے ہوں اگر وہ محتاج ہیں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے گا اور اللہ فراخی والا علم والا ہے۔

حضرت امام بیضاوی صاحب فرماتے ہیں: وفیہ دلیل علی وجوب تزویج المولیۃ والمملوک (تفسیر بیضاوی مطبوعہ مصر صفحہ ۲۰۵) یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ غلام اور باندی کا نکاح کرنا واجب ہے۔

انسانی اخوت:۔ اسلام نے روئے زمین کے تمام انسانوں کو اخوت کی سلک میں منسلک کیا ہے سب کی ایک ہی اصل قرار دی ہے ارشادِ الٰہی ہے: یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا۔ [2] اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ کے حقوق کی جس کے ذریعہ تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کی نگہداشت کرو اللہ تم پر نگہبان ہے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں انھم اخوانکم فضلکم اللہ علیھم [3] وہ تمہارے بھائی ہیں جن پر اللہ نے تم کو فضیلت دی ہے۔

ایک اور روایت ہے اخوانکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم [4] غلام تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ نے تمہارے قبضہ میں کر دیا ہے

امامت کا حق:۔ اسلام میں نماز صرف عبادت کا اہم رکن ہے نماز کے متعلق رسول کریم صلعم فرماتے ہیں من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر جس نے نماز

---

[1] نور ۲۴:۳۲ [2] النساء ۴:۱ [3] ابوداؤد باب حق المملوک
[4] ابوداؤد باب حق المملوک والادب المفرد

Marfat.com

...سمجھتے تھے کہ غلام ... سمجھے جانے ... نماز و جمعہ

سے ... حضرت سلمان ... تو قبولیت ... غلام کو امامت کا حق دیا ہے حضرت

... حضرت ... روایت ہے کہ ابو حذیفہ کے غلام ... نماز پڑھاتے

... حضرت ابوبکر، عمر ... ابو سلمہ، زید ... بن ... بھی

شامل ہوتے تھے نماز پڑھتے تھے۔

حضرت عمر نے عبداللہ بن مسعود کو کوفہ کا قاضی بنا کر بھیجا اور عمار بن یاسر کو کوفہ کا امیر اور ... لشکر بنا کر بھیجا تھا۔

غلاموں کی عیادت: اسود بن ابی زید سے روایت ہے کہ جب کوئی وفد حضرت عمر کے پاس آتا تو اس سے دریافت کرتے تھے کہ تمہارے علاقے کا گورنر کیسا ہے؟ وہ کہتے حضرت اچھا آدمی ہے پھر آپ دریافت کرتے کہ غلاموں کی عیادت کرتا ہے یا کہ نہیں وہ کہتے ہاں کرتا ہے اور اس کا دریافت کرتے کہ ضعیفوں اور کمزوروں کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے ان غرباء کو اس کے دروازہ پر بیٹھنے کی اجازت بھی ہے یا کہ نہیں وہ جواب ہاں میں دیتے اگر ان سوالات میں سے کسی ایک سوال کا جواب نفی میں ہوتا تو حضرت عمرؓ اور ان کو معزول کر دیتے تھے۔[3]

آقا کو نصیحت کرنے کا حق: دوسری اقوام عالم میں غلام کو آقا کے سامنے بولنے تک کی اجازت نہیں اسلام نے غلاموں کو فکری اور قولی آزادی بخشی ہے وہ اپنے آقا کے کسی غلط فعل پر نکتہ چینی کر سکتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے: ان العبد اذا نصح لسیدہٖ واحسن عبادۃ اللہ فلہ اجرہٗ مرتین[4] کہ غلام اپنے آقا کو نصیحت کرے اور اللہ کی اچھی طرح عبادت کرے تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔

آئینی حقوق

لونڈیاں اور غلام مال غنیمت میں ویسے ہی حق دار ہیں جیسے احرار قرآن مجید میں ...

---

[1] صحیح بخاری باب ... [2] فتوح البلدان بلاذری

[3] تاریخ الطبری ج ۵ صفحہ ۲۳ [4] ابو داؤد، باب الادب

Marfat.com

غنیمت سے متعلق جتنی آیات آئی ہیں ان میں آزاد اور غلام کی تفریق نہیں کی ۔ اسی بناء پر حضرت عمر ابوبکرؓ و عمرؓ بیت المال سے وظائف تقسیم کرتے وقت آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہ کرتے تھے ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ۔ کان ابی یقسم للحر و للعبید ۔ میرے باپ غلام اور آزاد دونوں کے لیے تقسیم کرتے تھے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے ہر مسلمان کے لیے ہر مہینہ میں دو مد گیہوں اور دو قسط زیتون کے لیے اور دو قسط سرکے کے لیے مقرر کر دیئے ہیں تو ایک شخص نے کہا والعبد یعنی کیا غلام کو بھی اتنا ہی ملے گا آپ نے فرمایا والعبد ہاں غلام کو بھی ۲ؔ۔

حرام کاری پر مجبور نہ کرنا: زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ لونڈیوں سے زنا کراتے اور اس کی اجرت وصول کرتے تھے ۔ اسلام نے لونڈیوں کی عصمت کو محفوظ رکھنے کے لیے اس رسم کو مٹا دیا فرمایا: ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَنْ یُّکْرِھْھُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ مِنْ بَعْدِ اِکْرَاھِھِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۳ؔ اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو تاکہ تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہو اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا تو اللہ ان کے جبر کے بعد بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

شہادت کا حق:۔ رومیوں کے نزدیک غلام کی شہادت کو قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا تھا اسلام نے غلام کی شہادت کو معتبر سمجھا ہے ۔ حضرت انس بن مالک سے غلاموں اور باندیوں کی شہادت کے معنی پوچھا گیا تو فرمایا غلام کی شہادت جائز ہے بشرطیکہ وہ عادل ہو ۴ؔ۔

حافظ امام ابن تیمیہ شہادت عبد کے جواز پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اگر کسی ایک فقیہ نے کہا ہے کہ غلام کی گواہی قابل اعتبار نہیں تو اس سے رسول کریم صلعم پر کوئی الزام نہیں آتا اور نہ اس کا قول اور اللہ رسول کے فرمان کے بالمقابل ہمارے لیے حجت ہو سکتا ہے اسی طرح کی بات کہنا رسول کریم صلعم پر کھلا ہوا بہتان ہے ۔ آپ کی طرف سے ایک حرف

۱ؔ ابوداؤد کتاب الخراج باب فی قسم الفئی ۲ؔ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۶۶

۳ؔ نور ۲۴ : ۳۳ ۴ؔ بخاری شہادۃ الاماء والعبید ۔

Marfat.com

بھی ایسا نہیں آیا جس میں فرمایا گیا ہو کہ غلاموں کی گواہی قابل اعتبار نہیں اس کے برعکس کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ اور میزان عدل سب اس پر دلالت کرتے ہیں کہ غلام کی شہادت ان تمام امور میں معتبر ہونی چاہیئے جن میں حُر کی شہادت قبول ہوتی ہے۔[۵۱]

ملکیت کا حق: اسلام سے قبل غلاموں کو حق ملکیت حاصل نہ تھا اسلام نے ان کے حق ملکیت کو تسلیم کیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ بریرہ حضرت عائشہؓ کی باندی تھیں کسی نے ان کو گوشت ہبہ کیا۔ رسول کریم صلعم گھر تشریف لائے تو دریافت کیا کچھ کھانے کو ہے بولیں گوشت ہے مگر فلاں نے مجھ کو صدقہ دیا ہے آپ نے فرمایا لکِ صدقۃٌ ولنا ھدیۃٌ وہ گوشت تمہارے لیئے تو صدقہ ہے مگر ہمارے لیے ہدیہ ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نوکر بھی اشیاء کے مالک ہوتے ہیں۔

سیادت کا حق: معاشرتی زندگی میں غلاموں کو احرار کے ساتھ پوری مساوات تھی عہد نبوی میں غلاموں کو لشکر کی قیادت سونپی گئی۔ رسول کریم صلعم نے شام کی مہم کی قیادت حضرت اسامہ کے سپرد کی وہ صرف اٹھارہ برس کے نوخیز جوان تھے۔ ان کے والد زید کو موتہ کی لڑائی میں قائد لشکر مقرر کیا گیا تھا۔

امان کا حق | **غلام کا امن دینا:** جنگ میں جس طرح ایک حُر کسی شخص کو امن دے سکتا ہے اور قائد لشکر اس کو معتبر سمجھتا ہے اسی طرح غلام کے قول کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ حضرت عمر ایک سردار کو لکھتے ہیں: ان عبد المسلمین من المسلمین وذمتہ من ذمتھم یجوز امانہ[۵۲] مسلمانوں کا غلام مسلمانوں میں سے ہے اس کا عہد بھی مسلمانوں کے عہد ہی طرح ہے اس کا امن دینا جائز ہے۔

غلام کو خصی کرنے کی ممانعت: بعثت سے قبل دنیا کی مختلف اقوام میں غلام کو خصی کرنے کی رسم چلی آرہی تھی۔ رسول کریم صلعم نے اس بہیمانہ رسم کو ختم کیا۔ فرمایا من خصیٰ عبدہ خصیناہ[۵۳] جو شخص اپنے غلام کو خصی کرے گا ہم بھی

---

۵۱ القیاس فی الشرع الاسلامی صفحہ ۱۲۸ ۵۲ ابو داؤد فی حق المملوک
۵۳ ابو داؤد من قتل عبدہ

اس کو خصی کردیں گے۔

تہمت لگانے کی ممانعت:۔ حدیث شریف میں آتا ہے: من قذف مملوکہ وھو بریٔ مما قال جلد یوم القیٰمۃ الا ان یکون کما قال[1]
جو شخص اپنے کسی غلام پر تہمت لگائے اور وہ اس سے بری ہو اس کو قیامت کے دن کوڑے لگائے جائیں گے مگر یہ کہ ایسا ہی ہو جیسا کہ اس نے کہا ہے تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ آقا پر حد قذف لگائی جائے گی۔

غلام کے لیے حدود و عقوبات: از روئے احکام فقہ غلاموں کے لیے حدود و عقوبات آزاد آدمیوں کی نسبت نصف ہیں جس جرم کی پاداش میں ایک آزاد آدمی کے لیے اسی کوڑے ہیں تو اسی جرم میں عبد کو چالیس کوڑے لگائے جائیں گے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"اگر غلاموں کے لیے انتہائی سزا جو آزاد آدمیوں کے لیے ہے مشروع کردی جائے تو اس سے ظلم کا دروازہ وا ہو جائیگا۔ اسی طرح ایک مالک اپنے غلام کو قتل کردے گا اور بہانہ یہ تراشے گا کہ اس نے زنا کیا تھا۔ اور پھر اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں ہوگی اس بنا پر غلاموں کے حدود کو ایک حد تک کم کردیا ہے کہ ہلاکت پر منتج نہ ہوں[2]

اخلاقی حقوق

تعلیم دینا خدمت گار صرف خدمت کے لیے ہی نہیں ہوتا بلکہ آقا کا یہ فرض ہے کہ اس کی تعلیم کا بھی اہتمام کرے حضرت ابن عباسؓ اپنے غلام حضرت عکرمہ کو قرآن اور حدیث کی تعلیم دیتے تھے اور وہ سبق یاد نہ کرتے تو پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتے تھے[3]

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں تین شخصوں کو دو اجر ملیں گے ایک وہ جو اپنی باندی کو تعلیم دے اور خوب اچھی تعلیم دے اس کو ادب سکھائے اور خوب سکھائے پھر اس

---

[1] بخاری [2] حجۃ البالغہ ج ۲ صفحہ ۱۶۰ [3] دارمی

Marfat.com

کو آزاد کرکے خود اس سے نکاح کرلے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو اہل کتاب تھا پھر اسلام لے آیا تیسرا وہ شخص جو اللہ کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے [۱]

غلام کی دعوت قبول کرنا: حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول کریم صلعم غلاموں کی دعوت قبول کرتے تھے۔ اور ان کے ہاں چلے جاتے تھے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم غلاموں اور باندیوں کی دعوت قبول کرتے تھے اور ان کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ایک درزی غلام کے پاس تشریف لے گئے اس نے ایک پیالہ پیش کیا جس میں کدو تھا۔ آپ نے خوشی سے قبول فرما کر نوش کیا [۲]۔

آقا کے حقوق

معاشرتی حقوق

خدمت گزاری: ۔ ملازم پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کام کاج محنت اور دیانتداری سے انجام دے قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ [۳] حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے باپ سے کہا کہ بہترین آدمی جسے تو ملازم رکھنا چاہتا ہے وہ ہے جو مضبوط بھی ہو، دیانت دار بھی۔

حدیث میں آتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جنت میں داخل ہو کر دیکھے گا کہ اس کا غلام اس سے اوپر کے درجہ میں ہے وہ کہے گا اے اللہ یہ تو میرا خادم ہے جواب ملیگا میں نے اس کو اس کے عمل اور تجھ کو تیرے عمل کا بدلہ دیا ہے [۴]

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ تین آدمیوں کو دوہرا اجر ملیگا۔ ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد صلعم پر بھی ایمان لایا اور دوسرے وہ غلام جو خدا کا حق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے آقاؤں کا بھی اور تیسرے وہ شخص جس کے پاس باندی ہو اور بلحاظ ملک وہ اس سے ہم بستر ہوتا ہو پھر اس نے اچھا ادب سکھایا اور اچھی تعلیم دی پھر اس کو آزاد کرے تو اس سے نکاح کر لیا تو اس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے [۵]

---

[۱] بخاری باب من اسلم من اہل الکتاب [۲] شرح الشفا للشہاب ج ۲ صفحہ ۷۷
[۳] ۲۸ : ۲۶ [۴] مسلم [۵] صحیحین

Marfat.com

حضرت جریر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا جب غلام بھاگ جاتا ہے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں کی جاتی اور انہی سے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو غلام بھاگ جاتا ہے وہ اللہ کے ذمے اور عہد سے خارج ہو جاتا ہے۔ ایک اور روایت میں انہی سے مروی ہے کہ جو غلام اپنے آقاؤں کی خدمت سے منہ پھیر کر بھاگ جاتا ہے جب تک اس کے پاس واپس نہ آجائے وہ کافر رہتا ہے سلہ

خیر خواہی:۔ ملازم پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے آقا کی خیر خواہی سامنے رکھے۔ وہ دیکھے کہ اس سے غلطی سرزد ہو رہی ہے تو نصیحت کر دے حدیث میں آتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا جب غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے اور اچھی طرح خدا کی عبادت کرتا ہے تو اسے دہرا اجر ملے گا سلہ

دوستوں کے حقوق

انسان کا مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے جہاں اور بے شمار سوسائٹی کے افراد سے واسطہ پڑتا ہے وہاں اس کے دوست اور شناسا ہیں۔ جن کے تعاون کی ہر وقت ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے دوستوں کے حقوق و فرائض بھی بیان کر دیئے ہیں۔

معاشرتی حقوق اسلامی معاشرہ کا بنیادی پتھر اخوت اور امداد باہمی ہے اس وجہ سے اسلام نے ہر اس عمل کرنے کی تعلیم دی ہے جو اخوت کو تقویت دے اور ہر عمل سے روکا ہے جو اخوت کو مجروح کرے۔

حسن سلوک:۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ سلہ اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان

سلہ مسلم سلہ ابو داؤد و الادب المفرد باب اذا نصح العبد لسیدہ
سلہ النساء ۴: ۳۶

Marfat.com

کرو اور قریبیوں کے ساتھ بھی اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی اور دور کے پڑوسی اور دوستوں اور مسافر کے ساتھ بھی۔ دوسری جگہ آتا ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا [۱] نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں رشتہ دار اللہ کے حکم میں مومنوں اور مہاجروں کی نسبت ایک دوسرے پر زیادہ حق رکھتے ہیں۔ مگر یہ دوسری بات ہے کہ تم اپنے دوستوں سے اچھا سلوک کرو یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

ظلم سے اجتناب: ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوستوں اور بھائیوں پر ظلم و ستم سے منع کرتے ہوئے فرمایا جس کسی نے اپنے بھائی دوست کی عزت یا کسی اور چیز کے بارے میں ظلم کیا ہو۔ اسے چاہیئے کہ آج اس سے معاف کرالے قبل اس کے کہ اس کے پاس درہم و دینار نہ رہیں اگر اس کا کوئی عمل نیک ہوگا تو اس میں سے بقدر اس کے ظلم کے لیے لیا جائے گا۔ اگر اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں نہ ہوں گی تو اس مظلوم کی بدیاں اس کے ذمہ ڈال دی جائیں گی [۲]۔

ترک ملاقات سے ممانعت: ۔ حدیث میں آتا ہے حضرت ابو ایوب انصاری رضی سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی (دوست) سے کسی ناراضی کی وجہ تین دن سے زیادہ ترک ملاقات کرے دونوں ایک راستہ میں ملیں تو ایک ادھر منہ موڑ کر چلا جائے اور دوسرا ادھر اور دونوں میں بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے [۳]

حضرت ابو خراش سلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلعم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے ایک سال تک اپنے بھائی (دوست) سے ترک ملاقات کی تو گویا اس نے اسے قتل کر ڈالا ہے [۴]

ایثار: قرآن مجید میں آتا ہے: یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [۵]

---

[۱] الاحزاب [۲] صحیح بخاری کتاب المظالم [۳] بخاری و مسلم و مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳
[۴] ابوداؤد [۵] حشر ۵۹:۹

Marfat.com

اور وہ اپنے آپ پر دوستوں کو مقدم رکھتے ہیں گو انہیں تنگی ہو۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلعم نے بنی نضیر کے مال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے اور انصار میں سے صرف تین کو حصہ دیا۔ ایک ابو دجانہ دوسرے سماک بن خرشہ اور تیسرے سہل بن حنیف پھر انصار سے فرمایا۔ تم چاہو تو مہاجرین کو اپنے مالوں اور مکانوں سے حصہ دے دو۔ اور اس غنیمت میں شریک ہو جاؤ اور چاہو تو تمہارے مال تمہارے پاس ہی رہیں اور مال غنیمت میں سے تمہیں کچھ نہ دیا جائے۔ انصار نے عرض کیا کہ آپ ہمارے مال اور ہمارے گھر انہیں تقسیم کر دیجیے اور ہم مال غنیمت میں بھی انہیں ترجیح دیتے ہیں اور اس میں شریک نہیں ہوتے۔ [1]

تعارف: حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا جب ایک شخص دوسرے شخص سے دوستی کرے تو چاہیئے کہ اس کا اور اس کے باپ کا نام پوچھے اور دریافت کرے کہ کن لوگوں میں سے ہے کیونکہ یہ بات دوستی کو زیادہ تقویت دیتی ہے [2]

بدظنی سے ممانعت: بدظنی رشتہ مودت کو توڑ کر رکھ دیتی ہے اس وجہ سے قرآن مجید اور حدیث میں بدظنی کرنے سے روکا ہے عموماً دو دوستوں کے درمیان بدظنی ہی لڑائی کا موجب ہوتی ہے ارشاد الٰہی ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ [3]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو گمان بد کرنے سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث [4] بدگمانی سے بچو اس لیئے بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

سفارش: اسلام کسی صاحب اختیار کے پاس جائز کام کے لیے کسی ضرورت مند کی سفارش کو مستحسن سمجھتا ہے قرآن مجید میں آتا ہے:

وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا [5]

جو کوئی بھلی سفارش کرے اس کو اس سے حصہ ملے گا اور جو کوئی بری بات کی سفارش کرے اس کو اس سے حصہ ملے گا۔

---

[1] بخاری [2] ترمذی [3] الحجرات ۴۹: ۱۲ [4] مشکوٰۃ صفحہ ۴۳
[5] نساء ۴: ۸۵

Marfat.com

مذاق اڑانے سے پرہیز:- عموماً دوستوں کے درمیان لڑائی ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے ہو جاتی ہے۔ دوستی کے رشتہ کو مضبوط رکھنے کے لیئے اسلام نے مذاق اڑانے سے منع کر دیا ہے ارشادِ الٰہی ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ ؎۱ اے لوگو جو ایمان لائے ہو ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔ دوستوں کے بعض حقوق و فرائض عام حقوق سے مشترک ہیں انکا ذکر مسلمانوں کے باہمی حقوق و فرائض کے عنوان کے تحت آئے گا۔

مسلمانوں کے حقوق و فرائض

معاشرتی حقوق

اخوت و وحدت: اسلام سے قبل تمام عرب معاشرہ افتراق و انتشار کا شعار تھا۔ معمولی سی بات پر جنگ چھڑ جاتی تو ایک طویل سلسلہ اختیار کر لیتی پشتہا پشت اس لڑائی کی آگ جلتی رہتی۔ اگر کسی ایک خاندان کا آدمی قتل ہو جاتا تو مقتول کے بیٹے انتقام لینے کے درپے ہو جاتے اگر وہ نہ لے سکتے تو ان کے بیٹے علیٰ ہذا القیاس جب تک بدلا نہ لیا نہ جاتا اس وقت تک ان کے خون میں انتقام کی آگ بھڑکتی رہتی ان لڑائیوں کو مورخین ایام العرب کے نام سے پکارتے ہیں قرآن مجید میں عربوں کی اس حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے ارشادِ الٰہی ہے: وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؎۲ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اسلام آیا اس نے ایک دوسرے کے خون کے پیاسوں کو دینی اخوت کی لڑی میں منسلک کر دیا قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ؎۳ مومن بھائی ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ؎۴

؎۱ الحجرات ۴۹: ۱۱ ؎۲ آل عمران ۳: ۱۰۲ ؎۳ الحجرات ۴۹: ۱۰ ؎۴ الانفال ۸: ۶۳

Marfat.com

اور اس نے ان کے (مومنوں) دلوں میں الفت ڈالی۔ اگر تو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب خرچ کر دیتا تو ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتا لیکن اللہ نے ان میں الفت ڈال دی وہ غالب حکمت والا ہے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ [1] اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ نہ کرو۔

تفرقہ اور انتشار سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ۔ [2] اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو اگر ایسا کرو گے تو تمہاری طاقت سست پڑ جائے گی اور ہوا اکھڑ جائے گی۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۔ [3] اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی باتیں آچکی تھیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ کونوا عباد اللہ اخوانا [4] تم اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی اخوت کو تمثیل کے رنگ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

تری المومنین فی تراحمھم وتوادھم و تعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی لہ سائر جسدہ بالسھر والحمی ۔ [5] مسلمانوں کے ایک دوسرے سے محبت کرنے رحم کرنے شفقت کرنے کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

---

[1] آل عمران ۳: ۱۰۲ [2] الانفال ۸: ۴۶ [3] آل عمران [4] بخاری۔
[5] مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب تراحم المؤمنین۔

Marfat.com

المؤمن للمومن کالبنیان یشد بعضهم بعضاً۔ [1]
ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔

اختلاف اور افتراق کے بدنتائج سے ڈراتے ہوئے رسول کریم صلعم نے فرمایا:۔
انما اھلك من کان قبلکم الاختلاف۔ [2]
اگلے لوگوں کو اختلاف نے ہلاک کیا۔ اسلام کے اس درس اخوت کا اقرار غیر مذاہب کے فاضل علماء نے بھی کیا ہے۔ ہندو فاضل بابو بپن چندرپال لکھتا ہے۔

"اسلام نے اخوت اور برادرانہ روابط پر جس قدر زور دیا۔ اور وہ جس قدر شدومد سے اس پر عمل پیرا ہوا۔ اس کی مثال دنیا کا کوئی مذہب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا رواج موجود نہیں یہ مسلمانوں کی انتہائی ہمدردی اور خدا ترسی ہی تھی جس نے ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کی مذہبی زندگی اور خیالات میں انقلاب عظیم برپا کر دیا۔" [3]
شری راج دید پنڈت گدادھر پرشاد تنر عار ئیس اعظم الٰہ آباد لکھتے ہیں:

"۔ ۔ ۔ اور میں ببانگ دہل اعلان کرتا ہوں کہ میری رائے میں جس مذہب کو اخوت باہمی اخلاق و تہذیب اور دولت اتحاد کی فراوانی کثرت کے ساتھ عطا کی گئی ہے وہ مذاہب کا سردار "اسلام ہے"۔ [4]
مسٹر کے سکا مارن بی۔ اے اچھوتوں کے لیڈر رقم طراز ہیں۔

"میرے خیال میں دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ہم کو بچا سکتا ہے اور اس کی آغوش میں ہم سیاسی، معاشرتی و مذہبی رخصت حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے۔ جس میں اخوت و مساوات اور عملی ہمدردی اس قدر بلند درجہ پر پہنچ گئی ہو۔ جیسی کہ اسلام میں ہے۔" [5]

حقیر نہ جاننا:۔ انسان کے دل میں دوسرے کے خلاف حقارت اور نفرت تکبر سے پیدا

---

[1] مسلم باب تراحم المومنین [2] کنز الحقایق حرف الہمزہ [3] رسالہ نور قادیان۔
[4] رسالہ مولوی رسول نمبر ۱۳۴۸ھ [5] الامان دہلی ۲۳ نومبر ۱۹۳۱ء۔

Marfat.com

ہوتی ہے۔ تکبر ایسا مرض ہے جس سے سوسائٹی کا نظام ہی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس سے طبقاتی جنگ ہوتی ہے۔ جو قوموں اور ملکوں کی تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ تکبر کی وجہ سے شیطان راندہ درگاہ الٰہی ہوا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔ [1] اور لوگوں سے گال نہ پھلاؤ اور نہ زمین میں اکڑتا ہوا چل۔ اللہ کسی خود پسند شیخی خورہ کو پسند نہیں کرتا۔

عیب نہ لگانا اور برے لقب سے نہ پکارنا:

وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ [2] اور اپنے لوگوں کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو ایمان کے بعد برا نام کیا ہی برا ہے۔

حدیث میں آتا ہے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ کسی سفر میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا اور حضرت زینبؓ کے پاس ایک فالتو اونٹ تھا تو حضورؐ نے زینبؓ سے فرمایا کہ صفیہؓ کو اپنا اونٹ دے دو۔ زینبؓ نے کہا کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟ اس پر رسول کریم صلعم کو بہت غصہ آیا اور آپ نے ذی الحجہ محرم اور صفر کے کچھ دنوں تک زینب کو چھوڑ دیا (ابوداؤد)۔

انسان ضعیف ہے۔ اس سے ہر دم لغزشیں ہونے کا امکان ہے اس وجہ سے اسلام مسلمان بھائی کے گناہوں کی تلاش میں لگے رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ یہ حکم دیتا ہے کہ مسلمان بھائی کے گناہوں پر پردہ ڈالا جائے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَجَسَّسُوا [3] اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگے رہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے عیوب تجسس نہ کرو جو شخص ان کی برائیوں کی تلاش میں لگا رہے گا تو اللہ اس کے عیوب کا تجسس کرے گا اور جن کے عیوب کا اللہ تجسس کرے گا اس کو اس کے گھر کے اندر رسوا کرے گا۔ ابوداؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ۔

---

[1] لقمن ۳۱: ۱۸ [2] الحجرات ۴۹: ۱۱ [3] الحجرات ۴۹: ۱۲۔

Marfat.com

غیبت کرنا:- غیبت کے معنی ہیں کسی کی عدم موجودگی میں وہ بات کرنا اگر وہ اُس شخص کے سامنے کی جائے تو اس کو سن کر تکلیف ہو۔ قرآن مجید نے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے۔ وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ [۱]

اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے۔ کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم اس سے کراہت کرتے ہو۔

رسول کریم صلعم نے فرمایا:- لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا چیز ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارا اپنے بھائی کو ایسی بات سے یاد کرنا جو اسے اچھی نہ لگے کسی نے عرض کیا اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہتا ہوں۔ تو پھر آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہے جو تو کہتا ہے تو تُو نے اس غیبت کی اور اگر وہ بات اس میں نہیں جو تو کہتا ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا [۲]۔

فرمایا:- غیبت زنا سے بڑھ کر ہے کیونکہ آدمی زنا کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ زانی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور غیبت کرنے والے کو نہیں بخشتا جب تک وہ شخص نہ بخشے جس کی غیبت کی ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا زانی توبہ کرتا ہے اور غیبت کرنے والے کے لئے توبہ نہیں [۳]

صلح کرانا:- معاشرہ میں مفادات کے تصادم کی وجہ سے لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ اگر دو مسلمان بھائیوں کے درمیان لڑائی ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کرا دینی چاہیئے۔ تاکہ سوسائٹی میں افتراق اور انتشار نہ پیدا ہو۔

ارشاد الٰہی ہے:- وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا [۴] اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح

---

[۱] الحجرات ۴۹: ۱۲۔ [۲] مسلم۔ [۳] مشکوۃ۔ [۴] الحجرات ۴۹: ۹۔

Marfat.com

کرا دو۔

سلام کرنا:۔ اسلام نے دو مسلمانوں کو ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنے کا حکم دیا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ تم پر سلامتی ہو۔ یہ حکم مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ان کا کام سوسائٹی میں امن و سلامتی برقرار رکھنا ہے۔ اسلام بھی اس دنیا میں سلامتی کا پیغام لے کر آیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:۔ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ؎۱ اور جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری باتوں پر ایمان لائے ہیں، تو کہہ تم پر سلامتی ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ یایھا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا والناس نیام تدخلوا الجنۃ بسلام ؎۲ اے لوگو! باہم سلام کو پھیلاؤ کھانا کھلاؤ اور جب تمام لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

سلام کرنے کے لئے شناسا اور انجان کی کوئی تخصیص نہیں ؎۳۔

سلام کرنے کے اصول بیان کرتے ہوئے رسول کریم صلعم نے فرمایا:۔

چھوٹا بڑے کو گزرنے والا بیٹھنے والے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے ؎۴

جس شخص کو سلام کیا جائے تو اس کا یہ فرض ہے کہ سلام کا جواب اسی طریق سے یا اس سے بہتر طریقہ سے جواب دے۔

ارشاد ہے:۔ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؎۵ اور جب تمہیں کوئی سلام کرے تو تم اس کو اس سے بہتر طریقے پر جواب دو یا انہیں الفاظ میں جواب دو۔

السلام علیکم کا بہترین الفاظ میں جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے۔

؎۱ الانعام ۶: ؎۲ ترمذی باب ماجاء فی افشاء السلام۔

؎۳ بخاری کتاب الاستیذان باب السلام للمعرفۃ وغیر المعرفۃ۔

؎۴ بخاری کتاب الاستیذان باب فی تسلیم الراکب علی الماشی۔ ؎۵ النساء ۴: ۸۶۔

Marfat.com

نمازِ جنازہ پڑھنا: جب کوئی مسلمان بھائی مر جائے تو دوسرے مسلمانوں پر نمازِ جنازہ پڑھنا فرضِ کفایہ ہے۔ اگر نمازِ جنازہ میں کوئی آدمی بھی شریک نہ ہو۔ تو اس بستی کے تمام رہنے والے گناہ گار ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۔ [۱] اور ان کے لیے دعا کر کیونکہ تیری دعا ان کے لئے تسکین ہے۔

رسول کریم صلعم نے فرمایا: جس نے ایمان و اخلاص سے کسی مسلمان کے جنازے میں شرکت کی۔ اور نماز اور دفن تک برابر شریک رہا تو اس کو دو قیراط اجر ملے گا [۲]

ترمذی میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جنازہ میں شرکت کی اور تین بار جنازہ کو کندھا دیا تو اس نے اپنا حق ادا کر دیا [۳]

مدد کرنا: قرآن مجید میں آتا ہے: وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ [۴] اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کی دوست مددگار ہیں۔

حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو دشمن کے حوالے کرے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی کسی مشکل کو آسان اور اس کی مصیبت کو دور کرے گا تو خدا اس کی مشکل آسان کر دے گا [۵]۔

عیادت کرنا: مسلم میں ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کے لئے جاتا ہے تو جب تک واپس نہ آجائے جنت کے راستہ پر گامزن رہتا ہے [۶]۔

جب کوئی صبح کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور جب وہ شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک فرشتے اس کی مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں۔ [۷]

صحیح مشورہ دینا: رسول کریم صلعم فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان مشورہ چاہے تو نیک

---

[۱] توبہ ۹: ۱۰۳ [۲] بخاری جلد اول کتاب الایمان باب اتباع الجنائز [۳] ترمذی [۴] التوبہ ۹: ۷۱۔ [۵] ابوداؤد کتاب الادب باب المواخات۔ [۶] مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب [۷] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز۔

Marfat.com

مشورہ دینا چاہیئے۔ ؎۱

دعوت قبول کرنا:۔ دعوت سے محبت اور تعلقات بڑھتے ہیں۔ اس وجہ سے رسول کریم صلعم نے دعوت قبول کرنے کو مسلمان پر ایک حق قرار دیا ہے فرماتے ہیں:۔

ہر مسلمان پر اس کے مسلمان بھائی کے پانچ حق ہیں۔ سلام کرنا، سلام کا جواب دینا۔ جب وہ چھینکے تو یرحمکم اللہ کہنا، دعوت قبول کرنا، اس کی عیادت کرنا، اس کے جنازہ میں شریک ہونا ؎۲

کافر نہ کہنا:۔ مسلمانوں کی تباہی کا ایک سبب کفر بازی ہے۔ حالانکہ اسلام نے سختی سے ایک دوسرے کو کافر کہنے سے منع کیا ہے۔ جب سے مسلمانوں نے اسلام کے اس حکم کو توڑا ہے۔ ان پر ذلت اور مسکنت غالب آگئی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ؎۳ جو تمہیں سلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔

رسول کریم صلعم نے فرمایا:۔ جب کوئی مسلمان بھائی اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے۔ تو کفر ان دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ آتا ہے ؎۴ یعنی جس کے متعلق کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے۔ اس میں کفر کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ تو فتویٰ لگانے والا خود کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔

آئینی حقوق

جان مال و آبرو کی حفاظت مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؎۵

جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے بدلے کے یا زمین میں فساد کے مار ڈالے تو گویا اس نے

؎۱ مسلم کتاب السلام باب من حق المسلم للمسلم والسلام۔

؎۲ مسلم کتاب السلام باب من حق المسلم للمسلم رد السلام۔ ؎۳ النساء ۴: ۹۴۔

؎۴ بخاری کتاب الادب باب من کفر اخاہ۔ ؎۵ المائدہ ۵: ۳۲۔

سب لوگوں کو مار ڈالا اور جو کوئی زندہ رکھے تو گویا اس نے سب کو زندہ رکھا۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا [1] اور جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے۔ اسی میں رہے گا اور اللہ اس پر ناخوش ہے۔ اور اس پر لعنت کرتا ہے۔ اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کرے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [2] جو لوگ پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا [3] تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت ہے یعنی حج کے دن کی۔

بے جا حمایت نہ کرنا: سوسائٹی میں بے جا حمایت کی وجہ سے ظلم بڑھتے ہیں۔ اس وجہ سے اسلام نے بے جا حمایت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا الْقُرْبٰى [4] اور جب کہو تو انصاف اور عدل سے کہو اگرچہ قریبی ہو۔

اخلاقی حقوق

نیکی کا حکم دینا جس طرح انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی روحانی حالت کو درست کرے اسی طرح اس پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ مسلمان بھائی کی روحانی

---

[1] نساء ۴: ۹۳ [2] النور ۲۴: ۲۳ [3] بخاری کتاب الحج [4] الانعام ۶: ۱۵۲۔

Marfat.com

حالت کو سدھارتا ہے اور اس کو نیکی کرنے کی ترغیب دے۔ اور برائیوں سے ترہیب کرے۔

ارشاد الٰہی ہے:۔ یَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [۱] وہ (مسلمان) اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ [۲] اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک۔

اچھی بات کہنا:۔ ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے نرم لہجہ اور محبت بھرے انداز میں گفتگو کرے اس سے باہمی محبت اور الفت اور ہمدردی بڑھتی ہے۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ کہ اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ [۳] اور لوگوں سے اچھی دل لگتی بات کہو۔

دعا کرنا:۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ [۴] اور اپنے قصور کے لئے حفاظت مانگ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے۔

عام انسانوں کے حقوق

ماضی اور حال میں ہر مفکر اس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ کہ دنیا میں عدم توازن اور بد امنی صرف انسانی حقوق متعین نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس وجہ سے ہر مفکر نے اپنی ذہنی استعدادوں کو بروئے کار لاکر انسانی حقوق کا چارٹر مرتب کیا ہے۔ دور حاضر میں انسانی حقوق کے شعور کے ارتقاء کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگلستان میں کنگ جان نے ۱۲۱۵ء میں میگنا کارٹا جاری کیا تھا۔ وہ درحقیقت امراء کے دباؤ کی وجہ سے مرتب کیا گیا تھا۔ وہ صرف بادشاہ اور امراء کے درمیان ایک قرارداد سی تھی۔ اس میں امراء کے حقوق کا لحاظ رکھا گیا تھا۔

---

[۱] التوبہ ۹: ۷۱ [۲] لقمٰن ۳۱: ۱۷ [۳] البقرہ ۲: ۸۳ [۴] محمد ۴۷: ۱۹

Marfat.com

عوام الناس کے حقوق کی اس میں کوئی نشان دہی نہ کی گئی تھی۔

ٹام پین (Tom Paine) (۱۷۳۷ء تا ۱۸۰۹ء) نے حقوق انسانی پر ۱۷۹۱ء میں ایک پمفلٹ مرتب کیا۔ اسی پمفلٹ نے مغربی ممالک میں حقوق انسانی کے تصور کو اشاعت دی۔

۱۷۸۹ء میں انقلاب فرانس کے دوران میں "منشور حقوق انسانی" مرتب ہوا۔ جو روسو کے نظریہ معاہدہ عمرانی کا ثمرہ تھا۔

بگوٹا کانفرنس میں امریکی ریاستوں نے ۱۹۴۸ء میں انسانی حقوق و فرائض کا ایک منشور مرتب کیا۔

دو عالمگیر جنگوں کی تباہیوں نے بیسویں صدی کے انسان کو یہ امر سوچنے پر مجبور کر دیا کہ انسانوں کے حقوق متعین کئے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ۱۹۴۱ء کے اٹلانٹک چارٹر اور واشنگٹن، ماسکو، ڈمبارٹن اوکس کے مذاکرات کے بعد آخر کار سان فرانسسکو کے چارٹر کے ذریعہ ادارہ اقوام متحدہ کی اساس رکھی گئی۔ اور حقوق انسانی کو ایک بین الاقوامی مسئلہ قرار دیا گیا۔ اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ۲۷ جنوری ۱۹۴۷ء سے لیک سیکسس میں مسز فرینکلن روزویلٹ کی زیر صدارت متعدد اجلاس ہوئے اور ایک چارٹر مرتب کیا گیا جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے آخری شکل دے کر ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو عالمی اعلان حقوق انسانی کا نام دیکر منظور کیا اسی مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ہر سال ۱۰ دسمبر کو دنیا کے ہر ملک میں یوم حقوق انسانی منایا جاتا ہے۔

یو۔ این۔ او کے اعلان کے تیس آرٹیکل ہیں۔ آرٹیکل ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ تو محض رسمی ہیں۔ بارہ آرٹیکل اقتصادی اور سماجی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہیں۔ تین قانون کے ضابطوں اور ملزم کے حقوق کے متعلق ہیں۔ صرف بارہ ایسے آرٹیکل ہیں۔ جو انسانی حقوق کے اصول بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے پانچ ایسے ضروری جزو ہیں جن کا ذکر کرنا مناسب ہے۔

آرٹیکل نمبر ۱: انسان آزاد پیدا کئے گئے ہیں۔ اور اپنے رتبہ اور حقوق میں مساوی ہیں۔

آرٹیکل نمبر ۲: ہر انسان کو وہ آزادیاں اور حقوق مکمل طور پر حاصل ہیں۔ جو اس اعلان میں بیان کئے گئے ہیں۔ مذہب، رنگ، نسل، جنس، زبان، نسبت جائیداد یا رتبہ کا کوئی لحاظ

Marfat.com

نہیں رکھا جائے گا۔
آرٹیکل نمبر ۳: ہر شخص کو زندہ رہنے اور آزادی اور حفاظت کا حق حاصل ہے۔
آرٹیکل نمبر ۴: کسی کو غلامی میں نہیں رکھا جائے گا۔ ہر قسم کی غلامی اور غلاموں کی تجارت قطعاً ممنوع ہے۔
آرٹیکل نمبر ۵: کسی شخص کو اذیت نہیں دی جائے گی۔ نہ اس کے ساتھ بے رحمی کا یا ظالمانہ سلوک کیا جائے گا۔ نہ کوئی ایسی سزا دی جائے گی۔

یہ وہ منشور ہے جسے دور حاضر کے تمام مدبرین نے مل کر مرتب کیا۔ اس منشور کا عملی پہلو بہت ہی تاریک ہے۔ اقوام متحدہ اس منشور پر عمل نہیں کرا سکی۔ ہر ملک میں انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ کشمیر عوام کی مرضی کے خلاف ہندوستان کی غلامی میں جکڑا ہوا ہے۔ بھارت میں جو مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں۔ ان کو پڑھ سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہ آیا مسلمان انسانوں کی حکومت میں زندگی بسر کر رہے ہیں یا درندوں کی کچھاروں میں رہ رہے ہیں۔

اسرائیل انسانی حقوق کی پامالی میں سب سے سبقت لے گیا ہے۔ آئے دن عرب اسرائیلی مقبوضات سے بے خانماں اور بے آسرا کر دئے جاتے ہیں۔ وہ دربدر دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ اور اور کوئی طاقت اسرائیل کے ہاتھ کو ظلم کرنے سے نہیں روکتی۔ سب تماشائی بن کر دیکھ رہی ہیں۔

قبرص میں مسلمانوں کی جو حالت ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ کس طرح عیسائی مسلمانوں پہ ظلم ستم ڈھا رہے ہیں۔

افریقہ میں اریٹریا (Eritrea) کے مسلمانوں کے بنیادی حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔

روڈیشیا۔ جنوب مغربی افریقہ اور جنوبی افریقہ کی رنگ دار قوموں کے زیر دستوں کو جائز اور بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔

ویت نام میں تو انسانی حقوق کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

Marfat.com

اسلام کا حقوق انسانی کے متعلق منشور :۔ آج سے چودہ سو سال پیشتر اسلام نے جو حقوق انسانی کا چارٹر دنیا کے سامنے پیش کیا تھا دورِ حاضر کے تمام مدبرین مل کر بھی اس سے بہتر تیار نہیں کر سکتے۔ اسلامی چارٹر کی سب سے بڑی خوبی یہ بھی ہے۔ کہ اس کے پیش کرنے والے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منشور کے ہر آرٹیکل پر فوری عمل کر کے دنیا کے سامنے عملی نمونہ پیش کیا تھا۔

معاشرتی حقوق

اسلامی معاشرہ کا دائرہ پورے عالم انسانیت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اور ان کے لئے حقوق متعین کرتا ہے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں :۔ الخلق کلھم عیال اللہ فاحب الخلق عند اللہ من احسن الی عیالہ [1] ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مخلوق وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے :۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا۔ [2] اور انسانوں کی ایک ہی امت تھی پھر وہ الگ الگ ہو گئے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ [3] اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے۔

فرمان نبوی اور آیات قرآنی سے یہ امر واضح ہے کہ اسلام کا حلقہ تمام دنیا کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

---

[1] طبرانی و بیہقی [2] یونس آیت ۱۹۔
[3] نساء ۴ : ۱۔

Marfat.com

تکریم انسانیت :- اسلام کی نظر میں ہر انسان کا بچہ پیدائش کے اعتبار سے معزز اور مکرم ہے۔

ارشاد الٰہی ہے :- وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ - [1]

اور ہم نے آدمؑ کے بیٹوں کو واجب التکریم بنایا ہے۔

پیدائشی حریت :- ہر انسان پیدائشی طور پر آزاد ہے۔ اور کوئی انسان دوسرے کو غلام اور محکوم نہیں بنا سکتا۔

ارشاد الٰہی ہے :- مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ - [2]

کسی بشر کے لئے شایان نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں :- ان من شرار الناس الذین یبیعون الناس - [3] وہ لوگ بہت ہی برے ہیں۔ جو آدمیوں کو فروخت کرتے ہیں۔

شرار الناس الذین یشترون الناس ویبیعونهم [4]

وہ لوگ برے ہیں جو انسانوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا :- من کم تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا [5] تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا ہے۔

مساوات :- يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ

---

[1] ۱۷ : ۷۰۔ [2] آل عمران ۳ : ۷۸۔

[3] بخاری بحوالہ کنوز الحقائق۔ [4] ترمذی کنوز الحقائق۔

[5] احسن المحاضر جلد ۲ صفحہ ۱۔

Marfat.com

عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرسکو اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے اور خبردار ہے۔

رسول کریم صلعم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پہ اپنے مشہور خطبے میں فرمایا:-

ایہا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربي علی عجمی ولا لعجمی علی عربي ولا لاحمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی۔ ؎۲۔ اے لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پہ عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔

اسلام نے جہاں مساوات کی پاکیزہ تعلیم دی ہے۔ وہاں اس کے عملی نمونے کے اظہار کے لئے دو عبادتیں نماز اور حج مقرر کی ہیں۔ مسجد میں نماز کے وقت اور حج کے موقع پر بلا تفریق رنگ و نسل ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاتے ہیں۔

ایک ہندو لیڈر سر پی۔ سی رائے لکھتا ہے:-

"اسلام مذاہب عالم میں سب سے زیادہ جمہوریت پسند ہے۔ یہ بنی نوع انسان کو ٹھیک ایک سطح پر لے آتا ہے جونہی کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے اس کا درجہ تمام مسلمانوں کے برابر ہو جاتا ہے مسجد میں شاہ و گدا امیر و غریب اور ایک

؎۱ الحجرات: ۱۳۔ ؎۲ مسند احمد۔

Marfat.com

ادنے سے ادنے مزدور اور بہشتی دوش بدوش نماز پڑھتے ہیں۔"

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے (اقبال)

اسلام رنگ و نسل کا امتیاز جانتا ہی نہیں [۱]

بابو سن چندر پال لکھتا ہے:-

"اسلام نے اخوت اور برادرانہ روابط پر جس قدر زور دیا ہے۔ اور وہ جس شد و مد سے اس پر عمل پیرا ہوا اس کی مثال دنیا کا کوئی مذہب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا رواج موجود نہیں۔ یہ مسلمانوں کی انتہائی ہمدردی اور خدا ترسی ہی تھی جس نے ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک میں مذہبی زندگی اور خیالات میں انقلاب عظیم برپا کر دیا اسلام نے سیاسی طور پر بنی نوع انسان کو ایسے حقوق عطا کئے جو رومیوں اور دیگر اقوام نے صدیوں میں بھی اپنی رعایا کو نہ دئے تھے۔ اسلام نے ٹیکس محدود کرایا قانوناً سب انسانوں کو ایک دوسرے کے مساوی بنا دیا۔ حکومت خود اختیاری کے قانون رائج کئے بادشاہوں کے اختیارات پر پابندیاں عائد کر دیں۔" [۲]

مسٹر کے سکامارن بی۔ اے اچھوتوں کے لیڈر نے اچھوتوں کی نجات کے راستہ کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا:-

---

[۱] اسلام اور پیغمبر اسلام غیروں کی نظروں میں مولفہ خلیفہ عبدالرحمٰن ص ۲۱۔
[۲] اسلام اور پیغمبر اسلام غیروں کی نظروں میں ص ۲۱، ۲۲

Marfat.com

"میرے خیال میں دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ہم کو نجات دے سکتا ہے۔ اور اسی کی آغوش میں ہم سیاسی، معاشرتی و مذہبی رخصت حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ تسلیم شدہ امر ہے۔ کہ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے۔ جس میں اخوت و مساوات اور عملی ہمدردی اس قدر بلند درجہ پر پہنچ گئی ہو۔ جیسی کہ اسلام میں ہے"۔[1]

عدل و انصاف:۔ عدل کی حدود زندگی کے ہر شعبہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ لیکن یہاں صرف عدالتی عدل مراد ہے۔ جب مدعی اور مدعا علیہ عدالت کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ تو حاکم کا یہ اولین فرض ہے۔ کہ وہ قانون کے مطابق فریقین میں فیصلہ کرے۔ خواہ وہ عدالت ملکی ہو یا بین الاقوامی۔ عدل کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے دنیا کا امن تباہ و برباد ہو چکا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:۔ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ[2] جب لوگوں کا فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا الْقُرْبٰى[3]

اور جب تم بات کہو تو عدل کرو اگرچہ قریبی ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ[4]

اللہ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ[5]

---

[1] الامان دہلی ۲۳ نومبر ۱۹۳۱ء۔ [2] النساء ۴: ۵۸۔ [3] الانعام ۶: ۱۵۲۔ [4] النحل ۱۶: ۹۰۔ [5] المائدہ ۵: ۸۔

Marfat.com

اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کے لیے کھڑے ہونیوالے انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو اس تعلیم کی عملی تشریح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی ہے آپ نے فیصلہ کرتے وقت امیر، فقیر، مسلم و کافر سلطان و گدا اور چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں رکھی۔ ایک دفعہ ایک مخزومیہ خاتون نے چوری کی ایک بڑے اونچے خاندان کی عورت ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ اگر اس عورت کو سزا ہو گئی تو خاندان کا وقار خاک میں مل جائے گا۔ بعض صحابہ نے حضرت اسامہؓ کو آمادہ کیا کہ وہ رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کریں۔ چنانچہ رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا۔ رسول کریم صلعم نے سن کے فرمایا انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف والذى نفسى بيده لو فاطمة فعلت ذلك لقطعت يدها[5] تم سے پہلے والے اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ نیچ قوم کے لوگوں کو سزا دیتے اور بڑوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بھی یہ کام کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹتا۔

احسان: اسلام بنی نوع انسان کے ساتھ احسان کی تعلیم دیتا ہے۔ احسان حُسن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں رعنائی۔ خوبصورتی۔ عام اصطلاح میں احسان کا مفہوم یہ ہے کہ دوسروں کی ضروریات پوری کرنا جس سے ان کا دل خوش ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: احسن كما احسن الله اليك[2] تو احسان کر جس طرح خدا نے تجھ پر احسان کیا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى[3]

اللہ تمہیں عدل و احسان اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

احسان کی تشریح کے بارہ میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ فِىْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ[4] اور جن کے مالوں میں ایک مقررہ حق ہے سوال کرنے والے اور محروم کے لیے یہ آیت ظاہر کرتی

---

[1] بخاری باب اقامة الحد علی الوضیع والشریف [2] قصص [3] النحل ۱۶: ۹۰ [4] المعارج ۷۰: ۲۴: ۲۵

ہے۔ کہ معاشرہ میں جو کوئی بھی محتاج ہو۔ یا کام کرنے کے قابل نہ رہا ہو۔ اس کا معاشرہ کی دولت میں حق ہے۔ اسلامی معاشرہ کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کی ضروریات کو پورا کرے۔

حق رزق :۔ یعنی معاشرہ کے تمام افراد کی بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ[1] اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا[2] ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے۔

نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ[3] ہم تم کو رزق دیتے ہیں اور تمہاری اولاد کی ضروریات کو بھی پورا کرتے ہیں ضروریات زندگی میں روٹی کپڑا مکان وغیرہ شامل ہیں ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی (طٰہٰ ۔ ۲۰ /۱۱۸، ۱۱۹) تیرے لیے یہ ہے تو اس میں نہ بھوکا رہے اور نہ ننگا رہے اور یہ کہ تو اس میں نہ پیاسا رہے اور نہ دھوپ میں رہے۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ ابن آدم کا حق سوائے ان تین چیزوں کے اور کسی شے سے وابستہ نہیں گھر جس میں وہ رہے کپڑا جس سے وہ تن ڈھانپے اور خشک روٹی اور پانی (ترمذی)

آزادی سکونت :۔ قرآن مجید میں آتا ہے: سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ[4] کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ[5] جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ یقیناً تجھے وطن واپس لائے گا۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: کونوا حیث شئتم وبیننا وبینکم ان لا تفسکوا دما ولا تقطعوا سبیلا ولا تظلموا احدا۔ تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے اور تمہارے درمیان یہ شرط ہے کہ تم خونریزی کرو اور نہ تم راہ زنی کرو اور نہ کسی پر ظلم کرو۔

---

[1] الروم ۔ ۳۰:۴۰ [2] الزخرف ۴۳:۳۲ [3] الانعام ۶:۱۵۱ [4] العنکبوت ۲۹:۲۰ [5] نیل الاوطار جلد ۷ صفحہ ۳۹ [6] النساء ۴:۹۷

Marfat.com

ہجرت کا حق:- قرآن مجید میں آتا ہے:- قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا [1] فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر تے اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا [2] اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا [3]

پناہ لینے کا حق: ارشاد الٰہی ہے: وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ [3] اور اگر ان مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو۔

محنت کا پورا پورا حق:- اسلامی سوسائٹی میں ہر آدمی اپنی محنت اور کسب کا ثمرہ پانے کا مستحق ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ [4] اور ہر نفس کو جو اس نے کیا ہے پورا دیا جائے گا۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى [5] اور کہ انسان کے لیے کچھ نہیں مگر وہی جو وہ کوشش کرتا ہے۔

كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ [6] ہر شخص اپنی کمائی کا ثمرہ پانے کا حقدار ہے۔

مذہبی آزادی کا حق:- ہر انسان کو اسلامی معاشرہ میں یہ حق حاصل ہے کہ جس مذہب کو چاہے اختیار کرے اور جسے چاہے ترک کر دے ارشاد الٰہی ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ [7] دین میں کوئی زبردستی منوانا نہیں ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ [8] اور کہہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو کوئی چاہے انکار کر دے۔

کسب کی آزادی: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ [9] پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور

---

[1] النساء ۴: ۹۷ [2] المومن ۴۰: ۶۴ [3] التوبہ ۹: ۶ [4] الزمر ۳۹: ۷۰ [5] النجم ۵۳: ۳۹ [6] ۵۲: ۲۱ [7] البقرہ ۲: ۲۵۶ [8] الکہف ۱۸: ۲۹ [9] الجمعہ ۶۲

Marfat.com

اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: اسعوا فان اللہ کتب علیکم السعی [1] کوشش کرو کیوں کہ اللہ نے تم پر کوشش کرنا فرض کر دیا۔

اعملوا فکل میسر لما خلق لہ [2] عمل کرو ہر شخص کے لیے وہ کام آسان ہے جس کی وہ صلاحیت رکھتا ہو۔

طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ [3] فریضہ عبادت کے بعد حلال کمائی کا طلب کرنا بھی ایک فرض ہے۔

اسلام نے ان تمام ذرائع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ جن سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر آجاتی ہے: وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ ۲: ۱۸۸) اور اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ۔ قرآن اور حدیث میں ان تمام ناجائز ذرائع کا وضاحت سے بیان ہے جن کا ذکر اسلام کے معاشی نظام میں ہوگا۔ اسی طرح اسلام نے جہاں آزادی کسب دی ہے۔ وہاں دولت کی گردش کے لیے چند اصول بھی مقرر کر دیئے ہیں۔ اگر دولت مند ان اصولوں پر کاربند نہیں رہتے تو حکومت کا یہ فرض ہے کہ ان کے خلاف حالات کے تقاضا کے مطابق کارروائی کرے۔

مزدور کا حق:- نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا [4] ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے کے درجے بلند کیے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ [5] مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

فرمایا۔ تین [6] قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے ہیں قیامت کے دن جھگڑا

---

[1] مسند امام احمد۔ کنوز الحقائق [2] بخاری مسلم۔ کنز [3] کنز العمال [4] الزخرف ۴۳: ۳۲ [5] ابن ماجہ باب الاجارہ [6] بیہقی کتاب الاجارہ۔

Marfat.com

کروں گا۔ اور جس سے میں جھگڑا کروں گا اس کو مغلوب و مقہور کر کے چھوڑوں گا ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو مزدور سے کام لے تو پوری طرح لیتا ہے اور اس کے تناسب اس کی اجرت نہیں دیتا ۔[1]

مظلوم کو فریاد کا حق : اسلام مظلوم کو فریاد کرنے اور ظالم سے بدلہ لینے کا حق دیتا ہے ارشاد الٰہی ہے: لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا[2] اللہ بُری بات کے مشہور کرنے کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ مظلوم خواہ کسی قوم و ملت کا ہو، وہ اس کی پشت پناہی ہے اور اس کی دادرسی کی ذمہ داری اپنے اوپر لے۔ ارشادِ الٰہی ہے:۔ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْھِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (الشوریٰ ۴۲: ۴۱: ۴۲) اور جو کوئی اپنے اوپر ظلم کے بعد بدلہ لیتا ہے تو ان لوگوں پر الزام کا راستہ نہیں ۔ الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتی کرتے ہیں انہی کے لیے دردناک دُکھ ہے۔

عزتِ نفس کا تحفظ : انسان کی ذہنی اور تمدنی کے تمام سوتے عزت نفس سے ہی پھوٹتے ہیں اسی وجہ سے معبودان باطلہ کی عبادت سے منع کیا گیا ہے۔ کیوں کہ ان کی عبادت سے نفس کی تباہی و بربادی ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے اس حق کی پوری تفصیل سورۃ حجرات میں بیان کی ہے ارشادِ الٰہی ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ[3] اے لوگو جو ایمان لاتے ہو ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔

---

[1] بیہقی کتاب الاجارہ [2] النساء ۴: ۱۴۸

[3] الحجرات ۴۹: ۱۱

Marfat.com

وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؎۱ اور اپنے لوگوں کو عیب نہ لگاؤ اور ایک دوسرے کے نام دھرو۔

نجی زندگی کا تحفظ۔ انسان کے بنیادی حقوق میں سے اہم حق اس کی نجی زندگی کا تحفظ ہے اس بارہ میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا ؎۲ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوائے دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو۔

حصول علم کا حق:۔ علم ہی شرف انسانیت کا ذریعہ ہے اور علم کی وجہ سے آدم مسجود ملائکہ بنا۔ اسلام نے ہر انسان کو حصول علم کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ؎۳ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؎۴ کہہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؎۵ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

عمل غیر کی ذمہ داری سے بریت:۔ اسلام میں انسان صرف اپنے اعمال کا جواب دہ ہے دوسروں کے اعمال کی ذمہ داری کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؎۶ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

مذہبی دل آزاری سے تحفظ:۔ اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ دوسرے مذہب کے لوگوں کے مذہبی پیشواؤں کو برا بھلا کہا جائے۔ اسلام ہر مذاہب کے پیشوا کی عزت کرنے کی تعلیم دیتا ہے بلکہ یہاں تک کہتا ہے کہ دوسروں کے بتوں کو بھی برا بھلا نہ کہو۔

؎۱ الحجرات ۴۹: ۱۱ ؎۲ النور ۲۴: ۲۷ ؎۳ مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم
؎۴ الزمر ۳۹: ۹ ؎۵ العلق ۹۶ ؎۶ الانعام ۶: ۱۶۴

Marfat.com

ارشادِ الٰہی ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ[1] اور ان کو گالی نہ دو جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔

کمزوروں کا تحفظ: اسلام نے معاشرہ کے کمزور طبقے عورت بچے بوڑھے بیمار اور عبادت گزار طبقے کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ اسلام سے قبل ہر ملک میں معاشرہ کے کمزور طبقے کی جو قابلِ رحم حالت تھی وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اور نہ اس جدید کے اس دور میں معاشرہ کا کمزور طبقہ جس طرح پامال ہو رہا ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ اسلام نے صرف اپنے ملک کے کمزور طبقے کے حقوق کو ہی محفوظ نہیں کیا بلکہ برسرِ پیکار ملک کے کمزور طبقے کے حقوق کو بھی محفوظ کرایا ہے۔ رسول کریم صلعم نے برسرِ پیکار ملک کی عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے کی صریح الفاظ میں ممانعت فرمادی ہے۔

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امراۃ[2] بوڑھوں بچوں کم عمروں اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔

خلفائے راشدین بھی جب دشمن کے مقابلہ کے لیے فوج روانہ کرتے تو ہدایت فرمادیتے کہ معاشرہ کے کمزور طبقے پر ہاتھ نہیں اٹھانا۔ حضرت ابوبکرؓ نے شام کی طرف فوج بھیجتے ہوئے سپہ سالار کو ہدایت فرمائی

"تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کی خدا کی عبادت کے وقف کر دیا ہے ان کو چھوڑ دینا میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں۔ کسی عورت بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔ پھلدار درخت نہ کاٹنا۔ آبادیوں کو ویران نہ کرنا۔ بکری اور اونٹ کو کھانے کے سوا بیکار ذبح نہ کرنا۔ نخلستان کو نہ جلانا۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور نامردی نہ دکھانا[3]"

اذیت رسانی سے تحفظ: اسلام اذیت کو خواہ جسمانی ہو خواہ ذہنی اور قلبی جرم قرار دیتا ہے ارشادِ الٰہی ہے: وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

---

[1] الانعام ۸: ۱۰
[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین
[3] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۹۷۔

Marfat.com

وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۱؎ اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے قصور کیا ہو تو وہ بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۲؎ وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دکھ دیتے ہیں پھر توبہ نہیں کرتے ان کے لیے دوزخ کا عذاب اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔

آئینی حقوق

جان کی حفاظت

دنیا میں امن کا قیام جان و مال اور آبرو کی حفاظت پر مبنی رہا ہے۔ جب کبھی بھی ان تینوں امور سے کسی ایک امر کو خطرہ لاحق ہوا ہے تو خرمن امن تباہی و بربادی کی آگ سے بھسم ہو کر رہ گیا ہے اسلام نے ان تینوں چیزوں کی حفاظت پر بہت زور دیا ہے تاکہ دنیا کا امن برباد نہ ہو۔

اسلام نے کسی ایک جان کو ناحق تلف کرنے یا زمین میں فساد برپا کرنے کو قتل عام سے مماثلت دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۳؎ جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے بدلے کے یا زمین میں فساد کے مار ڈالے تو گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا ہے۔ اور جو کوئی اس کو زندہ رکھے تو گویا اس نے سب کو زندہ رکھا۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۴؎ اور اپنے لوگوں کو قتل نہ کرو بیشک اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۵؎ اور اس جان کو

۱؎ الاحزاب ۳۳ : ۵۸ ۲؎ البروج ۸۵ : ۱۰ ۳؎ المائدہ ۵ : ۳۲
۴؎ النساء ۴ : ۲۹ ۵؎ بنی اسرائیل ۱۷ : ۳۳

Marfat.com

قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔
مال کی حفاظت:۔ مال و دولت زندگی کے قیام کا اہم ذریعہ ہے جب کبھی بھی کسی فرد قوم اور ملک کو اپنی دولت کا خطرہ محسوس ہوا ہے۔ فوراً حفاظت کے لئے میدان جنگ میں کود پڑی ہے۔ بڑی بڑی جنگوں کی وجہ ہی ناجائز استحصال دولت ہے۔ اسلام قیام امن کے پیش نظر حفاظت مال کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا ہے:
وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [1] اور اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ۔

اسلام نے ان تمام ناجائز ذرائع سے بھی منع کر دیا ہے جو دوسروں کے ہاتھوں سے دولت سمیٹنے کا ذریعہ ہیں۔
آبرو کی حفاظت: عصمت اور پاک دامنی عورت کا بہترین زیور ہے۔ یہی زیور معاشرہ کو حسن بخشتا ہے اس وجہ سے اسلام نے تحفظ ناموس خواتین پر بہت زور دیا ہے ارشاد الٰہی ہے:۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيْلًا [2] اور زنا کے قریب نہ جاؤ کیوں وہ بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے مشہور خطبہ میں جان و مال اور آبرو کی حرمت کے متعلق فرمایا:۔ ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا [3] تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی حرمت رکھتی ہیں جیسی آج کے دن کی حرمت ہے۔

اخلاقی حقوق

اچھی گفتگو اچھی گفتگو کرنا اور اچھائی سے پیش آنا اور انسانیت کا فرض اولین ہے قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا [4]

[1] البقرہ ۲:۱۸۸ [2] بنی اسرائیل ۱۷:۳۲ [3] بخاری کتاب الحج
[4] البقرہ ۲:۸۳

Marfat.com

اور لوگوں کو اچھی بات کہو۔

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفًا[1] اور انہیں بھلی بات کہو۔

پندار مکر اور تصنع آمیز گفتگو سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ[2] تصنع آمیز گفتگو سے پرہیز کرو۔

حسد و بغض سے پرہیز:۔ حسد اور بغض معاشرہ کی جڑوں کو اس طرح چیٹ کر جاتا ہے جس طرح گھن لکڑی کو کھا جاتا ہے اپنی برائیوں سے عداوت کی آگ بھڑکتی ہے جو خرمن امن کو بھسم کر دیتی ہے اور رشتہ اخوت کو جلا دیتی ہے۔ اسلام نے ان دونوں برائیوں کو سختی سے منع کیا ہے۔ رسول کریم صلعم نے فرمایا: لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا[3] آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔

امت کا مفہوم:۔ امت کا لغوی معنی جماعت گروہ خاندان نسل اور طریقہ کے ہیں قرآن مجید میں امت کا لفظ مختلف مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔

عام گروہ:۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ یعنی گروہ کے لیے ایک وقت مقررہ ہے۔

نبی کی جماعت:۔ اِنْ يُّكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ اگر ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا ہے تو اس سے قبل بھی انبیاء کو ان کی امتوں نے جھٹلایا۔

نبی کی ذات:۔ قرآن مجید میں نبی کی ذات بابرکات کو بھی امت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے: اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً ابراہیم ایک امت تھے۔

ملت اسلامیہ:۔ قرآن مجید میں ملت اسلامیہ کے لیے بھی لفظ امت کا استعمال ہوا ہے ارشاد الٰہی ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اور ہم نے تمہیں ایک اعتدال پسند امت بنایا ہے۔

---

[1] النساء ۴: ۵ [2] الحج ۲۲: ۳۰

[3] بخاری۔

Marfat.com

ملتِ اسلامیہ کا ایک خاص گروہ:۔ ملت اسلامیہ کے ایک خاص گروہ کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے ارشادِ الٰہی ہے:۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ۔ اور تمہارے درمیان ایک خاص امت ہونی چاہیئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے یہاں امت سے مراد واعظین اور مبلغین کی جماعت ہے۔

قوم اور امت میں فرق:۔ ایک امت کے تمام لوگوں کے عقاید مشترک ہوتے ہیں جب کہ قوم کے افراد کے عقاید کا مشترک ہونا ضروری نہیں۔

۱۔ امت کے لیے اتحاد، مکانی، اتحاد رنگ ونسل اور اتحاد زبان کا ہونا ضروری نہیں جب کہ قوم کے لیے ان امور کا ہونا ضروری ہے

۲۔ امت کا ایک فرد افریقہ میں بس رہا ہو۔ دوسرا امریکہ میں تیسرا کسی اور دور دراز علاقہ میں یہ سب ایک ہی امت کے افراد کہلائیں گے۔

۳۔ عقائد کے بدلنے سے ایک فرد امت سے نکل جاتا ہے جب کہ قومیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

امتِ اسلامیہ کی شرائط رکنیت: کبھی کے ایک امت اسلامیہ میں ہر وہ شخص داخل ہے جو رسول کریم صلعم کی نبوت کا معترف ہو۔ اور ان کی تعلیمات کو سچا سمجھتا ہے۔ خواہ اس کے بعد وہ شخص کچھ بھی کہے۔ کرامیہ کے نزدیک امت اسلام کی اصطلاح کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو کلمہ پڑھتے ہیں۔ وہ اس پر خلوص قلب سے ایمان لاتے ہوں یا نہیں اہل حدیث کے ایک گروہ کے نزدیک امت اسلام کے نام کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو فرائض کی ادائیگی پر ایمان رکھتے ہیں یعنی قبلے کی طرف منہ کر کے دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتے ہیں۔ عبدالقاہر بغدادی کے نزدیک امت اسلام کے نام کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو دنیا کو فانی سمجھتا ہو۔ خدا کو ایک اور ہمیشہ قائم رہنے والا جانتا ہو اس کو عادل سمجھتا ہو۔ اور مذہب تشبیہ کو رد کرتا ہو۔ خدا کی صفات کے انکار کی تردید کرتا ہو اور خدا کے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہو۔ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا نبی مانتا ہو۔ اور یہ کہ وہ تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر

Marfat.com

بھیجے گئے تھے۔ اور اللہ کو اپنی شریعت کا حامی و ناصر جانتا ہو اور اس کی تعلیمات کے سچ ہونے کا یقین رکھتا ہو۔ قرآن مجید کو شریعت کا ماخذ جانتا ہو۔ دن میں پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہو۔ زکواۃ دیتا ہو۔ رمضان کے مہینے میں روزے رکھتا ہو۔ کچھ شرائط پورا کرنے والے مخصوص لوگوں پر حج کرنا ضروری خیال کرتا ہو۔ جو شخص ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہو وہ امت اسلامیہ کا رکن ہے۔

بعض علما اسلام نے امت اسلامیہ کا رکن بننے کے لیے کلمہ شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ قرار دیا ہے اور اس کے انکار سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

ایک صحابی مقدادؓ بن الاسود نے رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر میدان جنگ میں کسی کافر سے میرا مقابلہ ہو۔ اور وہ تلوار سے میرا ہاتھ کاٹ ڈالے۔ پھر کسی درخت کی اوٹ میں پناہ لے کر کہہ دے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ تو کیا اسے قتل کیا جا سکتا ہے؟ حضور نے فرمایا اسے مت مارو۔ صحابی نے عرض کیا کہ حضور اس نے پہلے میرا ہاتھ کاٹا پھر اسلام کا اظہار کیا۔ کیا اسے قتل نہ کروں۔ حضور نے فرمایا اسے قتل نہ کر اگر تو نے اسے قتل کیا۔ تو اس قتل سے پہلے جو تیری منزلت تھی۔ وہ اس کی ہو جائے گی اور اس کے (کفر کا) درجہ تجھے مل جائے گا۔ (مسلم)

حضرت اسامہؓ بن زید فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلعم نے ہمیں ایک لشکر میں روانہ کیا۔ ہم دشمن قبیلہ پر حملہ آور ہوئے میں ایک شخص کے سر پر پہنچا تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تاہم میں نے اسے برچھی مار دی لیکن میرے دل میں تنبیہ بیٹھ گیا۔ میں نے رسول کریم صلعم سے اس کا ذکر کیا آنحضرت صلعم نے فرمایا کیا اس کے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد تو نے اسے قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے محض خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا کہ اس کے دل سے آواز اٹھی تھی نہیں آپ نے یہ فقرہ کئی بار دہرایا۔ میری یہ حالت ہو گئی کہ میں نے چاہا کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا (مسلم)

Marfat.com

نصب العین:- اُمت مسلمہ کا نصب العین اقامت دین ہے۔
شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ [1] اس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس کا نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے تیری طرف وحی کی اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ اقامت دین سے مراد دین پر کما حقہٗ عمل کرنا ہے۔

اُمت اسلامیہ کا شعار:- مسلمانوں کا شعار السلام وعلیکم ہے قرآن مجید میں آتا ہے:- لَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا یعنی جو تم کو سلام کہے اس کو یہ مت کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

اُمتِ اسلامیہ کے خصوصی امتیازات

وحدت نسل انسانی اُمت اسلامیہ تمام انسانوں کو ایک جوڑے کی اولاد سمجھتی ہے اور ان کے درمیان کسی قسم کی نسلی تفریق جائز قرار نہیں دیتی ارشاد الٰہی ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا [2] اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً [3] اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر دیا۔ پھر ان دونوں سے مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد پھیلا دی۔

---

[1] شوریٰ ۴۲: ۱۳ [2] الحجرات ۴۹: ۱۳ [3] النساء ۴: ۱

Marfat.com

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا[1] انسان ایک ہی امت تھے۔ پھر الگ الگ ہو گئے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: ان العباد کلھم اخوۃ[2] انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں فرمایا: ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد[3] لوگو! ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے۔ اور تمہارا باپ ایک ہے۔

وحدت فکر: امت اسلامیہ کے افراد کے اندر فکر کا اتحاد پایا جاتا ہے وہ ایک ہی خدا اور ایک کتاب اور ایک ہی رسول اور ایک مرکز (بیت اللہ) مانتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا[4] سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور جدا نہ ہو جاؤ۔

اس آیت میں حبل اللہ کے الفاظ سے مراد قرآن مجید ہے۔ جو مسلمانوں کے اتحاد فکر کی کلید ہے۔

عالمی اخوت: امت اسلامیہ کی اخوت عالمگیر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ[5] تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: کونوا عباد اللہ اخوانا[6] تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔

اللھم ربنا ورب کل شئ انا شھید ان العباد کلھم اخوۃ[7] اے ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں کہ بندے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

الخلق عیال اللہ[8] ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے۔

عالمگیر پیغام: امت اسلامیہ عالمگیر پیغام کی علمبردار ہے۔ طلوع اسلام سے قبل

---

[1] یونس ۱۹ [2] احمد ابوداؤد [3] مسند احمد [4] آل عمران ۳: ۱۰۲ [5] الحجرات ۱۰ [6] بخاری [7] مسند احمد۔ ابوداؤد [8] بیہقی کتاب الایمان۔

Marfat.com

تمام امتیں قومی حیثیت رکھتی تھیں۔ کیوں کہ ہر نبی اپنی اپنی قوم کیطرف آیا تھا۔ رسول کریم صلعم کی بعثت دنیا کے تمام لوگوں کی طرف تھی اور ان کا پیغام اپنے اندر عالمگیریت کی شان رکھتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ[1] اور ہم نے تم کو سارے لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا لیکن اس بات کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ایک دوسری آیت ہے:۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔[2] کہ اے لوگو! میں تم سب لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: کان کل نبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی کل احمر واسود[3] ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام سرخ اور سیاہ قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

مساوات: امت مسلمہ میں قومی، نسلی، لسانی تفریق کا کوئی مقام نہیں بحیثیت انسان سب برابر ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى[4] اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد ایک عورت سے پیدا کیا ہے رسول کریم صلعم نے اس آیت کی تشریح حجۃ الوداع کے موقعہ پر کرتے ہوئے فرمایا: لوگو! ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پہ عجمی کو عربی پہ سرخ کو سیاہ پہ اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

امت وسط: اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو امت وسط کے الفاظ سے اعزاز بخشتا ہے یعنی اعتدال پسند امت افراط اور تفریط سے پاک قرآن مجید میں آتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا[5] اور ہم نے اسی طرح تم کو میانہ رو امت بنایا ہے۔

---

[1] سبا ۳۴: ۲۸ [2] اعراف ۷: ۱۵۸ [3] مسلم باب المساجد [4] الحجرات ۴۹: ۱۳ [5] البقرہ ۲: ۱۴۳

Marfat.com

خیر امت: اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو خیر امت کا لقب دیا ہے۔
کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [۱] تم ایک بہترین امت ہو
جو لوگوں کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہو۔

آخری امت: رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم [۲]
میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔

شوریٰ پر عمل: امت مسلمہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ جمہوریت کے
اصول شوریٰ پر عمل کرنے والی ہے

قرآن مجید میں آتا ہے: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ [۳] مسلمانوں
کا فریضہ ہے کہ آپس میں باہمی مشاورت کر کے کاروبار چلائیں اللہ تعالیٰ رسول
کریم صلعم کو حکم دیتے ہیں وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ [۴] اور ان سے
کاموں میں مشورہ کیجیے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: ما تشاور قوم الا ھدوا [۵] جس قوم
نے باہمی مشاورہ کیا وہ ہدایت پا گئی۔

رضائے الٰہی کا حصول: امت مسلمہ کا ہر کام رضائے الٰہی کے حاصل کرنے
کے لیے ہوتا ہے۔ اور دین کو دنیا پر مقدم رکھتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا
ہے۔ لوگوں کو نفسانی خواہشوں کی محبت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے عورتیں
اور بیٹے اور ڈھیر کی ڈھیر سونا اور چاندی اور سیلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور
کھیتی یہ اس دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔ کہہ کیا
میں تم کو اس سے اچھی بات بتاؤں ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں
ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں رہنے
والے ہیں اور پاک ساتھی اور اللہ کی رضامندی ہے اور اللہ بندوں کو خوب
دیکھنے والا ہے [۶]۔

موت سے بے خوفی: امت مسلمہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ جانتے

---

[۱] آل عمران ۳: ۱۱۰ [۲] ابن ماجہ حاکم [۳] الشوریٰ ۴۲: ۳۸
[۴] آل عمران ۳: ۱۵۸ [۵] طبرانی - کنوز الحقائق [۶] آل عمران ۳: ۱۵

ہیں کہ موت کا وقت متعین ہے لہذا اس سے ڈرنا کمزوری کی علامت ہے۔

خدا پرستی پر بنیاد:۔ امت مسلمہ کی بنا لا الٰہ الا اللہ ہے۔ کیوں کہ خالص توحید ہی تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں امت مسلمہ کو بار بار خالص توحید پر قائم رہنے کی تعلیم دی ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ[۱] اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ[۲] وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ[۳] اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ[۴] اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا۔

امت مسلمہ کے فرائض

نیابت رسول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اب نبی کے فرائض امت مسلمہ کے سپرد ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِی الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔[۵] اس نے تم کو چن لیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اس نے تمہارا نام پہلے سے اور قرآن میں بھی مسلم رکھا تا کہ رسول تمہارا ہمنشیں رہو۔

۱؎ البقرہ ۲: ۲۵۵ ۲؎ الحشر ۲۳ ۳؎ بنی اسرائیل ۱۷ ۴؎ البقرہ ۲: ۲۱ ۵؎ الحج ۲۲: ۷۸

Marfat.com

اس آیت میں امت مسلمہ کو کار رسالت کے لیے نبی کا جانشین قرار دیا ہے۔ اس وجہ سے امت مسلمہ پر وہ تمام فرائض عائد ہو جاتے ہیں جو نبی کریم صلعم نے سر انجام دیئے۔

تبلیغ دین :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دین حق کا پیغام دوسروں تک پہنچانا امت مسلمہ پر ایک فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی مسلمانوں کی ترقی اور عروج کی ضامن ہے۔ جب تک مسلمانوں نے اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی وہ ترقی کی منازل طے کرتے چلے گئے جب اس فرض کی ادائیگی کی طرف کم توجہی کر دی تو گھاٹے میں چلے گئے۔

ارشاد الٰہی ہے : وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ قسم ہے وقت کی کہ انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔

اس مختصر سی سورت میں جن لوگوں کو خسران اور گھاٹے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے وہ چار صفات کے مالک ہیں۔

۱۔ وہ عقائد صحیح کے مالک ہوتے ہیں۔
۲۔ اعمال صالحہ کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں۔
۳۔ ایک دوسرے کو دین حق پہنچاتے ہیں۔
۴۔ دین حق کے پہنچانے میں دنیا کی مشکلات کا سامنا کر کے صبر کی مضبوط چٹان پر کھڑے ہوتے ہیں۔

اس سورۃ میں تواصوا بالحق کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ انسان کی صرف یہی خوبی نہیں ہے کہ وہ خود حق کے بلند مینار پر کھڑا ہو جائے بلکہ حقیقی خوبی یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی حق کی بلندی کی طرف لے جائے حق دعوت اسلام کا نام ہے۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں بلغوا عنی ولو اٰیۃ یعنی مجھ سے پیغام حق

لے ۳:۱۰۳:۱:۳

Marfat.com

سن کر لوگوں تک پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

نضر اللہ امرأ سمع منا شیئا فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعی لہ من سامع ۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی کو سرسبز اور کامیاب کرے جس نے ہم سے کوئی بات سنی پھر جس طرح اس کو سنا دوسروں تک پہنچا دیا۔ کیوں کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سننے والے سے جس کو حدیث پہنچائی گئی ہے۔ زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو۔

لیبلغ العلم الشاھد الغائب (بخاری ۳:۳۷) کہ حاضر ان لوگوں تک میری علمی باتوں کو پہنچا دے جو میری مجلس میں موجود نہیں ہو سکتے۔

دعوت خیر و معروف اور نہی منکر: امت مسلمہ کا یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کو بھلائی اور نیکی کی دعوت دے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[1] اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

مفلحون: (کامیابی پانے والے) کا لفظ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی صرف دعوت الی الخیر والمعروف اور نہی عن المنکر سے وابستہ ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[2] تم سب سے اچھی جماعت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہے تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو۔ اور برے کاموں سے روکتے ہو۔

ایک اور جگہ آتا ہے: يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ[3] وہ انہیں نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

نظام عدل کا قیام:۔ امت مسلمہ کا یہ فرض ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی ہدایات اور احکام کی روشنی میں نظام عدل و انصاف قائم کرے۔

---

[1] آل عمران ۳:۱۰۴ [2] آل عمران ۳:۱۱۰ [3] الاعراف ۷:۱۵۷

Marfat.com

قرآن مجید میں آتا ہے: لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؁۱ کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل و انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقوی سے قریب تر ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ؁۲ اور ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیوں کیساتھ بھیجا ہے اور انکے کیساتھ کتاب ہدایت اور عدل و انصاف کے قرآن نازل کیئے تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں بین الاقوامی امن قائم کرنا۔ امت اسلامیہ کا یہ فرض ہے کہ دنیا میں امن قائم کرے اور بدامنی اور شر کو جڑ سے اکھاڑ دے اس سلسلہ میں قرآن مجید نے امت مسلمہ کو پہلی یہ ہدایت دی ہے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؁۳ نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ دوسری ہدایت یہ دی ہے کہ اگر دو قوموں کے درمیان لڑائی ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کرا دی جائے۔ اگر کوئی قوم صلح کی طرف مائل نہ ہو، دنیا کے امن کو برباد کرنے کے لیئے تل جائے۔ تو پھر امت مسلمہ کا یہ فرض ہے کہ ظالم قوم کے خلاف اٹھ کھڑی ہو اور اس کے مزاج کو درست کر دے تاکہ دنیا میں امن ہو سکے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما فان بغت احدٰهما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓء الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین ؁۴

اگر مومنوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر کوئی قوم دوسری قوم پر زیادتی کرتی ہے تو اس سے جو زیادتی کرتی ہے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں۔ پس اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو کیوں کہ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

؁۱ ۵ : ۹ ؁۲ الحدید ۲۵ ؁۳ ۵ : ۳
؁۴ ۴۹ : ۹

Marfat.com

اس آیت کریمہ میں بین الاقوامی امن قائم کرنے کے لیے تین اصول مقرر کیے ہیں:

۱۔ جب دو قومیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دینی چاہیئے۔

۲۔ اگر کوئی قوم صلح پر رضامند نہ ہو۔ بلکہ زیادتی کا راستہ اختیار کرے اس قوم کے خلاف امت مسلمہ اٹھ کھڑی ہو اور ظالم قوم کو ظلم و عدوان سے روک دے۔

۳۔ جب ظالم قوم دوبارہ صلح پر رضامند ہو جائے تو عدل و انصاف کے ساتھ متحارب قوموں کے درمیان صلح کرا دی جائے۔

انفاق فی سبیل اللہ:۔ امت مسلمہ کا یہ فرض ہے کہ خیر امت بننے کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔

ارشادِ الٰہی ہے:۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ [1]

تم نیکی کے اس بلند مقام کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ جن چیزوں سے تم کو محبت ہے انہیں اللہ کی راہ میں نہ خرچ کرو۔

مکتب

مکتب اس جگہ کا نام ہے جہاں لکھا پڑھا جاتا ہے اور عوام کو علم کے زیور سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ مکتب معاشرتی اداروں میں سے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ معاشرے میں تعلیم و تربیت اور اصلاح اخلاق کا دار و مدار مکتب پر ہے۔ ہر ترقی یافتہ قوم نے اپنی تعلیمی درس گاہوں پر زیادہ سے زیادہ توجہ صرف کی ہے کہ مکتب کی بنیاد اشاعت علم پر ہے اس لیے سب سے پہلے اسلام میں علم کی اہمیت اور فضیلت کے متعلق لکھا جاتا ہے۔

اسلام کی رو سے سب سے پہلا اور اول معلم اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس نے آدم کو اشیاء کا علم دیا۔ ارشاد الٰہی ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا [2]

---

[1] آل عمران ۳: ۹۲ [2] البقرہ ۲: ۳۱

Marfat.com

اور آدم کو سب کے نام سکھائے۔ اس علم کی وجہ سے آدم مسجود ملائکہ بنا۔
قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ[1]
اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو انہوں نے فرمانبرداری کی مگر ابلیس نے نہ کی۔

پھر علم کو پھیلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام مخلوق کی طرف بھیجنے شروع کیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو مظہر الوہیت اور تمام انبیاء علیہم السلام کے جمیع اوصاف کے جامع تھے، ان کی بعثت کی غرض وغایت اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہوا فرماتا ہے:۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ؕ[2]
وہی ہے جس نے امیوں کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے۔ انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

ارشادِ الٰہی ہے:۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ؕ[3]
یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ وہ پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

صاحب علم آدمی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ[4] کہہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔[5] اللہ تعالیٰ ان لوگوں

---

[1] البقرہ ۲: ۳۴ [2] الجمعہ ۶۲: ۲ [3] آل عمران ۳: ۱۶۴
[4] الزمر ۳۹: ۹ [5] المجادلہ ۵۸: ۱۱

Marfat.com

کے درجات بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائیں گے اور جنہیں علم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ
اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ
الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ [۵۱]

اللہ سے صرف اس کے علم والے بندے ڈرتے ہیں اللہ غالب بخشنے والا ہے

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ [۵۲]

بلکہ وہ ان لوگوں کے سینوں میں کھلی آیتیں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ [۵۳] تم علم والے
سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں۔

قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ [۵۴] کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا۔

احادیث نبوی: علماء پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں [۵۵]۔

پیغمبروں کے بعد علماء اور مجاہدین کا درجہ ہے [۵۶]۔

قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہداء کا خون ایک ہی درجہ میں ہونگے [۵۷]۔

اس مسلمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں جو نہ استاد ہے نہ طالب علم [۵۸]۔

بلا تاخیر ایک جاہل کو علم کی تلاش میں لگ جانا چاہیئے اور ایک عالم معتبر کو
اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہیئے [۵۹]۔

تلاش علم ایسا ہی مقدس کام ہے جیسے عبادت اور اس کے حصول میں
جو مصیبت اٹھائی جائے وہ جہاد ہے۔

مہد سے لحد تک تلاش علم جاری رکھو خواہ اس کے لیے چین جانا پڑے [۶۰]

رسول کریم صلعم دو مجلسوں میں سے گزرے جو مسجد میں منعقد تھیں۔
آپ نے فرمایا دونوں مجلسیں بھلائی پر ہیں۔ لیکن ان میں ایک دوسری سے بہتر
ہے۔ ان دونوں مجلسوں یا جماعتوں میں سے ایک عبادت میں مصروف ہے
اور خدا سے دعا کر رہی ہے اور اس سے اپنی خواہش کا اظہار کر رہی ہے وہ چاہے

---

[۵۱] فاطر ۳۵ [۵۲] العنکبوت ۲۹ : ۴۹ [۵۳] النحل ۱۶ : ۴۳
[۵۴] طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۴ [۵۵] احیاء [۵۶] احیاء [۵۷]
صبح الاعشیٰ [۵۸] محاضرات الادبا [۵۹] کشف الظنون [۶۰] کشف الظنون

Marfat.com

ان کو دے چاہے نہ دے۔ مگر دوسری مجلس علماء کی ہے دین کی سمجھ حاصل کر رہے ہیں اور جاہلوں کو سکھا رہے ہیں۔ لہذا یہ لوگ بہتر ہیں اور میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں یہ کہہ کر آپ بھی اس مجلس میں بیٹھ گئے۔ ۱

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے ۲۔

قیامت کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی۔ ۳

اقوال

حضرت علیؓ نے کمیل کو نصیحت کی تھی۔ اے کمیل! علم دولت سے بڑھ کر ہے۔ دولت کی حفاظت تو تمہیں کرنا پڑتی ہے۔ لیکن علم تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ دولت تو خرچ کرنے سے کم ہو جاتی ہے۔ لیکن علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے ۴۔

الاحناف کا قول ہے کہ ہر وہ عظمت اور بزرگی جسے علم کی پشت پناہی حاصل نہ ہو۔ جلد غارت ہو جاتی ہے اور اسکی جگہ ذلت لے لیتی ہے ۵۔

ایک عالم فرماتا ہے جس نے علم حاصل نہیں کیا اس نے کیا پایا جس نے علم حاصل کر لیا اس نے کیا کھویا" ۶

الخلیل بن احمد سے سوال کیا گیا "علماء بہتر ہیں یا بادشاہ؟ انہوں نے جواب دیا علماء پھر ان سے پوچھا گیا جب یہ بات ہے تو پھر یہ بتایئے کہ علماء بادشاہوں کے دروازوں پر کیوں جمع ہوتے ہیں۔ لیکن بادشاہ علماء کے دروازوں پر جمع نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا علماء جانتے ہیں کہ بادشاہوں کے متعلق ان کا فرض کیا ہے لیکن بادشاہ نہیں جانتے کہ علماء کے متعلق ان کا کیا فرض کیا ہے ۷۔

حضرت عبداللہ بن مبارک سے دریافت کیا گیا کہ اگر تمہیں یہ معلوم ہو کہ کل

---

۱ مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم ۲ مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم ۳ بخاری ۳: ۱۲ ۴ الاحیاء۔ عقد الفرید عیون الاخبار ۵ محاضرات الادباء ۶ الاحیاء ۷ منہاج المتعلم

Marfat.com

تمہاری موت آنے والی ہے تو تم کیا کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں مطالعہ میں مصروف ہو جاؤں"۔ [۱]

مکتب کا آغاز اور ارتقاء

مسجد آغاز اسلام میں اسلامی تعلیم کا پہلا ادارہ مسجد تھا۔ اور ایک لمبے عرصہ تک مسجد علمی مرکز کا کام دیتی رہی۔ اب بھی ہر اسلامی ملک میں مسجدیں تعلیم کا گہوارہ ہیں۔

مسلمانوں کے جس جس ملک میں قدم پہنچے وہاں انہوں نے مساجد تعمیر کیں اور وہی علم کی ترویج اور اشاعت کے مرکز بنی رہیں۔ ملت اسلامیہ میں مساجد اس کثرت سے تھیں کہ ان کا احاطہ شمار میں لانا مشکل ہے۔ یعقوبی کے اندازے کے مطابق تیسری صدی ہجری میں صرف بغداد میں تین ہزار سے زائد مساجد تھیں۔ ابن جبیر کے قول کے مطابق چودھویں صدی عیسوی کے اوائل میں اسکندریہ میں کم و بیش ۱۲۰۰۰ مساجد تھیں۔ مصر۔ ایران، عراق، شمالی افریقہ میں کثرت سے مساجد تعمیر کی گئیں اور ان سے علم کی اشاعت اور ترویج کا کام لیا گیا۔ تمام اکناف بلاد اسلامیہ سے طلبا آتے اور تشنگی علم بجھا کر واپس جاتے اور علم کی اشاعت میں مصروف ہو جاتے۔ مسجد نبوی جو سب سے پہلی درس گاہ تھی اسکے بعد کئی ایک مساجد علمی مرکز کے اعتبار سے مشہور ہوئیں۔

جامع المنصور: ۱۴۵ھ میں جامع المنصور کی تعمیر شروع ہوئی۔ یہ مسجد اعلیٰ درجہ کا مدرسہ تھا۔ خطیب بغدادی نے حرم شریف میں جن تمام باتوں کے لیے دعا مانگی تھی۔ ان میں ایک بات یہ تھی کہ انہیں اس مدرسہ میں پڑھانے کا موقع نصیب ہو۔ الکسائی بھی اس مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ اس مسجد میں ابو عمرو الزاہد (م ۳۴۵ھ) نے الیاقوت املا کروائی۔

جامع دمشق اس مسجد کی تعمیر الولید بن عبدالملک نے کروائی اور آٹھ سال میں پایۂ تکمیل

---

[۱] منہاج المتعلم

Marfat.com

کو پہنچی۔ یہ مسجد ایک تعلیمی گہوارہ تھا۔ ابن جبیر کا بیان ہے۔ اس مسجد میں متعدد حلقے قائم تھے۔

جامع عمرو:۔ اس مسجد کی تعمیر ۲۱ھ میں ہوئی اور بعد ازاں کئی بار مرمت اور توسیع کی گئی۔ یہ مسجد تعلیم کا مرکز تھا اس میں چالیس حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ اس مسجد کے تقریباً آٹھ زاویے تھے۔ جن میں تین حسب ذیل ہیں۔

زاویہ امام شافعی۔ جہاں امام صاحب خود درس دیا کرتے تھے۔ المقریزی کے زمانہ تک اس زاویہ میں چوٹی کے علما و فضلاء ہی درس دیا کرتے تھے۔

زاویہ مجیدیہ میں قاضی القضاۃ وجیہہ الدین عبدالوہاب کا تقرر ہوا تھا

زاویہ صاحبیہ میں شافعی اور مالکی علماء کا تقرر ہوا کرتا تھا۔ اس مسجد میں ادبی نشستیں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ ابن طولون کی مسجد میں تفسیر حدیث فقہ اور دیگر علوم پڑھائے جاتے تھے۔

مدارس:۔ عروج اسلام کے ساتھ طلباء کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ مساجد کے صحن طلبا کی تعداد کے لیے ناکافی ثابت ہونے لگے۔ مسجد کے ظاہری آداب کو ملحوظ رکھنا مشکل ہو گیا۔ ہر وقت شور و شغب رہتا۔ جس کی وجہ سے نمازیوں۔ ذکر الٰہی کرنے والوں کو طمانیت قلب میسر نہ آتی۔ ان حالات میں مساجد سے مدارس کا الگ ہونا ضروری ہو گیا۔

چوتھی صدی کے آخر تک مدارس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ تعلیمی مرکز صرف مساجد اور خانقاہوں کے حجرے تھے۔ چیمبرس انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ مامون الرشید کے زمانہ میں عمدہ عمدہ مدرسے بغداد بصرہ کوفہ بخارا میں قائم تھے۔[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے کہ

> "مامون نے اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں خراسان میں ایک کالج بنوایا جس میں مختلف ملکوں سے نہایت لائق لائق استاد بلاکر مقرر کیے۔ عیسوع ایک بڑے فاضل کو جو دمشق کا رہنے والا اور مذہباً عیسائی تھا۔ کالج کا پرنسپل مقرر کیا۔"[2]

---

[1] کتاب مذکور ذکر عرب [2] کتاب مذکور حالات مامون الرشید۔

Marfat.com

علامہ ابن خلکان کہتا ہے کہ:

"اسلامی دنیا میں اوّل جس نے درسوں کی بنیاد ڈالی وہ دولت سلجوقیہ کا وزیر اعظم نظام الملک طوسی تھا۔ اولیت کی تعیین کرنا تو مشکل ہے۔ لیکن تاریخ کے صفحات پر چوتھی صدی کے آخر تک کسی مدرسہ یا کالج کا ذکر موجود نہیں ہے۔ مدارس کا قیام چوتھی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا۔"

شاہی مدارس

یہ مدارس شاہی محلات میں تعمیر ہوتے تھے۔ ان میں شاہی خاندان کے لڑکے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ تعلیم کا نصاب شاہی خاندان کے سربراہ کی مرضی کے مطابق ہوتا تھا۔ اور وقت کے تقاضوں کے ساتھ بدلتا رہتا تھا۔

عمرو بن عتبہ نے اپنے لڑکوں کے اتالیق کو یہ ہدایات دی تھیں "میرے بچوں کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے آپ کو اپنے اخلاق و عادات درست کرنے چاہئیں۔ میرے لڑکے آپ سے اثر لیں گے اور وہی کام کریں گے جو آپ کریں گے اور اس کام سے نفرت کریں گے جسے آپ نہ کریں گے۔ انہیں قرآن مجید پڑھا دیجئے۔ لیکن اس طرح نہیں کہ وہ اس سے اکتا جائیں۔ احادیث میں سے موزوں مناسب احادیث پڑھائیے اور علاوہ اس کے شستہ و پاکیزہ اشعار ان کے سامنے خوش الحانی سے پڑھیئے۔ جب تک وہ ایک مضمون کو خوب ذہن نشین نہ کر لیں دوسرا شروع نہ کیجیے۔ عقلاء اور دانش مندوں کے اوصاف انہیں سکھائیے اور عورتوں کی بات چیت سے انہیں دور ہی رکھیئے۔"[۱]

ہشام بن عبد الملک نے اپنے لڑکے کے اتالیق سے کہا:

پہلے اسے قرآن مجید پڑھائیے بعد ازاں نظم اور خطابت یا لیہ نیکی بدی کا فرق، مشہور لڑائیوں کے حالات اور آخر میں فن مکالمہ[۲]

۱؎ العقد الفرید (ابن عبدربہ) جلد ا صفحہ ۲۳۰۶ بحوالہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ۔
۲؎ محاضرات الادباء راصفہانی جلد ا صفحہ ۲۹ بحوالہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ۔

Marfat.com

ہارون الرشید نے امین کے اتالیق احمر کو کہا:

"احمر! امین نے اپنا بچہ جو میرا ہی خون اور میرا صلب ہے تیرے سپرد کر دیا اور تجھے اس پر اختیار و اقتدار دے دیا ہے۔ امین کو قرآن مجید احادیث نظم پڑھاؤ اور خطابت و فصاحت کی قدر شناسی سکھاؤ۔ اسے ہدایت کرو کہ موقع بے موقع نہ بنسا کرے۔ ہاشمی خاندان کے شیوخ کی قدر و منزلت کرنے کی عادات پیدا کر اور اگر سپہ سالاران افواج اس کی مجالس میں آئیں تو انہیں مناسب جگہ بٹھائے کوئی وقت ایسا نہ گزرے کہ اسے کوئی نہ کوئی مفید سبق نہ ملے لیکن اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ آزردہ خاطر ہو جائے۔ اس پر حد سے زیادہ شفقت بھی نہ کرنا ورنہ وہ کاہل ہو جائے گا اس کی اصلاح نرمی سے کی جائے۔ لیکن اگر اس سے کام نہ چلے تو تمہیں سختی کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے" [۱]

فاطمیوں کے عہد میں محل شاہی میں ایک مدرسہ ہوتا تھا جہاں امراء کے لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ شاہی محلات کے معلم کو مؤدب ہی کہا جاتا تھا۔

علما کی قیام گاہیں:۔ گو گھر کی چار دیواری تعلیم کی ترویج و اشاعت کے لیے موزوں نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی بعض حالات میں علمائے اپنے گھروں کو اسلامی تعلیم کی ترویج کے لیے مرکز بنایا۔ ابو سلیمان السجستانی محمد بن طاہر بن بہرام جن کی وفات چوتھی صدی ہجری کے آخر پہ ہوئی کا گھر طلباء کے لیے مرجع تھا۔ القفطی نے ابو الحسن سلیمان کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ وہ ابو سلیمان کے دوست تھے۔ اور اکثر ان کے گھر جایا کرتے تھے صاحب علم دوست حضرات جمع ہوا کرتے تھے۔ اور مختلف مسائل پر ابو سلیمان کی زیر نگرانی بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا[۲]

حضرت امام غزالی اپنے مکان پر دینیات کی تعلیم دیا کرتے تھے [۳]

یعقوب بن مکس (متوفی ۳۸۰) کا گھر جمعہ کے دن علم کا مرکز بن جایا کرتا تھا

---

[۱] المقدمہ (ابن خلدون) صفحہ ۳۹۹ [۲] اخبار الحکما القفطی صفحہ ۲۲۴

[۳] سوانح عمری امام غزالی آغاز احیاء العلوم صفحہ ۳۱

Marfat.com

مختلف علوم کے فضلا ان کے درس میں شریک ہوتے ہیں۔ سلہ

ادبی نشستیں:۔ ادبی نشستوں کا آغاز اموی عہد میں ہوا حضرت امیر معاویہؓ علما کو دعوت دیا کرتے تھے اور ان سے تاریخی باتیں سنا کرتے تھے۔ عبدالملک کے دربار میں ادبی مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں۔ ان ادبی نشستوں کو عہد عباسیہ میں بہت ترقی ہوئی۔ مخصوص علما کو بلایا جاتا تھا وہ دربار میں مخصوص لباس پہن کر حاضر ہوتے۔ ان کے لیے نشستیں مخصوص کر دی جاتیں اور یہ نشستیں ان کے علمی مرتبہ کو ظاہر کرتیں موضاعات عام طور پر دین فلسفہ البیانت شاعری ہوا کرتے تھے۔ خلفاء ان ادبی مجلسوں میں حصہ لینے والے علماء کو بڑے بڑے انعام و کرام سے نوازا کرتے تھے۔

کتب فروشی کی دکانیں

قرون وسطیٰ میں کتب فروش صرف تاجر ہی نہیں ہوتے تھے۔ اور کتب صرف تجارت کے لیے ہی نہ رکھی جاتی تھیں۔ بلکہ کتب فروش علماء فضلاء ہوتے تھے۔ اور نایاب کتب نقل کر کے نہایت ہی کم قیمت پر اشاعت علم کے لیے فروخت کرتے تھے۔ ابن ندیم (م ۳۸۵) مصنف الفہرست یاقوت (م ۶۲۶ھ) مصنف معجم الادبا اور معجم البلدان علی بن عیسیٰ۔ جو متعدد کتب کے مصنف تھے کتب فروش ہی تھے۔ حسن السندوبی ایک کتب فروش شیخ عبدالغنی کے متعلق لکھتا ہے کہ ان کا علم بہت ہی وسیع تھا اور متعدد سائنٹیفک اور ادبی مسائل سے متعلق مجھ سے بحث کیا کرتے تھے اور مجھے متعدد بہت سی مفید کتب برائے مطالعہ دیا کرتے تھے اور ان سے بہت فائدہ ہوا سلہ۔

دکانوں پر علما جمع ہو جاتے تھے اور علمی مناظرے اور مباحثے کیا کرتے تھے صاحب علم حضرات دن رات ان دکانوں پر بیٹھ کر مطالعہ کیا کرتے تھے۔ جاحظ کے متعلق لکھا ہے۔ وہ ان کتب فروشی کی دکانوں پر چلا جاتا اور مالک سے کہہ دیتا تھا کہ اسے رات بھر دکان میں بند کر دیا جائے وہ جو چاہے پڑھے اور جو

سلہ الخطط (مقریزی) جلد ۲ صفحہ ۳۴۱ سلہ مقابسات از ابوحیان صفحہ ۳۰

Marfat.com

چاہے لکھے۔

ابن الجوزی بغداد کے کتب فروشی کے بازار سے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ بہت بڑا بازار ہے اور وہاں شعرا اور علماء جمع ہوا کرتے تھے۔

المقریزی قاہرہ کے بازار کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ علم کے دلدادوں کا محبوب مقام تھا۔ جہاں اکثر طلبا اور علماء جمع ہوا کرتے تھے۔

ان کتب خانوں کا موجود پہلے دور عباسیہ میں ہوا۔ پھر تمام اسلامی دنیا میں اس کا رواج ہوگیا۔ یعقوبی نے بغداد کا تذکرہ کرتے ہوئے صرف محلہ وضا حسنہ میں سو سے زیادہ کتاب خانوں کا ذکر کیا ہے۔ ابن زولاق اپنی کتاب "سبویہ" میں لکھتا ہے [۵] مصر میں تولونیوں اور اخشیدیوں کے عہد میں الوراقین کے لیے ایک الگ بازار تھا۔

جامعات: مدارس کے قیام کے بعد جامعات (یونیورسٹیاں) قائم ہونا شروع ہوئیں جہاں ہر قسم کے علوم پڑھائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر جامعہ مستنصریہ کا ذکر ضروری ہے۔ "بغداد عہد عباسیہ میں" کا مصنف لکھتا ہے۔

"خیال ہے کہ بغداد کے عربی دروازے کے ٹھیک جنوب میں عظیم جامعہ مستنصریہ واقع تھی۔ ۱۹۰۰ء تک اس جامعہ کے کچھ آثار باقی تھے جب کہ اس کے قریب و جوار کے شاہی محلات اس وقت تک کاملاً نابود ہو چکے تھے جامعہ کی تعمیر ۳۴-۱۲۳۱ء ۶۳۱ھ میں مکمل ہو چکی تھی۔ تعجب کی بات ہے کہ یاقوت نے اپنی قابل قدر جغرافیائی لغت میں اس کے سن تعمیر اور محل وقوع کا کوئی تفصیلی ذکر نہیں کیا۔"

ہم عصر تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سطوت و شوکت فرنیچر کی عمدگی اور نفاست عمارت کی وسعت و کشادگی غرض کہ ہر اعتبار سے جامعہ مستنصریہ کا بلاد اسلامیہ میں کوئی جواب نہ تھا۔ جامعہ میں اہلسنت والجماعت کے چاروں فقہی اسکول الگ الگ قائم تھے جن کے صدر معلم اپنے فقہی مدرسہ فکر کے مسند عالم ہوا کرتے تھے اور ان میں کسی کے پاس بھی پچھتر سے زائد طلباء نہیں ہوا کرتے تھے۔

---

[۵] صفحہ ۳۲۳ غیر مطبوعہ

Marfat.com

ابن الفرات کا کہنا ہے کہ جامعہ میں ایک عظیم الشان دارالکتب تھا۔ جس میں مختلف علوم پر لاتعداد اور نایاب کتب موجود تھیں ...... جامعہ اور محل کے درمیان ایک بے حد خوب صورت باغ تھا۔ خلیفہ کے محل کی جو سمت باغ سے ملحق تھی۔ اس میں ایک خوشنما شہ نشین بنا ہوا تھا۔ جس کے سامنے ایک باریک ریشمی پردہ ہر وقت جھولتا رہتا شہ نشین سے باآسانی جامعہ کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ خلیفہ شہ نشین پر بیٹھ کر بسہولت دیکھ سکتا تھا۔ کہ جامعہ میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ اساتذہ کے درس اور طلباء کے مذاکرات باآسانی سُن سکتا تھا۔

طرز تعلیم:۔ قرون وسطی میں تعلیم کا طریقہ یہ تھا۔ کہ استاد ایک بلند مقام پر بیٹھ جاتا اور مخصوص گفتگو کرنا شروع کر دیتا۔ طالب علم اس گفتگو کو لکھتے جاتے۔ اور ایک مستقل کتاب تیار ہو جاتی۔ اور امالی کے نام سے مشہور ہوتی تھی۔ امالی بن درید و ثعلب اسی قسم کی تصنیفات ہیں۔ بعض اوقات حلقہ تلامذہ بہت بڑا ہو جاتا تھا۔ اور استاد کی آواز حلقہ کے آخر تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ تو چند فاضل کھڑے ہو جاتے اور استاد کے الفاظ کو دہراتے اور حلقہ کے آخر تک پہنچاتے تھے۔ یہ لوگ مستملی یا معید کہلاتے (Repeats)

دوسرا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ طلباء لمبے لمبے سفر طے کر کے علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کئی کئی برس ان کی صحبت میں رہ کر علم کے جواہر پاروں سے اپنے دامن بھرتے اور پھر اپنے وطن لوٹ جاتے۔ پرانے علماء میں سے ایک بھی عالم نہیں ملے گا۔ جس نے سفروں کی کوفتیں برداشت نہ کی ہوں۔ بغداد قرطبہ نیشاپور علماء اور طلبا کا مرجع بنے ہوئے تھے۔

تیسرا طریقہ تعلیم مناظروں اور مباحثوں کی مجالس میں شریک ہونا ہوتا تھا۔ امراؤ بادشاہ اپنے مکانوں پر علمی مجالس منعقد کرتے کسی ایک موضوع پر بحث کرنے کے لیے علماء کو دعوت دی جاتی۔ علماء جاتے اور اپنا اپنا خیال بیان کرتے۔

Marfat.com

معاشرے کی اصلاح میں مکتب کے فرائض

علم کی اشاعت

جیسا کہ پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے اسلامی نقطہ نگاہ سے علم کا حصول اور اشاعت لازمی ہے۔ سب سے پہلے جو وحی رسول کریم صلعم پر نازل ہوئی وہ علم سے تعلق رکھتی ہے۔ رسول کریم صلعم نے علم کے پھیلانے کی طرف خاص توجہ دی آپ کی نظر میں علم اتنا ضروری تھا کہ جب جنگ بدر میں قیدی پکڑے گئے تو رسول کریم صلعم نے خواندہ قیدیوں پر رہائی کی یہ شرط عائد کر دی کہ وہ دس دس مسلمانوں کو پڑھائیں۔ پھر آپ نے صحابہ کرام کو یہ تلقین کی کہ جو باتیں سنتے ہیں وہ دوسروں تک پہنچائیں۔ پس علم کا حاصل کرنا اور اسکی اشاعت اسلامی نقطہ نگاہ سے بہت ضروری ہے مدارس اور مکاتیب علم کی اشاعت کا مرکز ہوتے تھے۔

اتحاد

اسلام بنی نوع انسان کو اتحاد کی لڑی میں منسلک کرنے کے لیے آیا ہے یہی وہ دین ہے جس نے یہ پیغام دیا ہے کہ تمام نسل انسانی ایک اصل سے ہیں ارشاد الٰہی ہے: یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ[1] اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک اصل سے پیدا کیا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا[2] تمام انسان ایک ہی امت تھے پھر الگ الگ ہو گئے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[3] سب مومن بھائی بھائی ہیں۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: ان العبادة کلهم اخوة[4] انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

الاسلام احوج الی الجماعة[5] اسلام جماعتی نظام چاہتا ہے

---

[1] النساء ۱ [2] یونس آیت ۱۹ [3] الحجرات ۱۰ [4] احمد ابوداؤد
[5] کنوز الحقائق حرف الہمزہ

Marfat.com

الجماعة رحمة و الفرقة عذاب. جماعت پر رحمت ہے اور متفرق ہونا عذاب ہے۔

مکتب رسول کریم صلعم کی تعلیم اتحاد کو عملی جامہ پہنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ جب طلبا مکتب میں جاتے ہیں وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں ان کے باہمی تعلقات بڑھتے ہیں تو ان میں اتحاد کا رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے جس کا اثر معاشرہ پر پڑتا ہے۔

مساوات:۔ اسلام نے مساوات بین الناس پر بہت زور دیا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔[۱] اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ اور اللہ خوب جانتا ہے اور خبردار ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلعم نے اپنے مشہور خطبہ میں فرمایا:

"لوگو! ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے،،[۲]

مکاتیب مساوات کا سبق دیتے ہیں۔ غریب امیر سب ایک جگہ پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس سے ایک دوسرے سے برتری اور فضیلت کا جذبہ سرد ہو جاتا ہے۔

نظم و ضبط کی تربیت:۔ تمام مکاتیب کے قوانین و ضوابط ہوتے ہیں۔ جو طالب علم کسی مکتب میں داخل ہوگا۔ وہ ان قوانین کا جوا اپنی گردن پر رکھے گا۔ اور ان کے مطابق اپنی طالب علمی کا زمانہ گزارے گا جس سے طالب علم میں نظم و ضبط کی تربیت ہو جاتی ہے۔ مثلاً وقت پر مکتب آنا۔ وقت کے مطابق اپنے اسباق پڑھنا۔ وقت پر کھیلنا۔ دوسروں کے لیے ایثار اور قربانی کرنا۔ استاد کی اطاعت کرنا۔ ساتھیوں

---

[۱] الحجرات آیت ۱۳ [۲] مسند احمد

Marfat.com

کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا یہ سب امور مکانیب سے سیکھے جاتے ہیں۔

اخلاق کی تربیت :- اخلاق اسلام کی تعلیم کا ایک نہایت ہی اہم حصہ ہے رسول کریم فرماتے ہیں: بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ [1] کہ میری بعثت ہی اس مقصد سے ہوئی ہے کہ مکارم اخلاق کی عمارت کو مکمل کروں۔

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُہُمْ خُلُقًا [2] مومنوں میں سے ایمان کے لحاظ سے کامل وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

خِیَارُکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا [3] تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

قرآن مجید میں آتا ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ [4] اور جو ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے ہیں وہی جنت والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا [5]

کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور ناکام ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی میل سے گندا کیا۔

مکتب طالب علم کو اخلاق اور آداب سکھانے کی جگہ ہے۔ استاد طالب علموں کو اخلاق سنوارنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں تاکہ طالب علم صحیح معنوں میں اچھا شہری بن سکے گویا مکاتیب اور مدارس اخلاق سنوارنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

مذہبی رواداری :- اسلام رواداری کا مذہب ہے:

ارشادِ الٰہی ہے: لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ [6] یعنی دین کے بارہ میں کسی طرح کا جبر نہیں ہے۔ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہو گئی ہے

اسلام ہر ایک سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ہر مذہبی کتاب اور رسول پر ایمان لائے اور کسی کے درمیان تفریق نہ کرے۔

---

[1] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۵ [2] ترمذی [3] بخاری [4] بقرہ ۲: ۸۲
[5] الشمس ۹: ۱۰ [6] البقرہ ۲: ۲۵۶۔

Marfat.com

ارشادِ الٰہی ہے: قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ [1]

کہ ہم ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور اس پر جو ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

مکتب طلباء کو مذہبی رواداری کا سبق دیتا ہے۔ مختلف مذاہب اور فرقوں کے طالب علم۔ مکتب میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک استاد سے اکٹھے سبق لیتے ہیں اور مذہبی تعصب سے بالاتر ہوتے ہیں۔ مختلف مذاہب اور فرقوں سے تعلق رکھنے والے طلبا کا ایک جگہ بیٹھنا اور ایک ہی استاد سے سبق لینا انکے مذہبی تعصب کو سرد کر دیتا ہے اور جذبہ رواداری کو ابھارتا ہے۔

جمہوری افدار کی تربیت: جب ایک طالب علم مدرسہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ دوسروں سے مل کر رہنے اور کام کرنے کی تربیت حاصل کرتا ہے۔ اچھے اور بروں سے برتاؤ کرنے کی تربیت پاتا ہے۔

روحانی تربیت: مدارس صرف ذہنی اور اخلاقی اور جسمانی تربیت کا ہی مقام نہیں بلکہ روحانی تربیت کا بھی مہبط ہیں۔ رسول کریم صلعم کے عہد مبارک میں صفہ مسجد نبوی کا مکتب ہی تھا۔ وہاں صرف دینی علم ہی نہیں پڑھایا جاتا تھا بلکہ روحانی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ اس مکتب کے فارغ التحصیل تھے۔

جسمانی تربیت:- کسی قوم کی ترقی اور اصلاح نوجوان کی جسمانی تربیت پہ منحصر ہے۔ مکاتیب اور مدارس جہاں طالب علموں کی ذہنی اخلاقی اور روحانی تربیت کرتے ہیں۔ وہاں انکی جسمانی تربیت کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ اس طرح ایک طالب علم اخلاقی اور روحانی تربیت کے زیور سے آراستہ ہو کر مدرسہ سے فارغ ہوتا ہے اور معاشرہ کا ایک اچھا شہری ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] البقرہ ۲: ۲۵۶۔

Marfat.com

معاشرہ میں استاد کا مقام

معلم اوّل اللہ تعالیٰ ہے جس نے آدم کو اسماء سکھائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا[1] اور آدم کو سب نام سکھائے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کو معلمین بنا کر بھیجا جنہوں نے نسل انسانی کو روحانی۔ معاشرہ، اخلاقی اور اقتصادی علوم سکھائے۔ حقیقت میں تہذیب انسانی کے بانی انبیاء علیہم السلام کا ہی گروہ ہے سب کے آخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کی طرف بھیجا۔ اور ایک ایسا علم کا خزانہ دیا جو نہ پہلوں کو ملا تھا۔ اور نہ بعد میں کسی کو ملے گا۔ اور وہ کتاب لائے جو ہر قسم کے علوم سے بھری ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ[2] وہی ہے جس نے امیوں کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے۔ اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں حکمت سکھاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلم کی حیثیت سے بھی بھیجا ہے۔ جب قرآن مجید کی رو سے معلم اوّل اللہ تعالیٰ اور آخری معلم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تو اس سے یہ امر بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ اسلامی معاشرہ میں معلم کا کیا مقام ہے معلم ہی وہ ذات ہے۔ جو علم کو ترویج دیتی ہے جاہلوں کو علم کے زیور سے آراستہ کرتی ہے دلوں کی تاریک کوٹھڑیوں کو علم کی روشنی سے منور کرتی ہے اور علم کی روشنی میں ہی قوم ترقی کرتی ہے۔ گویا معلم کی ذات قوم کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ تاریخ بھی اس امر پر شاہد ہے کہ دنیا میں

---

[1] البقرہ ۲: ۳۱ [2] الجمعۃ ۶۲: ۲

Marfat.com

اسی قوم نے ترقی کی منازل طے کی ہیں جو علم کے زیور سے آراستہ تھی - عرب کی تاریخ ہمارے سامنے ہے - رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب قوم تنزل کی انتہا گہرائیوں میں گری ہوئی تھی - تنزل کی وجوہ میں سے ایک وجہ امی ہونا ہے جیساکہ قرآن سے ظاہر ہے جب اس امی قوم کے دل علم کے نور سے منور ہوگئے تو یہ قوم نہایت ہی قلیل عرصہ میں زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کر گئی - جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی -

تاریخ سے یہ ظاہر ہے - ہر وہ قوم جو عروج کے آسمان پر نمودار ہوئی اس کے ہاتھ میں علم کی شمع تھی - اور یہ شمع معلمین کے ذریعہ روشن ہوتی ہے - اس وجہ سے ہر ترقی یافتہ قوم معلمین کو معاشرہ میں ایک بلند درجہ دیتی ہے -

بعض علماء نے تو معلمین کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا ہے بے ادب طالب علم بے دین ہے - جس نے شیطان کو اپنا رہنما بنا لیا ہے[1] -

حضرت مصعب بن زبیر فرماتے ہیں -

" لوگوں نے جو کچھ سیکھا ہے اس میں بہترین بات منہ سے نکالتے ہیں - جو کچھ انہوں نے لکھا ہے - اس میں سے بہترین چیز سیکھ لیتے ہیں - اور جو کچھ سنا ہے اس میں سے بہترین بات لکھ لیتے ہیں لہٰذا اگر تمہیں علم کی تلاش ہے تو اسے کسی کے ہونٹوں سے حاصل کرو - اور اس طرح تمہیں چیدہ اور برگزیدہ علم حاصل ہوگا[2]

امام شافعی فرماتے ہیں :-

جو شخص صرف کتابوں سے علم حاصل کرتا ہے اسے وہ امتیاز حاصل نہ ہوگا - جس کی اسے ضرورت ہے !![3]

اخوان الصفا نے لکھا ہے -

" ہر شخص کی قوت سے باہر ہے - کہ وہ صرف اپنی کوشش سے علم

---

[1] المشکوٰۃ " جرنل البشیالک ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۸۳ [2] محاضرات الابرار محی الدین عربی غیر مطبوعہ ماخوذ از تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ مصنفہ ڈاکٹر احمد شلبی صفحہ ۹۵

[3] تذکرۃ السامع (ابن جماعہ صفحہ ۸۵)

حاصل کرے۔ اس لیے ہر طالب علم کے لیے ایک استاد کی ضرورت ہے جو حصول علم۔ تعمیر سیرت اور اس کے عقائد و اعمال میں رہنما کا کام دے"۔ [1]

جب ہم مسلمانوں کی ترقی کے زمانہ کی حکومتوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو یہ بات بڑی نمایاں معلوم ہوتی ہے کہ ان حکومتوں نے اساتذہ کو معاشرہ میں ایک بلند مقام دیا تھا۔ مثال کے طور پر علی بن حسن الاحمر خلیفہ کے محل کے محافظوں میں شامل تھا وہ صرف ایک کمرہ میں رہتا تھا۔ جس میں معمولی ساز و سامان تھا۔ جب الاحمر ہارون الرشید کے لڑکے کا اتالیق مقرر ہوگیا تو اس کے بعد محمد بن الجہم ان کی زندگی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔ جب کبھی ہم الاحمر کے پاس جاتے تو ہمیں متعدد ملازمین سے واسطہ پڑتا جو ہمیں اس حویلی میں لے جاتے ہیں۔ جو بادشاہوں کے محلات کے مانند ہوتی۔ اور پھر الاحمر ہمارے پاس شاہی خلعت میں ملبوس آتا [2]

ہارون الرشید کی خدمت میں ایک مختصر رسالہ پیش کیا گیا جس میں اس کے لیے وہ فرائض درج تھے۔ جو خلیفہ کی حیثیت سے سر انجام دینے تھے۔ اس میں اس موضوع سے متعلقہ چند سطور رقم کی جاتی ہیں۔

"یہ بات گرہ میں باندھ رکھو کہ علماء کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک روشن چراغ یا تاریکی میں لٹکے ہوئے روشنی کے فانوس۔ ان چراغوں سے جو روشنی سلطنت میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کا انحصار اس توجہ پر ہے۔ جو تم ان پر مبذول کرو گے"۔ [3]

کسی بڑے خلیفہ سے یہ سوال کیا گیا:

خدا نے دنیا اسلام میں تمہیں بہترین درجہ عطا کیا ہے۔ کیا تمہیں اب بھی کسی چیز کی تمنا ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا ہاں ایک مقام ایسا ہے جو ان سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ جو مجھے حاصل ہیں اور جس

---

[1] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ صفحہ ۱۸ [2] معجم الادباء (یاقوت) جلد ۵ صفحہ ۱۱۰ [3] ہارون الرشید کے لیے نصیحت غیر مطبوعہ استنبول ماخوذ از تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ڈاکٹر احمد شلبی

Marfat.com

کی برابری کوئی چیز نہیں کر سکتی - اور وہ یہ ہے - کہ کسی عالم کی مسند پر بیٹھ کر لوگوں کو درس دیا جائے - اور انہیں فیض پہنچایا جائے۔ ۱؎

ایک موقع پر ہارون الرشید کو محمد بن الحسن اور ان کے سامعین کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ سوائے محمد بن الحسن کے باقی تمام لوگ خلیفہ کو سلام کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے - جب خلیفہ نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا۔ چوں کہ میرا تعلق علماء سے ہے لہذا نوکروں جیسے کام کرنے سے مجھے نفرت ہے ۲؎ -

الملک الافضل روزانہ بلا ناغہ کتابیں خود لے کر محل شاہی سے نکلتا اور تاج الدین الکندی کے معمولی مکان پر جایا کرتا تھا۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ جو سبق پہلے سے جاری ہوتا اس میں دیر ہو جاتی - اور ایسی صورت میں الملک الافضل کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑتا جب تک اس کی باری آتی ۳؎ - نور الدین کے حضور کوئی قابل مواخذہ فعل قطب الدین الشافی سے منسوب کیا گیا۔ نور الدین نے جواب دیا۔ اگر یہ بات صحیح ہے - تو اس کا علم و فضل اس کی تلافی کر دے گا ۴؎

اساتذہ کا کردار اور فرائض

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ دنیا میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کے پیچھے قائد کے کردار قوت نہ ہو۔ اساتذہ صرف طلباء کو چند کتابوں کے پڑھانے پر مامور نہیں ہوتے بلکہ طلبا کے اندر ایک ذہنی اخلاقی روحانی انقلاب پیدا کرنا بھی ہوتا ہے۔ یہ انقلاب اس وقت تک رونما نہیں ہو سکتا۔ جب تک استاد اخلاق کے بلند مقام پر نہ کھڑا ہو۔ رسول کریم صلعم جب دنیا میں ایک نیا آسمان اور ایک نئی زمین پیدا کرنے کے لیے مبعوث ہوئے - تو آپ نے مخاطبین کے سامنے

۱؎ منجم ابن حجر ماخوذ از تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ۲؎ تذکرۃ السامع والمتکلم صفحہ ۸۸، ۸۹ ۳؎ المقصور دالنا جبیر دمهان، صفحہ ۱۱ ۴؎ مفرج الکروب (ابن واصل) غیر مطبوعہ کیمبرج ماخوذ از تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ

Marfat.com

اپنا کردار پیش کیا۔ اور کسی مخالف نے آپ کے کردار پر انگلی نہ رکھی۔ اس بلند کردار کی وجہ سے ہی آپ عرب میں ایک عظیم انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ثابت ہوئے۔

قرآن مجید میں یہ آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تمہارا عمل نہیں ہے) اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ قول اور عمل میں مطابقت ہونی چاہیئے۔ اور ایک استاد کو یہ سبق دیتی ہے کہ وہ اخلاق حمیدہ سے متصف ہو۔

استاد کے فرائض

شفقت استاد کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ شاگرد سے شفقت اور پیار سے پیش آئے۔ رسول کریم صلعم کا ارشاد ہے: انما انا لکم مثل الوالد لولده[1] میں تمہارے لیے ویسا ہی ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لیے۔ استاد کی شفقت ایسی ہی ہونی چاہیئے جیسا کہ باپ کی بیٹے کے ساتھ۔ اگر استاد کا دل شفقت اور محبت کے جذبے سے عاری ہو گا تو شاگرد کا دل بھی اس کی طرف مائل نہیں ہو گا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ شاگرد علم کی دولت سے محروم رہے گا۔

نئے سبق کی تیاری: استاد نے جو نیا سبق طلباء کو پڑھانا ہو وہ اچھی طرح تیار کر کے آئے۔ نئے سبق کا خاکہ ذہن میں ہو۔ اور سلیس رواں فصیح زبان میں پیش کرے۔ جب تک استاد نئے سبق کی تیاری گھر پر نہیں کرتا نہ تو وہ اپنے علم کو بڑھا سکتا ہے اور نہ طالب علم میں ذوق اور شوق علم بڑھا سکتا ہے۔

وسعت مطالعہ: استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ مطالعہ سے اپنا علم بڑھاتا رہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلعم کو یہ دعا سکھائی ہے: رب زدنی علما اے اللہ میرے علم کو بڑھا۔ جب رسول کریم صلعم جیسا شخص جو اپنے علم میں اگلے اور پچھلے سب انسانوں سے افضل ہے علم کی بڑھوتی کے لیے

[1] ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ

Marfat.com

ہر وقت دعا کرتا ہے۔ تو عام انسانوں کے لیے تو بدرجہ اتم ضروری ہے۔ کہ وہ ہر دم اپنے علم کو بڑھانے کی فکر میں رہے۔ علم دو طرح سے بڑھتا ہے۔ مطالعہ اور مشاہدہ سے۔ استاد کثرت سے مطالعہ کرے۔ اور سیر و سیاحت سے اپنے مشاہدات کو بڑھائے۔ ہر علم و فن میں پختگی اور مہارت صرف مطالعہ اور مشاہدہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جب تک استاد اپنے علم و فن میں کامل نہ ہوگا۔ اس وقت تک وہ طالب علم کی علم کے میدان میں صحیح طور پر رہنمائی نہیں کر سکتا۔

حکمت تعلیم:۔ استاد اپنے شاگردوں کو ان کی قابلیت کے مطابق پڑھائے رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ کلموا الناس علی قدر عقولھم یعنی لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات چیت کرو۔

جسمانی سزا سے احتراز: شاگرد کو جسمانی سزا دینے سے حتی الامکان احتراز کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ جسمانی سزا نفرت اور بغض کا باعث بن جاتی ہے۔ جب شاگرد کے دل میں اساتذہ کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے۔ تو وہ استاد سے نور علم حاصل نہیں کر سکتا۔ استاد کا صرف یہ فرض ہے کہ اگر شاگرد سے کسی قسم کی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ محبت اور مشفقانہ انداز میں شاگرد کی غلطی کی نشان دہی کر دے۔

جسمانی سزا سے طالب علم کی خودداری مجروح ہوتی ہے۔ عزت نفس کچلی جاتی ہے۔ خودداری اور عزت نفس ہی انسان کی ذہنی اور اخلاقی استعداد کو جلا بخشتی ہے۔

جسمانی صحت کا خیال: استاد کا یہ فرض ہے کہ شاگرد کی جسمانی صحت کا خیال رکھے۔ کیوں کہ صحت پر عقل اور ذہانت کا دارومدار ہے۔ اگر شاگرد کی صحت خراب ہو گی تو وہ محنت کرنے سے جی چرائے گا۔

نظم و ضبط کی پابندی: نظم و ضبط کی پابندی استاد پر فرض ہے۔ اگر استاد نظم و ضبط قائم نہ رکھے گا تو شاگرد کی زندگی کبھی بھی نظم و ضبط کے تحت نہیں آ سکتی۔ استاد نظم و ضبط کی پابندی کرے گا تب شاگرد بھی نظم و ضبط کا خیال

Marfat.com

رکھے گا۔

ایثار:۔ استاد کے اندر ایثار اور قربانی کا جذبہ ہونا چاہیئے۔ ہمارے گزرے ہوئے مشہور اساتذہ کی زندگی ایثار اور قربانی کا نمونہ تھی۔

سادگی:۔ سادگی اور پاکیزگی انسان کا زیور ہے۔ جو آدمی اس زیور سے آراستہ ہوگا وہ قابل تکریم و تعظیم ہے۔ استاد کو سادہ زندگی بسر کرنی چاہیے۔ تصنع اور بناوٹ اس کے قریب تک پھٹکنی نہیں چاہیے۔ کیوں کہ سادگی بے شمار خوبیوں اور اچھائیوں کو جنم دیتی ہے اور بے شمار برائیوں سے روکتی ہے۔ سادہ آدمی مخلص وفادار اور ہمدرد ہوگا اور تکبر اور ریاکاری سے دور رہے گا۔

ترویج علم:۔ رسول کریم صلعم کے نقش قدم پر چل کر ترویج علم میں کوشش کرے۔ اور کسی معاوضے کی امید نہ رکھے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا کہ دو کہ ہم تم سے اس تعلیم کے لیے نہ تو بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ!

غور و فکر کرنے کی تلقین:۔ ذہنی استعداد میں غور و فکر سے ہی ترقی کرتی ہیں اس وجہ سے قرآن مجید نے انسان کو بار بار غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے اس لیے استاد کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ شاگرد کو ہمیشہ غور و فکر کرنے کی تلقین کرتا رہے تاکہ طالب علم محض استاد کا ہی نقال بن کر نہ رہ جائے۔

شاگرد کے فرائض

برائیوں سے اجتناب برائی غیر طبعی فعل ہوتا ہے۔ ہر غیر طبعی فعل انسان کے دل اور عقل پر پردہ ڈالتا ہے۔ اور نور طبیعت کو بجھاتا ہے اس سے صرف ذہانت اور فطانت ہی مردہ نہیں ہوتی۔ بلکہ انسان کی اندرونی شخصیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اسلام

Marfat.com

نے ہر قسم کی برائی سے مجتنب رہنے کی تعلیم دی ہے - ایک طالب علم کا پہلا فرض یہ ہے - کہ وہ ہر قسم کی برائیوں سے احتراز کرے - امام غزالی فرماتے ہیں کہ علم دل کی عبادت اور باطنی نماز کا نام ہے -

استاد کا احترام :- طالب علم کو چاہیئے کہ استاد کے احترام اور وقار کو بلند رکھے - کبھی بھی گستاخی اور تکبر سے پیش نہ آئے - اگر استاد کا مقام معاشرہ میں بلند نہ ہوگا اور لوگوں کی نظر میں گرا ہوا ہوگا - تو اس سے طالب علم کبھی بھی استفادہ نہیں کر سکے گا - طبرانی - حاکم - بیہقی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کاتب وحی رسول زید رضؓ بن ثابت کسی جنازے میں شریک ہوئے نماز جنازہ کے بعد سواری پر سوار ہونے لگے - تو عبداللہ بن عباسؓ نے رکاب تھام لی - حضرت زید بنؓ ثابت نے فرمایا اے رسول اللہ کے چچازاد بھائی رکاب چھوڑ دیجئے - ابن عباسؓ بولے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عالموں اور بڑوں کی تعظیم اسی طرح کریں - یہ سن کر حضرت زید بن ثابتؓ نے ابن عباسؓ کا ہاتھ چوم لیا - اور فرمایا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ رسول کریم صلعم کے گھر والوں کا احترام اسطرح کریں -

ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہ طلبا کو پڑھا رہے تھے کہ ایک سفر پاس سے گزرا تو امام صاحب کھڑے ہوگئے اور فرمایا یہ میرا استاد ہے - طلبائے نے کہا یا حضرت! آپ کا استاد فرمایا! ہاں - طلبائے کہا آپ نے اس سے کیا سیکھا تھا - فرمایا اس نے مجھے بتایا تھا کہ کتا کب جوان ہوتا ہے -

استاد کی ہدایات پر چلنا :- طالب علم کو چاہیئے کہ وہ استاد کی ہدایات پر اور رہنمائی کے مطابق علم سیکھے - جو استاد بتائے وہ یاد کرے تاکہ اس کا ذہن شکوک شبہات کا شکار نہ ہو - کیوں کہ استاد نے تمام مسائل پر غور وخوض کیا ہوتا ہے - اور مسائل کی صحت اور درستگی پر پہنچا ہوا ہوتا ہے - طالب علم چوں کہ پختہ ذہن نہیں ہوتا - اور مسائل کے ہر پہلو پر غور و فکر بھی کیا ہوا نہیں ہوتا - اس وجہ سے یہ لازمی ہے کہ طالب علم استاد کی ہی ہدایات کے مطابق مطالعہ کرے -

اطاعت فی المعروف :- طلبا کو استاد کی اطاعت فی المعروف کرنا ضروری

Marfat.com

ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے: انا عبد من علّمنی حرفا جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھایا ہے میں اس کا غلام ہوں۔

دل جمعی: علم حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ طالب علم تمام مشاغل سے توجہ ہٹا کر صرف علم کی طرف ہی توجہ رکھے۔ حضرت امام غزالیؒ نے کہا ہے کہ جب تک تم سب کچھ علم کو نہ دے ڈالو۔ علم تمہیں اپنا کوئی حصہ بھی نہیں دے گا۔ منتشر افکار کی مثال اس پانی کی مانند ہے جسے چھوٹی چھوٹی نالیوں میں تقسیم کر دیا جائے کچھ نالیاں سورج کی گرمی سے خشک ہو جائیں گی اور ہوا انہیں اڑا لے جائے گی۔ کچھ زمین میں جذب ہو جائیں گی کچھ انسان اور حیوان پی لیں گے اور پانی ختم ہو جائے گا لیکن یہی نالیاں متحد رہیں تو نہریں بن جائیں اور ناپید نہ ہوں۔

طالب علم کی توجہ علم پر ہی مرتکز رہنی چاہیئے تا کہ ذہنی انتشار کی وجہ سے طالبعلم کی استعدادیں اور قابلیتیں ضائع نہ ہوں۔

بلند نظری: علم ایک پاکیزہ مقصد اور مطہر چیز ہے اس وجہ سے اس کا حصول بھی بلند اور پاکیزہ مقصد کے لیے ہونا چاہیئے۔ عموماً طلبا کے سامنے علم حاصل کرنے کا مقصد صرف مادی فوائد ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ مقصد نہایت ہی پست ہے طالب علم کے پیش نظر یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ وہ علم کے نور سے ملک اور اسلام کی خدمت کرے گا اور علم کے خزانہ سے نسل انسانی کو فائدہ پہنچائے گا۔

محنت: دنیا میں کوئی چیز بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے علم کے حاصل کرنے کے لیے طالب علم کو محنت کرنا ضروری ہے۔ صحابہ کرام کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے وہ ایک ایک حدیث سننے کے لیے سینکڑوں میل کے سفر پیدل کرتے۔ اسی طرح ہمارے ائمہ اور مشہور اساتذہ نے علم حاصل کیا۔ علم کے جہاں جہاں مرکز ہوتے وہاں جاتے اور علم کی دولت جمع کرتے۔

مال خرچ کرنا: جہاں علم کے حصول کے لیے محنت ضروری ہے وہاں روپیہ پیسہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ خاص طور پر ہمارے اس دور میں بغیر روپیہ پیسہ خرچ کرنے کے علم حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ سکولوں اور کالجوں میں فیس ادا کرنا پڑتی ہے کتب خریدنی ہوتی ہیں اگر کوئی شخص مال کو علم سے زیادہ پسند کرتا ہے تو وہ کبھی بھی

Marfat.com

علم حاصل نہیں کر سکے گا علم تو وہ دولت ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے گھر کا سب کچھ اثاثہ لٹانا پڑتا ہے۔

تکبر سے اجتناب :۔ طالب علم کو اپنے علم پر تکبر نہیں کرنا چاہیئے۔ جب کسی عالم کے دل میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ تو علم کا نور بجھنا شروع ہو جاتا ہے۔

کامل دسترس :۔ جب تک طالب علم علم کی کسی شاخ میں کامل دسترس حاصل نہیں کر لیتا اس وقت تک کسی دوسرے علم کی طرف توجہ نہ کرے۔

زائد علم کا پڑھنا: بعض علوم ایک ہی اصل کی مختلف شاخیں ہیں۔ اس وجہ سے کامل دسترس اور مہارت پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان تمام علوم کو پڑھا جائے جن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ مثلاً علم تفسیر ہے اس کے لیے حدیث، عربی ادب، تاریخ سابقہ کتب سماوی کا علم ضروری ہے۔

مسجد

امام راغب کے نزدیک مسجد جیم کے کسرہ سے ہے۔ جس کے معنی ہیں موضع السجود یعنی وہ مقام جہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے جبین نیاز رکھی جائے۔ اس کی جمع مساجد ہے۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں مسجد بفتح جیم "محراب البیوت" کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے زجاج نے مسجد کے معنی یہ بیان کیے ہیں۔ کل موضع یعبد فیہ فھو مسجد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجداً وطھوراً۔ یعنی ہر وہ جگہ جہاں عبادت ہوتی ہے وہ مسجد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ زمین میرے لیے مسجد اور پاک بنائی گئی ہے۔

قرآن مجید میں مسجد کا لفظ عبادت گاہ کے لیے مستعمل ہوا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا [1]

---

[1] الحج ۲۲: ۴۰

Marfat.com

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ ہٹاتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے۔ گرا دی جاتیں۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ؎۱ اور مسجدیں اللہ کے لیے ہیں سو اللہ کے ساتھ اور کسی کو نہ پکارو۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ مسجد کا لفظ یہودیوں کے ہاں بھی مستعمل تھا۔ قرآن مجید اور حدیث سے بھی یہ شہادت ملتی ہے

قرآن مجید میں آتا ہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ؎۲ وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا۔ مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے۔ جو یہودیوں کا قبلہ تھا۔

بخاری کی کتاب الصلوٰۃ میں حبشہ کے گرجا کے نام سے پکارا گیا ہے۔ ابن خلدون نے اپنی مشہور تصنیف (مقدمہ میں) مسجد کو عام عبادت گاہ کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

مسجد کی اہمیت:۔ اسلام میں مسجد کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ جب آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے۔ تو تخلیق نسل انسانی کے منشاء کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسے گھر کی ضرورت محسوس ہوئی جہاں اللہ کے بندے اس کی عبادت کریں۔ سو اس خواہش کی تکمیل کے لئے مکہ میں ایک گھر کی بنیاد ڈالی۔

ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ؎۴ پہلا گھر عبادت کے لیے جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا یقیناً وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت دیا گیا اور سب قوموں کے لیے ہدایت ہے۔

؎۱ الجن ۷۲: ۱۹ ؎۲ بنی اسرائیل ۱۷: ۱ ؎۳ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے ؎۴ آل عمران ۳: ۹۶

Marfat.com

بخاری اور مسلم میں ہے کہ ابوذر غفاریؓ نے رسول کریم صلعم سے سوال کیا یا رسول اللہ ای مسجد وضع فی الارض اوّلا۔ یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین پہ پہلی مسجد کون سی ہے تو آپ نے جواب دیا مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ۔

مرور زمانہ سے جب یہ عبادت گاہ پیوند خاک ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو دوبارہ آباد کرنے کا کام دو عظیم الشان نبیوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سپرد کیا:

قرآن مجید میں آتا ہے: اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ[1] اور جب ابراہیم گھر کی بنیادیں اٹھاتا اور اسماعیلؑ بھی اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما تو سننے والا جاننے والا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ[2] اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کر اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ نسل انسانی کی تخلیق کے ساتھ ہی مسجد کی تعمیر عمل میں آئی تھی۔

عہد نبوی میں پہلی مسجد: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی مصائب اور تکالیف سے لبریز تھی۔ اس تاریک اور آفات سے پُر فضا میں باضابطہ مسجد کا تعمیر کرنا مشکل تھا۔ جہاں مسلمان با جماعت نماز ادا کر سکتے۔ اور تو اور مسلمانوں کے لیے بیت اللہ میں جا کر عبادت کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ اگر کسی مسلمان نے بیت اللہ میں جا کر نماز ادا کرنے کی کوشش کی تو کفار اس پر مسٹنڈے پڑتے تھے اور اس کو مار مار لہولہان کر دیتے تھے۔ ان مصائب کے پیش نظر رسول کریم صلعم کسی صحابی کے گھر جاتے تمام صحابہ وہاں جمع ہو جاتے اور نماز پڑھ لیتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] البقرہ ۲: ۱۲۷ [2] الحج ۲۲: ۲۶

یصلی قبل ان یبنی المسجد حیث ادرکته الصلوٰۃ [1]
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بننے سے قبل جہاں وقت آ جاتا نماز پڑھ لیتے تھے۔
جب اللہ کے حکم سے مکہ چھوڑ کر رسول کریم صلعم مدینہ رخصت ہو گئے تو مدینہ سے باہر مقام قبا میں نزول فرمایا۔ میاں سب سے پہلا کام جو آپ نے انجام دیا وہ عبادت الٰہی کے لیے مسجد کی تعمیر تھی خود بھی صحابہ کرام کے ساتھ کام کرتے پتھر اٹھاتے تو جسم زخمی ہو جاتا تو عقیدت مند آتے اور کہتے:
فداك ابی و امی آپ چھوڑ دیں ہم خود اٹھالیں گے یہی وہ مسجد ہے جس کی شان میں قرآن مجید میں ذکر ہے۔
لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ [2] یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔
جب قبا سے مدینہ میں تشریف لائے تو سب سے پہلا کام مسجد کی تعمیر تھی۔ رسول کریم صلعم کا یہ عمل کہ تمام دینی اور سیاسی امور سے قبل مساجد کی تعمیر مسجد کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ اہمیت مسجد کے مسلمانوں کی روحانی تمدنی معاشرتی زندگی میں اہم کردار ادا کرنے کی وجہ سے ہے۔ مسلمانوں کی مسجدیں دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حیثیت ہی نہیں رکھتیں بلکہ انہیں اسلامی معاشرہ میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے
مسجد مذہبی مرکز کی حیثیت سے: ہر مذہب کا مرکزی نقطہ عبادت الٰہی ہے کوئی الیا رسول مخلوق کی ہدایت کے لیے نہیں آیا جس نے عبادت الٰہی پر سب سے زیادہ زور نہ دیا ہو۔ قرآنی نقطہ نگاہ سے نسل انسانی کی پیدائش کی غرض و غایت ہی عبادت الٰہی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [3]
اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔
انسان کا اللہ کی عبادت بجالانا اس کے اپنے فائدہ کے لیے ہے کیونکہ وہ اپنے کمال صرف عبادت الٰہی سے ہی حاصل کر سکتا ہے اسی وجہ سے ہر مذہب نے عبادت الٰہی کو مرکزی حیثیت دی ہے۔ اسلام نے تمام روئے زمین کے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ [4] اے انسانو! اپنے رب رب کی عبادت کرو جس نے تمکو پیدا کیا ان کو جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔

---

[1] ابن ماجہ ج ۱ صفحہ ۵۴ [2] التوبہ ۹ : ۱۰۸ [3] الذاریات ۵۱ : ۵۶ [4] البقرہ ۲ : ۲۲

Marfat.com

قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کی رسالت کی اصل غرض ہی یہ بیان کرتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو عبادت الٰہی کی دعوت دیں۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔ [1]
اور یقیناً ہم نے ہر ایک قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

اسلام میں عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ لیکن نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنا عبادت کا ایک اہم جزو ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ [2] اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور جھکنے والوں کے ساتھ جھکو۔

نماز جمعہ کے متعلق آتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ [3] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف جلدی آجاؤ اور کاروبار کو چھوڑ دو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً [4] باجماعت نماز کا اکیلے کی نماز سے ستائیس درجے زیادہ ثواب ہے۔

فرمایا: "اس ذات پاک کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور جب لکڑیاں اکٹھی ہو جائیں تو نماز کے لئے اذان کا حکم دوں۔ پھر کسی شخص کو یہ حکم دوں کہ لوگوں کو امامت کرائے جو حاضر جماعت نہیں ہوئے ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔"

خدا کی قسم ان کا یہ حال ہے کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ موٹی ہڈی یا دو کھر مل جائیں گے تو پھر ضرور حاضر ہوں گے [5]۔

---

[1] النحل ۱۶: ۳۶۔ [2] البقرہ ۲: ۴۳۔ [3] الجمعہ ۶۲: ۹۔ [4] بخاری ۱۰: ۳۰
[5] بخاری باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ۔

Marfat.com

حضرت امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں: اگر مسجد میں نماز با جماعت سے غیر حاضری گناہ کبیرہ نہ ہوتی تو ان کے گھروں کو جلانے کی دھمکی نہ فرماتے (کتاب الصلوٰۃ ص ۱۲ امام احمد)۔

"جو شخص وضو کر کے اپنے گھر سے نکلے اور فرض ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف جائے۔ اس کو اتنا اجر ملے گا جتنا کہ احرام باندھنے والے حج کرنے والے کو ملتا ہے۔ اور جو شخص چاشت کی نماز کے لئے گھر سے نکلا اور خالص نماز چاشت کی نیت سے مسجد میں گیا اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے برابر ہے۔ اور نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کر کے نماز پڑھنا اور اس کے درمیانی وقفہ میں بیہودہ گوئی نہ کرنا ایسا عمل ہے جو علیین میں لکھا جاتا ہے" ۱

ہر نماز سے قبل موذن بلند آواز سے اذان دیتا ہے۔ جس سے اللہ کی توحید عظمت اور کبریائی سے فضا آسمانی گونج اٹھتی ہے۔ خدا کے بندے موذن کی آواز سن کر بارگاہ ایزدی میں پہنچ جاتے ہیں۔ امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ ہر رکعت میں قرآن مجید کا کوئی حصہ پڑھا جاتا ہے۔ قیام رکوع سجود کر کے احکام الٰہی کی پابندی کے سبق کی تجدید کی جاتی ہے۔ جب نماز ختم ہو جاتی ہے۔ تو نمازی خدا کی کبریائی کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جب مسجد سے باہر جاتے ہیں تو دل پر سوائے اللہ کی عظمت اور جلال سے کسی کے نقش نہیں ہوتے دل میں ایک گونہ اطمینان ہوتا ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسجد مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا ایک مرکز ہے۔

احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عہد نبوی میں اصحاب صفہ اور دیگر صحابہ حلقے باندھ کر تعلیم و ذکر میں مصروف رہتے تھے۔

مسجد سیاسی اور عمومی مرکز کی حیثیت سے: اسلام سیاست کو دین کا ایک جزو قرار دیتا ہے۔ اور اس کے لئے ایک واضح تعلیم کا خاکہ پیش کرتا ہے۔ تاکہ بنی نوع انسان اس تعلیم پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیوی زندگی کو بہتر بنا سکیں۔

رسول کریم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ آپؐ کے اور

---

۱ مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد صفحہ ۶۷۔

Marfat.com

خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں مسجد کو سیاسی مرکز کی بھی حیثیت رہی ہے۔ تمام اہم اور ضروری قومی مسائل کا تصفیہ یہاں ہی کیا جاتا تھا۔ جب باہر سے وفود آتے تو ان کو مسجد میں اتارا جاتا تھا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ عکل کی ایک جماعت رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تو ان کو صفہ میں ٹھہرایا گیا[1]۔ عیسائیوں کا وفد نجران اور طائف کے مشرکین کا وفد مسجد میں ہی آکر ٹھہرا تھا۔ اس غرض کے لیے مسجد میں خیمے نصب کیے گئے تھے۔ مسجد میں قیدیوں کو باندھا جاتا حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے ایک رسالہ نجد کی طرف بھیجا تو وہ بنی حنیفہ کے ایک آدمی ثمامہ بن اثال کو قیدی بنا کر لائے تو اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھا[2]۔

ایک دفعہ ایک تہوار کے موقعہ پر رسول کریم صلعم نے بعض حبشیوں کو ڈھالوں اور نیزوں کے ساتھ مسجد میں کرتب دکھانے کی اجازت دی[3]۔

حضرت حسان بن ثابت رسول کریم صلعم کی مدح میں اور مخالفین کی ہرزہ سرائی کے جواب میں اپنے قصائد مسجد میں ہی پڑھا کرتے تھے[4]۔

بعض اوقات لڑائی میں زخم خوردہ کسی صحابی کی تیمارداری اور عبادت کے لیے اس کا خیمہ مسجد میں نصب کر دیا جاتا تھا۔ مثلاً جب غزوہ خندق میں .... حضرت سعد بن معاذ کو مہلک زخم آئے تو ان کے لیے مسجد میں خیمہ نصب کر دیا گیا[5]۔ مدینہ کے دفاع کے لیے باہر جانا ہوتا تو مجاہدین کا اکٹھ مسجد میں ہوتا۔ باہر سے مال آتا تو اس کو مسجد میں رکھا جاتا اور تقسیم کیا جاتا[6]۔

مقدمات کا فیصلہ اور ان کا اجرا مسجد سے ہی ہوتا بخاری کتاب الخصومات میں وہ تمام مقدمات مذکور ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول کریم صلعم کی مجلس عدالت مسجد میں ہی منعقد ہوا کرتی تھی۔

خلفائے الراشدین کے دور میں عدالت جنگی مجالس کا انعقاد اور میدان جنگ میں اسلامی فوج کی کامیابی کا اعلان مسجد میں ہوا کرتا تھا۔

---

[1] بخاری [2] بخاری ۸: ۶۷ [3] بخاری ۸: ۶۹ [4] باب الشعر فی المسجد۔
[5] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الخیمہ فی المسجد [6] بخاری ۸: ۶۹

Marfat.com

خلفاء راشدین کے دور میں کسی اہم مسئلہ کے متعلق عوام کی رائے معلوم کرنا ہوتی تو اس کا اہتمام مسجد میں ہی کیا جاتا تھا۔ تمام خلفاء راشدین کے دور میں کسی اہم مسئلہ کے متعلق عوام کی رائے معلوم کرنا ہوتی تو اس کا اہتمام مسجد میں ہی کیا جاتا تھا۔

تمام خلفاء راشدین نے بیعت کے بعد اپنی حکومتی پالیسی کا اعلان مسجد میں ہی کیا۔ تمام فتاویٰ اور مقدمات کے فیصلے مسجد سے ہی جاری کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں عبداللہؓ بن مسعود کو کوفہ کا جج اور منتظم مالیات مقرر کیا گیا وہ مسجد میں ہی فیصلے کیا کرتے تھے۔

خلفاء راشدین کے دور کے بعد بھی مسجدیں سیاسی مرکز کی حیثیت رکھتی تھیں چنانچہ طبری میں لکھا ہے کہ ۱۲۳ھ میں مدینہ کے قاضی مسجد میں فیصلے کیا کرتے تھے یعقوبی کے قول کے مطابق بغداد میں مشرقی حصے کا قاضی مسجد میں فیصلے کیا کرتا تھا۔ دولت فاطمیہ میں جامع عمرو کی شمالی ملحقہ عمارت قاضی کے لیے مخصوص ہوتی تھی۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ شیراز میں اسے جس عدالت میں پیش ہونا پڑا اس کا انعقاد مسجد میں تھا۔

اس تمام تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد مسلمانوں کے لیے سیاسی اور عمومی مرکز کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار لکھتا ہے

"In general the mosque and particularly the minbar was the place where official proclamations were made of course as early as the time of prophet. Although the mosque lost its old political importance in later history it has never quite lost its character as the assembly on occasions of public importance. ۱۵"

رسول کریم صلعم کے ابتدائی زمانہ ہی سے مساجد بالعموم اور منبر بالخصوص وہ جگہیں تھیں جہاں سے سرکاری اعلان ہوا کرتے تھے۔ گو مسجد بعد کے زمانہ میں اپنی قدیم سیاسی اہمیت کھو بیٹھی تاہم عوامی اہمیت کے مواقع پر مسجد میں اجتماع ہونا کبھی منقطع نہیں ہوا۔

۱۵۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام "مسجد"۔

Marfat.com

مسجد ثقافتی اور تعلیمی مرکز کی حیثیت سے :- مسجد مسلم قوم کا ثقافتی اور تعلیمی مرکز ہے۔ مسلمانوں کی قومی زندگی کے متعلق تمام امور کی تعلیم مسجد میں دی جاتی ہے خطبہ جمعہ تو ایک باقاعدہ ہفتہ وار لیکچر ہے جس میں امام مسلمانوں کو ہر قسم کی امور کے متعلق آگاہ کرتا رہتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری بیماری کے دوران مسجد میں تشریف لائے اور اپنا آخری خطبہ دیا۔

عہد نبوی میں مسلمانوں کی تعلیم کا انتظام مسجد میں تھا۔ مسجد کے ساتھ ہی ایک صفہ (چبوترہ) تھا۔ جہاں ان کی رہائش کا انتظام تھا۔ بعض اوقات متعلمین کی تعداد چار سو تک پہنچ جاتی تھی۔ انہی میں سے تبلیغ کے لیے باہر مبلغ بھیجے جاتے تھے۔ چند مشہور مساجد کا ذکر کرتے ہیں جہاں آب علم سے دل و دماغ کی خشک کھیتوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔

جامع المنصور: بنائے بغداد کے بعد ۱۴۵ھ میں قصر الذہب اور جامع المنصور کی تعمیر شروع ہوئی تھی[۱۵] اس منصوبہ پر اٹھارہ کروڑ دینار صرف ہوئے[۱۶] یہ مسجد تمام اہل علم کا مرکز تھی۔ خطیب بغدادی نے حرم شریف میں جن تین باتوں کے لئے دعا کی تھی ان میں سے پہلی بات یہ تھی کہ انہیں اس مدرسہ میں تعلیم دینے کا موقع نصیب ہو الکسائی بھی اس مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔

جامع دمشق :- اس مسجد کو الولید بن عبد الملک نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ مسجد آٹھ سال میں مکمل ہوئی تھی یہ مسجد طلبا کے لیے مرجع خاص تھی ابن جبیر کا بیان ہے کہ اس مسجد میں درس و تدریس کے متعدد حلقے تھے۔

جامع عمرو: اس مسجد کی تعمیر ۲۱ھ میں ہوئی اس مسجد میں کوئی چالیس حلقے تھے اس مسجد میں آٹھ زاویے تھے ان میں سے ایک زاویے میں حضرت امام شافعیؒ خود درس دیا کرتے تھے۔ زاویہ مجدیہ میں قاضی القضاۃ وجیہ الدین عبد الوہاب کی تقرری ہوتی اور وہ اپنے علمی جواہر پاروں سے طلباء کو مالا مال کیا کرتے تھے۔ زاویہ صاحبیہ میں شافعی اور مالکی اساتذہ کا تقرر ہوا کرتا تھا۔

ابن طولون کی مسجد میں تفسیر حدیث فقہ اور علم ہیئت پڑھایا جاتا تھا مدرسہ نظامیہ جامع نیشاپور اور جامع ازہر سب مسجدوں میں قائم تھے بڑی بڑی مساجد کے ساتھ اوقاف ہیں جن کی آمد سے معلمین اور

؎۱۵ معجم البلدان (یاقوت) جلد ۱ صفحہ ۴۲۳ ؎۱۶ معجم البلدان (یاقوت) جلد ۲ صفحہ ۴۳۵

Marfat.com

طلباء کے اخراجات پورے کیئے جاتے تھے۔ لائبریریوں کا انتظام بھی مسجد کے ساتھ ہوتا تھا۔
چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار رقمطراز ہے۔ "We can Therefore say definitely that Mosque were from the Begining Through Centuries Educational Institutions. The learned man occasionally used to time in Mosques. The Mosque therefore corresponded to Church Town-Hall, and School and Some Time Hostels"

لہذا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ مساجد ابتدا ہی سے صدیوں تک تعلیمی ادارے رہی ہیں۔ علماء فضلاء بالعموم مساجد میں رہائش پذیر ہوا کرتے تھے اور مساجد سے گرجوں۔ ٹاؤن ہال مدرسوں اور بعض اوقات اقامت گاہوں کا سا کام لیا جاتا رہا ہے۔

مسجد کے آداب

پاک نیت اسلام میں ہر عمل کا ثواب پاک نیت پر مبنی ہے ارشاد نبوی ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اس لیئے یہ ضروری ہے کہ مسجد کی طرف جانے والا تمام دنیوی علائق سے منقطع ہو کر صرف اللہ کی خاطر جائے اور دل محبت الٰہی سے معمور ہو۔ اس کے پیش نظر ہو کہ وہ ایک بلند و برتر ہستی کے سامنے جا رہا ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وذلك انه اذا توضا فاحسن الوضوء ثم خرج الی المسجد لا یخرجه الا الصلوۃ [2] اور ثواب اس وقت ملے گا۔ جب نمازی اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد کے لیئے نکلے اور فقط نماز کے لیئے ہی نکل رہا ہو۔
ارشاد الٰہی ہے: وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "مسجد"، [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۹

Marfat.com

اِدْعُ اللّٰہِ اَحَدًا [1] اور کہ مسجد اللہ کے لیے ہیں سو اللہ کے ساتھ اور کسی کو نہ پکارو۔

یہ حدیث اور آیت کریمہ ظاہر کرتی ہے کہ مسجد کی طرف صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر نکلنا چاہیے اور مسجد کی طرف جاتے ہوئے انسان کا دل ہر قسم کے معبودان باطلہ سے منزہ ہو۔

جسمانی طہارت:۔ ہر ایک مسلمہ امر ہے کہ روح اور جسم میں ایک گہرا تعلق ہے۔ اگر روح غمگین ہو تو انسان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ اور اگر روح خوش ہو تو انسان کا چہرہ چمک اٹھتا ہے۔ اسلام نے اس گہرے تعلق کی بناء پر یہ حکم دیا ہے کہ جب مسجد کی طرف روح کی بالیدگی اور پاکیزگی کے لیے نکلا جائے۔ تو جسم کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک کر لینا چاہیے۔

ارشاد الٰہی ہے:۔ یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ [2] اے چادر اوڑھنے والے اٹھ اور ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی سے دور رہ۔ جسمانی طہارت کی پہلی صورت وضو ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ [3] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم نماز کو اٹھو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھویا کرو۔

رسول کریم صلعم نے فرمایا: مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ [4] جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی پاکیزگی ہے۔

لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَّلَا صَدَقَةٌ مِّنْ غُلُوْلٍ [5] پاکیزگی کے بغیر نماز قبول نہیں کی جائے گی۔ خیانت کے مال سے صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] الجن ۷۲: ۱۸ [2] المدثر ۷۴: ۱-۵ [3] المائدہ ۵: ۶ [4] مشکوٰۃ از احمد بن حنبل [5] مسلم مشکوٰۃ المصابیح۔

Marfat.com

اچھی ہیئت میں آئے :۔ مسجد کی طرف جانے سے قبل اپنی ہیئت اور لباس کو اچھا کر لینا چاہیئے۔ لباس دھلا ہوا ہو۔ بال وغیرہ بکھرے ہوئے نہ ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ سر پہ ٹوپی وغیرہ ہو۔ اگر ہو سکے تو خوشبو وغیرہ بھی لگا لینی چاہیئے تاکہ دوسرے ساتھیوں کو پسینہ کی بدبو سے تکلیف نہ ہو۔

ارشاد ربانی ہے: یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ[۱] اے بنی آدم! ہر سجدے کے وقت اپنی زینت کو لے لیا کرو۔

اس آیت سے فقہا اور مفسرین نے یہ استدلال کیا ہے کہ مسجد میں جانے سے پہلے حتی الوسع ہیئت اچھی ہو۔

وقار اور اطمینان سے آئے :۔ مسجد کی طرف جاتے ہوئے وقار اور اطمینان سے جانا چاہیئے۔ راستہ میں چلتے ہوئے لہو و لعب اور ہنسی تمسخر کی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے

ارشاد نبوی ہے: واتوھا و علیکم السکینۃ فما ادرکتم فصلوا[۲] یعنی نماز کیلئے اس طرح آؤ کہ تم پر سکینت اور وقار ہو جو پالو پڑھ لو۔

دعا پڑھنا: مسجد میں دایاں پاؤں رکھتے ہوئے یہ دعا پڑھی جائے۔

ارشاد نبوی ہے: اذا دخل احدکم المسجد فلیقل اللھم افتح لی ابواب رحمتك واذا خرج فلیقل اللھم انی اسئلك من فضلك[۳] جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو یہ دعا کرنی چاہیئے اے اللہ اپنی رحمت کے دروازے میرے لیے کھول اور جب مسجد سے باہر نکلے تو یہ دعا کرے اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل چاہتا ہوں

دنیا کی باتوں سے پرہیز :۔ مسجد میں دنیا کی باتوں سے اجتناب کرنا اور ذکر الٰہی کے پانی سے دل کی خشک کھیتی کو سیراب کرنا چاہیئے۔

ارشاد الٰہی ہے: اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا[۴] یقیناً مسجدیں اللہ کی ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔

دوسری جگہ آتا ہے: فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ[۵] نور ان گھروں میں ہے جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ بلند کیے جائیں

---

[۱] الاعراف ۷:۳۱ [۲] مسلم باب استحباب اتیان الصلوٰۃ [۳] مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ [۴] الجن ۷۲:۱۸ [۵] نور ۲۴:۲۵

Marfat.com

اور ان میں اس کا نام یاد کیا جائے۔

حدیث میں آتا ہے: نھی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تناشد الاشعار فی المسجد وعن البیع والاشتراء فیہ وان یتحلق الناس یوم الجمعۃ قبل الصلوۃ فی المسجد[1] رسول کریم صلعم نے مسجد میں اشعار پڑھنے اور خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا اور اس بات سے بھی کہ جمعہ کے دن لوگ نماز سے پہلے حلقہ باندھ کر بیٹھیں۔

لڑائی جھگڑے سے ممانعت: لڑائی جھگڑے سے اسلام تو ویسے ہی روکتا ہے۔ مگر مسجد میں لڑائی جھگڑے کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ مسجد مساوات اور اخوت کا عملی ثبوت ہے جہاں امیر و غریب، شاہ و گدا سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر بارگاہ الٰہی میں اپنی نیازمندی کا سبق دہرا رہے ہوتے ہیں۔ اس اخوت کے گھر میں لڑنا تو کجا کھلا ہتھیار لے کر چلنا ممنوع ہے۔

ارشاد نبوی ہے: خصال لا تنبغی فی المسجد لا یتخذ طریقا ولا یشھر فیہ سلاح ولا یقبض فیہ بقوس ولا ینشر فیہ نبل ولا یمر فیہ بلحم نیّ ولا یضرب فیہ حد ولا یقتص فیہ من احد ولا یتخذ سوقا[2] چند باتیں ایسی ہیں جن کو مسجدوں میں کرنے کی اجازت نہیں۔ اس کو نہ راستہ بنایا جائے نہ اس میں ہتھیار تیز کیے جاتے ہیں نہ کمان پکڑی جائے نہ تیر پھیلائے جائیں نہ کچا گوشت لے کر گزرا جائے۔ نہ حد ماری جائے۔ نہ قصاص لیا جائے اور نہ اسے بازار بنایا جائے۔ ایک حدیث میں ہے: جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشرائکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم واقامۃ حدودکم وسل سیوفکم[3] اپنی مسجدوں کو الگ رکھو اپنے بچوں سے اپنے پاگلوں سے خرید و فروخت سے جھگڑوں سے شور و غل سے اقامت حدود سے اور تلوار کے سونتنے سے۔ مذکورہ احادیث میں حدود کے اجرا اور قصاص لینے سے بھی روکا گیا ہے۔

---

[1] مشکوۃ عن ابی داؤد باب المساجد [2] ابن ماجہ باب مایکرہ فی المساجد
[3] ابن ماجہ باب مایکرہ فی المساجد۔

مسجد کی صفائی: صفائی اور نفاست کا غیر شعوری طور پر باطن پر اثر پڑتا ہے۔ اگر کسی انسان نے صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔ ماحول پاک ہو تو اس کا دل مسرت اور انبساط سے لبریز ہو جاتا ہے اگر ماحول گندہ ہو تو دل میں انقباض پیدا ہوتا ہے۔ اس طبعی خصلت کی وجہ سے اسلام نے مساجد کو ہر گند سے پاک صاف رکھنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ[1] اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کو پاک کر دو طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: البزاق فی المسجد خطیئة وکفارتها دفنها[2] مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا ہے۔

فرمایا: وجدت فی مساوی اعمالها النخاعة تکون فی المسجد لا تدفن[3] میں نے اپنی امت کے برے اعمال میں سے مسجد میں تھوکنا پایا جس کو دفن نہ کیا گیا ہو۔

عرضت علی اجور امتی حتی القذاة یخرجها الرجل من المسجد[4] مجھ پر میری امت کے اجر پیش کیے گئے یہاں تک کہ وہ کوڑا بھی جو کسی نے مسجد سے باہر پھینکا ہو۔

حضرت سائب بن خلادؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قوم کی امامت کی۔ اتفاق سے اس نے قبلہ کی جانب تھوک دیا جسے رسول کریمؐ نے خود دیکھ لیا آپ کو یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی آپ نے سختی سے فرمایا کہ اس کو اب امامت نہ کرنے دینا چنانچہ اس کو لوگوں نے دوبارہ امامت نہ کرنے دی۔ اس کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جو کچھ سنا تھا بیان کیا۔ آپ نے اس کی باتیں سن کر فرمایا ہاں یہ درست ہے کہ میں نے روکا ہے اس لیے کہ تم نے مسجد میں تھوک کر اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی[5]۔

---

[1] البقرہ ۲: ۱۲۵ [2] بخاری ۸: ۳۷ [3] فتح الباری ج ۱ صفحہ ۲۸۵
[4] مشکوٰۃ عن الترمذی وابی داؤد ج ۱ صفحہ ۶۹ [5] مشکوٰۃ باب المساجد۔

Marfat.com

تزئین سے ممانعت :۔ اسلام سادگی کو پسند کرتا ہے کیوں کہ سادگی قوت عمل اور قوت کارکردگی کو بڑھاتی ہے قوم کی اقتصادی حالت کو بہتر بناتی ہے جب کوئی قوم بناؤ سنگھار اور فیشن کی دلدل میں پھنستی ہے۔ تو وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ تزئین اور بناؤ سنگھار سے انسان کی قوت عملیہ ختم ہو جاتی ہے۔ بیکار رہنے کی عادی ہو جاتا ہے۔ اخراجات فضول خرچی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔

عہد نبوی میں جو مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ وہ سادگی کا بہترین نمونہ تھیں۔ دور فاروقی تک سادگی رہی آپ نے رنگ سازی اور فضول تزئین سے سختی سے روکا۔ بخاری میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد بنانے کا حکم دیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا کہ میں لوگوں کو بارش سے بچانا چاہتا ہوں خبردار مسجد سرخ اور زرد نہ بنائی جائے جس سے لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔

دور عثمانؓ میں مساجد کی عمارت پختہ کر دی گئیں۔ لیکن بیل بوٹے اور رنگ سازی نہ تھی۔ رسول کریم صلعم نے واضح طور پر تزئین مسجد سے روکا ہے فرمایا: ما امرت بتشیید المساجد قال ابن عباس لتزخرفنها کما زخرفت الیهود والنصاری[1] مساجد کو چونا گچ بنانے کا حکم نہیں ہے۔ ابن عباسؓ نے اس کے یہ معنی کیے ہیں کہ تم ان مسجدوں کو یہود و نصاری کی طرح زینت دو گے۔ رسول کریم صلعم نے بیجا تزئین مسجد کو مسلمانوں کی تباہی کی علامت قرار دیا ہے۔

فرمایا: لا تقوم الساعة حتی یتباهی الناس فی المساجد[2] مسلمانوں کی تباہی کی گھڑی اس وقت آئے گی جب لوگ مسجدوں کے بنانے میں تفاخر کرنے لگیں گے۔

فرمایا ما ساء عمل قوم قط الا زخرفوا مساجدهم[3] جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں تو وہ اپنی مسجدوں کو مزین کرتی ہے۔

لڑنے جھگڑنے کی ممانعت: مسجد امن اور اخوت کی جگہ ہے یہاں لڑائی جھگڑا کرنا ممنوع ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ[4]

---

[1] ابو داؤد باب بناء المسجد [2] ابو داؤد باب بناء المسجد
[3] ابن ماجہ باب تشیید المساجد [4] البقرہ ۲: ۱۹۱

Marfat.com

اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے پاس لڑائی نہ کرو۔ جب تک وہ لوگ وہاں تم سے نہ لڑیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۝ جو وہاں (مسجد) داخل امن والا ہو گیا۔

مسجد کو آباد کرنا۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ اللہ کی مسجدیں صرف وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور نماز کو قائم کی۔ اور زکوٰۃ دی اور اللہ کے سوائے کسی کا خوف نہ کیا سو امید ہے کہ یہ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں۔

مسجد کو آباد کرنے سے مراد وہاں عبادت الٰہی کرنا ہے

مسجد کے معاشرتی اثرات

مسجد مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتی ہے مسجد کے اہم اثرات حسب ذیل ہیں۔

اخوت و مساوات: اخوت اور مساوات اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لیے ایک لازمی عنصر ہے۔ اسلام نے اسی وجہ سے اس عنصر کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً۔ ۝ اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ تمام روئے زمین کے بسنے والے ایک ہی اصل کی مختلف شاخیں ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۝ سب لوگ

---

۵۱ آل عمران ۳: ۹۷ ۵۲ التوبہ ۹: ۱۸ ۵۳ النساء ۴: ۱
۵۴ البقرہ ۲: ۲۱۳

Marfat.com

ایک ہی جماعت تھے۔

✓ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا [1] اور سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں سو وہ اختلاف کرتے ہیں۔

✓ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [2] مومن بھائی بھائی ہیں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کُوْنُوْا عِبَادَ اللہِ اِخْوَانًا [3] تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔

✓ اللھم ربنا ورب کل شئ انی اشھد ان العباد کلھم اخوۃ [4] اے ہمارے اور ہر چیز کی پرورش کرنے والے میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پہ مشہور خطبہ میں فرمایا:

✓ "لوگو! جان لو کہ تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔" [5]

اس اعلان نے حسب ونسب، رنگ ونسل، آقا وغلام، امیر وغریب، ادنیٰ و اعلیٰ کے سارے امتیازات اور تفریقات ختم کرکے انسانیت کو ایک پلیٹ فارم پر لاکھڑا کیا ہے۔ یہ ہے وہ اسلامی اخوت ومساوات کی پاکیزہ تعلیم۔ اس تعلیم کا عملی سبق مسجد میں پانچ دفعہ دہرایا جاتا ہے جب موذن کی اذان پر سب لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں اور ایک امام کے پیچھے بلا تفریق و امتیاز کے ایک صف میں کھڑے ہو کر رب العالمین کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔

✓ مسز سروجنی نائیڈو رقمطراز ہے۔

"اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے جمہوریت کا درس دیا اور اسی پر عمل بھی کیا جب مینارہ مسجد سے اذان گونجتی ہے اور پرستاران حق مسجد میں جمع ہوتے ہیں، تو دن میں پانچ بار جمہوریت اسلام اپنی عملی صورت

---

[1] یونس ۱۰: ۱۹۔ [2] الحجرات ۴۹: ۱۰ [3] بخاری [4] احمد، ابو داؤد [5] مسند احمد۔

Marfat.com

میں جلوہ آرا نظر آتی ہے شاہ اور دہقان دوش بدوش سربسجود ہوتے اور پکار پکار کر اللہ اکبر کہتے ہیں میں اسلام کی اس ناقابل تقسیم وحدت و یگانگت سے بارہا متاثر ہوئی وہ وحدت جو واقعی انسان کو بھائی بھائی بنا دیتی ہے لندن میں دیکھو وہاں مصری بھی ہیں حبشی بھی ہندی بھی ہیں اور ترک بھی لیکن کسی کا وطن مصر ہوا تو کیا ہند ہوا تو کیا وہ سب ایک دوسرے کو اپنا بھائی تصور کرتے ہیں ۔[1]

باہمی تعاون : ہمارا یہ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ معاشرہ باہمی تعاون کے بغیر فروغ حاصل نہیں کر سکتا ۔ ابتدائے زمانہ سے لے کر آج تک تمام مفکرین نے معاشرہ کی بہبود کے لیے باہمی تعاون کو بہت اہمیت دی ہے ۔

افلاطون کا بھی یہ نظریہ ہے کہ انسان اپنے معاشرے سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا ۔ لہٰذا انسانوں کے لیے یہ ضروری ہے وہ ایک دوسرے سے تعاون کریں

ابن خلدون نے بھی لکھا کہ تجربہ انسان کو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے تحفظ اور مدافعت کے لیے دوسروں سے مل جل کر رہے ۔[2]

برٹرینڈ رسل کہتا ہے کہ نسلی تسلسل کے لیے مرد اور عورت کی مصاحبت ناگزیر ہے اور انسانی خاندان باہمی تعاون اور اختلافات کی تحریکات کے ذریعہ ہی جو یکساں قدیم ہیں نشو و نما پا کر قبائل اور اقوام کی صورت اختیار کرتا ہے ۔[3]

قرآن مجید میں آتا ہے: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[4] اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو ۔

ہجرت کے بعد رسول کریم صلعم مدینہ تشریف لے آئے تو سب سے پہلے اسلامی معاشرہ کو مستحکم اور مربوط بنانے کے لیے صحابہ میں مواخات قائم کی تاکہ مسلمان اشتراک اور تعاون کے مضبوط رشتے میں منسلک ہو جائیں ۔ آپ نے فرمایا مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ نہایت خوش اسلوبی سے ایک دوسرے کی اعانت کریں تاکہ یہ نہ ہو

---

[1] اسلام اور پیغمبر اسلام غیروں کی نظروں میں مؤلفہ خلیفہ عبد الرحمان صفحہ ۲۰۱ ،۲۰۲

[2] ابن خلدون المقدمہ جلد دوم صفحہ ۱۷۳

[3] (Human Society in Ethics and Politics) نیویارک: ۱۹۵۵ صفحہ ۱۸۴

[4] المائدہ ۵ : ۲

Marfat.com

کہ ان میں سے کوئی فدیہ یا قصاص ادا کرنے کی سکت نہ رکھنے کے باعث خود کو بے یار و مددگار پائے خدا ترس مسلمان ہر اس شخص کے خلاف ہوں گے جو سرکشی کا راستہ اختیار کرے گا یا مسلمانوں کے مابین بے انصافی گناہ دشمنی یا بدعنوانی پھیلانے کے درپے ہو گا ہر شخص کا ہاتھ اس کے خلاف اٹھے گا خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو...... کوئی مومن کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی حمایت نہیں کرے گا۔ غیر مسلموں کو چھوڑ کر مسلمان ایک دوسرے کے دوست ہیں..... مسلمانوں کا امن مکمل اور مشترک ہو گا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ خدا کی راہ میں ایک دوسرے کے بہے ہوئے خون کا بدلہ لیں [1]

مسجد مسلمانوں کو باہمی تعاون اور اشتراک عمل کا سبق دیتی ہے۔ مسجد میں ہر روز آنے والے نمازی ایک دوسرے کے واقف کار اور شناسا ہو جاتے ہیں انہیں ایک دوسرے کی ضروریات اور احتیاجات کا بھی علم ہو جاتا ہے۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اپیل کی جاتی ہے۔ اور باہمی تعاون سے ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا کیا جا سکتا ہے با جماعت نماز پڑھنے کی ایک بڑی غرض یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا باہمی ربط بڑھے اور باہمی تعاون سے ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔

اتحاد: فرد اور معاشرہ کا رشتہ ایسے ہی ہے جیسے ایک عمارت کا اینٹوں کے ساتھ جب اینٹیں قاعدہ اور ترتیب سے نقشہ کے مطابق رکھ دی جاتی ہیں تو عمارت بن جاتی ہے ہر ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لیے سہارے کا موجب بنتی ہے یہی حال معاشرہ کا ہے اگر معاشرہ کے افراد اتحاد کی سلک میں منسلک ہیں تو معاشرہ کی اساس مستحکم اور غیر متزلزل ہے اس لیے اسلام نے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے اور تفرقہ سے بچنے کے لیے بار بار حکم دیا ہے

ارشاد الٰہی ہے: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا [2] اور سب کے سب اللہ کی رسی کو پکڑے رکھو اور تفرقہ نہ کرو

رسول کریم صلعم نے فرمایا: علیکم بالجماعۃ و ایاکم والفرقۃ [3]

---

[1] ابن ہشام سیرت النبی قاہرہ جلد دوم صفحہ ۲۱،۲۰ [2] آل عمران ۳: ۱۰۳
[3] ترمذی۔

Marfat.com

جماعت کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ رہو اور تفرقہ سے بچو۔

من خرج من الجماعۃ قید شبر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ۔ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی الگ ہو تو اس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا۔

من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات مات میتۃ جاھلیۃ ۳؎

جو کوئی امام کی اطاعت سے کنارہ کش ہوا اور جماعت سے علیحدگی اختیار کی اور اسی حالت میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

اس تعلیم کی عملی درس گاہ مسجد ہے جب نمازی مقررہ وقت پر فرض نمازوں کی ادائیگی کے لیے ایک امام کے پیچھے قبلہ رو ہوکر با جماعت نماز ادا کرتے ہیں تو وہ گویا عملی صورت میں اتحاد کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔

رسول کریم صلعم نے اتحاد کی اس عملی صورت کے اظہار کے وقت صفوں کی ناہمواری کو برداشت نہیں کیا۔ کیوں کہ صفوں کی ناہمواری تشتت اور افتراق پر دلالت کرتی ہے۔

فرمایا: عباد اللہ لتسون صفوفکم او یخالفن اللہ بین وجوھکم ۲؎

اے اللہ کے بندو! یا تم اپنی صفوں کو سیدھا ہموار رکھو پھر اللہ تمہارے اندر مخالفت ڈال دے گا۔

استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم ۳؎ برابر کھڑے ہو جاؤ۔ اختلاف نہ ہو اس کا اثر تمہارے دلوں پر پڑے گا۔

اخلاق کی درستی :- مسجد اخلاق کو درست کرنے کے لیے بہترین مکتب ہے۔ انسان اس وقت گناہوں کی آلودگیوں بچتا ہے جب اس کے دل میں اللہ کی معرفت ہوتی ہے۔ جتنی معرفت زیادہ ہوگی اتنا ہی انسان برائیوں سے دور رہے گا۔ اللہ کی معرفت نماز سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نماز کو برائیوں سے بچنے کی کنجی قرار دیا ہے فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۴؎ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

۱؎ مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ ۲؎ مسلم ج ۱ صفحہ ۱۸۲ ۳؎ مسلم ج ۱ صفحہ ۱۸۱
۴؎ العنکبوت ۲۹: ۴۵۔

Marfat.com

فرض شناسی: مسجد انسان کو فرض شناسی کا سبق دیتی ہے فرض شناسی سے ہی قوت عملیہ ترقی کرتی ہے جب مؤذن مسجد منارہ پر کھڑا ہو کر اللہ اکبر کی صدا بلند کرتا ہے تو ہر مسلمان پر فرض عاید ہو جاتا ہے کہ تمام کاموں کو چھوڑ کر اللہ کے دربار میں حاضر ہو جائے حاضری کے لیے چند قیود بھی عائد کر دی ہیں کہ پہلے منہ ہاتھ پاؤں دھوئے جس کو اسلامی اصطلاح میں وضو کہتے ہیں۔ پھر پاک کپڑے پہن کر مسجد میں حاضر ہو جائے اور امام کی اقتداء میں نماز ادا کرے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جس طرح سپاہیوں میں فرض شناسی پیدا کرنے کیلئے دن رات میں کئی دفعہ بگل بجا کر مقررہ جگہ پر اکٹھا کیا جاتا ہے ان سے پریڈ کرائی جاتی ہے۔ یہ صرف فرض شناسی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے ایک سطح بین شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اجتماعی پریڈ کا جنگ سے کیا تعلق لیکن تجربہ اور مشاہدہ نے یہ بات یقین تک پہنچا دی ہے کہ سپاہیوں کی اجتماعی پریڈ لڑائی کی تیاری کے لیے نہایت ضروری ہے کیوں کہ اس سے اطاعت اور فرض شناسی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

اطاعتِ امیر:۔ اطاعت امیر کے تصور کے بغیر معاشرہ کا تصور ہی ادھورا ہے۔ معاشرہ کے استحکام کے لیے اطاعت امیر نہایت ضروری ہے۔ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنا اطاعت امیر کے سبق کو دہرانا ہے اسلام نے اطاعت امیر پر بہت زور دیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ[1] اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے صاحب امر کی اطاعت کرو۔

رسول کریم صلعم فرمایا: اسمعوا واطیعوا وان استعمل حبشی کان راسہ زبیبۃ[2] سنو اور اطاعت کرو اگر تم پر ایک حبشی غلام امیر بنایا جائے جس کا سر کشمش کے دانہ کی طرح ہو۔

صحت:۔ معاشرہ کی ترقی اور بہبود کے لیے افراد کا صحت مند ہونا بہت ضروری ہے صحت صرف ملک کی اقتصادی حالت کو درست کرنے اور دفاع کے لیے ہی ضروری نہیں بلکہ روحانی ترقی کے لیے بہت ضروری ہے یہی وجہ ہے نماز کی

---

[1] نساء ۴: ۵۹ [2] بخاری ۱۰: ۵۴

Marfat.com

ادائیگی سے پہلے جسم اعضاء اور جگہ کی پاکیزگی ضروری ہے۔ نماز سے پہلے وضو ضروری قرار دیا گیا جس سے ہاتھ پاؤں منہ ناک کی صفائی ہو جاتی ہے۔ یہی اعضا کھلے رہتے ہیں۔

مرکز سے وابستگی: جس معاشرہ کا ایک مرکز نہ ہو وہ معاشرہ کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں تمام حکومتوں کا اپنا اپنا ایک مرکز رہا ہے۔ اگر کسی صوبے نے مرکز سے علیحدگی اختیار کرنا چاہی تو فوراً مرکزی حکومت نے اس کو باغی سمجھ کر اس پر چڑھائی کر دی۔ مرکز اور دوسرے صوبوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے۔ صوبے اعضاء ہیں اور دل مرکز تمام اعضا دل سے ہی تازہ خون لیتے ہیں۔ ان میں زندگی کے آثار باقی رہتے ہیں مسجد اسلامی معاشرہ کو ایک مرکز سے وابستہ رہنے کی تعلیم دیتی ہے۔

وقت کی پابندی: مسجد میں پانچ وقت کی حاضری انسان کو وقت کی پابندی کا عادی بنا دیتی ہے ایک ہی آدمی کی ذات کو فائدہ نہیں دیتی بلکہ تمام معاشرے پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے تنزل اور پستی کا ایک بڑا سبب عدم پابندی وقت ہے۔ کھانے میں سونے میں کام کرنے میں آرام کرنے میں پابندی وقت کا خیال نہیں رکھتے۔ جس وجہ سے مسلمانوں کی زندگی میں ضبط اور نظم نہیں ہے۔ مسجد مسلمانوں کو وقت کی پابندی کا سبق دیتی ہے جس سے اسلامی معاشرہ ایک نظم اور ضبط کی لڑی میں منسلک ہو جاتا ہے۔

مسجد کا رخ: قرآن مجید کی رو سے کعبہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا سب سے پہلا گھر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ [1]

پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت دیا گیا اور سب قوموں کے لیے ہدایت ہے۔

کعبہ کی اس فضیلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ ان کی عبادت گاہوں کا رخ کعبہ کی طرف ہونا چاہیے اس بارے میں سب سے پہلا حکم یہ نازل ہوا: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا

---

[1] آل عمران ۳: ۹۵

Marfat.com

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ؕ ۱ اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کیلئے مرجع اور امن بنایا اور ابراہیم کے مقام کو قبلہ نماز بناؤ۔

پھر یہ حکم نازل ہوا: وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ ۲ اور جہاں سے تو نکلے اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر دے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے مونہوں کو اس طرف پھیر دو۔

تمام روئے زمین کے مسلمانوں کے لیے قبلہ مقرر کرنے میں ایک بڑی حکمت اتحاد بین المسلمین ہے۔ اسی لیے رسول کریم صلعم نے فرمایا: لا تکفروا اهل القبلة ۳ اہل قبلہ کو کافر مت کہو۔

مسجد اسلام کی نظر میں:- چوں کہ مسجد کا اثر مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ پر مرتب ہوتا ہے اور اسلامی ثقافت کا مظہر ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں بندہ اپنی بندگی اور نیاز مندی کا اظہار کرتا ہے اس وجہ سے اسلام میں مسجد کی بہت قدر و منزلت ہے۔ اس خاص مقام کا بلند رتبہ تو اس وقت ہی ظاہر ہو جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس کی نسبت اپنی جانب کرتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۴ اور کہ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں سو اللہ کے ساتھ اور کسی کو نہ پکارو۔

اسلام میں مسجد کی اس قدر عظمت ہے جو شخص لوگوں کو مسجد سے روکتا ہے وہ اللہ کے ہاں مجرم اور معتوب قرار پاتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ ۵ اور اس شخص سے بڑا کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے۔ کہ ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے ان کو مناسب

---

۱ البقرہ ۲: ۱۲۵ ۲ البقرہ ۲: ۱۵۰ ۳ نہایہ ۴ الجن ۷۲: ۱۸
۵ البقرہ ۲: ۱۱۴

Marfat.com

نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ [illegible]

قرآن حکیم نے مسجد کی اہمیت اس رنگ میں بھی ظاہر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مقدس گھروں کی حفاظت خود کرتا ہے جو قوم ان مقدس جگہوں کو برباد کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو برباد کر دیتا ہے۔ [illegible]

ارشاد الٰہی ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ ہٹاتا رہتا تو خانقاہیں، راہبوں کی کٹھڑیاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں۔ [illegible]

[illegible] مسجد حرام کو ابرہہ بادشاہ نے تباہ و برباد کرنے کے لیے حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ابرہہ اور اس کے تمام لشکر کو [illegible] برباد کر دیا جس کا ذکر سورۂ فیل میں [illegible]

احادیث نبوی میں کثرت سے فضائل مسجد بیان ہوئے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے یہاں شہروں میں محبوب ترین مسجدیں ہیں اور مبغوض ترین بازار ہیں۔ [illegible]

جو شخص صبح و شام مسجد میں جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمانی کا کھانا تیار کرتا ہے جو جنت میں صبح و شام مسجد میں جاتا ہے [illegible]

فرمایا: بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ اندھیروں میں مسجد جانے والوں کو نور کامل کی خوشخبری دو قیامت کے دن [illegible]

المساجد بیوت اللہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

مواضع الصلاۃ [illegible]

مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور یہ جس کا گھر ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مہربانی اور آرام اور پل صراط سے گزار کر جنت میں پہنچانے کی ضمانت لی ہے کہ فرمایا من بنی مسجدا یبتغی به وجه الله بنی الله له مثله فی الجنة۵۱ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے مسجد بناتا ہے گا اللہ تعالیٰ اس کی مانند جنت میں اس کا گھر بنائے گا۔

مسجد کی عظمت شان یہ بھی ہے کہ رسول کریم صلعم جب کبھی سفر سے واپس لوٹتے تو پہلے مسجد جاتے دو رکعت نماز ادا کرتے پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے تھے۵۲۔

مسجد کا انتظام: مسجد کے شعبہ انتظام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اول ظاہری دیکھ بھال۔ دوم امامت۔

ظاہری دیکھ بھال سے مراد مسجد کی صفائی اور مرمت ہے خانہ خدا کی شان و فضیلت کے پیش نظر صفائی اور مرمت بہت ہی ضروری ہے۔

قرآن مجید میں آیا ہے: وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۵۳۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کو پاک کر دو طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں سجدہ کرنے والوں کے لیے۔ رسول کریم صلعم نے مسجد کی صفائی پر بہت زور دیا ہے رسول کریم صلعم کے عہد مبارک میں مسجد کی صفائی کے لیے ایک جاروب کش تھا اس کا انتقال ہو گیا جس کی اطلاع رسول کریم صلعم کو نہ دی گئی۔ دوسرے دن جب اس کی وفات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے خبر کیوں نہیں دی پھر فرمایا اس کی قبر کہاں ہے۔ چنانچہ اس کی قبر پر گئے اور دعائے مغفرت کی۔

صفائی کا معاوضہ: رسول کریم صلعم نے مسجد کی صفائی کے اجر عظیم کے متعلق فرمایا: من اخرج اذی من المسجد بنی الله له بیتا فی الجنة۵۴ یعنی جو شخص مسجد سے گندگی نکالے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

---

۵۱ بخاری ۸: ۶۵ ۵۲ مسلم باب استحباب رکعتین فی المسجد لمن قدم من سفر ج ۱ صفحہ ۲۴۸
۵۳ البقرہ ۲: ۱۲۵ ۵۴ ابن ماجہ باب تطہیر المساجد

Marfat.com

مسجد کی صفائی اور مرمت کے لیے ایک مستقل فنڈ ہونا چاہیے تاکہ جو مسجد کی صفائی کے لیے خادم رکھا جائے اس کو گزارہ دیا جا سکے۔ فنڈ کی دو صورتیں ہیں یا تو حکومت اپنے خزانہ سے رقم دے۔ یا مسجد کے اوقاف ہوں۔ جن کی آمدن سے تمام اخراجات پورے کیے جا سکیں۔ ابتدائی عہد اسلام سے شاہی مسجدوں کی دیکھ بھال حکومتوں کے سپرد رہی ہے۔ اب بھی اسلامی ممالک میں جو شاہی مساجد ہیں ان کی دیکھ بھال حکومتوں کے سپرد ہے۔

جن مساجد کے اوقاف ہوں ان کی آمدن کا حساب کتاب رکھنے کے لیے دیانت دار آدمیوں کا ایک بورڈ ہونا چاہیے فتح القدیر کشوری میں لکھا ہے متولی کے لیے جائز ہے کہ بوقت ضرورت مسجد کی صفائی اور روشنی کے لیے ملازم رکھے مگر مشاہرہ مناسب اور دستور کے مطابق مقرر کرے گا[1]۔

دوسرا اہم شعبہ امامت کا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور بعد کے ایک طویل عرصہ میں امامت کے لیے بہترین آدمی مقرر کیے جاتے رہے تھے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب میں ایک عنوان باندھا ہے۔ اہل العلم والفضل احق بالامامۃ[2] وہ جو صاحب علم اور صاحب فضل ہیں وہ امامت نماز کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

مدینہ کی مرکزی مسجد میں رسول کریم صلعم خود امامت کراتے تھے۔ محلوں کی دوسری مساجد میں ان صحابہ کو امام مقرر کیا تھا جو اہل علم اور بہترین خوبیوں کے مالک تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو امام مقرر کیا۔ ابو داؤد نے رسول کریم صلعم کی وہ احادیث بیان کی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امامت اس شخص کا حق ہے جو سب سے زیادہ قرآن مجید جاننے والا ہو خلفائے راشدین کے عہد میں خلفاء خود امامت کراتے تھے۔ باہر کے صوبوں میں جو گورنر مقرر کیے جاتے تھے۔ ان کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ وہ جامع مسجد میں امامت کرایا کریں ایک مدت تک روحانی قیادت اور دنیوی قیادت کے دونوں عہدے ایک ہی شخص میں جمع رہتے۔

---

[1] ج ۲ صفحہ ۸۸۰ [2] بخاری کتاب الاذان۔

Marfat.com

منڈی

عام اصطلاح میں منڈی سے مراد وہ جگہ لی جاتی ہے جہاں اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہو مثلاً سبزی منڈی۔ غلہ منڈی، گوشت کی منڈی اور فروٹ مارکیٹ وغیرہ لیکن معاشیات میں منڈی بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ منڈی سے مراد کوئی خاص علاقہ نہیں جہاں اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہو بلکہ اس سے وہ تمام علاقہ مراد ہے جہاں اشیاء کی خرید و فروخت کے لیے فروختکار اور خریدار آپس میں براہ راست یا بالواسطہ رابطہ قائم کر کے قیمت کے تعین کے لیے مقابلہ کر سکیں۔ اگر مقابلہ مکمل ہو تو شے کی ایک وقت میں ایک ہی قیمت رائج ہو گی مگر جب مقابلہ غیر مکمل ہو تو ایک شے کی کئی قیمتیں رائج ہو سکتی ہیں۔ اس طرح ہر گاہک سے اس کی مالی استطاعت کے مطابق قیمت وصول کی جاتی ہے۔

معاشی منڈی جغرافیائی قیود سے آزاد ہوتی ہے۔ فروخت کنندہ اور خریدار کا دائرہ عمل ایک شہر تک بھی محدود ہو سکتا ہے اور تمام دنیا بھی اس کے زیر اثر آ سکتی ہے۔ پروفیسر کورنٹ کے الفاظ میں منڈی سے مراد کوئی خاص علاقہ نہیں جہاں اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہو بلکہ اس سے مراد عام علاقہ ہے جس میں فروختکار اور خریدار کسی شے کی قیمت کے تعین کے لیے آپس میں مل سکیں۔ یہ رابطہ براہ راست ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے اور بالواسطہ دلالوں کے ذریعے بھی۔ منڈی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ کسی عمارت میں واقع ہو یا چند گز رقبے تک محدود ہو۔ اگر دور دراز مقامات پر بیٹھے ہوئے کاروباری افراد براہ راست یا بالواسطہ رابطہ قائم کرنے کے قابل ہو سکیں تو ایسا تمام علاقہ منڈی کے زمرے میں آ جاتا ہے۔ منڈی خواہ چند گز رقبے تک محدود ہو یا ہزاروں میل رقبے میں پھیلی ہوئی سب سے ضروری چیز خریدار اور فروختکار کے درمیان رابطہ ہے جو خواہ براہ راست ہو یا بالواسطہ۔

منڈی کے لوازمات:۔ کسی شے کا وجود منڈی کی سب سے پہلی اور اہم شرط ہے جس کے بغیر منڈی معرض وجود میں آ ہی نہیں سکتی۔ شے ایسی ہو جسے دیکھا یا چھوا

Marfat.com

جاسکے۔ جو افادہ کمیابی اور انتقال پذیری کے عناصر کی حامل ہو۔ ان تینوں عناصر میں کمیابی بنیادی شرط ہے جو شے کو معاشی شے بناکر منڈی میں اسے بیچی یا خریدی جانے کے قابل بناتی ہے۔ مثلاً چاول۔ گندم، کپڑا، کھانڈ وغیرہ۔ ان کا مادی وجود بھی ہے اور ان میں افادہ۔ کمیابی اور انتقال پذیری کے بنیادی عناصر بھی موجود ہیں۔ شے کے مادی اور حقیقی وجود کا ضروری لین دین کے وقت منڈی میں ہونا ضروری شرط نہیں البتہ خریدار کے ذہن میں شے کے متعلق بالکل واضح تصور کی موجودگی ضروری شرط ہے۔ تھوک منڈیوں میں اشیاء دوکانوں پر موجود نہیں ہوتیں۔ البتہ ان کے نمونے ضرور موجود ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر خریدار مال کی کوالٹی کا اندازہ لگا لیتا ہے جب کہ عموماً مال گوداموں میں ہوتا ہے۔ آج کل بہت سی اشیاء ٹریڈ مارکوں سے بھی فروخت ہوتی ہیں ایسی صورت میں شے کو دیکھنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی۔ مثلاً لپٹن چائے ٹریٹ بلیڈ وغیرہ جن کے ٹریڈ مارک سے ہی ان اشیاء کا تصوّر فوراً ذہن میں آجاتا ہے جن اشیاء کا مادی وجود نہ ہو ان کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً خیالات اور تصورات کا کوئی مادی وجود نہیں لہذا ان کی خرید و فروخت بھی نہیں ہوتی۔ بافراط اشیاء کی بھی منڈی نہیں ہوتی اگرچہ ان میں افادہ پایا جاتا ہے اور اکثر حالتوں میں وہ ہماری بقا کے لیے ناگزیر بھی ہوتی ہیں مثلاً سورج کی روشنی اور تمازت ہوا۔ دریا کا پانی، سمندر کا نمک، ریگستان میں ریت، جنگل میں لکڑی وغیرہ۔ ان اشیاء میں کمیابی کا بنیادی عنصر نہیں پایا جاتا لہذا بارش کے پانی۔ ہوا، روشنی وغیرہ کی منڈی نہیں ہوتی۔ جب تک لکڑی جنگل میں پائی جاتی اس کی نہ کوئی قیمت ہوگی اور نہ ہی منڈی مگر جب لکڑ ہارا اسے کاٹ کر شہر میں لے آتا ہے تو وہ کمیاب ہو جاتی ہے اور اس کمیابی کی وجہ سے اس کی منڈی بھی معرض وجود میں آجاتی ہے اور قیمت بھی پڑتی ہے۔ گویا منڈی کی بنیادی شرط کمیاب اشیاء کا وجود ہے۔ منڈی اور قیمت کا بھی آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

خریدار اور فروخت کنندگان کا وجود منڈی کا دوسرا اہم ترین جزو ہے۔ اگر شے تو موجود ہو مگر فروخت کار اور خریدار کا وجود ناپید ہو تو تب بھی منڈی معرض وجود میں نہیں آسکتی۔ کوئی فرد تو اشیاء کی فروختگی کے لیے منڈی میں موجود ہو جو

Marfat.com

کاروباری اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شئے کا لین دین کرے۔ فروختنکار کے ساتھ
خریدار کا ہونا بھی لازمی ہے کیوں کہ خریدار کے بغیر منڈی میں اکیلے فروختنکار کی
موجودگی بے معنی بن جاتی ہے۔ دونوں فریق شئے کا لین دین کرنے کے وقت دیانتداری
خلوص اور کاروباری اصولوں کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے فروختنکار
پر واجب ہے کہ وہ شئے کی کوالٹی کے متعلق صحیح صحیح معلومات خریدار کے گوش گزار
کرے شئے کے کسی بھی نقص کو نہ چھپائے اگر شئے میں کوئی نقص پڑ گیا ہو تو اسے
چھپانے کی بجائے خریدار کو سودا طے کرنے سے پہلے آگاہ کر دیا جائے اسلامی
تاریخ میں ہمیں کاروباری دیانت کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ سودا طے ہوتے
وقت فروخت کار خریدار کو مال میں موجود نقص کے متعلق آگاہ کرنا بھول گیا یا دانستہ
چھپا گیا۔ بعد میں جب فروختنکار کو یاد آیا یا ضمیر کی خلش نے اس کے احساس کو بیدار
کیا تو وہ میلوں خریدار کے پیچھے مارا مارا پھرا۔ پھر کبھی تو غیر مسلم، مسلم تاجر کی دیانت
داری کو دیکھ کر اسلام لے آیا اور کبھی اس کی کایا ہی پلٹ گئی۔ انڈونیشیا کے باشندے
دیانت دار مسلم تاجروں کے ذریعے ہی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ عمدہ شئے میں
گھٹیا شئے کی ملاوٹ اسلامی نقطہ نگاہ سے حرام تو ہے ہی مگر کاروباری اصولوں
کے مطابق بھی یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ ایک مرتبہ رسولؐ کریم بازار میں ایک
غلہ کی دوکان کے پاس سے گزر رہے تھے کہ آپ رک گئے اپنا دست مبارک
غلہ کے ڈھیر میں ڈالا۔ نیچے سے گیلا غلہ نکلا جب کہ ڈھیر کے اوپر خشک غلہ تھا۔ آپ
نے اس بددیانتی کو سخت ناپسند فرمایا اور پھر ایک موقعہ پر فرمایا کہ دیانت دار تاجر
روز محشر صدیقوں میں اٹھائے جائیں گے۔ اس طرح فروخت کنندگان پر اسلامی
اور کاروباری اصولوں کے مطابق یہ جائز نہیں کہ وہ مال کو کھلے بازار سے
گوداموں میں منتقل کر کے اس کی چور بازاری شروع کر دیں اور اس طرح اس
مصنوعی قلت سے عوام الناس کا خون چوسیں۔ حضرت عمرؓ نے ایسے تاجروں
کے خلاف عملی اقدام کر کے ثابت کیا کہ اسلام ایسے افراد کے وجود کو ایک لمحہ کے لیے
بھی برداشت نہیں کر سکتا جو محض دولت کی ہوس کی خاطر سے عوام الناس کو مصیبت
میں مبتلا کرنے کے ناقابل معافی جرم کے مرتکب ہوں۔ اسلام خریدار اور فروختنکار کے

Marfat.com

درمیان آزاد اور کھلے مقابلہ کی نہ صرف اجازت دیتا ہے۔ بلکہ اس کی تاکید اور حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ اسلام میں اجارہ داریوں کی کوئی گنجائش نہیں خواہ وہ خریدار کی جانب سے ہوں یا فروخت کار کی طرف سے۔ اجارہ داری اگرچہ آج کے دور کی سرمایہ دارانہ معیشت کا خاصہ ہے مگر سرا اسے اس معیشت میں بھی نہیں جانا اس کے اثرات کو زائل یا دائرہ عمل کو محدود کرنے کی کوشش ہر جگہ ہو رہی ہے گویا اسلام کے چودہ سو سال پہلے اصول معیشت پر دقت نے کوئی اثر نہیں ڈالا۔ اور دنیا کے تمام ممالک اسلامی اصولوں کو اپنے اپنے نظام ہائے معیشت میں جگہ دے رہے ہیں۔ اسلام نہ تو دلالوں کو سراہتا ہے اور نہ ہی سٹہ بازی کو۔ کاروباری لین دین براہ راست ہو تو احسن ہے کیونکہ براہ راست لین دین سے بہت سی قباحتیں دور ہو جاتی ہیں۔ براہ راست لین دین کے علاوہ سودا بازی میں سٹہ بازی کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیئے۔ مستقبل کا کاروبار حال میں نہیں ہونا چاہیئے حال کا کاروبار حال میں اور مستقبل کا مستقبل میں ہی ہونا چاہیئے کیوں کہ سٹہ بازی میں جوئے کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے اسلامی نقطۂ نگاہ سے نہ صرف اسے ناپسند کیا گیا ہے بلکہ اسے حرام بھی قرار دیا گیا ہے۔

شے کے مادی وجود خریدار اور فروخت کار کی موجودگی اور ان کے درمیان رابطہ کے علاوہ جگہ کا وجود بھی بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ جگہ نہ صرف اشیاء کی خرید و فروخت کے لیے ضروری ہے بلکہ اشیاء کے پیدا کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ مصنوعات کو جمع کرنے کے لیے گوداموں کی تعمیر کے لیے بھی جگہ کا وجود ناگزیر ہے۔

منڈی کی اقسام

منڈی کی تقسیم مندرجہ ذیل چار طریقوں سے کی جا سکتی ہے۔

ا۔ منڈی بلحاظ وقت

ب۔ منڈی بلحاظ محل و قوع

ج۔ منڈی بلحاظ اشیاء

د۔ منڈی بلحاظ مقابلہ

Marfat.com

منڈی بلحاظ وقت | ۱۔ یومیہ منڈی
۲۔ قلیل المیعاد منڈی
۳۔ طویل المیعاد منڈی۔

۱۔ یومیہ منڈی: ایسی منڈی میں عموماً ضیاع پذیر اشیاء برائے فروخت لائی جاتی ہیں۔ ان اشیاء کا ذخیرہ کرنا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ یہ چوبیس یا اڑتالیس گھنٹے کے بعد گل سڑ جاتی ہیں۔ مثلاً دودھ، پھل، سبزی، گوشت، مچھلی وغیرہ منڈی میں ایسی اشیاء کی ایک قلیل مقدار ہی فروخت کے لیے لائی جاتی ہے۔ تاکہ سب کی سب پیش کردہ رسد اسی روز ہی فروخت ہو جائے۔ ایسی اشیاء کی رسد عموماً غیر لچکدار ہوتی ہے یعنی ان اشیاء کی پیداوار میں فی الفور اضافہ ممکن نہیں ہوتا۔ اگر کسی روز شہر میں کسی خاص تقریب کی وجہ سے دودھ کی طلب بڑھ جائے تو بھینس بڑھتی ہوئی طلب کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے زیادہ دودھ نہیں دیں گی۔ چونکہ رسد میں فی الفور اضافہ ممکن نہیں ہوتا لہٰذا طلب میں اضافہ کی وجہ سے ایسی اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ جب طلب سکڑ جائے تو قیمت بھی کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دوکاندار انہیں گلنے سڑنے سے بچانے کے لیے بعض اوقات مصارف سے بھی کم قیمت پر فروخت کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ قلیل المیعاد منڈی: ایسی منڈی میں فروخت ہونے والی اشیاء کی رسد کو قلیل عرصہ کیلئے ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر طلب میں اضافہ ہو جائے تو قیمت بھی بڑھ جاتی ہے طلب میں اضافہ سے رسد کی ایک معمولی مقدار میں اضافہ ہی ممکن ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں منڈی میں اشیاء کی قیمت پر طلب کا اثر غالب ہوتا ہے۔

۳۔ طویل عرصہ کی منڈی: عرصہ طویل میں کاروبار میں توسیع کی وجہ سے رسد میں اضافہ ممکن ہوتا ہے اس لیے اگر طلب میں اضافہ ہو جائے تو رسد میں بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے ایسی منڈی میں قیمت کا تعین شے کی طلب اور رسد کی باہمی مطابقت سے ہوتا ہے ایسے عرصہ میں شے کی قیمت پر رسد نمایاں کردار ادا کرتی ہے طلب کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے رسد میں کمی بیشی کی جاتی ہے۔

Marfat.com

منڈی بلحاظ محل وقوع (۱) مقامی منڈی (۲) ملکی منڈی۔
(۳) بین الاقوامی منڈی۔

۱- مقامی منڈی :- اگر کوئی شے کسی مخصوص علاقے میں بنائی جائے اور اس کے گردونواح میں ہی فروخت ہو جائے تو ایسی شے کی منڈی کی حیثیت مقامی بن جاتی ہے ایسی منڈی میں عموماً ضیاع پذیر اشیاء مثلاً دودھ۔ گوشت، سبزیاں وغیرہ ہی برائے فروخت لائی جاتی ہیں جن کو دور دراز کے مقامات تک بھیجنا سہل نہیں ہوتا۔ ایسی اشیاء کی منڈی بھی مقامی نوعیت کی ہوتی ہے۔ جن کا تعلق کسی علاقے کے رسم ورواج اور ذوق ولپسند سے ہو مثلاً سندھی ٹوپیاں اور واسکٹ پشاوری چپل، بہاولپوری ظروف، ملتان کے اونٹ کی کھال کی مصنوعات وغیرہ۔ زیادہ حجم یا جسامت مگر کم مالیت کی حامل اشیاء مثلاً اینٹیں۔ ریت بھوسہ وغیرہ اور موسموں کے زیر اثر پیدا ہونے والی اشیاء مثلاً برف اور آئس کریم وغیرہ کی منڈی بھی مقامی نوعیت کی ہوتی ہے۔

۲- ملکی منڈی :- اگر کسی شے کی خرید وفروخت ملک کے تمام حصوں میں ہوتی ہو تو اس شے کی منڈی ملکی یا قومی منڈی کہلاتی ہے۔ مکمل مقابلہ کے حالات میں آمدورفت کے اخراجات اور مقامی ٹیکسوں کے علاوہ ان کی قیمت ہر جگہ یکساں ہوتی ہے۔ ایسی منڈی پائیدار اشیاء پر مشتمل ہوتی ہے۔ ملک گیر طلب کے علاوہ وہ اشیاء معیاری بھی ہوتی ہیں۔ قومی منڈی کی وسعت اقتصادی ترقی کی رفتار کو تیز کرتی ہے۔

۳- بین الاقوامی منڈی :- جن اشیاء کی خرید وفروخت دنیا کے تمام ممالک میں ہوتی ہو ان کی منڈی عالمی منڈی کہلاتی ہے ایسی منڈی میں مقابلہ کی نوعیت عالمی ہوتی ہے۔ اشیاء پائیدار ہوتی ہیں اور ان کی طلب بھی عالمی نوعیت کی ہوتی ہے۔ مثلاً سونا چاندی وغیرہ۔ اعلیٰ اور منظم حمل ونقل اور رسل ورسائل کی سہولتیں عالمی منڈی کو وسیع کرتی ہیں عالمی تجارت کی بدولت پسماندہ ممالک کو اقتصادی ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کا موقع ملتا ہے۔ عالمی منڈیاں تخصیص کار اور تقسیم کار کی بدولت معرض وجود میں آتی ہیں۔ ان سے پیدائش

Marfat.com

دولت وسیع ہوتی ہے۔ مادی وسائل بروئے کار لائے جاتے ہیں جس سے روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور بیروزگاری کی لعنت سے نجات پانے کی امید ہوتی ہے۔ ملک اور عوام خوشحالی اور ترقی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ محنت اور سرمایہ کے استعمال میں بچت ہوتی ہے جنہیں مفید تر کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ ناگہانی حالات مثلاً قحط، سیلاب آفات سماوی کا مقابلہ عالمی تجارت کی بدولت ہی کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور کے قحط کا خاتمہ یمن اور دیگر بلاد اسلامیہ سے آنے والے تجارتی قافلوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ عالمی تجارت اشیاء کی قیمتوں کو مستحکم کرتی ہے مثلاً اگر ہماری پٹ سن برآمد نہ ہو تو اس کی قیمتیں مصارف پیدائش سے بھی نیچے گر سکتی ہیں جس سے غریب کاشتکاروں کو بے حد نقصان اٹھانا پڑے گا۔ ایسی تجارت کی بدولت عالمی منڈی میں اجارہ داریوں کو ختم کرنے کا موقع ملتا ہے۔ مختلف ممالک تجارتی تعلقات میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ فاضل پیداوار کو عالمی منڈیوں میں فروخت کیا جاتا ہے۔ ملکی اور عالمی [illegible] بحران سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ عالمی تجارت عالمی امن کو مستحکم کرنے میں بھی مدد دیتی ہے۔ تہذیبی اور ثقافتی ترقی ہوتی ہے نظریات کے تبادلے سے ربط و تعلق پیدا ہوتا ہے۔

منڈی بلحاظ جنس: (۱) عام منڈی (۲) مخصوص منڈی (۳) نمونے کی منڈی (۴) درجہ بندی کی منڈی۔

۱۔ **عام منڈی:**۔ اس قسم کی منڈی میں ہر قسم کی اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے بیوپاری گروہ در گروہ سے آکر فروخت کی اشیاء خرید کر لے جاتے ہیں ایسی منڈی میں عموماً اشیاء صارفین پرچون پر فروخت ہوتی ہیں جیسے انارکلی اور کشمیری بازار وغیرہ۔

۲۔ **مخصوص منڈی:**۔ ایسی منڈی میں عموماً ایک جنس یا اس کے مشابہ اشیاء کی فروخت ہوتی ہیں جہاں اشیاء کی خرید و فروخت عموماً تھوک نرخ پر ہوتی ہیں مثلاً کپڑا مارکیٹ، اکبری منڈی، فروٹ مارکیٹ اور غلہ منڈی وغیرہ۔ مخصوص منڈی کے لیے ضروری ہے کہ اشیاء کی پیداوار وسیع پیمانے پر ہو اور نقل و حمل کے ذرائع ترقی یافتہ ہوں۔

۳۔ **نمونے کی منڈی:**۔ ایسی منڈی میں اشیاء کی خرید و فروخت ان کے نمونوں

سے طے پاتی ہے لہذا ایسی منڈی صرف ان اشیاء پر مشتمل ہو سکتی ہے جن کے نمونے تیار کیے جا سکیں۔ ایسی منڈی عموماً صنعتی مصنوعات پر مشتمل ہوتی ہے مگر دورِ جدید میں سائنسی تحقیق اور مشینی کاشت، عمدہ بیجوں اور کیمیائی کھاد کے استعمال نے زرعی اجناس کے نمونے تیار کرنا بھی ممکن بنا دیا ہے۔ پاکستان میں گندم، چاول، کپاس، پٹ سن وغیرہ کے نمونے تیار ہوتے ہیں۔

۴۔ درجہ بندی کی منڈی:۔ سائنسی تحقیق و تجربات نے ہر شے کی درجہ بندی کو بھی سہل بنا دیا ہے جس سے اس کی خرید و فروخت میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اسطرح نمونے دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی مثلاً گندم اور چاول کے کئی درجے ہیں۔ باسمتی چاول کا نام سنتے ہی خریدار کے ذہن میں ایک خاص قسم کا چاول آ جاتا ہے اور بغیر دیکھے وہ لین دین کر لیتا ہے۔

منڈی بلحاظ مقابلہ (۱) مکمل منڈی (۲) نامکمل منڈی۔ (۳) اجارہ دارانہ منڈی۔

۱۔ مکمل منڈی:۔ اگر کسی شے کی تمام اکائیاں اپنے معیار کے لحاظ سے یکساں ہوں اور ان کی خریدار و فروخت کرنے والے افراد کی تعداد اسقدر زیادہ ہو کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے شے کی قیمت پر اثر انداز نہ ہو سکے تو اس کی منڈی خالص منڈی کہلاتی ہے مگر ان دو لوازمات کے علاوہ اگر کسی صنعت میں نئے کاروبار شروع کرنے یا پرانا کاروبار بند کرنے پر کوئی پابندی نہ ہو اشیاء پیدا کرنے والے عاملین کی رسد لچکدار اور وہ مکمل طور پر حرکت پذیر ہوں۔ خریدار اور فروختکار کو منڈی کے حالات سے مکمل آگاہی ہو وہ ایک دوسرے کے ساتھ براہ راست یا بالواسطہ طور پر تجارتی رشتے ناطے میں منسلک ہوں اور منڈی میں کسی شے کی ایک وقت میں ایک ہی قیمت رائج ہو تو ایسی منڈی مکمل منڈی کہلاتی ہے۔

۲۔ نامکمل منڈی:۔ نامکمل منڈی میں کسی شے کی تمام اکائیاں اپنے معیار کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوتیں۔ خریدار یا فروختکار بھی تعداد میں چند ایک ہوتے ہیں جس سے اقلیت میں ہونے والے فریق کو قیمت پر اثر انداز ہونے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ کاروبار کی ابتدا یا اختتام پر پابندیوں کے علاوہ عاملین پیدائش

Marfat.com

میں نہ تو لچک پائی جاتی ہے اور نہ ہی حرکت پذیری و خریدار اور فروخت کار میں نہ تو رابطہ ہے اور نہ ہی انہیں منڈی کے حالات سے مکمل واقفیت اسطرح کی منڈی میں کسی ایک شے کی ایک قیمت بھی رائج نہیں ہوتی۔ کبھی تو گاہک سے شے کی قیمت اس کی معاشی اور معاشرتی حیثیت کے مطابق وصول کی جاتی ہے اور کبھی منڈی کے محل وقوع کے مطابق۔ مثلاً آپ کار یا سکوٹر پر دیدہ زیب لباس میں ملبوس جس سے آپ کی امارت ٹپکتی ہو کوئی شے خریدنے جائیں تو وہ دوکاندار آپ سے زیادہ قیمت مانگے گا مگر جب عام سادہ لباس میں ملبوس پیدل چلے جائیں تو وہی دکاندار اسی شے کی کم قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ منڈی کے کسی مخصوص حصے میں جہاں معاشی طور پر آسودہ افراد خرید و فروخت کے لیے جائیں وہاں قیمت منڈی کے دیگر حصوں کی نسبت زیادہ وصول کی جاتی ہے۔ مثلاً جوتا کشمیری بازار میں انار کلی اور مال کی نسبت سستا ملنے کی بڑی وجہ کشمیری بازار کا محل وقوع ہے کچھ لوگ ہمیشہ اپنی مخصوص دوکانو سے اشیا خریدتے ہیں۔ اس کی وجہ بعض اوقات تو دوکاندار کی خوش خلقی اور حسن سلوک ہوتا ہے۔ بعض اوقات گھر کا قرب اور بعض اوقات اشیا ادھار لینا ہوتی ہیں امتیازی قیمتوں کی وصولی ایک ہی شے کا ڈیزائن۔ پیکنگ یا رنگ تبدیل کرنے سے بھی ممکن ہو جاتی ہے۔ مثلاً لیور برادرز نے ایک ہی صابن کے لکس اور رکسونا نام رکھ کر ان کا رنگ اور پیکنگ بھی تبدیل کر دیا جس سے ان کی علیحدہ علیحدہ قیمتیں رکھنا آسان اور ممکن ہو گیا۔ دنیا کی اکثر منڈیاں نامکمل ہیں اس وجہ سے شے کی قیمت کے تعین کے معاملے میں خاصی کھینچا تانی ہوتی ہے

۳۔ اجارہ دارانہ منڈی :۔ ایسی منڈی میں شے کا فروخت کار یا تو ایک فرد، فرم یا ادارہ ہوتا ہے۔ شے کا کوئی قریبی نعم البدل نہیں ہوتا اجارہ داری قدرتی اسباب کی بنا پر بھی ہو سکتی ہے۔ اور قانونی طور پر بھی جیسے پاکستان کو پٹ سن، چین کو قدرتی ریشم، انڈونیشیا کو ربڑ، جنوبی افریقہ کو ہیروں اور سوئٹزرلینڈ کو گھڑیاں بنانے میں قدرتی اجارہ داری حاصل ہے۔ سٹیٹ بنک کو کرنسی کے اجرا اور زر مبادلہ کے لین دین کے لیے قانونی اجارہ داری حاصل ہے۔ اجارہ داری میں اجارہ دار مسابقین سے مکمل مقابلے کی نسبت زیادہ قیمت وصول کرتا ہے۔ اسے رسد پہ

کنٹرول کرنے اور قیمت کا تعین کرنے کا اختیار ہوتا ہے مگر وہ ان دونوں اختیارات کو بیک وقت استعمال نہیں کر سکتا۔ اگر وہ رسد متعین کرے تو اسے وہی قیمت قبول کرنا پڑتی ہے جس پر صارفین اس کی پیداکردہ اشیاء کو خریدنے پر آمادہ ہوں اس کے برعکس اگر وہ قیمت متعین کرے تو اسے اتنی مقدار میں ہی رسد فراہم کرنا پڑتی ہے جو اس کی مقرر کردہ قیمت پر صارفین خریدنے کے لیے تیار ہوں۔ اجارہ داری میں بھی اجارہ دار مختلف گاہکوں سے ایک ہی شے کی مختلف قیمتیں وصول کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

منڈی کی وسعت :۔ منڈی کی وسعت سے مراد شے کی خرید و فروخت کا پھیلاؤ ہوتا ہے۔ بعض اشیاء کی خرید و فروخت محدود پیمانے پر ہوتی ہے۔ اور بعض کی وسیع پیمانے پر۔ کچھ اشیاء مقامی طور پر پیدا ہوتی ہیں اور ان کی فروخت بھی مقامی طور پر ہی ہو جاتی ہے۔ ایسی اشیاء کی منڈی بھی محدود ہوتی ہے لیکن بعض اشیاء پیدا تو کسی ایک مقام پر ہوتی ہیں۔ مگر ان کی فروخت دور دراز مقامات پر اور بعض اوقات ممالک غیر میں بھی ہوتی ہے۔ ایسی اشیاء کی منڈی وسیع ہوتی ہے۔ منڈی کے محدود اور وسیع ہونے کا انحصار کئی عناصر پر ہوتا ہے۔

جن اشیاء کی خصوصیات نمونوں یا درجوں کے ذریعے آسانی سے بیان کی جا سکیں اور خریدار انہیں آسانی سے سمجھ یا شناخت کر سکیں۔ ان کی منڈی وسیع ہوتی ہے جیسے سونا چاندی سرکاری تمسکات و کفالتیں، حصص، صنعتی مصنوعات مشینیں وغیرہ۔ ایسی اشیاء کا لین دین ڈاک و تار یا ٹیلی فون کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے۔ سبزیوں خام زرعی اجناس وغیرہ کی درجہ بندی میں نسبتاً کافی مشکلات حائل ہیں لہٰذا ان کی منڈی نسبتاً محدود ہوتی ہے اوّل الذکر اشیاء کی منڈی عالمی منڈی بھی بن سکتی ہے۔ جب کہ مؤخر الذکر اشیاء کی منڈی مقامی یا قومی نوعیت کی ہوتی ہے۔ زرعی اجناس میں کچھ اشیاء مثلاً کپاس، پٹ سن، چائے اور تمباکو وغیرہ کی درجہ بندی بہتر طریقہ کاشت عمدہ بیج اور کیمیائی کھاد کی بدولت ہو چکی ہے لہٰذا ان کی منڈی وسیع ہے۔

پائیدار اشیاء جن کا ذخیرہ کیا جا سکے اور جلد ضائع نہ ہو جائیں ان کی منڈی بھی

Marfat.com

وسیع ہوتی ہے جب کہ ضیاع پذیر اشیاء مثلاً سبزیاں، گوشت، دودھ، مچھلی، پھل وغیرہ کی منڈی محدود ہوتی ہے۔ یہ مقامی طور پر پیدا کی جاتی ہیں۔ مقامی طور پر مصرف میں آجاتی ہیں۔ خام اور زرعی اجناس کی منڈی صنعتی مصنوعات، سونا چاندی اور تمسکات و کفالتوں کی منڈی کی نسبت محدود ہوتی ہے۔

جدید دور میں منڈی کی وسعت ذرائع حمل و نقل یعنی ریلوں، سڑکوں، آبی شاہراہوں اور فضائیہ، رسل و رسائل، یعنی ڈاک، تار، ٹیلیفون وغیرہ کی ترقی کی مرہون منت ہے۔ ان ذرائع کی ترقی نے منڈیوں کو وسیع کر دیا ہے۔ اشیاء کو دور دراز مقامات تک پہنچانا ممکن ہو گیا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں منڈیوں کی وسعت کی سب سے بڑی وجہ ذرائع نقل و حمل و رسل و رسائل کی اعلیٰ کارکردگی ہے۔ وہاں خریدار اور فروخت کنندہ ہزاروں میل دور بیٹھے ٹیلیفون کے ذریعے ہی لین دین کر لیتے ہیں جس سے منڈی کو وسیع کرنے میں مدد ملتی ہے جب کہ پاکستان جیسے غیر ترقی یافتہ ملک میں ان ذرائع کے ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے منڈی محدود ہے۔

دور جدید میں بنک ملکی اور بین الاقوامی تجارت کے فروغ میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف تاجروں کی کاروباری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مالیات فراہم کرتے ہیں بلکہ عالمی وصولیوں، ادائیگیوں اور انتقالیوں میں بے بہا خدمات سرانجام دیتے ہیں جس سے منڈی کی وسعت کو بہت تقویت ملتی ہے۔ جن ممالک میں بنکوں کی شاخیں کثرت سے ہوں۔ وہاں منڈی وسعت اختیار کر جاتی ہے۔

عمدہ نظام زر کا منڈی کی وسعت میں کردار کچھ اہم نہیں۔ عمدہ باقاعدہ اور منظم نظام زر اشیاء کے تبادلوں اور انتقالیوں میں ممد ثابت ہوتا ہے اگر زر کی قوت خرید مستحکم اور اس کی اندرونی اور بیرونی قدر میں پائیداری پائی جائے تو لوگ اطمینان سے تجارت میں سرمایہ کاری کریں گے جس سے منڈی کو وسعت اختیار کرنے میں مدد ملے گی مگر جب زر کی قدر میں ثبات نہ ہو اور زر کی قدر سرعت سے کم و بیش ہو تو عوام کا اعتماد ختم ہو جائے گا۔ کاروبار کا دائرہ محدود ہو جائے گا اور اس کے ساتھ منڈی بھی محدود ہو جائے گی۔

جس شے کی طلب وسیع اور عالمگیر ہو اس پر شخصی پسند، علاقائی تمدن اور

موسمی تغیرات کا اثر نہ ہو اس کی منڈی وسیع ہوتی ہے مثلاً سونے چاندی، حصص اور تمسکات و کفالتوں پر شخصی پسند کا کوئی اثر نہیں لہذا ان کی منڈی وسیع ہے مگر سندھی ٹوپیاں، پشاوری چپل، بہاولپوری ظروف پر علاقائی تمدن کا اثر غالب ہے۔ برف، سرد مشروبات اور آئس کریم پر موسمی اثرات کا غلاف چڑھا ہوا ہے لہذا یہ مقامی طور پر بن کر وہیں بک جاتی ہیں۔ اسی طرح جو اشیاء وسیع پیمانے پر پیدا کی جائیں ان کی فروخت کے لیے آجر کو تگ و دو کرنا پڑتی ہے جس سے منڈی کی وسعت میں بہت مدد ملتی ہے۔ وسیع پیمانے پر پیدا ہونے والی اشیاء پیچیدہ تقسیم کار کے اصول پر مبنی ہوتی ہیں۔ مشینوں کا استعمال عام ہوتا لہذا اشیاء کو فروخت کرنے کے لیے نشر و اشاعت کا بھی سہارا لیا جاتا ہے جو منڈی کو وسیع کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ باٹا شو کمپنی مشینوں کی مدد سے وسیع پیمانے پر جوتے تیار کرتی ہے لہذا وہ اپنی مصنوعات کی نشر و اشاعت کے لیے بذریعہ اخبارات، ریڈیو، سینما سکرین اور ٹیلی ویژن پر ایک معقول رقم خرچ کرتی ہے جس سے باٹا کے جوتوں کی طلب پر خاصا اثر پڑتا ہے۔ شے کی جسامت، حجم اور قدر و قیمت بھی اس کی منڈی کو محدود یا وسیع کرنے میں مدد دیتی ہے۔ مثلاً سونا چاندی اور کفالتوں کی منڈی کی وسعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا حجم اور جسامت تو کم ہوتا ہے مگر قدر و قیمت بہت زیادہ جیسا کہ اینٹوں، بھوسہ اور ریت کا حجم زیادہ ہوتا ہے مگر قدر قیمت کم لہذا ان کی منڈی بھی محدود ہوتی ہے۔

اگر لوگوں کی جان و مال محفوظ ہو۔ ملک اندرونی انتشار اور خلفشار اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہو تو لوگ وسیع پیمانے پر سرمایہ کاری کریں گے جس سے پیمانہ پیدائش وسیع ہو کر منڈی کو بھی وسعت بخشے گا اور منڈی وسیع ہو کر عالمی منڈی بھی بن سکے گی مگر جنگ و جدل، اندرونی خلفشار اور سیاسی ابتری میں تجارتی رشتے ناطے بہت کمزور پڑ جاتے ہیں۔ طلب محدود ہو جاتی ہے۔ پیمانہ پیدائش بھی سکڑ جاتا ہے اور رسد بھی گھٹ جاتی ہے جس سے منڈی محدود ہو جائے گی اگر حکومت آزاد تجارتی پالیسی پر عمل پیرا ہو تو اس سے بھی منڈی کو وسیع کرنے میں مدد ملے گی۔ اشیاء کی درآمد اور برآمد پر کوئی پابندی نہیں ہوگی لیکن جیسا درآمد اور برآمد پر مصنوعی

Marfat.com

روکاوٹیں مثلاً لائسنس، کوٹہ، تاوان، زرمبادلہ پر کنٹرول عائد کر دی جائیں تو تجارت سکڑنے کے ساتھ منڈی بھی سکڑ جائے گی۔

منڈی کی اہمیت ارتقا اور اس کے اثرات:۔ ابتدائی زمانہ میں جب انسان نے اکٹھے مل جل کر رہنا نہیں سیکھا تھا اور وہ غاروں میں زندگی بسر کیا کرتا تھا۔ بھوک لگنے پر کسی پھلدار درخت سے پھل توڑ کر کھا لیے۔ درختوں کے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھانپ لیا اور اسے گرمی اور سردی کے اثرات سے محفوظ کر لیا۔ رہائش کیلئے قدرتی طور پر غاریں موجود تھیں جنہیں تلاش کر کے ان پر قبضہ جما لیا۔ بس یہ تین ہی اس کی ضروریات زندگی تھیں ایسی محدود ضروریات کے ہوتے ہوئے منڈی کی نہ تو ضرورت ہی تھی اور نہ ہی اس کا وجود تھا لیکن جوں جوں انسان کی خوابیدہ قوتیں بیدار ہوئیں۔ اور عقل و دانائی کے جواہر افشا ہوتے اس نے نہ صرف مل جل کر رہنا سیکھا بلکہ ایک دوسرے کے تعاون اور اشتراک کے برکات سے بھی آشنا ہوئے یہ تعاون اور اشتراک پہلے تو کنبے تک محدود تھا۔ جس سے کنبے کے افراد اپنی ضرورت کی تقریباً سب ہی چیزیں خود پیدا کر لیتے تھے اور انہیں دوسرے اشخاص کی پیدا کردہ اشیاء کے ساتھ تبادلہ کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ اس تعاون اور اشتراک سے جب تقسیم کار کی بنیاد پڑی تو نہ صرف اشیاء نسبتاً بڑے پیمانے پر پیدا ہونا شروع ہوئیں بلکہ ان کے تبادلہ کی بھی ضرورت پیش آئی کیوں کہ تقسیم عمل کی وجہ سے ہر شخص نے اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق کسی ایک کام کو اپنا کر اس میں مہارت حاصل کر لی اور اس کے لیے اپنی ضرورت کی ہر شے پیدا کرنا ناممکن ہو گیا۔ ابتدائی دور میں چونکہ زر کا کوئی منظم نظام نہیں تھا لہٰذا زر کے بدلے اشیاء کے تبادلہ میں عملی مشکلات پیش آئیں۔ اس لیے اس دور میں اشیاء کے بدلے اشیاء کے لین دین کی داغ بیل ڈالی گئی جسے بارٹر سسٹم کہتے ہیں لیکن احتیاجات کی دوگونہ عدم مطابقت، معیار قدر کی عدم موجودگی، ناقابل تقسیم اشیاء کی موجودگی مستقبل کی ادائیگیوں میں عملی مشکلات اور دولت کی نقل پذیری کی دقتوں اور دولت کے ذخیرہ کے فقدان کی وجہ سے اس نظام کو جلد ترک کرنے کی ضرورت پیش آئی اور پھر ضرورت ایجاد کی ماں ہے کے مصداق انسان ان مشکلات کے پیش نظر

Marfat.com

کسی ایسی شے کی تلاش میں سرگرداں نظر آیا جو آلہ مبادلہ کا کام بھی دے اور قدر کا پیمانہ بھی۔ اس کی کوششیں بار آور ہوئیں اور اس نے ایک آلہ مبادلہ اور پیمانہ قدر تلاش کر لیا جسے زر کہتے ہیں زر کی دریافت نے نہ صرف منڈی کی بنیاد کو مستحکم کیا بلکہ اس کی وسعت میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

منڈی کی اہمیت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے یہ ایک مرکز ہے جہاں صارفین اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے تقریباً ہر وقت موجود ہوتے ہیں جو اسے کئی مشکلات اور پریشانیوں سے نجات دلاتا ہے۔ گوشت کی ضرورت ہو تو آپ گوشت والے کی دکان پر جائیں گے اشیائے خوردنی کی خرید کے لیے غلہ منڈی کا رخ کریں گے اور سبزی خریدنا ہو تو سبزی منڈی جائیں گے۔

اس مرکز پر مختلف قسم کے افراد جمع ہوتے ہیں ہر فرد کی پسند اور ناپسند مختلف ہے۔ اسی لئے ہر شخص کے لین دین کا طریقہ بھی مختلف ہوتا ہے۔
ان اختلافات کے باوجود ہر فرد کو ایک دائرہ میں رکھنے والے کچھ کاروباری اصول ہوتے ہیں جس سے کسی فرد کے وقار کو ٹھیس نہیں پہنچتی۔ کسی کے جذبات مجروح نہیں ہوتے۔ کسی کی پسند اور ناپسند کو گزند نہیں پہنچتی۔ یہ کاروباری اصول ایمانداری دیانت اور باہمی احترام و رواداری پر قائم ہیں۔ لوٹ کھسوٹ بددیانتی اور اصل کے دھوکہ میں نقلی مال دینے کا رجحان اس قدر خطرناک اور مہلک ہے کہ اس نے نہ صرف کاروبار کو تباہ و برباد کیا بلکہ قوموں کی رسوائی اور تباہی کا موجب بھی بنا۔
اسلام کے پھیلانے میں صوفیائے کرام کے علاوہ دیانت دار تاجروں کے کردار کی اہمیت کو کسی طرح بھی کم نہیں کہا جا سکتا۔ انڈونیشیا میں تو خاص طور پر دین کو پھیلانے میں تاجروں کا بہت اہم حصہ ہے انگریز تاجر کی دیانتداری ہمارے لیے اب مثالی حیثیت اختیار کر گئی ہے جبکہ خود اسلامی تاجروں کی دیانت اور رواداری کبھی مثالی ہوا کرتی تھی مگر ہم جوں جوں مذہب سے کوسوں دور ہوتے گئے اس لئے ہم نے ان سنہری اصولوں کو بھی فراموش کر دیا جو سید البشر نے ہمیں سکھائے تھے۔ تقسیم ملک سے پہلے ہندو تاجر بھی بہت حد تک ان کاروباری اصولوں پر کاربند تھا۔ اسی لیے خود مسلمان کسی مسلمان تاجر سے سودا سلف خریدنے کی بجائے ہندو تاجر سے

Marfat.com

خریدنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اگر منڈی میں تاجر دیانت داری سے تجارت کریں اور صحیح صحیح مال خریداروں کے سپرد کریں اور جائز منافع کمائیں۔ ذخیرہ اندوزی چور بازاری اور ملاوٹ جیسے تباہ کن اور ناقابل معافی جرائم کے مرتکب نہ ہوں۔ گاہک کو ادا شدہ قیمت کے مطابق اشیاء دی جائیں تو اس سے خود تاجر کی عملی زندگی میں ایک حیرت انگیز اخلاقی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

منڈی جہاں افراد کی اخلاقی تربیت کر کے انہیں راست گوئی، سچائی، دیانت داری اور اخوت کی تلقین کرتی ہے وہاں اس کے ساتھ لوگوں میں باہمی اعتماد و تعاون کا بیج بھی بوتی ہے۔ معاشرتی تعلقات استوار اور مستحکم ہوتے ہیں۔ ایک ہی جگہ پر عمر بھر اکٹھے کاروبار کرنے سے تاجروں میں ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی بن جاتے ہیں یہ کاروباری تاجرانہ تعلقات خاندانی تعلقات تک پھیلتے ہیں اور انہیں رشتہ اخوت میں منسلک کر دیتے ہیں۔

دوسری طرف منڈی میں اگر صارفین کو ان کی زر کی شکل میں ادا شدہ قیمت کے برابر اشیاء کی شکل میں افادہ مل جائے تو ان کا فروختکاروں پر نہ صرف اعتماد بحال رہتا ہے بلکہ انہیں اپنی صرف ادا شدہ رقم سے زیادہ سے زیادہ تسکین بھی مل جاتی ہے اور ان کا احساس محرومی ختم ہو جاتا ہے۔

دیانت دار تاجر کے ہاتھوں صارف کبھی محروم اور مایوس نہیں ہوتا لیکن جس منڈی کی بنیاد ہی دھاندلی اور لوٹ کھسوٹ پر ہو تو اس میں صارف سب سے زیادہ مظلوم ہوا کرتا ہے۔ بد دیانت تاجر صارف کا مال تو لوٹتا ہی ہے اس کے ساتھ وہ ملاوٹ شدہ اور گھٹیا اشیاء فراہم کر کے اس کی صحت اور زندگی کے ساتھ بھی کھیلتا ہے۔

صارف کے ساتھ انصاف صرف منظم منڈی میں ہی ہو سکتا ہے جس کے تاجر انتظامیہ کی کڑی نگرانی میں تجارت کرتے ہیں منڈی کے کارندوں کو بد دیانتی کی جرأت نہیں ہوتی۔ باٹ سرکاری مہر شدہ استعمال ہوتے ہیں۔ کسی تاجر کو خریدار پر کسی قسم کی زیادتی کرنے کی نہ تو ہمت ہوتی ہے اور نہ ہی اجازت۔ خریدار کو

Marfat.com

سے مال کے دام ان کی ظاہری حیثیت کے مطابق وصول نہیں کیے جاتے۔ سب کے لیے شے کے ایک ہی دام ہوتے ہیں اور شے بھی ملاوٹ سے پاک۔ مگر ایسی منڈیوں کے قیام و دوام کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے ذہنوں کو بھی پاک اور صاف کرنا ہوگا اور تاجر کے ذہن سے ہوس زر کو ختم کرنا ہوگا۔ سرور کائنات کا فرمان ہے کہ دیانتدار تاجر آخرت میں شہدا اور صدیقوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔

منڈی کا تقدس مسلم ہے اور یہ عبادت گاہ سے کم نہیں بشرطیکہ تاجر کاروباری اصولوں اور دیانت داری کے تحت نیک نیتی سے کاروبار کرے۔ گاہک کی عزت و تکریم سے اس کا اپنا وقار بڑھتا ہے گاہک سے خوش خلقی اس کے اپنے کردار اور شخصیت کو ابھارتی ہے جس سے کاروبار میں ترقی ہوتی ہے اور منڈی میں وسعت آتی ہے۔

منڈی دیانت داری کی تربیت گاہ ہے۔ یہ افراد کی اخلاقی تربیت کے علاوہ ان میں اخوت بھائی چارہ اور باہمی ہمدردی کے جذبات بھی پیدا کرتی ہے۔ باہمی میل جول سے ذہنی نشوونما ہوتی ہے۔ خیالات بلند ہوتے ہیں۔ تہذیب اور تمدن اور ثقافت میں ترقی ہوتی ہے۔ دوسرے علاقوں کے اہم رسم و رواج سے آگاہی ہوتی ہے کیوں کہ منڈی میں ہر مقام کا فرد لین دین کے لیے آتا ہے۔ دوسروں کے جذبات اور احساسات کو سمجھنے اور ان کے احترام کی ضرورت کا پتہ چلتا ہے مگر منڈی کی یہ جامع صفات اور ان کے مثبت اثرات معاشرہ پر اس وقت عیاں ہو سکتے ہیں جب اس کی بنیادی باہمی اعتماد، اخوت اور دیانت داری پر استوار کی گئی ہو۔ ان حالات میں معاشرہ ذخیرہ اندوزی ملاوٹ، چور بازاری اور لوٹ کھسوٹ جیسی لعنتوں سے پاک ہو جائے گا ورنہ بددیانتی اور دولت کی حرص و ہوس قومی دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز کر کے معاشی ناہمواریاں پیدا کرے گی جس سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعتی کشمکش معاشرہ کو لے ڈوبے گی۔ قومی اقتصادی ترقی کا دارومدار کسی طرف تو کلیتہً منڈی اور اس کی وسعت پر ہے جس سے مادی۔ مالی اور انسانی وسائل کو بروئے کار لا کر قومی دولت پیدا کی جاتی ہے معاشی خوشحالی کا

Marfat.com

دور دورہ ہوتا ہے۔ بیروزگاری کا انسداد ہوتا ہے اور معیار زندگی بلند ہوتا ہے اور دوسری طرف منڈی کے اثرات معاشرہ کے اوپر اس قدر گہرے ہیں کہ اس سے لوگوں میں اخوت، باہمی اعتماد اور دیانت داری جیسے جوہر پیدا ہوتے ہیں جو انسان کی بنیادی صفات ہیں اور تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی ترقی کی راہیں بھی ہموار ہوتی ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

اسلام کا
سیاسی
نظام

Marfat.com

570

250

337
191
607
1135

Marfat.com

مملکت

مملکت کیا ہے؟

وہ ارفع معاشرتی ادارہ جو انسان کے تمدنی امور کو قانون کی رو سے سرانجام دینے کے لیے وجود میں آتا ہے۔

انگریزی میں ریاست کے لئے لفظ اسٹیٹ (STATE) استعمال کرتے ہیں جو اسٹیٹس (STATUS) سے ماخوذ ہے۔ قدیم ماہرین سیاسیات نے مملکت کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے۔ ارسطو کہتا ہے

"مملکت خاندان اور دیہاتوں کی اس تنظیم کا نام ہے جس کا مقصد مکمل اور آزاد زندگی کی سہولتیں بہم پہنچانا ہے"

بلنٹشلی (BLUNTSHLI) یہ تعریف کرتا ہے:

"مملکت لوگوں کی وہ سیاسی منظم جماعت ہے جو کسی مقام پر رہتی ہو"

ڈاکٹر وڈرو ولسن (WOODROW WILSON) کے قول کے مطابق

"ریاست سے مراد افراد کا کسی مخصوص علاقہ کے اندر قانون کی خاطر منظم ہونا ہے"

برجس کہتا ہے:

"مملکت انسانوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں سیاسی تنظیم موجود ہو"

ہالینڈ کہتا ہے:

"مملکت انسانوں کے اس وسیع جماعت کو کہتے ہیں جو عموماً ایک خاص حصہ پر آباد ہوں اور جن میں اکثریت کی رائے مخالف طبقہ

Marfat.com

کی رائے پر فوقیت رکھے"۔

گارنر نے زیادہ وضاحت کے ساتھ تعریف کی ہے۔

مملکت کم یا زیادہ افراد کی وہ سیاسی جماعت ہے جو دائمی طور پر کسی خاص خطہ زمین پر قابض اور تمام خارجی اثرات سے آزاد ہو۔ جس کی ایک منظم حکومت ہو، اور جس کی لوگ اطاعت کرتے ہوں۔

گلکرائسٹ کہتا ہے:

ریاست علم سیاست کا ایک تخیل اور اخلاقی حقیقت ہے جس کا وجود ایسی جگہ پایا جاتا ہے یہاں اشخاص کی ایک تعداد جو معین قطعہ ارض میں رہتی ہو۔ ایک ایسی حکومت کے تحت متحد ہو جو داخلی معاملات میں ان کے اقتدار اعلیٰ کے ظہور کا ذریعہ ہو اور خارجی معاملات میں دوسری حکومتوں سے آزاد ہو"۔

لاسکی کہتا ہے:

ایک علاقائی معاشرہ جو حکومت اور رعایا میں بٹا ہوا ہو اور اپنے طبعی مخصوص رقبہ کے اندر تمام دوسرے اداروں پر برتری کا دعوی دار ہو"۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے مملکت کی تعریف یہ ہے:

مملکت (STATE) وہ بلند ترین معاشرتی ادارہ جو انسانوں کے دینی اور دنیاوی معاملات کو قانون کی رو سے سرانجام دینے کے لئے وجود میں آتا ہے۔

مملکت کے کم از کم اجزائے ترکیبی حسب ذیل ہیں:

۱۔ آبادی

۲۔ علاقہ

۳۔ تنظیمی ڈھانچہ

۴۔ حکومت

۵۔ دستور

۶۔ اقتدار اعلیٰ

Marfat.com

۱۔ آبادی مملکت کے وجود کے لئے نہایت ضروری ہے بغیر آبادی کے مملکت کا تصور ہی ناممکن ہے کیونکہ مملکت نام ہے اس بلند ترین معاشرتی ادارے کا جو انسان کی تمدنی زندگی کے معاملات کو قانون کی رو سے سر انجام دیتا ہو۔

۲۔ **علاقہ**: ریاست کا دوسرا جزو علاقہ ہے آبادی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی مخصوص علاقے میں آباد ہوں جس کا مناسب حدود اربعہ ہو۔

۳۔ **تنظیمی ڈھانچہ**: ریاست کا تیسرا جزو تنظیمی ڈھانچہ ہے جو معاشرے کے تمام طبقات اور اداروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

۴۔ **حکومت**: ریاست کا چوتھا جزو حکومت ہے۔ حکومت اس مشینری کا نام ہے جو ریاست کے فیصلوں کو نافذ کرتی ہے۔ اور امن وامان قائم کرتی ہے۔

۵۔ **دستور**: ریاست کا پانچواں جزو دستور ہے۔ دستور اس مجموعہ ضوابط کا نام ہے۔ جس میں مملکت کے نظام، تقسیم اختیارات اور مختلف حکومتوں کے باہمی تعلقات سے اصولی بحث ہوتی ہے۔

۶۔ **اقتدار اعلیٰ**: ریاست کا چھٹا جزو اقتدار اعلیٰ ہے۔ اقتدار اعلیٰ سے وہ بالا طاقت مراد ہے جو مملکت کی حدود کے اندر سب انجمنوں پر فائق ہوتی ہے۔

اقتدار اعلیٰ کے متعلق سیاسی نظریات اور اسلامی نظریہ کا اختلاف ہے۔ سیاسی نظریات کی رو سے اقتدار اعلیٰ یا تو فرد واحد کے ہاتھ میں ہوگا یا چند افراد کے ہاتھ میں یا عوام کے ہاتھ میں یا چرچ کے ہاتھ میں لیکن اسلام کی رو سے اقتدار اعلیٰ صرف اللہ کو حاصل ہے کوئی بندہ دوسرے بندہ پر حکومت نہیں کر سکتا ارشاد الٰہی ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ[۱] حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہی حاصل ہے۔

عہد حاضر کا ایک فرانسیسی ماہر سیاسیات ڈی ٹوکویل انسانوں کی حاکمیت کے رد میں اور خدا کی حاکمیت کے حق میں لکھتا ہے:

---

[۱] یوسف: ۴۰

Marfat.com

"مطلق اقتدار فی الواقع ایک بہت بڑی چیز ہے اور خطرناک بھی کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اقتدار مطلق کو دور اندیشی اور احتیاط کے ساتھ استعمال کر سکے اقتدار مطلق کا مرجع صرف خدائے واحد کی ذات ہے کیوں کہ اس کے اقتدار کی کارفرمائی کے پہلو بہ پہلو اس کی حکمت اور اس کا عدل بھی کارفرما ہے لیکن دنیا کے اندر کوئی ایسا معتبر اور قابل اطاعت اقتدار نہیں پایا جاتا جس کے احکام کو میں ہر ہر معاملے میں غیر مشروط طور پر قبول کرتا جاؤں جب میں یہ معلوم کرتا ہوں کہ کسی ملک کو یا کسی حکومت کو خواہ وہ شخصی ہو یا ڈیموکریٹک یا بادشاہت ہو یا ری پبلک ہو اقتدار مطلق سونپ دیا گیا ہے۔ تو مجھے اسی وقت انتشار و نار کی کے بیج نظر آنے لگتے ہیں اور میں فوراً ایک ایسی ریاست کی تلاش کرنے لگتا ہوں۔ جو میری حقیقی آرزو پوری کرے۔"

سیاسی نظریات کی مختصر تاریخ

افلاطون کا نظریہ سیاست

افلاطون یونان میں تقریباً ۴ ½ سو سال قبل مسیح پیدا ہوا۔ حکمائے یونان میں افلاطون فلسفہ اور سیاست میں امام تصور کیا جاتا ہے اس کا نظریہ سیاست یہ ہے۔ کہ انسان مدنی الطبع ہے اس لئے وہ مل جل کر زندگی بسر کرے گا مل جل کر رہنے کی وجہ سے معاشرہ میں تقسیم عمل کا اصول کارفرما ہوگا۔ تاکہ لوگ ایک دوسرے کی ضروریات اور احتیاجات کو پورا کرنے کے لئے اپنے دائرہ میں عمل کریں۔ اس لئے کہ کوئی انسان بھی اپنی تمام ضروریات کا خود کفیل نہیں ہے۔ افلاطون کہتا ہے کہ تقسیم کار پیدائش کے اعتبار سے ہونی چاہیئے۔ کیونکہ

[1] نظام اسلامی مشاہیر کی نظر میں مرتبہ خلیل احمد حامدی ص ۲۵۱

Marfat.com

مختلف انسان پیدائشی طور پر مختلف استعدادیں اور صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں بعض ذہین و فطین ہوتے ہیں بعض بہادر اور بعض معاشی کاموں کے کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ افلاطون معاش کو تین طبقات میں تقسیم کرتا ہے:

۱۔ ارباب حل وعقد جنہیں وہ نگران (GUARDIAN) کہتا ہے حکمرانی کے فرائض صرف یہی لوگ انجام دے سکتے ہیں۔ اس طبقہ کو مثالی بنانے کے لئے تعلیم کا ایک نظام پیش کرتا ہے تاکہ یہ لوگ اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا سکیں اور ان میں یک جہتی پیدا ہو سکے۔

۲۔ دوسرے سپاہی۔ علاقے کی حفاظت اور بقا کے لئے فوج کی ضرورت پڑتی ہے۔ کوئی علاقہ اور ملک بغیر دفاع کے اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے ماہر فوجیوں کی جماعت ضروری ہے اس طرح افلاطون فوجیوں کی جماعت کو معاشرہ کا ایک مستقل طبقہ تصوّر کرتا ہے۔ اس طبقہ کی باقاعدہ تربیت کا بھی خواہاں ہے تاکہ سپاہی ضرورت کے وقت اپنی صلاحیتیں اجاگر کر سکیں۔

۳۔ اہل حرفہ۔ کسانوں، مزدوروں اور غلاموں پر مشتمل ہے۔ یہ طبقہ انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مختلف پیشے اختیار کرے گا۔ کیونکہ کوئی شخص بھی خود کفیل نہیں ہے۔ افلاطون کا نظریہ ہے کہ جو انسان جس طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ اس طبقہ کا کام کرنا ہی عین تقاضائے فطرت ہے اس لئے حکومت کا یہ فرض ہے کہ ہر انسان سے وہی کام لے جو اس کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس شخص پر بھی یہ واجب ہے کہ حکومت کے فیصلے کے سامنے سرِ خم تسلیم کرے۔

افلاطون کے نزدیک مثالی حکومت وہی ہو سکتی ہے جب ارباب حکومت سب فلاسفر ہوں۔ افلاطون نے اپنی مثالی مملکت کا نقشہ اپنی مشہور کتاب "ریاست" میں کھینچا ہے ان کے نزدیک مثالی ریاست کی بقاء عدل و انصاف پر ہے۔ اگر عدل و انصاف ہے تو حکومت قائم ہے۔ ورنہ اس کی تباہی و بربادی سر پر کھڑی ہے۔

Marfat.com

افلاطون کے نظریہ عدل پر میکاولی اور مینڈول نے اپنے اپنے نظریات سیاست کی بنیاد رکھی ہے افلاطون کی مثالی ریاست میں معاشی نظام کم و بیش اشتراکی نظام کے مشابہ ہے۔

تنقید اسلام معاشرتی طبقاتی تقسیم کا قائل نہیں ہے۔ سب انسان، پیدائشی لحاظ سے برابر ہیں۔ اس لئے اسلام کسی شخص کو بھی یہ سرٹیفکیٹ نہیں دیتا کہ وہی حکومت کے لئے پیدا ہوا ہے اور نہ کسی سے حکومت کا حق چھینتا ہے۔ نہ کسی کو کوئی خاص پیشہ اختیار کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے اسلام انسانی مساوات کا قائل ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: یَاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ [۱] اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک اصل سے پیدا کیا ہے۔

وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا [۲]

سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں سو وہ اختلاف کرتے ہیں۔

اسلام کہتا ہے کہ حکومت کرنا صرف ایک خاص طبقے کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ جو بھی اس کا اہل ہو۔ حکومت اس کے سپرد کر دی جائے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا [۳]

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو۔

یہ آیت کریمہ ظاہر کرتی ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے کوئی خاص طبقہ حکومت کرنے کا حقدار نہیں ہے۔ بلکہ معاشرہ میں جو بھی اہل ہوگا زمام حکومت اس کے ہاتھ میں دی جائے گی۔

اہل کون ہے اسلام اس کا جواب دیتا ہے: وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ [۴] زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔

اسلام اسی پر خاموش نہیں رہ جاتا کہ معاشرہ میں سے بہترین شخص کے سپرد حکومت کر دی جائے بلکہ حاکم کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ لوگوں کے مشورہ کے

---

[۱] النساء ۴: ۱ [۲] یونس ۱۰: ۱۹ [۳] النساء ۴: ۵۸ [۴] الانبیاء ۲۱: ۱۰۵

Marfat.com

بغیر حکومت نہیں کرتا۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [1] یعنی مسلمانوں کا نظام حکومت باہمی مشاورت کے ساتھ چلتا ہے۔

ایک جگہ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ [2] معاملات میں ان کا مشورہ لے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ما شاور قوم الا هدوا [3] جس قوم نے باہمی مشورہ کیا اس نے فلاح پائی۔

مذکورہ بالا بحث سے افلاطونی نظریہ حکومت اور اسلامی نظریہ حکومت کا فرق کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ افلاطون شخصی موثری حکومت (چند فلسفیوں کی حکومت جس کا حکمران شخص واحد ہو) کا قائل ہے اسلام اس امر کا قائل ہے کہ رئیس حکومت معاشرہ میں سے بہترین شخص ہو۔ اور کسی خاص طبقہ سے متعین نہیں کرتا۔ پھر وہ رئیس عوام کے مشورہ سے حکومت چلائے۔

ارسطو کا نظریہ حکمائے یونان میں ارسطو کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ افلاطون کی اکیڈمی میں بحیثیت ایک شاگرد کے بیس سال تک تعلیم حاصل کرتا رہا۔

ارسطو بھی افلاطون کی طرح معاشرہ کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے لیکن اس کا معیار تقسیم ذرا مختلف ہے:

۱۔ ارباب فکر و نظر کا طبقہ۔ جسے وہ طالب علموں کا طبقہ لکھتا ہے، یہی لوگ بہترین زندگی کے مستحق ہیں۔

۲۔ غلاموں کا طبقہ۔ جس کا یہ فرض ہے کہ پہلے طبقہ کی ضرورت اور احتیاجات کو پورا کرے۔

۳۔ عام انسانوں کا طبقہ۔

ارسطو اونچے طبقہ کے لائق ذہین اشخاص کی حکومت کا قائل ہے۔ ارسطو اسے ارسطوکریسی ARISTOCRACY کا نام دیتا ہے۔ اسی طرز حکومت کو بہترین حکومت

[1] الشوریٰ ۴۲: ۳۸۔ [2] آل عمران: ۱۵۹

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

قرار دیتا ہے۔

نظریہ کلی اس نظریہ کو مثالی نظریہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس نظریہ کی رو سے مملکت ایک زندہ شے ہے جذبات خواہشات اور ارادے رکھتی ہے اس کے اختیارات غیر محدود ہیں اگر فرد اور مملکت کے درمیان اختلاف ہو تو مملکت حق بجانب ہو گی، فرد قصوروار۔ افراد حکومت کے اس طرح تابع ہیں کہ جو بھی حکم صادر ہو وہ اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہیں۔ حکم کے خلاف احتجاج نہیں کرسکتے۔ فرد کی زندگی، ترقی، خوشحالی۔ سب مملکت کے قبضہ قدرت میں ہے ہر فرد کی خوشحالی اور بہبودی ریاست کی خوشحالی اور برتری میں مضمر ہے انسان بغیر حکومت کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ انسان مملکت کے لئے پیدا ہوتا ہے اس کے لئے مرتا ہے۔

تنقید ۱۔ نظریہ کلی عقل کی نفی کرتا ہے جب کہ اسلام عقلی قوتوں سے کام لینے کی تعلیم دیتا ہے اور قرآن بار بار لوگوں کو افلا یتدبرون۔ افلا یعقلون۔ افلا یشعرون۔ وغیرہ الفاظ سے مخاطب کرتا ہے اور جو لوگ عقلی قوی سے کام نہیں لیتے انکو حیوانات سے تشبیہ دیتا ہے اور انہیں بہرے گونگے اور اندھے کہتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: دین المرء عقلہ[۱] یعنی آدمی کا دین اس کی عقل ہے۔ یتفاضل الناس بالعقل فی الدنیا والاخرۃ[۲] دنیا اور آخرت میں حسب عقل لوگوں کو فضیلت ہو گی۔

۲۔ نظریہ کلی آمریت کی تعلیم دیتا ہے اسلام آمریت کے صریحًا خلاف ہے اسلام سیاسی اور قانونی لحاظ سے صرف اللہ تعالےٰ کی حاکمیت کا قائل ہے ارشاد الٰہی ہے: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ[۳] حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہی ہے۔

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ[۴] پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل

---

[۱] کنوز الحقائق [۲] ایضاً [۳] یوسف: ۱۲: ۴۰ [۴] المائدہ ۵: ۴۸

Marfat.com

کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرو اور اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ [1] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بنتے ہیں تو اپنے پہلے خطبہ میں فرماتے ہیں:
ان احسنت فاعینونی وان زغت فقومونی۔ اگر میں قانون کے تحت اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اگر قانون سے ہٹ کر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرو۔

صحابہؓ کرام نے جواب میں کہا کہ ہم آپ کو نیزوں کی انیوں سے سیدھا کریں گے۔

۳۔ کلیاتی نظریہ عوام کی ہر قسم کی آزادی سلب کرتا ہے جبکہ اسلام عوام کو آزادی کی نعمت سے متمتع کرتا ہے۔ اسلام تو انسانوں کی گردنوں کو غلامی کے حلقہ سے آزاد کرانے آیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ [2] سو وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے کسی گردن کو آزاد کرنا۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
اسلام ان بوجھوں کو اتارتا ہے جو لوگوں پر لدے ہوئے ہیں۔ اور ہر قسم کی غلامی کے طوق اور پھندوں کو ان سے دور کرتا ہے۔

یہ آزادی کی پہلی آواز ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے مکہ کی بے آب و گیاہ وادی سے اٹھی۔ اور اس آواز کا یہ اثر ہوا ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں عوام نے اپنی آزادی کے لئے آواز اٹھائی۔ حتیٰ کہ اب اقوام متحدہ کے

---

[1] المجادلہ ۵۸: ۲۰ [2] البلد ۹۰: ۱۱-۱۳

Marfat.com

حقوق انسانی کے منشور میں آزادی کی دفعہ رکھ دی ہے۔ اسلام کے نظریہ حریت پر آئندہ صفحات میں بحث ہو گی۔ قارئین اس بحث کی روشنی میں نظریہ کلی کا جائزہ لیں۔

۳۔ نظریہ کلی جذبہ قومیت کو ابھارتا ہے۔ جو فساد کا باعث ہے۔ اسلام عالمگیر برادری کا علمبردار ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا[1] انسان ایک ہی امت تھے پھر الگ الگ ہو گئے۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ[2] اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک اصل سے پیدا کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اللّٰھم ربّنا و رب کل شیءٍ انی اشھد ان العباد کلھم اخوۃ[3] اے ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس میں بھائی ہیں۔

۴۔ **کلی نظام مذہب کا مخالف ہے:** جب کہ اسلام سیاست کو دین کا ایک شعبہ قرار دیتا ہے۔ سیاست دین کے تابع ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ یعنی اللہ کے نزدیک اسلام ہی حقیقی دین ہے۔

نظریہ معاہدہ عمرانی (Theory of social contract)

یہ نظریہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ ریاست معاہدہ سے پیدا ہوئی ہے جس کا ذکر قدیم مقدس کتب اور فلسفیوں کی کتب میں پایا جاتا ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے

"پس اسرائیل کے تمام اکابر حبرون میں بادشاہ کے پاس آئے اور بادشاہ داؤد نے خداوند کے سامنے حبرون میں ان کے ساتھ ایک میثاق کیا۔ اور انہوں نے داؤد کو اسرائیل کا بادشاہ بنایا۔"

اس نظریہ کی رو سے افراد اپنے ذمہ کچھ فرائض لے لیتے ہیں اور مملکت اپنے

[1] یونس: ۱۹ [2] النساء ۴: ۱ [3] احمد ابوداود

Marfat.com

نے کچھ اختیارات لے لیتی ہے اور اپنے اپنے دائرہ اختیار میں کام کرتے ہیں یہ نظریہ ظاہر کرتا ہے کہ مملکت کوئی الگ چیز نہیں ہے جس سے افراد معاہدہ کرتے ہیں بلکہ وہ ایک ایسا اجتماعی ادارہ ہوتا ہے جو افراد پر مشتمل ہوتا ہے جب مملکت الگ وجود نہیں تو پھر افراد نے معاہدہ کس سے کیا۔ معاہدہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب دو پارٹیاں ہوں۔ اس نظریہ کے مبلغ ہابز اور لاک اور روسو ہیں۔

ہابز کا نقطۂ نگاہ: ہابز کے نقطۂ نگاہ سے انسان خود غرض اور مطلبی ہے اور اپنے مفاد کی خاطر ہی سوچتا ہے دوسروں کے لئے ہمدردی کا جذبہ اپنے دل میں نہیں رکھتا۔ انسان کی اس فطری زندگی کا یہ نتیجہ ہوا کہ سب لوگ ایک دوسرے سے تنگ آ گئے۔ زندگی کو بہتر بنانے کے لئے جمع ہوئے اور اپنے تمام اختیارات کسی ایک فرد یا افراد کے مجموعہ کے سپرد کر دیئے اس کے بدلہ میں ایک فرد یا افراد کے مجموعہ نے بقیہ افراد کی جان، مال اور عزت کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی، اور ریاست وجود میں آ گئی۔ بقول ہابز:

"اس طرح سے عظیم لیو یا تھن پیدا ہوا۔ یا مقدس الفاظ میں یوں کہیئے کہ اس طرح یہ فانی خدا جو لافانی خدا کے سایہ میں ہمارے امن و سلامتی کی حفاظت کرتا ہے وجود میں آیا۔"

ہابز کے مقتدر اعلیٰ کو کلی اختیار حاصل ہیں۔ وہ اپنے فیصلوں میں کسی آئین و ضوابط کا پابند نہیں اس کے فیصلے ہی افراد کے لئے ضابطہ اخلاق اور قانون بن جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ مقتدر اعلیٰ دوسری حکومتوں کے ساتھ معاہدات بھی کسی ضابطہ اخلاق کے تحت نہیں کرتا۔ معاہدات کے متعلق ہابز کہتا ہے:

"تلوار کے بغیر معاہدات خالی الفاظ رہ جاتے ہیں۔ جن میں اپنی حفاظت کی کوئی قوت نہیں ہوتی۔"

تنقید: ہابز کے نقطۂ نگاہ سے انسان طبعی طور پر خود غرض ہے۔ وہ معاہدہ کے تحت کیسے اطاعت گذار اور قانون کا فرماں بردار اور پُرامن شہری بن سکتا ہے انسان قانون کا فرمانبردار اور پرامن شہری اس وقت ہی بن سکتا ہے جب وہ فطرت صحیحہ پر پیدا ہو۔ اور اس کے اندر نیکی کی استعداد یں موجود ہوں اسلام

Marfat.com

کہتا ہے کہ انسان فطرت صحیحہ پر پیدا ہوا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ [1] اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر قائم رہو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدائش کوئی بدل نہیں سکتا فطرۃ اللہ وہ ہے جس میں نیکی اور بھلائی کا شعور ہو۔

۲۔ اس نظریہ کے تحت فرد یا مجموعہ افراد کو جن کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہوتی ہے غیر محدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور کوئی بھی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کر سکتا۔

اسلام میں مقتدر اعلیٰ صرف اللہ تعالےٰ ہے جو رئیس مملکت ہو گا۔ وہ خدا کا نائب ہو گا۔ اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات استعمال کرے گا۔ اگر وہ اپنے اختیارات میں کج روی اختیار کرتا ہے تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ اس سے باز پرس کریں اگر سیدھے راستے پر نہ آئے تو عوام اس کو الگ کر سکتے ہیں۔

۳۔ اسلام معاہدات کو پورا کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور خیانت کرنا حرام ہے۔
ارشاد الٰہی ہے، وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا
یعنی عہد پورا کرو جب تم خدا سے عہد کر چکو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو۔
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًا بَیْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ یعنی اس عورت کی طرح نہ بن جاؤ جو سوت کاتنے کے بعد اس کو خود ہی توڑ ڈالتی ہے۔ اپنی قسموں کو باہمی دھوکے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اس خیال سے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے زیادہ فائدہ میں رہے۔
اللہ تعالیٰ ایمان داروں کی تعریف میں فرماتا ہے، اَلْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا وہ اپنے عہدوں کو پورا کرتے ہیں جب عہد باندھ لیتے ہیں۔

---

[1] الروم ۳۰ : ۳۰

Marfat.com

لاک کا نقطۂ نگاہ : نظریہ معاہدہ عمرانی کا دوسرا مبلغ لاک ہے۔ انسانی فطرت کے متعلق لاک کا نظریہ ہابز کے بالکل برعکس ہے۔ لاک کے نزدیک جب انسان قانون فطرت کے مطابق رہتا سہتا تھا تو پر امن مطمئن تھا۔ اس کے نزدیک قانون فطرت عین مطابق عقل ہے۔ بعض ایسے انسان پیدا ہو گئے جنہوں نے عقل کی بجائے جذبات سے کام لینا شروع کر دیا۔ تو سوسائٹی میں تصادم ہو گیا۔ اس تصادم اور بگاڑ کو روکنے کے لئے انسانوں نے ہمدردی کا معاہدہ کیا کہ ہمیں ایک ایسا نظام قائم کرنا چاہیئے جس کے تحت فطری زندگی لوٹ آئے یعنی ہم صلح و آشتی سے زندگی بسر کرنا شروع کر دیں۔ انہوں نے سوچا کہ ایک حاکم ہو جو جھگڑوں وغیرہ کا فیصلہ کرے وہ حاکم اکثریت کی رائے سے منتخب ہو۔ اس لئے لاک کہتا ہے۔ حکومت کے نمائندے اکثریت کی رائے سے منتخب ہوں۔ مملکت کا ایک آئین ہو جس کے تحت حکومت اپنے فرائض انجام دے۔ اگر حکومت آئین کے مطابق اپنے فرائض سر انجام دینے میں ناکام ثابت ہو تو اس کی جگہ دوسری حکومت قائم کر دی جائے۔

لاک کہتا ہے :

"کسی حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ جو کچھ جی میں آئے کرتی ہے قانون فطرت وہ ابدی قانون ہے جو تمام انسانوں پر یکساں طور پر منطبق ہوتا ہے۔ خواہ وہ خود قانون ساز ہوں یا قانون کے تابع" [1]

لکھتا ہے :

"قانون ساز طاقت لوگوں کی رضامندی سے قائم ہوتی ہے اور دولت مشترکہ (یعنی ریاست) میں اعلیٰ طاقت بن جاتی ہے۔ مگر یہ بے اصولی طاقت نہیں ہوتی۔ اس کو صرف لوگوں کی بھلائی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ حکومت ایک طرح کی امانت ہے اور اس کو صرف وہی طاقتیں حاصل ہوتی ہیں جو حالت فطرت کو بدلتے وقت اسے ودیعت کی گئی تھیں" [2]

---

[1] انسان نے کیا سوچا مصنفہ پرویز صاحب صفحہ ۲۱۷ [2] تعارف سیاسیات مصنفہ مظہر الحق صفحہ ۸۰

Marfat.com

اس نظریہ میں اپنی تمام خوبیوں اور محاسن کے باوجود ایک نقص ہے وہ یہ کہ لاک عوام کی حاکمیت اور بالادستی کا حامی ہے حالاں کہ حاکمیت اور بالادستی قانون کی ہونی چاہیئے۔

اسلام قانون کی بالادستی کا حامی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب امر ہو اس کی اطاعت کرو۔ لیکن اگر تمہارا آپس میں یا صاحب امر کے ساتھ جھگڑا ہو جائے تو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف معاملہ پھیر دو یعنی قانون کی طرف۔

روسو کا نظریہ: روسو فرانس کا ایک عظیم فلسفی تھا اس نے ایک کتاب "معاہدہ عمرانی" لکھی ہے۔ جس میں مملکت کے متعلق اپنا نظریہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کا نظریہ ہابز کے نظریہ سے بالکل مختلف ہے روسو کے نزدیک انسان فطرتاً نیک ہے اور اس کا بہترین زمانہ ابتدائی تھا۔ جب انسانی زندگی خوشیوں اور مسرتوں سے لبریز تھی۔ ہر انسان تنہا زندگی بسر کرتا تھا اور اپنے بھائی بندوں کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھتا تھا۔ نہ کوئی جھگڑا تھا اور نہ فساد ہر طرف امن کا دور دورہ تھا، مساوات اور آسودگی تھی، آزادی کی نعمت سے متمتع تھا۔ جوں جوں زمانہ گذرتا چلا گیا شہری زندگی کا آغاز ہوا۔ نئی نئی تحریکیں جنم لینے لگیں۔ زندگی میں پیچیدگیاں اور الجھنیں وسیع تر ہوگئیں۔ نئے نئے مسائل ابھر آئے، ضروریات اور احتیاجات میں اضافہ ہوگیا مساوات اور آزادیاں ختم ہوگئیں، طاقت ور لوگوں نے اقتدار حاصل کر لیا، کمزور افراد ظلم وستم کا شکار بن گئے۔ ان تمام مشکلات پر قابو پانے کے لئے لوگوں نے غور و خوض کیا اور آپس میں معاہدہ کر کے مملکت کی بنیاد ڈالی۔ جو ہر فرد کے مال و جان اور عزت کی حفاظت کرے گی۔ روسو کے الفاظ میں مسئلہ ایک ایسے ادارہ کی تشکیل کا ہے۔ جو پوری مشترکہ طاقت سے ہر رکن ادارہ کی جان اور مال کا تحفظ کر سکے اور جس میں ہر ایک سب

Marfat.com

کے ساتھ مل کر صرف اپنی ہی اطاعت کرے اور اسی طرح آزاد رہے جیسے پہلے تھا"

روسو کے نزدیک "اس معاہدہ کی رو سے ہر فرد اپنے تمام حقوق و اختیارات سمیت اپنے آپ کو اجتماعیت کے سپرد کر دیتا ہے"

اس لئے ہر فرد پر معاشرہ کے احکام کی اتباع لازمی ہے۔ روسو اس اقتدار اعلیٰ کو ارادہ عامہ (GENRAL WILL) کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

معاہدہ عمرانی کی رو سے انسان نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ روسو اس اہم سوال کا جواب یہ دیتا ہے "معاہدہ عمرانی کی رو سے انسان جو کچھ کھوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ اپنی فطری آزادی اور اپنے اس غیر محدود حق سے کہ جہاں تک اس کا بس چلے وہ ہر چیز پر جو اسے للچائے قابض ہونے کا مجاز ہے دست بردار ہو جاتا ہے" لیکن اس کے بدلے اسے مدنی آزادی اور اس کی ملکیت پر اسے حق ملکیت حاصل ہوتا ہے جن کا تعین ارادہ عامہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔

ارادہ عامہ کی وضاحت: روسو کے نزدیک ہر انسان میں دو ارادے ہوتے ہیں۔ حقیقی ارادہ "REAL WILL" اور واقعی ارادہ "ACTUAL WILL" اول الذکر ارادہ جو ہمیشہ صحیح ہوتا ہے اور دوسروں کی بھلائی اور بہبودی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ ثانی الذکر ارادہ خود غرضی اور خود پسندی کا ارادہ ہوتا ہے۔ جو انسان کی حیوانی خواہشات کے تابع ہوتا ہے اس ارادہ کے تحت انسان اپنے بھائی بندوں کو نقصان پہنچاتے کی طرف مائل رہتا ہے۔

روسو انہیں ارادوں کے مجموعہ کو ارادہ عامہ کہتا ہے۔

ارادۂ عامہ کی خصوصیات

وحدانیت: یعنی ارادہ عامہ ایک ہی ہے۔ اور اس کی مختلف شکلیں نہیں ہو سکتیں یہ قومی ارادوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے۔

پائیداری: ارادہ عامہ مستقل اور پائیدار ہوتا ہے چونکہ یہ ارادہ تمام معاشرہ کی بھلائی اور فلاح کا ضامن ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا تعلق افراد کے ضمیر سے

Marfat.com

ہوتا ہے۔ یہ قومی ارادوں کو پائیداری اور استحکام عطا کرتا ہے۔

صحت: ارادہ عامہ ہمیشہ صحیح ارادہ ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ غلطی سے پاک ہے۔ روسو کہتا ہے:

ارادہ تو صحیح ہوگا۔ لیکن اس کے متعلق فیصلہ غلط ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ ارادہ عامہ ہے یا نہیں۔

ناقابل انتقال: روسو کے نزدیک ارادہ عامہ کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے۔ اس بناء پر وہ لکھتا ہے: کہ یہ ناقابل انتقال ہے۔ جس طرح انسانی زندگی ناقابل انتقال ہوتی ہے۔ اسی طرح اقتدار اعلیٰ جو ارادہ عامہ کو حاصل ہے غیر انتقال پذیر ہوتا ہے۔

اجتماعی ارادہ معلوم کرنے کا طریقہ: ارادہ عامہ معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ اس کا جواب روسو خود دیتا ہے:

"مجھ سے پوچھا جائے گا کہ ارادہ عامہ کو معلوم کرنے کی صورت کیا ہوگی؟ کیا ہر موقعہ پر تمام کی تمام قوم کو اکٹھا کیا جائے گا؟ بالکل نہیں! اسے بہت کم اکٹھا کرنا چاہیئے۔ اول تو اس لئے کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام افراد کا اجتماع بھی "ارادہ عامہ" کی صحیح تعبیر کر سکے۔ دوسری یہ کہ بڑی بڑی اقوام میں یہ ناممکن العمل بھی ہوگا۔ جن اقوام میں حکومت نیک نہاد ہوگی وہاں اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی اس لئے کہ ارباب حکومت اچھی طرح جانتے ہیں کہ ارادہ عامہ کا وہی فیصلہ ہوگا جس سے مفاد عامہ حاصل ہو۔"

تنقید: روسو کے نظریہ ارادہ عامہ پر مفکرین نے سخت تنقیدیں کی ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہا گیا ہے کہ یہ صرف نظریہ ہی ہے۔ اس کا عمل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ حکمران اپنی صوابدید کے مطابق فیصلے کریں گے اور اسے ارادہ عامہ سے تعبیر کر دیں گے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ہر حکومت نیک ہو اور اس کا ہر حکم صحیح اور درست ہو۔ اور مفاد عامہ کے لئے ہو۔

Marfat.com

مملکت کے ابتدائی نظریات

مملکت کا آغاز کس طرح ہوا، منتشر افراد نے کس طرح سوچا کہ انہیں مل جل کر ایک مملکت قائم کرنی چاہیئے؟ اس سوال کے جوابات مغربی مفکرین سیاست نے دیئے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ **نظریہ تخلیق ربانی:** (DIVINE THEORY) سیاسی زندگی کے ابتدائی ادوار میں پروہتوں (PRIESTS) کو ایک خاص مقام حاصل تھا وہ مافوق الفطر قوتوں کے مالک تصور کئے جاتے تھے۔ ہر شخص ان سے خوف کھاتا تھا اور ان کے حکم کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان پروہتوں نے یہ سمجھ لیا کہ انہیں دوسرے لوگوں پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔

قدیم زمانہ میں مذہب اور حکومت دو علیحدہ چیزیں نہیں تھیں مشرق کی تمام شہنشاہتیں اسی عقیدہ کا نتیجہ تھیں۔ عوام کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ تھا کہ بادشاہ کو اختیارات دیوتاؤں کی طرف سے ودیعت کئے جاتے ہیں۔ عبرانیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا اقتدار کا سرچشمہ نہیں بلکہ وہ حکومت کے انتظام و انصرام میں بھی شریک ہے۔ اہل یونان اور اہل روما نے یہ اعلان کیا کہ مملکت ایک انسانی تنظیم تو ہے لیکن بلاواسطہ وہ (DIVINE) بھی ہے۔

اس نظریہ کی رو سے مملکت انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے بلکہ خدا کی بنائی ہوئی ہے اس کے قیام سے انسان کا کوئی تعلق نہیں اس کا آغاز اللہ کی مرضی سے ہوا ہے، اس وجہ سے سیاسی اقتدار کا سرچشمہ اس کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ایک اپنا نائب مقرر کرتا ہے۔ اور بندوں کی حکومت اس کو سونپ دی جاتی ہے۔ بادشاہ خلیفۃ اللہ ہونے کی حیثیت سے خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ عوام کے سامنے نہیں اس کا ہر حکم قانون ہے کوئی شخص اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا اگر کوئی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ گویا خدا کے احکام کو توڑ رہا ہے۔ اور وہ خدا کا باغی ہوگا انگلستان کے اسٹیورٹ خاندان کے پہلے بادشاہ جیمس اول نے اس نظریہ کو ان الفاظ

Marfat.com

ہیں بیان کیا ہے۔

"جس طرح خدا کے افعال پر نقطہ چینی کرنا غیر مذہبیت اور الحاد ہے اسی طرح رعایا کو بادشاہ کے حرکات وسکنات پر تنازع پیدا کرنا قابل تعزیر ہے۔"

یہ نظریہ اسلام کی سیاسی تعلیم کے سراسر مخالف ہے اسلام صرف اللہ تعالیٰ کو ہی تمام طاقتوں اور اختیارات کا سرچشمہ قرار دیتا ہے اور اسی کی حاکمیت کا قائل ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ[1] حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہی حاصل ہے۔ جو امارت کے منصب پر متمکن ہوگا۔ وہ صرف اللہ کے قانون کے تابع ہوگا۔ اگر وہ قوانین الٰہی سے سرمو انحراف کرے تو عوام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ امیر کو معزول کر دیں۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ[2] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا: فان انا احسنت فاعینونی وان انا زغت فقوّمونی پس اگر میں نیکی کی زندگی اختیار کروں تو میری مدد کرو اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔

۲۔ **نظریہ قوت:** (FORCE THEORY) اس نظریہ کی رو سے مملکت کا آغاز فتوحات کی بناء پر ہوا۔ وہ اس طرح کہ کسی قوی اور مضبوط سردار نے دوسروں کو زیر کر لیا اور ان پر اپنی فرمانروائی قائم کر لی۔ پھر ان کی مدد سے ارد گرد کے قبائل اور اقوام کو زیر کرنا شروع کر دیا۔ جب اس کی قوت بڑھ گئی تو اس نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ یہ اصول ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے آج بھی یہی ہے اور آج سے ہزاروں سال پہلے بھی یہی تھا۔ قوی کمزور پر غالب آجاتا ہے۔ قوی حاکم بن کر اور کمزور مغلوب ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔ اس نظریہ کی رو سے قوت ہی حق کی دلیل ہے۔ پلوٹارک نے (سوانح کمیلوس باب ۱۷) میں برینوس شاہ گال کی زبان سے یہ نظریہ بیان کیا ہے "تمام قوانین میں سب سے قدیم تر قانون وہ ہے جو قوی کو کمزور پر حکمران بناتا ہے۔"

---

[1] سورۃ یوسف: ۴۰ [2] المجادلہ: ۲۰

Marfat.com

تنقید : ۱ : اسلام قوت کے بل بوتے پر دوسروں کو زیر کرنے کا حامی نہیں۔ اسلام صرف دفاع کے لئے قوت استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (بقرہ ۸) اور اللہ کے راستہ میں جنگ کرو صرف ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا [۱] ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔

۲۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ مملکت کا آغاز صرف فتوحات پر مبنی ہے بلکہ قوت کے پہلو بہ پہلو اور بھی بہت سی قوتوں نے مملکت کے ڈھانچے کو جنم دیا۔

۳۔ یہ نظریہ ذاتی آزادی اور قانون کی نفی کرتا ہے۔

۴۔ جبر و قوت کا اصول انسانی سوسائٹی کے لئے غیر موزوں ہے۔

۵۔ نظریہ معاہدہ عمرانی : (SOCIAL CONTRACT THEORY)

یہ نظریہ بے حد مقبول ہے اس نظریہ کی رو سے ایک سوسائٹی کے افراد باہمی رضامندی سے یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم سب مل کر ایک اجتماعی نظام قائم کریں۔ جس میں افراد کے مسائل اور حقوق اور مملکت کے فرائض اور حقوق مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔

اس نظریہ کا قدیم مسکن یونان تھا۔ لیکن اسے اٹھارویں صدی میں یورپ میں ہابز (HOBBES) لاک (LOCKE) اور روسیو (ROUSEAU) نے خاص طور پر پھیلایا۔ اسی نظریہ پر جمہوریت کی بنیاد ہے یعنی لوگوں کی حکومت باہمی رضامندی سے۔

تنقید

محاسن : ۱ : اس نظریہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مملکت انسانوں کی کوشش کا ثمرہ ہے۔ رائے عامہ سے بنائی جاتی ہے۔ اور کسی ایک شخص کو لوگوں پر حکومت کرنے کا حق نہیں۔ اگر امیر لوگوں کے مفاد کے خلاف کام کرے تو اس کو الگ کیا جا سکتا ہے۔

---

[۱] الحج : ۳۹۔

Marfat.com

نقائص: ۱: اس نظریہ کی رو سے مملکت ایک مصنوعی چیز ہو جاتی ہے اور مملکت اور عوام کا تعلق عارضی ہوتا ہے۔ لیکن قدیم سے سیاسی مفکرین یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ عوام اور مملکت میں ایک گہرا رشتہ ہے اور ہمیشہ رہے۔

۲۔ اول تو تاریخی نقطہ نگاہ سے یہ بات ثابت نہیں کہ لوگوں نے کبھی مملکت بنانے کے لئے معاہدہ کیا تھا، اگر مان بھی لیا جائے تو یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ معاہدہ کرنے والوں کی اولاد بھی اس معاہدہ کی پابند رہے گی اور ان تمام شرائط کو مان لے گی جن کے تحت وہ معاہدہ ہوا تھا۔

۳۔ **مادری نظریہ:** (MATRIARCHAL THEORY) بعض قبائل میں مرد کی جگہ بزرگ عورت کو اختیارات دیئے جاتے تھے۔ اور اس کو قبیلہ کا سربراہ تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ اور اس کے فیصلوں اور احکام کے سامنے سب کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا تھا۔

تنقید: یہ نظریہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے اسلام مرد کو نگران اعلیٰ مقرر کرتا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ یعنی مرد عورتوں کے نگران اعلیٰ ہیں۔

عورت کی جسمانی ساخت بھی اس امر کی دلیل ہے۔ کہ وہ حکومت کرنے کی اہل نہیں ہے۔

۵۔ **نظریہ پدر سری:** (PATRIARCHAL THEORY) اس نظریہ کی رو سے مملکت کی ابتدا خاندان کے بزرگ فرد کے اختیارات سے ہوئی ہے ہر خاندان میں ایک بزرگ ہوتا ہے جس کے احکام کے مطابق خاندان کے تمام افراد اپنے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں اور اس کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرتے ہیں جب مختلف خاندان ایک قبیلہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو اس قبیلہ کا انتظام چلانے کے لئے ایک شخص کو بزرگ تسلیم کر لیا جاتا تھا وہ واجب الاحترام اور واجب الاتباع سمجھا جاتا تھا۔ جب قبائل میں باقاعدہ تنظیم آ گئی تو انہوں نے دوسرے قبائل پر حملہ کر کے مغلوب کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح مملکت کی بنیاد پڑ گئی۔ ارسطو سے لے کر انیسویں صدی تک علمائے سیاست کی ایک نہ ایک جماعت

Marfat.com

نے اس نظریہ کی تائید کی ہے۔

۲۔ مملکت کی تدریجی ترقی : (EVOLUTION OF THE STATE)

ارسطو نے اپنی کتاب "سیاسیات" میں لکھتا ہے۔ "مملکت ایک سیاسی ادارہ ہے۔ انسان فطری طور پر ایک سیاسی حیوان ہے۔"

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان طبعی طور پر مدنی الطبع ہے۔ اور وہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ایسی قوتیں ودیعت کر رکھی ہیں کہ وہ باہمی تعلقات کو منظم کرے۔ اس فطری اہلیت کی بناء پر تنظیم کی ابتداء ہوئی۔ جس نے رفتہ رفتہ مملکت کی شکل اختیار کر لی۔ مملکت کی ابتداء مختلف اثرات کے تحت ہوتی ہے مثلاً معاشی ضروریات، امن، جان، مال اور عزت کی حفاظت وغیرہ۔ وہ تمام عناصر ہیں جن کی وجہ سے مملکت کا آغاز ہوا۔

مملکت کی قسمیں

جس طرح مملکت کو وجود میں آنے کے لحاظ سے مختلف نظریوں کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ اسی طرح مملکت کو اختیارات اور اسالیب کے لحاظ سے مختلف انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یونان قدیم میں ارسطو نے حکومت کی تقسیم تین طرح سے کی ہے۔

۱۔ ایک شخص کی حکومت (بادشاہت)

۲۔ معیدا فراد کی حکومت (اشرافیہ)

۳۔ بہت سے افراد کی حکومت (دستوریہ حکومت)

اب ہم ان اقسام کی مختصر تشریح کرتے ہیں :

ارسطو ایسی ریاست کو جس کا حکمران فرد واحد ہو۔ جو عوام کی بہبودی اور فلاح کے لئے حکومت کرتا ہے۔ ملوکیہ (MONARCHY) کا نام دیتا ہے۔ جب بادشاہ عوام کی فلاح و بہبود کی بجائے محض ذاتی اغراض کے لئے حکومت کرتا ہے۔ تو ایسی ریاست کو ارسطو جابرانہ حکومت (TYRANNY) کا نام دیتا ہے۔

جب بادشاہ کے ظلم و ستم بڑھ جاتے ہیں اور عوام عدل و انصاف سے

Marfat.com

محروم ہو جاتے ہیں تو معاشرہ سے چند افراد عوام کی بھلائی اور عدل و انصاف کا ترازو قائم کرنے کے لئے اٹھتے ہیں اور جابر بادشاہ کی حکومت کو ختم کر دیتے ہیں اور اپنی حکومت قائم کر لیتے ہیں۔ ارسطو اس ریاست کو اشرافیہ (ARISTOCRACY) کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد اچھے حکمرانوں کی جگہ دولت مند افراد نظام حکومت اپنے ہاتھ میں سنبھال لیتے ہیں وہ دولت مند حکمران طبقہ اپنی خود غرضانہ اغراض کے لئے حکومت کرتا ہے۔ ارسطو اس ریاست کو عدیدیہ (OLIGORCHY) کہتا ہے۔

جب دولت مند حکمران افراد کے ظلم انتہا کو پہنچ جاتے ہیں تو عوام ان کی حکومت کو ختم کر دیتے ہیں۔ وہ آئین کے مطابق حکومت چلاتے ہیں۔ ارسطو ایسی حکومت دستوریہ (POLITY) کہتا ہے۔

ارسطو اس طرز حکومت کو مثالی حکومت کہتا ہے۔

جب کثیر التعداد افراد آئین کو چھوڑ کر اپنی خود غرضانہ اغراض کے لئے حکومت کرنا شروع کر دیں تو مملکت حزب ہو کر عمومیہ (DEMOCRACY) بن جاتی ہے۔

نقشہ

خراب مملکت	عمدہ مملکت	حاکموں کی تعداد
جابرانہ حکومت عدیدیہ عمومیہ	بادشاہت اشرافیہ دستوریہ	فرد واحد کی حکومت چند افراد کی حکومت بہت سے لوگوں کی حکومت

میکیاویلی کی تقسیم: میکیاویلی ارسطو کی تقسیم مملکت کو تسلیم کرتا ہے البتہ ایک نوع کا اضافہ کرتا ہے۔ جسے وہ "مرکب حکومت" (MIXED STATE) قرار دیتا ہے۔

جین بودان (JENBODIN) ارسطو کی طرح حاکموں کی تعداد کے لحاظ سے مملکت کی تین انواع بیان کرتا ہے:

Marfat.com

بادشاہت: (MONARCHY) جس کی تین قسمیں ہیں:

ا۔ استبدادی: (DESFOTISM) جس میں رعایا کو غلام تصور کیا جاتا ہے۔

ب۔ شاہی: (ROYAL MONARCHY) جس میں بادشاہ قانون کی پابندی کرتا ہے اور رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا ہے۔

ج۔ قہرمانیت: (TYANNY) جس میں بادشاہ قانون کی کوئی پرواہ نہیں کرتا عوام پر ظلم و ستم ڈھائے جاتے ہیں۔

۱۔ امراکی حکومت: (ARISTOCRACY)

۲۔ جمہوریت: (DEMOCRACY) عوام کی حکومت۔

بلنچلی (BLUNTCHLI) کی تقسیم۔

جرمن سیاست دان بلنچلی اس پر چوتھی قسم تھیاکریسی کا اضافہ کرتا ہے یعنی خدائی اختیارات کے مطابق حکومت۔

مانٹسکو کی تقسیم: مانٹسکو نے سب سے پہلے مملکتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ جابرانہ مملکتیں

۲۔ آئینی مملکتیں

۱۔ جابرانہ مملکتیں: (DESPOTIC STATES) وہ ہیں جن میں فرد واحد حکومت کرتا ہے۔ جو کسی قانون کے تابع نہیں ہوتا۔

۲۔ آئینی مملکتیں: (CONSTITUTIONAL STATES) وہ مملکتیں ہیں جن میں قانون کی حکمرانی ہوتی ہے ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ بادشاہت، جس میں فرد واحد حاکم ہوتا ہے۔ ری پبلک (جمہوریہ) جس میں عوام یا ان کا کوئی مقصد حکومت کرتے ہیں۔

جمہوریہ کی پھر دو قسمیں ہیں۔

۱۔ اشرافیہ: (ARISTOCRACY) جس میں حکومت چند افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔

۲۔ جمہوریت: (DEMOCRACY) جس میں بہت سے افراد حکومت کرتے ہیں۔

Marfat.com

روسو کی تقسیم: فرانس کے فلاسفر اور سیاست دان روسو نے مملکت کو بادشاہت اشرافیہ اور جمہوریہ میں تقسیم کیا ہے۔ اشرافیہ کی مزید تین قسمیں بیان کرتا ہے اول۔ قدرتی اشرافیہ، دوم، انتخابی اشرافیہ، سوم وراثتی اشرافیہ۔

روسو انتخابی اشرافیہ کو بہترین طرز حکومت قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس طرز حکومت کو چلانے میں عوام کا دخل ہوتا ہے۔

سر جے، اے، آر مریوٹ (SIR J.A.R.MARRIOT) کی تقسیم: موجودہ دور میں مریوٹ نے مملکت کی تقسیم بیان کی ہے اس کی تقسیم سہ بندی (THREE FOLD) اساس پر قائم ہے۔

وحدانی: (UNITARY) وہ ریاستیں جن میں حاکمیت ایک مرکز پر مرتکز ہوتی ہے وہ وحدانی ریاستیں کہلاتی ہیں۔

وفاقی: (FEDERAL) جن ریاستوں میں حاکمیت دو یا دو سے زیادہ مراکز میں تقسیم کر دی جائے۔ وہ وفاقی ریاستیں کہلاتی ہیں۔

دوم: مریوٹ ریاستوں کو دستور کے لحاظ سے تقسیم کرتا ہے۔ اگر دستور میں آسانی سے ترمیم کی جا سکے تو لچکدار (FLEXIBLE) دستور ہوتا ہے۔ اگر دستور میں ترمیم کرنا مشکل ہو تو وہ بے لچک (RIGID) دستور کہلاتا ہے۔

تیسرا اصول: آیا حاکمیت مقننہ کے پاس ہے یا عاملہ کے پاس۔ اگر حاکمیت مقننہ کے پاس ہے تو ریاست پارلیمانی کہلاتی ہے۔ اگر عاملہ یا صدر کے پاس ہے تو صدارتی نظام حکومت کہلاتی ہے۔

لیکاک (LEACOCK) کی تقسیم: عصر حاضر میں لیکاک کی تقسیم مملکت اعلیٰ خیال کی جاتی ہے۔ جو درج ذیل ہے:

۱۔ بادشاہت (MONARCHY) ۲۔ اشرافیہ (ARISTOCRACY)

۳۔ جمہوریہ (DEMOCRACY)

بادشاہت: بادشاہت اس طرز حکومت کا نام ہے جس میں حکومت کے تمام اختیارات فرد واحد کے ہاتھ میں ہوں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(ا)۔ مطلق العنان بادشاہت (ب) آئینی بادشاہت

Marfat.com

ا۔ **مطلق العنان بادشاہت** (ABSOLUTE MONARCHY): اس طرز حکومت کو کہتے ہیں جس میں بادشاہ کے اختیارات غیر محدود ہوتے ہیں، بادشاہ کی حیثیت ایک دیوتا کی ہوتی ہے، لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں اس کے ہر حکم کو دل وجان سے مانتے ہیں اس قسم کی مملکتیں سولھویں سترہویں صدی میں یورپ میں پائی جاتی تھیں۔ جاپان میں بادشاہ کو یہی مقام حاصل ہے۔

ب۔ **آئینی بادشاہت** (CONSTITUTONAL MONARCHY): آئینی بادشاہت میں نظریاتی اعتبار سے بادشاہ کے ہاتھ میں ہر قسم کے اختیار ہوتے ہیں، لیکن عملی طور پر ان اختیارات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی گو بادشاہ فرمان روائے اعلیٰ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن وہ مملکت کے قوانین کے تابع ہوتا ہے اور قوانین سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا۔ صرف مقننہ قانون ساز جماعت ہوتی ہے وہ قانون بناتی ہے اور ان قوانین کی بادشاہ منظوری دیتا ہے۔ اس قسم کی حکومت انگلستان میں ہے۔ نظریاتی طور پر بادشاہ کو تمام اختیارات حاصل ہیں لیکن عملی طور پر وہ تمام اختیارات کابینہ استعمال کرتی ہے۔ جو برطانوی پارلیمان کے سامنے جوابدہ ہے۔

۲۔ **اشرافیہ** (ARISTORACY): اشرافیہ وہ طرز حکومت ہے جس میں حکومت کی باگ ڈور صرف مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں امرا اور جاگیرداروں کی حکومت کا نام اشرافیہ ہے۔ اشرافیہ کی بنیاد تعلیم یا دولت پر ہوتی ہے۔ اس قسم کی ریاستیں عموماً قرون اولیٰ یا ازمنہ وسطیٰ میں پائی جاتی تھیں۔ جاگیرداری (FEUDAL) دستور اشرافیہ کی ایک قسم ہے۔ گو اس قسم کی مملکت دور حاضر میں نہیں پائی جاتی لیکن اس کے اثرات ہر ملک میں پائے جاتے ہیں کہ امرا اور زمیندار دولت اور ثروت کے بل بوتے پر حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں۔

۳۔ **جمہوریت** (DEMOCRACY): یہ وہ طرز حکومت ہے جس میں عوام خود حکومت کریں۔ ابراہیم لنکن نے جمہوریت کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے۔

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

"GOVERNMENT OF THE PEOPLE FOR THE PEOPLE BY THE PEOPLE"

یعنی جمہوریت حکومت کی وہ شکل ہے جو عوام کی حکومت ہو۔ عوام کے لئے ہو۔ اور عوام ہی اسے چلاتے ہوں۔

جمہوریت کی دو قسمیں:

ا۔ بلاواسطہ جمہوریت (DIRECT DEMOCRACY)

ب۔ بالواسطہ جمہوریت (INDIRECT DEMOCRACY)

ا۔ **بلاواسطہ جمہوریت:** اس قسم کی طرز حکومت قدیم زمانہ میں پائی جاتی تھی قدیم یونان اور اٹلی میں شہری ریاستیں (CITY STATES) پائی جاتی تھیں ان کا رقبہ اور آبادی کم ہوتی تھی۔ افراد آسانی کے ساتھ نظام حکومت میں حصہ لے سکتے تھے۔ اس قسم کی مملکتوں میں تین قسم کے لوگ ہوتے تھے اول وہ شہری جن کو ہر قسم کے حقوق حاصل ہوتے تھے اور وہ آزادی کی نعمت سے متمتع ہوتے تھے۔ انہی لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت کا نظم و نسق ہوتا تھا دوسرے غیر ملکی افراد جن کو صرف غیر سیاسی حقوق حاصل ہوتے تھے تیسرے غلام جنہیں کسی قسم کے حقوق اور اختیارات حاصل نہیں ہوتے تھے قسم اول کے لوگ ہی مقننہ، عاملہ اور عدلیہ بناتے تھے۔

آج کل مملکتوں کے رقبے بہت وسیع ہیں اس وجہ سے اس قسم کی حکومتیں کہیں نہیں پائی جاتیں۔ لہٰذا عملی اعتبار سے قدیم جمہوریت کو اشرافیہ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ بلاواسطہ جمہوریت چھوٹی ریاستوں کے لئے بڑی موزوں ہے۔ لیکن اس دور میں کوئی بھی حکومت ایسی نہیں ہے۔ جس میں رعایا کا ایک حصہ حقوق انسانی سے محروم ہو۔

ب۔ **بالواسطہ جمہوریت:** عصر حاضر میں ملکوں کا رقبہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ عوام براہ راست حکومت میں حصہ نہیں لے سکتے اس وجہ سے وہ اپنے نمائندے چن کر بالواسطہ حکومت میں شریک ہوتے ہیں موجودہ زمانہ میں منتخب نمائندوں کے ہاتھوں میں ہی حکومت کی

Marfat.com

باگ ڈور ہوتی ہے۔ وہی انتظام کرتے ہیں۔

رئیس مملکت کے اقتدار کے لحاظ سے جمہوریت کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ جمہوریت بادشاہت (Democratic Monarchy)

ب۔ جمہوریہ۔ (Republic)

ا۔ جمہوریت بادشاہت:۔ یہ طرز حکومت آئینی بادشاہت (Legal Monarchy) کا دوسرا نام ہے۔

ب۔ جمہوریہ:۔ (Republic) اس طرز حکومت کو کہتے ہیں جس میں مقننہ کے ارکان اور ان کے علاوہ عاملہ کے ممبران لوگوں کے منتخب نمائندے ہوتے ہیں۔

وحدانی حکومت:۔ (unitary state) جس میں تمام مملکت ایک ہی وحدت تصور ہوتی ہے۔ اور سارے اختیارات مرکزی حکومت کے سپرد کردئے جاتے ہیں۔ اس قسم کی مملکت میں صوبائی حکومتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ حکومتیں مرکز کی ہدایت پر کام چلاتی ہیں۔ مرکز صرف اپنی آسانی کے لئے کچھ اختیارات صوبوں کو تفویض کر دیتا ہے۔ لیکن ان صوبائی حکومتوں پر پورا کنٹرول مرکز کا ہی ہوتا ہے۔

وفاقی مملکت:۔ (Federal state) جس میں مملکت کی مختلف وحدتیں (units) ہوتی ہیں۔ اور باہمی اشتراک سے کام کرتی ہیں۔ تمام وحدتوں کا مرکز ایک ہوتا ہے اور اقتدار اعلیٰ مرکز کو ہی حاصل ہوتا ہے۔

فری مین نے وفاقی مملکت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"وفاقی حکومت وہ ہے جو غیر قوموں کی نگاہ میں ایک مملکت کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن جو اندرونی معاملات کے متعلق بہت سی حکومتوں پر مشتمل ہو۔ فی الحقیقت وفاق ایک ایسی مملکت ہے۔ جس میں ملک کا دستورِ اساسی (constitution) سارے اختیارات مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان تقسیم کر دیتا ہے۔ ایک طرح سے ہم اسے دو عملی حکومت (Dual government) بھی کہہ سکتے ہیں۔ تقسیم اختیارات (Division of Power) اس کی روح ہے۔

Marfat.com

امریکہ، آسٹریلیا، کینیڈا اور پاکستان وفاقی مملکتیں ہیں۔"

پھر ان میں سے ہر طرز حکومت یا تو پارلیمانی (Parliamentarin) ہوگا یا غیر پارلیمانی۔

پارلیمانی طرز حکومت میں ہیئت اجرائیہ (Execitive) لیجسلیچر کے سامنے جواب دہ ہے۔ اور لیجسلیچر نصب اور عزل کی مجاز ہے۔ لیکن غیر پارلیمانی طرز حکومت میں ہیئت اجرائیہ (Executive) لیجسلیچر کے ماتحت نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک مدت معینہ کے لئے قائم رہتی ہے۔

انہی میں سے ایک طرز حکومت صدارتی ہے جس میں ایک مقررہ مدت کے لئے صدر حکومت کو تمام اختیارات تفویض کر دیئے جاتے ہیں۔ اور لیجسلیچر کا اس پر کوئی اقتدار نہیں ہوتا۔ دور حاضر میں جمہوری طرز حکومت کے برعکس آمرانہ حکومتیں بھی ہیں۔

Marfat.com

اسلام کا نظریۂ ریاست

اسلامی حکومت کے نام

امامت، خلافت، امارت اسلامی حکومت کے تین نام ہیں۔ امامت، خلافت امارت۔ تینوں ناموں کی تشریح جید علماء کے الفاظ میں کی جاتی ہے۔

امامت کبریٰ :۔ "امامت ایک ایسی ریاست عامہ (Leadership of Democratic Government) کا نام ہے جو پیغمبر اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قانونی نمائندگی سے حاکمانہ بالادستی حاصل کرتی ہے۔[1] اور دین و دنیا کی اجتماعی سرگرمیوں میں اپنی عظمت و طاقت کا اس طرح اظہار کرتی ہے۔ کہ اس میں اعلیٰ رہنمائی کے اوصاف نمایاں ہو جاتے ہیں۔"

گویا امامت کبریٰ اسلامی حکومت کا اعلیٰ ترین نام ہے۔

علامہ ابن خلدون رقمطراز ہیں :۔

"حکومت کا وہ منصب جو دین کی نگہبانی اور دنیا کے سیاسی فرائض کو پورا کرتا ہے۔ خلافت و امامت ہے۔ اس کو امامت کبریٰ اور خلافت عامہ کہا جاتا ہے۔"[2]

علامہ شیخ محمد امین ابن عابدین امامت کبریٰ کی شرح ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا کے باشندوں پر وہ عام تصرف جو ایک ریاست عامہ کی تشکیل کا موجب ہوتا ہے۔ اور جس کو پیغمبر کی نمائندگی کا فخر

---

[1] المواقف والمرصد الرابع فی الامامۃ جلد ۸ صفحہ ۳۴۴ ماخوذ از اسلام کا نظام حکومت تالیف مولانا حامد الانصاری غازی۔ [2] مقدمہ کتاب العبر ابن خلدون (امامت و خلافت صفحہ ۱۳۴۔

حاصل ہو۔[1]

خلافت:۔ قرآن مجید میں تین قسم کی خلافت کا ذکر ہے۔

۱۔ نوعی خلافت۔ ۲۔ قومی خلافت۔ ۳۔ شخصی خلافت۔

۱۔ **نوعی خلافت**:۔ یعنی تمام بنی آدم اللہ کے خلیفہ ہیں۔ اور ہر ایک فرد دیگر مخلوقات پر حکومت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[2] اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں۔

اس آیت کریمہ میں تمام نوع انسان کو خلیفہ کہا ہے۔

۲۔ **قومی خلافت**:۔ جب ایک قوم کو حکومت اور بادشاہت سے نوازا جاتا ہے، تو وہ اس قوم کی خلافت ہے۔ اللہ تعالیٰ عاد قوم کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے:۔ وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ[3] اور یاد کرو جب اس نے تم کو نوحؑ کی قوم کے بعد بادشاہ بنایا۔ وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ (الاعراف ۷:۷۴) اور یاد کرو جب تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا اور تمہیں زمین میں آباد کیا۔ یہاں بوّاکم فی الارض فرما کر خلافت کی تفسیر کر دی یعنی زمین کا وارث ہونا۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ۔ یعنی وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ یعنی وارث بنایا۔

۳۔ **شخصی خلافت**:۔ شخصی خلافت دو طرح کی ہے۔ خلافت خاصہ اور خلافت عامہ۔ خلافت خاصہ سے مراد وہ خلافت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو لوگوں کی ہدایت کے لیے مامور کرتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام خلافت خاصہ کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ[4] اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ

---

[1] رد المختار بر در المختار باب الامامۃ جلد ۱ صفحہ ۵۱۱۔ [2] البقرہ ۲: ۳۰۔

[3] الاعراف ۷: ۶۹۔ [4] ص ۳۸: ۲۶۔

Marfat.com

(حاکم) بنایا ہے۔ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہشات کی پیروی نہ کر۔ ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھکا دیں گے۔

خلافت عامہ جب کوئی مامور وفات پا جائے تو اس کے مشن کو چلانے کے لئے اس کا نائب خلافت عامہ کا حامل ہو گا۔

کسی مامور کے جانشین کو اللہ کا خلیفہ قرار دینا قرآن مجید سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو بعض لوگوں نے خلیفہ اللہ کہنا شروع کیا تو آپ نے ایسا کہنے سے منع فرما دیا اور کہا: لست خليفة الله ولكن خليفة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم یعنی میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں۔ میں تو اللہ کے رسول کا خلیفہ ہوں۔

یہاں جس خلافت کا ذکر ہے یہ وہ نیابتی حکومت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی حیثیت سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جو آپ کا نائب ہو گا وہ خلیفہ کہلائے گا۔ ا

اسلامی خلافت کی خصوصیات :-

۱- اسلامی خلافت کی پہلی خصوصیت جو اس کو دوسرے سیاسی نظاموں سے جدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ طرز حکومت دین اور دنیا دونوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ دوسرے سیاسی نظام صرف دنیا کے امور سے تعلق رکھتے ہیں اور دین کے تصور کو اپنے نظام سے خارج کرتے ہیں۔

۲- دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور ان کو ابنائے جنس پر نافذ کرنا جس نظام میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور فرمانبرداری نہ ہو گی وہ خلافت نہیں کہلائے گا۔

۳- خلافت اسلامی میں مقتدر اعلیٰ محض اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس کے علاوہ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ [1] یعنی اللہ کے سوا کسی کو اقتدار اعلیٰ حاصل نہیں۔

فالحكم لله العلي الكبير۔ [2] پس حکم (اقتدار اعلیٰ) اللہ کا ہی ہے۔

---

[1] یوسف ۱۲: ۴۰۔ [2] الانعام ۶: ۶۲۔

Marfat.com

جو سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔

وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کے لئے ہے۔

امارت :۔ جب حکومت امور عامہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر افراد امت کو معروفات کا حکم دیتی ہے۔ اور منکرات سے روکتی ہے۔ تو وہ امارت امت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ یہ لفظ امر سے مشتق ہے۔ امر کے معنی ہیں حکم۔ اور حکم حکومت کا فعل ہے ابوالبقاء نے مختصر الفاظ میں امارت کی یہ تعریف کی ہے۔ "امارت ولایت ہے" [1] یعنی امارت حکومت ہے۔

امارت میں اطاعت اور غلبہ دونوں باتیں شامل ہیں۔ اور یہی حکومت کی اصل ہیں

اسلامی حکومت کے رئیس کے خطابات

I امام اعظم :۔ یہ نام اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ امام حکومت اور اعضائے حکومت کا قائد ہے۔

II خلیفہ :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہونے کی وجہ سے خلیفہ کہلاتا ہے۔

III امیر :۔ معروفات کا حکم دینے اور منکرات سے روکنے کی وجہ سے کہلاتا ہے۔

خلیفہ یا امیر کی ضرورت :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔ الوالی من الرعیۃ کالروح من الجسد [2] یعنی حاکم رعیت میں ایسے ہیں جیسے روح جسم میں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں : اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت بغیر امیر کے نہیں ہے۔

خلیفہ کا انتخاب :۔ رئیس مملکت کا انتخاب عوام یا ارباب حل وعقد سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے :۔ وامرھم شوریٰ بینھم [3] یعنی مسلمانوں کا اجتماعی کاروبار باہم مشورہ سے طے پاتا ہے۔

اسلام کے دور اول میں جب خلفاء راشدین کے انتخاب پر نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت

---

[1] کلیات ابوالبقاء حنفی لفظ امارت صفحہ ۲۴۳۔ [2] کنوز الحقائق حدیث ۱۰۲۔

[3] الشوریٰ ۴۲ نمبر ۳۔

Marfat.com

کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ ان خلفاء کا انتخاب براہ راست شوریٰ کے ذریعہ ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی۔ اس وقت وہاں انصار اور مہاجرین کے صاحب الرائے افراد موجود تھے۔ تبادلہ خیالات اور اسباب ترجیح پر تبصرہ بھی ہوا تھا۔ پھر مسجد میں عام بیعت ہوئی۔ اور سب نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے لئے نام تجویز کیا۔ پہلے اہل حل وعقد سے مشورہ کیا۔ اس کے بعد مرضی عامہ حاصل کرنے کے لئے نام پیش کیا۔ اہل حل وعقد کی رائے اور مرضی عامہ معلوم کرلینے کے بعد حضرت عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا۔ اس نامزدگی میں بھی اپنی مرضی شامل نہیں بلکہ عوام کی مرضی شامل ہے۔

حضرت عمرؓ نے اہل حل وعقد کی ایک مجلس شوریٰ مقرر کردی۔ اور خلافت کے لئے چند نام تجویز فرمادئے۔ مجلس شوریٰ کو یہ ہدایت کردی کہ اصحاب الرائے سے مشورہ کرکے کسی ایک کا نام تجویز کردیں۔ اس کے بعد عوام کی مرضی معلوم کرلی جائے رائے عامہ کے مطابق خلیفہ منتخب کرلیا جائے۔

حضرت علیؓ کی بیعت بھی جمہور کی رائے کے مطابق ہوئی۔

خلفاء راشدین کے انتخاب کے طریقے تو مختلف ہیں۔ لیکن عوام کی رائے کا دخل ہر طریقہ میں کارفرما ہے۔

اسلامی نظام حکومت میں ولیعہدی اور نامزدگی کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

شرائط امارت یا خلافت

شرط اوّل:۔ امیر مملکت مسلمان ہو۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ کے مطابق نظام حکومت چلانے کے لئے وہی شخص مستحق ہوسکتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو۔ اور یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر آپ کا خلیفہ بنے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ[1] اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کی تابعداری

---

[1] النساء ۴: ۵۹۔

Marfat.com

کرو اور رسول کی اپنے میں سے صاحب امر کی تابعداری کرو۔
اس آیت کریمہ میں منکم کا لفظ اس بات پر صریح النص ہے۔ مسلمانوں کا خلیفہ انہی میں سے ہوگا۔ وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مسلمانوں پر فوقیت رکھنے کو ہرگز روا نہیں رکھے گا۔

تمام امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر خلیفہ مرتد ہو جائے تو اس کا عزل اور اس سے قتال و جدال مسلمانوں پر واجب ہے۔ جو شخص ابتدا ہی سے کافر ہو وہ مسلمانوں کا خلیفہ کیسے بن سکتا ہے۔

شرط دوم :۔ خلیفہ کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عاقل اور بالغ ہو اس لئے شرعاً مجنوں اور نابالغ کے کسی تصرف پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔

شرط سوم :۔ جسمانی نقص نہ ہو۔
خلیفہ جسمانی نقص نہ رکھتا ہو جس وجہ سے وہ فرائض منصبی اچھی طرح سرانجام نہ دے سکے۔ اگر وہ دوران خلافت کسی جسمانی نقص میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مثلاً پاگل ہو جائے۔ مفلوج ہو جائے۔ اندھا ہو جائے وغیرہ۔ تو پھر بھی اس کو مسند خلافت سے معزول کر دیا جائے گا۔ قرآن مجید میں آتا ہے :۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔ [1] یقیناً اللہ نے تمہارے مقابلہ میں اس کو چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں کشادگی دی ہے۔ا
یہ آیت اس بات پر اشارۃ النص ہے۔ خلیفہ کے لئے حواس اور اعضاء کی سلامتی ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نقص سے ایک تو کارکردگی پر اثر پڑتا ہے۔ دوم دوسروں کے دل میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

شرط چہارم :۔ کفایت۔
کفایت سے مراد سیاست حاضرہ اور زمانہ کے جدید تقاضوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔ ارشاد الٰہی ہے :۔ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ [2] یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کو حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت دی۔

---

[1] بقرہ ۲ : ۲۴۷۔ [2] ص ۳۸ : ۲۰۔

Marfat.com

سورۃ بقرہ آیت ۲۴۷ سے جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے۔ یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ خلیفہ کے اندر معاملہ فہمی ژرف نگاہی اور مسائل کے حل کرنے کا ملکہ ہونا چاہیئے۔

شرط پنجم:۔ علوم دینیہ کا ماہر۔

خلیفہ کے لئے علوم دینیہ کا ماہر ہونا ضروری ہے تاکہ کلیات شرعیہ کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کو حل کر سکے۔ اور لاعلمی کی بناء پر حدود شرع سے تجاوز نہ کرے۔

شرط ششم:۔ تقویٰ۔ عدل اور امانت۔

امیر متقی عادل اور امین ہونا چاہیئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ [1] اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور محترم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ۔

بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں اس کے اہل کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "امانات" سے مراد حکومت کی باگ ڈور ہے۔

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ [2]

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کیجئے میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔

شرط ہفتم:۔ شجاعت۔

خلیفہ کا شجاع ہونا ایک ناگزیر شرط ہے۔ تاکہ دشمن کے حملے کے وقت جہاد کا جوش پیدا کر سکے۔

شرط ہشتم:۔ اسلامی حکومت کی صدارت کے لئے مرد کا ہونا ضروری ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ ما افلح قوم ولوا امرھم امراۃ (بخاری) اس قوم نے ہرگز فلاح نہیں پائی۔ جس کا نظام اقتدار ایک عورت کے ہاتھ میں ہو۔

---

[1] الحجرات ۴۹: ۱۳۔ [2] یوسف ۱۲: ۵۵۔

Marfat.com

خلیفہ کے اختیارات

اختیارات تنفیذی خلیفہ ہر محکمہ کا حاکم اعلیٰ ہے۔ اس وجہ سے ہر فرد پر معروف کاموں میں اس کی اطاعت واجب ہے۔

قواعد وضوابط بنانے کا اختیار:۔ قوانین شرعیہ کی تنفیذ کے لئے قواعد وضوابط بنانے کا اختیار ہے۔

حکام کے نصب وعزل کا اختیار:۔ حکومت کے حکام کے نصب وعزل کا اس کو اختیار حاصل ہے۔

احتساب ومواخذہ کا اختیار:۔ خلیفہ سلطنت کے ہر فرد سے اس کی کسی قانون شکنی پر مواخذہ کر سکتا ہے۔ اور اسے سزا دے سکتا ہے۔

جنگ وصلح کا اختیار:۔ خلیفہ کو ملکی حالات کے مطابق جنگ اور صلح دونوں کا اختیار حاصل ہے۔

حکام کی کارروائیوں کی تفتیش کا اختیار:۔ خلیفہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ہر حاکم کی غیر اسلامی کارروائی کی تفتیش کرے۔ اور اُن کو سزا دے۔

خلیفہ کی انتظامی مجلس شوریٰ:۔ خلیفہ کے لئے ملکی امور چلانے کے لئے ایک ایسی مجلس ہوگی۔ جس کے ارکان کا انتخاب خلیفہ خود کر سکتا ہے تاکہ وہ تنفیذی اختیارات کے استعمال کے سلسلہ میں مشورہ دے۔ مجلس کی رکنیت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

۱۔ مسلمان ہونا۔ ۲۔ عالم دین ہونا۔ ۳۔ عادل ہونا۔ ۴۔ مشورہ دینے کا اہل ہونا۔ ۵۔ ملکی حالات سے باخبر ہونا۔

اختیارات تشریعی:۔ خلیفہ کو اصحاب الرائے کے مشورہ کے ساتھ ضمنی قوانین وضع کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [1]

---

[1] سورۂ شوریٰ

Marfat.com

توان سے کاموں میں مشورہ لے۔
امیر کا حق تنسیخ :۔ ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا مجلس تشریعی کے متفقہ یا کثرت رائے سے پاس شدہ مسودہ قانون کو خلیفہ مسترد کر سکتا ہے یا کہ نہیں۔
اگر مجلس تشریعی ایک قانون متفقہ یا کثرت رائے سے پاس کر لیتی ہے۔ جو کسی نص صریح کے خلاف ہو۔ تو خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس قانون کو مسترد کر دے۔ مثلاً۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اکثر جید صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف سردست جہاد نہ کریں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔
لیکن کسی نص صریح کے خلاف فیصلہ نہ ہو۔ تو خلیفہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کثرت رائے سے پاس شدہ قانون کو مسترد کر دے۔
عادلانہ اختیارات :۔ عدالتوں کے لئے ضوابط مقرر کرنے کا اختیار خلیفہ کو ہے۔ لیکن خلیفہ کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ عدالت کی آزادی میں دخل اندازی کرے۔ خلیفہ نہ عدالت کو کسی فیصلہ کا حکم دے سکتا ہے۔ اور نہ کسی فیصلہ سے روک سکتا ہے۔

امیر مملکت کے اختیارات پر پابندیاں

اسلام خلیفہ کو کلی طور پر اختیارات نہیں دیتا کہ وہ جس طرح چاہے کرے بلکہ اس پر کچھ پابندیاں بھی ہیں۔
امیر کو یہ اختیار نہیں کہ شریعت کے کسی حکم کو بدل ڈالے۔ اور نہ اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مفاد عامہ کے خلاف کوئی قانون نافذ کرے۔ خلیفہ عوام کے سامنے اپنے فعل کا جواب دہ ہے۔ عوام اس سے پوچھ سکتے ہیں۔ کہ اس نے یہ کام کیوں کیا۔ یہ حکم کیوں دیا۔

خلیفہ کی معزولی خلیفہ کو حسب ذیل صورتوں میں منصب خلافت سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ خلیفہ دین اسلام سے مرتد ہو جائے۔
۲۔ پاگل ہو جائے۔

Marfat.com

۳۔ دشمن کے ہاتھ اسیر ہو جائے اور رہائی کی امید نہ رہے۔
۴۔ ایسا مرض لاحق ہو جائے جس وجہ سے سلطنت کے فرائض سرانجام نہ دے سکتا ہو۔
۵۔ فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے۔
۶۔ قانون کی بالادستی کو تسلیم نہ کرے۔
۷۔ مسلمانوں کے دینی اور دنیوی امور کی حفاظت نہ کرے۔

سید شریف لکھتے ہیں :

اگر مسلمانوں کے کام درست طریقہ پر انجام نہ پائیں اور دین کے معاملات میں خرابی کی صورت نظر آئے تو امت امام کو عہدہ سے علیحدہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اجتماعی نظم کے لئے امام کا تقرر بھی امت کے حق میں ہے اور معزول کرنا بھی" [1]

۸۔ اگر امام ارباب حل وعقد کے مشورہ کے بغیر حکومت کا نظام چلانا چاہے تو اس کو معزول کر دینا چاہیئے۔ ابن عطیہ لکھتا ہے :

"اگر صدر حکومت ماہرین علم و فن اور امت کے دین دار افراد کا مشورہ طلب کئے بغیر اپنی رائے سے کام کرتا ہے۔ تو اس کو عہدہ سے معزول کر دینا چاہیئے۔ اس پر تمام علماء قانون متفق ہیں" [2]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے یہ امر واضح ہوتا ہے۔ کہ خلیفہ کی اطاعت اسی وقت تک ضروری ہے۔ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لا طاعة فی معصیة انما الطاعة فی المعروف [3] امیر کی معصیت میں کوئی فرمانبرداری نہیں ہے۔ فرمانبرداری صرف معروف میں ہے حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے سامنے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا : یایھا الناس انما انا متبع و لست

---

[1] المواقف مع شرح جلد ۸ صفحہ ۳۵۳۔ [2] وحکی القرطبی من ابن عطیہ لاخلاف فی وجوب العزل من لا یستشیر اہل العلم والدین۔ فتح القدیر شوکانی ال عمران جلد ا صفحہ ۳۶۰۔
[3] بخاری۔

يمينى ع فان انا احسنت فاعينونى وان انا زغت فقومونى [1]

اے لوگو! میں اسلام کے احکام کی پیروی کرنے والا ہوں۔ اور کسی بدعت کا موجد نہیں ہوں اگر میں نیکی کا راستہ اختیار کروں تو میری مدد کرو اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرو۔ صحابہ نے فرمایا ہم آپ کو تیز دن کی انیوں سے درست کر دیں گے۔

اقتدارِ اعلیٰ

مفہوم اقتدار اعلیٰ (sovereignty) کا انگریزی مترادف لاطینی زبان کے ایک لفظ (superanus) سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں اعلیٰ یا خالق یا برتر و بالا۔

اس معنی کی رو سے اقتدار اعلیٰ کا مفہوم یہ ہوا کہ ایسا اقتدار جو تمام دوسرے اقتداروں سے اعلیٰ ہے۔ اور سب پر برتری اور فوقیت رکھتا ہے۔

سیاسی نقطہ نگاہ سے اقتدار اعلیٰ وہ طاقت ہے جو قوانین بناتی ہے اور اس کا نفاذ کرتی ہے اور لوگوں کو اطاعت پر مجبور کرتی ہے۔ یہ طاقت سب طاقتوں پر فائق ہوتی ہے۔

تعریفات:۔ مغربی مفکر بودین اقتدار اعلیٰ کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"شہریوں اور رعایا پر ریاست کا ایسا فائق اختیار جو قانونی حد بندیوں سے آزاد ہو"

برگس (Burgess) نے اقتدار اعلیٰ کی اس طرح تعریف کی ہے:

"اقتدار اعلیٰ مملکت کا وہ اصلی مطلق العنان غیر محدود اور مکمل اختیار ہے۔ جس کے ماتحت ملک کا ہر فرد اور ہر جماعت ہوتی ہے"

جان اسٹن نے اس طرح تعریف کی ہے۔

"اگر ملک میں ایسا برتر اور افضل انسان ہو جو کسی کے ماتحت نہ ہو اور جس کے احکام کی پابندی کی سوسائٹی عادی ہو چکی ہو تو اس مخصوص اور

---

[1] کتاب الاموال لابی عبید صفحہ ۳۶۶ -

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

برتر شخص کو اس سوسائٹی کا مقتدر اعلیٰ یا فرمانروا (Sovereign)
متصور کیا جائے گا اور وہ منظم سوسائٹی مع اس افضل شخص کے
سمجھی جائے گی۔"

پولک (Pollak) کہتا ہے:۔
"اقتدار اعلیٰ کی قوت نہ وقتی ہوتی ہے اور نہ مستعار لی ہوئی اور نہ دنیا میں
وہ کسی دوسری طاقت کے روبرو جواب دہ ہوتی ہے۔"

گروشیس کہتا ہے:۔
"ایسے شخص میں تفویض شدہ سیاسی اختیار اعلیٰ ہے جس کے اعمال کسی
دوسرے کے تابع نہیں ہیں اور جس کی منشاء کارد نہیں ہو سکتا۔"

روسو جان لاک کہتا ہے:۔
"یہ اعلیٰ اختیار عوام کے قبضہ قدرت میں ہے لیکن اس کا عملی اظہار
حکومت کے ذریعہ ہوتا ہے۔"

روسو کا نظریہ اقتدار اعلیٰ:۔ روسو نے اقتدار اعلیٰ کو ارادہ عامہ یا مشیت عامہ (General will) کے سپرد کیا ہے۔ اس طرح وہ عمومی اقتدار اعلیٰ کا قائل ہے۔

مندرجہ بالا تعریفات کی رو سے اقتدار اعلیٰ یا تو سلطنت کو حاصل ہے جیسا کہ بودین کا نظریہ ہے۔ یا سلطنت کا بادشاہ اقتدار اعلیٰ کا مالک ہے۔ جیسا کہ جان آسٹن گروشیس کا خیال ہے۔ یا مرضی عامہ یعنی قوم کی عام منشاء اقتدار اعلیٰ ہے۔ جیسا کہ روسو کہتا ہے:۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے اقتدار اعلیٰ کا مفہوم:۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے اقتدار اعلیٰ وہ بالادست طاقت ہے۔ جس سے بالا کوئی طاقت نہ ہو۔

اسلام کے نظام حکومت میں خدا تعالیٰ ہی اقتدار اعلیٰ کا حقیقی مالک ہے جیسا قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ [1] اللہ حکمرانی کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ٹالنے والا نہیں ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ [2] حکم دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔

---

[1] الرعد ۱۳: ۴۱۔ [2] سورۃ یوسف ۱۲: ۴۰۔

Marfat.com

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ۔ [1] تو لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کر اور اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ۔ [2] اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں سیاسی اور قانونی حاکمیت صرف اللہ کو ہی حاصل ہے۔ عہد حاضر کا فرانسیسی ماہر سیاسیات ڈی لوٹ کویل خدا کی حاکمیت کے متعلق لکھتا ہے:۔

> "مطلق اقتدار فی الواقعہ ایک بری چیز ہے۔ اور خطرناک بھی۔ کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اقتدار مطلق کو دور اندیشی اور احتیاط کے ساتھ استعمال کر سکے۔ اقتدار مطلق کا مرجع صرف خدائے واحد کی ذات ہے۔ کیونکہ اس کے اقتدار کی کارفرمائی کے پہلو بہ پہلو اس کی حکمت اور عدل بھی کارفرما ہے۔ لیکن دنیا کے اندر کوئی ایسا معتبر اور قابل اطاعت اقتدار نہیں پایا جاتا۔ جس کے احکام کو میں ہر معاملے میں غیر مشروط طور پر قبول کرتا جاؤں۔ جب میں یہ معلوم کرتا ہوں کہ کسی قوم یا کسی ملک کو یا کسی حکومت کو خواہ وہ شخصی ہو یا ڈیموکریٹک یا بادشاہت ہو یا ری پبلک ہو۔ اقتدار سونپ دیا گیا ہے تو مجھے اسی وقت انتشار و انارکیت کے بیج نظر آنے لگتے ہیں۔ اور میں فوراً ایک ایسی ریاست کی تلاش کرنے لگتا ہوں جو میری حقیقی آرزو پوری کرے۔"

اقتدار اعلیٰ کی خصوصیات:۔ قرآن مجید کی رو سے اقتدار اعلیٰ کی حسب ذیل خصوصیات ہیں:۔

۱۔ **وحدتِ اقتدار:۔** اسلامی حکومت کا اقتدار اعلیٰ اپنے اقتدار میں وحدت اور یگانگت کا مالک ہوتا ہے اور اس کے اقتدار میں کوئی دوسرا شریک اور ساجھی

---

[1] المائدہ ۵: ۴۸۔ [2] المائدہ ۵: ۴۴۔

Marfat.com

نہیں ہو سکتا جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:۔ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ؎۱
وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔
إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ؎۲ حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہی ہے۔ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ ؎۳ یعنی مملکت میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

۲۔ قدرت عامہ:۔ قدرت اور قوت اللہ تعالیٰ کے حاکمانہ اقتدار کی ایک خصوصیت ہے۔ علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔ کہ قدرت عامہ ایک ایسی خصوصیت ہے۔ جس کی مکمل نسبت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری ہستی کے ساتھ نہیں ہو سکتی وہی ہے جس کی اعلیٰ ہستی اعلیٰ درجہ کا اقتدار اور قدرت رکھتی ہے۔ وہ ایک قادر اور مقتدر ہستی کی حیثیت سے اپنے حکم اور حکومت کے کام میں قابل تعریف تشخص کا مالک ہے۔ ؎۳

ارشادِ الٰہی ہے:۔ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۳۔ بالادستی:۔ بالادستی اقتدار اعلیٰ کی روح ہے۔ اس وجہ سے اسلام میں بالادستی اقتدار اعلیٰ کی حقیقت ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری فرماتے ہیں:۔ "خداوند عالم بلند و بالادست ہے۔" اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے مرتبہ اور حکومت میں اتنا اونچا ہے کہ اس سے کوئی اونچا نہیں۔ ؎۴

حضرت امام غزالی مقتدر اعلیٰ کی بالادستی کے متعلق لکھتے ہیں:۔
"دنیا کی ہر چیز اس کے تحت سلطنت کے ماتحت ہے۔ اور تحت اس کے اقتدار اعلیٰ کے ماتحت ہے۔ اس کا اقتدار اور قدرت عامہ اور حکومت کمال کے ایسے منتہا پر ہے کہ اس سے اوپر کوئی اقتدار نہیں ہر کمی سے محفوظ اور ہر نقص سے خالی اس کے غلبے اور تسخیر کی قوتیں یہ

؎۱ الکہف ۱۸: ۲۶۔ ؎۲ یوسف ۱۲: ۴۰۔ ؎۳ مفردات القرآن (قدر) صفحہ ۴۰۸۔ ۲۷۶۔ ؎۴ التبر المسبوک فی نصائح الملوک ماخوذ از اسلام کا نظام حکومت مصنفہ مولینا حامد الانصاری غازی صفحہ ۱۶۴۔

Marfat.com

ثابت کرتی ہیں۔ کہ حکومت اس کی چیز ہے اور سلطنت اس کی ملک ہے۔" [1]

قرآن مجید میں آتا ہے:۔ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ اللہ بادشاہ برحق بلند وبالادست ہے۔ اِنَّهُ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۔ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ یعنی اللہ کا ہی حکم سب حکموں سے بلند ہے۔

۴۔ **آزادی:۔** اقتدار اعلیٰ کو حکم اور نفاذ حکم کی مکمل آزادی ہونی چاہیئے۔ بلنچلی لکھتا ہے:۔ "اقتدار کی آزادی اقتدار اعلیٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔" [2]

قرآن مجید میں آتا ہے:۔ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ [3] اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهُ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا۔ [4] اور اللہ ایسا نہیں کہ اسے کوئی چیز عاجز کر دے۔ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ جاننے والا قدرت والا ہے۔

۵۔ **جلالت عامہ:۔** اقتدار اعلیٰ کی حاکمیت کے لئے جلالت ایک ضروری وصف ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں:۔ جلالت ایک خاص وصف ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیئے خاص ہے۔ [5]

۶۔ **دوام:۔** لازوال زندگی اقتدار اعلیٰ کی ایک اہم خصوصیت ہے یہ وہ وصف ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مخصوص ہے۔ وہی ہستی ہے جو ہر قسم کے زوال سے پاک ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کی حاکمیت نامعلوم زمانہ تک ہے۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ کائنات کی تخلیق سے پہلے بھی اللہ اور اس کے نیست ونابود ہو جانے کے بعد بھی وہی رہے گا۔ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ یعنی پہلے بھی اور بعد میں بھی حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وہ ہمیشہ زندہ

---

[1] نظریہ سلطنت ص۲ صفحہ ۵۰۳۔ [2] ابراہیم ۱۴: ۲۷۔ [3] فاطر ۳۵: ۴۴۔ [4] مفردات القرآن جل الجلالۃ۔

Marfat.com

اور قائم رہنے والا ہے۔

۷۔ بے تعطلی:۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت میں لمحہ بھر بھی تعطل واقع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت فعال اور خبردار رہتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (البقرہ ۲:۲۵۵) یعنی اس کو نہ کسی وقت نیند آتی ہے اور نہ اونگھ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ؎۱ اسے دنیا و مافیہا کی حفاظت تھکا نہیں دیتی۔

۸۔ ناقابلِ انتقال:۔ اللہ تعالیٰ کے اختیارات ناقابلِ انتقال ہیں۔ اس کے تمام اختیارات ذاتی ہیں۔ دوسرے کسی شخص کو منتقل نہیں کئے جا سکتے۔ دنیا کی ہر چیز اسی کے ماتحت اور حلقہ اقتدار میں ہے۔ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت مالک بیان کی ہے۔ عربی زبان میں مالک وہ ہستی ہوتی ہے۔ جس کے ہاتھ میں ہر قسم کے اختیارات ہوں۔

۹۔ جامعیت نامہ:۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کائنات کی ہر چیز پر محیط ہے۔ اس کے اقتدار کی حدود غیر معین اور غیر محدود ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (البقرہ ۲: ۱۱۵) مشرق اور مغرب کی وسعتیں سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ؎۲ یعنی اس کی حکومت زمین اور آسمان تک ہے۔

اگر کوئی انسان یہ کوشش کرے کہ اس کی حکومت سے کہیں باہر نکل جا سکتا ہے تو وہ نکل نہیں سکتا۔

حکومت کے فرائض

(۱) **جان، مال اور عزت کی حفاظت** حکومت کا سب سے اوّل اور مقدم فرض یہ ہے کہ وہ شہریوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کرے نہ تو حکومت ان چیزوں پر ہاتھ اٹھائے اور نہ کسی کو

؎۱ البقرۃ ۲: ۲۵۵۔ ؎۲ البقرہ ۲: ۲۵۵۔

Marfat.com

ہاتھ اٹھانے کی اجازت دے۔

قرآن مجید میں آتا ہے :- وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ [1] کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے حق کے بغیر قتل نہ کرو۔

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [2]، اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ۔

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ [3] کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :- کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه (مسلم) مسلمان کی ہر چیز ہر مسلمان پر حرام ہے۔ اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا :-

ان دماء کم و اموالکم و اعراضکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا بخاری کتاب الحج) تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں وہی حرمت رکھتی ہیں جیسے آج کے دن (عرفہ کا دن) کی حرمت ہے۔

ان چیزوں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی ضمانت شامل ہے اگر کوئی حکومت جان مال اور ناموس کی حفاظت نہیں کر پاتی تو اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :- فذلک المسلم الذی لہ ذمّۃ اللہ ورسولہ پس یہ وہ مسلم ہے جس کے جان مال کی حفاظت کا ذمہ اللہ اور اس کے رسول نے لیا ہے۔

(۲) **شخصی آزادی** :- اسلامی ریاست میں ہر فرد کو شخصی آزادی حاصل ہے۔ جب تک کہ وہ دوسروں کے مفاد کو نقصان پہنچانے میں استعمال نہیں کرتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :- لا یوسر رجلٌ فی الاسلام بغیر عدل

---

[1] بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳۔ [2] بقرہ ۲: ۱۸۸۔ [3] الحجرات ۴۹: ۱۱۔

Marfat.com

(موطا) اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جا سکتا۔

من کم تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احراراً ۱؎
تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا۔ حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا۔

شرار الناس الذین یشترون الناس و یبیعونهم ۲؎ بڑے لوگ وہ ہیں جو انسانوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔

(ب) مذہب کی آزادی:۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۳؎ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۴؎ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۔ ۵؎
اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جس قدر لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں۔

(ج) قانونی مساوات:۔ اسلام کا ہر شہری خواہ وہ امیر ہو یا غریب قانون کی نظر میں برابر ہوتا ہے۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۔ ۶؎
پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور اس کو چھوڑ کر جو تیرے پاس قانون حق آیا۔ ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ۷؎
جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ سخت ذلیل لوگوں میں سے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ قریش کے ایک معزز گھرانے کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش نے اس عورت کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لئے حضرت اسامہ نے اپنا مدعا ظاہر کرنے کے لئے زبان کھولی تو حضور کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر لوگوں کے

۱؎ احسن المحاضر جلد ۲ صفحہ ۱ ۲؎ ترمذی کنوز الحقائق۔ ۳؎ بقرہ ۲: ۵۶۔ ۴؎ الکافرون ۱۰۹: ۶۔ ۵؎ یونس ۱۰: ۹۹۔ ۶؎ المائدہ ۴۸۔ ۷؎ المجادلہ ۵۸: ۲۰۔

Marfat.com

سامنے خطبہ دیا۔ فرمایا: تم سے پہلے بہت سی قومیں اس وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے اور اگر کوئی با اثر آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا۔ آپؐ نے فرمایا: والذی نفس محمد بیدہ لو سرقت فاطمۃ بنت محمد لقطعت یدھا[1] اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمدؐ نے چوری کی ہوتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

حضرت ابو بکرؓ نے جو سب سے پہلا خطبہ دیا اس میں بھی اس قانونی مساوات کو دہرایا فرمایا: ان اقواکم عندی الضعیف حتی اخذ لہ بحقہ وان اضعفکم عندی القوی حتی اخذ منہ الحق[2] تمہارے طاقت ور اور با اثر لوگ میرے نزدیک اس وقت تک کمزور ہیں جب تک میں ان سے ان پر واجب شدہ حق لے لوں۔ اور تمہارے کمزور لوگ میرے نزدیک اس وقت تک طاقت ور اور با اثر ہیں جب میں ان کا غصب شدہ حق واپس دلا دوں۔

جبلہ بن ایہم کا مشہور واقعہ ہے کہ اس نے حج کے موقع پر ایک بدو کو تھپڑ مار دیا۔ اسلامی قانون میں یہ سزا تھی کہ وہ بدو اس کے منہ پر تھپڑ مارے۔ چونکہ وہ ایک والیٔ ریاست تھا۔ اس کو یہ بات ناگوار گزری حضرت عمرؓ سے ایک رات مہلت مانگی تو وہ رات کی تاریکی میں بھاگ گیا۔ اور مرتد ہو گیا۔

حضرت عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اے لوگو! میں اپنے عاملوں کو تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہیں ماریں یا تمہارے مالوں کو ناجائز طریقوں سے لوٹیں۔ بلکہ میں ان کو اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تم کو تمہارا دین اور تمہارے نبی کی سنت سکھائیں۔

اگر کسی کے ساتھ اس قسم کی تعدی کی گئی ہو۔ تو وہ مجھے بتا دے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں اس کو زیادتی کرنے والے سے اس کا قصاص ضرور دلواؤں گا۔ یہ سن کر عمرو بن العاص اٹھے اور یوں گویا ہوئے اے امیر المومنین فرض کیجئے کہ ایک شخص کہیں کا والی ہے اور وہ کسی کو سزا دیتا ہے۔ تو کیا آپ اس سے بھی قصاص دلوائیں گے؟ حضرت عمرؓ بولے اس ذات کی قسم جس

---

[1] مسلم باب قطع السارق الشریف الخ۔ [2] کتاب الاموال لابی عبید صفحہ ۲۶۶۔

Marfat.com

کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں اس سے بھی مظلوم کو قصاص دلواؤں گا۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ اپنی ذات کو بھی قصاص کے لئے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے! خبردار مسلمانوں کو مار دو نہیں کہ ان کو ذلیل کر کے رکھ دو۔[۱]

(۱۵) **معاشرتی مساوات:-** اسلامی حکومت اپنے شہریوں کے درمیان رنگ، نسل، قوم کے لحاظ سے طبقاتی تقسیم نہیں کرتی۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے طبقاتی تفریق بالکل باطل ہے۔ اسلام میں صرف تقویٰ ہی بزرگی کی علامت ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:- يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔[۲] اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک وہی عزت والا ہے جو زیادہ متقی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:- ایھا الناس الا ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقویٰ[۳] اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے۔ اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقوے کے سبب سے۔

(۱۶) **اقتصادی مساوات:-** اسلامی حکومت کا ایک اہم فرض ہے۔ کہ وہ ہر ایک شہری کے لئے معاشی ترقی اور خوشحالی کے راستے برابر کے کھولے اور ان تمام راہوں کو مسدود کرے۔ جن کے ذریعہ انسان دوسرے کے حقوق کو تلف کر سکتا ہو۔ اور ناجائز طریقے سے سیم و زر سے اپنی تجوریوں کو بھر سکتا ہو۔

---

[۱] کتاب الخراج ص۶۶ [۲] الحجرات ۴۹: ۱۳۔ [۳] مسند احمد۔

Marfat.com

قرآن مجید میں آتا ہے:۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ۔ ۱؎ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ ۲؎ ان کی دنیاوی زندگی میں ہم نے ان کی روزی تقسیم کر دی ہے۔

وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ۔ ۳؎ اور تمہارے لئے اس میں روزی کا سامان پیدا کر دیا۔ اور اس کے لئے بھی جسے تم رزق نہیں دیتے۔

وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ۴؎ اور بے شک ہم ہی نے تم کو زمین میں رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمہارے لئے سامان معیشت پیدا کئے۔

ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کی ممانعت میں اصولی طور پر قرآن مجید میں آتا ہے،
لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ۔ ۵؎ اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ۔

(۷) آزادی اجتماع کا حق:۔ ارشاد الٰہی: وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۶؎ اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

(۸) نجی زندگی کی حفاظت:۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا ۷؎ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو۔ جب تک کہ اجازت نہ لے لو۔

ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق:۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس قوم و ملک میں ظلم بڑھ جاتے اور اس کی روک تھام کے لئے قانون حرکت میں نہ آئے تو وہ قوم اور ملک تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے حکومت کی بقاء اسی میں ہے کہ وہ

۱؎ الروم ۳۰: ۴۰۔ ۲؎ الزخرف ۴۳: ۳۲۔ ۳؎ الحجر ۱۵: ۲۰۔ ۴؎ الاعراف ۷: ۱۰
۵؎ بقرہ ۲: ۱۸۸۔ ۶؎ آل عمران ۳: ۱۰۴۔ ۷؎ نور ۲۴: ۲۷۔

Marfat.com

ظلم کے خلاف ہر فرد کو آواز اٹھانے کا حق دے۔ تاکہ جہاں بھی ظلم سر اٹھائے وہیں اس کا سر کچل دیا جائے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ یعنی اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ [۱] اللہ بری بات کے مشہور کرنے کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ اس آیت کریمہ میں مظلوم کو ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کی اجازت دی ہے۔

(۹) مذہبی دل آزاری سے تحفظ:۔ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ [۲] ان بتوں کو برا بھلا نہ کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔

آزادی سکونت:۔ اسلامی حکومت میں ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ وہ جہاں چاہے رہے۔ کسی فرد کی سکونت پر قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔

ارشاد الٰہی ہے:۔ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ [۳] زمین میں چلو پھرو دیکھو کس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ کونوا حیث شئتم و بیننا و بینکم ان لا تسفکوا دما ولا تقطعوا سبیلا ولا تظلموا احدا [۴] تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے اور تمہارے درمیان صرف یہ شرائط ہیں کہ تم خون ریزی کرو۔ اور نہ تم رہ زنی کرو۔ اور نہ کسی پر ظلم کرو۔

(۱۰) ملکیت کا حق:۔ اسلام نے ذاتی ملکیت کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن محدود اور مفید اخلاقی معاشرتی اور قانونی پابندیوں کے ساتھ۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی [۵] کہ انسان کے لئے کچھ نہیں مگر وہی جو وہ کوشش کرتا ہے۔ کُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ۔ [۶] ہر آدمی اپنے کئے کا پھل

---

[۱] النساء ۴: ۱۴۸۔ [۲] الانعام ۶: ۱۰۸۔ [۳] العنکبوت ۲۹: ۲۰۔ [۴] نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۱۳۹۔ [۵] النجم ۵۳: ۳۹۔ [۶] الطور ۵۲: ۲۱۔

Marfat.com

پانے والا ہے۔
فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ[1] خدا کے فضل کی تلاش کے لئے زمین میں پھیل جاؤ۔
اگر کمانے والا پابندیوں پر کاربند نہیں رہتا اور مفاد عامہ کو ملحوظ نہیں رکھتا تو حکومت کا یہ فرض ہے کہ اس کو ملکیت سے دست بردار کر دے۔

(۱۶) **تعلیم کا انتظام:**- یہ تاریخی مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں وہی قومیں ابھری ہیں۔ جو علم کے زیور سے آراستہ تھیں۔ اس وجہ سے اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ عوام کی تعلیم کے لئے وسیع پیمانہ پر انتظام کرے۔
قرآن مجید میں آتا ہے:۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ[2] کہہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔

(۱۷) **حفظان صحت کا انتظام:**- اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ عوام کی صحت کے لئے ہر قسم کی تدابیر اختیار کرے یہ فرض اس حکم سے ماخوذ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آغاز نبوت میں دیا گیا تھا۔ وثیابک فطھر اپنے کپڑے صاف رکھ والرجز فاھجر یعنی گندگی چھوڑ دے۔ ارشاد نبوی ہے۔ الطھور شطر الایمان پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

بنیادی ضروریات کو پورا کرنا:۔ غذا لباس اور مکان انسان کی وہ بنیادی ضروریات ہیں جن پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ اس وجہ سے اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ یہ بنیادی ضرورتیں ہر فرد کے لئے پورا کرے۔
غذا کے متعلق اسلام کی یہ تعلیم ہے۔ وفی اموالھم حق للسائل والمحروم کہ امراء کی دولت میں سائل اور نادار لوگوں کا حق ہے۔ نبی کریم کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تؤخذ من اغنیاءھم وترد الی فقراھم۔ یعنی امراء سے دولت لے کر فقراء اور ناداروں کو دی جائیگی اس وجہ سے اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے۔

---

[1] الجمعہ ۶۲: ۱۰۔ [2] زمر ۳۹: ۹۔

Marfat.com

کہ وہ حاجت مندوں کی کفالت کرے۔ رہائشی مکانات کی فراہمی کے متعلق علامہ ابن حزم فرماتے ہیں۔ تکنھم من المطر والصیف والشمس و عیون المطرۃ[1] یہ مکانات ایسے ہوں جو رہنے والوں کو بارش، گرمی، دھوپ سے اور گزرنے والوں کی نگاہوں سے چھپائے رہیں۔

گزرگاہوں اور راستوں کی حفاظت:- گزرگاہوں اور راستوں سے جمہور کے حق انتفاع کی حفاظت کرے۔ چنانچہ علامہ ماوردی لکھتے ہیں:-

"کہ محتسب عام گزرگاہوں میں عمارت بنانے سے روک دے اگرچہ راستہ وسیع ہو اگر کوئی عمارت بنالے تو اس کو مونڈ خاک کر دے چاہیے وہ مسجد ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ راستے آمد و رفت میں سہولت اور آسائش کے لئے ہوتے ہیں اس لئے نہیں ہوتے کہ لوگ آسائش اور سہولت کو نظرانداز کرکے اس میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔"[2]

بازاروں اور گلیوں کی صفائی:- حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ بازاروں اور گلیوں کی صفائی کا بندوبست کرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:- اماطۃ الاذی عن الطریق صدقۃ یعنی راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا صدقہ ہے۔

(۱۳) **شریعت اسلام کا نفاذ:-** اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ حدود شرعیہ قائم کرے۔ تاکہ کوئی فرد ان امور کا مرتکب نہ ہو سکے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور ملک چوری، شراب خوری، قمار بازی اور بدکاری وغیرہ کے جرائم سے پاک ہو جائے۔ ارشاد الٰہی ہے:- اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج ۲۲:۴۱)

وہ جنہیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم کریں گے اور بری باتوں سے روکیں گے۔

(۱۴) **دین کی حفاظت:-** اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے۔ یہ حفاظت دو طرح کی ہے۔ ایک تو یہ کہ کوئی شخص اسلام میں بدعت اور لادینی کی

---

[1] المحلی جلد ۶ صفحہ ۱۵۶۔ [2] الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۴۴۔

Marfat.com

راہ نہ نکالے دوسری یہ کہ اسلام کی اشاعت اور دشمنان اسلام کے اعتراضات کے جوابات دینے کا ایک مستقل شعبہ قائم کرے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ وہ لوگ جن کو ہم زمین میں حکومت (سورۃ حج ۴۱) دیتے ہیں۔ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ نیکی کا حکم کرتے ہیں۔ اور برائی سے روکتے ہیں۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ [1] تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [2] اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو بھلائی کی دعوت دے۔ اچھے کاموں کا حکم دے۔ اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

۵۔ دیانت دار اور اہل لیاقت عہدے دار۔ سلطنت کا ایک اہم فریضہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو عامل مقرر کرے جو دیانت دار اور اہل لیاقت ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا [3] بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں (حکومت کی باگ ڈور) اس کے اہل کے سپرد کرو۔

وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ [4] اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے یقیناً اس میں عبادت کرنے والوں کے لئے پیغام ہے۔

---

[1] آل عمران ۳: ۱۱۰۔ [2] آل عمران۔ ۳: ۱۰۴۔ [3] النساء ۴: ۵۸۔
[4] الانبیاء ۲۱: ۱۰۵–۱۰۶۔

Marfat.com

(۱۵) عمال کی نگرانی:۔ حکومت کا یہ فرض ہے کہ عمال کی نگرانی کرے اور تمام واقعات اور ملکی اور بین الاقوامی حالات سے باخبر رہے۔

(۱۶) سرحدوں کی حفاظت:۔ اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ ملک کی سرحدوں کی کماحقہ حفاظت کرے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا [1] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر کرو اور مقابلہ میں بڑھ کر صبر دکھاؤ۔ اور سرحدوں کی حفاظت کرو۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ۔ [2] اور جو کچھ طاقت اور گھوڑوں کے سرحدوں پر باندھ رکھنے سے تم سے ہو سکے ان کے لئے تیار رکھو۔ تم اس کے ساتھ اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ رکھو۔ اور ان کے سوائے اوروں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ انکو جانتا ہے۔

اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب سے ریاست نے جنم لیا ہے۔ اقلیتوں اور ماتحت اقوام کا وجود ذلت اور مسکنت کا نشانہ بنا رہا ہے۔ حاکم قوم کے تحت ذلیل و خوار ہو کر زندگی گزار دی۔ اگر محکوم قوم کو غالب آنے کا موقع مل گیا تو غالب آکر اپنی سابقہ ذلت اور رسوائی کا انتقام لیا۔ اس قسم کے انقلابات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

غلامی کا رواج بھی اسی ظلم و عدوان کا نتیجہ ہے۔ محکوم قوم غلام تصور کی جاتی تھی۔ ان کو معاشرتی اقتصادی سیاسی اور مذہبی آزادی سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ اسلام سے قبل تمام متمدن حکومتوں میں اقلیتوں کی ناگفتہ بہ اور المناک حالت تھی۔ مصر:۔ مصر میں قبطی قوم حکمران تھی۔ وہ اقلیت بنی اسرائیل سے نہایت ہی ذلت

---

[1] آل عمران ۳:۱۹۹ - [2] الانفال ۸:۶۰

Marfat.com

آمیز سلوک کرتی تھی۔ ان سے بیگار لیا جاتا۔ انکار کرنے والے کو زندگی سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ ان کی جان مال عزت قبطیوں کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی تورات میں ارشاد ہے:۔

"انہوں نے (مصری قبطیوں نے) ان پر بیگار لینے والے مقرر کئے جو ان سے سخت کام لے کر ان کو ستائیں۔ سو انہوں نے فرعون کے لئے ذخیرہ کے شہر پتوم رعمسیس بنائے۔ پھر انہوں نے جتنا انکو ستایا وہ اتنا ہی زیادہ بڑھے اور پھیلتے گئے۔ اس لئے وہ لوگ بنی اسرائیل کی طرف سے فکر مند ہو گئے۔ اور مصریوں نے ہر تشدد کر کے ان سے کام کرایا۔ اور انہوں نے ان سے سخت محنت سے گارا اور اینٹ بنوا بنوا کر اور ہر کھیت میں ہر قسم کی محنت لے لے کر ان کی زندگی تلخ کی ان کی سب خدمتیں جو وہ ان سے کراتے تھے تشدد کی تھیں۔" [۱]

قرآن مجید میں آتا ہے:۔ یُذَبِّحُونَ اَبْنَاءَھُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَاءَھُمْ یعنی وہ (فرعون اور اس کی قوم) ان کے (بنی اسرائیل کے) بیٹوں کو ذبح کر دیتے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے۔

جب بنی اسرائیل محکومیت اور مظلومیت کے پھندے سے باہر نکلی اور دوسری اقوام کو زیر کرنے کے لئے میدان جنگ میں نکلی تو ماتحتوں کے متعلق انکو یہ تعلیم دی۔

"جب خداوند (تیرا خدا) اسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ان قوموں کے شہر میں جنہیں خداوند (تیرا خدا) تیری میراث کر دیتا ہے۔ کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو۔" [۲]

"سو تم ان بچوں کو جو لڑکے ہیں سب کو قتل کرو اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لئے زندہ رکھو۔" [۳]

خداوند نے ساؤل کو حکم دیا۔

---

[۱] تورات خروج باب ۱۔ [۲] استثناء ۲۰: ۱۳—۱۶۔

[۳] گنتی باب ۳۱: ۹—۱۶—۱۷۔

Marfat.com

"سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور سب جو کچھ ان کا ہے یک لخت حرم کر (قتل کر) اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت اور ننھے بچے اور شیرخوار بیل اور بھیڑ اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔" ؎۱

یشوع جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جرنیل تھا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے:۔

"اور انہوں نے ان سب کو جو اس شہر میں تھے مرد کیا عورت کیا جوان کیا بوڑھا کیا۔ بیل کیا بھیڑ اور گدھا سب کو تہہ تیغ کیا۔" ؎۲

ساؤل جسے خداوند نے سموئیل کی معرفت بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا تھا۔ جب اس کی جنگ عمالیقیوں کے ساتھ ہوئی تو اس نے سب کو ہلاک کر دیا۔ ان میں سے کسی کو بھاگنے نہ دیا۔ اور نہ جیتا چھوڑا مگر اچھی اچھی بھیڑوں بیلوں اور پالے ہوئے بچوں اور بڑوں کو جیتا رکھا۔ خداوند کا غصہ اس پر بھڑکا کہ ہر ایک جاندار کو ہلاک کیوں نہ کیا گیا؟ اور خدا پچھتایا کہ اس نے ساؤل کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا۔ ؎۳

بابل:۔ بابلیوں کے عہد میں محکوم قوم کی حالت نہایت ہی ذلت آمیز اور دردناک تھی۔ بابل کے بادشاہ بخت نصر کے عہد میں بنی اسرائیل کو نظر بند کیا گیا۔ ان سے ہر قسم کا ذلت آمیز سلوک کیا جاتا۔ نہ ان کی عزت محفوظ تھی! اور نہ ان کو سماجی اور دینی آزادی حاصل تھی۔ ساٹھ فٹ لمبا سونے کا بت بنا کر انہیں پوجنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ جو اس سے انکار کرتا اس کو نذر آتش کر دیا جاتا۔

یونان:۔ یونان میں اقلیتوں کی حالت نہایت ہی ناگفتہ بہ تھی۔ مشہور یونانی فلسفی ارسطو نے ملکی استحکام اور بقاء کے لئے غلام کے وجود کو ناگزیر قرار دیا اور کہا:۔

"غلام ایک ایسا ذی روح آلہ یا متاع ہے جس کے ذریعہ زندگی کا نظام چل رہا ہے۔"

یونانی قوم جن ممالک کو مغلوب کر لیتی تھی۔ وہاں کے باشندے ان کے غلام سمجھے جاتے اور وہ ہر قسم کی آزادی سے محروم کر دیئے جاتے۔ ان سے نہایت ہی ذلت آمیز اور مشقت کا کام لیا جاتا۔ اگر کوئی انکار کرتا تو مار مار کر اس کی کھال

؎۱ سموئیل اول ۱۵: ۳ ؎۲ یشوع ۶: ۲۱ ؎۳ سموئیل اول ۱۵: ۹ تا ۳۵

Marfat.com

ادھیڑ دی جاتی۔

رومی سلطنت :۔ رومی سلطنت میں اقلیتوں کا بہت ہی برا حال تھا۔ ان لوگوں کے نزدیک مفتوحہ قومیں غلام ہوا کرتی تھیں۔ جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوتے تھے ان کو روما کے بازاروں میں فروخت کر دیا جاتا تھا۔ رومی بادشاہ نے جب عیسائیت قبول کی تو غیر عیسائیوں کو جبراً عیسائیت قبول کرایا جانے لگا۔ اس جبر و استبداد کی بناء پر بہت سوں نے خودکشی کر لی۔ ان کے تمام مذہبی ادارے توڑ دیئے گئے۔

یہودی اقلیت کو بیت المقدس سے باہر نکال دیا اور بیت المقدس کے تین ہزار فٹ کے احاطہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔

فارس :۔ فارسی اکثریت نے عیسائی اقلیت کو ظلم و استبداد کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ اس کے مقابل پر شاہ روم عیسائی تھا۔ اس وجہ سے ایرانی عیسائیوں کو ہمیشہ شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اور معمولی سی غلطی پر انتہائی الم ناک سزا دی جاتی تھی۔

سیکولرزم اور اقلیت

آج کل یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اقلیتوں پر ظلم و تشدد کی وجہ مذہب ہے۔ اگر مذہب کو انفرادی معاملہ قرار دے دیا جائے تو اکثریت اقلیت پر دست درازی نہیں کرے گی۔

اگر دنیا کی سیکولر حکومتوں کا جائزہ لیا جائے تو لادینی نظام بھی اقلیتوں کو اکثریت کے ظلم و استبداد سے نجات نہیں دلا سکا۔ اور ان کی وہی ابتر حالت ہے۔ جو قدیم زمانہ میں اقلیتوں کی تھی۔ وہ آج بھی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

امریکہ میں نیگرو کی حالت نہایت ہی خراب ہے وہ سماجی اقتصادی مذہبی آزادی سے محروم ہیں۔ وہ سفید فام لوگوں کے گرجا میں داخل نہیں ہو سکتے۔ امریکہ کے قدیم باشندے ریڈ انڈین حیوانی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس ظلم کے خلاف لوتھر کنگ

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

نے آواز اٹھائی تو اس کو گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔

برطانیہ میں بیرونی باشندوں کی جو ابتر حالت ہے۔ وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں نسلی منافرت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ حالیہ انتخاب (۱۹۷۰) میں اس کا جو نتیجہ نکلا وہ قابل غور ہے۔

بنگلہ روزنامہ اتفاق کے مبصر لکھتے ہیں :۔

"نسلی عصبیت کے علمبردار ٹوری لیڈر مسٹر انک پال پہلے سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئے بعض کا خیال ہے کہ ٹوری پارٹی کے ممبروں میں کم از کم تیس آدمی پال نواز ہیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ نسلی منافرت کے ڈاکہ اور لوٹ مار کو عام باشندے پسند کی نگاہ سے نہیں دیکھتے لیکن اندیشہ ہے کہ حالات کی زد میں آکر پورا برطانیہ ان جراثیم کے اثر سے متاثر ہو جائے گا۔ عام آدمی بیرونی باشندے کی ضرورت کی وجہ تلاش نہیں کرتے بلکہ ہر کسی بیرونی کو وہ طفیلی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ میں رنگ و نسل کی عصبیت کا سیلاب بہتا جارہا ہے۔" [۱]

ہندوستان میں جو اقلیتوں کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔ گاہے گاہے اخبارات میں ان کی خستہ حالی اور مظلومیت کی داستانیں شائع ہو جاتی ہیں۔ ان کو پڑھ کر ایک قاری بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ لادینی نظام کہاں تک اقلیتوں کے حقوق کو تحفظ دے سکا ہے۔

۸ رمئی ۱۹۷۰ء کو پولیس کی حفاظت میں بیس فسادی نوجوانوں نے جل گاؤں کے علاقہ میں ایک بیوہ کے گھر پر بم پھینکا اور اس بچاری کے دو لڑکوں اور لڑکیوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔

(روزنامہ آزاد مورخہ ۱۰ ر اساڑھ ۱۳۷۷ بنگلہ)

فرقہ وارانہ فسادات ہندوستان میں روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ وہاں اقلیتوں کا مال جان اور عزت ہر وقت خطرے میں رہتی ہے۔ اور حکومت کے رحم و کرم پر

---

[۱] ۶ ر اساڑھ ۱۳۷۷ بنگلہ۔

Marfat.com

زندگی کے دن گذار رہی ہیں۔

اسلامی حکومت میں اقلیت

اس مختصر سے بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اب تک کسی نظام حکومت نے اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ نہیں کیا۔ اسلام ہی صرف ایک ایسا نظام حیات ہے جس میں غیر مسلم رعایا کے حقوق کو تحفظ دیا گیا ہے۔

اسلامی حکومت کے اعتبار سے اقلیتوں کی دو قسمیں ہیں۔

ایک معاہد جو مصالحت یا معاہدے کے ذریعہ اسلامی حکومت کے ماتحت آتے ہیں۔ ان کو اسلامی اصطلاح میں معاہد یا ذمی کہا جاتا ہے۔ یہ غیر مسلم رعایا جزیہ دیتی ہے اور اسلامی حکومت کی رعایا بننا منظور کرتی ہے۔

دوم: اہل العنوۃ یعنی جو لڑائی میں شکست کھا کر مغلوب ہوتے ہیں۔

غیر مسلم رعایا کے حقوق

معاہدات کی پابندی اسلام نے معاہدات کو دیانت داری کے ساتھ نبھانے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا[1] اے مسلمانو! تم اپنے عہد کو پورا کرو کیونکہ عہدوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ[2] اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تم پر ان کی دوستی کا کوئی حق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر

[1] بنی اسرائیل ۱۷: ۳۴۔ [2] الانفال ۸: ۷۲۔

Marfat.com

تم سے دین کے متعلق مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا فرض ہے سوائے اس کے کہ یہ مدد ان لوگوں کے خلاف نہ ہو جن کے اور تمہارے درمیان عہد ہے۔ اللہ جو تم کرتے ہو اسے دیکھتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں معاہدہ کی پابندی کا اس قدر تاکیدی حکم دیا ہے۔ کہ اگر کسی اسلامی حکومت کا کسی غیر مسلم قوم کے ساتھ معاہدہ ہو اور پھر اس غیر مسلم معاہدہ کے خلاف کوئی دوسری مسلمان قوم اسلامی حکومت سے مدد طلب کرے۔ تو وہ معاہد قوم کے خلاف ہرگز مدد نہ کرے۔ اور اپنے عہد پر قائم رہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ فاتح شام کو لکھا۔

وامنع المسلمین من ظلمھم والاضرار لھم واکل اموالھم الا بحلھا وفِ لھم بشرطھم الذی شرعت لھم فی جمیع ما اعطیتم [1]

مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے ان کو نقصان پہنچانے اور ناجائز طور پر مال کھانے سے روکو ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں۔ اور ان سے جو وعدے کئے گئے ہیں انکو پورا کرو۔

ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ اہواز کے ذمی بھاگ رہے ہیں تو تحقیقات کے لئے بصرہ سے دس نیک سیرت مسلمان طلب کرلئے ان میں سے ایک احنفؓ بن قیس بھی تھے۔ ان سے پوچھا کہ ذمی مسلمانوں کے ظلم و تشدد کی وجہ سے بھاگ رہے ہیں یا اور کسی وجہ سے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوا۔ وہ از خود بلا کسی وجہ کے بھاگ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی مرضی کے مطابق سلوک کیا جاتا ہے۔

مگر اس بیان سے آپ کو اطمینان قلب نصیب نہ ہوا تو عتبہ بن غزوان والئ بصرہ کو لکھا کہ :

"لوگوں کو ذمیوں کے ساتھ جور و ظلم سے روکو اور اس سے ڈرو اور محتاط رہو ایسا نہ ہو کہ تمہاری بدعہدی یا ظلم کی وجہ سے حکومت تم سے چھین لی جائے خدا نے تم کو اس وعدہ پر حکومت عطا کی ہے۔ اس لئے اس عہد کو پورا کرو اور اس کے حکم اور مرضی پر عمل کرو اس وقت خدا تمہاری مدد کرے گا" [2]

---

[1] کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۸۲ مطبوعہ مصر [2] طبری جلد ۴ ص ۲۵۴۴۔

Marfat.com

دشمن کے حملے سے حفاظت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن قوموں پر جزیہ لگایا۔ تو ان کو یہ لکھ کر دیا کہ اگر دشمن ان پر حملہ کرے گا تو ان کی طرف سے مدافعت کی جائے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں، یمنعوا لہ

مذہب کی آزادی:۔ ذمی اپنی بستیوں میں مذہبی فرائض بجالانے میں آزاد ہوں گے۔ اور ان کے مذہبی حقوق پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ۲ؔ یعنی دین میں کوئی جبر نہیں۔

ابو عبید نے تلوار کے ذریعہ فتح کئے ہوئے مقامات کی فہرست دینے کے بعد لکھا:

"یہ سارے مقامات بزور شمشیر فتح ہوئے اور ان میں ان کے باشندوں کو ان کے مذہب و شریعت کی پوری آزادی کے ساتھ بسنے کی اجازت دی گئی" ۳ؔ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں حیرہ کی فتح کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے جو اہل حیرہ سے معاہدہ کیا اس میں لکھا؛ لا یھدم لھم بیعۃ و لا کنیسۃ ولا یمنعون من ضرب النواقیس ولا من اخراج الصلبان فی یوم عیدھم ۴ؔ

اور گرجے پیوند خاک نہیں کئے جائیں گے۔ نہ ان کے عید کے دن ان کو ناقوس بجانے اور صلیبیں نکالنے سے روکا جائے گا۔

شام کے پادری کو یہ ضمانتیں دیں۔

ولا یھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ وعلی ان یضربوا نواقیسھم فی ای ساعۃ شاؤا من لیل او نھار الا فی اوقات الصلوۃ وعلی ان یخرجوا الصلبان فی ایام عیدھم ۵ؔ ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ ڈھائے جائیں گے۔ وہ نماز کے اوقات کے علاوہ رات دن جب چاہیں ناقوس بجا سکتے ہیں۔ اور عید کے موقع پر صلیبیں نکال سکتے ہیں۔

۱ؔ فتوح البلدان صفحہ ۵۹۔ ۲ؔ بقرہ ۲: ۲۵۶۔ ۳ؔ کتاب الاموال ابو عبید صفحہ ۱۵۰۔
۴ؔ کتاب الخراج صفحہ ۸۴۔ ۵ؔ کتاب الخراج صفحہ ۸۶۔

Marfat.com

ابو عبیدہؓ فاتح شام نے اہل شام کو عبادت خانوں کے تحفظ کی پوری ضمانت دی۔ واشترط علیھم حین دخلھا ان تترک کنائسھم وبیعھم [1]
حضرت ابو عبیدہؓ نے اہل شام سے وعدہ کیا کہ ان کی خانقاہیں اور گرجے برقرار رکھے جائیں۔

جان کی حفاظت:۔ اسلام نے اقلیتوں کی جان مسلمانوں کی جان کے برابر قرار دی ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کرے گا تو قاتل کو مقتول کے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ اگر مقتول کے ورثاء قصاص لینے کی بجائے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کو خون بہا دینا ہو گا۔ بیہقی میں روایت ہے کہ عہد نبوی میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ مقدمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھ پر ذمی کے عہد کو پورا کرنے کی زیادہ ذمہ داری ہے۔ اور مسلمان کو قصاص میں قتل کر دیا۔ [2]

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ [3]

قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے لکھ بھیجا کہ "قاتل مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے۔" چنانچہ قاتل حنین نامی ایک شخص کو جو مقتول کے ورثاء میں سے تھا سپرد کر دیا گیا۔ اور اس نے اس کو قتل کر دیا۔ [4]

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔ من کان لہ ذمتنا فدمہ کدمنا ودیتہ کدیتنا۔ یعنی جو ذمی ہیں ان کا خون ہمارا خون ہے۔ اور ان کا خون بہا ہمارا خون بہا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایک مسلمان شاس نے شام کے ایک قبطی کو قتل کر دیا مقدمہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا لیکن حضرت زبیرؓ بن عوام اور بعض دوسرے صحابہ کی سفارش پر قصاص

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰۔ [2] سنن بیہقی جلد ۸ صفحہ ۳۰، ۳۱۔
[3] بخاری احمد۔ [4] زیلعی تخریج ہدایہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۳۸، ۳۳۹۔

Marfat.com

معاف کرایا اور مقتول کے ورثاء کو مسلمان کی دیت کے برابر ایک ہزار دینار دیت دلوائی۔ [۱]

امام شعبیؒ، نخعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں:

"اقلیت کا قاتل اگر مسلمان بھی ہو اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔"

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے عہد میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ تو آپ نے مسلمان کو ذمی کے ورثاء کے سپرد کر دیا کہ وہ چاہیں معاف کر دیں چاہیں قصاص میں قتل کر دیں انہوں نے قتل کر دیا۔ [۲]

مال کی حفاظت

ذمی کی جان کی حفاظت کی طرح اس کے مال کی حفاظت بھی اسلامی حکومت کے ذمہ ہے۔ ذمیوں کے قبضہ میں جس قدر زمینیں تھیں انہیں کی تحویل میں رہنے دیں اگر خلیفہ کو مسجد یا اور کسی عمارت کی غرض سے زمین لینے کی ضرورت ہوتی تو معاوضہ دے کر لی جاتی تھی۔

جب عراق فتح ہوا تو صحابہ کی رائے تھی کہ ان کی اراضی مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ زمینداروں اور کاشتکاروں کی تحویل میں رہنے دی جائے۔ کئی دن بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ آخر کار یہ ٹھہرا کہ مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک اجتماع ہوا۔ انصار میں سے دس آدمی اپنے اپنے قبیلہ کی طرف سے حاضر ہوئے۔ اور بڑے بڑے مہاجرین صحابہ یعنی حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ حضرت بلالؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مخالف رہے لیکن عام رائے یہی ہوئی کہ ذمیوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل نہ کیا جائے۔ حضرت بلالؓ قائل نہیں ہوتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی ایک آیت سے استدلال کیا تو ان کو مجبور ہونا پڑا اور تمام صحابہ حضرت عمرؓ کی رائے سے متفق ہو گئے۔ [۳]

چنانچہ عراق کی کل اراضی زمینداروں کے قبضہ میں رہنے دی گئی۔ انکو مالکانہ

[۱] سنن بیہقی جلد ۸ صفحہ ۳۳۔ [۲] نصب الرایہ جلد ۴ صفحہ ۳۳۶۔
[۳] تفصیل کے لئے کتاب الخراج صفحہ ۱۴، ۱۵ ملاحظہ کریں۔

Marfat.com

حقوق دے دیئے گئے۔ مصر کی اراضی بھی مالکان کے قبضہ میں رہنے دی گئی۔ حکومت بھی بغیر معاوضہ کے ان سے لینے کی مجاز نہ تھی۔

ولیس لہ ان یاخذ بعض ذلک منہم وھی ملک لھم یتوا م

توارثونھا یعنی امام وقت بھی زمین لینے کا مجاز نہیں ہے وہ کاشتکاروں کی ملک ہے جو ان میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہے گی۔ اور وہ اس کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں۔

اگر حکومت کو زمین کی ضرورت پڑتی تو مالک کو معاوضہ دیا جاتا تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک شخص نے دجلہ کے کنارے گھوڑوں کے پالنے کے لئے ایک رمنہ بنانا چاہا۔ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو جو بصرہ کے گورنر تھے لکھا کہ اگر وہ زمین ذمیوں کی نہ ہو۔ اور اس میں ذمیوں کی نہروں اور کنوؤں کا پانی نہ آتا ہو تو سائل کو زمین دے دی جائے [1]

حضرت عمرؓ جابیہ میں تھے کہ ایک ذمی نے آکر شکایت کی کہ لوگوں نے اس کا انگوروں کا باغ تباہ کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ تحقیق کے لئے خود وہاں گئے دیکھا کہ ان کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب ڈھال میں انگور لئے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا آپ بھی ہیں۔ اس نے جواب دیا یا امیر المومنین بھوک شدت سے لگی ہوئی تھی اس وجہ سے یہ حرکت کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ باغ کے مالک کو اس کے انگوروں کی قیمت ادا کر دی جائے [2]

تحفظ عزت:۔ اقلیت کی عزت و ناموس کو وہی تحفظ حاصل ہے جس طرح ایک مسلمان کی عزت و آبرو کو۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حمص کے گورنر حضرت عمیر بن سعد کی زبان سے کسی ذمی کے متعلق اخزاك الله (اللہ تجھے رسوا کرے) یہ کلمہ نکل گیا تھا۔ اس پر حضرت عمیر بن سعد کو سخت ندامت ہوئی اور اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور فرمایا کہ اس منصب کے غرور میں مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے۔ لہٰذا یہ عدل و انصاف کے خلاف ہے کہ میں اس منصب پر فائز رہوں (الفاروق)

در المختار میں لکھا ہے: "اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے اور

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۳۔ [2] کتاب الاموال ابوعبید صفحہ ۱۵۱۔

Marfat.com

اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جیسی مسلم کی غیبت حرام ہے[۱]۔"

ارشاد نبوی ہے:۔ من ظلم معاھداً او انتقصہ او کلفہ فوق طاقتہ او اخذ منہ شیئا بغیر طیب نفسہ فانا حجیجہ یوم القیمۃ۔

جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے یا اس کو نقصان پہنچائے یا اس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف دے یا اس کی خوشی کے بغیر کچھ لے۔ تو میں اس معاہد کی طرف سے قیامت کے دن حجت کروں گا۔

روزی اور کفاف کا ذمہ:۔ اگر ذمی اپنی روزی کمانے سے عاجز آجائے تو اس کے گزارے کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔ حضرت عمر رضؓ بن بن عبدالعزیز نے اپنے عامل عدی بن ارطاۃ کو حکم بھیجا کہ اپنے علاقہ کے ذمیوں کے حالات معلوم کرو جو بوڑھے ہو چکے ہوں اور روزی کمانے کے قابل نہیں رہے تو ان کے گزران کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے ذمی کو دیکھا کہ در در بھیک مانگتا پھرتا ہے آپ نے اس سے فرمایا ہم نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ جب تم جوان تھے اور کماتے تھے تو ہم نے تم سے جزیہ وصول کیا اب جب تم کمانے کے قابل نہیں رہے اب ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا[۲]۔

اگر ذمی دشمن کے قبضہ میں آجائے اور فدیہ دے کر چھڑانے کی ضرورت پیش آئے تو فدیہ بیت المال سے دیا جائے گا[۳]۔

خالد بن ولیدؓ نے فتح حیرہ کے وقت جو معاہدہ کیا تھا اس میں درج کیا۔ اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی مصیبت آن پڑے، یا پہلے دولت مند تھا پھر مفلس ہو گیا۔ اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگے تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا

---

[۱] در المختار جلد ۳ صفحہ ۲۷۳، ۲۷۴ [۲] کتاب الاحوال ابو عبیدہ صفحہ ۴۶

[۳] کتاب الاحوال ابو عبیدہ صفحہ ۱۲۷ -

Marfat.com

جائے گا اور اس کا اور اس کے اہل و عیال کا نفقہ مسلمانوں کے بیت المال سے مقرر کر دیا جائے گا۔ جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے اگر وہ اسلامی ملک سے چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کے اہل و عیال کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔[1]

اقتصادی آزادی : اسلامی حکومت میں اقلیتوں کو اقتصادی آزادی حاصل ہوتی ہے، کمانے اور خرچ کرنے میں مکمل آزادی ہے یہاں تک کہ بعض ایسی چیزوں کی تجارت کرنا جو ایک مسلمان کے لئے حرام ہے اقلیتوں کو اجازت ہے جیسے شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کے بارے میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"ان کے لئے شراب جیسے ہمارے لئے سرکہ ہے ان کے لئے خنزیر جیسے ہمارے لئے بکری" (ہدایہ)

یعنی جس طرح ایک مسلمان کے لئے سرکہ اور بکری کی خرید و فروخت اور استعمال حلال ہے اسی طرح اقلیتوں کے لئے شراب اور خنزیر کی بیع و شراء اور اکل و شرب جائز ہے۔

سیاسی حقوق : اسلامی حکومت میں اقلیتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ خلیفہ ملکی امور میں ان سے مشورہ لے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بنیامین نامی مصری قبطیوں کا ایک سردار تھا۔ جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی قوم میں با اثر شخص ہے تو حضرت عمرو بن العاصؓ کو لکھ بھیجا کہ انتظامی امور میں اس سے مشورہ لیں۔

اسی طرح اقلیتوں کے امور میں انہی کی رائے معتبر تصور ہوگی۔ عراق کے انتظام کے وقت وہاں کے قائدین کو مدینہ بلوایا۔ اور ان سے مشورہ لیا۔ ایسا ہی مصر کے اقلیتی لیڈر مقوقس کی رائے لینے کے بعد وہاں انتظامی امور کا فیصلہ فرمایا تھا۔

---

[1] کتاب الخراج از امام ابو یوسفؒ

Marfat.com

اقلیتوں کے پرسنل لاء

اسلام نے اقلیتوں کے اپنے مذہبی قانون میں ہر قسم کی آزادی دی ہے اسلامی عدالت میں ان کے قانون کے مطابق ہی فیصلے ہوں گے۔ اہل نجران کے معاہدہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرما دیا تھا کہ:

"ان کے خالص مذہبی امور میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی"

(کتاب الاموال)

خلفائے راشدین کے دور میں اس پر عمل ہوتا رہا حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا:

"کیا وجہ ہے کہ خلفائے راشدین نے ذمیوں کو محرمات کے ساتھ نکاح، شراب اور خنزیر کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیا ہے"

حضرت حسن بصریؒ نے جواب دیا:

"انہوں نے جزیہ دینا اس وجہ سے قبول کیا ہے کہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دی جائے۔ آپ کا کام انہی کے نقش قدم کی پیروی کرنا ہے اور اپنی طرف سے کوئی نئی بات ایجاد نہیں کرنی ہے"[1]

علامہ ابوالحسن ماوردی تحریر فرماتے ہیں:

"انہیں اپنے حقوق اپنے حکام کے پاس لے جانے میں کسی قسم کی ممانعت نہیں کی جا سکتی" (احکام سلطانیہ)

تاریخ سپین کا مصنف لکھتا ہے:

"جن عیسائیوں نے مفتوحہ ملک میں رہنا پسند کیا ان کے مال و جان

---

[1] کتاب الاموال ابوعبیدہ صفحہ ۳۶

Marfat.com

کی پوری حفاظت کی گئی۔ انہیں پورا حق حاصل تھا کہ اپنے طور پر اپنی عبادت کریں۔ معینہ حدود میں انہی کے قوانین رائج تھے۔ بعض ملکی اور قومی عہدوں پر ان کا تقرر کیا گیا۔ ان کی عورتوں کو اجازت تھی کہ وہ فاتحوں کے ساتھ شادی بیاہ کریں غرض ازروئے قانون ان کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا جس سے مفتوح یا غلام معلوم ہوں۔[له]

دفاعی نظام اور اقلیت: اصولی طور پر اسلامی حکومت کسی اقلیت کو جبری طور پر فوج میں بھرتی نہیں کر سکتی۔ کیوں کہ اسلامی حکومت ان سے ایک دفاعی ٹیکس لیتی ہے۔ اور اقلیت کے ہر فرد کی جان، مال اور ناموس کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ اس دفاعی ٹیکس سے بچے، بوڑھے، عورت اور اپاہج وغیرہ مستثنیٰ تھے۔

اگر اسلامی حکومت ان کی حفاظت نہ کر سکے تو وہ دفاعی ٹیکس واپس کرنا پڑتا ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کے عہد گورنری میں رومیوں کے ساتھ ایک دفعہ شام کی لڑائی میں مسلمان کچھ پسپا ہو گئے تھے تو اس وقت حضرت ابوعبیدہؓ نے اقلیتوں سے لیا ہوا ٹیکس یہ کہہ کر واپس کر دیا۔ کہ تمہاری حفاظت کے بدلہ میں یہ لیا گیا تھا۔ اس وقت ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکے اس لئے ہمیں اس کے رکھنے کا کوئی حق نہیں۔

ھاں! جو اقلیت اپنی خوشی سے فوج میں بھرتی ہونا چاہے اس سے یہ جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کو فوجی وظیفہ بھی ملتا ہے۔ معاہدہ آذربائیجان میں یہ واضح طور پر لکھا تھا کہ اقلیت کے وہ افراد جو اسلامی فوج میں حصہ لیں گے ان سے اس سال کا جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلم باشندے اگر اپنی مرضی سے فوج میں بھرتی ہوں۔ تو حکومت کو ان سے خدمت لینے میں کوئی

له الفاروق صفحہ ۲۸۴

Marfat.com

حرج نہیں اور اس کے عوض ان کو عطیہ یعنی مال غنیمت سے کچھ دیا جائے گا۔
(کتاب الاموال)

سرکاری ملازمت: بجز کلیدی مناصب کے اسلام اقلیتوں کو بھی ان کی صلاحیت کے مطابق ملازمت کا موقع دیتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب اپنے عہد خلافت میں قاہرہ سے بحر احمر تک ایک نالی کھدوائی تھی تو اس وقت ایک ذمی کو انجنیئر مقرر فرمایا تھا۔

حضرت سید احمدؒ شہید نے اپنے زمانہ میں ایک ہندو کو اسلحہ خانہ کا نگران مقرر کیا تھا۔

قانون کی نظر میں مساوات: اسلامی حکومت میں مسلمان اور اقلیت قانون کی نظر میں برابر ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں کہ فاتح قوم نے مغلوب قوم کو قانون میں اپنے برابر قرار دیا ہو۔ یہ امتیاز بھی اسلام کو حاصل ہے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجران کو یہ تحریر فرما دیا تھا کہ ان میں سے اگر کوئی حق کا دعویٰ لے کر حاضر ہو تو اس کے ساتھ غیر جانبدارانہ انصاف کیا جائے گا۔"[1]

عہد علیؓ مرتضیٰ میں ایک یہودی نے ان کی زرہ چوری کر لی تھی۔ حضرت علیؓ قاضی کی عدالت میں حاضر ہوئے اور ان کے دو گواہ تھے۔ ایک حضرت حسنؓ بن علیؓ اور دوسرے ان کے غلام۔ لیکن قاضی نے باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت اور آقا کے حق میں غلام کی گواہی کو مسترد کر دیا۔ اور یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا۔ یہودی اسلام کے اس عدل وانصاف کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

جزیہ اور خراج وصول کرنے میں نرمی: اسلام جزیہ اور خراج کی وصولی میں سختی سے منع کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا:

---

[1] کتاب الاحوال۔

Marfat.com

ومسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے اور انہیں ستانے اور ناجائز طریقے سے ان کے مال کھانے سے منع کرو"۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جزیہ کی وصولی کے بعد خفیہ طور پر تفتیش کرتے تھے کہ ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈال کر تو جزیہ وصول نہیں کیا گیا۔

شہریوں کے فرائض اور اسلامی حکومت کے حقوق

سمع و طاعت: اسلامی ریاست کے ہر شہری پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ خلیفہ اور ارباب کار کا حکم مانیں۔ اللہ تعالےٰ نے جس طرح اپنی اطاعت کے لئے رسولؐ کی اطاعت کو ضروری قرار دیا ہے اس طرح اولوالامر کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ[2]

اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہیں۔

موطا میں حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے:

بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على السمع والطاعة فى العسر واليسر والمنشط والمكره

یعنی ہم سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سمع و طاعت (ماننے اور تعمیل کرنے) کا عہد لیا تنگی، فراخی، دشواری اور آسانی ہر حال میں۔

ایک اور حدیث میں ہے، فرمایا: "سنو اور اطاعت کرو" اگر تم پر کوئی حبشی غلام مقرر کر دیا جائے۔ جس کا سر کشمش کی طرح ہو۔ جب تک کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق تم کو حکم دے۔ (بخاری)

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۲ [2] النساء ۴: ۵۹

Marfat.com

السمع والطاعة حق ما لم یؤمر بالمعصیة فاذا امر بالمعصیة فلا سمع ولا طاعة اولوالامر کے احکام سننا اور ان کی تعمیل کرنا واجب ہے جب تک کہ وہ معصیت کا حکم نہ دے تو پھر اس کا نہ سننا جائز ہے اور نہ اس کی تعمیل کرنا۔

السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب و اکرہ ما لم یؤمر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة (بخاری کتاب الاحکام) ہر مسلمان پر امراء کی اطاعت ضروری ہے جب تک کہ وہ برائی کا حکم نہ دے تو پھر نہ سننا ہے اور نہ ماننا۔

قانون کی پابندی: قانون کی تابعداری ہر شہری کا فرض ہے۔ اس کے بغیر نہ ملک میں امن قائم رہ سکتا ہے۔ اور نہ معاشرہ کی عمارت صحیح بنیادوں پر کھڑی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها [1] یعنی زمین میں اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد فساد نہ کرو۔

فساد ہمیشہ قانون شکنی سے پیدا ہوتا ہے گویا فساد قانون شکنی کا دوسرا نام ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ [2] (المجادلہ: ۲۰) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگ ہیں۔

تعاون: انسان مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کا محتاج ہے اگر باہمی تعاون کے ساتھ انسان ایک دوسرے کی ضروریات اور احتیاجات کو پورا نہ کریں تو سوسائٹی میں فساد برپا ہو جائے اور ایک دوسرے کی زندگی اجیرن ہو جائے۔ اس وجہ سے سوسائٹی کو برقرار رکھنے کے لئے ایک دوسرے کا تعاون ضروری ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

---

[1] الاعراف ۷: ۵۶

اسلامی کتب خانہ (مکتبہ)

Marfat.com

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى [1] نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو۔

ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان [2] اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی سوسائٹی کے افراد کو ایک عمارت سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں:

المومن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً ثم شبک بین اصابعہ [3]

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسا کہ عمارت کی اینٹیں ایک جز دوسرے جز کو قوت دیتا ہے۔ پھر اپنی انگلیوں کو ملا کر مثال بتائی۔ اور پھر فرمایا:

تکاتفا ولا تعاصیا ویسرا ولا تعسرا [4] مل کر رہو ایک دوسرے کے خلاف نہ رہو۔ آسانی کرو اور تنگی مت کرو۔

مالی قربانی: حکومت کا انتظام چلانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مالی حالت مضبوط ہو۔ اور حکومت خرچ پورا کرنے کے لئے ٹیکس لگاتی ہے۔ ہر شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ ٹیکس ادا کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ [5] وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ کہہ جو ان کی ضرورت سے بچ جائے وہ سب خرچ کرو۔

امن کا قیام: اچھے شہری کا صرف یہ کام نہیں ہے کہ وہ خود قانون کی تابعداری کرے۔ بلکہ اس سے یہ بھی امید ہوتی ہے۔ وہ حکومت کی قوانین کے نفاذ میں مدد کرے۔ اور قانون شکنی کرنے والوں کی سرکوبی کے لئے حکومت کا ہاتھ بٹائے۔ جب تک ہر شہری ملک کے قانون کا محافظ نہیں ہوتا۔ اس وقت تک ملک میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

---

[1] المائدہ ۵: ۲ [2] المائدہ ۵: ۲ [3] بخاری کتاب الادب [4] کنوز الحقائق حرف التاء [5] البقرہ ۲: ۲۱۹

Marfat.com

فوجی خدمات: مملکت کا تحفظ سب سے اہم فریضہ ہے۔ اس وجہ سے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ بیرونی حملہ کے وقت ملک کے دفاع میں ہر ممکن کوشش کرے۔ اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہے۔ قرآن میں آتا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ [1]

اور جو کچھ طاقت گھوڑوں کے سرحدوں پر باندھ رکھنے سے تم سے ہو سکے ان کے لئے تیار رکھو تم اس کے ساتھ اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ رکھو۔

مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ۔ [2] تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم کو خدا کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم زمین پر جم جاتے ہو۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ [3] اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

تعلیم و صحت: ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی صحت کا خیال رکھے تعلیم کے ساتھ ان میں سیاسی اور تمدنی شعور پیدا ہوتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ [4]

کہہ دیجئے کیا علم والے اور جہل برابر ہو سکتے ہیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

طلب العلم فریضہ علی کل مسلم و مسلمۃ۔

یعنی ہر مسلم مرد اور عورت پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔

---

[1] الانفال ۸: [2] توبہ ۹: ۳۸ [3] البقرہ ۲: ۱۹۰
[4] الزمر: ۹

Marfat.com

دستور اساسی

دستور اساسی کے معنی: انگریزی لفظ (CONSTITUTION) کے لغوی معنی جسمانی ساخت کے آتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں دستور اساسی (CONSTITUTION) سے مراد وہ منظور شدہ قواعد و ضوابط ہیں جن کے مطابق حکومت کا انتظام و انصرام ہوتا ہے۔

ارسطو دستور کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

"دستور اساسی اس اصول کو کہتے ہیں جس کے مطابق حکومت کا ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے۔"

(GURET) کہتا ہے:

"مملکت کا دستور اساسی ان بنیادی اصولوں کا مجموعہ ہے جو حکومت کی نوعیت کا تعین کرتے ہیں۔ بنیادی اصولوں میں وہ طریقہ جس کے ذریعہ مملکت کی تنظیم ہوتی ہے مختلف اعضائے حکومت (ORGANS OF GOVERNMENT) کے درمیان اختیارات کی تقسیم اور فرائض حکومت انجام دینے کا طریقہ کار شامل ہے۔"

دوسری جگہ کہتا ہے:

"دستور اساسی ان چند انقلابی اصولوں پر خاص طریقے سے پاس کئے ہوئے رسوم و رواج کے مجموعہ کو کہتے ہیں جن کے مطابق مملکت کی تنظیم ہوتی ہے۔"

برائس (BRYEC) کہتا ہے:

"کسی قوم یا مملکت کا دستور اساسی ان قوانین و ضوابط پر مشتمل ہوتا ہے جو حکومت کی نوعیت شہریوں اور حکومت کے حقوق و فرائض کا تعین کرتے ہیں۔"

Marfat.com

PROF WOOKEY کہتا ہے:

"دستور اساسی ان اصولوں کا مجموعہ ہے جن کے مطابق حکومت کا اختیار رعایا کے حقوق اور دونوں کے مابین جو تعلق ہے ان کی ترتیب وتنظیم کی جاتی ہے۔"

پروفیسر ڈائسی PROF DICY کہتا ہے:

"دستور اساسی ان قاعدوں کو کہتے ہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت کے اختیارات اور فرائض پر اثر انداز ہوتے ہیں۔"

ان مفکرین کی تعریفات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دستور اساسی مملکت کا وہ بڑا قانون ہوتا ہے جس کے ذریعہ حکومت کی مشینری چلتی ہے اور ملک کے دوسرے ضمنی قوانین اسی کی روشنی میں وضع کئے جاتے ہیں۔

اسلام حکومت کا دستور اساسی قرآن مجید ہے۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تقریباً تئیس سال تک نازل ہوتا رہا۔

دستور اساسی کی اہمیت: سیاسی نقطہ نگاہ سے دستور اساسی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کوئی حکومت دستور اساسی کے بغیر چل نہیں سکتی۔ اس سے ملک میں امن وامان قائم رہتا ہے۔ لوگ آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں وہ شہریوں کے حقوق وفرائض متعین کرتا ہے عمال حکومت کے اختیارات اور فرائض پر روشنی ڈالتا ہے۔

دستور اساسی کے بغیر ملک میں طوائف الملوکی پھیل جاتی ہے ہر طرف فساد اور لاقانونیت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ ہر شہری کی جان ومال اور عزت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اس وجہ سے ہر حکومت کے لئے ایک دستور اساسی ہونا ضروری ہے۔ جس کے بغیر وہ چند دن بھی چل نہیں سکتی۔

Marfat.com

دستور کی خصوصیات

۱۔ **جامع :** دستور اساسی جامع ہونا چاہیئے کہ اس سے حکومت کے تمام شعبوں پر روشنی پڑے۔

۲۔ **واضح، سادہ :** دستور سادہ اور واضح ہونا چاہیئے اس میں کوئی مبہم بات نہیں ہونی چاہیئے۔ اور ذو معنی دستور سے مختلف قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں، جن سے معاشرہ میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔

۳۔ **مطابقت حالات :** دستور اساسی سب سے عمدہ وہ ہوتا ہے جو ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرے۔

۴۔ **بنیادی حقوق :** اچھا دستور عوام کے بنیادی حقوق کا محافظ ہوتا ہے۔ جس دستور میں عوام کے بنیادی حقوق کو پامال کر دیا گیا ہو۔ وہ اچھا دستور بن نہیں سکتا۔

۵۔ **لچک دار :** دستور وہ عمدہ ہوتا ہے جو لچکدار ہو تاکہ ہر زمانہ کے نئے تقاضوں پر منطبق ہو سکے۔

اسلامی دستور کی خصوصیات

اسلامی دستور ان تمام خصوصیات کا حامل ہے جو ایک بہترین دستور میں ہونی چاہئیں:

۱۔ اسلامی دستور ایک مکمل، جامع اور واضح دستور ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں راہنمائی کرتا ہے۔

۲۔ اسلامی دستور ایسے اصول اور نظریات کا حامل ہے کہ سوسائٹی خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے وہ اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتا رہیگا۔

۳۔ حالات اور زمانہ کتنا ہی بدل جائے۔ اسلامی دستور کی دفعات ہمیشہ

Marfat.com

قائم رہنے والی ہیں، اور ہر زمانہ اور حالات کی ضروریات کو بھی پورا کریں گی۔

۴۔ اسلامی دستور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔
۵۔ اسلامی دستور ان کی عین فطرت کے مطابق ہے۔
۶۔ عوام کے بنیادی حقوق کا محافظ ہے۔

اسلامی دستور کی بنیادیں

۱۔ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ [1]
حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ [2] کہہ اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہے بادشاہت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ [3] خبردار اسی کی پیدائش ہے اور حکم بھی اسی کا ہے۔

علامہ آمدی اصول فقہ کی مشہور کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں رقم طراز ہیں:

اعلم انہ لا حاکم سوی اللہ و لا حکم الا ما حکم بہ
جان لو کہ حاکم اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے حکم وہی ہے جو اللہ نے دیا ہے۔

شیخ محمد خضری اصول فقہ میں لکھتے ہیں:

ان الحکم ھو خطاب اللہ فلا حکم الا للہ وھذہ قضیۃ اتفق علیھا المسلمون قاطبۃ یقیناً حکم اللہ کے فرمان کو کہتے ہیں پس حکم دینے

---

[1] یوسف ۱۲: ۴۰ [2] آل عمران ۳: ۲۶ [3] الاعراف ۷: ۵۴

Marfat.com

کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

۲۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ [۱] جو رسولؐ کی تابعداری کرے تو اس نے اللہ کی تابعداری کی۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا [۲] اور جو کچھ رسولؐ تم کو دے اسے لے لو اور جس سے تم کو روکے اس سے رک جاؤ۔

۳۔ حکومت وراثت نہیں ہے: وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ [۳] اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا جیساکہ انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے۔

اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ تمام مسلمان بحیثیت مجموعی حامل خلافت ہوتے ہیں۔ اس پر جمہوریت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

۴۔ شوریٰ: حکومت کے امور باہمی مشورہ سے طے پائیں گے۔ جیساکہ ارشاد الٰہی ہے:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ [۴] مسلمانوں کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔

خطیب بغدادی نے حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:

"میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کے بعد کوئی معاملہ ایسا پیش آجائے۔ جس کے متعلق نہ قرآن مجید میں کچھ اترا ہو اور نہ آپ سے کوئی بات سنی گئی ہو، فرمایا میری امت میں

---

[۱] النساء ۴:۸۰ [۲] الحشر: ۷ [۳] النور ۲۴:۵۵ [۴] الشوریٰ ۴۲:۳۸

Marfat.com

سے عبادت گذار لوگوں کو جمع کرو اور اسے ان کے سامنے مشورہ کے لئے رکھ دو۔ اور کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔[۱]

۵۔ **حکومت صالحین کے سپرد ہو:** رئیس مملکت اور حکام وہ لوگ ہوں جو اہل اور صلاحیت رکھتے ہوں۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا۔[۲]

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو دو۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ۔[۳]

اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔ یقیناً اس میں عبادت کرنے والوں کے لئے پیغام ہے۔

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ۔ (بقرہ ۲: ۱۲۴) میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

۶۔ **بھلائی کا فروغ اور منکرات کا خاتمہ:** اسلامی حکومت کا یہ مقصد ہے کہ وہ معروفات کو فروغ دے اور منکرات کا خاتمہ کرے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔[۴]

وہ جنہیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ اور اچھی باتوں کا حکم کریں گے اور بری باتوں سے روکیں گے۔

۷۔ **قرآن اور سنت کی بالادستی:** قرآن اور سنت کے خلاف کوئی قانون نافذ نہیں کیا جائے گا۔ ارشاد الٰہی ہے:

---

[۱] روح المعانی [۲] النساء ۴: ۵۸ [۳] الانبیاء ۲۱: ۱۰۵، ۱۰۶
[۴] الحج ۲۲: ۴۱

Marfat.com

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ [1] سو ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے اتارا ہے اور اس کو چھوڑ کر جو تیرے پاس حق آیا ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ [2] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ (الانعام ۶: ۱۱۵) اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف میں کمال کو پہنچ گئی ہے کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں ہے۔

۸۔ **امیر کی اطاعت:** اسلامی دستور میں بھلائی کے کاموں میں امیر کی اطاعت واجب ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ [3] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ایک مسلمان پر سمع و طاعت لازم ہے خواہ وہ خوشی سے کرے یا بددلی سے تاوقتیکہ اسے برائی کا حکم نہ دیا جائے پھر جب اس کو برائی کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے اور نہ تعمیل حکم کرنا ہے۔" [4]

---

[1] المائدہ ۵: ۴۸ [2] المجادلہ ۵۸: ۲۰ [3] النساء ۴: ۵۹
[4] بخاری و مسلم

Marfat.com

معصیت میں کوئی اطاعت نہیں اطاعت صرف معروف میں ہے [1]

۹۔ عدل: اسلامی دستور عدل کے ہر تقاضے کو پورا کرتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ:

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی [2] اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"جب تیرے سامنے دو فریق اپنا معاملہ لے کر آئیں تو ان کا فیصلہ نہ کر جب تک کہ دوسرے کی بات بھی نہ سن لے جس طرح پہلے کی سنی ہے" [3]

اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جا سکتا [4]

عدل میں سب سے اہم باتیں جان، مال اور عزت کی حفاظت ہے اس کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا [5] تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت یعنی حج کے دن کی۔

۱۰۔ مساوات: اسلامی دستور کی اساس مساوات ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا [6] اور سب لوگ ایک ہی گروہ ہے۔ سو وہ اختلاف کرتے ہیں۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ۔ [7] اور کہ یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔ اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو میرا تقوےٰ کرو۔

---

[1] بخاری و مسلم [2] المائدہ ۵: ۸ [3] ابوداؤد، ترمذی [4] موطا [5] بخاری کتاب الحج [6] یونس ۱۰: ۱۹ [7] المومنون ۲۳: ۵۲

Marfat.com

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً[1]
اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

ان العباد کلھم اخوۃ[2] انسان آپس میں سب بھائی بھائی ہیں۔

۱۱۔ ضروریات زندگی بہم پہنچانا: قرآن مجید میں آتا ہے:
وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا[3]
زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اللہ کے ذمہ ہی اس کا رزق ہے۔
نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا[4]
ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے۔
وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔
(الذاریات ۵۱: ۱۹) اور ان کے مالوں میں سے سوالی اور نہ مانگنے والے محتاج کا حق ہے۔
مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ۔ (۵۹: ۷) اور اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے مال غنیمت دلایا۔ تو وہ اللہ کے لئے اور رسول کے لئے اور قریبیوں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ تم میں سے دولت مندوں کے اندر نہ پھرتا رہے۔

۱۲۔ یُسر: اسلامی دستور کی بنیاد یُسر پر ہے: اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ۔

---

[1] النساء ۴: ۱ [2] اخرجہ احمد۔ ابوداؤد [3] ہود ۱۱: ۶ [4] الزخرف ۴۳: ۳۲

قرآن مجید میں آتا ہے:
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا [1] یعنی اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مشقت میں نہیں ڈالتا۔

۱۳۔ **امن کا قیام:** اسلامی دستور کی بنیاد امن کا قیام ہے۔ اسلام کا لفظ خود سلامتی اور امن کے قیام کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ جس دستور میں امن قائم کرنے کے متعلق وضاحت موجود نہیں ہے۔ وہ اسلامی دستور نہیں کہلا سکتا۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا [1] اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی جھک جاؤ قرآن مجید میں بیت اللہ کے متعلق کہا گیا ہے:

وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا [2] جو وہاں داخل ہوا امن والا ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی:

رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا [3] اے میرے رب اس شہر کو امن والا شہر بنا۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اسلام امن کا نصب العین پیش کرتا ہے۔

۱۴۔ **اشاعت اسلام:** اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اس کی اشاعت اور تبلیغ ہر اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ [4] تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہو، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ [5] وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایات

---

[1] الانفال ۸: ۶۱ [2] آل عمران ۳: ۹۷ [3] البقرہ ۲: ۱۲۶
[4] آل عمران ۳: ۱۱۰ [5] التوبہ ۹: ۳۳

Marfat.com

اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو کل دینوں پر غالب کرے۔

۱۵۔ سرحدوں کی حفاظت: جس طرح اسلامی دستور ملک کے اندر امن کے قیام کا داعی ہے۔ اسی طرح ملک کی سرحدوں کی حفاظت ضروری قرار دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ [1] اور جو کچھ طاقت اور گھوڑوں کے سرحدوں پر باندھ رکھنے سے ہو سکے، ان کے لئے تیار رکھو تم اس کے ساتھ اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوفزدہ رکھو۔

جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔

اسلام میں جہاد اس وقت فرض ہوتا ہے جب اسلامی حکومت کی سرحدوں کو خطرہ لاحق ہو۔

۱۶۔ انسانی حقوق کا تحفظ: اسلامی دستور انسانی حقوق کی مکمل حفاظت کرتا ہے۔ جس میں جان، مال اور آبرو۔ مذہب کا تحفظ اور حریت شامل ہے۔

لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ [2] اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔

لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [3] اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ۔

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ۔ [4] ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ [5] دین میں کوئی جبر نہیں۔

---

[1] الانفال ۸: ۶۰ [2] بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳ [3] البقرہ ۲: ۱۸۸
[4] الحجرات ۴۹: ۱۱ [5] البقرہ ۲: ۲۵۶

Marfat.com

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف ۷ : ۱۵۷) وہ بوجھوں کو ان سے دور کرتا ہے جو ان پر لدے ہوئے ہیں اور طوق جو ان پر پڑے ہوئے ہیں انہیں دور کرتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں باریک سے باریک غلامی سے آزادی عطا کرنے کا اعلان ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ [۱] سو وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے، کسی گردن کو آزاد کرنا۔

انسانی حقوق سے متعلق بحث اسلام کے معاشرتی نظام میں گذر چکی ہے اور آزادی کے متعلق بحث "اسلامی حکومت کے اوصاف" کے زیر عنوان آئے گی۔

۱۷۔ **انفرادی جائداد کی اجازت:** اسلام ذاتی ملکیت بنانے کی اجازت دیتا ہے لیکن جائز طریقوں کے ساتھ۔ اسلام کا دولت کے بارے میں یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ انسان کو اس کا امین بنایا گیا ہے۔ اس لئے اسلام دولت کمانے کی اجازت دیتا ہے لیکن کمانے اور خرچ کرنے پر بعض ضروری پابندیاں عائد کرتا ہے تاکہ دولت انسان اور معاشرے کے لئے مفید ثابت ہو۔ ارشاد الٰہی ہے:

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ [۲] انسان کسب معاش کے لئے جو بھی کوشش کرتا ہے۔ اس کا پھل پانے کا مستحق ہے۔

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ [۳] ہر آدمی اپنے کئے کا ثمرہ پانے کا حق دار ہے۔

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [۴] اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز

---

[۱] البلد ۹۰ : ۱۱، ۱۳ [۲] النجم ۵۳ : ۳۹ [۳] الطور ۵۲ : ۲۱
[۴] بقرہ ۲ : ۱۸۸

Marfat.com

طور پر نہ کھاؤ۔
وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا [1] بے جا خرچ کر کے مال کو نہ اڑاؤ۔
وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ
بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا [2] اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں نہ بے جا
خرچ کرتے ہیں اور نہ موقع پر تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں حالتوں
کے درمیان اعتدال پر ہے۔

اسلام میں نہ سرمایہ داری جائز ہے اور نہ جاگیر داری۔ ارشاد الٰہی ہے:
وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ [3] اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع
کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک
عذاب کی خبر دے۔

وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ
يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ [4]
تباہی ہے ہر عیب لگانے والے طعن کرنے والے کے لئے جو مال جمع
کرتا ہے اور اسے شمار میں لاتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس
کا مال اسے ہمیشہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔

۱۸۔ تعلیم کا انتظام: تمام رعایا کے لئے تعلیم کا انتظام کیا جائے کیونکہ
انفرادی اور قومی ترقی علم کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [5] نبی کے فرائض میں ہے وہ لوگوں کو
کتاب اور حکمت سکھائے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ [6]
کہہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں۔

---

[1] بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶ [2] الفرقان ۲۵: ۶۷ [3] التوبہ ۹: ۳۴
[4] الھمزہ ۱۰۴: ۱-۴ [5] البقرہ ۲: ۱۲۹ [6] الزمر ۳۹: ۹

Marfat.com

۱۹- **غیر مسلم ریاستوں سے مصالحانہ روابط:** غیر مسلم ریاستیں جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے معاند نہ ہوں۔ ان سے مصالحانہ روابط قائم کئے جا سکیں گے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ [1] اللہ تمہیں ان سے نہیں روکتا جنہوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی۔ اور تمہیں اپنے گھر سے نہیں نکالا۔ کہ تم ان سے احسان کرو۔ اور ان سے انصاف کرو اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

۲۰- **معاہدات کی پابندی:** دوسری حکومتوں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدات کی پابندی کی جائے گی۔ اگر معاہدہ کو کسی جائز وجہ سے توڑنا مقصود ہو تو پہلے اعلان کیا جائے گا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ [2]

مگر جن مشرکوں کے ساتھ تم نے عہد کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کو مدد دی۔ تو ان کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کر دیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۔ [3]

اور تجھے کسی قوم کی دغا بازی کا خوف ہو۔ تو ان کا عہد برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی طرف پھینک دے۔ اللہ دغا بازوں سے محبت نہیں کرتا۔

۲۱- **غیر مسلموں کو کلیدی عہدہ نہ دینا:** اسلامی حکومت میں غیر مسلموں

---

[1] الممتحنہ ۶۰: ۸ [2] توبہ ۹: ۴ [3] الانفال ۸: ۵۸

Marfat.com

کو کوئی ایسا کلیدی عہدہ نہ دیا جاسکے گا۔ جو مسلمانوں کے خفیہ امور سے متعلق ہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا [۱] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنوں کے سوائے کسی کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی میں کمی نہیں کرتے۔

۲۲۔ **جرم کا ثبوت**: کسی شخص کو جرم کا ثبوت مہیا کئے بغیر سزا نہیں دی جاسکے گی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ [۲]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو نادانی سے دکھ پہنچاؤ پھر اس پر جو تم نے کیا پشیمان ہو۔

۲۳۔ **غیر مسلم رعایا کے حقوق کا تحفظ**: غیر مسلم رعایا کو بنیادی طور پر وہی انسانی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلم رعایا کو حاصل ہیں۔

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ۔ [۳] اور اگر ایسے لوگوں سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے تو خون بہا دینا چاہیئے۔ جو ان کے وارثوں کے سپرد کیا جائے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ [۴] اے ایمان والو اپنے اقراروں کو پورا کرو۔

دستور کی اقسام

دنیا کے سیاسی مفکرین نے دستور اساسی کو حسب ذیل طریقوں سے

---

[۱] آل عمران ۳: ۱۱۸ [۲] الحجرات ۴۹: ۶ [۳] النساء ۴: ۹۲ [۴] المائدہ ۵: ۱

Marfat.com

تقسیم کیا ہے۔

○ — پہلا طریقہ یہ ہے کہ دستور کس حد تک لکھا گیا ہے۔ اس اعتبار سے دستور کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ تحریری دستور (WRITTEN CONSTITUTION)

ب۔ غیر تحریری دستور (UNWRITTEN CONSTITUTION)

○ — دوسرا طریقہ یہ ہے۔ کہ دستور میں ترمیم کس طرح کرنی چاہیئے۔ اس بناء پر دستور اساسی کی دو اقسام ہیں:

ا۔ استوار (RIGID)

ب۔ لچکدار (FLEXIBLE)

○ — تیسرا طریقہ یہ ہے۔ دستور اساسی کے مطابق عوام کس حد تک حکومت میں حصے دار ہیں۔ اس اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں:

ا۔ جمہوری (DEMOCRATIC)

ب۔ غیر جمہوری (UNDEMOCRATIC)

○ — چوتھا طریقہ یہ ہے کہ دستور کی بنیاد کس طرح پڑی ؟ کسی معینہ وقت پر بنایا اس نے بتدریج ترقی کی۔ اس بناء پر دستور کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ بنایا ہوا۔

ب۔ ارتقائی۔

○ — پانچواں طریقہ یہ ہے کہ اختیارات حکومت کی تقسیم کیا ہے اس لحاظ سے بھی دستور کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ فردیہ (UNITARY)

ب۔ وفاقی (FEDERAL)

تحریری اور غیر تحریری دستور اساسی: تحریری دستور وہ ہوتا ہے جس میں نظام مملکت کے اصول و قواعد تحریر میں لائے گئے ہوں۔ اور اس کے برخلاف غیر تحریری دستور اساسی وہ ہوتا ہے کہ جس کے زیادہ تر اصول و قواعد روایات پر مبنی ہوں۔ صرف چند ایک اصول تحریر کئے گئے ہوں۔

Marfat.com

امریکہ اور فرانس وغیرہ کے دستور تحریری دستور ہیں اور انگلستان کا دستور غیر تحریری ہے۔

تنقید: کوئی دستور بھی قطعی طور پر تحریری یا غیر تحریری نہیں کہلا سکتا نہ اس کے تمام اصول احاطہ تحریر میں لائے جا سکتے ہیں۔ امریکہ کا دستور تحریری کہلاتا ہے۔ کیوں کہ اس کے تمام اصول حکومت ایک ہی دستاویز میں درج ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کہ اس کی سیاسی تنظیم کا ہر ایک اصول اس میں درج ہو۔ مثلاً سیاسی جماعتیں، وفاقی حکومت کے اختیارات سیاسی تنظیم کے اہم پہلو ہیں لیکن دستور اساسی میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی طرح زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ بے شمار نئے مسائل اور نئے تقاضے ابھر آتے ہیں۔ جن کے حل کے لئے تحریری دستور میں کوئی دفعہ نہیں ہوتی۔ بعد میں نئے تقاضوں کے مطابق نئے اصول مرتب کئے جاتے ہیں اور تحریری دستور اساسی میں شامل کئے جاتے ہیں اسی طرح زمانہ کے گذرنے کے ساتھ ساتھ تحریری دستور کے متعلق بہت سی روایات بن جاتی ہیں۔ اسی طرح تحریری دستور بھی قریب قریب غیر تحریری صورت اختیار کر جاتا ہے اسی طرح غیر تحریری دستور بھی بالکل غیر تحریری نہیں کہلا سکتا۔ مثال کے طور پہ انگلستان کا دستور اساسی غیر تحریری کہلاتا ہے لیکن اس کے اکثر حصے تحریری بھی ہیں مثلاً:

a. ACT OF 1911 اور ACT OF SETTLEMENT

تحریری اور غیر تحریری دستور کا موازنہ: تحریری اور غیر تحریری دستور کا موازنہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ تحریری دستور اساسی صاف اور واضح ہوتا ہے۔ کیوں کہ دستور ساز اسمبلی بڑے غور و خوض کے بعد اس کو مرتب کرتی ہے۔

۲۔ تحریری دستور کے الفاظ اور مطالب کا تعین زیادہ آسان ہوتا ہے۔

۳۔ تحریری دستور سے عوام پوری طرح روشناس ہوتے ہیں۔

۴۔ تحریری دستور آئے دن کی تبدیلیوں سے پاک رہتا ہے کیوں کہ تحریری دستور میں طریقہ ترمیم واضح ہوتا ہے۔ اگر کوئی ترمیم یا تبدیلی کرنا مقصود

Marfat.com

ہو۔ تو اس طریقہ ترمیم کی روشنی میں کی جائے گی۔ کسی حکمران طبقے کو اپنی مرضی سے ترمیم کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔

۵۔ حکومت کے تمام شعبوں کے اختیارات اور فرائض واضح طور پر تحریر کرنے چاہئیں جن کی روشنی میں وہ اپنے کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتے ہیں اور کسی قسم کا جھگڑا نہیں ہوتا۔

۶۔ وحدانی طرز حکومت کے لئے تحریری دستور نہایت ہی ضروری ہے گویا اس دستور سے مرکز اور صوبوں کے اختیارات علیحدہ علیحدہ تجویز کر دیئے جاتے ہیں۔

۷۔ عدالتوں کے لئے مقدمات کا فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

نقص: چوں کہ تحریری دستور میں ترمیم آسانی سے نہیں کی جاسکتی بسا اوقات ملکی حالات کے مطابق بروقت ترمیم کرنا مشکل ہو جاتا ہے جس سے ملک کو نقصان پہنچتا ہے۔

غیر تحریری دستور کے فائدے

غیر تحریری دستور کے فائدے حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس دستور میں لچک ہوتی ہے۔ ملکی حالات کے مطابق تبدیلی پیدا کر لینا آسان ہوتا ہے۔

۲۔ اس دستور کا تعلق زیادہ تر رسم و رواج سے ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا قوم کے مزاج سے گہرا رشتہ ہوتا ہے۔

نقصانات: اس کے نقصانات حسب ذیل ہیں:

۱۔ یہ دستور عام قانون اور دستوری قوانین کے درمیان مابہ الامتیاز فرق ظاہر نہیں کرتا۔ اس وجہ سے ملک میں بہت سی خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۲۔ یہ دستور عدلیہ کو وسیع اختیارات دے دیتا ہے۔ جو رسم و رواج اور ملک کی روایات سے نئے نئے قوانین وضع کرتی رہتی ہے۔

۳۔ یہ دستور ملک کے نئے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

۴۔ یہ دستور اس وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب عوام کا سیاسی شعور بہت بیدار ہو۔ اور تحریری دستور کی طرح اس کے تابع چلیں اگر سیاسی شعور نہیں ہوگا تو عوام قانون شکنی کا ارتکاب کریں گے۔

استوار اور لچک دار دساتیر اساسی: عام طور پر استوار دستور اساسی اسے کہا جاتا ہے جس کا تبدیل کرنا مشکل ہو اور لچک دار دستور اساسی اسے سمجھا جاتا ہے جس کا تبدیل کرنا آسان ہو۔ لیکن اس سے پوری وضاحت نہیں ہوتی۔

حقیقت میں استوار (RIGID) دستور اساسی وہ ہوتا ہے جس کی اہمیت ملک کے عام قوانین سے زیادہ ہو۔ قانون ساز کی روزانہ کی نشستیں اس میں ترمیم کرنے کی مجاز نہیں ہوتیں۔ امریکہ اور فرانس کی مجالس قانون ساز روزانہ کی نشست میں صرف عام قوانین پاس کرتی ہیں لیکن دستور اساسی میں کوئی ترمیم نہیں کرسکتیں۔ ترمیم یا اضافہ کرنے کے لئے ایک مخصوص طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ استوار دستور اساسی عموماً تحریری ہوتا ہے۔

استوار دستور کے محاسن: استوار دستور کے محاسن حسب ذیل ہیں:

۱۔ یہ دستور تحریری ہونے کی وجہ سے واضح اور صاف ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے مطالب متعین کرنے آسان ہوتے ہیں اور ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

۲۔ یہ دستور عوام کی آزادی کا محافظ ہوتا ہے۔

۳۔ یہ دستور مستقل بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ معمولی معمولی امور کے لئے اس میں تراہیم و تبدیلی کی گنجائش نہیں ہوتی۔

۴۔ اس دستور میں حکام کے اختیارات اور فرائض واضح کر دیئے جاتے ہیں اس وجہ سے وہ اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرسکتے اور نہ اپنے اختیارات کو ناجائز استعمال کرسکتے ہیں۔

Marfat.com

نقائص : اس کے نقائص یہ ہیں:

۱۔ چوں کہ اس قسم کے دستور میں ترمیم کرنے کے لئے مخصوص طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے اس لئے لبا اوقات ضروری ترمیم کے لئے مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ملک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ اگر کسی ناگہانی حادثہ یا کسی نئے تقاضا کی وجہ سے یہ ضرورت محسوس ہو کہ اس دستور کو حالات کے مطابق ڈھالا جائے تو ایسا کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ لبا اوقات ملک میں ایک انقلاب کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

لچکدار دستور اساسی

یہ وہ دستور اساسی ہوتا ہے جس کی اہمیت ملک کے عام قوانین کے مساوی ہوتی ہے۔ اس میں مجلس قانون ساز اپنی روزانہ کی نشست میں ترمیم کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔

اس کی مثال انگلستان کا دستور اساسی ہے۔ جس طرح وہاں کی پارلیمان عام قوانین پاس کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ ضرورت اور ملک کے حالات کے مطابق دستور اساسی میں ترامیم کر سکتی ہے۔ یہ دستور عموماً غیر تحریری ہوتا ہے۔

محاسن : اس کے محاسن یہ ہیں :

۱۔ اس دستور کو وقت کے تقاضوں کے مطابق آسانی سے ڈھالا جا سکتا ہے۔

۲۔ مملکت میں انقلاب کا خدشہ بہت کم ہوتا ہے کیونکہ دستور کو بروقت عوام کے جذبات کے مطابق کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اس دستور کے ذریعہ عوام کو تدریج حقوق دیئے جا سکتے ہیں، اور

Marfat.com

نظام حکومت میں حصہ لینے کے اہل ہو جاتے ہیں۔

نقائص: اس کے نقائص یہ ہیں:

۱۔ یہ دستور اس وقت تک کامیاب نہیں رہ سکتا جب تک عوام میں تعلیم اور سیاسی شعور نہ ہو۔

۲۔ چوں کہ یہ دستور غیر تحریری ہوتا ہے اس وجہ سے اس میں حکومت کے عام اصول اور قواعد لکھے ہوئے نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے جج اور وکیل اپنی اپنی ضرورت کے مطابق مطلب اخذ کرتے ہیں اور عدل و انصاف کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

۳۔ اس دستور کی ترجمانی کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہوتا اس لیے وقتی جذبات اور ہنگامی جوش کے تحت اس میں ترمیم یا تنسیخ کر دی جاتی ہے جس سے ملک کو خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔

۴۔ چوں کہ اس دستور میں ترمیم کرنا آسان ہوتا ہے اس وجہ سے ایسا دستور سیاسی راہ نماؤں میں کھلونا بن جاتا ہے۔ اپنی مرضی کے مطابق جب چاہیں ترمیم کر لیتے ہیں۔

جمہوری اور غیر جمہوری دساتیر اساسی

جمہوری دستور اساسی وہ کہلاتا ہے۔ جس کی رو سے عوام کو نظام حکومت چلانے میں زیادہ سے زیادہ حصہ ملے۔ وہ اپنے نمائندے مجالس قانون ساز میں انتخاب کر کے بھجوائیں اور حکومت کی مشینری پہ پوری طرح نگاہ رکھیں۔ لنکن کہتا ہے:

> "جس ملک میں جمہوری دستور اساسی ہوتا ہے وہاں کی حکومت کی باگ ڈور مکمل طور پر عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ دستور اساسی سب سے اچھا

Marfat.com

اور مستقل ہوتا ہے جس کی وجہ سے قوم کی ہمدردیاں حکومت کے ساتھ وابستہ رہتی ہیں۔"

غیر جمہوری دستور وہ سمجھا جاتا ہے جس میں نظام حکومت کے چلانے میں عوام کا حصہ بہت کم ہوتا ہے۔ اس قسم کے دستور میں تمام تر اختیارات فرد واحد کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ جس طرح جرمنی میں ہٹلر اور اٹلی میں مسولینی کو حاصل تھے۔

اس قسم کے دستور میں عوام حکومت کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتے نہ وہ حکمرانوں کی پالیسی پر نکتہ چینی کر سکتے ہیں۔ اور نہ مجلس قانون ساز میں اپنے نمائندے منتخب کر کے بھیج سکتے ہیں۔

اس قسم کے دستور کو عوام کی ہمدردیاں حاصل نہیں ہوتیں ملک کی تباہی کا موجب بنتا ہے۔

بنایا ہوا ENACTED اور ارتقائی EVOLVED دساتیر اساسی

بنایا ہوا دستور اساسی وہ ہے جسے کسی مخصوص اور معینہ وقت پر مجلس قانون ساز یا ملک کی کوئی دوسری با اختیار جماعت بنائے۔

ارتقائی دستور وہ دستور کہلاتا ہے جس کو کسی مخصوص جماعت نے معینہ عرصہ میں نہ بنایا ہو۔ بلکہ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں ترمیم اضافہ یا تبدیلی ہوتی رہی ہو۔ اس قسم کے دستور میں ملک کے رسوم و رواج زیادہ تر اثر انداز ہوتے ہیں۔

فردیہ یا وفاقی دستور اساسی

فردیہ دستور اسے کہا جاتا ہے جس کے مطابق تمام اختیارات مرکزی حکومت کو تفویض کر دیئے جاتے ہیں اور صوبائی اور مقامی حکومتیں مرکز کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں۔

Marfat.com

وفاقی دستور اسے کہتے ہیں۔ جس کی رو سے تمام اختیارات مرکز اور صوبائی حکومتوں کے درمیان تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور دونوں ایک حد تک خود مختار ہوتے ہیں۔

دساتیر کی یہ وہ تقسیم ہے جو مفکرین نے کی ہے چوں کہ یہ دساتیر انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں ان میں نقص بھی ہیں اور محاسن بھی۔ لیکن اسلامی دستور اساسی خدا کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ تمام دساتیر عالم کے محاسن کا حامل ہے۔ اور تمام خرابیوں سے مبرّا ہے۔ اس وجہ سے ہر اسلامی ملک کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید پر اپنے دستور کی بنیاد رکھے۔ اس میں مسلمانوں کی ترقی اور فلاح مضمر ہے۔ مسلمانوں کے تنزل کی بڑی وجہ ہی یہ ہے کہ انہوں نے قران مجید کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے دستوروں کو اپنا ملجا و ماوٰے بنا لیا ہے۔

قانون

انگریزی لفظ (LAW) جس کے معنی قانون کے ہیں۔ قدیم جرمن لفظ (LOG) سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں منجمد یا ہموار۔ انگریزی میں یہ لفظ یکسانیت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سائنٹیفک نقطہ نگاہ سے یہ لفظ سبب اور نتیجہ کا تعلق ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً اگر پودے کو پانی نہ دیا جائے تو وہ مرجھا جائے گا۔ پانی نہ دینا سبب ہے، اور مرجھا جانا نتیجہ ہے۔

علم تمدن میں قانون (LAW) اس اصول کو کہتے جس کا تعلق سلطنت سے ہو۔

ارتقائے قانون: جب سے معاشرہ کی بنیاد پڑی ہے۔ اس وقت سے قانون کا اختراع ہوا ہے۔ کیوں کہ افراد اور معاشرہ کا ایک گہرا تعلق ہے

Marfat.com

بلکہ افراد کے بغیر معاشرہ وجود میں ہی نہیں آ سکتا - افراد اور معاشرہ کے باہمی تعلق اور روابط کو منضبط کرنے کے لئے قواعد و ضوابط وضع کئے جانے لگے - معاشرتی روابط کے ان قواعد (قانون) کی تشکیل و تدوین شروع ہوگئی - اس ضمن میں زمانہ قبل مسیح (۲۰۸۴ تا ۲۰۸۱) میں آسریا اور بابل کے بادشاہ کا مجموعہ تعزیرات موسوم بہ "تعزیرات حمورابی" (CODE OF HAMMURABI) اور روما کے احکام دوازدہ (TWELVE TABLES OF ROME) مثال کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں -

تمدنی زندگی کے آغاز میں ہی انسان نے یہ سوچ لیا تھا کہ معاشرتی زندگی بغیر قواعد و ضوابط کے چل نہیں سکتی - ایک پرانا مقولہ ہے:

> "جہاں یہ قانون ختم ہوا وہاں ظلم و جور کا آغاز ہو جاتا ہے"

یہ مقولہ حقیقت اور صداقت پر مبنی ہے - اس وجہ سے جے ہالینڈ کہتا ہے:

> "قانون آزادی کے قلعہ کا دربان ہے - یہ ہر شخص کے حقوق متعین کرتا اور ہر فرد کی آزادی و حریت کی حفاظت کرتا ہے یہ انسان کی آزادی کا ایک زبردست محافظ اور پاسبان ہے اور معاشرے کی بہترین جائے پناہ ہے"

قدیم قانون کے تین مراحل ہیں:

اوّل: پہلا مرحلہ اس دور سے تعلق رکھتا ہے جب دنیا میں عدالتوں کا وجود قائم نہیں ہوا تھا -

دوم: دوسرا مرحلہ اس دور سے تعلق رکھتا ہے جب عدالتیں قائم ہو گئیں اور آئینی قواعد و ضوابط کو رسوم و رواج اور دوسری معاشرتی قیود اور پابندیوں سے الگ کر دیا گیا یہ تبدیلی "زرعی دور" کے آغاز میں رونما ہوئی - اس دور میں قانون کی تنفیذ کے

Marfat.com

لئے ایک باقاعدہ ادارہ قائم ہو گیا اور قانون کی ترقی اور تدوین و تشکیل کے لئے ایک خاص ادارہ وجود میں آیا۔

سوم تیسرا مرحلہ تسوید قانون کا تھا۔ جب عدالتوں کی راہ نمائی کے لئے تعزیری قواعد و ضوابط کے مجموعے تیار ہو گئے تاکہ قانون کی تشریح کا کام آسان ہو جائے۔ اس مرحلہ کی نمائندگی تعزیرات حمورابی اور روما کے احکام دوازدہ کرتے ہیں۔

اس دور کے خاتمہ کے بعد قانون رسمیات (FORMALISM) کے دور میں داخل ہوتا ہے۔ سر ہنری مین لکھتے ہیں کہ:

"قدیم قانون کے منضبط ہونے کے ساتھ ہی اس کی ترقی وارتقا کا خاتمہ بھی ہو گیا"۔ [1]

قانون کے متعلق چند نظریات

قانون کو سمجھانے کے لئے اس کے مختلف نظریات کا مطالعہ ضروری ہے۔

حکمی نظریہ (IMPERATIVE THEORY) کی رو سے قانون ایک حکم ہے جو ایک مقتدر اعلےٰ اپنی رعایا پر نافذ کرتا ہے۔ جان آسٹن قانون کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

"مقتدر اعلےٰ کا حکم قانون ہے"۔

جان آسٹن قانون کو انصاف اور عدل سے الگ رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک قانون صرف ایک حکم ہے۔ رعایا پر یہ فرض ہے اس پر عمل کرے۔ اس حکم کی خلاف ورزی جرم ہے۔ یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔ سر ہنری مین (SIR HENRY MAIN) اور اس کے دوسرے ہم خیال

---

[1] آئینِ قدیم صفحہ ۲۶

Marfat.com

مفکرین نے اس نظریہ پر سخت تنقید کی ہے۔ چنانچہ سر ہنری حکمی نظریہ کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے: "یہ نظریہ حکمی" ان مختلف رسوم و رواج اور روایات کو نظر انداز کر دیتا ہے جو قانون کی قدرت رکھتے ہیں۔ احکامات سے مراد محض احکام صادر کرنے والے کی مرضی ہے بغیر اس پر کوئی حد مقرر کئے ہوئے۔

سالمنڈ کہتا ہے:

"انصاف کا تصور وضع قانون کے لئے لابدی امر ہے" چنانچہ وہ ان الفاظ میں تعریف کرتا ہے۔

"ہم کہہ سکتے ہیں کہ قانون ان اصول و قواعد کے مجموعے کا نام ہے جو ریاست یا مملکت اپنی حکومت میں عدل و انصاف قائم رکھنے کی خاطر منظور کرتی اور نافذ کرتی ہے بالفاظ دیگر قانون ان اصول و قواعد پر مشتمل ہوتا ہے جو عدالت ہائے انصاف کے نزدیک مسلمہ ہو اور جس پر یہ عدالتیں عامل ہوں" [۱]

بعض مفکرین کہتے ہیں کہ تمام قوانین حکم نامے میں شامل نہیں ہوتے بلکہ صرف دعوے ہوتے ہیں چنانچہ وڈ رو ولسن (WOODROW WILSON) کہتا ہے:

"قانون مسلمہ خیال اور عادت کا ایک جز ہے جس نے حکومت کے بنائے ہوئے قواعد و ضوابط کی شکل میں ایک امتیازی اور رسمی شناخت کرلی ہے"

اسی طرح ہالینڈ کہتا ہے:

"انسانی حکومت کا وہ عام اصول جس کا نفاذ مقتدر سیاسی طاقت کرتی ہے قانون کہلاتا ہے"

---

[۱] JURISPRUDENCE 10TH ED. (1948) P:41

Marfat.com

تاریخی نظریہ :(HISTORICAL THEORY)

اس نظریہ کا سرخیل سیلاگنی ہے۔ تاریخی نظریہ کی بنیاد اس امر پر ہے، کہ قانون کا اصل ماخذ نہ تو مقتدر اعلٰے کا حکم ہے اور نہ ہی عوام کے رسم و رواج بلکہ اس کا منبع اچھائی اور نیکی کا وہ فطری احساس ہے جو ہر فرد میں موجود ہوتا ہے۔ فرد ان امور سے دل چسپی لیتا ہے جن سے ان کا براہِ راست واسطہ پڑتا ہے۔ اور وہ خود محسوس کر لیتا ہے۔ کون سی چیز غلط ہے اور کون سی صحیح ہے۔ اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بناء پر ایک نظریہ قائم کر لیتا ہے۔ اسی طرح سوسائٹی کا کوئی فرد بھی ان امور سے متعلق کوئی نظریہ قائم نہیں کرتا۔ جس سے اس کا براہ راست تعلق نہ ہو۔

عمرانی نظریہ :(SOCIOLOGICAL THEORY)

اس نظریہ کا حامی دمویدڈین پاؤنڈ ہے۔ اس نظریہ کی رو سے قانون سوسائٹی میں نظم و ضبط برقرار رکھنے کے لئے وضع کیا جاتا ہے۔ ہماری معاشرتی تنظیم کے لیے قانون ایک لازمی چیز ہے۔ اس کے بغیر نہ تو سوسائٹی کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں اور نہ سوسائٹی میں امن قائم رہ سکتا ہے۔

اخلاقی نظریہ :(ETHICAL THEORY)

علم اخلاق اور علم قانون دونوں کا موضوع انسانی اعمال ہے۔ اور دونوں کی غرض لوگوں کو برائی سے روکنا اور ان کو سیدھی راہ پر چلانا ہے۔ گو علم اخلاق کا دائرہ وسیع ہے اور علم قانون کا دائرہ ذرا تنگ۔ بہر حال قانون کی بنیاد اخلاق ہے۔ اگر قانون سے اخلاقی اقدار کو حذف کر دیا جائے۔ تو قانون بنی نوع انسان کی بہبود و فلاح کی بجائے ضرر رساں بن جائے گا۔ اور معاشرتی زندگی کی عمارت منہدم ہو جائے گی۔ کیوں کہ سماجی زندگی کی خوش حالی کا تعلق قانون سے ہے۔ اس وجہ سے مقننس حضرات قانون کو اخلاق کا لازمہ سمجھتے ہیں۔ اور قانون کی عمارت

Marfat.com

اخلاق پر رکھتے ہیں۔ جس طرح اخلاق انسان کی مادی اور روحانی زندگی کے لئے ضروری ہیں اسی طرح وہ قانون جو اخلاق پر مبنی ہو انسان کی مادی اور روحانی زندگی کا ضامن ہے۔

قانون کی تعریف: قانون سے متعلق نظریات پر بحث کرنے کے بعد انسانی قانون کی تعریف کرنا آسان ہو گئی ہے۔ پس قانون ان قواعد و ضوابط کا نام ہے، جن کے ذریعہ نظام سلطنت چلایا جاتا ہے اور حکومت اور شہریوں کے مابین تعلق استوار کیا جاتا ہے۔ قانون کے ذریعہ حکومت سے لوگوں کو برے کاموں سے روکا جاتا ہے۔ اور سیدھی راہ کی تلقین کی جاتی رہی ہے۔

مادی نقطہ نگاہ سے قانون افراد کی رضامندی سے مرتب کیا جاتا ہے لیکن اسلامی نقطہ نگاہ سے قانون وہ ضمنی قواعد ہیں جو قوم کی طبعی خصوصیات کے مطابق قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں ایک تفصیلی نظام مرتب کیا جاتا ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے قرآن اور سنت رسول کو چھوڑ کر انسان کے بنائے ہوئے ضوابط قانون میں داخل نہیں ہوں گے۔

الٰہی اور انسانی حقوق میں فرق

۱۔ انسانی قانون اس وقت وجود میں آیا۔ جب لوگ خاندان اور قبیلوں میں بٹ گئے، اور افراد نے ایک دوسرے کے حقوق پامال کرنے شروع کر دیئے۔ حفاظت حقوق کے لئے لوگوں نے چند قواعد و ضوابط کی ضرورت محسوس کی۔ خاندان اور قبیلوں کے رسم و رواج نے ان قواعد و ضوابط کے لئے مواد فراہم کیا۔ اس طرح انسانی قانون کی عمارت تعمیر ہونا شروع ہو گئی۔

اس کے برعکس اسلامی قانون کا آغاز اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس دنیا میں بھیجا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ وہ باتیں سکھائیں۔ جو اس دور کے لیے ضروری تھیں۔ پھر وقتاً فوقتاً لوگوں کی ہدایت و راہ نمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ ہر دور اور زمانے کی ضرورت کے مطابق انبیاء علیہم السلام پر قانون نازل کرتا رہا۔ آخر کار یہ قانون رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ہر دور اور زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نازل کیا وہ ایک کامل ضابطہ حیات ہے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا [1]

یعنی آج میں نے تمہارا قانونِ حیات مکمل کر دیا ہے۔ اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔ تمہارا دین اسلام کو ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔

۴۔ انسانی قانون کے لیے کسی فرد واحد یا قوم کی منظوری اور عدالت کا اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی چیز بھی قانون کو حاصل نہ ہو تو اس کی قانونیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی قانون کسی کی منظوری کا محتاج نہیں۔ نہ وہ اس بات کا محتاج ہے کہ عدالت اس پر عمل پیرا ہو۔ اگر قوم اور عدالت اس کو تسلیم نہیں کرتی تو وہ خود مجرم ٹھہرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ [2] پس تو لوگوں کے درمیان اللہ کے

---

[1] المائدہ ۵: ۳ [2] المائدہ ۵: ۴۸

Marfat.com

نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کر اور اس قانون حق کو ترک کر کے جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ۔ [۱] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں، وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ [۲] اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ۔ [۳] اس قانون کی پیروی کر جو تیری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

۳۔ انسانی قانون روحانیت اور تقدس کا کوئی پہلو اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔ جب کہ اسلامی قانون ہر مسلمان کے لئے واجب ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے اس پر ایمان لائے بغیر دائرہ اسلام میں نہیں رہ سکتا۔

۴۔ اسلامی قانون اخلاقی اقدار کی آبیاری کرتا ہے۔ لیکن انسانی قانون کو اخلاقی اقدار سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں انسانی قانون صرف اس وقت حرکت میں آتا ہے۔ جب دوسرے افراد کے حقوق کی پامالی ہو رہی ہو۔ اور نظم حکومت میں کوئی خلل پڑتا نظر آ رہا ہو، مثلاً قوانین مروجہ کی نگاہ میں زنا اس وقت جرم ہے جب عورت پر جبر کیا جائے۔ لیکن اسلامی قانون ہر شکل میں زنا کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ اور اس کے مرتکب کو سزا دیتا ہے۔

---

[۱] المجادلہ ۵۸: ۲۰ [۲] المائدہ ۵: ۴۴ [۳] ہود ۱۱: ۱۰۹

(اسلام کا سیاسی نظام)

Marfat.com

کرتا ہے۔

۵- اسلامی قانون کا ماخذ ذات الٰہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ - لیکن انسانی قانون کا مصدر انسانی دماغ ہے۔

انسانی دماغ جذبات اور ماحول سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے کسی موضوع قانون کے متعلق یہ نہیں کیا جا سکتا کہ ذاتی رجحانات اور تعصبات سے بالاتر ہے۔

۶- انسانی قانون میں نہ تو وحدت ہے اور نہ یکسانی - یہ دونوں چیزیں قانون کے لئے ضروری ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی قانون میں وحدت اور یکسانی پائی جاتی ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ - [1] اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے - جس کا نوح علیہ السلام کو حکم

---

[1] الشوریٰ ۴۲ : ۱۳

دیا گیا، اور جو ہم نے تیری طرف وحی کی۔ اور جس کا ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ دین (قانون) کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

۷۔ انسانی قانون محدود اصول اور قواعد کی شکل میں وجود میں آتا ہے۔ جوں جوں قوم کی ضروریات بڑھتی ہیں اور نئے نئے مسائل سامنے آتے ہیں۔ قانون موضوع میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ نئے اصول اور قواعد بنتے رہتے ہیں۔ گویا قانون موضوع کی ترقی رفتار زمانہ کے ساتھ ہے۔

اس کے برعکس اسلامی قانون کلیات اور قواعد کی صورت میں قرآن مجید میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جو کسی زمانہ میں بھی تبدیل نہیں ہو سکتے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

لا تبدیل لکلمات اللہ [۱] اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔

لیکن ہر زمانہ کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے قواعد کلیہ کی روشنی میں ضمنی قواعد بنائے جائیں گے۔ جن کو آج کل کی زبان میں بائی لاز کہنا چاہیئے۔

۸۔ اسلامی قانون فطرت انسانی کے مطابق خلق کیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

---

[۱] یونس ۱۰: ۶۴

Marfat.com

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا یعنی اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر انسان کو پیدا کیا ہے۔ اس کے برعکس موضوعہ قانون انسان کی طبیعت جذبات رجحانات اور تعصبات کا مرہون منت ہے۔ اس وجہ سے اسلامی قانون ہر قسم کے معائب سے پاک ہے اور موضوعہ قانون انسانی جذبات اور تعصبات کی وجہ سے نقائص سے خالی نہیں۔

Marfat.com

اسلامی قانون کے مصادر

قرآن مجید قرآن مجید تقریباً تئیس سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نجاً نجاً نازل ہوتا رہا۔ قرآن کا نام تکرار کے ساتھ وحی الٰہی میں آیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ؂۱ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا اس کے علاوہ سورۃ یونس آیت ۳۷، ۹۱۔ بنی اسرائیل آیت ۱۰۶ میں لفظ قرآن آتا ہے۔

قرآن یا تو قرأ سے مشتق ہے یا قراءۃ سے یا قرن سے قرءٌ کے معنی ہیں جمع کرنا اس معنی کے لحاظ سے قرآن کو قرآن اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی ہم نے تم پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح بیان کرنے والی ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ یعنی قرآن مجید تمام کتب سماوی کے علوم کا حامل ہے۔

نیز یہ تمام منتشر دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے والا ہے۔ اس میں اتحاد بین الناس کا پیغام ہے ارشاد الٰہی ہے:۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ؂۲ اگر قرأۃ سے مشتق ہو تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی چیز۔ اس معنی کے لحاظ سے قرآن کو اس وجہ سے قرآن کہا گیا ہے۔ کہ جب جبرائیل علیہ السلام وحی قرآن لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے تو پڑھ کر سناتے دوسرا مفہوم یہ ہے۔ کہ یہ کتاب دنیا میں بہت پڑھی جائے گی۔

اگر قران سے مشتق ہو تو قران کے معنی ہیں ملنا یا ساتھ رہنا اس معنی کی رو سے اس کتاب کو قرآن اس وجہ سے کہا گیا ہے۔ یہ کتاب حق اور ہدایت اپنے ساتھ

؂۱ البقرہ ۲: ۱۸۵۔ ؂۲ ۲: ۲۱۳۔

Marfat.com

رکھتی ہے۔ نیز اس کی سورتیں اور آیات اس طرح آپس میں مربوط ہیں۔ کہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور نہ تخالف۔ اور قرآن مجید کے مضامین باہم دیگرے ایسے ملے ہوئے ہیں ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا وہ سب ایک ہی لڑی میں منسلک ہیں۔

نزول قرآن: دعویٰ نبوت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں ریاضت اور عبادت کیا کرتے تھے۔ جب آپؐ کی عمر چالیس سال کی ہوئی آپ غار حراء میں یاد الٰہی میں منہمک تھے۔ دفعتہً وہ منزل مل گئی جس کے لئے برسوں جویاں تھے۔ وہ گوہر نایاب مل گیا جس کے وصول کے لئے مضطرب تھے وہ نشان ہدایت مل گیا جس کے لئے گریاں تھے۔ جبرئیل علیہ السلام وحی نبوت لے کر آئے اور کہا۔ اقراء یعنی پڑھ آپؐ نے فرمایا: ما انا بقاریؐ یعنی میں پڑھا ہوا نہیں ہوں فرشتے نے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا اقراء یعنی پڑھ آپؐ نے پھر وہی جواب دیا ما انا بقاریؐ یعنی میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اور فرشتے نے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا اقراء اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا۔ ما انا بقاریؐ تیسری مرتبہ کے بعد فرشتے نے یہ آیات پڑھیں۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ[1] یعنی تو اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جانفزا پیغام ربانی کو لے کر کانپتے ہوئے گھر آئے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھ پر کوئی کپڑا اوڑھ دو جب ذرا سکون ہوا۔ تو آپؐ نے تمام ماجرا کہہ سنایا اور کہا خشیت علی نفسی۔ یعنی مجھے اصلاح دنیا کی ذمہ داری کے بوجھ سے ڈر لگتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے جواب دیا:

---

[1] ۹۶: ۱ ــ ۵۔

Marfat.com

واللہ لا یخزیک اللہ ابداً انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق۔

یعنی آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں کمزوروں کے بوجھ کو اٹھاتے ہیں۔ ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔

یہ کہہ کر حضرت خدیجہؓ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ حضرت خدیجہؓ کے عم زاد بھائی تھے۔ ورقہ کو تمام ماجرا کہہ سنایا۔ ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس ہے۔ جو حضرت موسیٰؑ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ کاش میں جوان ہوتا۔ جب آپؐ کی قوم آپؐ کو گھر سے باہر نکالنا چاہتی تو میں آپ کی دل وجان سے مدد کرتا۔ آپؐ نے پوچھا کیا میری قوم مجھ کو گھر سے باہر نکال دے گی۔ ورقہ نے جواب دیا ہاں۔

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ وحی رک گئی وہ زمانہ فترۃ الوحی کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ دوسری وحی یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ [1] اے اوڑھنے والے اٹھ اور ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھ اور ناپاکی سے دور رہ۔

اس کے بعد سلسلہ وحی جاری ہو گیا۔ اور کم وبیش تیئیس ۲۳ سال تک جاری رہا۔ قرآن مجید کا نزول ضرورت اور حالات کے مطابق ہوتا۔ کبھی کچھ لوگ خود مسائل چھیڑ دیتے تھے۔ پھر قرآن نازل ہوتا۔ کبھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھے جاتے تو آپؐ وحی کے ذریعہ جواب دیتے کبھی معاشرہ میں ایسے مسائل ابھر آتے جن کا جواب دینا ضروری ہوتا۔ اس طرح قرآن مجید ضرورت کے مطابق آہستہ آہستہ نازل ہوتا رہا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ۔ کافر کہتے ہیں کہ قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اترا اسے اسی طرح سے اترنا چاہیئے تھا تاکہ تیرے دل

---

[1] ۷۴ : ۱ ــ ۵۔

کو ہم تسکین دیں۔ ہم نے اسے ایک ترتیب سے اتارا ہے۔

تدوین وحفاظت قرآن

قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [1] یعنی ہم نے ہی ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ [2] ہمارے ذمہ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہے۔ یہ دونوں آیات ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔

قرآن مجید کی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی حفاظت ہوتی ہے۔

ظاہری حفاظت کے دو طریقے تھے۔ ایک زبانی یاد کرنا۔ دوم کتابت اور یہی دو طبعی اور قدرتی طریقے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی صحابہ سارا قرآن مجید حفظ کر چکے تھے۔ امام سیوطی نے ابو عبیدہ کی کتاب القراء سے نقل کر کے اپنی تصنیف الاتقان میں حفاظ صحابہ کے نام ذکر کئے ہیں۔

مہاجرین صحابہ: حضرت ابو بکرؓ۔ عمر فاروقؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ طلحہؓ۔ سعدؓ۔ ابن مسعودؓ۔ حذیفہؓ۔ حضرت سالمؓ۔ ابو ہریرہؓ۔ عبداللہ بن سائبؓ۔ عبادلہ اربعہ (عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ) عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ۔

انصار: حضرت عبادہؓ بن صامت۔ معاذ ابو حلیمہ۔ مجمع بن جاریہ۔ فضالہ بن عبید۔ مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ابن ابی داؤد نے تمیم الداری اور عقبہ بن عامر کو قاری صحابہ میں سے شامل کیا ہے۔ ابو موسیٰ اشعری نے بھی قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعبؓ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ مشہور قراء میں سے تھے۔

---

[1] ۱۵ : ۹

[2] ۷۵ القیمہ ۱۷ : ۷۵

Marfat.com

ان حفاظ سے صحابہ کرام اور کثیر تابعین نے قرآن مجید پڑھا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عہد رسالت میں ہی کثیر صحابہ نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

پھر صحابہ کرام میں سے حضرت عثمانؓ بن عفان حضرت علیؓ بن ابی طالب۔ حضرت ابی بن کعبؓ۔ حضرت زیدؓ بن ثابت۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود حضرت ابو الدرداؓ اور ابو موسیٰؓ اشعری وہ حضرات ہیں جن سے صحابہ اور تابعین کی بہت بڑی تعداد نے قرآن کی تلاوت کی۔ علامہ سیوطی الاتقان میں طبقات القراء کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابیؓ بن کعب کے سامنے صحابہ کی ایک جماعت نے تلاوت قرآن کی۔ جن میں حضرت ابو ہریرہؓ۔ حضرت ابن عباسؓ۔ حضرت عبداللہؓ بن سائب شامل ہیں۔ اور پھر ان سے تابعین کرام کی ایک بڑی جماعت نے قرآن اخذ کیا [1]۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ عہد رسالت میں بے شمار لوگوں نے قرآن حفظ کر لیا تھا۔ چنانچہ تاریخ سے یہ بات ظاہر ہے۔ ستر قراء تو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اور اس سے قبل ستر قراء رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جام شہادت نوش کر چکے تھے۔

حفظ قرآن کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ قیامت تک جاری رہے گا در حقیقت قرآن مجید کی حفاظت کا دارومدار کتابت کی بجائے حفظ پر ہے۔

چنانچہ علامہ ابن الجزری "النشر" میں رقم طراز ہیں۔ قرآن کی نقل واشاعت کا اصل مدار تو حافظہ پر ہے۔ کہ صحف پر جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔

ومنزل علیک کتابا لا یغسلہ الماء تقرءہ نائما ویقظان ۔ " تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کروں گا۔ جسے پانی بھی نہیں دھو سکے گا۔ آپ سوتے جاگتے اس کی تلاوت کریں گے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حافظہ میں محفوظ رہے گا۔ اور حافظہ کی مدد سے اس کی تلاوت کی جائے گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو قرآن مجید کو حفظ کرنے کا بہت

---

[1] الاتقان جلد ا صفحہ ۱۲۵۔

Marfat.com

شوق دلاتے تھے۔ بخاری کی ایک حدیث میں ہے۔

عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ

یعنی حضرت عثمانؓ سے روایت ہے۔ کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھتا اور سکھاتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو نماز میں امام بناتے جس کو سب سے زیادہ قرآن مجید حفظ ہوتا۔

صحابہ کرام کو قرآن مجید سے بہت شغف تھا۔ مسجد نبوی میں اکثر کثرت سے تلاوت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ زرقانی المناہل میں لکھتے ہیں۔

"مسجد نبوی میں تلاوت قرآن کی وجہ سے بہت شور بپا ہو جاتا حتیٰ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ کچھ پست آواز سے قرآن کی تلاوت کریں۔ تاکہ ایک کو دوسرے کی تلاوت کی وجہ سے غلطی نہ لگ جائے"۔ [۱]

صدر اول میں قرآن مجید کی کتابت کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ عہد نبوی ۔ ۲۔ عہد صدیقی ۔ ۳۔ عہد عثمانی ۔

عہد نبویؐ: قرآن مجید عہد رسالت میں ہی احاطہ تحریر میں آچکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبین وحی مقرر کر رکھے تھے۔ جن کی مجموعی تعداد چالیس کے قریب مذکور ہے[۲] ان میں خلفاء راشدین حضرت امیر معاویہؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ۔ حضرت ثابت بن قیسؓ شامل تھے جب کوئی آیت نازل ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کاتب وحی کو بلاتے اس آیت کو ضبط کتابت میں لانے کا حکم فرماتے تاکہ حفظ صدری کے علاوہ ضبط تحریر میں بھی آجائے۔

محدث حاکم نے مستدرک میں زیدؓ بن ثابت سے روایت کی ہے۔

کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع۔ کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد

---

[۱] البرہان ج ۱ صفحہ ۳۱۳ - [۲] طبقات ابن سعد۔ الطبری۔ السیرۃ الحلبیہ

Marfat.com

میں ہی "رقاع" سے قران جمع کر لیا تھا۔ اس دور میں کاغذ میسر نہ تھا۔ اس لئے باریک اور چوڑے پتھر کی تختیوں۔ شانہ کی ہڈیوں وغیرہ سے کاغذ کا کام لیا جاتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ان "ادوات کتابت" کو خانہ بندی میں محفوظ کر دیا جاتا۔ ان کی نقول دوسرے صحابہ بھی حاصل کر لیتے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو العاص کہتے ہیں۔

جمعت القرآن فقراءت به كل ليلة فبلغ النبي صلى الله عليه وسلم فقال اقراء لا في شهر سلہ یعنی میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں سارا قران جمع کر لیا تھا۔ اور ایک رات میں سارا قران ختم کر ڈالتا تھا۔ آپ کو علم ہوا تو فرمایا ایک مہینہ میں ختم کرو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جن چیزوں پر قران مجید لکھا جاتا تھا حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عسیب کھجور کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے۔ اس میں کافی کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس حصہ کو شاخ سے الگ کر لیا جاتا تھا۔ پھر ان کو خشک کر کے ان پر لکھا جاتا تھا۔

۲۔ لخفہ سفید رنگ کی پتلی پتلی چوڑی تختیاں پتھر سے بنائی جاتی تھیں جن سے کاغذ کا کام لیا جاتا تھا۔

۳۔ کتف۔ اونٹ یا بکری کے شانہ کے پاس کی گول اور چوڑی ہڈی کو کہتے ہیں۔

۴۔ ادیم۔ باریک کھال سے یا غت کے عمل سے تیار ہوتا ہے۔

۵۔ قتب۔ اونٹ کے کجاوہ میں چھوٹی چھوٹی تختیاں استعمال ہوتی تھیں۔ ان کو کہتے ہیں۔

ترتیب سور و آیات: جیسا کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قران مجید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہی مرتب ہو چکا تھا۔ اور قران مجید کی ترتیب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق تھی۔ سب علماء کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ سورتوں میں آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔ اور اس امر پر اجماع ہے جیسا کہ علامہ زرکشی "البرہان" میں اور ابو جعفر بن زبیر "المناسبات" میں ذکر کرتے ہیں۔

سلہ مسند احمد۔

Marfat.com

چنانچہ ابوجعفر لکھتے ہیں۔ "سورتوں میں آیات کی ترتیب تو بلا اختلاف توقیفی ہے۔ اور اس بارے میں امت مسلمہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں۔

"اجماع، نصوص مترادفہ اور علماء کی تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آیات کی ترتیب بہرحال توقیفی ہے۔" [۱]

قرآن مجید خود اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب آیات وسور وحی الٰہی کے تحت کی۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ [۲]

ہمارے ذمہ اس کو جمع کرنا ہے اور اس کا پڑھنا ہے۔ پس جب ہم اس کو پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کی پیروی کر۔ ان آیات میں قرآن مجید کے متعلق دو امور کا ذکر ہے۔ اول قرآن کا جمع کرنا۔ دوم اس کا پڑھنا۔ یہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں قرآن مجید کا پڑھنا بذریعہ وحی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانا۔ اس کے جمع کرنے میں قرآن مجید کو ایک ترتیب میں لانا کیونکہ بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع ممکن نہیں اس سے معلوم ہوا کہ ترتیب قرآن مجید نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے سے کی اور نہ کوئی اسے تبدیل کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ ترتیب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس لئے آپؐ ہر آیت اور ہر سورۃ کے متعلق خود حکم دیتے تھے کہ اسے فلاں موقع پر رکھو۔

دوسری آیت جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ترتیب توقیفی ہے وہ یہ ہے۔

قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً کَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا [۳]

اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں۔ اس پر قرآن سارے کا سارا ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا۔ اسی طرح ضروری تھا تاکہ ہم اس کے ساتھ تیرے دل کو مضبوط کرتے رہیں۔ اور ہم نے اسے اچھی ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ ترتیل کے معنی میں تالیف بھی شامل ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ رتل القران احسن تالیفہ

[۱] راجع الزرکشی ۱، ۲۵۶۔ السیوطی ۱۔ ۶۰، ۶۱۔ [۲] القیامۃ ۷۵: ۱۷، ۱۸۔
[۳] الفرقان ۲۵: ۳۲

Marfat.com

وَرَتِّلْنَاهُ تَرْتِيلًا - یعنی ترتیب کو نہایت عمدہ کیا اور اسے کھول کھول کر اور ٹھہر ٹھہر کر بیان کیا۔ احادیث سے بھی یہ بات ظاہر ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہدایت فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ رکھ دو۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ ابن عفان نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب آیات نازل ہوتی تھیں تو آپ کاتبان وحی کو ارشاد فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ لکھ دو۔ اگر ایک آیت اترتی تو پھر بھی یہی فرماتے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں جگہ لکھ دو۔ [۱]

قرآن مجید کے منظم اور مرتب ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنی فصاحت و بلاغت اور نادر مضامین کی وجہ سے اعلیٰ کلام ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ پھر اس کی مثل بنا لانے کا چیلنج کیا ہے۔ جو کلام نظم اور ترتیب سے خالی ہو، وہ اعلیٰ کیسا ہو سکتا ہے بلکہ وہ پورا کلام بے معنی ہو گا۔

دراصل نظم اور ترتیب ہی قرآن مجید کی اصل جان اور روح ہے اور یہ نظم و ترتیب وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے تحت دی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔ اس بارہ میں علامہ زرکشی نے اختلاف نقل کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس میں علماء کے تین گروہ ہیں۔

۱۔ سورتوں کی موجودہ ترتیب اجتہادی ہے اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کے صحائف مختلف ترتیب پر تھے۔

۲۔ اکثر سورتوں کی موجودہ ترتیب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ جیسے السبع الطوال الحوامیم اور المفصل مگر بعض سورتوں کی ترتیب وضاحت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

۳۔ آیات کی طرح سورتوں کی موجودہ ترتیب بھی توقیفی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سورتوں کی موجودہ ترتیب کے ساتھ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ بات گو کسی قولی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ مگر فعلی روایات اس کی

[۱] ترمذی، ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ ابواب فضائل القرآن۔

Marfat.com

موئید ہیں۔ ؎۱

تیسری رائے صحیح ہے۔ جس کی صحت پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

۱۔ اگر قرآن مجید کی سورتوں کے آغاز اور اختتام پر گہری نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید کی ہر ایک سورۃ کا ایک دوسرے سے گہرا ربط ہے۔ اگر سورتوں کی موجودہ ترتیب کو آگے پیچھے کر دیا جائے تو وہ ربط ختم ہو جائیگا۔

سورۃ بقرہ کا سورۃ فاتحہ سے تعلق:۔ سورۃ فاتحہ میں یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تو سورہ بقرہ کی ابتداء یوں ہوتی ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ گویا یہ اسی دعا کا جواب ہے۔ اور بتایا کہ قران مجید وہ صراط مستقیم ہے۔ جس پر چل کر انسان کمال کو حاصل کر سکتا ہے۔ اس سورۃ میں منعم علیھم اور مغضوب علیھم کا ذکر تفصیل کے ساتھ اور ضالین کا ذکر مجمل طور پر ہے۔

سورۃ بقرہ کا تعلق سورۃ ال عمران کے ساتھ:۔ سورۃ بقرہ اور سورۃ ال عمران کا تعلق نہایت گہرا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق ان دونوں کو الزہراوان کے نام سے پکارا گیا ہے۔

سورۃ بقرہ میں جو باتیں مجمل طور پر بیان ہوئی ہیں وہ سورہ ال عمران میں مفصل بیان کی گئی ہیں سورۃ بقرہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ شروع کیا جو پہلے نبی ہیں اور سورۃ ال عمران کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شروع کیا جو بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔

دونوں سورتوں کی ابتدا اور انتہا میں ایک تعلق نظر آتا ہے۔ سورہ بقرہ کے آغاز میں اصول کامیابی بیان ہوئے ہیں۔ تو ال عمران کا خاتمہ بھی تفلحون پر ہوتا ہے۔ گویا دونوں کا ایک ہی مضمون اور عمود ہے۔ دوسری طرف اگر سورۃ بقرہ کا خاتمہ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ پر کیا ہے۔ تو سورۃ ال عمران کی ابتداء ایک ایسی قوم سے ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ اسلام کا سب سے بڑھ کر مقابلہ ہونا تھا۔ یعنی نصاریٰ۔ آیات اور سورتوں کی ترتیب پر علماء کرام نے کتب لکھی ہیں یہ موضوع

؎۱ البرہان جلد ۱ صفحہ ۲۵۷، ۲۶۰۔

Marfat.com

بہت مشکل ہے اس وجہ سے اس پر بہت کم کتب لکھی گئی ہیں۔

علامہ سیوطی "اتقان جلد دوم" میں لکھتے ہیں۔ علامہ ابو جعفر بن زبیر، شیخ ابوحیان نے ترتیب قرآن پر ایک خاص کتاب لکھی ہے۔ اور اس کا نام "البرہان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن رکھا۔ اور ہمارے ہم عصروں میں سے شیخ برہان الدین بقاعی کی تفسیر نظم الدرر فی مناسبۃ الآی والسور۔ بھی اسی اصول پر لکھی گئی ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے خود بھی ایک کتاب اس موضوع پر لکھی ہے۔ اس کا نام "اسرار التنزیل" ہے۔ اس میں وجوہ اعجاز اور بلاغت کے اسالیب کا بیان بھی شامل ہے۔ علامہ نے اس کتاب کا خلاصہ کر کے سورتوں کے مناسبات کو ایک الگ رسالہ میں جمع کرایا ہے۔ اس کا نام تناسق الدرر فی تناسب السور۔ ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے مایہ ناز عالم مفسر قرآن مولانا حمیدالدین فراہیؒ نے اس موضوع پر رسالہ "نظام القرآن" کے نام سے لکھا ہے۔

۲۔ قرآن مجید لوح محفوظ میں لکھا گیا اور پھر آسمان دنیا پر "بیت العزۃ" میں نازل کیا گیا اس کے بعد تئیس سال کی مدت میں حسب ضرورت نازل ہوتا رہا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم ابتداء ہی سے مرتب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب نزولی کے مطابق کتابت نہیں کروائی۔

۳۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان کے مہینہ میں جبرئیل علیہ السلام سے قرآن کا دور کیا کرتے تھے جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے دو مرتبہ دور کیا۔ واضح ہے کہ یہ دور مرتب ہوا ہوگا۔ سورتوں کی موجودہ ترتیب کے ساتھ آنحضرت نے جبرئیل پر قرآن پیش کیا ہوگا [1]۔

۴۔ ابن ابی شیبہ نے "المصنف" میں سعیدؓ بن خالد سے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "السبع الطوال" کو ایک رکعت میں پڑھا۔ اور یہ بھی کہ آپ المفصل کو ایک رکعت میں جمع کر لیا کرتے تھے۔

۵۔ صحیح بخاری میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] البرہان جلد ۱ صفحہ ۲۵۹۔

Marfat.com

نے سورۃ بنی اسرائیل، الکہف، مریم، طٰہٰ، اور الانبیاء کے متعلق فرمایا۔
انھن من العتاق الاول دھن تلادی۔
اور آپؐ نے موجودہ ترتیب کے مطابق ان سورتوں کے نام ذکر فرمائے۔

۶۔ صحیح بخاری میں روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات ہوتے وقت سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر ہتھیلیوں پر دم کرتے تھے۔

۷۔ ابوداؤد طیالسی میں واثلہؓ بن اسقع سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اعطیت مکان التوراۃ السبع الطول و اعطیت مکان الزبور المئین و اعطیت مکان الانجیل المثانی وفضلت بالمفصل اس حدیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن کی موجودہ ترتیب رسول کریم صلعم سے ماخوذ ہے۔ اس وجہ سے کرمانی "البرہان" میں لکھتے ہیں۔

ترتیب السور ھکذا ھو من عند اللہ و فی اللوح المحفوظ۔ یعنی سورتوں کی موجودہ ترتیب اللہ کی طرف سے ہے۔ اور لوح محفوظ میں بھی اسی طرح تھی۔

ان دلائل قاطع سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ جس طرح آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔ اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔

عہد صدیقی اور تالیف قرآن: قرآن مجید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدون ہو چکا تھا۔ اور بے شمار حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ بے شمار افراد کے پاس قرآن مجید کے مکتوب نسخے موجود تھے۔ امام ابن حزم نے لکھا ہے کہ خلیفہ اول کے زمانہ میں کوئی ایسا شہر نہیں تھا۔ جہاں لوگوں کے پاس کثرت سے قرآن مجید کے مکتوب نسخے نہ ہوں۔ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے مکتوب نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے[1] حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں آیات اور سورہ کو کتابی صورت میں ایک مستند نسخہ مرتب کرنے کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی۔ جب حفاظ لڑائیوں میں کثرت سے

[1] کتاب الفصل فی الملل والنحل۔

Marfat.com

شہید ہو رہے تھے۔ قرآن مجید لکھا ہوا موجود تو تھا لیکن اس کے اجزاء منتشر تھے۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس ضرورت کو محسوس کیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ سے کہا۔ بخاری میں روایت ہے کہ زید بن ثابتؓ نے کہا کہ مجھے ابو بکرؓ نے جنگ یمامہ کے بعد بلوا بھیجا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ عمرؓ بن الخطاب ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو ابو بکرؓ نے فرمایا کہ عمرؓ میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے قرا شہید ہوئے ہیں۔ اور مجھے خطرہ محسوس ہوا ہے کہ اگر اسی طرح دوسری لڑائیوں میں قرا شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن ہاتھوں سے جاتا رہے گا۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ تو میں نے عمرؓ کو جواب دیا کہ ہم اس کام کو کس طرح سرانجام دیں۔ جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو عمرؓ نے کہا۔ خدا کی قسم یہ نہایت ضروری اور بہتر کام ہے اور عمرؓ مجھ سے اس معاملہ میں اصرار اور بحث کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو اس کام کے لئے کھول دیا اور میری بھی وہی رائے ہو گئی ہے جو عمرؓ کی ہے۔

پھر زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

تم جوان اور زیرک ہو۔ ہم تم پر کسی طرح کی تہمت نہیں لگا سکتے۔ نیز تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کاتب وحی تھے۔ لہٰذا تم پورے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے میں لگ جاؤ خدا کی قسم اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کی تکلیف دیتے تو مجھ پر اس قدر گراں نہ گذرتا جتنا قرآن کے جمع کرنے کی ذمہ داری کا بار گراں جس کا انہوں نے حکم دیا۔ میں نے کہا کہ آپ دونوں کس طرح وہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو ابو بکرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم یہی بہتر ہے۔ پس ابو بکرؓ مجھ سے اصرار اور بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس کام کے لئے کھول دیا۔ جس کے لئے ابو بکرؓ اور عمرؓ کے سینوں کو کھول دیا تھا چنانچہ میں قرآن کو کھجور کے درختوں کی چھالوں سے اور پتھر کی تختیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا رہا۔ البتہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ مجھے صرف ابو خزیمہؓ انصاری کے پاس سے ملا۔ اور ان کے سوا کسی اور کے پاس سے وہ مجھے نہ ملا یعنی لقد جاء کم رسول من انفسکم ختم سورۃ براءت تک پس یہ صحیفے ابو بکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے۔

Marfat.com

پھر عمرؓ کے پاس ان کی وفات تک اور پھر حفصہؓ بنت عمر کے پاس [1]

حضرت زیدؓ بن ثابت کی مساعی: حضرت زید بن ثابت نے حضرت ابوبکرؓ سے حکم پا کر تیزی اور مستعدی سے کام شروع کرایا۔ حضرت ابوبکرؓ کی ہدایت کے مطابق ہر آیت یا چند آیات کو قبول کرنے کے لیئے دو گواہوں کی ضرورت تھی۔

حفظ اور کتابت: حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے کہا تھا کہ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جائیے اور جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصہ پر دو گواہ پیش کرے تو وہ حصہ لکھ لیا کرو" [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ کہ دو گواہوں سے حفظ اور کتابت مراد ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ جب تک دو گواہ گواہی نہ دیتے تب تک آپ کسی آیت کو قبول نہ کرتے تھے۔

سخاوی اپنی کتاب جمال القراء میں لکھتے ہیں "مقصد یہ ہے کہ دو گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تحریر کی گئی تھیں [3]۔

حضرت زیدؓ بن ثابت نے جمع و تدوین کا کام ایک سال کی مدت میں مکمل کیا۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے:۔ اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے۔ وہ اولین شخص تھے جس نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کیا" [4]

مصحف کی وجہ تسمیہ:۔ جب قرآن مجید منتشر اجزاء سے اوراق میں جمع ہو گیا۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ سے رائے طلب کی۔ کہ اس مجموعہ کا نام کیا رکھا جائے۔ مختلف لوگوں نے مختلف نام تجویز کیئے۔ آخر کار مختلف تجاویز کے بعد اس کا نام مصحف رکھا گیا۔ چنانچہ علامہ سیوطی "ابن اشتہ" کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔

قال ابو بکر التمسوا له اسما فقال بعضهم
السفر قال ذالك اسم تسميه اليهود فكرهوا
ذلك قال بعضهم المصحف فان الحبشة يسمون مثله

[1] بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن شرح ابن حجر عسقلانی جلد ۹ صفحہ ۸۔
[2] الاتقان جلد ۱ صفحہ ۱۰۰۔ [3] الاتقان جلد ۱ صفحہ ۱۰۰۔ [4] البرہان جلد ۱ صفحہ ۲۳۹۔

Marfat.com

المصحف فاجتمع رأيهم على ان تسمّوه المصحف [1] حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ اس کا کوئی نام مقرر کیجئے۔ بعض نے "السفر" (پیغامات) تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے۔ بعض لوگوں نے "المصحف" نام تجویز کیا۔ یہ نام حبشہ میں رائج تھا۔ اسی پر اتفاق ہو گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے جمع کردہ مصحف پر امت کا اجماع ہو چکا تھا۔ تو اس کے ساتھ اس کی صحت ثابت ہو چکی ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن مجید کو قرائت سبعہ کے مطابق مدون کیا۔ اس اعتبار سے بھی یہ مصحف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جمع شدہ قرآن کے عین مطابق ہے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں تدوین قرآن:۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہولت کے لئے عرب کے ہر قبیلہ کو اپنے لہجہ میں اور رسم الخط میں پڑھنے اور لکھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اختلاف قرأت کی کی وجہ سے نومسلم عجمیوں میں ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوا جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ حضرت امام بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔

"حذیفہ ابن الیمانؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ارمینیہ کی فتح میں اہل شام کے ساتھ اور اذربیجان کی فتح میں اہل عراق کے ساتھ جہاد میں شرکت کی تھی۔ وہاں ان دونوں علاقوں کے مسلمانوں کا قرأت قرآن میں اختلاف دیکھ کر گھبرا گئے۔ پس جب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے تو کہا۔ اے امیر المومنین! اس امت کی خبر لیجئے۔ قبل اس کے کہ وہ کتاب اللہ میں اسی طرح اختلاف کرنے لگیں۔ جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اختلاف کیا۔ تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس صحیفے ارسال کردیں تاکہ ہم ان کی نقلیں مصاحف میں کرلیں۔ پھر آپ کو اصل صحیفے واپس کردیں گے۔ تو حضرت حفصہؓ نے ان صحیفوں کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیج دیا اور حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت عبداللہ

[1] الاتقان جلد ا صفحہ ۸۹۔

Marfat.com

بن زبیرؓ۔ حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارثؓ کو حکم دیا تو ان لوگوں نے اس کو مصاحف میں نقل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے زیدؓ بن ثابت کے سوا بقیہ تینوں قریشی اصحاب سے کہا تھا کہ جب تم لوگ اور زید بن ثابت قرآن کے کسی معاملہ میں اختلاف کرو تو اس کو لغتِ قریش پر لکھنا کیونکہ وہ انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب اصل مسودات مصاحف میں نقل کر لیے گئے تو حضرت عثمانؓ نے اصل صحیفوں کو حضرت حفصہؓ کے پاس بھیج دیا۔ اور جو مصاحف نقل کرائے تھے ان سب کا ایک ایک نسخہ مملکت کے ہر علاقے میں بھیج دیا۔ اور حکم دیا کہ اس کے سوا جس صحیفہ یا مصحف میں قرآن لکھا ہوا ہے۔ اسے جلا دیا جائے۔"[1]

حضرت عثمانؓ نے یہ فیصلہ خود نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے کبار صحابہ کا ایک شوریٰ کا اجلاس بلایا اور اس فتنے کے سدباب کے لئے رائے طلب کی۔ پورے غور و فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ مصاحف کے چند نسخے لکھوا کر مملکت کے دوسرے شہروں میں بھیجے جائیں اور سرکاری طور پر یہ حکم جاری کر دیا جائے۔ کہ ان مصاحف کے علاوہ دوسرے ناقص صحیفوں پر اعتماد نہ کیا جائے۔ اور قرأت انہی مصاحف کے مطابق کی جائے۔

چنانچہ اس فیصلہ کے تحت ۲۴ھ کے اواخر اور ۲۵ھ کے اوائل میں چار حفاظ پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل ہوا جس کے حسب ذیل اراکین تھے۔

۱۔ حضرت زید بن ثابتؓ ۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ ۳۔ حضرت سعید بن العاصؓ۔ ۴۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارث بن ہشام۔

ان میں سے اول الذکر انصاری اور مؤخر الذکر تینوں قریشی ہیں۔ ابن سیرینؒ کی روایت ہیں ہے۔ کہ بورڈ بارہ اراکین پر مشتمل تھا۔ مختلف روایات میں حضرت ابیؓ بن کعب حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص حضرت عبداللہؓ بن عباس۔ حضرت انسؓ بن مالک۔ حضرت مالکؓ بن ابی عامر اور کثیرؓ بن افلح کے نام بھی آتے ہیں۔ اور بعض

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن۔

Marfat.com

روایات میں سعیدؓ بن العاص کی بجائے ان کے چچا ابان بن سعید کا نام بھی آتا ہے۔ اور بعض نے عبداللہؓ بن الحارث بن ہشام المخزومی کا نام بیان کیا ہے۔

اس طرح کاتبین مصحف کی مجموعی تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس بورڈ کے رئیس حضرت زیدؓ بن ثابت تھے۔ اور کاتب سعیدؓ بن العاص۔

اس بورڈ نے مصاحف کے نسخے لکھتے وقت حسب ذیل امور کو ملحوظ رکھا۔

۱۔ یہ تمام نسخے اس وقت مروجہ رسم الخط "الجزم" میں لکھے گئے۔ جسے بعد میں "کوفی" کا نام دیا گیا۔ یہ خط چونکہ نقاط اور اشکال سے خالی ہوتا تھا۔ اس لئے اس میں "حروف سبعہ" کی گنجائش باقی رہی۔

۲۔ اختلاف کی صورت میں قریشی لہجہ اور طرز کتابت کو اختیار کیا گیا۔

۳۔ ان مصاحف میں وہی قرأت لکھی گئی جس کا بعد از تحقیق قرآن ہونا ثابت ہو۔ باقی "قرأت شاذہ" کو ترک کر دیا گیا۔

۴۔ اثبات و حذف اور بدل وغیرہ میں یہ نسخے متفاوت رکھے گئے تاکہ سبعہ قرأت کی گنجائش باقی رہے۔

۵۔ ایک مصحف میں یہ دونوں رسم لین لکھے گئے تاکہ تکرار کا گمان نہ ہو۔

حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف لکھوا کر مختلف ممالک میں ارسال کئے وہ حسب ذیل امتیازات کے حامل تھے۔

۱۔ صرف قرأت متواترہ کو ثابت رکھا گیا۔

۲۔ آیات و سور کی موجودہ ترتیب کا التزام کیا گیا۔

۳۔ اس کی کتابت میں گنجائش رکھی گئی کہ مختلف وجوہ قرأت کی حامل ہو۔

۴۔ بعض صحابہ نے اپنے مصاحف میں بطور شرح ناسخ منسوخ کی وضاحت کے لئے حاشیہ دے رکھا تھا۔ اس کو ساقط کر دیا۔

غیر مسلموں کی شہادتیں:۔ سر ولیم میور دیباچہ حیات محمد میں لکھتا ہے۔

"اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے۔ کہ قرآن اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل و صورت میں محفوظ و مامون ہے۔ جس حالت میں (حضرت) محمد (صلعم) نے اسے دنیا

Marfat.com

کے سامنے پیش کیا تھا" ؎۱

جرمن کے مشہور مستشرق نولڈکی نے لکھا ہے۔

"یورپ کے جن جن مصنفین نے اب تک اس امر کی زبردست کوشش کی ہے کہ قرآن میں تحریف ثابت کریں۔ اپنی سعی اور جدوجہد میں حیرت انگیز طور پر ناکام ثابت ہوئے ہیں" ؎۲

مسٹر ایڈورڈ گبن لکھتے ہیں۔

"قرآن کی بہت سی نقلوں سے وہی اعجاز کا سا نمونہ یگانگت اور عدم قابلیت تحریف کا متن ثابت ہوتا ہے" ؎۳

مس ہیروینس مارگریٹ وان اسٹیفن کا بیان ہے۔

"اگرچہ تمام مذہبی صحائف منزل من اللہ ہیں۔ لیکن صرف قرآن ہی ایک ایسا آسمانی صحیفہ ہے جو تغیر سے محفوظ ہے اور آج بھی اپنی اصلی شکل میں موجود ہے" ؎۴

مسٹر ہارٹ وگ ہرشیفلڈ لکھتے ہیں۔

"دور حاضر کے نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن حکیم کے موجودہ نسخے اس اصلی نسخے کا ہو بہو عکس ہیں، جو زید بن ثابت نے لکھوا۔ قرآن کا متن یقینا وہی ہے جو محمد صلعم نے امت کے حوالہ کیا تھا" ؎۵

پادری عماد الدین ہدایت المسلمین میں لکھتے ہیں۔

"قرآن آج تک وہی قرآن ہے جو حضرت محمدؐ کے عہد میں تھا"

معنوی حفاظت :- اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن مجید کے الفاظ اور ترتیب کی حفاظت کی ہے۔ اسی طرح اس مقدس صحیفہ کو تحریف معنوی سے محفوظ رکھا ہے۔

؎۱ دیباچہ لائف آف محمد صفحہ ۲۵۔ ؎۲ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا زیر لفظ قرآن۔ ؎۳ تاریخ زوال رومتہ الکبریٰ جلد ۶، ب ۵۰ بحوالہ یورپ و قرآن۔ ؎۴ دین فطرت کا چیلنج مصنفہ ایس۔ ایم۔ شریف قریشی صفحہ ۵۰۔

؎۵ New Research in the composition & Exeges of the Quran.

Marfat.com

آئمہ نے قرآن مجید کی اجمالی مقامات کی تفسیر احادیث نبوی کی مدد سے کی اور قرآن مجید کو تحریف معنوی سے محفوظ رکھا متکلمین نے قرآنی تعلیمات کو عقل کے ساتھ تطبیق دے کر فلسفیانہ اعتراضات کے جوابات دئے۔

اعجاز قرآن

قرآن مجید کا بے مثل ہونا قرآن مجید وہ کتاب ہے جس نے ہر پہلو سے بے مثل ہونے کا دعویٰ کیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل ۱۷:۸۸) کہہ دے کہ اگر انس و جن جمع ہو جائیں اور کوشش کریں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو وہ ہرگز ہرگز اس کی مثل نہ بنا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے ظہیر و مددگار بن جائیں۔

سورۃ بقرہ میں منکرین کو صرف ایک سورۃ کے مانند کلام پیش کرنے کا چیلنج دیا ہے ارشاد الٰہی ہے:۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا۔ (سورہ بقرہ ۲:۲۳) اگر تمہیں اس امر میں شک ہو کہ جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے۔ تو تم اس کی مانند کوئی سورۃ بنا لاؤ اور اپنے گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو پس اگر تم نے اس کی مثل پیش نہ کی اور یاد رکھو کبھی نہ کر سکو گے۔

یہ دونوں آیات قرآن مجید کے بے مثل ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔

دلائل اعجاز قرآن مجید کن کن پہلوؤں کے لحاظ سے معجزہ ہے، ان تمام کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ صرف چند ایک پہلوؤں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

Marfat.com

علمی لحاظ سے معجزہ قرآن مجید دقائق علمیہ کا خزانہ ہے۔ جن کو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہیئے۔ قرآنی علوم کو چار موٹے موٹے عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

اول: روحانی علوم:۔ جن میں خدا کی توحید اور اس کی صفات کا علم، تعلق باللہ کا علم، ملائکہ کا علم، مبدا و معاد کا علم، اخلاق فاضلہ کا علم اور عبادات کا علم شامل ہے۔

دوم: معاشرتی علوم:۔ جن میں عمرانیات، علم سیاست، علم اقتصاد، علم قانون، علم تمدن، علم ہندسہ، علم نفس، اور علم مناظرہ شامل ہیں۔

سوم: سائنسی علوم:۔ جن میں فلکیات، علم کیمیا، علم طبیعیات، علم نباتات، علم طبقات الارض، علم الجبال، علم الحیوان، علم ہیئت، علم طبابت شامل ہیں۔

چہارم: علوم لسانیہ:۔ جس میں صرف و نحو اور معانی و بیان کے علوم شامل ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔: وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔ اس آیت میں رطب سے مراد روحانی علوم اور یابس سے مراد بقیہ تمام علوم مراد ہیں۔ دوسری جگہ آتا ہے:۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ہم نے کتاب میں بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ قرآن مجید میں یہ سب علوم خدمت دین کے لئے بطور خارق عادت بیان ہوئے ہیں۔ جن سے بڑے بڑے دقیق مسائل حل کئے جا سکتے ہیں۔ خاص طور پر ہستی باری تعالیٰ ثابت کرنے کے لئے یہ علوم دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔

برکات روحانیہ (ہدایت و رشد) کے لحاظ سے معجزہ قرآن مجید ہدایت و رشد ہونے کے لحاظ سے ایک زبردست معجزہ ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی نہ کوئی کتاب اس کی نظیر بن سکتی ہے۔ خدا نے قرآن مجید کی نسبت کثرت سے تاریخ میں یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید کے نزول سے قبل اہل عرب ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ جن سے قوم کا نجات پانا محال نظر آتا تھا۔ اس گمراہی اور ظلمت کے زمانہ میں قرآن مجید نے عربوں کو ہر قسم کی بدی سے نجات دلا کر با اخلاق اور باخدا انسان بنا دیا۔

موسیو سیڈیو فرانسیسی لکھتا ہے:۔ "اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں۔

Marfat.com

انھوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا، جس کے اثر سے عربوں کی تمام بری اور معیوب عادتوں کی کایا پلٹ ہو گئی"۔ ؎۱

مسٹر ٹامس کارلائل انگلستان کے فاضل اپنی کتاب "لیکچرز آن ہیروز" میں لکھتے ہیں :- "اسلام قوم عرب کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اس کے ذریعہ سے زندہ ہوا"۔

فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ :- قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ اس کا اعتراف نہ صرف مسلمانوں کو ہے۔ بلکہ مخالفین کو بھی ہے۔

نزول قرآن کے وقت عرب میں بے شمار فصیح اللسان خطیب اور شاعر تھے، جن کی زبان آوری مسلمہ تھی۔ سب فصحاء و بلغاء قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے اپنے آپ کو ضعیف اور پست سمجھنے لگ پڑے۔ ان کے بلغاء کو قرآن کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف کرنا پڑا۔ لبیدؓ معلقہ کا شاعر تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے شعر کہنے ترک کر دیئے اور کہا کرتا تھا :- "جب خدا نے مجھے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران سکھائی ہے۔ تو اب مجھے شعر کہنا موزوں نہیں"۔

پاپولر انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے :-

"قرآن کی زبان بلحاظ لفظ عرب نہایت فصیح ہے۔ اس کی انشائی خوبیوں نے اسے اب تک بے مثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔ قرآن مجید اثر ڈالنے، یقین دلانے کی طاقت، فصاحت و بلاغت اور تراکیب و بندش الفاظ میں بے نظیر ہے اور دنیائے سائنس کے تمام شعبوں کی حیرت انگیز ترقی کا باعث"۔ ؎۲

"یہ امر کہ عرب کے بہترین مصنف بھی قرآن کی خوبیوں کے برابر کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہ ہوئے کوئی تعجب کی بات نہیں"۔ ؎۳

؎۱ بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ مولانا عبدالقیوم ندوی صفحہ ۱۷۔

؎۲ ہرشس فیلڈ نیو ریسرچز صفحہ ۹،۸۔

؎۳ Palmer Introduction P-58.

Marfat.com

جارج سیل لکھتا ہے :۔

"قرآن کریم بے شبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور سب سے مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا۔ اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے"

ڈاکٹر موریس فرانسیسی لکھتا ہے :۔

"قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت و بلاغت ہے مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے"

قوت تاثیر کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید کے الفاظ میں خارق عادت تاثیر ہے۔ ارشاد الہٰی ہے :۔

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (قمر) اور یقیناً ان کو (قرآن کے ذریعہ) وہ باتیں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہ ہے یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے۔ مگر ڈرانا کسی کام نہ آیا۔

اس قوت تاثیر سے ڈر کر مخالفین لوگوں کو قرآن مجید کے سننے سے روکتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جب کوئی مسلمان قرآن پڑھ کر سنانے لگے تو شور کرو۔ ارشاد الہٰی ہے :۔ وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون۔ یعنی کفار نے کہا کہ اس قرآن کو سنا نہ کرو۔ اور اس کے پڑھنے کے وقت شور وغل کیا کرو۔ شاید تم غالب آجاؤ۔

حضرت عمرؓ کا اسلام لانے کا واقعہ مشہور ہے۔ کہ وہ گھر سے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے نکلتے ہیں۔ لیکن اپنی بہن کے گھر سے قرآن مجید کی آیات سن لیتے ہیں۔ تو قرآن کی صداقت اور حقانیت کی میخ دل میں گڑھ جاتی ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھ کر باہر نکلتے ہیں۔ سیدھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اشاعت قرآن کا عہد کرتے ہیں۔

Marfat.com

سبعہ معلقہ کا شاعر لبید رضی سورۃ بقرہ کی چند آیات پڑھ کر بے اختیار بول اٹھا کہ خدا اور اس شخص کے سوا جس پر وحی نازل ہوئی ہے۔ کوئی شخص ایسا کلام نہیں کر سکتا اور وہ فوراً دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ جارج سیل مشہور مستشرق نے بھی لبید رضی کے ایمان لانے کے واقعہ کی تصدیق اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں کی ہے۔ خالد رضی بن عتبہ، حضرت عثمان رضی بن مظعون حضرت طفیل رضی بن عمرو اور بے شمار صحابہ تھے، جنہوں نے قرآن کی چند آیات سنیں اور وہ مسلمان ہو گئے۔

جان ریبک جرمن فلاسفر کہتا ہے :-

"جب کہ قرآن پیغمبر کی زبان سے منکر سنتے تھے تو بے تاب ہو کر سجدے میں گر جاتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔"[۱]

جارج سیل لکھتا ہے :-

"قرآن مجید کا طرز بیان عموماً دلکش اور اس میں روانی ہے اور بہت سے مقامات پر خصوصاً اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی عظمت و شان اور جلال کا ذکر ہے۔ اس کا طرز بیان اور بھی دلکش اور شاندار اور بلند پایہ ہے۔ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس قدر کامیاب ہوا۔ اور اس نے اپنے سامعین کے قلوب کو اس قدر مسخر کیا کہ کئی مخالف یہ خیال کرنے پر مجبور تھے کہ یہ گویا کسی جادو یا سحر کا اثر ہے۔"[۲]

عدم اختلاف کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید تئیس برس دکھ اور سکھ کے مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا ہے۔ اور یہ ایک ایسے شخص پر نازل ہوا۔ جو محض امی تھا۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر مختلف حالات زندگی میں سے گزرنا پڑا کہ منصوبہ باز شخص ان حالات میں ایک حالت پر قائم ہی نہیں رہ سکتا، اس کے نظریات اور عقائد بدلتے رہتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وہ وقت آیا جب اپنی قوم کی اصلاح اور بہتری کے لئے غار حرا میں آہ و بکا کیا کرتے تھے۔ پھر چادر نبوت اوڑھ کر میدان عمل میں آ گئے تو چار رحل

---

[۱] بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ عبد القیوم ندوی صفحہ ۶۷۔

[۲] Sale preliminary

طرف سے مخالفت کے بادلوں میں گھر گئے۔ کیا اپنے اور کیا بیگانے سبھی جان لیوا بن گئے۔ آخر کار مکہ معظمہ سے ہجرت کرنا پڑی اور مدینہ چلے گئے۔ ان کے سر پر سعادت کا تاج رکھ دیا گیا۔ ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ ریاست اور صحابہ کی جانوں کی حفاظت کے لئے میدان جنگ میں اترنا پڑا۔ تمام قبائل مخالف ہو گئے۔ مدینہ میں یہود ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے۔ منافقوں کی ایک جماعت بن گئی۔ آپؐ ان پر خطر حالات میں اسلام کی کشتی کو سلامتی کے ساتھ پار اتارنے کے لئے کوشاں رہے۔ آخر وہ وقت آگیا کہ مخالفت کے بادل چھٹ گئے۔ دشمن مغلوب ہو گئے۔

کیا کوئی آدمی یہ بات ذہن میں لا سکتا ہے کہ اس قسم کے مختلف حالات میں انسان ایک ہی حالت پر قائم رہے اور جو وہ کلام پیش کرے اس میں اختلاف نہ ہو۔ یہ انسانی طاقت سے تو باہر ہے۔ ہاں اختلاف سے پاک کلام وہی ہو سکتا ہے۔ جو ایک علیم و خبیر ہستی کی طرف سے نازل ہو۔ قرآن مجید میں بھی منافقوں اور مخالفوں کو مخاطب کر کے کہا ہے:۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ (نساء) پھر کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اور اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور اختلاف پاتے۔

غیب کی خبروں کا اعلان کرنے کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید غیب کی خبروں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے۔ کہ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ جو علیم و خبیر ہے۔ بعض وہ خبریں ہیں۔ جو ماضی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان خبروں کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ بعض وہ خبریں ہیں جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں۔

بائیبل کی تحریف

قرآن مجید نے بائیبل میں تحریف و تغیر کا دعویٰ اس وقت کیا جب دنیا اس علمی حقیقت سے نا آشنا تھی۔ آج دنیا کے تمام محققین نے اس امر کا اعتراف کر لیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ

Marfat.com

یُؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (بقرہ)

پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے اور ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے۔ جو اللہ کے کلام کو سنتا ہے پھر سمجھ لینے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے۔

پادری وہیری اخبار نور افشاں لدھیانہ جلد ۲ نمبر ۲۸ صفحہ ۲۲۳ کالم ۲ مورخہ ۹ جولائی ۱۸۷۸ء میں لکھتا ہے:۔

"جعلی انجیلوں کے موجود ہونے سے ہم ناواقف نہیں ہیں۔ بلکہ جن جعلی انجیلوں کا ہارن صاحب نے اپنی تصنیف میں حوالہ دیا ہے۔ وہ ہمارے پاس بھی موجود ہیں۔ ان کو بعض بدعتی عیسائیوں نے مروج کرنا چاہا تھا مگر وہ اپنے فاسد ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے"

پادری موشیم اپنی تاریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۶۰ء جلد دوم صفحہ ۶۳ پر لکھتا ہے:۔

"متعدد وجوہ ایسے تھے جن کے باعث ضرورت محسوس ہوئی کہ پہلی صدی عیسوی میں تمام مروجہ انجیلوں کو ایک نسخہ میں جمع کر دیا جائے۔ دنیا میں بہت سی ایسی تحریریں پھیل گئی تھیں۔ جن پر پاک پیغمبروں کے نام بطور مصنفین درج کر دئے گئے تھے"

فرعون کی لاش کے متعلق:۔ قرآن مجید نے فرعون موسیٰ کی لاش کے متعلق یہ خبر دی تھی۔ کہ وہ موجود ہے۔ یہ اس زمانہ کی خبر ہے جب کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ فرعون کی لاش محفوظ و مصؤن ہوگی ارشاد الٰہی ہے:۔ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَةً وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ [1] سو آج ہم تیرے بدن کو بچا دیں گے تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشان ہو اور یقیناً بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے بے خبر ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر جو فرعون تھا اس کا نام رعمسیس ثانی تھا۔

---

[1] یونس ۱۰: ۹۲ ۔

Marfat.com

انسائیکلوپیڈیا آف بری ٹینیکا میں مضمون ممی کے تحت لکھا ہے کہ رعمیس ثانی کی لاش مصالحہ کے ذریعہ محفوظ ہے۔

رومیوں اور اہلِ اسلام کا مغلوبیت کے بعد غالب آنا:۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ[1]

رومی مغلوب ہو گئے قریب سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب آجائیں گے پہلے اور پیچھے اللہ کا ہی حکم ہے۔ اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے وہ جس کو چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔ اور وہ غالب رحم کرنے والا ہے۔

ان آیات میں دو پیش گوئیاں بیان کی گئی ہیں۔ ایک اہل روم کی مغلوبیت کے بعد ان کا غالب آنا۔ دوم اہل اسلام کا غالب آنا۔

ایرانیوں اور اہل روم کے درمیان مدت سے مقابلہ چلا آرہا تھا۔ ۶۰۲ء میں وہ عظیم الشان جنگ ہوئی جو خسرو ثانی شاہ ایران نے اہل روم سے کی تھی اور ۶۱۵ء میں ایرانی جرنیل نے دمشق اور یروشلم کو فتح کیا اور رومی شکست کھا گئے۔

ایسے وقت میں یہ پیش گوئی کرنا کہ اہل اسلام زیادہ سے زیادہ نو سال میں غالب آجائیں گے۔ واقعات اور قرائن کے سراسر خلاف تھی۔ ساتھ مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنادی۔ کہ جب رومی ایرانیوں پر نو سال کے اندر غالب آئیں گے، مسلمان بھی مشرکین پر غالب آجائیں گے۔ حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی حالت بہت ہی کمزور ہو گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ایک ہی سال یعنی ۶۲۴ء میں ہرقل نے نہ صرف اپنے مفتوحہ علاقے دوبارہ واپس لئے۔ بلکہ ایران کے اندر داخل ہو کر ان کے بڑے بڑے آتش کدے مسمار کر دئے۔ اور اسی سال جنگ بدر میں مسلمانوں

---

[1] الروم ۳۰: ۲ — ۵

نے کفار پر غلبہ حاصل کیا۔
قرآن مجید پیش گوئیوں سے بھرا پڑا ہے۔ صرف نمونہ کے لئے چند پیشگوئیاں درج کر دی ہیں۔
قوت دلائل کے لحاظ سے معجزہ:۔ قرآن مجید کا نام بینہ ہے۔ جس کے معنی ہیں واضح اور کھلی دلیل۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ[1] یقیناً تمہارے پاس خدا کی دلیل آچکی ہے۔ قرآن پڑھنے والا آسانی سے یہ جان سکتا ہے کہ قرآن مجید ہر دعویٰ کو دلائل و براہین قاطعہ کے ساتھ منواتا ہے۔

خصائص القرآن

قرآن مجید کے دو امتیازی خصائص حفاظت لفظی و معنوی اور اعجاز کا ذکر ہو چکا ہے۔ مزید چند خصائص درج کئے جاتے ہیں۔
اکمل کتاب:۔ قرآن مجید ایک واحد کتاب ہے جس نے مکمل ہونے کا دعویٰ کیا ہے ارشاد الٰہی ہے:۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[2] آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔ تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔
قرآن مجید کے ایک کامل کتاب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کتاب کی تعلیم زندگی کے ہر شعبہ کی رہنمائی کرتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ[3] ہم نے اس کتاب میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔ دوسری جگہ آتا ہے:۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ اور ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو زندگی کے ہر مسئلہ کو بیان کرنے والی اور ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جو فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں۔

---

[1] الانعام ۶: ۱۵۷ [2] المائدہ ۵: ۳ [3] الانعام ۶: ۳۸

Marfat.com

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ" (۹۸ : ۳) یعنی اس قرآن میں بنی نوع انسان کے لئے علوم اولین اور آخرین درج کر دئے ہیں۔

عالمگیر ہونے کا دعویٰ :۔ کسی کتاب نے عالمگیریت کا دعویٰ نہیں کیا۔ ایک تو وجہ یہ ہے کہ تمام سابقہ کتب کسی ایک قوم کی رہنمائی کے لئے آئی تھیں۔ دوم جس زمانہ میں وہ کتب نازل ہوئیں تھیں۔ وہ عالمگیر دعویٰ کا مقتضی نہیں تھا۔ جب قرآن نازل ہوا۔ ایک تو اس نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا۔ دوم وقت بھی اس کا تقاضا کرتا تھا کہ کوئی ایسی کتاب نوع انسانی کی ہدایت کے لئے نازل ہو۔ جو عالمگیر ہو۔ تاکہ تمام نوع انسانی کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ۔ یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے:۔ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ اے رسول ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

قرآن مجید پہلی کتب کی مصدق ہے :۔ قرآن مجید ہی ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جو پہلی آسمانی کتب کی تصدیق کرتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَاٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (بقرہ ۲ : ۴۱) یعنی ایمان لاؤ جو میں نے اتارا اس کی تصدیق کرتا ہے۔ جو تمہارے پاس ہے اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی کتب کی تصدیق ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ (۵ : ۴۸) قرآن مجید پہلی شرائع کا ناسخ ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا۔ (البقرۃ ۲ : ۱۰۶) یعنی جو پیغام ہم نے منسوخ کر دیئے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں۔ تو اس سے بہتر یا اس جیسا لے آتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ یہاں یہود یا شرائع سابقہ کے متبعین مخاطب ہیں اس وجہ سے لفظ آیت سے مراد شرائع سابقہ ہیں۔ لفظ آیت رسالت اور پیغام کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

پہلی کتب کے اجمال کو کھولتا ہے :- پہلی کتب سماوی میں جو اجمال اور ابہام رہ گیا تھا۔ قرآن مجید اس کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے :- وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۰ : ۳۷)
اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا اوروں کا افترا ہو۔ اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور کتاب کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک نہیں جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔

اس آیت میں قرآن مجید کی دو شانیں بیان ہوئی ہیں۔

۱۔ تصدیق بَيْنَ يَدَيْهِ　۲۔ تفصیل کتاب۔

دوسری جگہ آتا ہے :- الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ (۱۵ : ۱) میں اللہ دیکھنے والا ہوں۔ یہ کتاب کی آیات ہیں اور قرآن کی جو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔

قرآن کے ساتھ مبین کی صفت لاکر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ ان تمام باتوں کو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ جو پہلی کتب میں اجمال کے طور پر بیان ہوئی تھیں۔ مثلاً مسئلہ معاد، صفات الٰہیہ، رویت باری تعالیٰ وغیرہ۔

دعویٰ کے ساتھ دلیل :- قرآن مجید کسی دعویٰ کو بغیر دلیل نہیں منواتا۔ اور نہ کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے کرتا ہے۔ اس وجہ سے آغاز میں ہی قرآن مجید نے لَا رَيْبَ فِيْهِ کہہ کر قارئین کی توجہ اس طرف پھیر دی ہے کہ دعویٰ کے ساتھ دلائل و براہین ہوں گے۔ جس کی وجہ سے شک و ابہام کی گنجائش نہیں رہے گی۔ یہ کتاب انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر قسم کے دلائل دیتی ہے۔ تاکہ شک و شبہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ مثلاً قرآن مجید نے اللہ کی ہستی منوائی ہے تو انسانی فطرت کو مدِنظر رکھ کر تین قسم کے دلائل پیش کئے ہیں۔

۱۔ مادی دلیل :- نظام کائنات سے اخذ کی گئی ہے۔

۲۔ داخلی دلیل :- اس دلیل کی بنیاد انسانی فطرت ہے۔ کیونکہ ہر انسان کے

Marfat.com

اندر ایک روشنی ہے۔ جو اس کو بتاتی ہے کہ ایک قادر توانا غالب ہستی ہے جس کے سامنے سر جھکانا چاہیئے۔

۳۔ روحانی دلیل:۔ یہ دلیل وحی الٰہی سے ماخوذ ہے۔ جب انسان نیک راہوں پر چل کر خدا سے مشرف بکلام ہوتا ہے۔

دوسری مذہبی کتب اپنے پیش کردہ دعاوی کے ثبوت کے لئے انسانوں کی محتاج ہوتی ہیں۔

عقائد باطلہ کی تردید:۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ہم نے اس کتاب کو تجھ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ جو عقائد باطلہ ناقص عقلوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ ان سب کو رد کرے۔ ایمان داروں کے لئے ہدایت اور رحمت کا موجب ہے۔

قرآن مجید اسلامی قانون کا اولین ماخذ ہے

تمام امت مسلمہ اس امر پر متفق ہے۔ کہ اسلامی قانون کا پہلا مصدر قرآن مجید ہے۔ اور قانون سازی کرتے وقت اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ [1] حکم (قانون) اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں اسی کا حکم ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت و اطاعت نہ کرو۔ یہی صحیح طریقہ ہے۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ [2] اسی قانون کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اور اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا [3]

---

[1] یوسف ۱۲:۴۰ [2] اعراف ۷:۳ [3] الاحزاب ۳۳:۳۶

Marfat.com

اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کے لیئے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اور اس کا رسول جب کسی معاملہ میں فیصلہ کر دیں تو ان کے لیئے پھر خود اپنے معاملہ میں فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ [1]

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ۔ [2]

اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے۔ تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔

هٰذَا كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ [3]

یہ بابرکت کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے۔ پس اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم پر کیا جائے رحم۔

قرآنی احکام کا نفاذ

قرآن مجید کے احکام کو نافذ کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جو صاحب امر احکام خداوندی کو نافذ نہیں کرتا۔ وہ قابل مواخذہ ہے۔ بنی نوع انسانوں کی اسی امر میں بھلائی ہے۔ کہ وہ معاشرہ میں اسلامی احکام کو نافذ کریں۔ ارشاد الٰہی ہے:۔

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ [4]

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے پس وہی ظالم ہیں۔ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ۔ [5] اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں پس وہ لوگ کافر ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ [6]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ

---

[1] المائدہ: ۴۸۔ [2] النساء ۴: ۵۹ [3] الانعام ۶: ۱۵۵ [4] المائدہ: ۴۵۔
[5] المائدہ: ۴۴۔ [6] المجادلہ آیت ۲۰۔

Marfat.com

ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

قرآنی احکام کو سمجھنے کے لئے چند امور

فقہ اسلام کا اصل ماخذ قرآن مجید ہے۔ جس میں کلیات بیان کئے گئے ہیں اور جزوی قوانین کی تفصیل بہت کم ہے۔ علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

القرآن علی اختصارہ جامع و لا یکون جامعا إلّا والمجموع فیہ امور کلیات [1] قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود ایک جامع کتاب ہے۔ اور جامعیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس میں اصول اور کلیات بیان ہوئے ہوں۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

تعریف القرآن بالاحکام الشرعیۃ اکثرہ کلی لا جزئی و حیث جاء جزئیا فاخذہ لا علی الکلیۃ [2] قرآن کریم میں احکام شرعیہ اکثر کلی طور پر بیان ہوئے ہیں، جہاں جزوی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ وہ کسی حکم کلی کے ماتحت ہیں۔

فقہاء عظام نے قرآن مجید کے اسی حصے سے بحث کی ہے جس کا تعلق فقہی احکام سے ہے۔ قرآن مجید میں آیات احکام بہت زیادہ نہیں۔ ان آیات احکام کے بارہ میں فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض فقہائے نے کہا ہے۔ کہ آیات احکام دو سو سے زیادہ نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ایسی آیات پانچ سو ہیں۔

ان آیات احکام کو سمجھنے کے لئے حسب ذیل باتوں کا جاننا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ ناسخ و منسوخ:۔ یعنی کون سی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ۔

ناسخ و منسوخ کی تشریح و توضیح:۔ نسخ کے دو مفاہیم ہیں۔ ایک تو یہ کہ پہلا حکم بالکل ختم کر دیا جائے۔ دوم حالت کے مطابق پہلے حکم میں کسی قسم کی ترمیم و توضیح کر دی جائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا [3]

---

[1] الموافقات جلد ۳ صفحہ ۳۶۷۔ [2] ایضاً ص ۲۶۶۔ [3] (۲: ۱۰۶)

Marfat.com

ہم اپنے پہلے احکام میں سے کوئی حکم منسوخ نہیں کرتے یا فراموش ہونے نہیں دیتے جب تک اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل نہ کرلیں۔
اس آیت کریمہ میں نسخ سے یہ مراد ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت نے اگر دوسری آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ تو مسلمانوں کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری نہیں رہا مگر قرآن مجید میں جتنے بھی احکام ہیں۔ ان پر اب عمل کرنا ایسے ضروری ہے جیسے جس وقت وہ نازل ہوئے تھے۔
صحابہ کرام نے یہ لفظ اس وقت استعمال کیا، جب کسی ایک آیت نے دوسری آیت کا مفہوم واضح کر دیا۔ تو یہ کہہ دیا جاتا کہ پہلی آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے یا جب کسی ایک آیت سے غلط فہمی پیدا ہوتی تو دوسری آیت غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے نازل ہوتی تو مجازاً اس پر بھی لفظ نسخ استعمال کر دیا جاتا لیکن صحابہ کا مقصد ہمیشہ یہ نہیں ہوتا تھا۔ کہ ایک آیت نے دوسری آیت کو منسوخ کر دیا ہے عموماً صحابہ کے نزدیک نسخ کے معنی تشریح ہوتے تھے۔ صاحب روح المعانی نے بھی نسخ کے معنی مجازی طور پر تشریح یا مفہوم کی وضاحت لئے ہیں۔
پس ایک فقیہ کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک حکم کی تشریح و توضیح دوسرے کس حکم سے ہوئی ہے۔

۲۔ مجمل، مفصل اور مبین الفاظ کا جاننا:۔ مجمل وہ الفاظ ہیں جن کی دلالت واضح نہ ہو۔ داؤد ظاہری نے قرآن مجید میں مجمل الفاظ کا انکار کیا ہے۔
مفصل وہ الفاظ ہیں جن سے معنی مراد کا علم بغیر کسی توضیح کے ہو جاوے۔
مُبَیَّن اور مبیِّن
مُبَیَّن اسم مفعول ہے اور مُبَیِّن اسم فاعل ہے۔
مُبَیِّن وہ الفاظ ہیں جو دوسرے الفاظ کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں اور مُبَیَّن وہ الفاظ ہیں جن کا مفہوم واضح کیا گیا ہو۔

۳۔ عام، خاص، مشترک، مؤوّل الفاظ کا جاننا:۔ عام وہ لفظ جو کثیر افراد کو بیک وقت شامل ہو۔
خاص وہ لفظ ہے جو انفرادی طور پر ایک معلوم معنی کے لئے وضع کیا جائے۔

Marfat.com

مشترک وہ لفظ ہے جو دو یا دو سے زیادہ مختلف الحقیقت معانی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔

مؤول جب کسی وجہ سے ایک معنی کو ترجیح دی جائے تو اسے مؤول کہا جاتا ہے۔

متکلمین کے نزدیک تاویل کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی معنی مسلمات عقلی کے مطابق نہ اترے تو اس کے معنی ظاہر سے پھیر کر باطن یا استعارہ یا مجاز کے رنگ میں بیان کر دئے جائیں۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت بھی مسلمات عقلی کے خلاف نہیں ہے قرآن مجید میں کسی جگہ ایک مضمون مجمل بیان ہوا ہے، تو دوسری جگہ اس کی تفصیل بیان ہو گئی ہے۔

فقیہ کا یہ کام ہے کہ قرآن مجید کے مجمل حصے کو مفصل کی روشنی میں بیان کرے۔

۴۔ مطلق اور مقید آیات کا جاننا:۔ مطلق اس کو کہتے ہیں۔ جو بلا کسی قید کے ماہیت پر دلالت کرے۔

مقید اس حکم کو کہتے ہیں۔ جس وقت کوئی دلیل ایسی پائی جائے جس کے ذریعہ مطلق حکم کو کسی قید میں مقید کر دیا جائے۔

۵۔ حقیقت، مجاز، استعارہ، کنایہ، تشبیہ اور صریح الفاظ کا جاننا:

حقیقت ہر اس لفظ کو کہتے ہیں جو ایک خاص معنی کے لئے وضع ہو۔ اور اسی معنی میں استعمال ہو۔

مجاز: کوئی لفظ اپنے حقیقی معنی چھوڑ کر دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہو۔ لیکن یہ امر ضروری ہے کہ وہاں کوئی باہمی علاقہ ہو۔ بغیر قرینہ اور باہمی علاقہ کے اصل معنی چھوڑ کر دوسرے معنی میں استعمال کرنا درست نہیں۔

استعارہ:۔ استعارہ بھی مجاز کی ایک قسم خاص ہے۔ جس میں علاقہ تشبیہ ہے۔ استعارہ سے کبھی خفی بات کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ کبھی ظاہر کا ایضاح کیا جاتا ہے۔ کبھی مبالغہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

کنایہ:۔ ایسا لفظ ہوتا ہے جس سے اس کے معنی کا لازم مراد لیا گیا ہو۔

۶۔ متعلقات النصوص:۔ علماء نے کلام کے اپنے معنی پہ دلالت کرنے کے لحاظ سے چار طریقے بیان کئے ہیں۔

Marfat.com

عبارت النص۔ اسے کہتے ہیں جس سے یہ بات ظاہر ہوجائے کہ اس کلام سے کیا مراد ہے اور یہ کلام کیوں لایا گیا ہے۔ وہ امر اشارۃً معلوم نہ ہو۔ بلکہ صراحتہً معلوم ہو۔

اشارۃ النص۔ اسے کہتے ہیں کہ الفاظ نص سے ایک مفہوم اشارۃً سمجھ میں آئے اور متکلم نے اس کے بیان کرنے کا قصد نہ کیا ہو۔

دلالت النص۔ کلام میں ایک حکم تو وہ ہوتا ہے جو مذکور ہے۔ دوسرا حکم وہ ہوتا ہے جس سے سکوت اور خاموشی اختیار کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود اہم وہی ہے جس سے سکوت برتا گیا ہے۔

اقتضاء النص۔ وہ ہے جس میں عقل یا حدیث کی بناء پر زیادتی کی جائے اور نص کے معنی اس زیادتی کے بغیر نہ پائے جاتے ہوں۔

۷۔ **متقابلات**:۔ ظاہر نص مفسر محکم۔ اور ان کے مقابل خفی مشکل مجمل متشابہ کلام کی وضاحت کے لحاظ سے چار اقسام ہیں کلام کی یہ وضاحت درجہ بدرجہ بڑھتی جاتی ہے۔

ظاہر۔ اس کلام کو کہتے ہیں جن کے سنتے ہی سامع اس کی مراد سمجھ لے۔

نص۔ اس کو کہتے ہیں جس کے واسطے وہ کلام لایا گیا ہو۔

مفسر۔ اسے کہتے ہیں کہ خود متکلم اپنے کلام کی تفسیر کر دے۔ اور اس میں تاویل اور تخصیص کا احتمال نہ رہے۔

محکم۔ وہ ہے جو مفسر سے زیادہ واضح ہو۔ مفسر اور محکم میں فرق صرف زیادتی قوت اور عدم زیادتی قوت کا ہے۔

کلام کے اخفاء کے لحاظ سے چار اقسام ہیں جن کے معنی میں درجہ بدرجہ اخفا بڑھتا جاتا ہے۔

خفی۔ اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے معنی میں خفا کسی عارضی سبب سے ہو۔ لیکن لفظ کے لغوی معنی میں کچھ خفا نہ ہو۔

مشکل۔ وہ ہے جس میں خفی سے زیادہ اخفاء ہو۔ اور وہ سیاق و سباق اور قرائن پر غور و فکر کرنے سے دور ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

مجمل۔ وہ ہے جس میں غور و فکر کرنے سے بھی اخفا دور نہ ہو سکے بلکہ متکلم کی وضاحت کا محتاج ہو۔

متشابہ۔ وہ اخفا ہے جو نہ غور و فکر سے دور ہو سکتا ہو اور نہ متکلم نے اس کی وضاحت کی ہو۔

قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے اور نہ کوئی لفظ ہے جس کے معانی غور و فکر کرنے سے معلوم نہ ہو سکتے ہوں یا رسول کریم صلعم نے بیان نہ کر دیئے ہوں۔

۸۔ اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ عمل میں لانے کے لئے جو احکام ہیں وہ کس درجہ کے ہیں۔ فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہ اور نہ کرنے کے متعلق جو احکام ہیں ان کی نوعیت کیا ہے حرام، مکروہ وغیرہ۔

سنت اور حدیث

اسلامی قانون کا دوسرا مصدر سنت اور حدیث ہے۔ سنت کے معنی لغت میں طریقہ، قاعدہ، یا کسی کام کا ڈھب یا زندگی کا اسلوب ہے۔ قرآن مجید اور حدیث میں یہ لفظ انہی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:۔ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ یعنی پہلے لوگوں کا طریقہ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ[1] اللہ کا طریقہ ہے ان لوگوں کے بارے میں جو گذر چکے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين یعنی تم پر یہ لازم ہے کہ میرے طریقۂ زندگی کو اختیار کرو۔ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل کو اپناؤ۔

عرب کے لوگ لفظ سنت کو ظہور اسلام سے قبل بھی اسی معنی میں استعمال کرتے تھے۔

اصطلاحی معنی:۔ سنت سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روش ہے۔ جو اپنے اندر تواتر کا رنگ رکھتی ہے۔

---

[1] الاحزاب ۳۳: ۶۲۔

Marfat.com

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام الٰہی پر خود عمل کیا۔ پھر صحابہ نے دیکھ کر وہ کام کیا۔ اس کے بعد نسلاً بعد نسل تواتر کے ساتھ عمل ہم تک پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا ہے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے اس حکم کو اپنے فعل سے بیان کیا کہ فجر کی نماز کیسے پڑھنی چاہیئے۔ ظہر کی نماز کیسے پڑھنی چاہیئے عصر کی نماز کیسے پڑھنی چاہیئے۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں کس طرح پڑھنی چاہئیں۔ پس وہ عملی نمونہ اب تک اس امت میں جاری ہے۔ اسی کا نام سنت ہے۔

حدیث:۔ حدیث کا لفظ تحدیث سے اسم ہے۔ تحدیث کے معنی خبر دینا ہے ظہور اسلام سے پہلے بھی عرب حدیث کے لفظ کو اخبار کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ مثلاً وہ اپنے مشہور ایام کو احادیث کے نام سے موسوم کرتے تھے عربی محاورہ ہے۔ صار حدیثا یعنی فلاں چیز ضرب المثل بن گئی۔

قرآن مجید نے بھی اسی مفہوم میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ [1] تو اس جیسی کوئی بات لائیں۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ [2] اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے یعنی کتاب جس کی باتیں ملتی جلتی دہرائی گئی ہیں۔

بعض علماء کے نزدیک حدیث میں جدت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

اصطلاحی معنی:۔ حدیث سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال ہیں جو راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔

حدیث و سنت کا فرق:۔ پس حدیث اور سنت کے الفاظ مترادف و مساوی نہیں لفظ سنت اپنے اصل لغوی معنی کے اعتبار سے اس دینی عمل پر بولا جاتا ہے۔ جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گامزن رہے۔ لفظ حدیث صرف اقوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بولا جاتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک لفظ حدیث عام ہے اور اس میں آپ کے اقوال اور اعمال سب داخل ہیں بخلاف سنت کے یہ لفظ صرف آپ کے اعمال پر بولا جاتا ہے۔

---

[1] الطور ۵۲: ۳۴ - [2] زمر ۳۹: ۲۳-

Marfat.com

اس فرق کے پیش نظر محدثین یوں کہہ دیتے ہیں۔ ھذا الحدیث مخالف للقیاس والسنۃ والاجماع۔ یعنی یہ حدیث قیاس سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔

یا یوں کہتے ہیں:۔ امام فی الحدیث وامام فی السنۃ وامام فیھما معًا یعنی فلاں شخص حدیث کا امام ہے۔ فلاں سنت کا امام ہے۔ اور فلاں دونوں کا۔

تدوین وحفاظت حدیث:۔ تدوین اور حفاظت حدیث پانچ مختلف ادوار میں سے گزری ہے۔

پہلا دور:۔ عہد رسالت از سلہ بعثت تا سلاھ ہجری مدت ۲۳ سال۔

حدیث کی حفاظت اور تدوین کی اساس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ابلاغ (دوسروں تک زبانی پہنچانا) اور کتابت پر رکھ دی گئی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ الا لیبلغ الشاھد الغائب فلعل من یبلغہ ان یکون اوعی لہ من بعض سمعہ [1] یعنی حاضر غائب کو میری باتیں پہنچا دے۔ بعض وہ لوگ جن تک میرا کلام پہنچایا جائے ہو سکتا ہے وہ ان لوگوں سے زیادہ یاد اور محفوظ رکھنے والے ہوں۔ جنہوں نے مجھ سے سنا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں وفد عبد القیس آیا۔ آپ نے اس کے سامنے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بیان فرمائے اور فرمایا:۔ احفظوہ واخبروا من وراء کم یعنی اسے یاد کرو اور جنہیں تم نے پیچھے چھوڑا ہے۔ ان کو اس کی خبر دو۔

ایک اور موقع پر ابلاغ حدیث کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا واداھا کما سمع [2] اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش وخرم رکھے جس نے میری باتوں کو سنا اور یاد کر کے محفوظ رکھا۔ جس طرح سنا اسی طرح دوسروں تک پہنچا دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی نشر واشاعت کے لئے لکھنے کا

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۴ ۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۸۔

Marfat.com

بھی حکم دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ علم کو مقید کر لو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مقید کرنے کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا: لکھنا۔ ؎١

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ میں جو کچھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا۔ لکھ لیتا تھا تاکہ میں اس کو یاد رکھ سکوں۔ قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا کہ تم ہر وہ بات جو سنتے ہو لکھ لیا کرتے ہو۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خوشی میں کلام فرماتے ہیں اور کبھی غصہ میں۔ تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے انگشت مبارک سے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:۔

"لکھا کرو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کہ اس (منہ) سے حق کے سوا کبھی کچھ نہیں نکلتا"

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے: کہ

"مجھ سے زیادہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کوئی محفوظ نہیں رکھتا تھا۔ سوائے عبداللہ بن عمرو کے۔ کیونکہ وہ لکھ لیا کرتا تھا اور میں نہیں لکھتا تھا" ؎٢

عہد نبوی کا تحریری سرمایہ:۔ عہد نبوی میں حدیث کے تحریری سرمایہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

١۔ احادیث کا وہ ذخیرہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا گیا۔

٢۔ وہ ذخیرہ جو صحابہ کرام نے قلمبند کیا پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تصحیح کی غرض سے پیش کیا۔

٣۔ وہ ذخیرہ جو صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر یا صحابہ کرام سے پوچھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی لکھ لیا۔

؎١ مجمع الزوائد صفحہ ۱۵۲۔ ؎٢ بخاری ۲: ۳۹

Marfat.com

تینوں قسم کے تحریری سرمایہ کے متعلق مختصر لکھا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن حکیم سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر ہمارے قبیلہ جہنیہ کے پاس پہنچی جس میں مختلف احادیث تھیں اور ان میں یہ حدیث بھی تھی کہ مردہ جانوروں کی کھال اور پٹھے بغیر دباغت کے کام میں نہ لاؤ۔[1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تحریر لکھوا کر عمروؓ بن حزم کے ذریعہ اہل یمن کے پاس بھیجی اس میں فرائض سنن اور خون بہا کے متعلق مسائل تھے۔[2]

فتح مکہ کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اس کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ

"ابو شاہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ خطبہ میرے لئے لکھوا دیا جائے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یہ خطبہ ان کو لکھ دیا جائے۔"[3]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لئے کتاب الصدقہ تحریر کروائی تھی۔ لیکن وہ ابھی بھیجی نہیں گئی تھی۔ کہ آپؐ کا انتقال ہو گیا آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے وہ کتاب عاملوں کے پاس بھیجی تھی۔ اس کتاب میں جانوروں کی زکوٰۃ کے متعلق مسائل تھے۔[4]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم کے بادشاہوں اور امراء کو تبلیغی خطوط لکھے۔ جن کا ذکر کتب احادیث میں موجود ہے۔ ایک خط مقوقس شاہ مصر کو لکھوا کر بھیجا گیا۔ یہ خط مصر کے آثار قدیمہ کی کھدائی میں برآمد ہوا تھا۔ وہ آج بھی مصر میں موجود ہے۔ اس کی عبارت کتب احادیث کی روایت سے حیرت انگیز مطابقت رکھتی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کے پاس احادیث کا ایک تحریری مجموعہ تھا۔ حضرت سعید بن ہلال کی روایت ہے کہ جب احادیث کے متعلق ہم لوگ حضرت انس سے زیادہ استفسار کرتے تو حضرت انسؓ ایک چونگا نکال لاتے اور فرماتے :- یہ وہ

---

[1] ترمذی جلد ا صفحہ ۲۰۶۔ [2] شرح معانی الآثار طحاوی جلد ۲ صفحہ ۴۱۷۔
[3] ابوداؤد جلد ۳ باب کتابۃ العلم صفحہ ۵۷ [4] ترمذی جلد ا صفحہ ۷۹۔

Marfat.com

احادیث ہیں جنہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا اور پھر آپؐ کی خدمت میں تصدیق اور توثیق کے لئے پیش کی تھیں۔

صحابہ کرام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھ جاتے اور حدیثیں لکھ لیتے تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی روایت ہے:۔ بینما نحن حول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکتب [1] ہم سب لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ جاتے اور احادیث لکھ لیتے تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی روایت ہے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور کہا میرا خیال ہے کہ میں احادیث کی روایت کروں۔ اگر اجازت ہو تو احادیث یاد کرنے کے ساتھ لکھ بھی لیا کروں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر میری حدیث ہے تو تم کو لکھنے کی اجازت ہے [2]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا لکھ لیا کرتا تھا۔ [3]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اسی تحریری مجموعہ کا نام صادقہ رکھا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے:۔ فاما الصادقۃ فصحیفۃ کتبتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی صادقہ وہ مجموعہ احادیث ہے جس کو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا تھا۔ ما یرغبنی فی الحیوٰۃ الا الصادقۃ

یعنی مجھے دنیا میں صادقہ سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت رافعؓ بن خدیج سے روایت ہے کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ ہم لوگ آپؐ سے بہت باتیں سنتے ہیں اور ان کو لکھ لیتے ہیں۔ اس کے متعلق آپؐ کا کیا ارشاد ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ لکھا کرو۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں [4]

حضرت علیؓ کے پاس ایک لکھا ہوا صحیفہ تھا۔ اس میں خون بہا اسیروں کی رہائی، زکوٰۃ اور دوسرے موضوع سے متعلق احادیث تھیں [5]۔ اور حضرت علیؓ فرمایا

---

[1] دارمی صفحہ ۶۸۔ [2] دارمی صفحہ ۶۷۔ [3] ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۵۶ ۳ [4] کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۲۳ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۶۰۔ [5] بخاری باب، کتاب العلم صفحہ ۲۳۔

Marfat.com

کرتے تھے۔

ما کتبنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا القرآن وما فی ھذہ الصحیفۃ ۔ یعنی ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز نہیں لکھی۔ مگر قرآن کریم اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔

حضرت حسن بن عمرؓ کا بیان ہے۔ کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ میں نے کہا۔ کہ یہ حدیث تو میں نے آپ سے سنی ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے جواب دیا اگر تم نے مجھ سے سنی ہو گی۔ تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہو گی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔ اور مجھ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بہت سی کتابیں دکھائیں۔ تلاش سے میری بیان کردہ حدیث ان کتابوں میں مل گئی۔ تو حضرت ابوہریرہؓ نے کہا۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا۔ کہ اگر وہ حدیث میں نے روایت کی ہو گی۔ تو میرے پاس لکھی ہوئی ہو گی [۱]

ان تاریخی شواہد سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی حفاظت تحریری صورت میں آپؐ کے عہد میں ہی شروع ہو گئی تھی۔

دوسرا دور:۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں احادیث کی کتابت اور عام شہرت شروع ہو گئی۔ صحابہ کرام کے تحریری مجموعوں سے دوسرے لوگوں نے لکھنا شروع کر دیا اور خلفاء نے جو بھی فیصلہ کرنا ہوتا تھا۔ وہ قرآن اور حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس طرح حدیث ایک ہاتھ سے نکل کر عوام کا سرمایہ بن جاتی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی۔ اور اپنے پوتے کے ورثے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں دادی کا حصہ قرآن میں بھی نہیں پاتا اور نہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کا حصہ مقرر کیا ہو۔ پھر آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہؓ اٹھے اور کہنے لگے مجھے معلوم ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دادی کو چھٹا حصہ دیا کرتے تھے۔ آپ نے دریافت کیا کوئی اور بھی گواہ ہے۔ جو یہ شہادت دے کہ میں نے یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۴۸۔

Marfat.com

سے سنی تھی۔

حضرت محمد بن مسلمہؓ اٹھے اور حضرت مغیرہؓ کی تصدیق کی تب حضرت صدیق اکبرؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اس عورت کو اس کے پوتے کا ورثہ دیا۔

عہد فاروقی میں تعلیم حدیث و سنت کا انتظام:۔ حضرت عمرؓ نے احادیث نبوی کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا۔ مملکت اسلامی کے مختلف شہروں میں حدیث کی تعلیم کے لئے جید صحابہ بھیجے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ازالۃ الخفاء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"وچنانکہ فاروق اعظمؓ عبداللہؓ بن مسعود را با جمع بکوفہ فرستاد و معقلؓ بن یسار و عبداللہؓ بن مغفل و عمرانؓ بن حصین را بہ بصرہ و عبادہؓ بن صامتؓ ابو دردا را بشام و بہ معاویہؓ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود۔ قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نہ کنند۔"

"یعنی قرآن اور سنت کی تعلیم کے لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ بھیجا معقل بن یسار اور عبداللہؓ بن مغفل اور عمرانؓ بن حصین کو بصرہ۔ اور عبادہؓ بن صامت اور ابو دردا کو شام بھیجا۔ اور امیر معاویہؓ کو جو اس وقت شام کے گورنر تھے۔ سخت تاکیدی حکم لکھا۔ کہ یہ حضرات جو احادیث بیان کریں ان سے ہرگز تجاوز نہ کیا جائے۔"

حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں تحریر کیا:۔

"میں تمہاری طرف عمارؓ بن یاسر کو امیر بنا کر اور ابن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ ترین صحابہ میں سے ہیں اور بدری ہیں۔ ان کی پیروی کرو۔ اور ان کا حکم مانو عبداللہؓ بن مسعود کو تمہاری طرف بھیج کر میں نے تمہیں اپنے نفس پر ترجیح دی ہے"

(تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی)

علامہ حضری نے تاریخ التشریع الاسلامی میں مذکورہ عبارت نقل کرنے کے

Marfat.com

بعد لکھا ہے:۔ وقد اقام فی الکوفۃ یاخذ منہ اھلھا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو معلمھم وقاضیھم یعنی اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ مدت تک کوفہ میں قیام پذیر رہے۔ اور وہاں کے باشندے ان سے احادیث نبوی سیکھتے رہے۔ وہ اہل کوفہ کے استاد بھی تھے اور قاضی بھی۔

نقل کرنے کا رواج:۔ خلفاء راشدین کے دور میں مکتوبہ نسخوں سے نقل کرنے کا رواج عام ہو گیا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق بشیر بن نہیک کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث کی کتابیں مانگ کر نقل کر لیا کرتا تھا۔ پھر انہیں سناتا تھا۔ اور عرض کرتا کہ ان حدیثوں کو آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ جواب دیتے ہاں۔ [1]

حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ جس زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بینائی کمزور ہو گئی تھی اور وہ خود پڑھ نہیں سکتے تھے۔ اس زمانہ میں طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباسؓ کے پاس لکھے ہوئے حدیث کے چند نسخے لے کر پہنچے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: کہ تم لوگ خود سناؤ اور تمہارا سنانا اور میرا پڑھنا جواز روایت کے لیے دونوں یکساں ہیں۔

اسی خیال کی تائید دارمی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ سعیدؒ بن جبیر ابن عباسؓ کے پاس بیٹھ کر صحیفوں میں حدیثیں لکھتے تھے [2]۔

حضرت انسؓ نے اپنے بچوں کو مخاطب کر کے فرمایا:۔ یا بنی قیدوا ھذا العلم اے میرے بچو! اس علم کو لکھ لو [3]۔

درس و تدریس کا سلسلہ:۔ حدیث کے درس و تدریس کا سلسلہ بڑے بڑے صحابہ کے گھروں پر جاری ہو گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ کے آٹھ ہزار شاگرد تھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت انسؓ بن مالکؓ کے گھر درس گاہیں بنی ہوئی تھیں۔

حصول حدیث کے لیے عام صحابہ کا شوق:۔ صحابہ کرام کو حصول حدیث کا

---

[1] دارمی صفحہ ۶۸ [2] دارمی صفحہ ۶۹ [3] دارمی صفحہ ۶۸۔

Marfat.com

اس قدر شوق تھا کہ اگر کسی صحابی کو یہ علم ہو جاتا کہ فلاں صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی تھی تو اس حدیث کو سننے کے لئے سینکڑوں میل سفر اختیار کرتا اور بالمشافہ جا کر حدیث کی سماعت کرتا۔

حضرت ابو ایوب انصاری نے ایک حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ انہیں اس حدیث کے صحیح الفاظ میں کچھ اشتباہ ہو گیا اس وقت ان کے علاوہ صرف ایک اور صحابی عقبہؓ بن عامر زندہ تھے جنہوں نے وہ حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ اور وہ ان دنوں مصر میں تھے حضرت ابو ایوب مصر کی طرف روانہ ہو پڑے۔

لق ودق صحراؤں اور کٹھن منزلوں کو طے کر کے ایک ماہ کے بعد مصر پہنچے۔ انہیں حضرت عقبہؓ کے گھر کا علم نہ تھا۔ اس لئے پہلے مسلمہؓ بن مخلد انصاری امیر مصر کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں پہنچتے ہی کہا کہ میرے ساتھ ایک آدمی بھیجو جو مجھے عقبہؓ کے مکان تک پہنچا آئے۔ چنانچہ ان کے ہاں پہنچے جب انہیں علم ہوا تو وہ دوڑے دوڑے آئے۔ اور گلے لگا لیا۔ اور تشریف آوری کی وجہ دریافت کی۔ حضرت ابو ایوبؓ نے جواب دیا کہ مومن کی پردہ داری اور عیب پوشی کے متعلق جو حدیث تم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی وہ پوچھنے آیا ہوں۔ عقبہؓ کہنے لگے:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ستر مومنا فی الدنیا علی عورۃ ستر ہ اللہ یوم القیامۃ یعنی میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے دنیا میں کسی مومن کے عیب کو چھپایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کو چھپا دیگا۔

حضرت ابو ایوبؓ نے سن کر تصدیق کی اور فرمایا مجھے اس حدیث کا پہلے علم تھا لیکن مجھے اس کے الفاظ میں اشتباہ ہو گیا تھا۔ اور میں نے پسند نہ کیا کہ تحقیق سے پہلے لوگوں کو یہ حدیث سناؤں۔ ؎۱

حضرت جابرؓ بن عبداللہ کو معلوم ہوا۔ کہ ایک شخص کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ اور وہ شام میں مقیم ہے اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور

؎۱ عینی فتح الباری۔

Marfat.com

شام کی طرف چل پڑے۔ پورے ایک ماہ کے سفر کے بعد شام پہنچے اور اس صحابی کے مکان پر جن کا نام عبداللہ بن انیسؓ تھا گئے۔ حضرت جابرؓ کا نام سنتے ہی وہ باہر آگئے اور ان سے بغل گیر ہوئے۔ حضرت جابرؓ کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔ جو میں نے نہیں سنی اور مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں اس کے سننے سے پہلے ہی فوت نہ ہو جاؤں۔ اس لئے جلدی جلدی آیا ہوں۔

تیسرا دور:- تابعین کا دور ہے۔ اکابر تابعین نے احادیث کی تدریس کے لئے درس گاہیں قائم کر دیں۔ تمام لوگ درس گاہوں کی طرف رجوع کرتے جواہر پارہ دں سے جھولیاں بھر بھر کر واپس وطنوں کو لوٹتے تھے۔

اس دور میں لکھنے کا عام رواج ہو چکا تھا۔ لوگ درس گاہوں میں جاتے حدیثوں کو لکھ لیتے تھے۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے مدینہ کے گورنر ابوبکرؒ بن محمد بن حزم کو لکھا۔ انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء ولا تقبل الا لحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشو العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلک حتی یکون سرا وکذالک کتب الی عمالہ فے امھات المدن الاسلامیۃ بجمع الحدیث۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو نہایت احتیاط و حزم سے لکھ دو مجھے اندیشہ ہے کہیں علم (حدیث) مٹ نہ جائے اور علماء فوت نہ ہو جائیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بغیر کسی کا قول قبول نہ کر۔ چاہیئے کہ علماء علم پھیلائیں مجالس قائم کریں۔ تاکہ جو شخص نہیں جانتا وہ بھی جان جائے۔ کیونکہ علم اگر پوشیدہ ہو جائے (یعنی صرف چند لوگوں کے ہاتھ میں رہ جائے) تو فنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آپ نے مملکت اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں کے والیوں کو حدیث جمع کرنے کے احکام صادر فرمائے۔ عبدالرحمٰنؒ ابن حرملہ نے جب سعیدؒ ابن المسیب سے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی تو انہوں نے لکھنے کی اجازت دے دی۔ [1]

---

[1] جامع بیان العلم جلد ۱ صفحہ ۷۳، نیز تقیید العلم صفحہ ۹۹۔

Marfat.com

امام شعبیؒ تحریر کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:۔
"جب مجھ سے کوئی بات سنو۔ تو اسے لکھ لیا کرو اگرچہ دیوار ہی پر لکھو"[1]
مجاہدؒ بن جبیر مکی لوگوں کو اپنے کمرہ میں لے جا کر کتابیں دکھاتے اور لوگ ان سے حدیثیں نقل کرتے تھے۔[2]
عطاءؒ بن باح خود بھی لکھتے تھے اور دوسروں کو بھی لکھنے کی اجازت دیتے تھے[3]
قتادہؒ بن دعامہ سدوسی سے جو شخص لکھنے کے بارے میں پوچھتا تو اسے فرماتے:۔
"جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ لکھتے ہیں تو مجھے لکھنے سے کون روک سکتا ہے"

چوتھا دور:۔ اس دور میں احادیث کے تحریری مجموعے منظر عام پر آنے شروع ہو گئے سب سے پہلے جس شخص نے حدیث کی کتاب لکھی وہ امام عبدالملکؒ بن عبدالعزیز بن جریج (م ۱۵۰ھ) ہیں۔ بعض کے نزدیک ربیعؒ بن صبیح (م ۱۶۰ھ) نے سب سے پہلے حدیث کی کتاب لکھی۔
ایک اور روایت کی رو سے سعیدؒ بن ابی عروبہ (م ۱۵۶ھ) نے۔
ان محدثین کے سن وفات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کا کتابی صورت میں لکھا جانا دوسری صدی کے نصف کے قریب قریب ہو چکا تھا۔
ان محدثین کے علاوہ حسب ذیل علماء نے علم حدیث کی خدمت سرانجام دی۔
مدینہ میں محمدؒ بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) امام مالکؒ بن انس (م ۱۷۹ھ) کوفہ میں سفیانؒ ثوری (م ۱۶۱ھ) شام میں امام اوزاعیؒ (م ۱۵۶ھ) یمن میں معمر بن راشد (م ۱۵۳ھ) خراسان میں عبداللہؒ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) مصر میں لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ) رے میں جریر بن عبدالحمید۔ واسط میں ہشیمؒ۔ بصرہ میں امام حافظ حماد بن سلمہ بن دینار (م ۱۶۷ھ)

پانچواں دور:۔ پانچواں دور علم حدیث کا سنہری دور کہلاتا ہے۔ جس میں احادیث کی کتابی صورت میں تدوین کی تکمیل ہوئی اہل سنت والجماعت کی چھ معتبر کتب حدیث اسی دور میں مرتب ہوئیں۔

---

[1] تقیید العلم صفحہ ۱۰۰۔ [2] سنن الدارمی جلد ۱ صفحہ ۱۲۸

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

الجامع الصحیح:- اس کتاب کا اصل نام الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ و سنتہ و ایامہ - اس کتاب کے جامع حضرت محمد ابن اسماعیلؒ بخاری ہیں۔ امام بخاری کی ولادت بخارا میں ۱۹۴ھ میں ہوئی بچپن میں والد کا انتقال ہو گیا اور ماں نے تربیت کی۔ دس سال کی عمر میں حدیث یاد کرنا شروع کی۔ اور بچپن میں ہی عبداللہؒ بن مبارک کی تصانیف حفظ یاد کرلیں۔ بخارا میں محمد بن سلام سے، بلخ میں مکی بن ابراہیم سے بغداد میں عفان سے، مکہ میں المقری سے، بصرہ میں ابو عاصم سے، کوفہ میں عبداللہ بن موسیٰ سے، شام میں ابی المغیرہ سے، عسقلان میں آدم سے، حمص میں ابوالیمان سے، دمشق میں ابومسہر سے (رحمتہ اللہ اجمعین) حدیث کا علم حاصل کیا۔ حضرت امام بخاری کا حافظہ بلا کا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھ کو ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ صحابہ اور تابعین جن کی میں نے حدیث قبول کی ہے۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں کہ مجھ کو ان کی تاریخ ولادت جائے پیدائش اور وفات اور وطن کا علم نہ ہو۔ اور جس کسی صحابی یا تابعی کی کوئی حدیث بیان کرتا ہوں۔ میرے پاس اس کی اصل موجود ہوتی ہے [۱]

ستر ہزار سے زیادہ طلباء نے صحیح بخاری آپ سے سُنی سولہ سال کی مدت میں اس کتاب کو تالیف کیا۔ کتاب میں ہر حدیث کو درج کرنے سے پہلے غسل کرتے۔ دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس کتاب کے مسودہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور منبر کے درمیان بیٹھ کر صاف کیا۔

صحیح بخاری میں مکررسمیت احادیث کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو تعداد چار ہزار رہ باقی ہے۔

حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔ "کتاب اللہ کے بعد بخاری اور مسلم صحیح ترین کتب ہیں۔" [۲]

شرائط بخاری:- راوی مسلم ہو۔ صادق ہو۔ مختلط نہ ہو۔ صفت عدالت سے متصف ہو۔ ضابط ہو۔ سلیم الذہن ہو۔ قلیل الوہم ہو۔ صحیح الاعتقاد ہو۔

۲- امام بخاری نے دوسرے محدثین کی طرح کسی ایسے راوی کی حدیث قبول نہیں کی جس کی اپنے شیخ سے ملاقات ثابت نہ ہو۔ امام صاحب صرف ہم عصر ہونا ہی کافی

---

[۱] تاریخ خطیب بغدادی جلد ۲ صفحہ ۸۔ [۲] فتاوی ابن تیمیہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۹۴۔

Marfat.com

نہیں سمجھتے بلکہ دونوں کی ملاقات ضروری خیال کرتے ہیں۔

۳۔ صاحب کشف الظنون نے بخاری کی ۸۲ شروح کا ذکر کیا ہے سب سے زیادہ مشہور ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) کی فتح الباری اور علامہ بدر الدینؒ ابو محمد محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ) کی عمدۃ القاری ہے۔ یہ دونوں شرحیں علماء حدیث کے درمیان متداول ہیں۔ اور ان کے بعد شارحین کے لئے نفع بخش ہیں۔

صحیح مسلم:۔ صحیح مسلم حجۃ الاسلام ابوالحسین حافظ مسلمؒ بن حجاج کی تصنیف ہے امام صاحب کی پیدائش ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ تحصیل علم کے لئے دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں گئے۔

خراسان میں یحییٰ بن یحییٰؒ اور اسحاقؒ بن راہویہ سے رے میں محمد بن مہران ابی حسان مجفیؒ سے عراق میں احمد بن حنبلؒ اور عبداللہ بن مسلم قعنبیؒ سے حجاز میں سعید بن منصورؒ اور ابی مصعب سے مصر میں عمرو بن سوارؒ اور حرملہ بن یحییٰ وغیرہم علماء عظام سے علم حدیث کا درس لیا۔

حصول علم حدیث کے بعد نشر و اشاعت کے لئے مسند درس و تدریس پر متمکن ہوئے۔ اور کثیر التعداد لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ مشہور تلامذہ میں سے ابو حاتم رازی۔ موسیٰ بن ہارون۔ ابو عیسیٰ ترمذی اور ابو بکر بن خزیمہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

امام مسلم نے تین لاکھ احادیث میں سے سات ہزار دو سو پچھتر احادیث صحیحہ کا یہ مجموعہ مرتب کیا۔ اس کی ترتیب میں امام صاحب کو پندرہ سال تک محنت شاقہ کرنی پڑی امام صاحب نے اپنی تالیف میں انہی احادیث کو درج کیا جن کے راوی امام مسلم سے لے کر رسول کریم صلعم تک ہر دور اور ہر طبقہ میں کم از کم دو اشخاص

Marfat.com

ہوں۔ اس کے علاوہ امام صاحب نے راوی کے لئے صرف عادل ہونا ہی ضروری قرار نہیں دیا بلکہ شرط شہادت کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے حافظ ابو علی نیشاپوری صحیح مسلم کے متعلق لکھتے ہیں:۔

ما تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم۔ یعنی روئے زمین پر مسلم سے بڑھ کر اور کوئی کتاب زیادہ صحیح نہیں۔

صحیح مسلم کی صحت اور مقبولیت پر ابو علی زاغونی کا ایک کشف بھی ہے۔ ابو علی کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کونسی چیز آپ کی نجات کا ذریعہ بنی ہے۔ زاغونی نے جواب دیا کہ مجھ کو ان اوراق کے ذریعہ نجات ملی ہے جو میرے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اوراق صحیح مسلم کے تھے۔

امام صاحب کی وفات ۲۶۱ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔

شرحیں:۔ صحیح مسلم کی مشہور شرحیں اکمال المعلم قاضی عیاض۔ منہاج المحدثین فی شرح مسلم بن الحجاج امام نودی اور الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج امام سید طی کی ہیں۔

سنن ابی داؤد:۔ سنن ابی داؤد کے مؤلف ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی ہیں۔ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کی تحصیل میں عراق۔ خراسان۔ شام۔ مصر الجزیرہ۔ حجاز اور دوسرے بلاد اسلامیہ کا سفر اختیار کیا۔ امام بخاری اور امام مسلم کے شیوخ اور اساتذہ مثلاً امام احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ اور قطبہ بن سعید سے حدیث کی سماعت کی۔

حافظ موسیٰ بن ہارون محدث نے فرمایا کہ ابوداؤد دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

امام صاحب کو پانچ لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ انہی میں سے انتخاب کر کے سنن کو مرتب کیا اور چار ہزار آٹھ سو حدیثیں درج کیں۔

جب وہ اس تصنیف سے فارغ ہوئے تو امام احمد بن حنبل کی خدمت میں لے گئے تو امام احمدؒ نے اس مجموعہ کو دیکھ کر بہت پسند کیا۔

ابراہیم حربی نے جو اس زمانہ کے جید محدثین میں سے ہیں۔ سنن ابوداؤد کو دیکھ کر فرمایا: ابوداؤد کے لئے علم حدیث اللہ تعالیٰ نے ایسا نرم کر دیا ہے جیسا حضرت داؤد

Marfat.com

علیہ السلام کے لئے لوہا نرم ہوا تھا۔
ابوداؤد نے اپنی اس کتاب میں صرف وہ حدیث بیان کی ہے جو صحیح ہے یا حسن ہے۔ ابن الاعرابیؒ نے کہا اگر کسی شخص کو کتاب اللہ اور سنن ابی داؤد کا علم حاصل ہو جائے تو یہ معاملات دین میں اس کے لئے کافی ہے۔
امام صاحب کی وفات ۱۶ شوال ۲۷۵ھ میں ہوئی۔
شرحیں:۔ سنن ابی داؤد کی مشہور شرحیں معالم السنن مصنفہ ابوسلیمان احمد بن ابراہیم (م ۳۸۸ھ) اور المنہل العذب المورود فی شرح سنن ابی داؤد، مصنفہ شیخ محمود محمد الخطاب السبکی مصری (م ۱۳۵۲ھ) ہیں۔
جامع ترمذی:۔ جامع ترمذی کے مؤلف حافظ ابوعیسیٰ محمد بن موسیٰ ہیں ۲۰۹ھ میں ترمذ میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کی طلب میں حجاز۔ خراسان۔ بصرہ۔ کوفہ۔ رے۔ واسط اور دوسرے بلاد اسلامیہ کا سفر اختیار کیا۔ امام ترمذیؒ امام بخاری کے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں اور مسلم وابوداؤد اور ان کے شیوخ سے بھی روایت رکھتے ہیں۔
امام صاحب کا حافظہ بلا کا تھا۔ چالیس چالیس حدیثیں ایک دفعہ سن کر یاد کر لیتے تھے۔ زہد و تقویٰ میں بے نظیر تھے۔
شاہ عبدالعزیزؒ نے جامع ترمذی کو چار خصوصیات کی وجہ سے دوسری کتب پر فوقیت دی ہے۔
اول:۔ اس کی ترتیب عمدہ ہے اور تکرار نہیں۔
دوم:۔ اس میں فقہاء کا مسلک اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کا استدلال بھی بیان کیا گیا ہے۔
سوم: اس میں حدیث کے انواع مثلاً صحیح حسن ضعیف۔ غریب معلل بہ علل وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔
چہارم:۔ اس میں راویوں کے نام ان کے القاب اور کنیت کے علاوہ ان امور کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کا علم الرجال سے تعلق ہے۔
امام صاحب کہتے ہیں کہ جب وہ اپنی جامع تالیف کرنے سے فارغ ہوئے

Marfat.com

تو پہلے علماء حجاز کے سامنے پیش کی۔ تو انہوں نے بہت پسند کی پھر علماء عراق کے سامنے پیش کی۔ تو انہوں نے بہت پسند کی۔ پھر علماء خراسان کے سامنے پیش کی تو انہوں نے بہت تعریف کی۔ اس کے بعد میں نے اس کی تشہیر کی۔

امام صاحب نے ۲۷۹ھ میں ترمذ کے مقام پر وفات پائی۔

شرحیں:۔ جامع ترمذی کی مشہور شرحیں عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی مصنفہ قاضی ابوبکر بن العربی مغربی اندلسی اور قوت المغتذی علی جامع الترمذی مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطی ہیں۔

سنن ابن ماجہ:۔ سنن ابن ماجہ کے مولف حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی ہیں۔ ابن ماجہ کے عرف سے مشہور ہیں۔ ماجہ کے بارہ میں علماء اور محققین کا اختلاف ہے بعض اسے حضرت امام صاحب کے باپ قرار دیتے ہیں بعض دادا اور بعض کے نزدیک ان کی والدہ کا نام ہے۔

امام صاحب ۲۰۹ھ میں بمقام قزوین پیدا ہوئے۔ اکیس سال کی عمر تک اپنے وطن میں ہی علم حاصل کرتے رہے آپ نے مشہور اساتذہ ابوالحسن طنافسی۔ ابوبکر قزوینی۔ ہارون بن موسیٰ بن حیان تمیمی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ۲۳۰ھ کے قریب بلاد عربیہ کی طرف سفر اختیار کیا۔ امام صاحب نے علم حدیث کی طلب میں بصرہ۔ کوفہ۔ بغداد۔ دمشق کا سفر اختیار کیا۔

سنن ابن ماجہ بعض علماء حدیث کے نزدیک دو حیثیتوں سے صحاح ستہ میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔

۱۔ حسن ترتیب:۔ اس کتاب میں تمام احادیث کو باب وار اور بلا تکرار درج کیا گیا ہے۔ یہ حسن ترتیب دوسری صحاح میں نہیں پائی جاتی۔

Marfat.com

۲۔ امام صاحب نے اپنی سنن میں ایسی احادیث کو درج کیا ہے۔ جو دوسری صحاح میں نہیں ملتیں۔ بعض صحابہ ایسے بھی تھے جو ایسی روایات بیان کرتے تھے جو دوسروں کو معلوم نہ ہوتی تھیں۔ مثلاً حضرت معاذ بن جبلؓ کا یہی طریقہ تھا۔

سنن ابن ماجہ میں چار ہزار احادیث ہیں۔

سب سے پہلے ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی نے "اطراف الکتب الستہ" میں ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔

امام صاحب نے ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔

شرحیں :۔ سنن ابن ماجہ کی مشہور شرحیں "ماتمس الیہ الحاجۃ علی سنن ابن ماجہ" مولفہ ابن ملقن "مصباح الزجاجۃ علی سنن ابن ماجہ" مصنفہ جلال الدین سیوطی اور انجاح الحاجۃ مصنفہ شیخ عبد الغنی بن سعید مجددی ہیں۔

نسائی :۔ صحیح نسائی کے مؤلف ابو عبدالرحمٰنؒ بن شعیب ہیں۔ امام صاحب کی ولادت ۲۱۴ھ میں مقام نساء خراسان کے ایک مشہور شہر میں ہوئی۔ خراسان، حجاز، عراق، شام اور مصر میں طلب علم کے لئے سفر اختیار کئے۔ سب سے پہلے قتیبہ بن سعید کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حدیث حاصل کیا۔

امام نسائی نے سنن کبیر کے نام سے احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تو امیر وقت نے ان سے دریافت کیا: کیا اس مجموعہ میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا نہیں۔ اس میں صحیح اور حسن دونوں درج ہیں۔ اس امیر نے کہا۔ ان تمام احادیث میں جن کی صحت اعلیٰ درجہ پر ہے میرے لئے وہ احادیث منتخب کر دیجئے۔ تب حضرت امام صاحب نے صحیح احادیث کو الگ کر کے سنن مجتبیٰ مرتب کی اس کا دوسرا نام سنن صغریٰ بھی ہے۔

نسائی میں بخاری اور مسلم کے بعد سب سے کم ضعیف حدیثیں پائی جاتی ہیں۔

Marfat.com

امام صاحب ۳۰۳ھ میں فوت ہوئے۔

شرحیں:۔ نسائی کی مشہور شرح "شرح ابن ملقن" اور زہر الربی مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطی کی ہیں۔

حدیث کی صحت کی کسوٹی کے لئے علماء کے وضع کردہ اصول

علماء اسلام نے صحیح حدیث کی پرکھ اور جانچ پڑتال کے لئے ایسے اصول وضع کر دیئے ہیں جن کی مدد سے جواہرات کو کنکریوں سے جدا کرنا نہایت آسان ہو گیا ہے۔ اصول دو قسم کے ہیں۔

روایتی اصول۔

۱۔ راوی دروغ گوئی میں مشہور ہو۔

۲۔ واضع حدیث نے خود اعتراف کیا ہو۔

۳۔ راوی کا حال اور وہ وقت جب حدیث کو بیان کر رہا ہے۔ اس کے کذب اور افتراء پر قرینہ ہو۔

۴۔ راوی کسی ایسے شیخ سے حدیث بیان کر رہا ہو۔ جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو۔

۵۔ راوی رافضی ہو۔ اور وہ ایسی حدیث بیان کرے جس سے صحابہ کرام کی تنقیص لازم آتی ہو۔ یا اگر راوی خارجی ہو اور ایسی حدیث بیان کرے۔ جس سے اہل بیت کے کسی فرد پر زد پڑتی ہو۔

۶۔ اگر اس قسم کی حدیث ہے کہ اس کا جاننا اور اس پر عمل پیرا ہونا سب پر لازمی ہے اور اس کا راوی صرف ایک ہی شخص ہو۔

درایتی اصول۔

۱۔ حدیث صریحاً نصوص قرآنی کے مخالف نہ ہو۔

۲۔ حدیث کا متن ایسے معنی پر مشتمل نہ ہو۔ جو بدیہیات کے خلاف ہو، مثلاً نوح کے سفینہ نے بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کیا اور مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی۔

۳۔ کوئی حدیث متواتر سنت اور حدیث سے ٹکراتی نہ ہو۔

۴۔ عقل کے خلاف نہ ہو۔ یا شرع کے مقتضیٰ کے مخالف نہ ہو۔

Marfat.com

۵۔ چھوٹے چھوٹے اعمال کے بدلہ میں بہت بڑے ثواب کی امید نہ دلائی گئی ہو اور معمولی لغزش پر سخت وعید اور دھمکی نہ سنائی گئی ہو۔
۶۔ حدیث کے الفاظ رکیک اور غیر فصیح نہ ہوں۔
۷۔ حدیث کا متن رسول کریم صلعم کے زمانہ کے مشہور تاریخی واقعات کے خلاف نہ ہو۔
۸۔ اوہام پرستی کی ترغیب نہ ہو۔
۹۔ حدیث کے معانی ایسے نہ ہوں جو شان نبوت اور وقار رسالت کے منافی ہوں۔
۱۰۔ کسی کے مناقب و فضائل میں غلو سے کام نہ لیا گیا ہو۔
۱۱۔ واقعات و مشاہدات کے خلاف نہ ہو۔
۱۲۔ مسلمہ اصول کے منافی نہ ہو۔
۱۳۔ تعامل صحابہ کے خلاف نہ ہو۔
۱۴۔ ایسی پیش گوئیاں نہ ہوں جن میں سال اور ماہ کا تعین ہو۔

اسلامی قانون میں حدیث کی اہمیت

قرآن مجید میں بے شمار ایسی آیات پائی جاتی ہیں۔ جن سے یہ واضح معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اسلامی قانون کا ماخذ ہے۔

قرآن کی تفسیر:۔ قرآن مجید میں دو قسم کی آیات ہیں۔ محکمات اور متشابہات۔ محکمات آیات سے مراد وہ آیات ہیں جن کی تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں۔ اور متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں۔ جن کی تشریح کی ضرورت ہے۔ حدیث انہی متشابہات کی تفسیر ہے۔

نماز کی ہیئت اس کی رکعات اور اس کے اوقات وغیرہ۔ اسی طرح زکوٰۃ کا نصاب وغیرہ جاننے کے لئے حدیث ضروری ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ [1] اور ہم نے تیری طرف قرآن نازل کیا ہے تاکہ تو اس کی تعلیم کی تشریح کر دے جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

---

[1] النحل ۱۶: ۴۵۔

Marfat.com

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ انی اوتیت الکتاب ومثلہ یعنی مجھے کتاب اور اس کی مثل بھی دی گئی ہے۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ اور مثل سے مراد حدیث ہے۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں:۔ فکان السنۃ بمنزلۃ التفسیر والشرح لمعانی احکام الکتاب [1] پس حدیث قرآن مجید کے احکام کی تفسیر اور شرح ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔ " آئمہ کے اقوال حدیث نبوی کی تشریح و توضیح ہیں اور جملہ احادیث قرآن کی شرح ہیں" [2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عمرانؓ بن حصین نے ایک شخص کو مخاطب ہو کر فرمایا۔

تم احمق آدمی ہو۔ کیا قرآن میں یہ لکھا ہے کہ نماز ظہر کی چار رکعتیں ہیں اور ان میں قرأت جہراً نہیں ہے۔ پھر نماز اور زکوٰۃ کے بعض احکام و مسائل ذکر کئے۔ اور اس آدمی سے پوچھا کہ آیا قرآن میں یہ مسائل تفصیلاً مذکور ہیں؟ قرآن نے ان احکام کو مجملاً بیان کیا ہے۔ حدیث نے ان پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے [3]

قرآن مجید میں اطاعتِ رسولؐ کی تاکید

قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [4] یعنی رسول جو کچھ تمہیں دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے۔ اس سے رک جاؤ۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [5] جس نے رسول کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اس آیت کریمہ میں رسول کی اطاعت کو

---

[1] الموافقات صفحہ ۱۰۔ [2] قواعد التحدیث صفحہ ۳۳۔ [3] الموافقات جلد ۴ صفحہ ۲۶۔ [4] ۵۹: ۷۔ [5] النساء ۴: ۸۰۔

Marfat.com

اللہ کی اطاعت کے مترادف قرار دیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [1]

یعنی تمہارے لئے اللہ کے رسول میں عمدہ نمونہ ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ [2]

کسی مومن مرد و عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو انہیں کوئی اختیار باقی رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان :- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حدیث اسلامی قانون کا مستقل ماخذ ہے۔

بخاری میں روایت ہے :- انی تركت فيكم امرين ان تمسكتم به لن تضلوا كتاب الله وسنتي یعنی میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک تم انہیں تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ اللہ کی کتاب اور میری سنّت ہے۔

اس حدیث کو ابن عبد البر نے جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۰ پر عبد اللہ بن عمرو بن عوف سے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے یہی حدیث حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابن عباس کے واسطے سے یہ فرمان نقل کیا ہے۔

صحابہ کا طرز عمل | رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام حدیث اور سنت کو اسلامی قانون کا مستقل ماخذ سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل قانون کے بارے میں منقول ہے۔

كان ابوبكر اذا ورد عليه حكم نظر في كتاب

---

[1] الاحزاب ۳۳ : ۲۱ - [2] الاحزاب

Marfat.com

اللہ تعالیٰ فان وجد فیہ ما یقضی بہ قضی بہ وان لم یجد فی کتاب اللہ نظر فی سنۃ رسول اللہ فان وجد فیہا ما یقضی بہ قضی بہ فان اعیاہ ذلک سأل الناس ہل علمتم ان رسول اللہ قضی فیہ قضاءً فربما قام الیہ القوم فیقولون قضی فیہ بکذا وکذا[۱]

حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جب کوئی قانونی معاملہ آتا تو پہلے وہ قرآن کریم میں اس کا حل تلاش کرتے۔ اگر وہاں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ صادر فرما دیتے۔ اگر وہاں سے حل نہ ملتا۔ تو سنت کی طرف رجوع کرتے۔ اگر وہاں سے کوئی حل مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ اگر نہ ملتا تو لوگوں سے دریافت کرتے۔ کہ اس بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ کیا ہے۔ بسا اوقات کچھ لوگ کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔ سیاتی قوم یجادلونکم بشبہات القرآن فخذوہم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ[۲]

آئندہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآنی شبہات میں تم سے جھگڑا کریں گے۔ ایسی صورت میں سنتوں کے ذریعہ ان پر حجت قائم کرنا کیونکہ اصحاب سنن اللہ کی کتاب کو زیادہ جانتے ہیں۔

آئمہ کا طرز عمل:۔ فقہاء نے ہمیشہ سنت کو اسلامی قانون کا ماخذ قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: لولا السنن ما فہم احد منا القرآن[۳] اگر سنتیں نہ ہوتیں تو ہم میں سے کوئی قرآن حکیم کا فہم نہ حاصل کر سکتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔

اجمع المسلمون علی ان من استبان لہ سنۃ عن رسول اللہ لم یحل لہ ان یدعہا بقول احد[۴] مسلمانوں کا اس بات پر اجماع

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۴۸۔ [۲] مقدمہ المیزان از اسلامی قانون نمبر جلد ا صفحہ ۳۰۵۔

[۳] مقدمۃ المیزان از اسلامی قانون نمبر صفحہ ۳۰۸۔ [۴] اعلام الموافقین جلد ۲ - ۲ -

Marfat.com

ہے کہ جب کسی پر رسول اللہ کی سنت واضح ہو جائے تو پھر اس کے لئے کسی کے قول کی وجہ سے اس کو ترک کر دینا جائز نہیں ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔ کل ما وافق الکتاب والسنۃ فخذوہ وکل مالم یوافقہ والسنۃ فاترکوہ [۱] ہر وہ چیز جو کتاب اور سنت کے موافق ہو۔ اسے قبول کر لو۔ اور جو مخالف ہو اسے ترک کر دو۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:۔ من رد حدیث رسول اللہ فھو علی شفا ھلکۃ [۲] جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کر دیا وہ ہلاکت کے کنارے پر کھڑا ہے۔

تدوین فقہ کے لئے حدیث سے متعلق چند باتوں کا جاننا ضروری ہے

تدوین فقہ کے لئے حدیث اور سنت کے حسب ذیل معلومات ضروری ہیں۔

۱۔ ناسخ ومنسوخ۔

۲۔ مجمل ومفسر۔

۳۔ خاص وعام۔

۴۔ محکم ومتشابہ۔

۵۔ احکام کے درجے مثلاً وجوب۔ مندوب۔ مباح وغیرہ۔

۶۔ عہد نبوی کے سیاسی۔ معاشی اور معاشرتی حالات پر گہری نظر ہونا ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

ان کنت ترید النظر فی معانی شریعۃ رسول اللہ فتحقق اولا حال الامیین الذین بعث فیھم التی ھی مادۃ تشریعہ وثانیا کیفیۃ اصلاحہ لھا بالمقاصد المذکورۃ فی باب التشریع والتیسیر واحکام الملۃ [۳] اگر تم رسول کریم صلی اللہ

---

[۱] جامع اہل العلم از اسلامی قانون نمبر۔ [۲] کتاب المناقب لابن جوزی۔

[۳] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا صفحہ ۱۲۳۔

Marfat.com

علیہ وسلم کی شریعت کے رموز کو سمجھنا چاہتے ہو۔ تو پہلے عرب امیوں کے حالات سے متعلق مکمل آگاہی حاصل کرو۔ جن میں آپ مبعوث ہوئے تھے۔ وہی آپ کی شریعت کا تشریعی مادہ ہیں۔ اس کے بعد آپؐ کی اصلاح کی کیفیت جانو۔ جو آپ نے ان مقاصد کے تحت کی ہے جن کا تذکرہ تشریع و تبیسیر اور احکام ملت کے باب میں ہو چکا ہے۔

اجتہاد :۔ اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجتہاد ہے۔ یہ لفظ جہد سے مشتق ہے جس کے معنی ایک شخص کا انتہائی درجہ تک کوشش کرنا ہے۔ لیکن شرعی اصطلاح میں اس سعی بلیغ کو کہتے ہیں جو ایک مقنن کتاب اللہ اور سنت رسول کی روشنی میں نئے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل معلوم کرنے کے لئے کرتا ہے۔

وجوب اجتہاد کے دلائل از روئے قرآن مجید :۔ قرآن مجید نے مذہبی اور دنیاوی امور میں عقل سے کام لینے پر بہت زور دیا ہے۔ اور اس کے برعکس جو لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے ان کو چوپاؤں سے تشبیہ دی ہے۔

قرآن مجید میں عقل و فکر کے استعمال کرنے کے متعلق ارشاد الٰہی ہے :۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ [1]

یہ کتاب جو ہم نے تیری طرف اتاری ہے۔ برکت والی ہے۔ تاکہ وہ اس کی آیات پر غور کریں۔ اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا [2]

کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [3] جو لوگ ہمارے معاملہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنے راستے کشادہ کر دیتے ہیں۔

از روئے حدیث :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

---

[1] سورہ ص : ۲۹۔ [2] محمد : ۲۴۔ [3] عنکبوت : ۶۹۔

Marfat.com

اذا حکم الحاکم فاجتہد ثم اصاب لہ اجران اذا حکم اجتہد ثم اخطأ فلہ اجر[1] جب کوئی حاکم فیصلہ دینے میں صحیح اجتہاد کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر اس نے اجتہاد میں غلطی کی تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

رسول کریم صلعم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو بحیثیت معلم اور قاضی یمن کی طرف روانہ کیا اور دریافت فرمایا۔ کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ ولا فی کتاب اللہ قال اجتہد رای ولا آلوا[2]

اگر تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش آجائے تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق۔ آپ نے فرمایا۔ اگر اللہ کی کتاب میں موجود نہ ہو۔ انہوں نے کہا۔ اللہ کے رسول کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پوچھا اگر سنت رسول میں بھی نہ ملے اور نہ کتاب اللہ میں۔ انہوں نے کہا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔

عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے:۔ کہ ایک مرتبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ کے پاس دو شخص آئے۔ آپ نے فرمایا: تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (فداابی وامی) آپ کے سامنے میں یہ جرأت کیسے کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم فیصلہ کرو میں نے عرض کیا کیسے کروں۔ آپ نے فرمایا: اجتہد یعنی اجتہاد کرو۔ اگر تمہاری رائے صائب ہوئی تو دس نیکیاں ملیں گی۔ اور اگر غلطی کی تو ایک نیکی۔[3]

---

[1] صحیحین [2] ابو داؤد، ترمذی۔ [3] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۳ نمبر ۲۶۱۸۔

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

از روئے عمل صحابہ:۔ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ جب کوئی مسئلہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش ہوتا تو پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر وہاں سے مسئلہ کا حل نہ ملتا تو سنت رسول کی طرف رجوع کرتے۔ اگر وہاں سے نہ ملتا تو صحابہ کو جمع کرتے۔ اگر کسی کو سنت رسول کا علم ہوتا تو وہ بتا دیتا۔ آپ خدا کا شکر بجا لاتے اگر صحابہ میں سے کسی کو بھی سنت کا علم نہ ہوتا تو پھر بہترین اشخاص کا انتخاب کرتے اور ان سے رائے لیتے اور کثرت رائے پر فیصلہ صادر فرماتے[1]

مجتہد کے ضروری اوصاف:۔ ۱۔ مجتہد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مزاج شریعت سے اچھی طرح واقف ہو یہ مزاج قرآن مجید اور حدیث پر وسیع اور گہری نظر رکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ مجتہد عاقل اور بالغ ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ قرآن مجید اور حدیث کے منشا کو سمجھ سکے۔

۳۔ نئے ابھرتے ہوئے مسائل اور حوادث کا جو جدید احکام وضع کرنے کے مقتضی ہوتے ہیں، جاننا ضروری ہے۔

۴۔ عربی زبان کا ماہر ہو۔

۵۔ اجماعی مسائل سے واقف ہو۔

۶۔ صحابہ اور تابعین کے اقوال سے جو احکام کے سلسلہ میں ان سے منقول ہیں آگاہ ہو۔

۷۔ فقہاء سلف کے اقوال کا علم رکھتا ہو۔

۸۔ ذہین اور تیز فہم ہو تاکہ قیاس کے ذریعہ احکام کے علل و اسباب معلوم کر سکے۔

۹۔ متقی ہو۔ تاکہ لوگ فتویٰ پر عمل کرنے کے لئے اس پر اعتماد کر سکیں۔

اجتہاد کو قانون کا مرتبہ کیسے حاصل ہوتا ہے؟:۔ کسی اجتہاد کو قانون کا مرتبہ حاصل کرنے کے لئے حسب ذیل امور کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ امت کے اہل علم کا اس پر اجماع ہو۔

۲۔ اجتہاد کو مقبولیت عامہ حاصل ہو۔ اور لوگ اس کے پیروکار ہوں مثلاً:۔ فقہ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی کو مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں مانتی ہیں۔

۳۔ کوئی مسلم حکومت اپنا قانون قرار دے دے۔ مثلاً عثمانی سلطنت نے فقہ۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۴

Marfat.com

حنفی کو اپنا قانون ملکی قرار دیا تھا۔

۴۔ اسلامی حکومت میں ایک ادارہ دستوری حیثیت سے قانون سازی کا مجاز ہو۔

اجتہادی رائے کی شرعی حیثیت:۔ اجتہاد ایک رائے ہے۔ جو کتاب اور سنت کی روشنی میں قائم کی جاتی ہے۔ اس کی حیثیت نص کی نہیں۔ اس میں غلطی کا بھی امکان ہے۔ اجتہادی رائے سے اختلاف کی وجہ سے کسی کو کافر یا فاسق قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اجماع:۔ چونکہ اجماع وسیع اساس پر ایک اجتہاد ہے۔ اس وجہ سے اجماع سے متعلق اجتہاد کے تحت بحث کی جاتی ہے۔

اجماع جمع سے مشتق ہے۔ جس کے معنی اکٹھا کرنا یا اکٹھا ہونا ہے۔ لیکن اصطلاح میں امت کے اہل حل وعقد کا کسی معاملہ میں اتفاق اور اتحاد کر لینے کا نام اجماع ہے اصول کی کتابوں میں یہ تعریف مذکور ہے۔

وهو اتفاق اهل الحل والعقد من امة محمد صلى الله عليه وسلم على امر من الامور [1] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اہل حل وعقد کے کسی معاملہ میں اتفاق کا نام اجماع ہے۔

اجماع کے واجب ہونے کے دلائل قرآن مجید کی رو سے:

قرآن مجید میں آتا ہے:۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ [2] اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور جو تم میں سے اولو الامر (حاکم) ہیں۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا [3] جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرے گا۔ جب کہ ہدایت ظاہر ہو گئی ہو۔ اور مومنوں کی راہ ترک کر کے دوسرا راستہ اختیار کرے گا۔ تو ہم اس کا رخ ادھر پھیر دیں گے۔ جدھر وہ چلے۔ اور اسے جہنم میں ڈالیں گے۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

---

[1] منہاج الاصول برحاشیہ التقریر والتحبیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۷۔ [2] النساء ۴: ۶۳۔

[3] نساء ۴: ۱۱۵۔

Marfat.com

پہلی آیت میں حاکم کی اطاعت کا حکم ہے۔ اور دوسری آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مومنوں کے راستے کے علاوہ دوسرا راستہ گمراہی اور ضلالت ہے۔ جو تباہی کا موجب ہے۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجماع دلیل شرعی ہے۔

دوسری دلیل از روئے حدیث:- مشہور حدیث ہے:- امتی لا تجتمع علی الخطاء او علی الضلالۃ یعنی میری امت غلط بات یا گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

دوسری ترمذی کی حدیث ہے:- ید اللہ مع الجماعۃ یعنی جماعت کے ساتھ اللہ کی تائید اور نصرت ہے۔

تیسری دلیل از روئے عمل صحابہ:- تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ خلفاء راشدین کسی مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ کو بلاتے اور ان سے مشورہ لیتے پھر طے شدہ فیصلہ پر عمل کرتے۔ یہ طے شدہ فیصلہ اجماعی تصور کیا جاتا ہے۔

ابن مسعود کا قول ہے:- ما رآہ المسلمون حسنًا ھو عند اللہ حسن

یعنی جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی چیز ہے۔

اجماع کی وسعت:- اجماع کے دائرہ اور وسعت کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے۔ حضرت امام مالکؒ صرف اہل مدینہ کی رائے کو ہی معتبر سمجھتے ہیں۔ حضرت امام احمد اور داؤد ظاہری صحابہ کے اجماع کو معتبر خیال کرتے ہیں[1]۔ جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ اجماع کے لئے حد بندی درست نہیں ہے۔ بلکہ کسی زمانہ میں تمام مجتہدین کا کسی فیصلہ پر اتفاق کر لینا ہی اجماع ہے۔ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا اجماع مجتہدین کی اکثریت سے وقوع میں آتا ہے۔ یا کل مجتہدین کے اتفاق سے؟ فقہاء کی اکثریت تو یہی کہتی ہے کہ ایک زمانہ کے تمام مجتہدین کا ایک رائے پر اتفاق کر لینا ہی اجماع ہے۔

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۲۴۔

Marfat.com

مگر بعض جید فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اکثریت کی رائے سے بھی اجماع واقع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں :۔ انہ ینعقد مع مخالفۃ الاقل
یعنی اجماع اقلیت کے باوجود بھی واقع ہو جاتا ہے۔ چونکہ اجماع کا فیصلہ کسی حد تک زمانہ کے تقاضا کے مطابق ہوتا ہے۔ حالات اور تقاضے بدلتے رہتے ہیں تو اجماع کے فیصلہ میں تبدیلی لازماً آئے گی۔ لہٰذا کسی زمانہ کے علماء کے اجماع سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اور ایک اجماع دوسرے اجماع کی تنسیخ بھی کر سکتا ہے۔

اجماع کی قسمیں :۔ اجماع کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ قولی ۲۔ سکوتی۔

قولی یعنی کسی معاملہ سے متعلق ایک زمانے کے فقہاء مجتہدین کا متفق ہو کر ایک ہی حکم بیان کر دینا قولی اجماع کہلاتا ہے۔ اجماع کی یہ شکل سارے علماء کے نزدیک مسلمہ حجت ہے۔

سکوتی۔ یعنی کسی معاملہ سے متعلق ایک زمانے کے کسی ایک مجتہد نے ایک حکم کا فتویٰ صادر کیا ہو۔ اور اس فتویٰ کا علم اس زمانہ کے دوسرے فقہاء کو ہو گیا ہو۔ مگر کسی نے نہ تو اس کی مخالفت کی ہو۔ اور نہ تائید کی ہو۔

اس کے حجت ہونے کے بارہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

انعقاد اجماع کے شرائط :۔ جس مسئلہ کے متعلق اس عہد کے تمام فقہاء متفق الرائے ہوں۔ یہی اجماع قطعی ہے۔ اور کامل یقین کا فائدہ دیتا ہے۔

لیکن علماء کی ایک قلیل جماعت اختلاف کرنے والے ہوں۔ اور ان میں فقہاء کے اوصاف نہ پائے جاتے ہوں۔ تو ایسا اختلاف اجماع کی قطعیت کا مانع نہ ہو گا۔

بعض فقہاء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ فقہاء کی جماعت کثیر کا فیصلہ قطعی اجماع ہے۔ خواہ اختلاف کرنے والی قلیل جماعت کے فقہاء میں اجتہاد کرنے کے تمام اوصاف موجود ہوں۔ ابن جریر، ابوبکر الرازی، ابوالحسن خیاط کعبی کے استاد وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔ حنفی، شافعی اور مالکیوں کے نزدیک اگر اختلاف کرنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں تو اکثریت کا فیصلہ جائز اور واجب العمل ہو گا۔ اس فیصلہ سے اختلاف کرنے والا شخص کافر نہیں کہلا سکتا۔

اجماع کے افراد کے معیاری اوصاف :۔ جن فقہاء سے اجماع منعقد ہوتا ہے۔ ان کو حسب ذیل اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے۔

Marfat.com

۱- قرآن مجید کے اسرار اور رموز کا بخوبی علم رکھتے ہوں۔
۲- سنت رسول کو روایت اور درایت کے اصولوں سے جانچنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔
۳- صحابہ کرام کی زندگی سے واقفیت اور ان کے اجماع کا علم ہو۔
۴- قیاس کے ذریعہ استنباط کے اصول معلوم ہوں۔
۵- قوم کے مزاج اور جدید رجحانات اور تقاضوں کا علم ہو۔

عملی حیثیت سے بلند کردار اور اخلاق حمیدہ سے متصف ہوں۔ اور اوامر پر عمل کرنے والے اور منہیات سے بچنے والے ہوں۔

اجماع کے اختیارات کی وسعت۔

۱- جدید تقاضوں کی مناسبت سے نئے قوانین بنانا۔
۲- پرانے اجماعی فیصلوں میں جدید تقاضوں کے مطابق ترمیم کرنا۔
۳- وہ احکام جو تدریجاً نازل ہوئے ہیں۔ ان کو معاشرتی حالات کے لحاظ سے مقدم اور موخر کرنا۔
۴- وہ احکام جو وقتی تقاضوں کے تحت ہیں۔ ان کو موجودہ تقاضوں کے مطابق ڈھالنا
۵- جن احکام میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو معقول دلیل کی بناء پر ترجیح دینا۔
۶- فقہاء کی مختلف رایوں اور فیصلوں میں جدید تقاضوں کے مطابق مناسب ترجیحی صورت پیدا کرنا۔

اجماع کے فیصلوں کی شرعی حیثیت:- اجماع کے فیصلے واجب العمل ہیں۔ ان کی مخالفت جائز نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اصول میں ہے۔

فان استنبط المجتهدون فی عصر حکما واتفقوا علیہ یجب علی اہل ذلک العصر قبولہ فاتفاقہم صار بینۃ علی ذلک الحکم فلا یجوز بعد ذلک مخالفتہم۔ [1]

جب مجتہدین کسی زمانہ میں کسی حکم کا استنباط اور اس پر اتفاق کر لیں تو اس زمانہ والوں

[1] توضیح بر حاشیہ تلویح صفحہ ۵۰۔

Marfat.com

پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ اس کی مخالفت جائز نہیں کیونکہ یہ اتفاق اس حکم پر ایک واضح دلیل ہے۔

اجماعی فیصلوں پر اس زمانہ کے تقاضوں کا بہت دخل ہوتا ہے اس وجہ سے اس پر عمل کرنا اسی زمانہ والوں پر واجب ہے۔ بعد کے لوگ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اپنے زمانہ کے اجماعی فیصلوں کے پابند ہوں گے۔ حالات کے بدلنے سے اجماعی فیصلوں میں تبدیلی واقع ہو سکتی ہے۔

قیاس: قیاس کا لغوی معنی ناپنا یا کسی چیز سے مقابلہ کرکے موازنہ کرنا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں "علت کو مدار بنا کر سابقہ فیصلہ اور نظیر کی روشنی میں نئے مسائل حل کرنے کو قیاس کہتے ہیں"۔

تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلۃ۔ [1] یعنی حکم اور علت میں فرع کو اصل کے مطابق کرنا۔

یہ تعریف اور بھی واضح ہے۔

الحاق امر بامر فی الحکم الشرعی لاتحاد بینھما فی العلۃ یعنی دو مسئلوں میں اتحاد علت کی وجہ سے ایک کا حکم دوسرے پر لگا دینے کا نام ہے۔

وضاحت: قیاس کی تعریف کی وضاحت یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام کا دار و مدار مخصوص اغراض اور مصالح پر ہے۔ وہی اغراض اور مصالح ان احکام کی علت ہیں۔ جب ایک حکم کی علت دوسرے حکم میں پائی جائے تو پہلے کا حکم دوسرے پر لگا دیا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں شراب حرام ہے۔ حرمت کی وجہ نشہ ہے۔ اب جو بھی نشہ آور اشیاء ہوں گی ان سب پر شراب کا حکم صادر کرکے حرام قرار دیا جائے گا۔

جواز قیاس کے دلائل از روئے قرآن مجید: وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ [2] اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں۔ اور انہیں سوائے علم والوں کے اور

---

[1] نور الانوار صفحہ ۲۱۴۔ [2] عنکبوت ۲۹: ۴۳۔

Marfat.com

کوئی نہیں سمجھتا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار[1] سواے بصیرت والو عبرت حاصل کرو۔ ان آیات میں مسلمانوں کو دنیا کی حالت دیکھ کر استنباط کا امر کیا گیا ہے۔

از روئے حدیث: انما اقضی بینکم بالرای فیما لم ینزل فیہ وحی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جن امور سے متعلق وحی نازل نہیں ہوتی ان کا فیصلہ میں اپنی رائے سے کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعودؓ سے فرمایا: اقض بالکتاب والسنۃ اذا وجدتہما فاذا لم تجد الحکم فیہما اجتہد یعنی جب تم قرآن اور سنت میں کوئی حکم پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور جب قرآن اور سنت میں حکم نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

حضرت معاذ بن جبلؓ والی حدیث مشہور ہے کہ جب ان کو یمن کا قاضی مقرر کیا گیا تو ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ تو حضرت معاذ بن جبل نے جواب دیا۔ قرآن کی رو سے پھر آنحضرتؐ نے دریافت کیا اگر قرآن میں وہ حکم نہ پاؤ تو؟ انہوں نے جواب دیا اس وقت سنت کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ پھر حضور نے فرمایا: اگر سنت میں حکم نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا۔ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس جواب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی پسند فرمایا اور اجازت دی۔

از روئے اقوال صحابہ:

تمام صحابہ قیاس کرنے کے بارہ میں متفق ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسےٰ اشعری کو لکھا۔ اعرف الامثال والاشباہ وقس الامور عند ذلک یعنی امثال اور نظائر کو پہچانو اور سمجھو پھر مسائل کو ان پر قیاس کرنا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے جد کے بارہ میں ایک موقع پر فرمایا:

اقضی فیہ برای[2] یعنی اپنی رائے سے اس کے بارہ میں فیصلہ کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا:۔

---

[1] الحشر ۵۹:۲۔ [2] منہاج الاصول۔

Marfat.com

"میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں۔ اگر صحیح ہے تو اللہ کی جانب سے اور غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔" ؎۵

قیاس کے ارکان:- ۱۔ اصل مقیس علیہ (جس پر قیاس کیا جائے)
۲۔ فرع مقیس (جس چیز کو قیاس کیا جائے)
۳۔ حکم جو قیاس کے بعد لگایا جاتا ہے۔
۴۔ علت وہ مشترکہ وصف جو مقیس علیہ اور مقیس یا اصل اور فرع میں ہوتا ہے مثلاً شراب اصل ہے بھنگ فرع نشہ وصف مشترک اور حرام ہونا حکم ہے۔

شرائط قیاس:- ۱۔ مقیس علیہ نص (جس نص سے قیاس کیا جاتا ہے) کا حکم خاص واقعات اور حالات پر مبنی نہیں ہونا چاہیئے۔ حدیث میں آتا ہے:- من شھد لہ خزیمہ فھو حسبہ۔ یعنی خزیمہؓ جس کے حق میں گواہی دے دیں۔ وہ اس کے لئے کافی ہے۔ اس سے یہ قانون نہیں بنایا جاسکتا کہ دعویٰ کے ثبوت کے لئے ایک شخص کی شہادت کافی ہے۔ یہ حکم خاص خزیمہؓ کے لئے ہے۔
۲۔ علت ایسا وصف ہو۔ جو شرعاً قابل اعتبار ہو۔ اور بالکل صریح واضح اور معین ہو۔
۳۔ اصل وفرع یا مقیس علیہ اور مقیس میں ایک ہی وصف موجود ہو۔
۴۔ جو حکم قیاس سے استنباط کیا جائے۔ اس کی وجہ سے نص کے حکم میں تبدیلی نہ واقع ہونی چاہیئے۔
۵۔ جو حکم قیاس سے استخراج کیا جائے اس کی نوعیت نص کے احکام کے ماحصل کی ہونی چاہیئے۔ کسی نص کے محض الفاظ پر قیاس کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

قیاس کا دائرہ وسعت:- قیاس کا دائرہ اثر اجماع سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ کیونکہ ایک زمانہ کے تمام فقہاء کا ایک مسئلہ پر متفق ہونا بہت مشکل ہے بخلاف قیاس کے۔ کیونکہ اس میں تمام فقہاء کا اتفاق شرط نہیں بلکہ ہر مجتہد کتاب اور سنت کی روشنی میں ہر مسئلہ میں قیاس کرسکتا ہے۔

کتاب اور سنت میں ہر قسم کی جزئیات اور تفاصیل موجود نہیں۔ ہر زمانہ میں نئے

؎۵ تاریخ التشریع اسلامی۔

Marfat.com

نئے مسائل ابھرتے چلے آرہے ہیں۔ نئے ابھرنے والے مسائل کا حل ضروری ہے اس لئے نئے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے قیاس ضروری ہے۔ اس لئے اسلام نے ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے قیاس کا دروازہ کھول دیا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنیؒ فرماتے ہیں:۔

"عہد نبوی سے لے کر ہمارے اس دور تک تمام فقہاء نے زندگی کے ان سارے معاملات میں قیاس سے کام لیا ہے۔ جن کے لئے دینی احکام کے اثبات و اظہار کی ضرورت پڑی۔ اور اس مدت کے تمام علماء کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ حق کی نظیر حق ہوتا ہے۔ اور باطل کی نظیر باطل لہٰذا کسی شخص کے لئے یہ زیبا اور جائز نہیں کہ وہ قیاس کا انکار کرے۔ کیونکہ قیاس کا مآل و مفاد اس کے سوا کیا ہے کہ وہ ان امور میں کتاب و سنت کے متشابہ اور اس کے مثل ہے۔ جس سے کتاب و سنت خاموش ہیں۔ اور جب نظیر حق حق ہوتا ہے۔ تو قیاس جو حق کا نظیر ہے۔ وہ بھی حق ہی ہوگا۔[۱]

معروف:۔ فقہا نے معروف کی یہ تعریف کی ہے۔ عادۃ جمہور قوم فی قول اور عمل یعنی قول یا عمل میں جمہور کی عادت کا نام ہے۔ معروف کا دوسرا نام تعامل اور عادت بھی ہے۔ قرآن مجید نے رواج کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[۲]
یعنی بچہ کے باپ پر دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری دستور کے مطابق ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ[۳]
اور جو غریب ہو تو دستور کے مطابق اپنا خرچ لے لے۔

حدیث میں آتا ہے:۔ نھی عن الرسوم الفاسدۃ وامر بالصالحۃ[۴]
رسول کریم نے بری رسموں سے منع فرمایا اور اچھی رسموں کے قبول کرنے کا حکم فرمایا۔
ایک موقع پر عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:۔ ما راٰہ المسلمون حسنا فھو

---

[۱] اسلامی قانون نمبر چراغ راہ صفحہ ۲۶۸ جلد اول۔ [۲] بقرہ ۲: ۲۳۳۔ [۳] نساء ۴: ۶۔
[۴] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۲۴۔

Marfat.com

عند اللہ حسن وما رآہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح
یعنی جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ اور جس کو وہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔

معروف کی قسمیں

معروف کی دو قسمیں ہیں :- ۱- معروف خاص۔ ۲- معروف عام۔

معروف خاص :- جو کسی خاص علاقہ یا خاص طبقہ میں رائج ہو۔

معروف عام :- جو عام لوگوں میں رائج ہو۔ اور کسی خاص طبقہ اور علاقہ کے ساتھ مختص نہ ہو۔

معروف کا شرعی حجت بننے کے لئے حسب ذیل شرائط کا حامل ہونا ضروری ہے۔
(۳۱۰ فقہ اسلامی)

استحسان

لغت میں استحسان کے معنی ہیں کسی چیز کو اچھا سمجھنا۔ لیکن فقہ کی اصطلاح میں تعریف یہ ہے۔

تقطع المسئلۃ عن نظائرھا بما ھو اقوی [1]
یعنی کسی مسئلہ کے حکم کو قوی وجہ سے اس کے نظائر سے الگ کر لینا۔

استحسان کی اہمیت اور ضرورت

ہر دور کے تقاضے الگ ہوتے ہیں۔ اور نئے نئے مسائل ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ بسا اوقات تمام تقاضوں اور نئے مسائل کا حل قاعدہ اور قانون میں ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ قیاس اپنی وسعت اثر کے باوجود نئے مسائل کا حل ڈھونڈنے میں ناکام رہتا ہے۔ ان حالات میں فقہاء نے مسلمانوں کی مصلحت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر با ملکی ضرورت کو مد نظر رکھ کر ایک اصول مقرر کر دیا کہ ضرر رساں پہلو ترک کر کے مفید پہلو اختیار کر لیا جائے۔ تاکہ الٰہی حکمت کے ساتھ ہم آہنگی ہو۔ اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کا راستہ ہموار ہو سکے۔

حسب ذیل تصریحات سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔
الاستحسان ترک القیاس والاخذ بما ھو اوفق للناس [2]

---

[1] کتاب التحقیق۔ [2] المبسوط صفحہ ۱۴۵۔

Marfat.com

استحسان قیاس کو ترک اس امر کو اختیار کرنے کا نام ہے جو لوگوں کی فلاح و بہبود کا زیادہ ضامن ہو۔

الاستحسان طلب السهولة فی الاحکام فیما یبتلی فیه الخاص والعام[1] استحسان ان امور میں سہولت طلب کرنا ہے جن میں خاص و عام سب مبتلا ہیں۔

الاخذ بالسعة وابتغاء الدعة[2] استحسان وسعت کو اختیار کرنے اور فراخی کو طلب کرنے کا نام ہے۔

ان سب تصریحات کا ماحصل یہ ہے کہ فلاح و بہبود کی بنا پر مشکل اور ضرر رساں پہلو کو چھوڑ کر آسان اور راحت والا پہلو اختیار کیا جائے۔ یہ طریقہ الٰہی حکمت کے عین مطابق ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ[3] اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا۔[4]
اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خیر دینکم الیسر[5] (حدیث) تمہارا اچھا دین یُسر ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت ارشاد فرمایا: یسرا ولا تعسرا وقربا ولا تنفرا لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا ان کو قریب لانا اور متنفر نہ بنانا۔

استحسان کی قسمیں:۔ استحسان کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔ استحسان سنت۔ ۲۔ استحسان اجماع۔

۳۔ استحسان ضرورت۔ ۴۔ استحسان قیاسی۔

"استحسان ضرورت" اس وقت واقع ہوتا ہے جب کسی حکم پر عمل کرنے سے دشواری پیدا ہوتی ہو۔ اور ضرر رساں اور غیر منصفانہ پہلو زیادہ عیاں ہوں۔ بنی نوع انسان

---

[1] المبسوط صفحہ ۱۴۵۔ [2] المبسوط۔ [3] بقرہ ۲: ۱۸۵۔
[4] بقرہ ۲: ۲۸۶۔

Marfat.com

کی فلاح و بہبود مجروح ہوتی ہو۔ ایسی حالت میں الٰہی حکمت کے مطابق اس حکم کو چھوڑنا ضروری ہے۔ آسانی اور سہولت اور فلاح و بہبود کی خاطر دوسری راہ اختیار کرنا ضروری ہے لیکن یہ ضروری ہے وہ حکم عبادات سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ بلکہ امور دنیا سے تعلق رکھتا ہو۔

۲۔ مصلحت عامہ شریعت کی منشاء کے مطابق ہو۔

استحسان قیاسی:۔ استحسان قیاسی کبھی ظاہری اور متبادر قیاس کی رو سے کسی مسئلہ کا ایک حکم ہوتا ہے۔ اس پر عمل کرنے سے دشواری پیش آتی ہے یا ضرر رساں ثابت ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہری قیاس کے خلاف زیادہ قوی اور صحت مند قیاس کی بناء پر کسی دوسرے حکم کو ظاہر کرنے کا نام استحسان قیاسی ہے۔

استحسان سنت:۔ کسی مسئلہ کا قیاسی حکم چھوڑ کر اس کے خلاف اس حکم پر عمل کیا جائے جو سنت میں ثابت ہے۔

استحسان اجماع:۔ کسی مسئلہ کا قیاسی حکم ترک کر کے اس کے خلاف اس کا وہ حکم اختیار کر لیا جائے جس پر اجماع منعقد ہوا ہو۔

استحسان کی یہ دو قسمیں درست نہیں اس لئے جو حکم سنت میں موجود ہو اور جس مسئلہ پر اجماع ہو اس کو استحسان نہیں کہا جا سکتا کیونکہ استحسان ظاہری قیاس کو چھوڑ کر اس حکم کو اختیار کرنے کا نام ہے جو لوگوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہو۔ اور لوگوں کی ضرورتوں کے زیادہ موافق ہو۔ فقہاء یہ اس وقت راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جب سنت اور اجماع خاموش ہوں۔

استصلاح یا مصالح مرسلہ:۔ فقہاء کی اصطلاح میں صرف ضرورت اور مصلحت عامہ کو اساس بنا کر مسائل استنباط کرنے کا نام استصلاح یا مصالح مرسلہ ہے۔

تعریف یہ ہے: بناء الاحکام الفقهیة علی مقتضی المصالح المرسلة یعنی مصالح مرسلہ کی اقتضاء پر احکام و مسائل کی اساس قائم کرنا۔

مرسلہ مصالح کی شرائط:۔ فقہاء نے مصالح مرسلہ سے کام لینے کی حسب ذیل شرائط مقرر کی ہیں۔

۱۔ مسئلہ عبادات سے تعلق نہ رکھتا ہو بلکہ امور دنیا سے تعلق رکھتا ہو۔

۲۔ مصلحت عامہ شریعت کی منشاء کے مطابق ہو۔

Marfat.com

۳۔ یہ مصالح ان مصالح کے مشابہ ہوں جن کو شریعت میں اولیت حاصل ہو۔
وہ پانچ ہیں:۔ ۱۔ حفظ دین۔ ۲۔ حفظ نفس۔ ۳۔ حفظ عقل۔ ۴۔ حفظ نسل۔ ۵۔ حفظ مال۔
۴۔ ان مصالح کے حصول کا یقین کامل ہو۔
۵۔ قوی اور مکمل فائدہ اور مصلحت سے ان کا تعلق ہو۔
مصالح مرسلہ سے امام مالکؒ نے زیادہ کام لیا ہے۔

مصالح مرسلہ کے دلائل:۔ ۱۔ شریعت اسلامی کی بنیاد ہی بنی نوع انسان کی فلاح پر ہے اس وجہ سے اسلام نے قانون سازی میں مصلحت عامہ کو خاص ملحوظ رکھا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ [1] اللہ نے دین میں تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں کی۔
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [2] اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔
يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ [3] اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔
۲۔ صحابہ کرام بھی مصالح کا اعتبار کرتے تھے۔ مثلاً کتابت قرآن۔ خلافت کے لئے طریقہ انتخاب۔ جمعہ کی نماز میں دو آذانیں۔ اسلامی حکومت کی محکمہ جاتی تقسیم وغیرہ۔ ایسے امور تھے کہ صحابہ کرام نے محض مصلحت عامہ کے پیش نظر انہیں انجام دیا تھا۔

استدلال استدلال مصدر ہے استدلال سے جس کے معنی ہیں کہ اس نے دلیل تلاش کی اور حاصل کر لی۔ لیکن فقہی اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے کہ استدلال ایسی دلیل کو کہتے ہیں جو نہ نص ہو۔ نہ اجماع اور نہ قیاس۔ ھو دلیل لیس بنص و لا اجماع و لا قیاس۔

استدلال کی اہم اقسام:۔ ۱۔ ایک حکم کا دوسرے حکم کے ساتھ بغیر کسی خاص علت کے متعلق ہونا۔

---

[1] ۲۲: ۷۸۔ [2] ۲: ۲۸۶۔ [3] بقرہ ۲: ۱۸۵۔

Marfat.com

التلازم بین الحکمین من غیر تعیین علۃ۔

۲۔ **استصحاب الحال**:۔ استصحاب کے لغوی معنی باقی رکھنے کے ہیں۔ اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ اس امر کو تسلیم کر لینا کہ جو حالت پہلے تھی۔ وہ اس وقت تک قائم ہے جب تک اس کے خلاف ثابت نہ کیا جائے۔

مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک مفقود الخبر اس وقت تک زندہ متصور ہوگا جب تک اس کی موت ثابت نہ کی جائے۔ اس وقت تک نہ اس کی جائیداد ورثاء میں تقسیم ہو گی۔ نہ اس کو ایسے مورث کی جائیداد سے محروم رکھا جائے گا۔ جو اس کی غیر حاضری میں فوت ہوا۔

۳۔ **استدلال بالقیاس المنطقی**:۔ یہ ایسا قول ہے جو چند جملوں سے مرکب ہو جنہیں مان لینے کے بعد اس کے نتیجے کا تسلیم کرنا بھی ضروری ہو جائے۔ جیسے بیع ایک معاملہ ہے اور ہر معاملے کا جزو اعظم رضامندی ہے۔ دونوں جملوں کی صداقت کو مان لینے کے بعد اس نتیجہ کو بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ بیع کا جزو اعظم رضامندی ہے۔

قسم اول کی چار قسمیں ہیں:۔ ۱۔ جب تعلق دو مثبتہ قضیوں میں ہو۔ مثلاً کہ جو شخص جائز طلاق دینے کا مجاز ہے۔ وہ بطور جائز ظہار بھی کر سکتا ہے۔

۲۔ جب تعلق دو منفی قضیوں میں ہو۔ مثلاً اگر وضو بغیر نیت کے جائز ہے تو تیمم بھی بغیر نیت کے جائز ہے۔ چونکہ تیمم بغیر نیت کے جائز نہیں۔ اس لیے وضو بھی بغیر نیت کے جائز نہیں ہو سکتا یہ حنفیوں کا رد ہے۔

۳۔ جب تعلق ایک مثبت اور ایک منفی قضیہ میں ہو۔ مثلاً جو امر جائز ہے وہ ممنوع یا حرام نہیں ہو سکتا۔

۴۔ جب تعلق ایک منفی اور ایک مثبت قضیہ میں ہو۔ مثلاً کہ جو جائز نہیں وہ ممنوع ہے۔

استدلال کا وسعت اثر:۔ استدلال استنباط شرعی کے لحاظ سے ان تمام استدلالوں پر حاوی ہے جو قیاس کی حد میں داخل نہیں ہوتے قاضی عضد کا مقولہ ہے کہ حنفیوں کا مسئلہ استحسان اور مالکیوں کا مسئلہ مصالح مرسلہ دونوں استدلال کے تحت آجاتے ہیں۔

اسلام سے ماقبل شرائع:۔ فقہ اسلامی کا ماخذ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی

Marfat.com

شریعتیں بھی ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے :۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت کی ہے۔ انکی ہدایت کی پیروی کرو۔

دوسری جگہ آتا ہے :۔ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ہم نے آپ کو وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کیجئے۔

مسند احمد بن حنبل میں ایک روایت ہے :۔ يعمل فی الاسلام بفضائل الجاهلية یعنی اسلام میں جاہلیت کی اچھی باتوں پر عمل کیا جاتا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل تھا کہ وہ اگر کسی بات کے متعلق براہ راست وحی نہ آتی تو آپ اہل کتاب کے طور طریقوں پر عمل کرنا پسند فرماتے تھے"

اسی وجہ سے محدثین نے فرمایا ہے :۔ وان شرع من قبلنا یلزمنا مالم ینقض اللہ بالا نکار۔ یعنی پہلی شریعتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جب تک وحی الٰہی کی طرف سے اس پر نکیر کی جائے۔

اسلام سے ماقبل شرائع سے استفادہ زمانہ کے تقاضوں پر مبنی ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ماقبل کی شریعتوں سے استفادہ ہوا ہے۔

تعامل :۔ تعامل سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا عمل ہے۔ فقہاء نے مسائل کے استنباط کے وقت اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔ اصحاب وہ لوگ ہیں جنہوں نے براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم حاصل کی ہے۔ ان سے بڑھ کر مزاج شناس نبوت کون ہو سکتا ہے۔ ان کی رائے اور عمل کے مقابلہ میں کسی کی رائے اور عمل کو اہمیت نہیں دی جا سکتی اس وجہ سے فقہاء نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے قول و عمل کو فقہ اسلامی کا ماخذ قرار دیا ہے قرآن اور حدیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے :۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ[1]

---

[1] ۹ : ۱۰۰

Marfat.com

مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ سبقت کرنے والے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی اتباع کی۔ ان سب سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

اس آیت کریمہ میں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا جملہ تعامل صحابہ کرام کو ماخذ قرار دینے پر روشنی ڈالتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ [۱] تم لوگ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ مضبوطی کے ساتھ اس پر جمے رہو اور مضبوطی کے ساتھ اسے پکڑے رکھو۔

ایک اور روایت ہے :۔ ما انا علیہ واصحابی [۲] جس راستہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں وہی حق ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ایک موقع پر فرمایا:۔

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ جو دل کی نیکی علم کی گہرائی اور تکلف کی کمی میں اس امت کے افضل ترین لوگ ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کے قائم کرنے کے لئے چن لیا ہے تم لوگ ان کے فضل کو پہچانو۔ ان کے نقش قدم پر چلو۔ اور ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو جہاں تک ہو سکے مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔ یہی لوگ ہدایت مستقیم پر ہیں۔" [۳]

فقہاء کا مسلک:۔ صحابہ کرام کے تعامل کے بارہ میں فقہاء کا مسلک اصول فقہ میں مذکور ہے۔ یجب اجماعًا فیما شاع فسکتوا مسلمین ولا یجب اجماعًا فیما ثبت الخلاف بینہم [۴] جو بات تمام صحابہ میں مشہور ہو اور جس کو انہوں نے تسلیم کر لیا ہو۔ اس کا اتباع واجب ہے۔ اور جس میں کچھ اختلاف ہو اس میں واجب نہیں۔

---

[۱] ابوداؤد و ترمذی۔ [۲] ترمذی۔ [۳] مشکوٰۃ صفحہ ۲۹۔
[۴] توضیح و تلویح جلد ۲ صفحہ ۱۷۔

Marfat.com

ملکی قانون

فقہ اسلامی کا ماخذ "ملکی قانون" ہے۔ تاریخ سے یہ بات واضح ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قوانین کو معمولی اصلاح کے بعد قبول فرمایا جو عرب میں رائج تھے۔ مثلاً عرب میں حسب ذیل قوانین رائج تھے۔

۱۔ مدعی سے دعویٰ کے ثبوت کے لئے گواہ طلب کئے جاتے تھے۔ اگر گواہ نہ ہوتے اور مدعا علیہ انکار کرتا تو مدعا علیہ کو قسم دی جاتی تھی۔

اسلامی فقہ کا بھی یہ مسلمہ اصول ہے۔ البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر ۔ گواہ مدعی کے ذمہ ہیں اور قسم انکار کرنے والے کے ذمہ ہے۔

۲۔ تملیک جائیداد کی مختلف صورتیں تھیں۔ بیع۔ ہبہ۔ رہن۔ اجارہ وغیرہ ان کو قائم رکھا۔

۳۔ بیع کی مختلف شکلیں رائج تھیں۔ بیع سلم۔ مرابحہ۔ تولیہ وغیرہ۔

ان میں سے فساد کی تمام صورتوں کو باطل کر دیا اور صحیح صورتوں کو رواج دیا۔

۴۔ وصیت کا دستور۔

۵۔ زمین کو بٹائی پر دینے کا رواج تھا۔

حضرت عمرؓ نے بہت سے قوانین مفتوحہ ممالک کے باقی رکھے مثلاً۔ عراق، شام مصر کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے بہت حد تک رومی۔ یونانی اور ایرانی قانون لگان و مال گزاری کو باقی رکھا۔ ظلم و زیادتی کی صورتوں کی اصلاح و ترمیم کر دی۔

کلیات قانون

فقہاء نے قواعد کلیہ کی یہ تعریف کی ہے۔ حکم کلی ینطبق علی جمیع جزئیاتہ یعنی ایسا حکم کلی جو اپنے تمام جزئیات پر حاوی ہو۔

Marfat.com

ذیل میں چند کلیات بیان کئے جاتے ہیں جن کی مدد سے فقہاء اسلام نے احکام کا استنباط کیا۔

۱۔ **عدم حرج**:۔ الیسر ودفع الحرج والمشقۃ تجلب التیسیر۔ نرمی کی جائے اور تنگی دور کی جائے۔ مشقت اس امر کی مقتضی ہے کہ آسانی پیدا کی جائے۔

ایسا قانون وضع نہ کیا جائے جو تکلیف کا موجب ہو اور اس پر عمل کرنا دشوار ہو۔ اس سے معاشرہ میں بدنظمی اور قانون شکنی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اتنی تکلیف نہیں دیتا جس کو وہ برداشت نہ کر سکے۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے وہ تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ ابعثت بالحنیفیۃ السمحۃ میں سہل مذہب لے کر مبعوث ہوا ہوں۔

احب الدین الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ یعنی اللہ کا پسندیدہ دین وہ ہے جو سیدھا اور آسان ہو۔

۲۔ **قلت تکلیف**:۔ عدم حرج کا لازمی نتیجہ قلت تکلیف ہے۔ جب قانون وضع کئے جائیں تو وہ ایسے نہیں ہونے چاہئیں کہ لوگوں کی ہمتیں ان قوانین پر عمل کرنے سے جواب دے دیں۔ نہ وہ اس قسم کے قانون ہوں جو لوگوں کے مزاج کے منافی ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام یعنی اسلام میں نہ تو کسی کو تکلیف دینا ہے اور نہ خود تکلیف اٹھانا ہے۔ (دارقطنی)

فقہاء نے کہا۔ الضرر یزال نقصان دور کیا جائے۔

۳۔ **تدریج**:۔ قرآن مجید نے عرب قوم سے ان برائیوں کو جن میں وہ مدت سے مبتلا تھے تدریجاً دور کیا اگر ان برائیوں کو یک لخت دور کرنے کا حکم دیتا تو

Marfat.com

اسلامی اجتماعی زندگی میں بدنظمی اور انتشار پیدا ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی پرحکمت طریقے سے بری رسومات اور برائیوں کو تدریجاً حرام قرار دیا تاکہ مسلمانوں کو ان کے چھوڑنے میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

شراب کو حرام کیا تو تدریجاً حرام کیا تو تدریجاً قرآن مجید کا یہ انداز مجتہدین کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ کسی برائی کو دور کرنے کے لئے قانون بنائیں تو پہلے اس بری رسم کے بد مضمرات اور نتائج سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اس کے بعد اس رنگ میں برائی کے استیصال کے لئے قانون بنائیں جن سے معاشرہ میں اضطراب اور بے چینی پیدا نہ ہو۔ لوگ آسانی سے اس حکم پر عمل کرنے کو تیار ہو جائیں۔

۴۔ نسخ :۔ نسخ کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ پہلا حکم بالکل ختم کر دیا جائے۔ دوم حالات کے مطابق پہلے حکم میں کسی قسم کی ترمیم و توضیح کر دی جائے۔

ارشاد الٰہی ہے :۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا [1] ہم اپنے پہلے احکام میں سے کوئی حکم منسوخ نہیں کرتے یا فراموش ہونے نہیں دیتے جب تک اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل نہ کریں۔

یہاں نسخ سے مراد یہ نہیں ہے کہ قرآن کی کسی آیت نے دوسری آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس جگہ آیت سے مراد پہلی شرائع ہیں جیسا کہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں لکھا ہے :۔ انما الذکر فیھا من النسخ فانما المراد بہ نسخ الشرائع الانبیاء المتقدمین آیت میں نسخ کا ذکر ہے اس سے مراد سابق انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں کا نسخ ہے۔

ابو مسلم اصفہانی کی بھی یہی رائے ہے۔

یہ آیت مجتہدین کو یہ تعلیم دیتی ہے۔ قانون وضع کرتے وقت وہ ملکی حالات کے پیش نظر وہ پہلے کے وضع کئے ہوئے قانون بدل سکتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ نسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ مصلحت کی رعایت سے یا فساد کے اندیشہ سے کوئی حکم دیا جائے۔ پھر ایسا زمانہ آجائے کہ اس میں یہ مقصود نہ رہ جائے تو وہ حکم بدل جائے گا۔" [2]

---

[1] بقرہ ۲ : ۱۰۶۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲ ا ا۔

Marfat.com

۵۔ الضرورات تبیح المحظورات یعنی ضرورت ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہے۔ مثلاً انتہائی بھوک کی حالت میں جان بچانے کے لئے حرام چیز وغیرہ کھانا جائز ہے فقہاء نے اس اصول پر یہ حد بندی عائد کی ہے کہ جو چیز ضرورت کی بناء پر جائز ہوگی۔ اسی کی مقدار سے اس کا اندازہ کیا جائے گا چنانچہ بھوکے کو اس سے زیادہ حرام چیز کا استعمال جائز نہیں ہے۔ جتنی سے اس کی جان بچ جائے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جسے اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے پکارا جائے حرام کیا ہے۔ مگر جو شخص مضطر ہو جائے نہ خواہش کرنے والا ہو اور نہ حد سے گزرنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

۶۔ **نقصان کو نقصان سے دور نہ کیا جائے:۔** الضرر لا یزال بالضرر یعنی نقصان دوسرے نقصان سے دور نہ کیا جائے مثلاً ایک بھوکے کی جان کو بچانے کی غرض سے دوسرے بھوکے کا کھانا کھا لینا جائز نہیں۔

۷۔ **عام نقصان کی خاطر خاص نقصان برداشت کیا جائے:۔**

یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام یعنی عام نقصان کی خاطر خاص نقصان برداشت کیا جائے مثلاً قومی اور ملکی مفاد کو ذاتی اور شخصی مفاد پر ترجیح دینا۔ جب تاجر چیزوں کی قیمتوں کو بڑھا دیں تو حکومت نرخ مقرر کرنے کی مجاز ہے۔

۸۔ **بڑے نقصان کو چھوٹے نقصان کے ذریعہ دور کیا جائے:۔**

اعظم ضررا یزال بالاخف۔ یعنی بڑے نقصان کو چھوٹے نقصان کے ذریعہ دور کیا جائے۔

مثلاً کسی نے لکڑی وغیرہ غصب کر کے اپنی عمارت میں لگا لی تو اگر عمارت کی قیمت زیادہ ہے اور اس کے نکالنے سے زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ تو عمارت کو گرا کر

Marfat.com

مستغیث کو لکڑی واپس کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ لکڑی کی قیمت مستغیث کو دلا دی جائے قیمت ادا کرنے کے بعد وہ مالک ہو جائے گا۔

۹۔ جب دو خرابیوں کا تعارض ہو جائے تو کم خرابی کو قبول کیا جائے۔ اذا تعارض مفسدتان ارتکب اخفهما دفعاً عن اعظمهما ضرراً

یعنی جب دو برائیاں ایک ہی وقت میں پیش آجائیں تو ان دونوں میں سے ہلکی برائی کا ارتکاب کیا جائے۔ اور زیادہ نقصان دینے والی برائی سے بچا جائے۔ مثلاً ایک شخص زخمی ہے وہ نماز پڑھنا چاہتا ہے۔ اگر وہ سجدہ کرتا ہے تو اس کا زخم بہنے لگتا ہے اگر سجدہ نہ کرے تو نہیں بہتا اس صورت میں حنفیہ یہ کہتے ہیں وہ شخص بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ رکوع اور سجدہ کو اشارہ سے ادا کر لے۔

۱۰۔ مفاسد کو دور کرنا مصالح حاصل کرنے سے زیادہ مقدم ہے۔ درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح یعنی مصالح حاصل کرنے سے زیادہ مقدم مفاسد دور کرنا ہے شریعت اسلامی میں نیک کام بجا لانے سے زیادہ برائیوں سے بچنے پر زور دیا گیا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔ اذا امرتکم بشیئ فاتوا منہ ما استطعتم واذا نهيتم عن شيئ فاجتنبوہ [1] جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جس قدر طاقت رکھتے ہو اس کے کرنے کی کوشش کرو اور جب کسی امر سے روکوں تو اس سے رک جاؤ۔

۱۱۔ اذا تعارض المانع والمقتضی يقدم المانع۔ جب مانع اور مقتضی کا تعارض ہو تو مانع کو مقدم سمجھا جائے۔

یعنی جب کسی حالت میں اس کے روکنے والے اور چاہنے والے دونوں اسباب موجود ہوں تو روکنے والے اسباب کے حکم پر عمل کیا جائے گا۔ مثلاً کسی شخص پر دو زخم لگے ایک عمداً جو قصاص کو ضروری قرار دیتا ہے۔ دوسرا خطاءً جس سے قصاص واجب نہیں تو اس صورت میں قصاص واجب نہ ہوگا۔ بلکہ دیت واجب ہوگی۔

۱۲۔ الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة او خاصة یعنی احتیاج

[1] الاشباہ والنظائر صفحہ ۶۲۔

Marfat.com

ضرورت کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ چاہے وہ عام ہو یا خاص۔ مثلاً احتیاج کی وجہ سے بیع سلم اور اہل پیشہ سے معاملہ میں اگرچہ شے موجود نہیں ہوتی لیکن اس اصول کے مطابق وہ جائز ہے۔

اسی طرح ایک ضرورت مند کو بلا سودی قرض نہ مل سکے تو سودی قرض لینا جائز ہے۔

۱۳۔ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام۔ یعنی جب حلال اور حرام دونوں جمع ہوں تو حرام کو غلبہ ہو گا۔ مثلاً اگر مردار کی چربی گھی کے ساتھ مل جائے تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

۱۴۔ تصرف الامام علی الرعیۃ منوط بالمصلحت یعنی عوام کے معاملات میں رئیس مملکت کے تصرفات مصلحت پر مبنی ہونے چاہئیں۔ لیکن امام مفاد عامہ کا فیصلہ کرنے میں آزاد نہیں وہ فیصلہ شریعت کے منافی نہیں ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ فقہ کی کتب میں ہے۔

ویجب علی الامام ان یتق اللہ ویصف الی کل مستحق قدر حاجتہ من غیر زیادۃ فان قصر فی ذٰلک کان اللہ حسیبا [1] امام پر واجب ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتا رہے اور ہر مستحق کی ضرورت کو پورا کرے۔ دوسرے کی حق تلفی کر کے کسی کو ضرورت سے زیادہ نہ دے۔ اگر اس میں کوتاہی کرے گا تو وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہو گا۔

لم ینفذ امرہ شرعا الا اذا وافقہ فان خالفہ لم ینفذ [2] امام کا حکم شرعاً جبھی نافذ ہو گا کہ وہ خلاف شریعت نہ ہو ورنہ حکم نافذ نہ ہو گا۔

۱۵۔ الولایۃ الخاصۃ اقوی من الولایۃ العامۃ

حکومت کو عمومی حیثیت سے انتظام و انصرام کا حق حاصل ہے لیکن جن لوگوں کو خصوصی حیثیت سے انتظام کا حق حاصل ہے انہیں حکومت پہ ترجیح ہوگی مثلاً ا۔ ولی کی موجودگی میں حاکم یتیم اور یتیمہ کا نکاح نہیں کر سکتا۔

[1] الاشباہ والنظائر از زیلعی صفحہ ۸۸۔ [2] الاشباہ والنظائر صفحہ ۸۸۔

Marfat.com

۲۔ مقتول کا ولی قاتل سے دیت لینے کا حق رکھتا ہے۔ لیکن حاکم کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔

۱۶۔ الامور بمقاصدھا یعنی کام مقصد کے لحاظ سے دیکھے جاتے ہیں مثلاً دشمن میدان جنگ میں مسلمانوں کو آگے رکھ کر ڈھال بنانا چاہے تو اس صورت میں مسلمانوں پر حملہ کرکے دشمن تک پہنچنے میں کوئی حرج نہیں۔
انگور وغیرہ کا شیرہ شراب کے لئے نہ ہو۔ بلکہ تجارت اور سرکہ بنانے کے لئے ہو تو جائز ہے۔

۱۷۔ اس قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ جب نیت اور ظاہر میں اختلاف ہو تو نیت معلوم ہو جانے کے بعد اسی کے مطابق فیصلہ ہو گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے انما الاعمال بالنیات۔ یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

۱۸۔ الیقین لا یزول بالشك۔ یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔
اذا وجد احدکم فی بطنہ فاشکل علیہ اخرج منہ شیٔ ام لا فلا یخرجن من المسجد حتی یسمع صوتا او یجد ریحا۔ جب کوئی اپنے پیٹ میں قراقر محسوس کرے اور یہ پتہ نہ چل سکے کہ وضو توڑنے والی چیز پائی گئی ہے یا نہیں تو جب تک آواز نہ سنے یا بدبو محسوس نہ کرے اس وقت تک وضو کرنے کے لئے مسجد سے نہ نکلے یعنی جب تک یقین نہ ہو جائے اس وقت تک عمل نہ کرے۔

۱۹۔ من شك فعل شیئا ام لا فالاصل انہ لم یفعل۔ یعنی جس کو کسی عمل کرنے اور نہ کرنے میں شک ہو تو اصل نہ کرنا مانا جائے گا۔

اسی طرح من تیقن الفعل وشك فی القلیل والکثیر عمل علی القلیل۔ یعنی اگر کسی عمل کے کرنے کا یقین ہے لیکن اس میں کمی اور بیشی میں شک ہے تو کمی پر عمل کیا جائے گا۔

لہ مسلم شریف۔

Marfat.com

مثلاً کسی نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے میں شک ہو تو دوبارہ پڑھنے کا حکم ہوگا اگر رکعت کی تعداد میں شک ہو تو کم تعداد صحیح سمجھی جائے گی۔

۲۰۔ الاصل العدم اصل عدم ہے۔ مثلاً بیوی نے خاوند پر نان نفقہ کا دعویٰ کیا اور شوہر نے ادائیگی کا اقرار کیا یا قرض دار نے قرض کی ادائیگی کا اقرار کیا۔ قرض خواہ نے انکار کیا تو عورت اور قرض خواہ کا قول قابل اعتبار مانا جائے گا۔ کیونکہ اصل عدم ہے۔ لیکن جہاں اصلی صفات پائی جائیں وہاں یہ اصول ہوگا الاصل الوجود یعنی اصل وجود ہے۔ مثلاً کسی شخص نے جانور جوان سمجھ کر خرید کیا پھر بیچنے والے اور خرید کرنے والے میں اختلاف رونما ہو گیا تو بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ جوانی صفات اصلیہ میں سے ہے۔ لیکن واضح دلیل سے اس کے خلاف ثبوت مل جائے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا۔

۲۱۔ الاصل اضافۃ الحادث الی اقرب اوقاتہ۔ یعنی حادثہ کی نسبت قریب وقت کی طرف ہوگی۔ مثلاً مطلقہ عورت کا دعویٰ ہے کہ مجھے خاوند نے مرض الموت میں طلاق دی تھی۔ اس کی وراثت میں میرا حق ہے۔ ورثاء نے کہا کہ مرض سے پہلے طلاق دی تھی۔ اس لئے وراثت میں حق نہیں تو اس اصول کی رو سے عورت کے قول کو معتبر سمجھا جائے گا۔

۲۲۔ الحدود تندری بالشبہات یعنی حدیں (مقررہ سزائیں) شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ادرء الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان وجدتم للمسلم مخرجا فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبۃ ۔ (ترمذی)۔ یعنی جہاں تک ممکن ہو سکے مسلمانوں کو مقررہ سزاؤں سے بچاؤ۔ اگر ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے چھوڑنے کی گنجائش نکل سکتی ہو تو چھوڑ دو کیونکہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا سزا میں غلطی کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

حد کی طرح قصاص بھی شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ فقہاء نے کہا ہے: القصاص کالحدود فی الدفع بالشبہۃ فلا یثبت الا بما تثبت

Marfat.com

بدالحدود یعنی قصاص (جان کے بدلے جان) حدود کی طرح ہے۔ جس طرح وہ شبہ سے ختم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ بھی۔ اس کا ثبوت بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح حدود (مقررہ سزائیں) کا ثبوت ہوتا ہے۔

۲۳۔ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ اس اصول کا تعلق صرف ان امور سے ہے جن کے بارے میں شریعت کا کوئی فیصلہ نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ الحلال بین والحرام بین و بینھما امور مشتبھات (بخاری) حلال کا حکم بھی واضح ہے اور حرام کا بھی اور ان دونوں کے درمیان کچھ ایسے امور ہیں جو مشتبہ ہیں۔

اس اصول کی رو سے کسی مشتبہ امر کے متعلق قطعی دلیل سے کوئی فیصلہ نہ کیا جا سکے تو اباحت کا حکم دیں گے۔ ابوبکر جصاص نے نہایت وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے:۔ ان الاشیاء علی الاباحۃ مما لا یحظرہ العقل فلا یحرم شیئ الا ما قام دلیلہ [۱] جن چیزوں سے عقل نہ روکے وہ سب مباح ہیں۔ البتہ جن کی حرمت پر دلیل قائم ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۲۴۔ التعزیر یثبت مع الشبھۃ یعنی تعزیر شبہہ کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے۔ تعزیر سے مراد وہ سزائیں جو نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے سیاستاً اور اصلاحاً دی جاتی ہیں۔

الکفارات تثبت معھا یعنی کفارے بھی شبہہ کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں۔

۲۵۔ العادۃ محکمۃ یعنی عادت فیصلہ کرنے والی بنائی گئی ہے۔

عادت کی دو قسمیں ہیں:۔ ۱۔ کلی عادت۔ ۲۔ بدلنے والی عادت۔

کلی عادت کی تعریف یہ ہے:۔

العوائد العامۃ لا تختلف بحسب الاعصار والاحوال کالاکل والشرب والفرح والحزن والنوم والیقظۃ والمیل الی الملائم والنفور عن المنافر وتناول الطیبات

[۱] احکام القرآن جلد ا صفحہ ۱۳۰۔

Marfat.com

والسلامات واجتناب المولمات والخبائث وما اشبہ ذالک [1] وہ عادتیں جو کسی زمانہ اور کسی مقام میں بدلتی نہیں ہیں۔ جیسے کھانا پینا غم خوشی۔ سونا جاگنا۔ پسندیدہ چیزوں کی طرف رغبت بری چیزوں سے نفرت، پاکیزہ اور لذیذ چیزوں کا استعمال ضرر رساں اور گندی چیزوں سے پرہیز اور جو چیزیں ان کے مشابہ ہیں وہ سب کلی عادات میں شمار ہوں گی۔

اس قسم کی عادات کے متعلق فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ چونکہ یہ طبعی اور فطری نہیں اس وجہ سے ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

بدلنے والی عادت یہ ہے:۔ العوائد التی تختلف باختلاف الاعصار والامصار والاحوال کھیات اللباس والمسکن واللین فی الشدۃ والشدۃ فیہ والبطی والسرعۃ فی الامور والاناءۃ والاستعجال وما کان نحو ذالک [2]

وہ عادات جو زمانہ مقامات اور حالات کے لحاظ سے تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ جیسے لباس کی وضع قطع۔ مکان کی بناوٹ۔ سختی میں نرمی اور نرمی میں سختی کام میں عجلت وتاخیر سنجیدگی متانت اور جلد بازی وغیرہ۔ اس قسم کی عادات کے متعلق فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ حالات اور زمانہ اور مقامات کے لحاظ سے ان میں فیصلہ ہوگا ایک جگہ کا حکم دوسری جگہ والوں پر مسلط نہیں کیا جا سکتا اس سے تنگی اور دشواری پیدا ہو گی۔

۲۶۔ الاجتھاد لاینقض بالاجتھاد یعنی ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا کیونکہ اجتہاد اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق کیا جاتا ہے۔ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اس وجہ اجتہاد میں تبدیلی آئے گی۔

حضرت عمرؓ نے کئی مسائل میں اجتہاد سے حضرت ابو بکرؓ کے حکم کے خلاف فیصلہ کیا لیکن ان کے حکم کو باطل نہیں ٹھہرایا۔

۲۷۔ التابع تابع کا حکم تابع ہی کا رہے گا۔ مثلاً پیٹ کا بچہ جانور کی بیع میں شامل ہوگا۔ علیحدہ اس کی بیع اور ہبہ وغیرہ صحیح نہیں ہے۔

[1] الموافقات صفحہ ۲۹۷۔ [2] الموافقات صفحہ ۲۹۷۔

Marfat.com

راستہ وغیرہ سب زمین کی بیع میں داخل ہوں گے ۔ انہیں الگ کر کے بیع کرنا درست نہیں ۔

۲۸۔ لا ینسب الی ساکت قول لکن السکوت فی معرض الحاجۃ بیان یعنی خاموش کی طرف کسی بات کی نسبت درست نہ ہوگی ۔ لیکن خاموشی بوقت ضرورت اظہار شمار ہوگا ۔ مثلاً کوئی شخص کسی غیر کو اپنے مال میں تصرف کرتا ہوا دیکھے اور خاموش رہے تو یہ خاموشی اجازت پر محمول نہ ہوگی ۔

۲۹۔ الاجتہاد لا یعارض النص یعنی اجتہاد نص صریح کے خلاف نہیں ہوتا جس معاملہ میں نص صریح موجود ہو ۔ اس میں اجتہاد کی اجازت نہیں ہے اگر کوئی اجتہاد نص صریح کے خلاف ہے تو وہ جائز نہیں ہے ۔

۳۰۔ لا ینبغی الحکم علی الموہوم خصوصاً فیما یکون الواجب فیہ الاخذ بالاحتیاط یعنی موہوم بات کا فیصلہ دینا مناسب نہیں بالخصوص جہاں احتیاط پر عمل کرنا ضروری ہے ۔

۳۱۔ حرمۃ الملک باعتبار حرمۃ المالک اس کلیہ کی رو سے وہ جانور جو چرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے ۔ دوسرا شخص اس کو پکڑ لے تو وہ اس کا مالک نہ ہوگا ۔ کیونکہ جانور میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہے ۔ مالک موجود ہے اس وجہ سے اس کی ملکیت ہی وہ جانور سمجھا جائے گا ۔

۳۲۔ الثابت بالعرف کالثابت بالنص یعنی عرف و رواج سے جو بات ثابت ہو وہ نص سے ثابت ہونے کی مثل ہے ۔

۳۳۔ البناء علی الظاہر فیما یتعذر الوقوف علی حقیقتہ جائز یعنی جب اصل حقیقت پر پہنچنا دشوار ہو ۔ اس میں ظاہری حالت پر فیصلہ کرنا جائز ہے ۔

۳۴۔ مجرد الخبر لا یصلح حجۃ ۔ محض خبر حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ۔

۳۵۔ الثابت بالبینۃ کالثابت بالمعاینۃ شہادت سے جو چیز ثابت ہو آنکھوں

Marfat.com

دیکھی چیز کی طرح ثابت ہے۔

۳۶۔ خبرالواحد لاتنفک من الشبهة خبر واحد شبہ سے خالی نہیں ہوتی۔

۳۷۔ یسقط اعتبار دلالة الحال اذا جاء التصریح بخلافها حالت کی دلالت کا اعتبار نہ ہوگا۔ جب صراحت اس کے خلاف موجود ہو۔

۳۸۔ ماحرم اخذہ حرم اعطائه جس کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔

۳۹۔ ماحرم فعله حرم طلبه جس فعل کا کرنا حرام ہے۔ دوسرے سے اس کا مطالبہ بھی حرام ہے۔

۴۰۔ الاصل فی الکلام الحقیقة یعنی کلام کا اصل یہ ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں۔ ہاں اگر حقیقت پر عمل کرنا محال ہو تو مجاز پر عمل کیا جائے گا مثلاً ایک شخص جس کے پوتے بھی ہیں اور اپنا مکان وقف علی الاولاد کرتا ہے تو اس کے مرنے کے بعد پوتوں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا کیونکہ لفظ اولاد کے حقیقی مصداق میں پوتے داخل نہیں ہیں۔

۴۱۔ المطلق یجری علی اطلاقه اذا لم یقم دلیل التقیید نصا او دلالة۔ یعنی کلام در اصل مطلق ہی ہوتا ہے۔ جب تک اس میں کوئی قید صراحۃً یا دلالۃً موجود نہ ہو۔ مثلاً جس وکیل کو غیر مشروط طور پر مال فروخت کرنے کا اختیار دیا جائے تو وہ اپنے موکل کے مال کو مناسب قیمت پر فروخت کر سکتا ہے۔ ہاں اگر موکل اپنی طرف سے قیمت مقرر کر دے تو وکیل اس مال کو کم قیمت پر فروخت نہیں کر سکتا۔

۴۲۔ الحکم یتبع المصلحة الراجحة حکم راجح مصلحت کے تابع ہے یعنی جن امور کا فائدہ نقصان پر غالب ہو۔ ان کے اختیار کرنے کا حکم ہے اور جن امور میں برائی کے عناصر اچھائی کے عناصر پر غالب ہوں تو شریعت انہیں حرام قرار دیتی ہے۔ شراب جوا وغیرہ کو اسی اصل کے تحت حرام قرار دیا گیا ہے۔

۴۳۔ سبیل الکسب الخبیث التصدق به اذا تعذر الرد

Marfat.com

علی صاحب الحق ۔ یعنی ناجائز طریقے سے کمایا ہوا مال اگر حق دار کو واپس نہ کیا جا سکے تو خیرات کر دینا چاہیئے ۔

۴۴۔ ما اجتمع محرم ومبیح الاغلب المحرم ۔ یعنی جب حلال و حرام جمع ہو جائیں تو حرام چیز غالب ہوتی ہے اگر شکار میں سدھائے ہوئے اور بے سدھائے ہوئے کتے دونوں شریک ہو جائیں تو شکار حرام ہو جائیگا ۔

۴۵۔ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ حتی یدل الدلیل علی عدم الاباحۃ اشیاء میں اصل چیز اباحت ہے جب تک کہ کسی چیز کے مباح نہ ہونے کی کوئی دلیل موجود نہ ہو ۔

اس اصل کی دلیل یہ آیت ہے :۔ خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا یعنی جو کچھ زمین پر ہے وہ سب اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے ۔

۴۶۔ الخراج بالضمان یعنی کسی چیز کا نفع اسی کا حق ہے جو اس کے بقاء اور اس کے نقصان کا ضامن ہے ۔ اس کلیہ کی بنیاد اس حدیث پر ہے کہ ایک آدمی نے ایک غلام خریدا وہ اس کے پاس ایک مدت تک رہا ۔ پھر اس نے اس غلام میں عیب پایا اور اسے واپس کرنے لگا ۔ غلام کے سابق مالک نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ دائر کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام واپس کرا دیا سابق مالک نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے اپنے قبضے کے دوران میں اس غلام سے فائدہ حاصل کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا الخراج بالضمان نفع سے استفادہ ذمہ داری کی بناء پر ہے ۔

۴۷۔ اذا برأ الاصیل برأ الکفیل جب اصیل بری الذمہ ہوا تو ضامن بھی بری الذمہ ہوگا ۔

۴۸۔ اذا اجتمع المباشر والمتسبب اضیف الحکم الی المباشر ۔ یعنی جب کسی کام میں کام کرنے اور سبب بننے والا دونوں جمع ہو جائیں تو کام کی نسبت کرنے والے کی طرف ہوگی سبب بننے والے کی طرف نہ ہوگی مثلاً ایک شخص نے راستہ میں کنواں کھودا ہے دوسرے شخص نے کسی کو اس کنوئیں میں گرا دیا ہے تو گرانے والا ہلاک کرنے کا ضامن ہے ۔

Marfat.com

اگر کسی شخص نے چور کی راہنمائی کی اور اس نے چوری کرلی تو چور ضامن ہوگا۔

۴۹۔ ذکر بعض مالا یتجزی کذکر کلہ یعنی جس چیز کے ٹکڑے نہ ہو سکیں تو اس کے بعض حصے کو ذکر کرنا کل کے ذکر کے مثل ہے مثلاً" نصف طلاق کہنے سے ایک طلاق ہوگی۔

۵۰۔ من استعجل الشئ قبل اوانہ عوقب بحرمانہ جس شخص نے وقت سے پہلے کسی چیز کے حصول میں جلد بازی کی تو اس کو اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی مثلاً" قاتل وراثت سے اس وجہ سے محروم ہوتا ہے۔

۵۱۔ من اخر الشئ بعد اوانہ فلیتامل فی الحکم جس شخص نے وقت کے بعد کسی چیز کو مؤخر کیا تو حکم میں خود تفکر کرنا چاہیئے۔ مثلاً" کسی شخص نے مرض الموت میں وراثت سے محروم کرنے کی غرض سے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ ترکہ سے محروم نہ ہوگی۔

۵۲ لا عبرۃ بالظن البین خطاءہ اس گمان کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس کا غلط ہونا ظاہر ہو۔ مثلاً" کسی شخص نے پانی کو ناپاک سمجھ کر وضو کر لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ پاک تھا تو وضو جائز ہے۔

فقہ کی کتب میں کم و بیش ۱۰۰ قواعد ملتے ہیں ان میں سے کچھ بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ پڑھنے والے کے سامنے اسلامی قانون کی خوبیاں آجائیں قواعد وضع قوانین کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں جب بنیاد عمدہ اور مضبوط ہوگی تو عمارت لامحالہ اچھی ہوگی۔

قواعد کلیہ کے مشہور مصنف تاج الدین سبکی شافعی ہوئے ہیں۔ ان کے بعد جلال الدین سیوطی ہوئے ہیں۔ آپ شافعی المذہب تھے۔ اس موضوع پر ان کی مشہور کتاب الاشباہ والنظائر ہے۔ امام سیوطی کے بعد مشہور مصنف زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم ہوئے ہیں۔ آپ نے فقہ حنفی پر کتب تصنیف کی ہیں قواعد پر ان کی کتاب "الاشباہ والنظائر" مشہور ہے۔

Marfat.com

اقسام قانون

قانون کی دو قسمیں ہیں: فوجداری قانون / دیوانی قانون

حدود یہ لفظ حد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں روک، تقیید، امتناع۔ فقہ میں لفظ حدود ان جرائم کی سزا کے لیے بولا جاتا ہے جن کا ذکر قرآن مجید اور حدیث میں آتا ہے۔

تعزیرات : تعزیر کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ منع کرنا۔ باز رکھنا۔ ملامت کرنا۔ پھر یہ لفظ تنبیہ اور تادیب کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔ فقہ کی اصطلاح میں یہ لفظ ان سزاؤں پہ استعمال ہوتا ہے۔ جو حاکم وقت کے منشا پر چھوڑ دی گئی ہوں۔

حد اور تعزیر میں فرق : (۱) حد کو حق اللہ کہا جاتا ہے۔ اس میں بندہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور تعزیر کو حق العبد کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ بندہ اسے معاف کر سکتا ہے۔ زیادتی وکمی بھی۔ موقعہ حالات اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا کی نوعیت بدلی جا سکتی ہے۔

۲۔ حد نابالغ پر واجب نہیں ہے۔ مگر تعزیر جاری کی سکتی ہے: ان الحد لا یجب علی الصبی والتعزیر شرع علیہ [1]

۳۔ شک کی حالت میں حد کا اجرا ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر تعزیر کا اجرا شک کے باوجود جائز ہے: ان الحد یدرأ بالشبہات والتعزیر یجب معہا [2]

۴۔ حد صرف خلیفہ وقت جاری کر سکتا ہے۔ تعزیر کے لیے یہ قید نہیں: ان الحد مختص بالامام والتعزیر یفعلہ الزوج والمولی وکل من رأی احداً یباشر المعصیۃ [3]

---

[1] رد المختار ج ۳ ص ۲۴۴ [2] رد المختار ج ۳ ص ۲۴۵ [3] رد المختار ج ۳ ص ۲۴۵

Marfat.com

۔ حد میں سزا مقرر ہوتی ہے اس میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔ تعزیر میں سزا مقرر نہیں ہے اور حالات اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا معاف بھی کی جا سکتی ہے۔ اور کمی بیشی بھی کی جا سکتی ہے۔

والتعزیر لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رای القاضی لانہ المقصود منہ الزجر واحوال الناس فیہ مختلفۃ [1]

اسلام میں تعزیری سزاؤں کا اصول: اسلام میں تعزیری سزا کا قانون عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ اور انسانی فطرت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ غیر جانبدارانہ قانونی عدل و انصاف کے ساتھ رحم کے تقاضے اور مجرم کی اصلاح کو سامنے رکھتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۔ [2] بدی کا بدلہ اس کی مثل سزا ہے۔ پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ پر ہے وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ [3] پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم اس کو اسی کے مطابق سزا دو جو اس نے تم پر کی ہے: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ [4] اگر تم انہیں بدلہ دو تو اتنا دو جتنی تمہیں تکلیف دی گئی۔

ان آیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سزا کا اصل مقصد انصاف اور اصلاح ہے اگر معاف کر دینے سے اصلاح ہوتی ہو۔ تو معاف کرنا بہتر ہے اور اگر معاف کرنے سے معاشرہ میں بگاڑ اور فساد ہوتا ہو تو سزا دینا ضروری ہے۔

مختلف جرموں کی سزائیں

قتل کی سزا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ

---

[1] الرد المختار علی ہامش الدر المختار ج ۳ صفحہ ۲۴۷ [2] الشوریٰ ۴۲: ۴۰

[3] البقرہ ۲: ۱۹۴ [4] النحل ۱۶: ۱۲۶

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [1]

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص مقرر کیا گیا ہے۔ قاتل آزاد ہو تو آزاد ہی مارا جائے غلام ہو تو غلام اور عورت ہو تو عورت مگر جس کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دی گئی ہے تو عمدگی سے پیروی کرنی چاہیئے اور نیکی کے ساتھ اسے ادا کیا جائے یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے۔ پھر جو کوئی اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لئے دردناک عذاب ہے اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو! تاکہ تم بچے رہو۔

اس آیت کریمہ میں حسب ذیل احکام ہیں:

۱۔ قصاص یعنی قاتل کو قتل کی سزا دی جائے۔

۲۔ آزاد قتل کرے تو اس کے بدلہ آزاد کو ہی قتل کیا جائے اگر غلام قتل کرے تو غلام قاتل کو قتل کیا جائے۔ اور عورت قتل کرے تو عورت قاتل کو قتل کیا جائے۔

۳۔ اگر وارث خون بہا پر راضی ہو جائے تو دیت کا لے لینا جائز ہے۔

قتل بغیر عمد کی سزا: قتل بغیر عمد کی سزا خون بہا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤی اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤی اَهْلِهٖ وَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ [2]

---

[1] البقرہ ۲: ۱۷۸، ۱۷۹ [2] النساء ۴: ۹۲

Marfat.com

اور کسی مومن کو شایان نہیں کہ وہ مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو کوئی غلطی سے کسی مومن کو مار ڈالے تو ایک مومن غلام آزاد کرے، اور خون بہا دے جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے۔ سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔ پھر اگر مقتول ایسے لوگوں سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں اور وہ مومن ہو۔ تو ایک مومن غلام آزاد کرنا چاہیے اور اگر ایسے لوگوں سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے تو خون بہا دینا چاہیئے۔ جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے۔ اور ایک مومن غلام آزاد کیا جائے۔

اس آیت کریمہ سے حسب ذیل احکام مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ قتل بغیر عمد کی سزا مومن غلام آزاد کرنا اور وارثوں کو خون بہا دینا ہے۔

۲۔ دشمن قوم (جو اسلامی حکومت سے برسر جنگ ہو) سے کوئی مسلمان قتل ہو جائے تو اس کی سزا ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔

۳۔ اگر معاہدہ قوم کے کسی شخص کو غلطی سے قتل کر دیا ہے تو مقتول کے ورثاء کو دیت دینا ہے اور ایک غلام آزاد کرنا ہے۔

ڈاکہ کی سزا: ڈاکوزنی کی سزا کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔

ان کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں صرف یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا صلیب پر مارے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف اطراف سے کاٹے جائیں یا ان کو قید کیا جائے۔ یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اس آیت کریمہ میں چار قسم کی سزائیں بیان فرمائی ہیں:

Marfat.com

۱- جو لوگ ڈاکے کے ساتھ قتل بھی کرتے ہیں ان کو قتل کیا جائے۔
۲- جو قتل و غارت کے ساتھ ملک میں فساد برپا کرتے ہیں انہیں صلیب پر لٹکایا جائے تاکہ ان کی سزا کی تشہیر ہو۔
۳- جو لوگ ڈاکہ کے ساتھ لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹتے ہیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں
۴- کاٹنے کا حکم ہے۔
۴- جو لوگ محض ڈرا دھمکا کر مال لوٹتے پھرتے ہیں انہیں قید کرنے کا حکم دیا ہے۔ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ کے معنی قید لئے گئے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور احمد بن حنبلؒ نے ان الفاظ کے معنی قید ہی کے لئے ہیں۔

چوری کی سزا: سرقہ کی سزا کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءً بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِہٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوْبُ عَلَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [۱]

اور چور مرد اور چور عورت سو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ اس کی سزا ہے جو انہوں نے کیا ہے اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ پھر جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اللہ اس پر رحمت سے توجہ کرے گا اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ہمارے اس دور میں قطع ید کی تفسیریں اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے تو قطع ید کے معنی ہاتھ کاٹنے کے لئے ہیں۔ دوسرے گروہ نے قطع ید کے مجازی معنی بھی لئے ہیں یعنی اس کے ہاتھ روک دینا۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ قطع کا لفظ روکنے کے معنی میں عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ سے مراد رستہ کا روکنا ہے نہ کہ رستہ کا کاٹنا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شاعر نے رسول کریم صلعم کے خلاف ہرزہ سرائی کی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقطعوا عنی لسانہ میری طرف سے اس کی زبان کاٹ دو یعنی اسے خاموش کر دو۔ یہاں زبان کاٹنے سے مراد زبان روکنا ہے۔

---

[۱] المائدہ ۵: ۳۸، ۳۹

Marfat.com

اسی طرح قطع ید کا معنی یہ ہے کہ چور کے ہاتھ سے معاشرہ کو امن میں لایا جائے خواہ قید کر کے اس کا ہاتھ روک دیا جائے خواہ ہاتھ کاٹ کر روک دیا جائے۔

اگر دونوں آیات پر غور کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے قطع ید کی سزا انتہائی سزا ہے یعنی اگر چور توبہ اور اصلاح نہ کرے، اور عادی ہو جائے جس کی وجہ سے معاشرہ کا امن خطرے میں پڑ جائے تو اس چور کی سزا الیقینی قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہے۔ نئی تحقیقات نے بھی یہ بات واضح کر دی ہے کہ چور کے دماغ میں چوری کی عادت ایک نیا مرکز چوری کا بنا دیتی ہے۔ جس کا تعلق ہاتھ سے ہوتا ہے ہاتھ کے کٹنے سے وہ مرکز بھی ختم ہو جاتا ہے اور عادت دور ہو جاتی ہے۔

ہاں ایسا چور جس نے کسی مجبوری کے تحت چوری کی ہے اور عادی مجرم نہیں ہے یا کسی معمولی چیز کی چوری کی ہے تو چور کو اصلاح کا موقع دینا چاہیئے۔ چور کو اس معمولی چوری کے بدلے حاکم حالات کے مطابق سزا دے سکتا ہے۔ مثلاً قید کر دے یا کوئی اور سزا تجویز کر دے۔

آئمہ مجتہدین کے اجتہاد سے بھی یہی بات ثابت ہے چوری کی سزا میں حد بندی کر دی ہے مثلاً امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس درہم اور امام شافعیؒ کے نزدیک دینار کے چوتھے حصے سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا کسی خاص حد تک پہنچ کر شروع ہوتی ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت ۳۹ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ چور کو توبہ اور اصلاح کا موقع دیا جائے اور آغاز جرم میں ہی اس کو انتہائی سزا نہ دی جائے۔

زنا کی سزا: اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ [1] زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور ان پر مہربانی نہیں اللہ کے حکم کی تعمیل سے نہ روکے۔ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان

---

[1] النور ۲۴: ۲

Marfat.com

لاتے ہو اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود ہو۔

زنا کی سزا کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ہمارے اس دور کے بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ مرد یا عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہر حالت میں زنا کی سزا صرف سو دُرّے ہے۔ رجم یعنی سنگ ساری نہیں۔ احادیث میں شادی شدہ مرد یا عورت کو زنا کی پاداش میں رجم کی سزا مذکور ہے۔ وہ سورہ نور کے نزول سے قبل کا حکم ہے۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے رواج سابق کے مطابق حکم دیا تھا۔ دوسری شریعت میں زنا کی سزا رجم تھی۔ سورہ نور کی مذکورہ بالا آیات نے دوسری شریعت کے حکم کو منسوخ کر دیا اور قرآن مجید کی کسی آیت میں رجم کی سزا مذکور نہیں ہے۔

جمہور علماء کا گروہ کہتا ہے اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہے اسے سنگ سار کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے اگر محصن نہیں آزاد ہے اسے سو دُرّے اگر غلام ہے پچاس دُرّے لگائے جائیں۔

رجم کی سزا میں زانی کے محصن ہونے سے مراد یہ ہے، وہ آزاد عاقل و بالغ اور مسلمان ہو اور اس نے آزاد عورت کے ساتھ مباشرت صحیحہ کی ہو۔ اور وہ دونوں محصن ہوں۔

فتاویٰ عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

وجب الحد ان کان الزانی محصنا رجمہ بالحجارۃ حتی یموت واحصان الرجم ان یکون حرًا عاقلًا بالغًا مسلمًا قد تزوج امراۃ حرۃ نکاحا صحیحا ودخل بہا وھما علی صفۃ الاحصان کذا فی الکافی۔ وان کان غیر محصن فحدہ مائۃ جلدۃ ان کان حرًا وان کان عبدا جلدہ خمسین یامر الامام [1]

جرم قذف (اتہام لگانا) کی سزا: شریعت میں قذف کے معنی زنا کی تہمت لگانا ہے۔ زنا کے جھوٹے الزام کی سزا شریعت اسلامی میں اسی کوڑے ہیں ارشاد الٰہی ہے:

---

[1] فتاوی عالمگیری جلد ۲ کتاب الحدود صفحہ ۱۵۱ ـ ۲ ۵ ۷

Marfat.com

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1]

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہی نافرمان ہیں۔

اسی کوڑوں کی سزا حر (آزاد) کے لئے ہے، اگر غلام ہے تو اسے چالیس کوڑے لگانے کا حکم دے۔

شراب خوری: قرآن مجید میں شراب خوری کے لئے سزا کا کوئی ذکر نہیں۔ لیکن احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں کوئی متعین سزا نہ تھی۔ صرف پٹائی کا حکم صادر فرمایا کرتے تھے کوئی ہاتھ سے مارتا کوئی جوتے سے کوئی کوڑے سے اور کوئی کھجور کی شاخ سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شرابی آنحضرت صلعم کی خدمت میں لایا گیا اس کا جرم ثابت تھا آپ نے صحابہ کو فرمایا: اضربوہ فمنا الضارب بیدہ والضارب بنعلہ والضارب بثوبہ یعنی اس کی پٹائی کرو۔ ہم میں سے کوئی ہاتھ سے مارنے لگا کوئی اپنے جوتے سے کوئی اپنے کپڑے سے۔

خلفاءؓ کے عہد میں سزا: حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں شراب نوشی کی سزا چالیس کوڑے تھی، جب مقدمات زیادہ آنے لگے۔ تو حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو جمع کیا۔ غور و فکر کرنے کے بعد متفقہ طور پر اسی کوڑے طے پائے۔

جرم لواطت کی سزا: قرآن میں آتا ہے:

اللذان یاتیٰنها منکم فاذوهما [2] تم میں سے جو دو مرد بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو سزا دو۔

ابو مسلم اصفہانی کے نزدیک یہ آیت جرم لواطت کے متعلق ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حد کی سزا نہیں دی جائے گی، تعزیر کی سزا ہو گی۔ یا اسے قید خانہ

---

[1] النور ۲۴: ۴ [2] فتاویٰ عالمگیری کتاب الحدود صفحہ ۷۵۸

Marfat.com

میں ڈالا جائے۔ جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک وہ حد کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ اگر شادی شدہ ہے تو سنگسار کیا جائے اگر شادی شدہ نہیں تو کوڑے لگائے جائیں اگر اس نے لواطت کا فعل اپنے غلام یا لونڈی یا اپنی بیوی سے کیا ہے تو اس پر اجماع ہے کہ اسے حد کی سزا نہیں ہوگی اگر مرتکب لواطت کا عادی ہے تو امام اسے قتل کر دے۔ مرتکب محصن ہو یا غیر محصن عربی عبارت یہ ہے:

لو وطی امرأة فی دبرها او لاط بغلام له یحد عند ابی حنیفة ویُعَزَّرُ ویودع فی السجن حتی یتوب وعندهما یحد حد الزنا فیجلد ان لم یکن محصنا ویرجم ان کان محصنا ولو فعل هذا بعبده او امته او زوجته بنکاح صحیح او فاسد لا یحد اجماعا کذا فی الکافی ولو اعتاد اللواطة قتله الامام محصنا کان او غیر محصن کذا فی فتح القدیر[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سب سے پہلے لواطت کا مجرم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لایا گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نوجوانانِ قریش کو حکم دیا کہ اس سے ہم نشینی ترک کر دو۔

قرآن مجید کا لفظ فَاٰذُوْھُمَا (دونوں کو سزا دو) عام ہے۔ کسی قسم کی سزا تجویز نہیں کی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ حالات کے مطابق حاکم اس جرم کی سزا تجویز کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ابو یوسف کے اجتہاد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں جوں جوں یہ جرم ترقی کرتا چلا گیا سزا سخت ہوتی چلی گئی ہے۔

---

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۹۹

Marfat.com

دوسری قسم

دیوانی قانون

دیوانی معاملات کے لئے پانچ امور کا ہونا ضروری ہے:

۱- **معاہدات:** فریقین میں معاہدہ ہوتا ہے مثلاً بیع کا، رہن کا، حوالہ کا، کفالہ کا، ضمانت وغیرہ کا۔

۲- **امر دعوی:** جب کسی ایک فریق کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو عدالت میں دعوی دائر کیا جاتا ہے۔

۳- **جواب دعوی:** عدالت میں مدعاعلیہ دعوی کا جواب دیتا ہے۔

۴- **شہادت:** مقدمات کا دارومدار شہادت پر ہے۔ فریقین اپنے حق میں شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

۵- **فیصلہ:** قاضی دعوے جواب دعوے اور شہادتیں سن کر فیصلہ کرتا ہے۔

امر اول کے مطابق قرآن مجید میں آتا ہے۔ کہ جب کوئی معاملہ کرو تو اس کو ضبط تحریر میں لے آیا کرو اور دستاویز پر گواہوں کی شہادت بھی لے لیا کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَـيْـــًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىھُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـــمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا [1]

---

[1] البقرہ ۲:۲۸۲

Marfat.com

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم آپس میں مقررہ وقت کے لئے قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لو۔ اور چاہیئے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا عدل کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جیسا اللہ نے اسے سکھایا ضرور لکھ دو اور چاہیئے کہ وہ جس پر حق ہے لکھائے۔ اور وہ اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرے اور اس سے کچھ کمی نہ کرے پھر اگر وہ شخص جس پر حق ہے کم عقل یا ضعیف ہو یا لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوائے اور دو گواہ اپنے مردوں میں سے گواہی کے لئے بلا لیا کرو۔ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے ہوں۔ جن کو تم پسند کرو۔ تاکہ اگر ایک بھول جائے تو ایک ان دونوں میں سے دوسری کو یاد دلائے اور گواہ جب بلائے جائیں انکار نہ کریں اور اس کے وقت تک اسے لکھنے میں کاہلی نہ کرو تھوڑا ہو یا بہت یہ اللہ کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے اور گواہی کو بہت مضبوط کرنے والی ہے اور اس سے بہت قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔

معاہدہ کی پابندی کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا [1] عہد پورا کرو یقیناً عہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔

وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا [2] عہد کو پکا کرنے کے بعد مت توڑو۔

امر دوم کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [3]

اور اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور نہ ان کے ذریعہ حاکموں تک پہنچو۔ تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔ حالاں کہ تم جانتے ہو کہ اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا ہے کہ جو لوگ جھوٹے دعوے دائر کرتے ہیں وہ گنہ گار ہیں۔

---

[1] بنی اسرائیل ۱۷: ۳۴ [2] النحل ۱۶: ۹۱ [3] البقرہ ۲: ۱۸۸

Marfat.com

امر سوم کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے: لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ - [1] اور نیکی اور بدی برابر نہیں بدی کو بہت اچھے طریق سے دور کر۔ پھر تو دیکھے گا کہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے گویا وہ دل سوز دوست ہے۔

اس آیت کریمہ میں جواب دعویٰ کے متعلق نہایت ہی عمدہ اصول وضع کر دیا ہے وہ یہ کہ جواب دعوے کے لئے نیک راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

امر چہارم کے متعلق ارشاد الٰہی ہے: وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ [2] گواہی کو اللہ کے لئے درست ادا کرو۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ [3] اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے یقیناً اس کا دل گنہ گار ہے، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

امر پنجم کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ [4] جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو۔

قوانین

طوالت سے بچنے کے لئے دیوانی قوانین کی فہرست حوالوں کے ساتھ درج کر دی جاتی ہے۔ کافی قوانین کا ذکر معاشرتی نظام اور اقتصادی نظام میں آچکا ہے۔

لین دین کے قوانین

۱۔ قرضہ جات ضبط تحریر میں لائے جائیں	بقرہ ۲ : ۲۸۲
۲۔ دستاویز پر گواہیاں	بقرہ ۲ : ۲۸۲

[1] حم سجدہ ۴۱ : ۳۴ [2] الطلاق ۶۵ : ۲ [3] البقرہ ۲ : ۲۸۳
[4] النساء ۴ : ۵۸

Marfat.com

۳: گواہوں کا فرض — بقرہ ۲ : ۲۸۲

۴: گواہ اور کاتب کو تنگ نہ کیا جائے — بقرہ ۲ : ۲۸۲

۵: شہادت نہ چھپائی جائے — بقرہ ۲ : ۲۸۳

۶: رہن — بقرہ ۲ : ۲۸۳

۷: وصیت کے احکام — بقرہ ۲ : ۱۸۰ مائدہ ۵ : ۱۰۶

وقف کے احکام — بخاری کتاب الوصایا باب الوقف للغنی والفقیر والضیف۔

معاشرہ کے متعلق قوانین

منگنی کے احکام — بقرہ ۲ : ۲۳۵

نکاح کی عمر — النساء ۴ : ۶

حق مہر — النساء ۴ : ۶، النساء ۴ : ۴، النساء ۴ : ۲۰، ۲۱ : ۲۲، ۴، ۲۵، ۴ : مائدہ ۵ : ۵

شغار یعنی باہمی تبادلہ کی شادی

عرب میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص اپنی لڑکی یا بہن یا وہ جس کی تولیت اس کے سپرد ہے۔ کسی دوسرے کے نکاح میں دے دیتا اور اس کے بدلہ میں اس کی بیٹی یا بہن وغیرہ سے نکاح کرتا، دونوں فریق مہر نہ دیتے تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے — بخاری کتاب النکاح باب الشغار

نکاح کا اعلان — النساء ۴ : ۲۴، ۲۵، مائدہ ۵ : ۵

نکاح میں ولی یا سرپرست — اس بارہ میں آئمہ فقہا کا اختلاف ہے فقہ حنفی بغیر ولی کے نکاح جائز قرار دیتا ہے (ہدایہ جلد ا صفحہ ۲۹۳)

Marfat.com

	شیعوں کا بھی یہ نقطہ نگاہ ہے (محمڈن لاء امیر علی) امام مالک اور امام شافعی دونوں کا یہ مسلک ہے کہ ولی کی اجازت ضروری ہے۔
زوجین کے مساوی حقوق ہیں	البقرہ ۲: ۱۷۳
مرد کو کچھ برتری حاصل ہے۔	البقرہ ۲ : ۱۷۳، النساء ۴: ۳۴
برتری کی وجہ	النساء ۴: ۳۴
محرمات نکاح	النساء ۴: ۲۳
کثیر الازدواجی	النساء ۴: ۳
اگر میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کرانی چاہیئے۔	النساء ۴: ۳۵
طلاق	النساء ۴: ۳۵
طلاق کیسے دی جائے (طلاق طہر میں دی جائے)۔	الطلاق ۶۵: ۲۸
عدت کی مدت	البقرہ ۲۵: ۲۲۸، البقرہ ۲ : ۲۳۴ الطلاق : ۲۸
طلاق منسوخ ہو سکتی ہے۔	البقرہ ۲: ۲۲۸
عدت گذر جانے کے بعد دوبارہ نکاح	البقرہ ۲: ۲۳۲
طلاق بائن۔ تیسری طلاق کے بعد نکاح حرام ہے۔ ہاں صرف ایک صورت ہے کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے، اور وہ بھی ناکام ثابت ہو اور خاوند طلاق دے دے، تب پہلا خاوند	البقرہ ۲: ۲۳۰

Marfat.com

شادی کر سکتا ہے۔

ایلاء	سورہ بقرہ ۲: ۲۲۶، ۲۲۷
ظہار	المجادلہ ۱: ۲
لعان	النور ۲۴: ۶ تا ۹
خلع	البقرہ ۲: ۲۲۹
متبنیٰ کے امتناع کا حکم	احزاب ۳۳: ۴، ۵
میراث و ترکہ	النساء ۴: ۷
تقسیم قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد ہو۔	النساء ۴: ۷
مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر	النساء ۴: ۱۱
لڑکے اور لڑکی کا حصہ	النساء ۴: ۱۱
صرف لڑکیاں وارث ہوں تو کتنا حصہ	النساء ۴: ۱۱
با اولاد میت کے ماں باپ کا حصہ	النساء ۴: ۱۱
بے اولاد میت کے ماں باپ کا حصہ	النساء ۴: ۱۱
میت کے بہن بھائی ہوں تو ماں کا حصہ	النساء ۴: ۱۱
اولاد نہ ہو تو شوہر کا حصہ	النساء ۴: ۱۲
اولاد ہو تو شوہر کا حصہ	النساء ۴: ۱۲
اولاد نہ ہو تو بیوی کا حصہ	النساء ۴: ۱۲
اولاد ہو تو بیوی کا حصہ	النساء ۴: ۱۲
ایک بہن یا بھائی ہو تو ہر ایک کا حصہ	النساء ۴: ۱۲
ایک سے زیادہ ہوں تو کتنا حصہ	النساء ۴: ۱۲
سگی بہن کا حصہ	النساء ۴: ۱۷۶
دو بہنیں وارث ہوں تو کتنا حصہ	النساء ۴: ۱۷۶
کئی بہن بھائی ہوں تو مرد کا حصہ	النساء ۴: ۱۷۶

Marfat.com

یتیم کے متعلق احکام

ان کے مال نہ کھاؤ	الانعام : ۱۵۲
ان کے اچھے مال سے برا مال نہ بدل لو۔	النساء ۴ : ۲
شرکت کے بہانے ان کا مال نہ کھاؤ	النساء ۴ : ۲
رہائش اور مال مشترک رکھ سکتے ہو	البقرہ ۲ : ۲۲۰
مال بقدر ضرورت خرچ کرو	النساء ۴ : ۶
مال دار ان کے مال سے حق الخدمت نہ لے	النساء ۴ : ۶
مفلس حق الخدمت لے سکتا ہے	النساء ۴ : ۶
نا سمجھی کے زمانہ تک مال ان کو نہ دو	النساء ۴ : ۵
عقل و شعور آنے کے بعد مال ان کے حوالے کر دو	النساء ۴ : ۶
مال گواہوں کی موجودگی میں دو	النساء ۴ : ۶

اسلامی قانون کی خصوصیات

(۱) — اسلامی قانون کی مابہ الامتیاز خصوصیت مساوات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً [1] اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

[1] النساء ۴ : ۱

Marfat.com

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۔ [1] اے لوگو ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً [2] اور تم سب ایک ہی جماعت ہو۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان العباد کلھم اخوۃ [3] انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ایھا الناس الا ان ربکم واحد ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی [4] اے لوگو! سنو بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عربی کو عجمی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کے سبب سے۔

اگر قوانین موضوعہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ کہ اٹھارہویں صدی کے اواخر، انیسویں صدی کے اوائل سے پہلے نظریہ مساوات کا کوئی نشان نہیں ملتا اب قدرے موضوعہ قوانین میں مساوات کی جھلک نظر آتی ہے وہ بھی اسلام کی خوشہ چینی ہے۔

(۲) — حریت

اسلامی قانون کی دوسری خصوصیت حریت کو برقرار رکھنا ہے۔ ہم اس خصوصیت

---

[1] الحجرات ۴۹: ۱۳ [2] المومنون ۲۳: ۵۲ [3] اخرجہ احمد و ابو داؤد [4] مسند احمد

Marfat.com

کے چند شعبوں کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں وہ یہ ہیں:

I حریت فکر: اسلامی قانون حریت فکر کا علمبردار ہے اور عقل کو ہر قسم کے اوہام اور اندھی تقلید کی لعنت سے نجات دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں بار بار عقل سے کام لینے کی دعوت دی ہے۔ اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان کو چوپاؤں سے تشبیہ دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ [1] آسمان اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں۔ اس کے ساتھ جو لوگوں کو نفع دے اور پانی میں جو اللہ بادل سے اتارتا ہے پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ اور اس کے اندر ہر قسم کے جانور پھیلاتا ہے۔ اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان کام میں لگایا گیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے یقینی نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ [2] اور عقل والوں کے سوائے کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔

قرآن مجید کے نزدیک عقل سے کام نہ لینے والوں اور اندھا دھند تقلید کرنے والوں کو چوپایوں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ

---

[1] البقرہ ۲: ۱۶۴ [2] آل عمران ۳: ۷

Marfat.com

الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ [1] اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا ہے کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا کیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ عقل سے کام لیتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں۔ اور ان لوگوں کی مثال جو کافر ہوئے ایک شخص کی مثال کی طرح ہے کہ وہ اسے آواز دے رہا ہو جو بجز پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتا، بہرے، گونگے، اندھے ہیں وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: دین المرء عقله ومن لا دین له لا عقل له [2] انسان کا دین اس کی عقل ہے اور جس کا کوئی دین نہیں اس کو عقل نہیں۔

یتفاضل الناس بالعقل فی الدنیا والآخرة [3] حسب عقل لوگ ایک دوسرے سے دنیا اور آخرت میں فضیلت حاصل کریں گے۔

من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین۔ جب اللہ کسی کو بھلائی دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو دین میں سمجھ عطا کر دیتا ہے۔

II حُرّیتِ عقیدہ

اسلام پہلا وہ دین ہے، جس نے مکمل طور پر عقیدہ کی آزادی کی ضمانت دی ہے۔ اسلامی قانون کے لحاظ سے ہر ایک انسان آزاد ہے کہ وہ جو چاہے عقیدہ اختیار کرے۔ اور کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ اسے عقیدہ کو ترک کرنے پر مجبور کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ [4] دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا

---

[1] البقرہ ۲: ۱۷۰-۱۷۱ [2] کنوز الحقائق حرف دال [3] کنوز الحقائق حرف الیاء [4] البقرہ ۲: ۲۵۶

Marfat.com

افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین

اور اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جس قدر لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں۔

۱۱۔ حریتِ قول

اسلام نے معروف قول کے اظہار کی کامل آزادی دی ہے۔ لیکن وہ قول جو سوسائٹی پر بُرا اثر ڈالتا ہے اس سے روکا ہے تاکہ سماج میں بگاڑ پیدا نہ ہو۔

ارشادِ الٰہی ہے، الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ؎۲ وہ جنہیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بُری باتوں سے روکیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: افضل الجھاد کلمۃ حق عند سلطان جابر۔ یعنی افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

سید الشھداء حمزۃ بن عبد المطلب ورجل قام الی امام جائر فامرہ ونھاہ فقتلہ۔ یعنی شہیدوں کے سردار حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص جس نے ظالم امام کے سامنے کھڑے ہو کر اسے امر و نہی کی اور اس امام کے ہاتھوں وہ قتل ہوا۔

جہاں اسلامی قانون حریتِ قول کا علمبردار ہے۔ وہاں معاشرتی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے حریتِ قول پر کچھ قیود و پابندیاں بھی عائد کرتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول

؎۱ یونس ۱۰: ۹۹ ؎۲ الحج ۲۲: ۴۱

Marfat.com

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ [1] اللہ بری باتوں کے مشہور کرنے کو کسی سے پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔

معاشی آزادی

اسلام سے قبل مزدور سرمایہ داروں کے جال میں پھنسے ہوئے تھے وہ جال سود در سود کا تھا۔ اسلامی قانون نے سود کو حرام قرار دے کر مزدوروں کو سرمایہ داروں کے چنگل سے نجات دلائی۔ ارشاد الٰہی ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً [2]

اے ایمان والو بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ۔

اس طرح ان تمام لوٹ کھسوٹ کے ذرائع آمدن کو بھی ممنوع قرار دے دیا تاکہ انسان حرص و طمع کا شکار ہو کر ناجائز ذرائع سے دولت جمع نہ کرنی شروع کر دے۔

معاشرتی حریت: اسلام سے قبل مرد کے مقابلہ میں عورت کی حیثیت ایک غلام کی تھی۔ ترکہ کا وارث ہونا تو کجا وہ خود ایک ترکہ سمجھی جاتی تھی۔ اسلام نے عورت کو اس معاشرتی غلامی سے نجات دلانے کے لئے ایسے قوانین مقرر کیے جن کی وجہ سے عورت کی حیثیت بہت بلند ہوگئی۔ اور زندگی کے ہر پہلو میں مرد کے برابر اس کو حقوق مل گئے۔ عورت کی عمومی حیثیت سے اس کے لئے یہ قانون مقرر کیا: لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ [3] مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ [4]

مردوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی چھوڑیں

---

[1] آل عمران ۳: ۱۳۰ [2] النساء ۴: ۲ [3] النساء ۴: ۷

Marfat.com

اور عورتوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی چھوڑیں۔

بیوی ہونے کی حیثیت سے یہ قانون مقرر کیا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ [1] اور عورتوں کے لئے پسندیدہ طور پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حقوق ہیں۔

بیٹی کی حیثیت سے یہ قانون مقرر کیا لَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ [2] اور وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں۔

سیاسی حریت

دنیا میں ہزارہا سال سے بادشاہ کی مطلق العنانی کا تصور چلا آ رہا تھا اس کا ہر حکم قانون تصور کیا جاتا تھا اور وہ خود کسی قانون کے تحت نہیں ہوتا تھا اسلام نے اس قانون کو باطل قرار دے کر بنی نوع انسان کو سیاسی آزادی کا جان افزا پیغام سنایا۔ فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ [3] اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں سے صاحب امر ہیں پھر اگر تم میں کسی چیز میں باہم اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔ یعنی قانون کی طرف۔ یہاں اللہ اور رسول قائم مقام قانون کے ہیں کیونکہ اسلامی قانون کا ماخذ اللہ اور رسول ہی ہیں۔

نظام حکومت چلانے کے لئے اصول شوریٰ مقرر کر دیا۔ ارشاد الٰہی ہے: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ [4] کہ انسانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ نظام حکومت باہمی مشورت سے چلائیں۔

---

[1] البقرہ ۲: ۲۲۸ [2] ممتحنہ ۶۰: ۱۲ [3] النساء ۴: ۵۹
[4] الشوریٰ ۳۸

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۔ ؎۱ تو نظام سلطنت کے چلانے میں ان سے مشورہ کرو۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: ما شاور قوم الا ھدوا ؎۲
جب قوم نے نظام حکومت چلانے میں باہمی مشورہ کیا۔ اس قوم نے فلاح پائی۔

آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل اسلام نے حریت کو قانون کا اصول مقرر کیا قوانین موضوع میں اٹھارہویں صدی کے اواخر یا انیسویں صدی کے اوائل میں اس اصول کو جگہ دی گئی۔ اس سے قبل ان قوانین میں حریت کی کوئی دفعہ نہیں ملتی۔

(۳) - اسلامی قانون کی تیسری خصوصیت عدل و انصاف کا قیام ہے

عدل و انصاف قانون کی روح ہے۔ اسلام نے اس روح کو اپنے قانون میں برقرار رکھا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؎۳ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؎۴
آزاد کا بدلہ آزاد سے غلام کا بدلہ غلام سے اور عورت کا بدلہ عورت سے لیا جائے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اقیموا حدود اللہ فی القریب والبعید ولا یاخذ کم فی اللہ لومۃ لائم ؎۵
اللہ کی حدیں بلا تمیز دور و نزدیک پر جاری کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرو۔ حضرت ابوبکرؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد سب سے پہلا خطبہ دیا وہ قانونی عدل و انصاف پر تھا فرمایا:

؎۱ آل عمران ۳: ۱۵۸ ؎۲ کنوز الحقائق حدیث ۸۷ ؎۳ النساء ۴: ۵۸
؎۴ البقرہ ۲: ۱۷۸ ؎۵ مشکوٰۃ باب الحدود

Marfat.com

"تم میں سے کمزور ترین شخص میرے نزدیک قوی ہوگا۔ جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلا دوں۔ اور تم میں سے قوی ترین شخص میرے نزدیک کمزور ہوگا۔ جب تک میں اس سے دوسرے کا حق نہ لے لوں"۔

چوتھی خصوصیت۔ سادہ اور سہل

اسلامی قانون سادہ اور سہل ہے اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ جس وجہ سے انسان کی فطرت اسلامی قانون سے متنفر نہیں ہوتی۔

پانچویں خصوصیت

اسلامی قانون عقل کے معیار پر اترتا ہے۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو بار بار غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ اور جو لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ ان کو چوپاؤں سے تشبیہ دی ہے۔ شیعہ مجتہدین نے عقل کو فقہ کا ماخذ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جہاں کتاب اللہ سنت اور اجماع سے کوئی مسئلہ حل ہوتا ہوا نظر نہ آئے تو وہاں سے عقل سے کام لے کر اس مسئلہ کو حل کر لینا چاہیئے۔

چھٹی خصوصیت

اسلامی قانون میں لچک ہے اور عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔

ساتویں خصوصیت

اسلامی قانون امن کا ضامن ہے۔

آٹھویں خصوصیت

اسلامی قانون معاشرہ سے برائی یک لخت ختم نہیں کرتا بلکہ تدریجاً ختم کرنے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ انسان کی طبیعت قانون سے یک لخت بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائے۔

نویں خصوصیت: اسلامی قانون میں اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالےٰ ہے اور خلیفہ اسلامی قانون کا محافظ اور نافذ کرنے والی قوت ہے۔

دسویں خصوصیت: اسلامی قانون میں وسعت ہے　اسلام اجتہاد کو وقعت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

Marfat.com

اعضائے حکومت

۱۔ مقننہ (مجلس وضع قوانین)

۲۔ عاملہ

۳۔ عدلیہ

Marfat.com

مجلس وضع قوانین

(بائی لاز)

حکومت کے تین اہم شعبے ہیں :

ا۔ مجلس وضع قوانین (مقننہ)

ب۔ عاملہ، اور

ج۔ عدلیہ

ان میں مقننہ یا مجلس قانون ساز (LEGISLATURE) سب سے اہم ہے۔ ہر حکومت کو قوانین اور قواعد و ضوابط بنانے پڑتے ہیں۔ تاکہ وہ شہریوں اور عمال کے لئے راہیں متعین کر دیں جن پر ان کو چل کر قوم اور ملک کی فلاح کا کام کرنا ہے اس کے بغیر کسی حکومت کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔

طلوع اسلام کے وقت قوانین کا سرچشمہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ آپ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی قومی یا انفرادی مسئلہ پیش آتا تو صاحب الرائے صحابہ کو بلاتے، ان کے سامنے مسئلہ پیش کرتے تو وہ خلیفہ کے فرائض قانون سازی میں اس کے قانونی مشیر ہوتے اور ضمنی قوانین (بائی لاز) وضع کرتے۔

شرائط رکنیت : ۱: مسلمان ہونا۔

۲۔ بالغ ہونا

۳۔ کتاب وسنت سے گہری واقفیت ہونا۔

۴۔ اجتہاد کا ملکہ ہونا

۵۔ ملکی اور بین الاقوامی مسائل پر گہری نظر ہونا۔

۶۔ اعلیٰ کردار کا مالک ہونا۔

ارکان مجلس وضع ضمنی قوانین کا انتخاب : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے طرز عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ مجلس کی تشکیل

Marfat.com

انتخاب (ELECTION) اور چناؤ (SELECTION) دونوں طرح سے ہوتی تھی۔

وفد ہوازن کے واقعہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار سے فرمایا کہ نمائندے منتخب کرے۔ ان کے ذریعہ اپنی مرضی سے مجھے مطلع کرو۔ یہ نمائندوں کا انتخاب مجلس قانون ساز کے لئے سند ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں جو وفود آتے تھے وہ عوام کے ہی منتخب شدہ نمائندے ہوتے تھے۔

ان تاریخی واقعات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ارکان مجلس کا انتخاب عوام کی رائے سے جائز ہے۔

چناؤ کا جواز آیت تحکیم سے واضح ہے قرآن مجید میں آتا ہے:

منتخب کرنے والوں کی شرائط

۱۔ اسلام: مجلس قانون ساز کے رکن کے انتخاب کے لئے مسلمان ہونا اولین شرط ہے قرآن مجید میں آتا ہے۔ یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا (آل عمران) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے سوا کسی کو اپنا رازدان نہ بناؤ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کسی قسم کی کمی نہیں کریں گے۔

۲۔ عقل و بلوغت۔

۳۔ عدل: فاسق و فاجر کی خبر شرعاً غیر معتبر ہے۔ تو مجلس قانون ساز کے رکن کے انتخاب میں اس کی رائے کیسے معتبر ہو سکتی ہے اس وجہ سے رائے دہندگان کا عادل ہونا ضروری ہے۔

۴۔ رائے دہندہ امیدوار کی اہلیت اور صلاحیت کا اندازہ کرنے کی قابلیت رکھتا ہو۔

مجلس قانون ساز کے فرائض و حقوق

فرائض: ۱: کتاب و سنت اور تعامل صحابہ کی روشنی میں حسب ضرورت ایسے قوانین

Marfat.com

وضع کریں جو قوم اور ملک کی فلاح کے ضامن ہوں۔
۲۔ جو بھی قانون وضع کرنا ہو۔ مفاد عامہ و ریاست کو مدنظر رکھ کر اس پر آزادانہ غور و فکر کرے۔
۳۔ خلیفہ کے افعال و کردار کی کڑی نگرانی کرے۔ اگر خلیفہ جادہ مستقیم سے ہٹنے لگے تو اس کو راہ ہدایت پر آنے کا مطالبہ کرے۔
۴۔ اگر خلیفہ راہ ہدایت پر نہیں آتا تو بوقت ضرورت اس کو الگ کر دے۔

حقوق: ۱: مجلس کے ہر رکن کو خلیفہ یا دیگر عمال حکومت کے افعال۔ پالیسی پر تنقید کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔
۲۔ اگر خلیفہ مجلس کے مشورہ کے بغیر کوئی قانون نافذ کرنا چاہے۔ تو مجلس کے ہر رکن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلیفہ سے مشاورت کا مطالبہ کرے۔
۳۔ اگر مجلس عوام کی رائے سے ایک میعاد معین کے لئے وجود میں آئی ہے تو خلیفہ کو کسی قسم کا یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجلس کو برخاست کرے ہاں اس میعاد کے گزرنے کے بعد وہ مجلس خود بخود برخاست ہو جائے گی۔
۴۔ اراکین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیت المال کے حسابات کی جانچ پڑتال کرنے کے لئے کمشن مقرر کریں یا خلیفہ سے حساب دینے کا مطالبہ کریں۔

مجلس کی صدارت: خلفائے راشدین کی سنت سے یہ بات ثابت ہے کہ خلفائے راشدین خود صدارت فرمایا کرتے تھے۔ لیکن یہ مسئلہ حالات اور زمانہ کے تقاضوں سے تعلق رکھتا ہے۔

قانون سازی کا طریقہ

۱۔ مسودہ قانون یا تو حکومت کی طرف سے پیش ہوگا یا مجلس کے ارکان کی طرف سے پیش ہوگا۔
۲۔ ہر رکن غیر جانب داری اور خلوص سے اس تجویز پر غور و فکر کرے گا۔
۳۔ مجلس کے ہر رکن کو پیش کردہ تجویز پر تقریر کرنے کا حق حاصل ہے خواہ وہ حکومت کے خلاف کرے یا حکومت کی موافقت میں۔

Marfat.com

۴- مجلس اگر ضرورت سمجھے تو اہم مسائل کے بارہ میں ارکان مجلس کے علاوہ دوسرے صاحب الرائے اصحاب سے بھی فتوے لے سکتی ہے۔

۵- مخصوص مسائل پر غور و خوض کرنے کے لئے کمیٹیاں بھی بنائی جاسکتی ہیں۔

۶- عوام کی مشکلات اور مصائب خلیفہ یا قائم مقام خلیفہ تک پہنچانا اس مجلس کے دائرہ عمل میں شامل ہے۔

۷- اگر خلیفہ یا عمال اسلام کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو اس مجلس کا یہ فرض ہے کہ وہ خلیفہ یا عمال سے جادہ ہدایت پر چلنے کا مطالبہ کرے۔

۸- ضمنی قانون کثرت رائے سے منظور کیا جائے گا۔

۹- کوئی ضمنی قانون اسلام کی روح کے منافی منظور نہیں ہوگا۔

قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ۔ [1] اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں۔ وہ ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ [2] اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں تو ایسے لوگ کافر ہیں۔

عاملہ یا انتظامیہ

حکومت کا اہم صیغہ (ORGAN) عاملہ یا انتظامیہ (EXECTIVE) ہے اس کا کام ملک کے قوانین کا نفاذ کرنا اور مقننہ اور عدلیہ کے احکام کو عملی جامہ پہنانا ہے۔

لفظ عاملہ دو معنوں پر مشتمل ہے وسیع معنی کے اعتبار سے اس جماعت کو کہتے ہیں جو حکومت کے تمام ادنیٰ اور اعلیٰ حکام پر مشتمل ہو اس صورت میں

---

[1] المجادلہ: ۲۰ [2] المائدہ: ۴۴

Marfat.com

حکومت کے تمام ملازمین جو انتظامی امور کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتے ہیں مجموعی طور پر عاملہ یا انتظامیہ (EXECTIVE) کہلاتے ہیں۔ گلکرائسٹ کہتا ہے:

"وسیع معنی میں عاملہ میں حکومت کے تمام حکام شامل ہیں سوائے ان حکام کے جو قانون بناتے ہیں یا اس کی تشریح کرتے ہیں"

محدود معنی کے اعتبار سے عاملہ سے مراد رئیس مملکت ہے مثلاً شاہ انگلستان۔

عاملہ کی تنظیم کے اصول: عاملہ کی تنظیم کے چند اصول ہیں۔ انہی اصولوں پر اس کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ وہ اصول حسب ذیل ہیں:

۱۔ عاملہ کی تنظیم اس طرح کی جائے جس سے عاملہ میں اتحاد یک جہتی۔ ایک دوسرے پر اعتماد اور حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ عاملہ کا اہم فرض پاس شدہ قوانین کا نفاذ کرنا ہے۔ اگر اختیارات اراکین مجلس عاملہ میں برابر تقسیم کر دیئے جائیں تو بحث ومباحثہ میں کافی وقت صرف ہوگا اور اراکین میں یک جہتی اور اتحاد کا رشتہ ٹوٹ جانے کا قوی احتمال ہے۔ اس وجہ سے اختیارات کا سرچشمہ ایک ہو۔ پھر کام کی آسانی کے لئے کچھ اختیارات دوسرے عمال کو دے دیئے جائیں تاکہ وہ خوش اسلوبی سے کام سرانجام دے سکیں عہد نبوی میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تمام اختیارات کا مرکز تھی آپ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین تھے۔ کام کی سہولت کے لئے انہوں نے عمال کو اختیارات سونپ دیئے تھے۔

اسلام میں خلیفہ کی ذات تمام اختیارات کا سرچشمہ ہے لیکن خلیفہ کی ذات قانون سے بالادست نہیں ہے۔ اس کو قانون کے دائرہ میں رہ کر ہی اپنے اختیارات استعمال کرنے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ [1]

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو اور اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف

---

[1] النساء ۴: ۵۹

Marfat.com

لے جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں اولی الامر کو اختیارات کا سرچشمہ قرار دیا ہے، ہاں اگر عوام یہ سمجھیں کہ اولی الامر (خلیفہ) اپنے اختیارات سے تجاوز کر رہا ہے۔ اور جھگڑے کی صورت پیدا ہو جائے تو اس جھگڑے کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی روشنی میں دور کیا جائے۔ اللہ اور رسول کے الفاظ قانون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلام قانون کی بالادستی کا حامی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ [1] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

اس وجہ سے جب حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: فان انا احسنت فاعینونی وان انا زغت فقوّمونی [2]
اگر میں نیکی کروں یعنی شریعت محمدی کا پیرو کار ہوں تو میری مدد کرنا اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔

اسلام میں امیر اختیارات کا مرکز ہے لیکن شریعت کی حدود کے اندر۔ اگر وہ ان حدود کو پھاندنے کی کوشش کرے تو عوام کا فرض ہے کہ اس کو درست کر دیں۔

۲۔ عمال کو مرکز کی طرف سے اتنے اختیارات ضرور ملنے چاہئیں کہ وہ احسن طریق پر فرائض سر انجام دے سکیں۔ اگر مجلس عاملہ کو اختیارات حاصل نہیں تو سلطنت کے امور خوش اسلوبی سے انجام نہیں دے سکے گی۔ لیکن اتنے بھی اختیارات نہیں دے دینے چاہئیں کہ وہ عوام پر ظلم کرنا شروع کر دے۔

۳۔ عاملہ کی میعاد کم سے کم اتنی ہونی چاہیئے کہ وہ اس عرصہ میں حکومت کے انتظام میں پوری دلچسپی لے سکے۔

---

[1] المجادلہ ۵۸ : ۲۰ [2] کتاب الاموال لابی عبیدہ صفحہ ۲۶۶

Marfat.com

انتظامیہ کے اہم صیغے

خلیفہ سلطنت کے تمام معاملات کی تن تنہا دیکھ بھال نہیں کر سکتا اس وجہ سے سلطنت کے معاملات کی دیکھ بھال اور حکومت کا نظام چلانے کے لئے حکومت کو مختلف محکموں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور ان محکموں کو چلانے کے لئے عملہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔

محکمہ تعلیم: اسلامی حکومت کے تمام محکموں میں سب سے اہم محکمہ تعلیم ہے کیونکہ تعلیم نبوت کے اولین مقاصد میں سے ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ[1] یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب اس نے انہیں میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ[2] کہہ دیجئے کہ علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ یعنی ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا واجب ہے۔

محکمہ تبلیغ: تبلیغ اسلام اسلامی حکومت کا اہم فریضہ ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ[3] تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہو۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو۔ اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ

---

[1] آل عمران ۳: ۱۶۴ [2] الزمر ۹ [3] آل عمران ۳: ۱۱۰

Marfat.com

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ ؎۱ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو کل دینوں پر غالب کرے۔
اظہار دین کے لئے محکمہ تبلیغ کا ہونا ضروری ہے۔

محکمہ دفاع

ملک کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوج تیار کی جائے جو ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح ہو۔ سرحدوں کی حفاظت کے بغیر کوئی ملک قائم نہیں رہ سکتا۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۔ ؎۲
اور جو کچھ طاقت اور گھوڑوں کے سرحدوں پر باندھ رکھنے سے ہو سکے۔ ان کے لئے تیار رکھو۔ تم اس کے ساتھ اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف زدہ رکھو۔

خُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔
اور اپنے بچاؤ اور احتیاط کو لئے رہو۔ یقیناً اللہ نے کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ محکمہ دفاع کے تین اہم شعبے ہیں۔ بری فوج، بحری فوج اور ہوائی فوج۔

ہر اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی فوج کو جدید ترین اسلحہ سے لیس کرے۔

صیغہ امن وحفاظت (محکمہ پولیس): جس طرح سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوج ضروری ہے۔ اسی طرح داخلی امن کے لئے پولیس ہونی ضروری ہے جو عوام کی چوروں، رہزنوں اور اوباشوں سے حفاظت کرے۔

قرآن مجید میں بیت اللہ کے متعلق آتا ہے: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؎۳
اور جو وہاں داخل ہوا امن والا ہو گیا۔

؎۱ التوبہ ۹ : ۳۳ ؎۲ الانفال ۸ : ۶۰ ؎۳ آل عمران ۳ : ۹۷

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی : رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا
اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ ملک میں امن قائم کرنا حکومت کا اہم فرض ہے اس فرض کی ادائیگی کے لئے ایک محکمہ ہونا ضروری ہے۔

سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے رات کی چوکیداری کے لئے نظام عسس قائم کیا تھا۔ پھر حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں باقاعدہ پولیس کا نظام قائم کیا۔ اس محکمہ کے سب سے بڑے افسر کو "صاحب شرطہ" کہا جاتا تھا۔

صیغہ امن و حفاظت کے سلسلہ میں جیل خانوں کا انتظام ضروری ہے اگر کوئی عوام کے امن کو برباد کرنے کی کوشش کرے تو اس کو سزا کے طور پر الگ رکھا جائے جیسا کہ قرآن مجید میں رہزنوں کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں :

اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۔ اس سے حبس اور قید مراد ہے۔

صیغہ امور خارجہ : بیرونی حکومتوں سے باضابطہ تعلقات قائم رکھنے کے لئے محکمہ امور خارجہ کا ہونا ضروری ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد اسلامی حکومت کی طرف سے بیرونی حکومتوں کی طرف سفرا بھیجے اسی طرح دوسری حکومتوں کی سفارتیں آپ کی خدمت میں آئیں۔ خلفائے راشدین بھی خیرسگالی کا پیغام دے کر بیرونی طاقتوں کی طرف سفرا بھیجا کرتے تھے۔

محکمہ مالیات

مالیات کا صحیح نظام آمد اور خرچ میں توازن حکومت کا ایک اہم عنصر ہے یہ محکمہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہی قائم ہو گیا تھا بیت المال کی مضبوطی پہ ہی حکومت کی ترقی کا دارومدار ہے۔ اس صیغہ کی آمد اور صرف پر آئندہ میں بحث آئے گی۔

لے آل عمران ۳ : ۹۷ ہے البقرہ ۲ : ۱۲۶

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

محکمہ ترقیاتِ عامہ

جس میں پلوں اور سڑکوں وغیرہ کا بنانا شامل ہے۔

محکمہ برید (ڈاک): یعنی محکمہ مواصلات اور رسل و رسائل، عربوں نے ڈاک کا نظام قیصر و کسریٰ کی حکومتوں سے اخذ کیا تھا۔ اسلام میں سب سے پہلے ڈاک کا محکمہ امیر معاویہؓ نے قائم کیا اس وقت وہ شام کے گورنر تھے۔

محکمہ خوراک: اس محکمہ کے ذمہ عوام کی خوراک ہوتی ہے۔

محکمہ مساحت (پیمائش زمین) دنیا کا کاروبار لین دین سب سکہ کے ذریعہ ہوتا ہے اس لئے سکہ کا محکمہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ محکمہ باقاعدہ عبدالملک نے رائج کیا۔ اس نے غیر ملکی سکہ کی جگہ اپنا سکہ رائج کر دیا اور دمشق میں دارالضرب (ٹکسال) قائم کی۔ یہ سکے سونے اور چاندی کے ہوتے تھے۔ اور اپنی سلطنت میں دوسرے تمام سکے ممنوع قرار دے دیئے۔ اس دور میں ہر حکومت کا اپنا سکہ ہے۔

محکمہ امور داخلہ: یہ محکمہ ملک کے اندرونی معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔

محکمہ شکایات عامہ: انصاف اور عدل کو قائم رکھنے کے لئے اور عمال کو اپنے اختیارات کی حدود سے آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے یہ محکمہ نہایت ہی ضروری ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں یہ طریقہ تھا کہ لوگ حج کے موقع پر خلیفہ کے سامنے اپنی شکایات بیان کیا کرتے اور اسی وقت اس کی تحقیقات کا حکم دے دیا کرتا تھا۔ اگر کسی عامل کی طرف سے زیادتی ہوتی تو اس کو شکایت کرنے والے کے سامنے سزا دی جاتی تھی۔

محکمہ مردم شماری سلطنت کے اندر رہنے والوں کی تعداد معلوم کرنے کے لئے یہ محکمہ بہت ہی ضروری ہے۔

Marfat.com

محکمہ آبادکاری

جب کافروں نے مسلمانوں کو یہ دھمکی دی کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی: وقال الذین کفروا لرسلهم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا فاوحی الیهم ربهم لنهلکن الظالمین ولنسکننکم الارض من بعدهم ذالك لمن خاف مقامی وخاف وعید کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب میں شامل ہو جاؤ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ ہم ظالموں کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ اور پھر ان کے ہلاک ہونے کے بعد اس سرزمین میں تم کو آباد کریں گے۔ یہ وعدہ ان لوگوں کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈریں اور میری وعید سے ڈریں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرنے کے بعد سب سے پہلا کام مسلمانوں کو آباد کرنے کا کیا تھا۔

محکمہ احتساب ونگرانی: عمال کے اعمال کی نگرانی اور احتساب کے لئے محکمہ احتساب ونگرانی ضروری ہے۔

امام ابو یوسفؒ خلیفہ ہارون الرشید کو اس نوشتے میں جو کتاب الخراج کا سرنامہ ہے ہدایت کرتے ہیں:

"بہتر یہ ہے کہ آپ نیکوکار، پاکیزہ دامن اور قابل اعتماد افراد کی ایک جماعت ملک میں پھیلائیں جو شہروں اور قریوں میں جا کر عمال ریاست اور ان کی کارگزاریوں کی تفتیش کرے پھر جب آپ کو کسی والی یا حاکم کے بارے میں یہ اطمینان ہو جائے کہ وہ ظلم یا تعدی اور دست درازیاں کرتا ہے۔ رعایا کی دیکھ بھال کے بارے میں آپ کے ساتھ بدعہدی کرتا ہے، سرکاری اموال کا غبن کرتا ہے یا حرام خوری پہ اتر آیا ہے یا اس کے چال چلن میں

Marfat.com

خرابی پیدا ہو گئی ہے تو اس کے بعد آپ کے لئے اسے بطور حاکم استعمال کرنا رعیت کے کسی کا کام کا ذمہ دار بنانا یا اسے امور مملکت میں شریک کرنا حرام ہے بلکہ ایسے بدنیت شخص کو آپ کیفر کردار تک پہنچائیں اور اسے ایسی سخت سزا دیں کہ دوسرے جو ابھی تک ان خرابیوں سے ملوث نہیں ہوئے ہیں۔ اسے دیکھ کر عبرت پذیر ہوں۔ البتہ مظلوم اور بے گناہ کی آہوں سے آپ بچتے رہیں۔ ان کی وہ دعائیں بارگاہ ایزدی میں مستجاب و مقبول ہیں۔" لے

پھر رقم طراز ہیں:

"ہو سکتا ہے کہ خبر رساں رعیت کے خلاف عمال سے ساز باز کر لیں اور عمال کی بدمعاملگیوں پر پردہ پوشی کریں یا اس کے برعکس عمال اور حکام سے بگڑ جائیں اور ان پر خلاف واقعہ الزامات لگا دیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ ہر شہر اور ہر علاقے میں سے عادل اور ثقہ لوگوں کو ڈھونڈیں اور خبر رسانی اور اطلاعات کا کام ان کے سپرد کریں اور آپ انہیں پیشگی متنبہ کر دیں کہ وہ رعیت کی کسی بات کو یا حکام کے کسی فعل کو آپ سے چھپا کر نہ رکھیں جو خبریں آپ تک پہنچائیں۔ ان میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی نہ کریں۔ اس کے بعد جو آپ کی ہدایات پر عمل نہ کریں۔ انہیں کیے کا مزہ چکھائیں۔ جب تک علاقوں کے اندر اطلاعات بہم پہنچانے والے اور خبر رسانی کرنے والے معتمد اور صادق القول لوگ نہ ہوں کسی قاضی یا کسی حاکم کے بارے میں موصول ہونے والی اطلاع پر صاد کرنا درست نہیں ہے۔" کے

محکمہ صنعت و حرفت: دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے محکمہ صنعت و حرفت بہت اہمیت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے تھے

لے الخراج ابو یوسف صفحہ ۱۰۷ کے الخراج صفحہ ۱۱۴، ۱۱۵

Marfat.com

اور اپنے ہاتھ سے روزی کماتے تھے۔

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ [۱]

اور ہم نے اسے تمہارے لئے زرہ بنانی سکھائی تاکہ تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرے۔

وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ [۲]

ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا کہ فراخ زرہیں بناؤ اور ان کے بنانے میں اندازہ نگاہ رکھو۔

کتب فقہ میں صنعت و حرفت کی تعلیم و تحصیل مسلمانوں پر فرض کفایہ بیان کی ہے۔ حالات اور ضرورت کے تحت مزید نئے محکمے قائم کئے جا سکتے ہیں۔

سرکاری ملازمین کی ذمہ داریاں اور اوصاف

اسلام میں سرکاری مناصب کا تصور: اسلام مناصب کو ایک امانت قرار دیتا ہے۔ اور یہ امانت اس کے سپرد کی جائے جو اس کے اہل ہوں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا [۳]

حدیث اور تاریخی آثار سے اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے بھی حکومت کا کام سپرد کیا جائے آپ نے جواب دیا انها امانة اے ابوذرؓ یہ امانت ہے۔ [۴]

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جو شخص حکومت کی ذمہ داریوں کو مناسب صورت میں تقسیم نہیں کرتا وہ اللہ، رسولؐ اور مسلمانوں کے حق میں اور ان کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔ [۵]

---

[۱] الانبیاء ۲۱ : ۸۰ [۲] سباء ۳۴ : ۱۰، ۱۱ [۳] النساء ۴ : [۴] کتاب الاموال امام ابو عبید قاسم بن سلام ص ۴ [۵] ایضاً صفحہ ۴ : ۵

Marfat.com

لہذا اسلامی نقطہ نگاہ سے سرکاری مناصب حصول جاہ اور کسب دنیا کے لئے نہیں ہوتے۔ جو شخص جاہ و حشمت اور کسب دنیا کے لئے خواہش کرتا ہے۔ تو وہ اس عہدہ کا اہل نہیں۔ خلیفہ کو چاہیئے کہ وہ اس قسم کے آدمی کو وہ عہدہ نہ دے۔ حضرت ابو موسے اشعری روایت کرتے ہیں کہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میرے ساتھ میرے دو چچیرے بھائی بھی تھے تو ان میں سے ایک نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہم کو کسی ملک کا حاکم بنا دیجئے ان ممالک میں سے جو خدا نے آپ کو دیئے ہیں اور دوسرے نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا۔ تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم ہم ایسے شخص کو حاکم نہیں مقرر کرتے جو اس کی درخواست کرے یا اس کی حرص کرے ؎۱

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبدالرحمٰن تم کبھی امارت کی خواہش نہ کرنا اس لئے کہ اگر تم کو بغیر خواہش اور طلب کے امیر بنا دیا گیا تو اللہ کی جانب سے تمہاری مدد اور اعانت کی جائے گی اور تمہاری درخواست پر تم کو امارت دی گئی تو اس کا سارا بوجھ تم ہی پر ڈال دیا جائے گا۔ ؎۲

سرکاری مناصب پر تقرری کے لئے الاشل فالاشل (خوب سے خوب تر) کا اصول ہونا چاہیئے۔ یعنی ان لوگوں کی تقرری کی جائے جو معاشرہ میں بہترین لوگ ہوں۔ ایک قول ہے جس نے مسلمانوں کے کسی گروہ کا ایسے شخص کو قائد بنا دیا کہ اس گروہ میں اس سے زیادہ بہتر شخص موجود ہے اس نے اللہ اور اس کے رسول سے اور عام مسلمانوں سے غداری کی۔ ؎۳

کارکنوں کی ذمہ داریاں اور اوصاف

تمسک بالکتاب والسنۃ: اسلامی حکومت کا تمام نظام کتاب اللہ و سنت رسول

؎۱ تیسیر الوصول ؎۲ بخاری۔ مسلم باب الامارہ ؎۳ الحسبۃ فی الاسلام ابن تیمیہ ص ۷۔

Marfat.com

کے گرد گھومتا ہے۔ اس وجہ سے اسلامی حکومت کے ہر رکن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام فیصلوں میں قرآن مجید اور سنت رسولؐ کو سامنے رکھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ [1] اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو ایسے لوگ کافر ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ [2] جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

وفات کے قریب مسلمانوں کو ہدایت فرمائی: انی ترکت فیکم امرین ان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وسنتی (بخاری) یعنی میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک تم انہیں پکڑے رکھو گے گمراہ نہ ہو گے وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

عمل: وہ حکام اسلامی نظام کی مشینری کے اچھے پرزے نہیں بن سکتے جو اپنے اعمال و کردار میں حسن و خوب صورتی نہیں رکھتے۔ معاشرہ کو درست نہیں رکھتے معاشرہ کو درست رکھنے کے لئے حکام کا نیک نمونہ نہایت ضروری ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ [3] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ان الناس لا یزالون مستقیمین ما استقامت لهم ائمتهم وهداتهم لوگ اس وقت تک سیدھی راہ پر قائم رہیں گے جب تک ان کے حکام اور راہنما سیدھے راستہ پر رہیں گے۔

حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کو فرماتے ہیں: انك عففت فعفت رعیتك ولو رتعت لرتعت [4] آپ خود دیانت دار ہیں۔ اس لئے آپ کی رعایا

---

[1] مائدہ ۵: ۴۴ [2] المجادلہ ۵۸: ۲۰ [3] الصف ۶۱: ۲ [4] الفاروق عمر مصنفہ محمد حسین ہیکل۔ عمر فاروق

Marfat.com

بھی دیانتدار ہے۔ اگر آپ خود بددیانت ہوتے تو لوگ بھی بددیانت بن جاتے۔

عدل اسلامی حکومت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اس وجہ سے حکام کا عادل ہونا بہت ضروری ہے۔ جس حکومت کی رعایا عدل و انصاف سے محروم ہے۔ وہ حکومت کبھی بھی قائم نہیں رہ سکتی اس کی تباہی کے ایام قریب ہوتے ہیں۔

قرآن مجید نے عدل قائم کرنے پر بہت زور دیا ہے ارشاد الٰہی ہے:

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ[1]

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"قیامت کے دن جب کہ خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا سات شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں جگہ دے گا جن میں ایک شخص امام عادل ہوگا"[2]

حضرت ابو بکرؓ اپنی حکومت کا بنیادی مقصد ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

ان اقواكم عندی الضعیف حتی اخذ له بحقه و ان اضعفكم عندی القوی حتی اخذ منه الحق[3] یعنی تمہارے زبردست لوگ میرے نزدیک اس وقت تک کمزور ہیں جب تک میں ان سے ان پر واجب شدہ حق نہ لے لوں۔ اور تمہارے کمزور لوگ میرے نزدیک اس وقت طاقتور ہیں جب تک کہ میں ان کا غصب شدہ حق واپس نہ دلا دوں۔

عوام کی خیر خواہی اور ان پر شفقت: رسول کریم فرماتے ہیں:

ما من عبد يسترعيه الله رعية يموت يوم يموت وهو غاش لرعيته الاحرم الله عليه الجنة[4] جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کا چرواہا (حاکم) بنایا اور وہ اس حال میں مرا کہ اس نے لوگوں کی بدخواہی کی ہے تو اللہ تعالےٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نیک اور مشفق حاکم کے حق میں دعا اور بدخواہ

---

[1] النساء: ۵۸ [2] بخاری [3] کتاب الاموال لابی عبید صفحہ ۳۶۶
[4] صحیح مسلم۔

Marfat.com

حاکم کے بارے میں بد دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اللّٰھم من ولی من امر امتی شیئا فشق علیھم فاشقق علیہ ومن ولی من امر امتی شیئا فرفق بھم فارفق بہ۔ [1]

اے اللہ جو شخص میری امت کے لوگوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنایا جائے، اور وہ ان کو مشقت میں ڈالے تو تو بھی اسے مشقت میں ڈال اور جو ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر۔

نرمی یا بردباری: نرمی اور بردباری ایسا خلق ہے جو حاکم کو عوام کی نظر میں محبوب بنا دیتا ہے۔ اللہ کی صفت حلیم (بردبار) ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ۔ [2] یقیناً ابراہیمؑ بردبار نرم دل اللہ کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔

اللہ تعالیٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ [3] سو اللہ کی رحمت سے تو ان کے لئے نرم ہے اور اگر تو سخت کلام سخت دل ہوتا تو تیرے اردگرد سے بکھر جاتے پس ان کو معاف کر اور ان کے لئے بخشش مانگ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

"رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی بہتری چاہتا ہے تو ان پر سنجیدہ اور بردبار لوگوں کو حاکم بناتا ہے۔ اور ان کا مال فیاض لوگوں کی تحویل میں دیتا ہے۔ اور جب کسی قوم کو آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تو ان پر فتنوں اور اجڈھوں کو مسلط کر دیتا ہے، اور ان کا مال بخیلوں کے قبضہ میں دے دیتا ہے۔ خبردار! جو شخص میری امت میں سے کسی منصب پر مامور ہوا اور اس نے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں نرمی سے کام لیا اللہ تعالیٰ اس کی

---

[1] صحیح مسلم [2] ہود ۱۱: ۷۵ [3] آل عمران ۳: ۱۵۹

Marfat.com

ضرورت کے دن اس کے ساتھ نرمی برتے گا۔ اور جو شخص لوگوں کی ضروریات کے درمیان دربان کی دیوار کھڑی کرے گا۔ اللہ تعالےٰ اس کی ضرورت کے دن اس سے حجاب کرے گا۔"

حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ میں سخت دل ہوں مجھے نرم کر دے، میں کمزور ہوں مجھے مضبوط کر دے میں بخیل ہوں مجھے سخی کر دے۔"

تنقید کی حوصلہ افزائی: اسلامی حکومت کے امراء کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نکتہ چینی کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ ان کی کمزوریاں اور خامیاں کھل کر ان کے سامنے آجائیں۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ حکام اپنی اصلاح کی طرف توجہ کریں گے دوم، عوام کے اندر محاسبہ کرنے کی جرأت پیدا ہو جائے گی۔ سوم: عوام اور حکام کے درمیان ایک رابطہ قائم رہے گا۔ چہارم، حکام کج روی سے بچے رہیں گے پنجم، نافرمانی کا دروازہ مسدود ہو جائے گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے جو سب سے پہلا خطبہ دیا وہ یہ تھا: فان انا احسنت فاعینونی وان انا زغت فقومونی۔ پس اگر میں نیکی کروں تو میری مدد کرو اور اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔

صحابہ کرام نے جواب دیا: "ہم نیزوں کی انیوں سے سیدھا کر دیں گے۔"

حضرت عمرؓ کے عہد کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بدو نے اس وقت اٹھ کر اعتراض کیا جب حضرت عمرؓ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے:

"حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا اے عمرؓ اللہ سے ڈرو اس جملہ کو کئی بار دہرایا ایک دوسرے شخص نے اس کو ٹوکا۔ کہ اب بس کرو بہت ہو چکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ان کو کہنے دو کہ اگر یہ ہم کو یہ باتیں نہ کہیں تو ان میں کوئی خوبی نہیں اور اگر ہم ان کی نصیحتوں کو قبول نہ کریں تو ہم میں کوئی خوبی نہیں[1]"

ایک دفعہ عوام کے حقوق و فرائض بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اور تم میرے نفس کے مقابلہ میں میری مدد اس طرح کر سکتے ہو کہ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷

مجھے بھلائی کا حکم دو۔ اور برائی سے روکو۔ نیز خدا نے تمہاری یہ ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے۔ اس کے بارہ میں میری خیر خواہی کرتے رہو۔[۱]

غصہ سے احتراز: قرآن مجید میں آتا ہے: وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ[۲] جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

"ایک افسر اور حاکم کی بردباری سے زیادہ اللہ کو کسی کی بھی بردباری اور نرمی پسند نہیں ہے اور نہ اس کی بردباری اور نرمی سے زیادہ کسی کی بردباری اور نرمی کا فائدہ وسیع اور عام ہے اسی طرح ایک حاکم اور افسر کی طیش مزاجی اور جہالت سے زیادہ اللہ کے نزدیک کسی کی طیش مزاجی اور جہالت مبغوض نہیں ہے اور نہ اس کی طیش مزاجی اور جہالت سے زیادہ کسی کی جہالت اور طیش مزاجی کا ضرر عام ہے جو شخص لوگوں کے درمیان سلامتی کی روش اختیار کرتا ہے وہ اوپر (اللہ) سے سلامتی اور عافیت کا انعام پاتا ہے۔"[۳]

باہمی اعتماد: دنیا کے تمام کام باہمی اعتماد سے چلتے ہیں۔ اگر ایک دوسرے کا اعتماد اٹھ جائے تو معاشرتی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ اس وجہ سے سرکاری ملازمین کے لئے باہمی اعتماد بہت ضروری ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ[۴]
اگر تم میں سے ایک شخص دوسرے کا اعتماد کرتا ہے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اس اعتماد کو نبھائے اور اس امانت کو ادا کرے۔

سازشوں سے احتراز

ملازمین کو ایک دوسرے کے خلاف سازشیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اس سے

[۱] الفاروق عمرؓ صفحہ ۹۶ [۲] آل عمران ۳: ۱۳۴ [۳] کتاب الخراج صفحہ ۷ [۴] البقرہ ۲: ۲۸۳

Marfat.com

محبت، الفت اور اتحاد کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۱؎ بری تدبیر (سازش) کا وبال صرف اس کے کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔

باہمی تعاون: نظم و نسق صرف باہمی تعاون سے ہی چل سکتا ہے۔ حکام حکومت کی مشینری کے کل پرزے ہوتے ہیں اگر ان کے درمیان باہمی تعاون کا رشتہ ختم ہو جائے تو حکومت کی مشینری بالکل جامد ہو جائے گی۔ اور نظام حکومت معطل ہو کر رہ جائے گا۔ اس وجہ سے حکام کا باہمی تعاون از حد ضروری ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۲؎ نیکی اور تقوے پر ایک دوسرے سے تعاون کرو۔

عوام کی خبر گیری: حکومت کا اہم مقصد ہی عوام کی خبر گیری اور ان کے دکھ درد کو دور کرنا ہے۔ اگر کوئی حکومت اس مقصد میں ناکام رہتی ہے تو وہ عوام کی حکومت نہیں۔ اسلامی حکومت کے حکام کا اہم فرض یہ ہے کہ وہ عوام کے حالات معلوم کرتے رہیں اور ان کے مصائب اور دکھ درد کو دور کرتے رہیں۔

۱۔ حضرت عمرؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک رات میں آپ اپنے غلام اسلم کو ساتھ لے کر مدینہ سے باہر نکل گئے ایک خیمہ دیکھا تو ادھر کا رخ کیا قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے اور تکلیف سے تڑپ رہی ہے حضرت عمرؓ نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں ایک بدوی عورت ہوں اور میرے پاس اس وقت کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو اس موقع پر کام آسکے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر واپس گھر آئے۔ اور اپنی بیوی ام کلثوم بنت ابی طالب سے فرمایا اللہ کی مہربانی سے ثواب حاصل کرنے کا ایک عمدہ موقع ہاتھ آگیا ہے کیا اس کے لئے تیار ہو۔ اس کے بعد واقعہ بیان کیا وہ اس خدمت کے لئے فوراً تیار ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوری لادی اور کچھ روغن ساتھ لیا۔ اور ام کلثوم نے وہ ضروری چیزیں بھی ساتھ لیں جو ولادت کے سلسلہ میں کام آتی ہیں اور میاں بیوی اس بدو کے خیمہ کے پاس پہنچ گئے ام کلثوم

۱؎ فاطر ۳۵ : ۴۳ ۲؎ مائدہ ۵ : ۲

Marfat.com

خیمہ کے اندر چلی گئیں اور حضرت عمرؓ خیمہ کے باہر بیٹھ کر بدو سے باتیں کرنے لگے غریب بدو کو کچھ علم نہیں کہ وہ کس سے باتیں کر رہا ہے۔ اتنے میں اندر سے حضرت ام کلثوم نے فرمایا کہ امیرالمومنین اپنے ساتھی کو فرزند کی بشارت سنا دیجئے۔ اب بدو کو یہ علم ہوا کہ یہ امیرالمومنین ہیں وہ حیران رہ گیا اور معذرت کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو تشفی دی اور ضرورت کی چیزیں دے کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

۲۔ ایک روز رات کو گشت میں حضرت عمرؓ نے کسی بچہ کے رونے کی آواز سنی۔ اس کی ماں کو مخاطب کر کے فرمایا اے عورت اللہ سے ڈر اور اس بچہ سے اچھا سلوک کر۔ تھوڑی دیر کے بعد اس بچہ کے رونے کی آواز دوبارہ آئی۔ پھر عورت سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ رات کے آخری حصہ میں بچہ پھر روتا ہوا سنائی دیا۔ اب کے حضرت عمرؓ نے قریب ہو کر غصہ کے ساتھ فرمایا تو کتنی بری ماں ہے تیرا بچہ رات بھر روتا رہا۔ عورت نے جواب دیا میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں۔ مگر یہ مانتا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا تو اس کا دودھ کیوں چھڑا رہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ دودھ اس لئے چھڑا رہی ہوں کہ جب تک بچہ دودھ نہیں چھوڑتا اس وقت تک عمرؓ اس کا وظیفہ مقرر نہیں کرتا؟ دریافت فرمایا کہ تیرے بچے کی عمر کیا ہے؟ اس نے کہا اتنے مہینے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا تیرا برا ہو اس قدر جلدی نہ کر۔ اس کے بعد صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا عمرؓ کا برا ہو کہ اس نے مسلمانوں کے کتنے بچوں کو ہلاک کیا۔ اس کے بعد فوراً آپ نے منادی کرا دی کہ لوگ اپنے بچوں کے دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کریں۔ اب ہر بچہ کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو تمام ملک کا دورہ کروں گا اور رعایا کے حالات معلوم کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ لوگوں کی بعض ضروریات ایسی ہیں جو مجھ تک پہنچ نہیں پاتیں لوگ خود مجھ تک آ نہیں سکتے اور عمال ان کی ضروریات کو میرے علم میں نہیں لاتے (شرح نہج البلاغہ

Marfat.com

ابن ابی حدید)

سرکاری مال کی حفاظت: حکام سرکاری مال کے محافظ و نگران ہوتے ہیں۔ ان کا اہم فریضہ ہے کہ وہ سرکاری مال کی حفاظت کریں مشہور روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ بھاگے ہوئے مدینہ سے چلے جا رہے ہیں۔ حضرت علیؓ ملے اور دریافت فرمایا امیرالمومنین اس دھوپ میں کہاں بھاگے جا رہے ہیں؟ فرمایا بیت المال کا ایک اونٹ کھو گیا ہے اس کو تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ حضرت علیؓ نے یہ سن کر فرمایا: قد تعبت الخلفاء بعدک = آپ نے اپنے بعد آنے والوں کو تھکا دیا۔

امیر اور مامور میں مساوات: اسلام انسانی مساوات کا علمبردار ہے اور کسی امیر کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے تئیں دوسروں سے بڑا خیال کرے اور دوسروں پر ترجیح دے۔ تاریخ اسلام کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ فتوحات عراق کے سلسلہ میں ایک جگہ مقامی باشندوں نے فوج کے قائد حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں خاص کھانا بطور تحفہ بھیجا اور یہ کہلایا کہ یہ خاص ہدیہ صرف آپ کے لئے ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم نے تمام فوج کی اس قسم کی ضیافت کی ہے۔ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ نے ان کی ضیافت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: لاحاجة لنا فيه بئس المرء ابو عبيدة ان صحب قوما من بلاد وهم واهراقوا دماءهم دونه او لم يهريقوها۔ فاستأثر عليهم بشئ يصيبه لا والله لا يا كل مما افاء الله عليهم الا مثل ما يا كل اوساطهم [1] یعنی ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ابو عبیدہ سے زیادہ برا آدمی کون ہو سکتا ہے جو اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر آئے اور وہ اس کے حکم پر اپنا خون بہائیں اور جب مال غنیمت ہاتھ آئے تو وہ کسی چیز میں ان کے اوپر اپنے آپ کو ترجیح دے۔ خدا کی قسم یہ بندہ خدا کے اس بخشے ہوئے مال میں سے صرف وہی کھائے گا جو دوسرے لوگ کھائیں گے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ [2] کہ مومن بھائی بھائی ہیں۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ

---

[1] الفاروق عمر تالیف محمد حسین ہیکل جلد ۲ ص ۱۱۲ [2] الحجرات ۴۹ : ۱۰

Marfat.com

لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۔ [1] اور لوگوں سے بے رخی نہ کر اور نہ زمین میں اکڑ تا ہوا چل ۔ اللہ تعالیٰ کسی خود پسند ، شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا ۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا (بخاری) تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ ۔

انّ العباد کلھم اخوۃ ۔ (احمد ، ابو داؤد) کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر تمام عمال کو جمع کیا ۔ اور عام لوگوں سے دریافت کیا کہ تم میں سے کسی کو کسی عامل کے خلاف شکایت ہے ۔ راوی کہتا ہے کہ اتنے مجمعے میں سے صرف ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے شکایت کی کہ امیر المومنین ! آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسے اجازت دی کہ وہ عامل سے اپنا بدلہ لے لے یہ سن کر حضرت عمرو بن العاص بولے کہ امیر المومنین اگر آپ نے حکام کے خلاف شکایت سننے کا دروازہ کھول دیا تو ان کے لئے یہ چیز ناگوار ہوگی ۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی بات نہ مانی ۔ اور فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلعم کو اپنی ذات کو قصاص کے لئے پیش فرماتے دیکھا تو ان لوگوں سے کیوں کر قصاص نہ دلواؤں ۔ بالآخر مدعی نے خود ہی دو سو دینار لے کر قصاص معاف کر دیا ۔

اقربا نوازی سے احتراز : اپنے عہدے سے ناجائز طور پر فائدہ اٹھا کر اقربا نوازی حکام کی بدترین خصلت ہے ۔ وہ حاکم نہ تو اللہ کے ہاں سرخرو ہو سکتا ہے اور نہ عوام میں پسندیدہ نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے جو حکومت کے خرچ پر اقربا نوازی کرتا ہے

حضرت عمرؓ نے بعد میں ہونے والے جانشین کے انتخاب کے لئے جو مجلس شوریٰ تشکیل کی اس کے ارکان کو سب سے پہلے یہ ہدایت فرمائی کہ وہ خلیفہ بن جانے کے بعد اپنے اقربا کو دوسرے مسلمانوں کی گردنوں پر سوار نہ کر دیں ۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :

انشدك الله یا علی ان ولیت من امور الناس شیئا ان تحمل بنی ہاشم علی رقاب الناس انشدك الله یا عثمان ان ولیت من امور الناس شیئا ان تحمل بنی معیط علی رقاب الناس انشدك

---

[1] لقمان ۳۱ : ۱۸

اللہ یا سعد ان ولیت من امور الناس شیئا ان تحمل اقاربک علی رقاب الناس - اے علیؓ میں تجھے اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کے معاملہ میں کوئی ذمہ داری تم پر ڈال دی جائے تو تم بنی ہاشم کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کرنے کی کوشش نہ کرنا اور اے عثمانؓ میں تجھے اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں - اگر تیرے ہاتھ میں مسلمانوں کے امور کی باگ ڈور آ جائے تو تم بنی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر لادنے کی کوشش نہ کرنا - اور اے سعد میں اللہ کا واسطہ دے کر یہ کہتا ہوں - اگر تم مسلمانوں کے امور بنا دیئے جاؤ تو اپنے اقربا کو لوگوں کی گردن پر لادنے کی کوشش نہ کرنا -

حاجب (دربان) سے احتراز: حکام حکومت کو یہ چاہیے کہ وہ عوام کی مشکلات سننے کے لئے ہر وقت اپنے دروازے کھلے رکھیں - رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عن عمرو بن مرہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من امام او وال یغلق بابہ دون ذوی الحاجۃ والخلۃ والمسکنۃ الا اغلق اللہ ابواب السماء دون خلتہ وحاجتہ ومسکنتہ یعنی عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ جو امیر یا والی ضرورت مندوں، حاجت مندوں اور مسکینوں کے لئے اپنے دروازے بند رکھے گا - اللہ تعالے اس کی ضرورت اور حاجت کے دن اس کے لئے آسمان کے دروازے بند کر دے گا -

ہدیے اور تحفے قبول کرنے سے احتراز: سرکاری حکام کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ عوام سے ہدیے قبول کریں کیونکہ رشوت پیش کرنے اور قبول کرنے کے لئے ایک چور دروازہ ہے - رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ھدایا العمال غلول - (احمد) عمال کا ہدیہ قبول کرنا خیانت ہے -

بخاری، مسلم اور ابو داؤد تینوں کتب احادیث میں یہ روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد پر ایک صاحب کو تحصیلدار مقرر کیا جن کا نام ابن اللتبیہ تھا جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آیا تو حساب دیتے ہوئے کہا کہ یہ بیت المال کا حصہ ہے اور یہ مجھے تحفہ کے طور پر ملا ہے - اس کے بعد رسول کریم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا بعض لوگوں کو محصل کے طور پر مقرر کیا جاتا ہے اور جب وہ کام سے فارغ ہو کر واپس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ حصہ بیت المال کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ کے طور پر ملا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو وہ اپنے گھروں میں کیوں نہ بیٹھے رہے اور وہیں ان کے پاس ہدیے آ جاتے۔

رشوت لینے سے احتراز: رشوت انسان کو حق اور عدل کی راہ سے بہت دور لے جاتی ہے۔ ظلم اور بے انصافی کے دروازے کھولتی ہے۔ اس وجہ سے اسلام رشوت لینے سے منع فرماتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الراشی والمرتشی کلاهما فی النار۔ یعنی رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں دوزخی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعنة اللہ علی الراشی والمرتشی فی الحکم [1] یعنی فیصلوں میں رشوت دینے اور لینے والے پر خدا کی لعنت ہے۔

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے

الراشی والمرتشی والرائش یعنی الذی یمشی بینهما [2] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے رشوت لینے والے اور رشوت دلانے والے یعنی اس شخص پر جو بیچ میں دلالی کرتا ہے لعنت کی ہے۔

جھوٹ نہ بولے: جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے اس امّ الآثام سے بچنے کی بار بار تلقین کی ہے۔ اسلامی حکومت کے کارکنوں کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ جھوٹ نہ بولے اور صداقت کو اپنا شعار بنائے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ [3] جھوٹ بات سے بچو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ [4] اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ۔

ثابت قدمی: حاکم کو ثابت قدم مستقل مزاج اور بلند ہمت ہونا چاہیے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ [5]

---

[1] احمد، ابو داؤد، ترمذی [2] رواہ احمد [3] الحج ۲۲: ۳۰
[4] البقرہ ۲: ۴۲ [5] لقمان ۳۱: ۱۷

Marfat.com

اور جو کچھ تم پر مصیبت آئے اس پر صبر کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

ذاتی کاروبار کی ممانعت: اسلامی حکومت میں کسی ملازم کو ذاتی کاروبار کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ کارکن اپنے فرائض سے غافل رہے گا۔ اور اس کی توجہ اپنی تجارت کی طرف لگی رہے گی۔ دوم: طبعی طور پر اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق مذکور ہے کہ ان کے پاس بہت المال و دولت جمع ہو گئی۔ یہاں تک کہ ان کے پاس گھوڑوں کی کئی نسلیں جمع ہو گئیں اور ان کی منتشر اراضیات یک جا ہو گئیں اور تجارت خوب چمک اٹھی۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا حضرت! اس مال میں سے آپ اپنا راس المال اور اپنی تنخواہ رکھ لیں اور باقی ساری دولت بیت المال میں جمع کرا دیجئے۔ سلہ

سرخ فیتے کا استیصال: حضرت عمرؓ اپنے کوفہ کے عامل کو لکھتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ اگر میں تجھے لکھوں کہ فلاں آدمی کو ایک بکری دے دے تو تو مجھے لکھے گا کہ نر ہو یا مادہ اگر میں لکھوں کہ کوئی ایک دے دے تو تو پھر یہ پوچھے گا کہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ اگر میں جواب دوں کوئی ایک ہو۔ تو پھر خط لکھ بھیجے گا کہ بھیڑ ہو یا بکری۔ جب میں نے ایک بار لکھ دیا کہ ایسا کر تو اپنی صواب دید پر اس کی تعمیل کر میری طرف بار بار رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔"

دین کی تعلیم: اسلامی حکومت کا اصل مقصد دین اسلام کی اشاعت کرنا اور تعلیم دینا ہے۔ اس وجہ سے اسلامی حکومت کے عمال کا صرف یہ فرض نہیں ہے کہ وہ دفتری کاموں میں ہی مقید ہو کر رہ جائیں بلکہ ان کا ایک اہم فرض یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو دین اسلام سکھائیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں فرمایا: اللّٰھمّ انی اشھدک علی امراء الامصار فانی انما بعثتھم لیعلموا الناس دینھم وسنۃ نبیھم ویعدلوا علیھم ویقسموا فیئھم بینھم ویرفعوا الی ما

سلہ الادارۃ الاسلامیہ کرد علی

Marfat.com

اشتکل علیھم من امرھم۔ اے اللہ میں تجھ کو اپنے عمال پر گواہ ٹھہراتا ہوں۔ میں نے ان کو صرف اس لئے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کا دین اور ان کے نبی کی سنت سکھائیں اور ان کے اندر عدل قائم کریں، اور فئی تقسیم کریں اور اگر ان کو کوئی مشکل پیش آجائے تو میرے سامنے پیش کر دیں۔

اللہ تعالیٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اغراض بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ[1]

رسول انہیں خدا کی آیات پڑھ کر سناتا ہے ان کو گناہوں کی میل سے پاک صاف کرتا ہے انہیں کتاب سکھاتا ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ایک غرض تعلیم دین اسلام ہے۔ اس وجہ سے اسلامی حکومت کے ہر کارکن پر یہ فرض ہے کہ لوگوں کو دین اسلام سکھائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمال کو جو نامہ مبارک[2] لکھے تھے ان میں بھی عمال کو دین کی تعلیم دینے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

عدلیہ

حکومت کا تیسرا صیغہ عدلیہ (قضا) (JUDICIARY) ہے۔ قضا اس فیصلے کو کہتے ہیں۔ جو با اختیار ادارے کی طرف بطور حکم فیصل صادر ہو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: "قضا ایک فرض اور محکم ذمہ داری ہے۔ اور ایک قانون ہے ولجب العمل (المبسوط للسرخسی ج ۱۶ ص ۶۰) ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں۔ قضا وہ ادارہ ہے جو نزاعی مقامات کا فیصلہ دیتا ہے" (فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۳۵۶)

محمود بن محمد بن عرنوس فرماتے ہیں۔ حکومت کے مقرر کردہ با اختیار ادارے کی طرف سے کتاب و سنت اور احکام شرعیہ کی روشنی میں لوگوں کے تنازعات کا تصفیہ کرنے اور مقدمات فیصلے کرنے کا نام قضا ہے (تاریخ القضاء فی الاسلام)

---

[1] آل عمران ۳: ۱۶۴ [2] ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۲۴۱

Marfat.com

اس صیغہ کا یہ کام ہوتا ہے کہ صیغہ مقننہ نے جو قوانین بنائے ہیں ۔ اور انتظامیہ نے جو قوانین بنائے ہیں اگر ان کی کوئی شخص خلاف ورزی کرتا ہے ۔ تو اسے کیا سزا دی جائے اور عدل قائم کرے ۔ عدلیہ (قضا) کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ آیا قانون پر صحیح معنوں میں عمل ہوتا ہے یا نہیں ۔ اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا ملی ہے یا کہ نہیں ۔

اسلام بلا تفریق مذہب وملت عدل وانصاف کو حکومت کا اہم فرض قرار دیتا ہے اور اسی پر سوسائٹی اور حکومت کی بقا ہے ۔ قرآن مجید میں آتا ہے : لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ [1] اور ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور عدل وانصاف کے احکام اتارے تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں ۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ [2] اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو ۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى [3] اور جب تم بات کہو تو انصاف سے کام لو چاہے وہ تمہارا قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو ۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ [4] یقیناً اللہ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے ۔

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ) عدل قائم کرو کیونکہ وہ تقوے کے زیادہ قریب ہے ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عادل کی بڑی فضیلت بیان کی ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب کہ خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا سات شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں جگہ دے گا جن میں سے ایک امام عادل ہوگا ۔ [5]

محاکم عدلیہ

عدالت عالیہ مرافعہ : اسلامی ریاست کی سب سے بڑی عدالت مرافعہ ہے اس

---

[1] الحدید ۵ ۲ [2] النساء ۴ : ۵۸ [3] الانعام ۶ : ۱۵۲ [4] نحل ۱۶ : ۹۰ [5] بخاری

Marfat.com

عدالت کا قاضی اکبر امام ہوتا ہے۔
اس عدالت کا ذکر قرآن مجید میں واضح ہے: ارشاد الٰہی ہے: یَا دَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ [1]
اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں حاکم بنایا ہے سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر۔
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ [2] اے رسول! ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ نے اتارا ہے اور اس کو چھوڑ کر جو تیرے پاس حق آیا ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر۔
ایک اعرابی کا قول ہے: یا رسول اللہ اقض بیننا الخ [3]
اے رسول اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کرو۔
خلفائے راشدین کے عہد میں خلفاء مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔
مصنف المبسوط رقم طراز ہیں: کان رسول اللہ یقضی و الخلفاء بعدہ [4]
پہلے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فیصلے کیا کرتے تھے بعدہٗ آپ کے خلفاء [4]
مصنف عمدۃ القاری لکھتا ہے: اولی الناس بالقضاء الخلیفۃ [5]
سب لوگوں سے زیادہ حق دار فیصلہ کرنے کا خلیفہ ہوتا ہے۔
۲- عدالت عالیہ وزارت عدل: صیغہ عدل کا وزیر اس عدالت کا جج ہوتا ہے۔
حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں وزارت عدل کا قلمدان حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تھا۔ سنن کبری بیہقی میں لکھا ہے لما ولی ابوبکر ولی عمر القضاء [6]
جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے قضاء کی وزارت حضرت عمرؓ کو سپرد کی۔
جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو اس عہدہ پہ عبداللہؓ بن مسعود کو مقرر فرمایا تھا [7]
دور عباسیہ میں "محکمہ عدلیہ کی مطلق العنان وزارت قاضی ابویوسفؒ کے حوالے کی گئی

---

[1] ص ۳۸: ۲۶ [2] المائدہ ۵: ۴۸ [3] عمدۃ القاری عینی جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۴ [4] المبسوط جلد ۱۶ صفحہ ۸۰ [5] عمدۃ القاری عینی جلد ۶ صفحہ ۱۱ [6] سنن کبری بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۱۵ [7] ایضاً

Marfat.com

گئی تھی (امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی صفحہ ۸۰ ۴ سے قاضی یحییٰ بن اکثم مامون کے زمانے میں اس کے قاضی القضاۃ اور وزیر تھے (تاریخ القضاۃ فی الاسلام از محمد بن محمود بن عرنوس صفحہ ۹۸)

۳۔ یہ عدالت صوبہ کی سب سے بڑی اور آخری عدالت ہوتی ہے۔
عہد فاروقی میں شریح بن الحارث بصرہ کی عدالت عالیہ کے قاضی تھے۔[1]
حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ عہد فاروقی میں بصرہ کی عدالت عالیہ کے قاضی تھے[2]
عہد فاروقی میں امیر معاویہؓ شام کے صوبہ کے قاضی تھے[3]
حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں ولایت بصرہ کی عدالت عالیہ کے قاضی موسیٰ بن انس تابعی تھے۔[4]

۴۔ عدالت فوق العادہ (اسپیشل ٹریبونل) یہ عدالت خاص حالات میں خاص معاملات کے متعلق قائم ہوتی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس قسم کی عدالتوں کی مثالیں موجود ہیں۔ سنن کبری بیہقی میں لکھا ہے۔
بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العمال والقضاۃ وکذلک الخلفاء بعدہ۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال اور قاضی بھیجے اس طرح آپ کی وفات کے بعد خلفاء نے بھی[5]
رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ابو عبیدہؓ بن الجراح نجران کی عدالت کے قاضی مقرر ہوتے۔ اس طرح حضرت علیؓ حضرت معاذؓ بن جبل حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ عدالت یمن کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔

ابتدائی عدالتیں: (۱) عدالت صلح
۲۔ عدالت اصلاح بین الناس
۳۔ عدالت تحکیم

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۹ [2] المبسوط السرخسی جلد ۱۶ صفحہ ۶۰ [3] سنن کبری بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۶۵ [4] عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۸ [5] عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۳ [6] سنن کبری بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۸۶

Marfat.com

۴۔ عدالت حاکمہ ابتدائیہ

۱۔ **عدالتِ صلح**: قاضی عہدہ کے اعتبار سے اس امر پر مامور کیا جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلے مقدمہ کے فریقین کو صلح کی طرف مائل کرے۔

۲۔ **عدالت اصلاح بین الناس**: قانونی دعاوی سننے کے بعد جب عدالت فریقین میں صلح کرانے میں ناکام ہو جاتی ہے تو پھر یہ عدالت نزاعی مقدمات کو مصالحت کے اصول پر فیصلہ کرتی ہے۔ اس مقصد میں قانون سے پورا کام لیتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ ؎۲

پس ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ ؎۳ مومن بھائی بھائی ہیں سو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو۔

۳۔ **عدالت تحکیم**: (ثالثی) یہ عدالت فریقین کی مرضی کے مطابق ثالث مقرر کرتی ہے۔ پھر وہ ثالث فریقین دعوے اور جواب دعوے سن کر فیصلہ کر دیتے ہیں قرآن مجید میں آتا ہے: فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا۔ ؎۴ ایک ثالث خاوند کی طرف سے مقرر کر دو اور ایک ثالث عورت کی جانب سے اگر یہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن ابی کعب کا مقدمہ حضرت زید بن ثابت کی عدالت تحکیم میں پیش ہوا تھا ؎۵

۴۔ **عدالت حاکمہ ابتدائیہ**: مقدمہ کی قانونی سماعت کرنے والی پہلی عدالت ہے۔ **عدالت حاکم مصر**: ہر ضلع میں اس قسم کی عدالت ہوتی ہے۔ شدید سزاؤں کے مقدمات کے فیصلے صرف اسی عدالت میں ہوتے ہیں۔ ابتدائی عدالت ان کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔

یہ وہ عدالت کی قسمیں ہیں جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین

؎۱ المبسوط للسرخسی جلد ۱۶ صفحہ ۶۱ ؎۲ الحجرات ۴۹ : ۹ ؎۳ الحجرات ۴۹ : ۱۰ ؎۴ النساء ۴ : ۳۵ ؎۵ المبسوط للسرخسی جلد ۱۶ صفحہ ۸۳

Marfat.com

کے رو سے ثابت ہیں۔ زمانے کے نئے تقاضوں کے مطابق عدالتوں کا ڈھانچہ بدلا جا سکتا ہے۔ لیکن عدالت کی رو سے انصاف ہر حالت میں برقرار رہنا چاہیئے۔ اگر کسی نظام عدالت سے عدل و انصاف قائم نہ ہو رہا ہو۔ تو وہ نظام قرآن کی رو سے باطل ہو گا۔

شہادت سے رجوع: اگر گواہ اپنی گواہی سے پھر جائے تو اس کی شہادت کا شرعی اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ بیان عدالت میں ہونا چاہیئے۔

قضاۃ کے تقرر کے اختیارات اور طریقہ

اسلامی قانون میں قاضی کے تقرر کے اختیارات خلیفہ کو حاصل ہیں چاہے وہ خود کرے یا اپنے کسی نائب کے ذریعے سے اس تقرر کو عمل میں لائے۔

حضرت عمرؓ نے مصر کے قضاۃ کے تقرر کے اختیارات مصر کے گورنر حضرت عمروؓ بن العاص کو سونپ دیئے تھے۔

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں قاضیوں کے نصب و عزل کے تمام اختیارات قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسف کے ہاتھ میں تھے۔

قاضی کی نامزدگی پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ماوردی لکھتے ہیں اور تمام عہدوں کی طرح قضاۃ کے تقرر کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اگر نامزدگی بالمشافہ ہو رہی ہے۔ تو نامزدگی زبانی الفاظ سے ہو گی۔ اور غیر موجودگی میں خط و کتابت کے ذریعے سے ہو سکتی ہے۔ اعلان تقرر میں صریح الفاظ بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں فقہا نے ایسے الفاظ کی تعداد چار بتائی ہے مثلاً:

۱۔ قلدتک، یعنی میں نے تم کو مقرر کیا

۲۔ ولیتک، یعنی میں نے تم کو سونپا

۳۔ استخلفتک، میں نے تمہیں امور عدلیہ میں اپنا جانشین بنایا۔

۴۔ استنبتک، یعنی میں نے تمہیں قضاء کی ذمہ داریوں کے لئے اپنا نائب مقرر کیا۔

کنایہ کے کلمات بھی اختیار کئے جا سکتے ہیں۔

Marfat.com

مثلاً اعتمدتُ علیکَ یعنی میں نے تم پر اعتماد کیا۔ عولت علیکَ یعنی میں نے تم پر بھروسہ کیا۔ رددت علیکَ یعنی میں نے اختیارات قضاء تمہاری طرف لوٹا دیئے۔ فوضتُ الیکَ یعنی تمہیں تفویض کیا۔ اسندت الیکَ یعنی تمہاری طرف منسوب کر دیا۔

نامزدگی میں یہ ضروری ہے کہ صدر ریاست قاضی سے دستور اور قانون کی وفاداری کا حلف لے۔ اور اس میں اس کے اختیارات و فرائض کی توضیح بھی ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تہمت اور زنا کے حکم میں دوسرے کبائر بھی شامل کرتے ہیں اور ان کے مرتکب کو گواہی سے محروم سمجھتے ہیں۔

اسلام نے گواہی کے لئے عقل، بلوغت، قوت حافظہ، گویائی عدالت اور غیر متہم ہونے کی شرائط لگائی ہیں۔

بچوں، غلاموں، لونڈیوں، اندھوں کی گواہی کے بارے میں اختلاف ہے جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

احکام شہادت: (۱) گواہی میں تحریف نہ کی جائے۔

(۲) گواہی سے پہلو تہی نہ کی جائے۔

(۳) گواہی کو چھپایا نہ جائے۔

(۴) گواہوں کی عزت کی جائے۔

(۵) گواہی سچی دی جائے۔

گواہوں کی قانونی تعداد: ثبوت زنا کے لئے چار گواہ مرد قصاص قتل اور فوجداری جرائم میں دو گواہ مرد ہوں گے۔ دیوانی مقدمات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوتی ہیں۔

شہادت کی قسمیں

تواتر: وہ لسانی شہادت ہوتی ہے جب دعوے کے اثبات کے لئے اتنے آدمی گواہی

Marfat.com

دیں۔ جن کی نسبت عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ ان سب نے مل کر غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

احاد: جب شہادت اس قسم کے تواتر سے خالی ہو۔

اقرار: جب مدعی علیہ اس دعوے کی نسبت جو اس کے خلاف کیا گیا ہے خود اس کی شہادت اور تصدیق کر دے تو یہ عمل اقرار کے نام سے موسوم ہوگا۔

دستاویزی شہادت: عدالت میں دستاویزی شہادت بھی قابل قبول ہے لیکن اس شہادت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جعل کے شبہ سے خالی ہو۔

عدلیہ کی آزادی

— قاضی فیصلہ جات کرنے میں بالکل آزاد ہے خلیفہ یا کسی اور بااثر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے کسی فیصلے پر مجبور کرے۔ بلکہ وہ اسے کسی مقدمہ کی دوبارہ سماعت کے لئے بھی مجبور نہیں کر سکتا۔

القاضی اذا قضی فی حادثة فی الحق ثم امر السلطان ان یسمع ھذہ الحادثة ثانیا بمشھد من العلماء لا یفترض علی القاضی ذلک [1] قاضی جب کسی مقدمہ میں کوئی فیصلہ کر چکے اس کے بعد سلطان اسے حکم دے کہ وہ اس مقدمہ کی دوبارہ سماعت علماء کے سامنے کرے تو اس حکم کا ماننا قاضی کے لئے ضروری نہیں۔

اسلامی حکومت میں قاضی اپنے دائرہ اختیارات میں یہاں تک آزاد ہے کہ وہ خلیفہ کو اپنی عدالت میں بلا سکتا ہے۔ اور اس کے خلاف قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جا سکتا ہے اور خلیفہ بلا چون و چرا عدالت میں حاضر ہوگا۔

قاضی کی شرائط

۱۔ **مسلمان ہو:** اللہ کا ارشاد ہے: وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْکٰفِرِیْنَ

[1] باب خامس کتاب اداب القاضی

Marfat.com

عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا۔ یعنی اللہ نے مسلمانوں پر کافروں کو کوئی اختیار نہیں دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی شریعت اسلامی کے تحت فیصلے کرنے کا پابند ہے اس لئے یہ بات واضح ہے کہ شریعت اسلامی سے دلچسپی صرف مسلمانوں کو ہی ہو سکتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ غیر مسلم اپنے ہم شہریوں کے فیصلے کر سکتا ہے۔

۲۔ مرد ہو بالغ ہو، نابالغ پر کوئی حکم واجب نہیں ہے۔ عورتیں قاضی نہیں ہو سکتیں۔ احناف کے نزدیک عورتیں بھی قاضی بن سکتی ہیں چوں کہ ماوردی شافعی مذہب کا فقیہ ہے اس وجہ سے امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق عورتوں کے عہدۂ قضاء پر فائز ہونے کو ناجائز قرار دیتا ہے۔

۳۔ ذہین و فطین ہو، معاملات کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۴۔ عادل ہو، عدالت سے مراد یہ ہے کہ وہ صادق القول امین پاک دامن اور پرہیز گار شبہات سے محفوظ و مسئون خوشی و ناخوشی کی حالت میں یکساں قابل اعتماد ہو۔

۵۔ قاضی کی قوت سامعہ اور قوت باصرہ میں کسی قسم کا نقص نہ ہو تاکہ مقدمہ کی سماعت میں خلل واقع نہ ہو۔

۶۔ قاضی مجتہد اور اصول شرعیہ سے واقف ہو تاکہ مقدمات کا کتاب الٰہیہ اور سنت رسول کی روشنی میں فیصلے کر سکے۔

۷۔ آزاد ہو۔

۸۔ حرص اور لالچ سے نفرت کرنے والا ہو۔

قاضی کے اوصاف، عدالت کے آداب و ضوابط

۱۔ قاضی عدالت کے فرائض اس یقین کامل کے ساتھ انجام دے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔

۲۔ عدالت کا کام وقار کے ساتھ کرنا چاہیئے اللہ رحمی و رحم طراز ہیں۔

Marfat.com

فلیجالس القضاء من المهابة والحشمة [1] عدالت کے لئے وقار لازمی ہے۔

۳۔ فریقین میں برابر کا معاملہ کرے کسی ایک فریق کو کسی رنگ میں بھی دوسرے فریق پر فوقیت نہ دے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے سوّی بین الخصمین فی لحظك و لفظك یعنی حرکات و سکنات اور گفتگو میں فریقین کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔

۴۔ قاضی کو غرباء اور باہر سے آنے والوں کے مقدمات کی سماعت پہلے کرنی چاہیئے

۵۔ مقدمات کے فیصلے تنہائی میں نہ کرے۔ اس سے بدگمانیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

۶۔ قاضی عدالت میں نہ خود کسی کو سلام کرے اور نہ کوئی دوسرا اس کو سلام کرے۔

۷۔ تحفے قبول نہ کرے، فقہاء فرماتے ہیں:

"حاکم عدالت کسی کا تحفہ قبول نہ کرے سوائے اس رشتہ دار یا دوست کے جو اہل مقدمہ میں سے نہ ہو اور شروع سے اس کی عادت تحفہ بھیجنے کی ہو۔"

۸۔ قاضی کو غصہ کے عالم میں عدالت کا کام نہیں کرنا چاہیئے۔ ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی حاکم دو آدمیوں کے معاملہ میں غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ دے۔" [2]

۹۔ عورتوں اور مردوں کی سماعت الگ الگ ہونی چاہیئے مصنف المبسوط لکھتے ہیں۔

للقاضی ان یقدم النساء [3] یعنی قاضی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عورتوں کو مقدم رکھے۔

---

[1] المبسوط جلد ۱۶ صفحہ ۶۶، ۶۷ [2] فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۱۱۷
[3] المبسوط جلد ۱۶ صفحہ ۸۰

Marfat.com

۱۰۔ فریقین کو قاضی کے سامنے بیٹھنا چاہیئے۔ ابو داؤد نے عبد اللہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے۔ قضی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان الخصمین یقعدان بین یدی الحاکم۔

۱۱۔ قاضی فریقین میں سے کسی ایک فریق کو گھر یا تنہائی میں ملنے یا گفتگو کرنے کی اجازت نہ دے۔

۱۲۔ قاضی صرف ظاہری حالت کے مطابق فیصلہ دے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ امرت ان احکم بالظاهر واللّٰہ یتولی السرائر یعنی مجھے صرف ظاہری حالت کے مطابق فیصلہ دینے کا حکم دیا گیا ہے بھیدوں اور اندرونی حالات کا علم صرف اللہ کو ہے۔

۱۳۔ عدالت میں رویہ نرم رکھنا چاہیئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو ہدایت فرمائی۔ یسرا ولا تنفرا [۱]

۱۴۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کے بیانات پوری توجہ کے ساتھ سن کر فیصلہ کرنا چاہیئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجتے ہوئے نصیحت فرمائی: فاذا جلس بین یدیك الخصمان فلا تقضی حتی تسمع کلام الاخر کما سمعت کلام الاول فانه احری ان یتبین لك وجه القضاء۔

یعنی جب تیرے سامنے فریقین بیٹھ جائیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک پہلے فریق کی طرح دوسرے فریق کا بیان بھی نہ سن لے کیونکہ صحیح فیصلہ کرنے کے لئے یہی طریقہ مناسب ہے۔

۱۵۔ قاضی مقدمہ کی پیشی اور شہادتیں گزارنے کے لئے ایک تاریخ مقرر کر دے اگر تاریخ مقررہ پر مدعی گواہ نہ لائے تو اس کے خلاف فیصلہ کیا جا سکتا ہے لیکن انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ مدعی سے دریافت کر لیا جائے کہ گواہ کیوں حاضر نہیں ہوئے اگر وجوہ معقول ہوں تو دوبارہ گواہ پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔

---

[۱] عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۴۰۴

Marfat.com

۱۶- قاضی گواہ سے دریافت کرے کہ وہ کیا گواہی دینا چاہتا ہے اور کسی گواہ پر قاضی اثر نہ ڈالے۔

۱۷- قاضی ہمیشہ عدل پر ثابت قدم رہے۔ کسی حالت میں بھی اس کا پاؤں نہ ڈگمگائے۔ ارشاد الٰہی ہے: واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل [۱] اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو۔

۱۸- قاضی کو فیصلہ تردد کی حالات میں نہیں کرنا چاہیئے۔ کہیں شُبہ کے مواقع آجائیں تو فیصلہ میں توقف کرے خوب غور و فکر کرے اگر قاضی کو انصاف میں شک کا خیال گزرے تو وہ مقدمہ کسی دوسری عدالت میں بھیج دے۔

۱۹- قاضی جنبہ داری اور اقرباء پروری سے کام نہ کرے۔ ارشاد الٰہی ہے:
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا [۲]
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف پر قائم ہونے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو۔ گو معاملہ تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قریبیوں کے خلاف ہو۔ اگر کوئی امیر ہو یا غریب تو اللہ دونوں کا تمہاری نسبت زیادہ خیر خواہ ہے سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو تاکہ عدل کر سکو اور اگر تم پیچ دار بات کرو یا حق سے اعراض کرو تو یقیناً جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔
وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی۔ [۳] اور جب تم مقدمہ کا فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو خواہ قریبی رشتہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

۲۰- قاضی سزا اس وقت تک نہ دے جب تک کہ اس کو حتمی یقین نہ ہو جائے کہ گواہیاں ہر لحاظ سے شک و شبہ اور جھوٹ سے خالی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:
"جب تک کسی شخص کے خلاف ایسے آدمی گواہی نہ دیں گے جن کی دیانت اور عدالت ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہو اس وقت تک اس پر کوئی تعزیر

---

[۱] النساء ۴: ۵۸ [۲] النساء ۴: ۱۳۵ [۳] الانعام ۶: ۱۵۲

Marfat.com

قائم نہ کی جائے گی۔

۲۱۔ قاضی کی تنخواہ مقرر ہونی چاہیئے تاکہ وہ رشوت لینے پر مجبور نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے عامل مصر کو لکھا کہ جب تم کسی شخص کو قضا کا عہدہ تفویض کرو تو اس کی تنخواہ مقرر کرو تاکہ اس کے اخراجات زندگی اسے رشوت لینے پر مجبور نہ کریں۔

۲۲۔ تمام فیصلے اسلامی شریعت کے مطابق ہوں، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ[۱] پس تو لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کر اور اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ[۲] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

قاضی کے اختیارات و فرائض

تاریخ اسلامی میں فیصل تنازعات و مقدمات کے علاوہ خلفاء و امراء نے قاضی کو کچھ مزید بھی اختیارات دے رکھے تھے۔ علامہ ابوالحسن ماوردی نے انہیں دس شقوں میں تقسیم کیا ہے جن کی تلخیص بیان کی جاتی ہے۔

۱۔ تنازعات کے فیصلے کرنا۔

۲۔ جب کسی شخص کا حق اقرار یا گواہی کے ذریعہ مدعا علیہ پر ثابت ہو جائے اسے اس کا حق دلوانا۔

۳۔ نابالغ بچوں اور مرفوع القلم لوگوں کے اموال کی حفاظت کرنا۔ اسی طرح دیوالیہ اور سفیہ لوگوں کے معاملات و تصرفات پر پابندی عائد کرنا تاکہ وہ اپنی سفاہت کی وجہ سے مستحقین کے حقوق کو برباد نہ کر دیں۔ لاوارث اور غیر موجود لوگوں کے اموال کی حفاظت کرنا قاضی کے فرائض میں شامل ہے۔

---

[۱] المائدہ ۵: ۴۸ [۲] المجادلہ ۵۸: ۲۰

Marfat.com

۴- اموال یتامیٰ کی حفاظت کرنا۔
۵- اوقاف کی نگرانی
۶- وصایا کا نفاذ ان کی شرائط کے مطابق
۷- بیوہ عورتوں کے ولی نہ ہوں تو ان کے نکاح کے بارے میں کفو کی نگرانی کرنا۔
۸- حدود جاری کرنا۔
۹- راستوں اور مکانات کے بارے میں ناجائز، فضول اور غیر قانونی تعمیرات کی نگرانی کرنا۔
۱۰- گواہوں اور امینوں کی منظوری دینا، نائبوں کو مقرر کرنا، قوی اور ضعیف، معزز اور وضیع کے درمیان عدل و مساوات قائم کرنا۔

ضابطہ شہادت

عدالت میں اثبات دعویٰ کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیوں کہ حدیث میں آتا ہے۔ لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم۔ یعنی اگر لوگوں کے دعویٰ کے مطابق ہی فیصلے کر دیئے جائیں تو عدالتوں میں خون اور مال کے بہت سے دعوے دائر کر دیئے جائیں گے۔ پس عدالت میں دعویٰ کو ثابت کرنا اس لئے ضروری ٹھہرتا ہے کہ لوگ بے بنیاد دعاوی عدالتوں میں نہ کرنے شروع کر دیں۔

پس اثبات دعویٰ کا یہ مطلب ہے کہ دلیل و براہین کے ذریعہ دعویٰ کو حد یقین تک پہنچا دیا ہے۔

اثبات دعویٰ کے لئے حسب ذیل ذرائع و وسائل ہیں:

۱- بینہ: بینہ سے مراد ہر وہ ذریعہ اور وسیلہ ہے جس کے ذریعہ حق اور باطل میں تمیز ہو جائے اور حق کھل کر سامنے آجائے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے۔ البیّنۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ۔
یعنی اثبات دعوے کے لئے مدعی گواہ لائے اور مدعا علیہ پر حلف فرض ہے۔

Marfat.com

گواہ کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت ہے کہ جب گواہ واقعہ کو سورج کی طرح روشن دیکھے تو شہادت دے ورنہ نہ دے۔

۲۔ یمین (قسم): مدعی اگر مدعی علیہ کے الزام سے انکار کرتا ہے تو اس سے حلف لیا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو یعطی الناس بدعواهم لادعی الناس دماء رجال واموالهم ولکن البینة علی المدعی الیمین علی المدعی علیه اگر لوگوں کے حقوق محض دعویٰ کی بناء پر دے دیئے جائیں تو بہت سے لوگ لوگوں کے خون اور مال کے مدعی ہوجائیں اس لئے مدعی اثبات دعوے کے لئے گواہ لائے اور مدعی علیہ انکار کی صورت میں حلف اٹھائے۔

کتب احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حلف کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ نے ایک آدمی سے فرمایا: احلف بالله الذی لا اله الا هو ماله عندك شئ۔ یعنی تو حلف اٹھا کہ اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اس کی کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے۔

۳۔ قیافہ شناسی: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ شناسی کی شہادت کو اعتبار کا درجہ دیا تھا۔ معتبر روایت ہے کہ حضرت اسامہؓ اور حضرت زیدؓ دونوں ایک چادر میں سوئے ہوئے تھے اور پاؤں کھلے تھے۔ آپ نے پاؤں کو دیکھ کر فرمایا یہ دونوں باپ بیٹا ہیں۔

حضرت اسامہ کالے رنگ کے تھے اور حضرت زید سفید رنگ کے تھے اس لئے لوگوں کو ان کے نسب میں شک تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ سے اس اشتباہ کو رفع کر دیا۔

قیافہ شناسی کا فن عرب میں بہت رائج تھا ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ قیافہ شناس صرف پاؤں کے نشان دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ گذرنے والا مرد ہے یا کہ عورت۔

۴۔ فراست: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض ایسے مقدمات بھی منقول ہیں جن میں آپ نے صرف فراست اور قرائن کی بناء پر فیصلہ صادر فرما دیا۔

Marfat.com

۵۔ قسامت: قسامت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی لاش ملے اور اس کے قاتل کا پتہ نہ چلے تو اس جگہ کے کچھ لوگوں سے اس کے بارے میں بریت کی قسم لی جائے۔

مسلم اور بخاری میں روایت ہے کہ ایک انصاری عبداللہ بن سہیل اور اس کا چچا زاد بھائی محیصہ بن مسعود خیبر گئے ان دنوں ایام میں خیبر کے یہود اور مسلمانوں کے درمیان صلح تھی۔ یہ دونوں اصحاب کسی ضرورت کے تحت ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ اتنے میں عبداللہ بن سہیل کو کسی نے قتل کر کے ایک کنوئیں میں پھینک دیا۔ چنانچہ خیبر کے یہود پر اس قتل کا الزام لگایا گیا مقتول کے بھائی نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ فی الواقع یہود نے عبداللہ کو قتل کیا ہے انہوں نے کہا ہم کیوں کر قسم کھا سکتے ہیں جب کہ قتل ہمارے سامنے نہیں ہوا۔ اس پر آپ نے فرمایا تو پھر یہود میں سے پچاس اشخاص حلف اٹھائیں گے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ تو مسلمان نہیں ہیں ہم ان کی قسم کیسے قبول کر لیں۔ اس پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ دیت کے طور پر ان کو دیئے۔

۶۔ قرعہ اندازی: بعض صورتوں میں قرعہ اندازی سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فیصلے صادر فرمائے۔ ایک مرتبہ ایک سواری کے جانور پر دو آدمیوں نے اپنا دعویٰ کیا اس پر آپ نے حکم دیا کہ قرعہ ڈال کر معلوم کیا جائے کہ کون حلف اٹھائے۔

اثبات دعویٰ کے یہ ذرائع اور وسائل اپنے اپنے موقع محل پر استعمال کئے جائیں گے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص کسی کو قتل کر دے، قاضی کے سامنے مقدمہ پیش ہو تو قاضی قرعہ اندازی شروع کر دے۔ آیا اس نے قتل کیا ہے یا کہ نہیں۔

Marfat.com

گواہ کے قانونی اوصاف

عادل ہونا: قانون کی نظر میں گواہ کے چند اوصاف ہیں۔ جن کا ہونا بہت ضروری ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔

یعنی اپنے میں سے دو عادل گواہ بناؤ

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لاتجوز شھادۃ خائن ولا خائنۃ ولا زان ولا زانیۃ ولا ذی غمر علی اخیہ (ابوداؤد)

یعنی خائن اور خائنہ اور زانی اور زانیہ کی شہادت جائز نہیں ہے اور نہ اس شخص کی شہادت ایسے شخص کے حق میں جائز ہے، جس سے اس کی عداوت ہے۔

اس طرح ترمذی میں روایت ہے کہ جس شخص کو کوئی حد لگ چکی ہے یا جو شخص پہلے کسی گواہی میں جھوٹا ثابت ہو چکا ہے۔ ان کی شہادت درجہ اعتبار تک نہیں پہنچتی۔ اور اس طرح گھر والوں کے حق میں ان کے نوکروں وغیرہ کی گواہی بھی درست نہیں۔ اور نہ کسی ایسے رشتہ دار یا دوست کی گواہی جائز ہو گی جس کے متعلق یہ گمان ہو کہ وہ جانبداری سے کام لے گا۔

ہدایہ جلد ثالث میں لکھا ہے۔

"باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی، بیٹے کے حق میں باپ کی گواہی بیوی کی گواہی خاوند کے حق میں اور خاوند کی گواہی بیوی کے حق میں، غلام کی شہادت آقا کے حق میں اور اجیر کی گواہی مستاجر کے متعلق قبول نہ کی جائے گی!!"

جو لوگ کسی مسلمان پر زنا کا الزام لگا کر ثابت نہیں کر سکے تو ان کی گواہی

ؔ النور ۲۴: ۴

معتبر نہیں ہے۔

ارشاد الٰہی ہے : وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ [1] اور ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ اور وہی فاسق ہیں۔

---

[1] النور ۲۴ : ۴

Marfat.com

اسلامی مملکت کے اوصاف

Marfat.com

حکومتِ الٰہیہ

اسلامی حکومت کا پہلا وصف دنیا میں حکومت الٰہیہ قائم کرنا ہے۔ قرآن مجید میں خدا کی حکومت کو حکم کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ [1] حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہی حاصل ہے۔

لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا [1] یعنی خدا کی حکومت میں کوئی دوسرا شریک نہیں فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ۔ [2] یعنی حکومت کا منصب صرف اللہ تعالےٰ کے ہی لئے ہے جو بلند اور بڑا ہے۔

خدا کی حکومت اس دنیا میں کس طرح قائم ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں دیتا ہے کہ اس کے نازل کردہ قانون کو دنیا میں نافذ کیا جائے۔

ارشاد الٰہی ہے: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ [3] سو ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ نے اتارا ہے اور اس کو چھوڑ کر جو تیرے پاس حق آیا ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ [4] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ [5] ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ [6] اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں پس وہ ظالم ہیں۔

---

[1] یوسف ۱۲: ۴۰ [2] المومن ۴۰: ۱۲ [3] المائدہ ۵: ۴۸ [4] المجادلہ ۵۸: ۲۰ [5] الحدید ۵۷: ۲۵ [6] المائدہ ۵: ۴۵

Marfat.com

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ [1]

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اور اپنے میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے ہو۔

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے۔

۲۔ صاحب امر کی اطاعت اس وقت ضروری ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لا طاعة فی معصیة انما الطاعة فی المعروف [2] معصیت میں کوئی فرمانبرداری نہیں اطاعت صرف معروف میں ہے۔

علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما احب وکره الا ان یؤمر بمعصیة فان امر بمعصیة فلا سمع و لا طاعة [3]

ہر مسلمان مرد پر سمع وطاعت لازم ہے۔ خواہ رضامندی سے کرے یا ناپسندیدگی سے تاوقتیکہ اس کو گناہ کا حکم نہ دیا جائے پھر اگر گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سمع ہے اور نہ اطاعت۔

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کے لئے کوئی اطاعت نہیں ہے۔

جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نائب ہونے کی حیثیت سے مسجد نبوی میں تمام لوگوں کے سامنے اس امر کا اقرار کیا ایها الناس انما انا متبع و لست بمبتدع فان انا احسنت فاعینونی وان انا زغت فقومونی [4] اے لوگو! میں احکام اسلام کا پیرو ہوں

---

[1] النساء ۴: ۵۹ [2] بخاری [3] مسلم باب الجهاد۔ [4] کتاب الاموال لابی عبید صفحہ ۳۶۶

Marfat.com

اور کسی بدعت کا موجد نہیں ہوں۔ اگر احکام اسلامی کے مطابق زندگی بسر کروں تو میری مدد کرو اگر کجی اختیار کروں تو سیدھا کرو۔

صحابہ کرام نے جواب دیا اگر آپ نے اسلامی احکام سے ہٹ کر کجی اور راہ اختیار کی تو ہم نیزوں کی انیوں سے آپ کو سیدھا کریں گے۔

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں: ان الخلیفۃ ھو الذی یقضی بکتاب اللہ ویشفق علی الرعیۃ شفقۃ الرجل علی اھلہ فقال کعب الاحبار صدق۔ ؎ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو قرآن کے مطابق فیصلہ کرے اور رعیت پر اس طرح شفقت کرے جس طرح ایک شخص اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے کعب احبار نے سنا تو کہا سلمان نے سچ کہا ہے۔

دوسرا وصف اتحاد

اگر مذاہب عالم اور دنیاوی تحریکات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ملی اور بین الاقوامی اتحاد کا علمبردار صرف اسلام ہی ہے۔

یہودی کہتے ہیں: نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاؤُهُ یعنی ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہم ہی اس کی روحانی تعلیمات کے حقیقی وارث ہیں۔

یہودیوں کا یہ نظریہ ہے کہ یہودی وہی ہے جو یہود قوم میں پیدا ہو۔ دوسری قوم کا کوئی فرد یہودی نہیں بن سکتا صرف یہودیوں میں ہی نبی اور رسول آتے رہے ہیں۔ باقی تمام اقوام عالم روحانی تعلیم سے محروم ہیں۔

یہ نظریہ اتحاد کے سراسر منافی ہے۔ اور نسل انسانی کو ایک پلیٹ فارم پر کبھی جمع نہیں ہونے دے گا۔

عیسائیوں کی کتاب مقدس انجیل میں لکھا ہے کہ "میں بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا (متی ۱۵/۲۴) اور اپنے حواریوں کو یہ ہدایت کی کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ

؎ الاسلام والحضارۃ العربیۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳۱

Marfat.com

اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا (متی باب ۱۰ آیت ۵)
اور اپنے شاگردوں کو یہ تلقین بھی کی کہ پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو (متی ۷: ۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک کنعانی عورت کو جو یہودی نہ تھی ذیل کے الفاظ سے مخاطب کیا: میں بچوں کی روٹی کتوں کے سامنے نہیں پھینک سکتا اس پر عورت نے عرض کیا بچوں کے دستر خوان سے جو ٹکڑے گرتے ہیں انہیں کتے کھا ہی لیا کرتے ہیں (مرقس باب ۷ آیت ۲۷، ۲۸)

انجیل کی ان آیات میں غیر یہودیوں کو کتے اور سور سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ نفرت انگیز تعلیم عیسائی اور غیر عیسائی کو کبھی بھی اتحاد کی لڑی میں منسلک نہیں ہونے دے گی۔

ہندو مذہب تو چار ورنوں کی تعلیم دیتا ہے اور برہمن کو باقی ذاتوں پر فوقیت دیتا ہے سب سے مظلوم اور گھٹیا ذات شودر ہے۔ وید لکھتا ہے:

"برہمن پرماتما کے منہ سے، کشتری بازوؤں سے ویش رانوں سے اور شودر پاؤں سے پیدا ہوا" (رگوید، یجروید، اتھروید)

ویدوں کی اس تعلیم کے تحت نسل انسانی کبھی بھی متحد نہیں ہو سکتی۔ اشتراکیت دنیا کو دو طبقوں میں تقسیم کرتی ہے ایک مزدور طبقہ اور دوسرا سرمایہ دار۔ اشتراکیت مزدوروں کو ابھارتی ہے اور سرمایہ داروں کو صفحہ ہستی سے مٹاتی ہے۔

فاشزم کی بنیاد ہی ایک خاص قوم اور نسل کی فوقیت پر ہے۔ حکمران طبقہ دوسرے طبقوں سے افضل ہوتا ہے۔ اس نظام میں اعلیٰ نسل کا فرد حاکم ہوتا ہے اور عوام محکوم۔ فاشزم اس طبقاتی تقسیم کو معاشرہ کے لئے مفید سمجھتی ہے۔

نازی ازم: نازی تحریک کی اساس ہی اس نعرہ پر اٹھائی گئی تھی کہ جرمن قوم اعلیٰ قوم ہے صرف اسی قوم کو دوسری اقوام پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔

سرمایہ داری نظام: سرمایہ داری نظام میں سرمایہ داروں کو برتری حاصل ہے اس نظام میں مزدور غلام بن کر رہ گئے ہیں۔

اسلام اور اتحاد: اسلام اتحاد کا سرچشمہ توحید کو قرار دیتا ہے۔ عقیدہ توحید نے

Marfat.com

نسل انسانی کو غلامی کی تمام زنجیروں سے رہائی دلا کر اتحاد کی لڑی میں منسلک کر دیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا بار بار ذکر آتا ہے۔ سورۃ فاتحہ کا آغاز ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ یعنی تمام محاسن کا حقیقی حق دار صرف اللہ ہی ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف مسلمانوں کا ہی پالنے والا نہیں ہے بلکہ ہندو، عیسائی، یہودی وغیرہ دنیا کی تمام اقوام کا پالن ہار ہے وہ اس کے سرچشمہ ربوبیت سے سیراب ہوتی ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ [1] تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ وقتوں میں پیدا کئے پھر وہ عرش پر متمکن ہے رات کو دن کا لباس پہناتا ہے وہ اس کے پیچھے لگاتار چلا آتا ہے اور سورج اور چاند ستارے اس کے حکم سے کام میں لگائے گئے ہیں سن لو بنانا اور حکم دینا اسی کا کام ہے اللہ بابرکت ہے جو جہانوں کا رب ہے۔

رَبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ [2] تمہارا پروردگار بڑی ہی وسیع رحمت رکھنے والا ہے۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى [3]
فرمایا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی پھر رہنمائی فرمائی۔ اتحاد کی حسب ذیل اقسام ہیں۔

۱۔ **نسل انسانی کا اتحاد:** اسلام تمام انسانی کو ایک اصل کی شاخیں قرار دیتا ہے یہ وہ عظیم الشان پیغام ہے۔ جو ایک امی نبی نے دنیا کو دیا۔ نسل انسانی کی وحدت کا تصور تہذیب انسانی پر وہ احسان ہے جس کی نظیر دوسرے کسی نبی یا کسی انسان کی تعلیم میں نہیں ملتی۔ یہ اتنا بلند نظریہ ہے جو بغیر خدا کی وحی

---

[1] اعراف ۷: ۵۴ [2] انعام ۶: ۱۴۷ [3] طٰہٰ ۲۰: ۵۰

Marfat.com

کے انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ارشاد الٰہی ہے:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً [1] اے لوگو! اپنے رب کا تقوے اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا [2] اور سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں سو وہ اختلاف کرتے ہیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ [3] ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔

اللھم ربنا ورب کل شیئ انی شھید ان العباد کلھم اخوۃ [4] ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہے کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اتحاد ملی: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَاِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ [5] یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔سو میرا تقویٰ کرو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ [6] مومن بھائی بھائی ہیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الجماعۃ رحمۃ والفرقۃ عذاب [7] جماعت رحمت ہے اور متفرق ہونا

---

[1] النساء ۴: ۱ [2] یونس ۱۰: ۱۹ [3] بیہقی کتاب الایمان [4] مسند احمد۔ ابو داؤد [5] المومنون ۲۳: ۵۲ [6] الحجرات ۴۹: ۱۰ [7] کنوز الحقائق حرف الجیم۔

Marfat.com

عذاب ہے۔

تری المومنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی لہ سائر جسدہ بالسھر والحمی لہ تو مومنین کو ایک دوسرے سے رحم اور محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا جیسا کہ بدن میں ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارے اعضاء بخار اور بیداری میں اس کے شریک ہوں۔

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا ثم شبک بین اصابعہ ؎۲ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسا کہ ایک عمارت کا ایک جز دوسرے جز کو قوت دیتا ہے پھر اپنی انگلیوں کو ملا کر مثال دی کہ اس طرح؛

انما ھلک من کان قبلکم الاختلاف ؎۳ اگلے لوگوں کو اختلاف نے تباہ کیا۔

دینی اتحاد: اسلام نے مذہبی اتحاد کی بنیاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عالمگیر پیغام پر رکھی کہ سب لوگ اسی پیغام کو مانیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور وہی دین فطرت ہے اسی دین کے ابلاغ کے لئے مختلف زمانوں میں انبیاء علیہم السلام آتے رہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دین کی تکمیل کر دی ہے ارشاد الٰہی ہے: قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ؎۴ کہہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ ؎۵ اور ہم نے تجھے تمام ہی لوگوں کے لئے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: کان کل نبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی کل احمر واسود ؎۶ ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام

؎۱ بخاری کتاب الاداب ؎۲ بخاری کتاب الاداب ؎۳ کنز الحقائق حرف الہمزہ
؎۴ اعراف ۷: ۱۵۸ ؎۵ سباء ۳۴: ۲۸ ؎۶ مسلم باب المساجد۔

Marfat.com

سرخ و سیاہ قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

دین اسلام کی تکمیل کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا [1]

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور دین اسلام تمہارے لئے پسند کیا۔

قانونی اتحاد: اسلام میں قانون کی نظر میں مومن، کافر، بادشاہ، رعایا، امیر اور غریب، مزدور اور آقا سب برابر ہیں، ارشاد الٰہی ہے: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ [2] اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں حاکم بنایا ہے، سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہشات کی پیروی نہ کر۔ ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَھْوَآءَھُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھِنَّ۔ [3] اگر حق ان کی خواہشات کا تابع ہو جائے تو زمین، آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کا سب تباہ و برباد ہو جائے گا۔

اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خود ساختہ رسم و رواج یا اہوائے نفسانی کو نظر انداز کر کے فیصلہ قانون الٰہی کے تابع ہونا چاہیئے۔

فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ [4] سو ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ نے اتارا اور اس کو چھوڑ کر جو تیرے پاس حق آیا ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ [5]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کی مخالفت کرتے ہیں وہ سخت ذلیل لوگوں میں سے ہیں۔

عہد نبوی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک اونچے خاندان کی عورت نے چوری کی

---

[1] المائدہ ۵ : ۳ [2] ص ۳۸ : ۲۶ [3] المومنون ۲۳ : ۷۱ [4] المائدہ ۵ : ۴۸

[5] المجادلہ ۵۸ : ۲۰

Marfat.com

کچھ لوگوں کو خیال آیا کہ اگر اس عورت کو سزا ہو گئی تو جگ ہنسائی ہو گی۔ حضرت اسامہؓ کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سفارش کے لئے بھیجا کہ اس عورت کو سزا نہ دی جائے۔ جب حضرت اسامہؓ نے اپنے مدعا کے اظہار کے لئے زبان کھولی تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو گیا اور فرمایا تم سے پہلی اقوام محض اس وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ وہ سزا نیچ لوگوں کو دیتے تھے اور بڑوں کو چھوڑ دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ [1]

حضرت ابو بکرؓ نے خطبہ دیا۔ یقیناً تمہارے زبردست لوگ میرے لئے اس وقت تک کمزور ہیں جب تک میں ان سے ہر واجب شدہ حق نہ لے لوں۔ اور بلاشبہ تمہارے کمزور لوگ میرے نزدیک اس وقت تک زبردست ہیں جب تک میں ان کا غصب شدہ حق واپس نہ دلا دوں۔ [2]

قاضی عدالت کے معاملہ میں خلیفہ کے اثر سے آزاد ہے اگر خلیفہ کسی فیصلے پر مجبور کرے یا محض نظر ثانی کا حکم دے۔ تو قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ خلیفہ کے حکم کو مسترد کر دے۔ القاضی اذا قضی فی حادثۃ فی الحق ثم امر السلطان ان یسمع ھذہ الحادثۃ ثانیا بمشھد من العلماء لا یفترض علی القاضی ذلک [3] قاضی جب کسی مقدمہ میں کوئی فیصلہ کر چکے تو اس کے بعد سلطان اسے حکم دے کہ وہ اس مقدمہ کی دوبارہ سماعت علماء کے سامنے کرے تو اس حکم کا ماننا قاضی کے لئے ضروری نہیں۔

اتحاد پیدا کرنے کے اصول

اسلام نے اتحاد پیدا کرنے کے لئے دو قسم کے اصول مقرر کئے ہیں:

۱۔ نظریاتی، اور

---

[1] بخاری اقامۃ الحد علی الوضیع والشریف [2] کتاب الاموال لابی عبید صفحہ ۳۶۶
[3] فتاوی عالمگیری باب خامس کتاب آداب القاضی

Marfat.com

ب۔ عملی

نظریاتی ، توحید : جیسا کہ پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اتحاد کی بنیاد توحید ہے جو اقوام عالم کو اتحاد کی لڑی میں منسلک کرتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور کتب سماوی پر ایمان : اسلام کا یہ نظریہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی روحانی اور اخلاقی ترقی کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے ان پر اپنا کلام نازل کیا۔ جس میں ہر نبی کے اپنے اپنے دور کی برائیوں کا مکمل علاج ہوتا تھا۔ قرآن مجید میں آتا ہے : وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ [1] یعنی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔

پھر فرمایا وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ [2] یعنی ہر امت کے لئے ایک رسولؐ ہے۔

اس وجہ سے مذہب اسلام دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے صرف قرآن مجید اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ہی ایمان ضروری قرار نہیں دیتا بلکہ خدا کی تمام کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیتا ہے تاکہ اتحاد بین الاقوام کی عمارت مضبوط اساس پر کھڑی ہو۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جس سے تمام دنیا کی اقوام ایک مسلک پر جمع ہو سکتی ہیں جب ایک آدمی مسلمان ہوتا ہے تو وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے۔

آمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ [3]

یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا۔ اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد کی طرف اتارا گیا اور اس پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر جو نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کر سکتے۔

سلسلہ نبوت حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر منقطع ہو گیا، قومی نبیوں

---

[1] ۳۵ : ۲۴ [2] ۱۰ : ۴۷ [3] البقرہ ۲ : ۱۳۶

Marfat.com

کی جگہ دنیا کے ایک نبی نے لی، اور تمام نسل انسانی کے اتحاد کا منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اب جو شخص بھی اجرائے نبوت کا قائل ہوگا وہ گویا اتحاد نسل انسانی کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔

عملی اصول: اسلام نے مسلمانوں پر دن میں پانچ دفعہ باجماعت نماز ادا کرنا فرض قرار دیا ہے۔ یہ نظریاتی اصول کا عملی سبق ہے۔ باجماعت نماز ادا کرنے کے ساتھ امیر، غریب، غلام، آقا، سیاہ، سفید غرض کہ ہر قسم کے امتیازات مٹ جاتے ہیں۔

محلہ کی کسی مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے ساتھ اتحاد کا دائرہ تنگ رہتا ہے حلقہ اتحاد کو وسیع تر کرنے کے لئے جمعہ کی نماز کو اہمیت دی ہے۔ جس میں ایک خاص مقام کے تمام مسلمان جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر اس دائرہ کو اور وسیع کرنے کے لئے عیدین کا اجتماع ہے۔ پھر بین الاقوامی اتحاد کے لئے حج کی عبادت مقرر کی ہے ایام حج میں دنیا کے ہر گوشے کے مسلمان مکہ میں جمع ہوتے ہیں۔ تمام ایک ہی لباس میں ملبوس ہو کر مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ جس سے ہر قسم کے لونی اور لسانی اور طبقاتی امتیازات مٹ جاتے ہیں۔ اسلام نے محض الفاظ اور نظریات سے اتحاد کی تعلیم پر خواہ کتنا زور دیا لیکن نظریاتی تعلیم کو نماز اور حج کی عبادت کے ساتھ عملی جامہ نہ پہناتا تو اسلام کی نظریاتی تعلیم بے کار ثابت ہوتی۔ اسلام نے جہاں نظریاتی اصول کے ذریعہ دنیا کے ہر فرد کو اتحاد کی لڑی میں منسلک کرنے کی سعی کی ہے۔ وہاں نماز اور حج کے ذریعہ اس نظریاتی تعلیم کو عملی جامہ پہنایا ہے۔

تیسرا وصف مساوات

مساوات سے یہ مطلب لینا کہ تمام لوگ ہر لحاظ سے برابر ہیں صحیح نہیں مکمل مساوات ایک غلط بات ہے۔

ہر فرد دوسرے فرد سے قد و قامت، رنگ و روپ، ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے اعتبار سے جدا ہے۔ اس اختلاف کے دو سبب ہیں:

۱۔ پیدائشی سبب، اور

Marfat.com

۲۔ ماحول کا اثر۔
پیدائش کے وقت ہر فرد مختلف استعدادوں اور قوتوں کا مالک ہوتا ہے بعض ذہین وفطین ہوتے ہیں اور بعض غبی۔ بعض جسمانی طور پر مضبوط اور توانا ہوتے ہیں اور بعض نحیف اور لاغر۔ یہی اختلاف انسان کی ترقی اور زندگی کی رونق کا سبب ہے۔
ماحول کا اثر: ان کی ذہنی اور جسمانی ترقی ماحول کے زیر اثر ہے اگر کسی کو صحت مند ماحول میسر آجائے تو وہ دنیا میں ترقی حاصل کر لیتا ہے۔ اگر خراب میسر آجائے تو اس کی تمام فطری صلاحیتیں اور استعدادیں نشوونما پانے سے رک جاتی ہیں جس طرح ایک بیج ہوتا ہے اس میں پودے کے تمام اجزاء پنہاں ہیں جب اس بیج کو صحیح ماحول میسر آجاتا ہے تو اس کی مخفی استعدادیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور وہ پودے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اگر بیج کو صحیح ماحول میسر نہ آئے تو اس کی تمام مخفی استعدادیں ضائع ہو جاتی ہیں۔
اس مختصر سی بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا میں تمام انسان نہ تو ایک دوسرے کے برابر ہو سکتے ہیں اور نہ ہیں۔ علم تمدن میں مساوات کا صرف مفہوم یہ ہے کہ ہر فرد کو سیاسی، سماجی، قانونی اور اخلاقی طور پر بغیر امتیاز رنگ ونسل اور بلا تفریق دین ومذہب مساوی حقوق حاصل ہیں۔
اگر مذاہب عالم اور دنیاوی تحریکات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ صرف اسلام ہی حقیقی مساوات کا علمبردار ہے۔

ہندومت اور مساوات

ہندومت چار درنوں کا پرچار کرتا ہے۔ برہمن کو باقی تین ذاتوں پر فوقیت دیتا ہے، اور سب سے مظلوم اور گھٹیا ذات شودر ہے۔ وید میں لکھا ہے:
"برہمن پرماتما کے منہ سے، کشتری بازوؤں سے ویش رانوں سے اور شودر پاؤں سے پیدا ہوا۔ (رگوید، یجروید، اتھروید) وید کے لئے برہمن حکومت کے لئے چھتری، کاروبار کے لئے ویش اور دکھ اٹھانے

Marfat.com

کے لئے شودر پیدا ہوا ہے (یجروید ۳۰ : ۵)

شودر کے لئے قادر مطلق نے صرف ایک ہی فرض بنایا ہے وہ ان تینوں کی خدمت کرنا ہے (منو شاستر باب اول ۹۱)

جو کچھ اس دنیا میں ہے برہمن کا مال ہے چونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے کل چیزیں اس کی ہیں (باب اول ۱۰۰)

برہمن کو اگر ضرورت ہو تو وہ بلا کسی گناہ کے اپنے غلام شودر کا مال بہ جبر لے سکتا ہے۔ اس غصب سے اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا۔ کیوں کہ غلام صاحب جائداد نہیں ہو سکتا اس کی کل املاک مالک کا مال ہے (باب ہشتم ۴۱۷)

برہمن کی خدمت کرنا شودر کے لئے نہایت قابل تعریف بات ہے اور اس کے سوا کسی اور چیز سے اسے اور کوئی اجر نہیں مل سکتا (باب دہم ۱۲۳)

شودر کو اگر موقع ملے تو اسے نہیں چاہیئے کہ مال و دولت جمع کرے کیوں کہ شودر دولت جمع کر کے برہمنوں کو دکھ دیتا ہے (باب دہم ۱۲۹)

برہمن اگر شودر کی چوری کرے تو اس کی سزا صرف یہ ہے کہ شودر کو مال کا تاوان دلایا جائے لیکن اگر یہی جرم شودر کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ شودر کو آگ کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔

اگر کوئی شودر کسی حاکم کو مارنے کی جسارت کرے تو اس کو زندہ لٹکا کر آگ میں بھونا جائے۔ اگر کوئی برہمن اس قسم کا جرم کرے تو اس پر تاوان عائد کیا جائے۔

موسوی شریعت اور مساوات: موسوی شریعت نے عورتوں کو مردوں کا ہمیشہ محکوم اور غلام بنایا ہے چنانچہ لکھا ہے:

"اور خداوند نے کہا میں تیرے دردِ حمل کو بڑھاؤں گا تو درد کے ساتھ بچہ جنے گی۔ اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہو گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا" [1]

بائبل کی عبرانی زبان میں بیوی کو لعولہ (جائداد منقولہ) کہا گیا ہے اور خاوند کو بعل (مالک) انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں ان دونوں لفظوں پر لکھا ہے:

---

[1] پیدائش باب ۳

Marfat.com

The man is the owner; the woman the chattle.

بائبل میں غلام اور لونڈیوں کے بارے میں لکھا ہے۔

"اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیاں مارے اور وہ مار کھاتے ہوئے مر جائے تو اسے سزا دی جائے۔ لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جیئے تو اسے سزا نہ دی جائے۔ اس لئے کہ وہ اس کا مال ہے۔" ؎

یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یعقوب کی اولاد ہی صرف اللہ کو پیاری ہے باقی سب اس کی غلامی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اسی طرح تورات کا ایک یہ حکم ہے کہ تو اپنے بھائی سے سود نہ لے۔ ؎

اگر سود لینا برا ہے تو غیر یہودیوں سے لینا کیوں کر اچھا ٹھہرتا ہے یہ مساوات کے صریحاً خلاف حکم ہے۔

اشتراکیت: اشتراکیت دنیا کو دو طبقوں میں تقسیم کرتی ہے ایک طبقہ مزدور دوسرا طبقہ سرمایہ دار۔ اشتراکی نظام مزدور طبقے کو اٹھاتا ہے اور سرمایہ دار طبقے کو مٹاتا ہے۔ سرمایہ داروں سے سرمایہ چھین کر مزدوروں میں تقسیم کرتا ہے۔

فاشزم: فاشزم کی بنیاد ایک خاص قوم اور نسل کی برتری پر ہے۔ حکمران طبقہ دوسرے طبقوں سے افضل ہوتا ہے۔ اس نظام میں اعلیٰ نسل کا فرد حاکم ہوتا ہے۔ عوام محکوم۔ فاشزم غیر مساوی طبقات کو معاشرہ کے لئے مفید سمجھتی ہے۔

نازی ازم: نازی تحریک کی بنیاد ہی اس نعرہ پر تھی کہ جرمن اعلیٰ قوم ہے صرف اسی قوم کو دوسری اقوام پر حکومت کرنے کا حق ہے۔

سرمایہ داری نظام: سرمایہ داری نظام میں غیر فطری طور پر سرمایہ داروں کو فوقیت حاصل ہے۔ مزدور ان کے غلام ہوتے ہیں۔

اسلام اور مساوات

سماجی مساوات: اسلام تمام بنی آدم کو ایک ہی اصل کی مختلف شاخیں قرار دیتا

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

ہے۔ اور پیدائشی طور پر کسی کو ایک دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں گورا ہو کالا ہو۔ مشرق کا رہنے والا ہو، مغرب کا رہنے والا ہو۔ کسی قوم کسی نسل کسی علاقے کا رہنے والا ہو۔ سب بحیثیت انسان برابر ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً [1] اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا [2] اور سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں سو وہ اختلاف کرتے ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ [3] مومن بھائی بھائی ہیں۔

حدیث میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قد اذھب اللہ عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالاباء انما ھو مومن تقی وفاجر شقی والناس بنو ادم وادم من تراب [4] یعنی اللہ تعالےٰ نے اسلام کے ذریعہ تم میں سے جاہلیت والے تکبر اور اباؤ اجداد پر تفاخر کو دور کر دیا ہے کیوں کہ اصول صرف یہ ہے کہ ایک شخص نیک عمل کرنے والا اور خدا کو ماننے والا ہوتا ہے اور دوسرا بدعمل اور بدبخت اور سب لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوا تھا۔

اللھم ربنا ورب کل شیء انی اشھد ان العباد کلھم اخوۃ [5] اے ہمارے رب ہر چیز کے پالنے والے میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے مشہور خطبے میں فرمایا:

ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی [6]

---

[1] النساء ۴: ۱ [2] یونس ۱۰: ۱۹ [3] الحجرات ۴۹: ۱۰ [4] ترمذی جلد ۲ ابواب المناقب [5] احمد، ابوداؤد [6] مسند احمد

Marfat.com

لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوٰے کے سبب سے۔

عرب کے اعلےٰ طبقہ کے لوگ ادنیٰ طبقہ کے لوگوں سے تعاون کو ناعار سمجھتے تھے اسلام نے اس مصنوعی تفریق کو بھی ختم کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خالہ زاد بہن کی شادی اپنے غلام حضرت زیدؓ بن حارثہؓ کے ساتھ کر دی۔

اگر کسی نے معاشرہ میں جائز ذرائع سے ترقی کی ہے تو اسلام اس کی بڑائی اور ترقی کی نظر استحسان دیکھتا ہے اور دوسروں کو یہ تلقین کرتا ہے کہ اس کی عزت کی جائے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: انزلوا الناس علی منازلهم[1]

یعنی لوگوں کو ان کے مراتب اور مدارج کے لحاظ سے جگہ دو۔

جو لوگ دینی یا دنیوی فضیلت کی وجہ سے بڑائی حاصل کر لیں تو ان کا احترام کیا جائے۔ بنو قریظہ کے فیصلہ کے لئے جب سعدؓ بن معاذ جو قبیلہ اوس کے رئیس تھے تشریف لائے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر صحابہ سے فرمایا:

قوموا الی سیدکم[2] یعنی اپنے رئیس کے احترام کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو موسیٰؑ کو تاکید فرمائی کہ بات کرتے وقت فرعون کے مرتبے کی وجہ سے نرمی اور ادب کے طریق پر گفتگو کرنا۔ ارشاد الٰہی ہے: فقولا له قولاً لینا[3] سو اسے نرم بات کہو۔

معاشرتی مساوات: معاشرتی مساوات کے معنی یہ ہیں کہ ہر فرد کو بلا امتیاز ذات پات تمام معاشرتی حقوق حاصل ہوں مثلاً جان و مال، عفت کی حفاظت تعلیم اور حفظان صحت کا مناسب انتظام وغیرہ۔

جان کی حفاظت: انسانی جان کی قدر و قیمت جو اسلام کی نظر میں ہے وہ کہیں

---

[1] ابو داؤد جلد ۲ کتاب الاداب [2] بخاری ابواب المناقب [3] طٰہٰ ۲۰: ۴۴

Marfat.com

اور نہیں پائی جاتی۔

قرآن مجید میں آتا ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا [۱] اور جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے بدلہ کے قتل کرے یا زمین میں فساد کرے تو گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ [۲] اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔

انسانی جان کے احترام پر بیعت: رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عبادہؓ بن صامت سے جن چیزوں کی بیعت لی۔ ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ جس شخص کو قتل کرنا حرام ہے اسے قتل نہ کروں گا حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں: بايعناه على ان لا نشرك بالله شيئا ولا نزني ولا نسرق ولا نقتل النفس التي حرم الله ولا ننهب [۳] ہم نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی کہ ہم نہ تو اللہ کا کسی شریک بنائیں گے نہ زنا کریں گے نہ چوری کریں گے، نہ اس شخص کو قتل کریں گے جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور نہ لوٹ مار کریں گے۔

حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں فرمایا: فان الله تعالى قد حرم عليكم دماءكم واموالكم واعراضكم الا بحقها كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا [۴] اللہ تعالٰے نے تم پر تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں حرام کر دی ہیں اور ان چیزوں کو ایسی حرمت بخشی ہے جو حرمت تمہارے اس شہر، اس مہینہ اور اس دن کو حاصل ہے مگر حق شرعی کے سلسلہ میں یہ بات باقی نہ رہے گی۔

مال کی حفاظت: جس طرح جان کی حفاظت، معاشرہ کی پائیداری اور استحکام کے لئے ضروری ہے اسی طرح مال کی حفاظت بھی۔ اس وجہ سے اسلام نے مال و دولت کے حصول کے لئے جائز ذرائع بھی متعین کر دیئے اور ناجائز بھی تاکہ

---

[۱] المائدہ ۵: ۳۲ [۲] بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳ [۳] بخاری باب من احیاہا [۴] بخاری کتاب الحج [۵] بخاری کتاب ظہر المومن حمی

Marfat.com

معاشرہ میں مال کی غلط تقسیم اور لوٹ گھسوٹ کی وجہ سے ناہمواریاں پیدا نہ ہوں۔
قرآن مجید میں آتا ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [1] اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من اقتطع حق امرئ مسلم بیمینه فقد اوجب الله له النار وحرم علیه الجنة [2] جس نے کسی مسلمان کا حق اپنی قسم کے ذریعہ ہضم کر لیا۔ اس کے لئے اللہ نے جہنم کی آگ واجب اور جنت اس پر حرام کر دی ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جان، عزت اور مال کی حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: فان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهرکم هذا [3] بے شک تمہارا خون تمہارا مال اور تمہاری عزتیں تم پر ایسی ہی حرام ہیں جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔

آبرو کی حفاظت: اسلام نے نسل انسانی کو عظمت اور شرف کے بلند مینار پہ کھڑا کیا ہے اسی شرف کی وجہ سے ہی اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔

قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ [4] اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی اور برتری دی۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ۔ [5] اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ پس انہوں نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے اس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔

اس انسانی احترام کے پیش نظر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے

---

[1] النساء ۴: ۲۹ [2] مسلم [3] بخاری و مسلم [4] بنی اسرائیل ۷ [5] بقرہ ۴

مشہور خطبہ میں فرمایا: فان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم ھذا بے شک تمہارا خون تمہارا مال اور تمہاری عزت تم پر ایسی ہی حرام ہیں جس طرح یہ دن۔

قانونی مساوات

یہ برتری انتیاز صرف معاشرتی اور تمدنی معاملات میں ہے لیکن عدالتی معاملات میں اسلام نے ہر فرد کے درمیان ہر لحاظ سے ترازو کو برابر رکھا ہے۔ قانون کی نظر میں بڑے سے بڑا آدمی اور چھوٹے سے چھوٹا آدمی برابر ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اقیموا حدود اللہ فی القریب والبعید ولا یاخذکم فی اللہ لومة لائم[۵۱] اللہ کی حدیں بلا تمیز دور و نزدیک سب پر جاری کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرو۔

عہد نبوی میں ایک اونچے خاندان کی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ کچھ لوگوں کو خیال آیا کہ اگر اس کو سزا ہو گئی تو جگ ہنسائی ہو گی۔ حضرت اسامہؓ کو آمادہ کیا کہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر عورت کو چھوڑ دینے کی سفارش کریں۔ جب اسامہؓ حضور کی خدمت میں گئے اور اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لئے لب کشائی تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما ھلك من کان قبلکم امم کانوا یقیمون الحد علی الوضیع ویترکون الشریف والذی نفسی بیدہ لو فاطمة فعلت ذلك لقطعت یدھا[۵۲] تم سے پہلے والے اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ سزا نیچ لوگوں کو دیتے تھے اور بڑوں کو چھوڑ دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کا ارتکاب کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ غسان کے فرماں روا

---

[۵۱] مشکوٰۃ کتاب الحدود صفحہ ۳۱۳ [۵۲] بخاری اقامتہ الحد علی الوضیع والشریف

[۵۳] ابن ہشام امر سقیفہ بنی سعدۃ۔

Marfat.com

جبلہ بن ایہم نے جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا تھا طواف کعبہ کے وقت کسی بدو کو تھپڑ مار دیا۔ حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

"جبلہ! اگر تم نے ایسی حرکت کی ہے تو خدا کی قسم تم سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔"

جس پر جبلہ بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔

حضرت ابوبکرؓ جب عہدۂ خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے خطبہ میں قانونی مساوات ذکر کیا۔ فرمایا: الضعیف فیکم قوی عندی حتی اریح علیہ حقہ ان شاء اللہ والقوی فیکم ضعیف عندی حتی اخذ الحق منہ[1] یعنی تم میں سے کمزور ترین شخص میرے نزدیک قوی ہوگا۔ جب تک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور تم میں سے قوی ترین شخص میرے نزدیک کمزور ہوگا جب تک میں اس سے دوسرے کا حق نہ لے لوں۔

اس عہد جمہوریت میں کسی ملک کے اندر عدلیہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ سربراہ مملکت کو مدعا علیہ کی حیثیت سے طلب کر سکے لیکن اسلام میں صرف قانون کو ہی بالادستی حاصل ہے۔ عدالت سربراہ مملکت کو طلب کر سکتی ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں ایسی روشن مثالیں موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں کسی سے گھوڑا خریدا۔ سودا پکا ہو چکنے کے بعد اس پر سوار ہو گئے گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ اور زخمی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے گھوڑا واپس کرنا چاہا۔ مالک نے قیمت واپس کرنے اور گھوڑا واپس لینے سے انکار کر دیا۔ دونوں مدعی اور مدعا علیہ کی حیثیت سے قاضی شریح کی عدالت میں حاضر ہوئے۔ قاضی شریح نے دعویٰ اور جواب دعویٰ سننے کے بعد حضرت امیر المومنین سے خطاب کیا:

"جو چیز آپ خرید چکے وہ اب آپ کی ہے اور اگر واپس کرنا ہی ہے تو اس حالت میں واپس کیجئے جیسی خریداری سے پہلے تھی۔"

حضرت معاذ بن جبلؓ ایک دفعہ سفیر بن کر قیصر روم کے دربار میں تشریف لے گئے اور ایک موقعہ پر فرمایا:

---

[1] ابن ہشام ابن سقیفہ بنی ساعدہ

Marfat.com

"ہمارا سردار ہم میں کا ایک فرد ہے۔ اگر ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی پیروی کرے تو ہم اس کو اپنا سردار باقی رکھیں گے اور اگر ان کے سوا وہ کسی اور چیز پر عمل کرے تو ہم اس کو معزول کر دیں اگر وہ چوری کرے تو ہاتھ کاٹیں اور اگر زنا کرے تو سنگسار کریں اور اگر وہ کسی کو گالی دے تو وہ بھی اسی طرح گالی دے اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اس کے بدلے میں اس کو زخم پہنچایا جائے۔ وہ ہم سب سے چھپ کر پردہ میں نہیں بیٹھتا وہ ہم سے غرور نہیں کرتا مال غنیمت میں اپنے کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا وہ ہم میں ایک معمولی آدمی کا رتبہ رکھتا ہے"[1]

سیاسی مساوات

سیاسی مساوات سے مطلب یہ ہے کہ ہر شخص بلا امتیاز مذہب و ملت، رنگ و نسل ملک کے نظام میں حصہ لے سکتا ہے اور ہر ایک کو ترقی کرنے کے برابر کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

جو شخص قرآن اور حدیث پر نظر رکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اسلامی حکومت کی باگ ڈور صرف فرد واحد کے ہاتھ میں نہیں ہوتی۔ بلکہ نظام حکومت میں ہر فرد کو مساوی حق حاصل ہے۔ اللہ تعالے نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ حکومت کے معاملات میں باہمی مشورہ کیا کریں۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ[2] یعنی ان کا کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ[3] معاملات میں ان کا مشورہ لے۔ پھر جب پختہ ارادہ کرے تو اللہ پر بھروسہ کر اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے: ما تشاور قوم الا هدوا[4] یعنی جس قوم نے

---

[1] آئینہ حقیقت نما صفحہ ۴ [2] الشوریٰ ۴۲: ۳۸ [3] آل عمران ۳: ۱۵۸ [4] کنوز الحقائق حدیث صفحہ ۸۷ (طبرانی)

Marfat.com

باہمی مشورہ کیا اس قوم نے فلاح پائی۔
رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم معاملات حکومت میں صحابہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔
حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ تو سب سے پہلا خطبہ سیاسی مساوات پر دیا انہوں نے فرمایا اور "میں تمہارا سردار بنایا گیا ہوں۔ حالاں کہ میں سب سے اچھا نہیں ہوں اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر میں برائی کے راستہ پر چلوں تو مجھے سیدھا کر دو۔"
جب حضرت عمرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے فرمایا:
"اگر تم میں سے کوئی مجھ میں کجی دیکھے تو اسے ٹھیک کر دے۔"
ایک اعرابی اٹھا اور کہا:
"خدا کی قسم اگر ہم نے تم میں کجی دیکھی تو ہم اسے اپنی تلوار سے سیدھا کر دیں گے۔"
اسلام نظام حکومت کو امانت قرار دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ یہ امانت بلا امتیاز رنگ ونسل انہی لوگوں کے ہاتھ میں دی جائے جو اس کے اہل ہیں۔
ارشاد الٰہی ہے: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا[۵]
اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ عنان حکومت انہی لوگوں کے ہاتھ میں دو جو اس کے اہل ہیں۔

اقتصادی مساوات: اسلام کا اقتصادی نظام عدل وانصاف پر مبنی ہے نہ تو وہ مغربی ممالک کی جیسی سرمایہ داری کا مؤید ہے۔ اور نہ اشتراکی ممالک کی جیسی اشتمالیت کا۔ سرمایہ داری نظام میں دولت صرف چند ہاتھوں میں سمٹ کر آجاتی ہے۔ اشتراکی نظام سرمایہ داروں کا گلا گھونٹ کر زبردستی ان سے مال ودولت چھین لیتا ہے اس کے برعکس اسلام جائز طریقوں سے دولت کمانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور دولت کو صرف چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہونے دیتا۔ ذاتی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اجتماعی مفاد کو نظر انداز بھی نہیں کرتا۔

---

[۵] النساء ۴: ۵۸

Marfat.com

اسلام میں تصورِ ملکیت: تمام معاشی دولت کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اللہ کی یہ ملکیت انسان کے پاس امانت ہے تاکہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق فائدہ اٹھائے قرآن مجید میں آتا ہے: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ زمین اللہ کی والارض وضعها للانام اور مخلوق کے فائدہ کے لئے زمین بنائی ہے۔ ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فیها معایش ہم نے تم کو زمین پر آباد کیا اور اس میں تمہارے لئے معیشت کے سامان رکھ دیئے ہیں۔ وللہ خزائن السمٰوٰت والارض آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ کے ہیں۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ زمین پر جو کچھ ہے وہ سب اجتماعی فائدہ کے لئے ہے جو بھی اجتماعی فائدے کو نظر انداز کر کے دولت جمع کرے گا۔ وہ اللہ کا مجرم ہوگا۔

کسب کی آزادی: فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ [1] خدا کے فضل (رزق) کی تلاش کے لئے زمین میں پھیل جاؤ۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ [2] مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان اللہ یحب ان یری العبد محترفا اللہ اپنے بندہ کو کوئی پیشہ کرتے ہوئے دیکھنا پسند کرتا ہے۔

اعملوا فکل میسر لما خلق له [4] عمل کرو ہر شخص کے لئے وہ کام آسان ہے جس کی وہ صلاحیت رکھتا ہے۔

اجملوا فی طلب الدنیا فان کلا میسر لما خلق له [5] دنیا کی طلب اپنی صلاحیت کے مطابق کرو اس لئے کہ جس کیلئے آدمی پیدا کیا گیا ہے وہ ضرور اس کو ملے گا۔

کسب مال پر شرعی پابندیاں

جہاں اسلام نے مال و دولت کے کمانے کی اجازت دی ہے وہاں کچھ شرعی

---

[1] الجمعہ: ۱۰ [2] النساء ۴: ۳۲ [3] طبرانی بحوالہ کنوز الحقائق [4] بخاری، مسلم

[5] ابن ماجہ باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ [6] النساء ۴: ۲۹

Marfat.com

پابندیاں بھی عائد کر دی ہیں تاکہ استحصالی طریقوں کی گنجائش نہ رہے۔

سود: سودی کاروبار کسی شکل میں ہو حرام ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاَحَلَّ اللہُ البیعَ وحرَّمَ الربوا [1] اور اللہ نے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے اور سود کو حرام۔

جُوا: جوا کے ذریعہ مال و دولت کمانا حرام ہے: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ [2] شراب اور جوا اور بت اور پاسے ناپاک کام صرف شیطان کے عمل سے ہیں سو ان سے بچو۔

حرام چیزوں کی خرید و فروخت: جن چیزوں کا کھانا پینا حرام ہے ان کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا [3]

تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑی برائی ہے۔ اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں۔ اور ان کی برائی ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔

لا یحل ثمن شی لا یحل اکلہ وشرابہ [4] دولت کمانے کے لئے وہ تمام طریقے ناجائز اور حرام ہیں جن میں دوسرے افراد یا سماج کو نقصان پہنچتا ہو۔

ارشاد الٰہی ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ [5] اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔

دولت جمع رکھنے پر پابندی: اسلام نے اقتصادی ناہمواریوں کو روکنے کے لئے صرف ناجائز ذرائع سے کسب دولت کو ہی منع نہیں فرمایا بلکہ دولت جمع رکھنے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

---

[1] البقرہ ۲: ۲۷۵ [2] مائدہ ۵: ۹۰ [3] البقرہ ۲: ۲۱۹ [4] اخرجہ الدارقطنی عن تمیم الداری [5] النساء ۴: ۲۹ [6] التوبہ ۹: ۳۴

Marfat.com

تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المحتکر ملعون [1] احتکار کرنے والا ملعون ہے۔

جو شخص چالیس دن تک غلہ اس نیت سے ذخیرہ کرکے رکھے تاکہ نرخ بڑھ جائے تو وہ شخص گویا خدا سے بیزار ہو گیا۔ اور خدا نے بھی اس سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔ [2]

تقسیم دولت کے شرعی مدات: اجتماعی مفاد کے لئے اسلام نے جائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کو تقسیم کرنے کی تعلیم دی ہے۔

صدقات: اسلام میں دو قسم کے صدقات ہیں؛

۱۔ **لازمی:** جس کا نام اسلامی اصطلاح میں زکوٰۃ ہے جو ہر سال ادا کی جاتی ہے ارشاد الہٰی ہے؛ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً [3] کہ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ [4] اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

۲۔ **طوعی:** ارشاد الہٰی ہے: وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً [5] اور جو ہم نے انہیں دیا ہے چھپ کر اور علانیہ خرچ کریں۔

۳۔ **وراثہ:** اسلام نے متوفی کے سب قریبی ورثاء کے حصص مقرر کر دیئے ہیں تاکہ دولت زیادہ ہاتھوں میں گردش کرے۔ ارشاد الہٰی ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا [6] مردوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی رشتے دار چھوڑیں۔ اور عورتوں کے لئے ایک حصہ ہے اس میں جو ان کے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔ ایک مقرر حصہ۔

ترکہ کی تقسیم کی حکمت: كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ [7]

---

[1] ابن ماجہ [2] تیسیر الوصول جلد ۱ [3] ۹ : ۱۰۳ [4] البقرہ ۲ : ۴۳ [5] فاطر : ۲۹
[6] النساء ۴ : ۷ [7] الحشر ۵۹ : ۷

Marfat.com

یعنی ایسا نہ ہو کہ دولت صرف تمہارے امراء میں ہی محدود ہو کر رہ جائے۔

وصیت: اسلام مالک جائداد کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ جائز ورثا کے علاوہ خیراتی کاموں کے لئے بھی وصیت کرے۔ ارشاد الٰہی ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ[1] تم پر جب تم میں سے کسی کے لئے موت آموجود ہو عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے اگر وہ بہت سا مال ماں باپ کے لئے اور قریبیوں کے لئے چھوڑے یہ متقیوں پر لازم ہے۔

ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کی تعلیم: مندرجہ بالا مدات میں خرچ کرنے کے بعد بھی اگر کسی کے پاس دولت بچ جائے۔ تو اس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے: وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ[2] وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ کہہ دیجئے جو کچھ ضروریات اور حاجات سے زیادہ ہو۔ وہ غرباء کی حالت سدھارنے کے لئے خرچ کر دیں۔

کیونکہ اسلام امراء کے اموال میں سب کا حق لازم قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ[3] اور ان کے مالوں میں سوالیوں اور نہ مانگنے والے محتاج کا حق ہے۔ متذکرہ بالا بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام نے ملکی دولت کی ناواجب تقسیم کو ہر طریقے سے روک دیا ہے۔ اور ایسے اصول مقرر کر دیئے ہیں جن کی بناء پر ہر شخص ملکی دولت سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

چوتھا وصف حریت

آزادی کا عام مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ ہر فرد اپنے دائرہ عمل میں آزاد ہو اور اس کے کسی کام پر کوئی قدغن نہ لگائی جائے۔ جس طرح وہ چاہے کام کرے۔ اسی کا نام (ABSENCE OF RESTRANT) ہے۔ یہ مفہوم مطلق العنانی

---

[1] البقرہ ۲: ۱۸۰ [2] البقرہ ۲: ۲۱۹ [3] الذاریات ۵۱: ۱۹

Marfat.com

مترادف ہے اور جمہوریت کی نفی کرتا ہے۔ اگر ہر شخص کو اس کے دائرہ عمل میں آزادی بخش دی جائے تو وہ آزادی نہیں ہو گی بلکہ طوائف الملوکی (ANARCHY) ہو گی۔

آزادی کا ایک مفہوم لاسکی نے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ:

"آزادی سے مراد ایسی فضا ہے، جس میں افراد کو اپنی صلاحیتوں کی نشوونما کا مناسب موقع ملے"

جان اسٹورٹ مل اپنی کتاب (ON LIBERY) میں آزادی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: کہ

"ان کے افعال کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے" SELF (SEIF REGORDING ACTIOND) یعنی وہ افعال جن کا تعلق صرف انسان کی ذات سے ہے اور ان کا کوئی اثر دوسروں پر نہیں پڑتا۔

دوم: (OTHER REGARDING ACTIONS) یعنی وہ افعال جن کا تعلق دوسروں کے ساتھ ہے اور ان کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے

جان اسٹورٹ مل کی رائے میں ان افعال پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے جن کا تعلق فاعل کی ذات سے ہو۔ جن افعال کا تعلق دوسروں کے ساتھ ہو۔ ان پر پابندی عائد کرنا ضروری ہے۔ اگر پابندی عائد نہ کی گئی تو معاشرہ میں بدامنی پیدا ہو جائے گی اس طرح آزادی محض عدم مداخلت کا نام نہیں ہے اور نہ اس کا یہ مفہوم ہے کہ لوگوں پر اس قدر پابندیاں عائد کر دی جائیں کہ ان کے کاموں میں بھی رکاوٹیں پیدا ہو جائیں بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ملک میں ایسے مواقع موجود ہوں جن کے ذریعہ ہر شخص کو اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کا پورا پورا موقع مل جائے۔

اسلام کا اعلان آزادی: مفکرین نے آزادی کے مفہوم کو متعین کرنے میں افراط اور تفریط کی راہ اختیار کی ہے اسلام نے جو دین فطرت ہے راہ اعتدال اختیار کر کے آزادی کی صحیح حدود متعین کی ہیں۔ اسلام انسان کو ان افعال میں بھی بے لگام نہیں چھوڑتا جن کا دوسروں پر اثر نہیں پڑتا۔ اسلام ان تمام افعال پر پابندی

Marfat.com

عائد کرتا ہے جو انسان کی اپنی ذات اور دوسروں کے لئے نقصان دہ ہوں کیونکہ معاشرہ اور فرد کا باہمی تعلق نہایت ہی گہرا ہے۔ جب فرد کی صحیح نشوونما نہیں ہوگی تو معاشرہ میں لازماً بگاڑ پیدا ہوگا اس وجہ سے جہاں اسلام انسان کے ان افعال پر پابندی لگاتا ہے جو دوسروں کو نقصان دیں وہاں ان افعال سے بھی روکتا ہے جو انسان کی اپنی ذات کو مجروح کریں۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ[1] اور وہ جس وقت کوئی برا کام کرتے ہیں اور اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں۔ اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر اپنے قصوروں کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔

فَاحِشَةً سے مراد وہ افعال قبیحہ ہیں جو دوسروں پر اثر انداز ہوں اور ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ سے مراد وہ افعال جن کا تعلق فاعل کی اپنی ذات سے ہو اور اس کی شخصیت کو مجروح کرنے والے ہوں۔

دوسری جگہ آتا ہے: لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ۔[2] شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو وہ یقیناً تم کو برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

سوء سے مراد وہ افعال ہیں جو انسان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتے ہوں اور اس کی ذات کے لئے نقصان دہ ہوں۔

فحشاء سے مراد وہ برے افعال ہیں جو دوسروں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اسلام نے دونوں قسم کے افعال کو شیطان کی طرف منسوب کیا ہے اور ان سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔

اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے انسان کی گردن کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دی ہے اور ہر قسم کی آزادی کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔

اور وہ انسانوں کی گردنوں کو ہر قسم کی غلامی کے طوق اور پھندے سے نجات دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں باریک سے باریک قسم کی غلامی سے آزادی کا اعلان

---

[1] آل عمران ۳: ۱۳۴ [2] البقرہ ۲: ۱۶۸، ۱۶۹

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

کیا ہے:

قرآن مجید کا یہ اعلان اس وقت ہوا جب کہ دنیا آزادی حقوق کے نام سے بھی ناواقف تھی یہ وہ پہلی آواز ہے جو عرب کے ریگستان سے اٹھی اور دنیا کے چاروں گوشوں میں گونج اٹھی۔ آج اسی آسمانی آواز سے متاثر ہو کر مفکرین آزادی آزادی پکار رہے ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی انجمن "اقوام متحدہ" نے انسانی حقوق کا عالمی منشور شائع کیا تو اس میں یہ اعلان کیا کہ (دفعہ ۳) ہر شخص کو اپنی جان کی آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق ہے۔ دفعہ ۴، کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جائے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی چاہے اس کی کوئی شکل بھی ہو۔ ممنوع قرار دی جائے گی۔

دفعہ ۱۸، ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور پبلک میں نجی طور پر تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کی تبلیغ عمل عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ ۱۹، ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے اور جس ذریعے سے چاہے بغیر ملکی سرحدوں کا خیال کئے علم اور خیالات کی تلاش کرے انہیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے۔

دفعہ ۲۹ (۲) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے یا جمہوری نظام میں اخلاق امن عامہ اور فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لئے قانون کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں۔"

عالمی منشور کی یہ دفعات دراصل اس آسمانی آواز کی بازگشت ہیں جو آج سے چودہ سو سال پیشتر ایک بے آب وگیاہ وادی سے اٹھی۔ جب دنیا غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس تاریک دور میں ایک امی نبی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے ہر قسم کی غلامی سے مخلوق خدا کو آزاد کر کے کامل حریت کا سبق پڑھایا جن میں سے چند مشتے نمونہ از خروارے مجملاً بیان کرتا ہوں۔

معبودانِ باطلہ کی غلامی سے نجات

اسلام نے سب سے پہلے انسان کو معبودانِ باطلہ کی غلامی سے نجات دلائی جب اسلام دنیا میں آیا تو اس وقت روئے زمین کے تمام مذاہب کے لوگ شرک کی تاریک وادی میں بھٹک رہے تھے۔ کہیں اجرام فلکی کی پوجا ہو رہی تھی، کہیں حجر، شجر، سمندروں، دریاؤں، آگ، پانی، ہوا کو معبود تصور کیا جا رہا تھا۔

قرآن مجید نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً فرما کر یہ اعلان کیا کہ انسان زمین میں خدا کا نائب ہے۔ اور اس کی پیدائش کا مقصد وحید صرف اللہ کی عبادت بجا لانا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے، مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کہ میں نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری ہی عبادت کریں۔ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ فرما کر بتایا کہ زمین اور آسمان میں جو کچھ بھی مخلوق ہے۔ وہ صرف انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے حتیٰ کہ ملائکہ بھی انسان کی تابعداری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس طرح انسان کو معبودان باطلہ کی غلامی سے نجات دلا کر اس کائنات کی ہر شئے پر حکمران قرار دیا۔

نسلی و قومی غلامی سے آزادی: اسلام سے قبل تمام دنیا لونی، نسلی اور قومی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اسلام نے پیدائشی بڑائی اور چھٹائی کی غلامی کی زنجیر کو یہ کہہ کر کاٹ دیا: یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (النساء ۴:۱) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت پھیلائے اور اللہ کے حقوق کی نگہداشت کرو جس کے ذریعہ تم ایک

Marfat.com

دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کے حقوق کی نگہداشت کرو بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

اس آیت کریمہ میں انسانی حریت کے دو اصول مقرر کئے ہیں :

ا۔ تمام انسان ایک ہی رب کی مخلوق ہیں۔ اس کی مخلوق ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔

ب۔ تمام نوع انسانی ایک ہی کنبہ ہے امیر، غریب، گورا، کالا سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے مشہور خطبہ میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لاحمر على اسود ولا لاسود على احمر الا بالتقوىٰ لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقوے کے سبب سے۔

سیاسی غلامی سے نجات

دنیا میں ہزارہا سال سے بادشاہ کی مطلق العنانی کا تصور چلا آرہا تھا۔ اس کا ہر حکم قانون تصور کیا جاتا تھا اور وہ خود کسی قانون کے ماتحت نہیں ہوتا تھا اس طرح بادشاہ ظلم و استبداد کا مرقع اور رعایا غلامی کی بدترین تصویر بنی ہوئی تھی۔ اسلام نے نسل انسانی کو اس غلامی کی لعنت سے نجات دلائی۔ قانون کی بالادستی کو قائم کیا۔ حاکم اور عوام دونوں کو قانون کی نظر میں برابر قرار دیا جس طرح ایک عام آدمی قانون شکنی کی وجہ سے قابل مواخذہ ہے اس طرح اگر حاکم قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ وہ بھی سزا کا مستحق ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ (النساء: ۵۹)

Marfat.com

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہیں پھر اگر تم میں کسی چیز میں باہم اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔ یعنی قانون کی طرف۔ یہاں اللہ اور رسول قائم مقام قانون کے ہیں۔ کیوں کہ قانون شریعت کا ماخذ اللہ اور رسول ہی ہیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا ہے کہ قانون کی حکومت سب پر حاوی ہے خواہ کوئی صاحب امر ہو یا عام رعایا۔ کسی کی گردن قانون سے جوئے سے باہر نہیں

کورانہ تقلید سے نجات

اسلام سے قبل احبار و مشائخ اربابًا من دون اللہ تصور کئے جاتے تھے۔ یہی لوگ دین اور دنیا کے معاملات کے لئے عوام الناس کا ملجا و ماوی تھے جو بات انھوں نے کہہ دی اس کو مان لینا سب پر فرض تھا۔ ان سے اختلاف کرنا گناہ سمجھا جاتا تھا ان پر اعتراض کرنے والے کو وقود النار قرار دیا جاتا۔ غرض کہ کورانہ تقلید کا دور دورہ تھا۔ جو مشائخ نے بات کہہ دی وہ دین تصور کی جانے لگی جس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ حلال و حرام کی تمیز مٹ گئی، حق اور باطل کو سمجھنا مشکل گیا اسلام نے آکر مشائخ اور مذہبی تقدس کے علمبرداروں کی کورانہ تقلید سے نجات دلائی:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ - فرما کر کورانہ تقلید کو شرک قرار دیا۔ اپنی عقل اور فہم سے کام لینے دعوت دی۔

فرمایا: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (سورۃ محمد آیت ۲۴) کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے۔ یا دلوں پر ان کے تالے لگے ہوئے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ - سورۃ ص آیت ۲۹) یہ کتاب ہم نے تیری طرف اتاری ہے برکت والی ہے۔ تاکہ وہ اس کی آیتوں پر غور کریں تاکہ عقل والے

Marfat.com

نصیحت حاصل کریں۔

تمدنی غلامی سے آزادی

اسلام سے قبل ہر ایک قوم اپنی آبائی تقلید کی غلامی میں پھنسی ہوئی تھی۔ جس سے تمام علمی، اخلاقی، ذہنی ترقیاں مسدود ہو چکی تھیں۔ قرآن مجید نے آبائی تقلید اور سوسائٹی کے رسم و رواج سے نجات دلانے کے لئے فرمایا: اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ یعنی کیا اگر ان کے آباؤ اجداد نہ کچھ عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں۔ اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ ضروری نہیں کہ باپ دادا جو کریں وہ صحیح ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ باپ دادا غلطی پر ہوں اس وجہ سے آباؤ اجداد کی پیروی کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ آیا ان کے باپ دادا کہیں غلطی پر تو نہ تھے۔ غرض کہ قرآن مجید نے آبائی کورانہ تقلید اور سوسائٹی کے رسم و رواج کی غلامی سے نجات دلا کر علمی اخلاقی اور ذہنی ترقیات کی راہ کھول دی ہے۔ اسی راستہ پر چل کر انسان تہذیب نو کی عمارت تعمیر کر سکتا ہے۔

معاشرتی غلامی سے نجات: اسلام سے قبل عورت گھر میں ایک غلام کی حیثیت رکھتی تھی۔ تمام معاشرتی حقوق سے محروم تھی وہ محض مرد کے رحم و کرم پر زندگی کے ایام گذارتی تھی۔ اسلام نے عورت کو اس غلامی سے نجات دلائی اور عورت کی معاشرتی حیثیت میں ایک زبردست انقلاب برپا کیا۔ سب سے پہلے اسلام نے انسان ہونے کے لحاظ سے عورت کو مرد کے ساتھ مساوی حیثیت دی۔ اور ان دونوں کو ایک ہی اصل کی دو شاخیں قرار دیا۔ ارشاد الٰہی ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (نساء ۴: ۱) اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اللہ کے

Marfat.com

حقوق کی جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کی نگہداشت کرو اللہ تم پر نگہبان ہے۔

اسلام نے عورت کے بیٹی ہونے کی حیثیت سے، بیوی ہونے کی حیثیت سے ماں ہونے کی حیثیت سے علیحدہ علیحدہ حقوق مقرر کر دیئے ہیں تاکہ عورت معاشرہ میں معزز فرد کی حیثیت سے زندگی بسر کرے۔

عورت کی عمومی حیثیت: مادی اور روحانی حیثیت سے اسلام عورت کی حیثیت مرد کی شخصیت کے برابر قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء ۴:۳۲) مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (النساء ۴:۷) مردوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی چھوڑیں اور عورتوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور قریبی چھوڑیں۔

روحانی انعامات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالے فرماتا ہے اعمال صالحہ خواہ مرد بجا لائیں یا عورت دونوں اعمال صالحہ کا پھل پائیں۔

ارشاد الٰہی ہے: إِنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ (آل عمران ۳:۱۹۵) میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے سے ہو۔

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ (مومن ۴۰:۴۰) اور جو نیکی کرتا ہے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو وہی بہشت میں داخل ہوں گے۔

بیوی ہونے کے لحاظ سے حیثیت: معاشرتی زندگی میں میاں بیوی کے حقوق برابر قرار دیئے ہیں۔ فرمایا: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرۃ ۲:۲۲۸) اور عورتوں کے لئے پسندیدہ طور پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حقوق ہیں۔

Marfat.com

حدیث میں بیوی کی حیثیت ایک حاکم کی بیان کی گئی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور پھر ہر ایک اپنی اپنی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا اور امیر رعایا پر حاکم ہے اور مرد اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں پر حاکم ہے۔ سو ہر ایک تم میں سے حاکم ہے اور ہر ایک اپنی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا" (بخاری کتاب النکاح باب ۱۹۱ المرأۃ (راعیۃ فی بیت زوجھا)

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہوئے قرآن مجید میں آتا ہے: وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (نساء ۴: ۱۹) اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے گذران کرو۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خیرکم خیرکم لاھلہ (بخاری کتاب النکاح باب الوصایا بالنساء) تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنی بیوی سے نیک سلوک کرتا ہے۔

بیٹی ہونے کی حیثیت سے: اسلام سے قبل عرب کے والدین بیٹیوں کو اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے لڑکی کے پیدا ہونے کا غم ہوتا تھا اور وہ شرم کے مارے لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ اس شرم و عار کی وجہ سے اس کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قرآن مجید اس جاہلانہ امر کی طرف ان آیات میں اشارہ کرتا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ[1]

اور جب ان میں سے ایک کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھرا ہوتا ہے وہ اس خبر کی برائی سے جو اسے دی جاتی ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اسے ذلت کے ساتھ رہنے دے یا اسے مٹی میں گاڑ دے۔

اسلام نے بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی مذموم رسم کا انسداد ہی نہیں کیا بلکہ لڑکیوں کی پرورش کو ایک مستحسن فعل قرار دیا اور اس کو قیامت کے دن نجات کا

---

[1] النحل ۱۶: ۵۸، ۵۹۔

Marfat.com

سبب ٹھہرایا۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں: من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیمة انا وھو ھکذا وضم اصابعه ۔ ل جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو قیامت میں میرا اس کا ساتھ اس طرح ہوگا اور اپنی انگلیوں کو ملایا۔

امام بخاری نے ادب المفرد میں روایتیں بیان کی ہیں کہ جس شخص کی دو یا تین لڑکیاں ہوں اور اس نے اس کی پوری پرورش اور پرداخت کی تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ۲

مسلم کی روایت ہے کہ جو شخص لڑکیوں کی پیدائش میں مبتلا کیا گیا اور اس نے ان کی پوری پرورش اور پرداخت کی اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔ ۳

قرآن مجید میں عورتوں سے جن باتوں پر بیعت لینے کا حکم ہے۔ ان میں ایک یہ ہے:

وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ ۴ اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں۔

اقتصادی غلامی سے آزادی

اسلام سے قبل مزدور سرمایہ داروں کی غلامی کی زنجیروں میں بُری طرح جکڑے ہوئے تھے وہ غلامی کی مضبوط زنجیر سود در سود تھی۔ اسلام نے سود کو حرام قرار دے کر مزدوروں کو سرمایہ داروں کے چنگل سے نجات دی اس کے ساتھ ان کے ساتھ برادرانہ سلوک کی تعلیم دی قرآن مجید میں آتا ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۵ اے ایمان والو! تم بڑھا بڑھا کر سود نہ کھاؤ۔

ا مسلم کتاب البر والصلة والادب باب فضل الاحسان الی البنات۔ ۲ ادب المفرد من عال جاریتین ۳ مسلم باب فضل الاحسان الی البنات ۴ ممتحنہ ۶۰: ۱۲ ۵ آل عمران ۳: ۱۳۰

Marfat.com

دوسری جگہ آتا ہے: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [1]
اور اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

مزدوروں اور غرباء کی حالت سدھارنے کے لئے امراء پر زکوٰۃ اور صدقات فرض کر دیئے تاکہ سرمایہ داروں کا سرمایہ حد سے زیادہ نہ بڑھنے نہ پائے، اور غرباء کی محبت ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ [2]
اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا [3]
ان کے مال سے زکوٰۃ لے تاکہ تو انہیں پاک اور صاف رکھے۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ [4] ان کے مالوں میں سوالی اور نہ مانگنے والے محتاج کا حق ہے۔

اسلام نے سود کے علاوہ ان تمام ذرائع کو بھی ناجائز قرار دے دیا جو افادہ عامہ کے لئے نقصان دہ تھے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ [5] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ بجز اس کے کہ وہ مال تجارت ہو اور باہمی رضامندی پر مبنی ہو۔

نفس اور شیطان کی غلامی سے نجات

نفسانی خواہشات کی وہ غلامی ہے جس سے نجات پانا بہت ہی مشکل ہے بڑے بڑے فلاسفروں اور بادشاہوں کی گردنیں نفس امارہ کے سامنے خم ہوتی ہیں اور اسی غلامی میں زندگی گزار کر اس فانی دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ اسلام نے

---

[1] البقرہ ۲: ۲۷۵ [2] البقرہ ۲: ۴۳ [3] التوبہ ۹: ۱۰۳ [4] الذریٰت ۵۱: ۱۹ [5] النساء ۴: ۲۹

Marfat.com

آکر نفسانی خواہشات کے بندھنوں کو توڑنے کے لئے گرتا ہے تاکہ انسان آسانی سے اس غلامی سے نجات پاکر سعادت دارین حاصل کرے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ [1]

کیا تو نے نہیں دیکھا جس نے اپنے ہوائے نفس کو معبود بنایا۔ اس آیت کریمہ میں خواہشات نفس کی پیروی کو شرک قرار دیا ہے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ [2]

اے اولاد آدم کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا کہ یہی سیدھا راستہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں شیطان کو انسان کا دشمن قرار دے کر ہمیشہ کے لیے بنی آدم کی گردن کو شیطان کی حکومت سے آزاد کر دیا ہے۔

جہالت کی غلامی سے نجات

اسلام سے قبل جہالت کی وجہ سے لوگ اوہام باطلہ کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ اسلام نے تمام اوہام باطلہ اور جاہلانہ رسم و رواج کو ملیامیٹ کرکے انسان کی عقل کو جہالت کی غلامی سے نجات بخشی اور انسان کو علم کی ترغیب دی۔ اسلام نے انسان کو بتایا کہ اس کو تمام مخلوق پر حتیٰ کہ ملائکہ پر بھی علم کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ کے آغاز میں ہی قصہ آدم بیان کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ [3] اور آدم کو سب نام سکھائے پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ اور کہا کہ مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا

---

[1] ۴۵: ۲۳ [2] یٰسین ۳۶: ۶۰، ۶۱ [3] البقرہ ۲: ۳۱، ۳۲

Marfat.com

تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ بے شک تو علم والا حکمت والا ہے۔

اس آیت میں بنی آدم کو یہ تعلیم دی ہے کہ اس کی خلافت علم پر مبنی ہے حصول علم کے ساتھ ہی اس کی ترقی وابستہ ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ [1]
کہہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں۔
مَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا [2]
جو اس دنیا میں اندھا رہا اور اس نے اپنی عقل و خرد سے کام نہ لیا تو وہ یقیناً آخرت میں اندھا ہی رہے گا اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہوگا۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ [3] ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا واجب ہے۔
تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سبعین سنۃ [4] ایک گھڑی فکر کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

آزادی سکونت

قرآن مجید میں آتا ہے: سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ [5] کہہ زمین میں چلو پھر دیکھو کس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا۔
رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کونوا حیث شئتم وبیننا وبینکم ان لا تفسکوا دما ولا تقطعوا سبیلا ولا تظلموا احدا [6]
تم جہاں چاہو رہو۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ نہ تم خون ریزی کرو اور نہ تم رہزنی کرو اور نہ کسی پر ظلم کرو۔

---

[1] الزمر ۳۹ : ۹ [2] بنی اسرائیل ۱۷ : ۷۲ [3] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء [4] کنوز الحقائق حرف التاء [5] العنکبوت ۲۹ : ۲۰ [6] نیل الاوطار جلد ۷ صفحہ ۱۳۹

Marfat.com

فکر و عقیدہ کی آزادی

اسلام ہی وہ دین ہے جس نے حریت اعتقاد کو تسلیم کیا ہے اور ہر فرد کو یہ آزادی بخشی ہے کہ وہ اپنی عقل و فکر سے جو عقیدہ چاہے اختیار کرے۔ ارشاد الٰہی ہے: لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔[1] یعنی دین میں کوئی زبردستی منوانا نہیں ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ [2] جو کفر کرتا ہے تو اس کا وبال کفر اسی پر ہے اور جو کوئی نیک عمل کرتا ہے تو وہ اپنی ہی جان کے لئے سامان کرتے ہیں۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ کفر اور غلط عقیدہ کی سزا اللہ کے ہاتھ میں ہے کسی انسان کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ غلط عقیدہ کی وجہ سے کسی کو سزا دے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۔ کیا تو لوگوں کو مجبور کر سکتا ہے کہ مومن ہو جائیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ [3] تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔

داعی اور مبلغ اپنے عقیدہ کو منوانے کے لئے صرف تذکیر اور موعظہ حسنہ سے کام لے سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ پس تم یاد دلاؤ تم صرف یاد دلانے والے ہو تمہیں ان لوگوں پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

رائے کی آزادی

اسلام نے رائے کے اظہار کرنے پر کسی قسم کی قدغن نہیں لگائی۔ خواہ دینی ہو یا غیر دینی۔ غیر دینی امور کے متعلق رائے کے اظہار کرنے کے لئے کسی قسم کی شرط نہیں لگائی۔ ہاں دینی امور کے متعلق فساد فی الدین کے خوف سے مجتہد کے لئے یہ شرط لگا

---

[1] البقرہ ۲: ۲۵۶ [2] الروم ۳۰: ۴۴ [3] الکافرون ۱۰۹: ۶

Marfat.com

دی ہے کہ اجتہاد قرآن مجید اور سنت رسول کے مخالف نہ ہو۔ چنانچہ اسلام نے قیاس کو مصادر تشریع میں سے ایک مصدر قرار دیا ہے۔

جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل سے ایک حدیث مروی ہے کہ جب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا تو فرمایا اگر تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو جائے تو کس چیز سے فیصلہ کرو گے انہوں نے کہا۔ جو کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ہو۔ انہوں نے کہا جو اللہ کے رسول نے فیصلہ کیا ہو اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا وہ قضیہ ایسا ہو جس کے متعلق رسولؐ نے کوئی فیصلہ نہ دیا ہو تب کیا کرو گے تو انہوں نے فرمایا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا۔ [1]

ایک اور حدیث ہے جس میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ہر مجتہد کو اجر ملتا ہے۔ اگر اس نے اجتہاد میں غلطی کی تو اسے ایک اجر ملے گا۔ اگر اس نے صحیح اجتہاد کیا تو اسے دو اجر ملیں گے۔"

غیر دینی امور کے متعلق صحابہ کے اپنی رائے کے اظہار کرنے کے واقعات رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بے شمار ہیں۔ ایک غزوہ میں آپ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ فلاں فلاں جگہ پر اتریں۔ ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا۔ یہ فیصلہ وحی سے کیا ہے یا اپنی رائے سے۔ آپ نے فرمایا یہ میری ذاتی رائے ہے۔ صحابی نے عرض کیا تو یہ اتارنے کی جگہ مناسب نہیں اس کی بجائے فلاں منزل مناسب ہو گی چنانچہ اسی رائے پر عمل کیا گیا۔

غلاموں کی آزادی

غلامی کا آغاز: انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ دنیا میں غلامی کا آغاز جنگوں سے ہوا۔ دو قبیلوں یا دو قوموں یا دو ملکوں کے درمیان کسی وجہ سے جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تو فاتح فوج مفتوح فوج کے جنگ جو لوگوں

---

[1] ابوداؤد، ترمذی

Marfat.com

کو لبا اوقات بیشتر یا سارے کے سارے قتل کر دیتی۔ اور عورتوں اور بچوں کو (سوائے اس کے کہ انہیں بھی واجب القتل سمجھا جائے) غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا جاتا اور ان سے ہر قسم کی محنت اور مزدوری لی جاتی۔ جب دنیا میں کاروبار نے ترقی کی۔ تو خدمت گاروں کی مانگ زیادہ بڑھنی شروع ہوئی۔ تو اس بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے غلاموں کا وجود نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا تو غلاموں کے حصول کے لئے لوگوں نے اور بھی طریقے اختیار کرنے شروع کر دیئے مثلاً کسی کمزور قبیلہ یا قافلہ پر ڈاکہ ڈال کر ان کے مرد و زن کو پکڑ کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا جاتا، آدمیوں کو چرا کر زبردستی غلام بنایا جانے لگا۔ ہیروڈوٹس نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ ایک روز فینقی ارگوس میں اترے جو اس زمانہ میں یونان کا بہترین شہر تھا، اور اپنا سامان بھی کنارے پر اتارا، یونانی ان سے سامان خریدنے کے لئے وہیں آنے لگے۔ چند روز کے بعد جب ان کا سب مال فروخت ہو چکا تو وہاں کے بادشاہ کی لڑکی عورتوں کی ایک جماعت کے ساتھ فینقیوں کے پاس آئی۔ ابھی یہ عورتیں خریدنے میں مصروف تھیں کہ اچانک بیچنے والوں نے ان پر حملہ کر دیا اور زبردستی انہیں پکڑ کر اپنی کشتیوں میں بٹھا کر چلتے ہوئے۔ [ا]

غلاموں کو منڈیوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح بیچا جانے لگا اس وقت کے تمام متمدن ممالک کے بڑے بڑے پُر رونق اور مرکزی شہروں میں غلاموں کی تعداد لاکھوں تک ہوتی۔ بعض شہروں میں غلاموں کی آبادی آزاد آبادی سے کہیں زیادہ ہوتی۔ ایتھنز یونان کا مرکزی شہر تھا۔ اس میں ۲۱۰۰۰ اصل باشندوں کی آبادی میں چار لاکھ غلام تھے۔ کارنتھ میں ۴ لاکھ ساٹھ ہزار اور ایجانیا میں ۴ لاکھ ستر ہزار غلاموں کی تعداد بیان کی جاتی ہے بعض مورخوں نے ان اعداد و شمار میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ مگر محتاط اندازے کے مطابق غلاموں کی آبادی آزاد آبادی سے تگنی تھی۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں لکھا ہے: کہ

"دربار پیرس میں ایمیلن پالس کے فتوحات کے بعد ایک لاکھ پچاس ہزار قیدی

[ا] اردو ترجمہ تاریخ ملل قدیمہ مصنفہ سینولیس فرانسیسی صفحہ ۲۶۹

Marfat.com

بھیجے گئے۔ دو اور مقاموں پر بھی جنگ کے قیدیوں کی تعداد اسی قدر بیان کی گئی ہے سینرز نے ایک ہی موقعہ پر تریسٹھ ہزار قیدی فروخت کئے۔ اگسٹس نے سلاسی کے ملک میں چوالیس ہزار قیدی گرفتار کئے۔ قحط اور تکلیفوں اور اکھاڑوں کی ہلاکت کے بعد بھی یہودی جنگ میں ستانوے ہزار غلام بنائے گئے۔

روم میں ایک سو چھیالیس قبل مسیح از ۲۳۵ عیسوی کے درمیان کے زمانے میں اوسطاً ہر ایک آزاد کے لئے تین غلام تھے۔ چین کی کل آزاد آبادی انہتر لاکھ چوالیس ہزار اور غلاموں کی آبادی دو کروڑ آٹھ لاکھ تیس ہزار تھی۔ اگسٹس کے زمانہ میں ایک شخص چار ہزار ایک سو سولہ غلام چھوڑ کر مرا۔

اسلام پہلا مذہب ہے جس نے غلاموں کی آزادی کا باضابطہ اعلان کیا اور ہزارہا سال سے مروجہ دستور غلامی پر خط تنسیخ کھینچا۔ اسلام سے قبل تمام ترقی یافتہ قوموں میں غلامی کا دستور چلا آ رہا تھا۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے مذاہب مسیحیت، یہودیت اور ہندومت کی مذہبی کتب میں غلامی کی کہیں مذمت نظر نہیں آتی۔

غلامی اور عیسائیت: مسٹر ایل۔ ڈی۔ آگیٹ (L-D. AGATE) لکھتے ہیں:

"حضرت مسیح کی تعلیمات میں غلامی کی صاف طور پر مذمت کہیں بھی نہیں ہے، یہ صحیح ہے کہ غلامی کا مخالف گروہ اپنی تائید کے لئے انجیل کی کسی ایک آیت کو بھی پیش نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف غلامی کا حامی گروہ اپنی تائید میں انجیل کے اصل متن (SCRIPTURE) کے الفاظ سے استدلال کر سکتا ہے۔ ہمارے آقا (حضرت مسیح) نے اپنے عہد کی سیاسی اور معاشرتی حالات کو پیش نظر رکھ کر ایسی تعلیمات تلقین کی ہیں، جو عیسائی گرجا اور تاریخ کے دور میں خود بخود حالات کے مطابق کام کرتی رہیں۔ سینٹ پال کی تعلیمات میں کہا گیا ہے کہ "آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں"۔ لیکن اس سے زیادہ وضاحت ہم کو اس پیغام میں ملتی ہے جو سینٹ پال نے فائلمین (PHILEMAN)

Marfat.com

کے نام بھیجا تھا اور جس میں انہوں نے اس کے بھاگے ہوئے غلام اونیسیمس (ONISEMUS) کو حکم دیا ہے۔ پھر اپنے آقا کے پاس واپس چلا جائے۔ سینٹ پال اپنے پیام میں فائلیمن سے درخواست کرتا ہے اونیسیمس کا گناہ معاف کر دینا چاہیئے لیکن نفس غلامی کی مذمت انہوں نے کہیں نہیں کی ہے" [۱]

اسکندریہ کے سینٹ کائرل (CYRIL) نے آقا اور غلام کے رشتہ کو صانع اور مصنوع سے تشبیہ دی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات غلام کو کس طرح بنظر حقارت دیکھتے تھے۔ [۲]

انجیل میں کہیں بھی غلاموں کو آزاد کرنے اور ان سے اچھے سلوک کی تعلیم نہیں ہے بلکہ غلاموں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کریں۔

حواری پطرس نے غلاموں کو وصیت کی ہے کہ انہیں چاہیئے کہ ہر وقت اپنے آقاؤں کے اطاعت گزار و فرمانبردار بنے رہیں۔

حواری پولس نے اپنے خط میں جو اس نے افیسن کا نام لکھا ہے غلاموں کا ذکر کیا ہے ان کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنے آقاؤں کی خوف و رعب کے ساتھ اسی طرح اطاعت کریں جیسا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی کرتے ہیں۔

پادریوں نے اسی تعلیم کی روشنی میں غلامی کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ سپیر یا نوس نے اسی کا فتویٰ دیا۔

طامس لکھتا ہے:

"فطرت نے بعض لوگوں کو مخصوص کر دیا ہے کہ وہ غلام بن کر رہیں" [۳]

جب پوپ لیبیر نے غلامی جائز قرار دیا ہے اور دالی (ایجنسی) کو حلال تجارت میں شمار کیا ہے۔ [۴]

بروح القدس کے کلیسا کے رئیس پادری فورد ہنیر نے تائب کیا ہے کہ غلام

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس جلد ۱۱ مضمون غلامی [۲] انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس مضمون غلامی [۳] بحوالہ اسلام کا نظام حیات مصنفہ عبدالوہاب ظہوری صفحہ ۴۱۳ [۴] اسلام کا نظام حیات صفحہ ۴۱۲ مصنفہ عبدالوہاب ظہوری

Marfat.com

بنانا مسیحی نظام ہیں سے ہے۔ ؎۱

پیر لاروس فرانس کا ادیب کہتا ہے :

"آج تک مسیحی قوموں کے پاس غلامی کے باقی رہنے اور اس کے جاری ہونے سے کوئی انسان تعجب نہ کرے کیوں کہ مذہب کے سرکاری نائبین اس کو صحیح تسلیم کرنے اور اس کی مشروعیت کے قائل ہیں"۔ ؎۲

مسٹر اے۔ این گلبرٹسن تحریر کرتا ہے :

"ہم کو یہ یاد دلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ابھی تھوڑے ہی زمانہ تک غلامی نہ صرف یہ کہ ترقی یافتہ قوموں کی حکومتوں میں منظم طریقہ پر قائم تھی۔ وہ قومیں جو مذہباً عیسائی تھیں۔ بلکہ دینیات کے بڑے بڑے عالم اس کو حکم خداوندی سمجھتے تھے اور ایک مصلحانہ قانون یقین کرتے تھے"۔ ؎۳

اس مصلحانہ قانون کا نتیجہ (Adword Staddard.) اپنی کتاب حاضر العالم الاسلامی میں لکھتا ہے :

"یورپ والوں نے افریقہ کے سیاہ فام انسانوں پر بڑے بڑے مظالم کیے ہیں اور اتنے سخت کہ اب ان کا کفارہ بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اکثر قومیں بالکل ختم ہو گئی ہیں مثلاً مولفوی اور فالوہ اور نگومی سفید فام نخاس آتے تھے۔ اور ان کے بچوں کو گرفتار کر کے لے جاتے تھے"۔

غلاموں کے ساتھ سلوک : عیسائی اقوام کا غلاموں کے ساتھ نہایت ہی بہیمانہ اور بربریت کا سلوک تھا۔ معمولی سی لغزش پر سنگین سزا دی جاتی تھی ولیسٹر مارک کہتا ہے :

"غلامی کا رواج کم از کم برطانوی مستعمرات میں اور ان مقامات پر جہاں

؎۱ اسلام کا نظام حیات مصنفہ عبدالوہاب ظہوری صفحہ ۲۱۴ ؎۲ اسلام اسلام کا نظام حیات مصنفہ عبدالوہاب ظہوری صفحہ ۲۱۵ ؎۳ انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس۔

Marfat.com

غلامی کا رواج ہے ظلم وستم کے اعتبار سے اس غلامی سے بدرجہا زیادہ ظالمانہ اور جابرانہ ہے جو کافروں کے قدیم وجدید ممالک میں پایا جاتا ہے"۔ ؎۱

غلامی اور یہودیت: یہودیوں میں اسیرانِ جنگ کے قتل کی بجائے غلام بنا لینے کا رواج تدریجاً آیا۔ اسرائیلی شریعت میں واضح طور پر جنگی قیدیوں کو قتل کر دینے کا حکم ہے۔ استثناء ۲۰: ۱۶ میں لکھا ہے:

"لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو بلکہ تو ان کو حرم کیجیو"

گنتی ۱۵: ۳ میں لکھا ہے:

"سو اب تو جا اور عمالیق کو مار سب جو کچھ کہ ان کا ہے یک لخت حرم کر اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت ننھے بچے اور شیرخوار اور بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر"

آہستہ آہستہ اسیرانِ جنگ کو قتل کرنے کا حکم غلام بنانے میں بدل گیا۔ مزید اور صورتیں بھی پیدا ہو گئیں۔ جن کی رو سے ایک عبرانی دوسرے عبرانی کو غلام بنا سکتا تھا۔

پہلی صورت یہ تھی کہ کوئی شخص غربت کی وجہ سے قرض ادا نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں ایک امیر کو یہ حق حاصل تھا کہ اس مدیون غریب کی طرف سے اس کا قرض ادا کر دے اور اس کو غلام بنا لے۔

دوسری صورت یہ تھی کہ کسی نے چوری کا ارتکاب کیا۔ وہ چوری کا مال اس کے مالک کو واپس نہیں کر سکتا۔ تو اس کو یہ حق تھا کہ اپنے تئیں کسی امیر کے ہاتھ فروخت کر دے اور اس کی طرف سے چوری کا مال ادا کر کے اس شخص کو اپنی غلامی میں لے لے۔

تیسری صورت یہ تھی کہ والدین کسی بنا پر اپنے بیٹے یا بیٹی کو کسی کے ہاتھ بیچ ڈالیں۔ ؎۲

؎۱ بحوالہ اسلام میں غلامی کی حقیقت مصنفہ مولانا سید احمد ایم اے صفحہ ۲۴۲ ؎۲ سفر اللاویین ۲۵: ۳۹
وسفر الخروج ۲۱: ۷، ۸

Marfat.com

یہودی غلاموں کی خرید و فروخت بھی کرتے تھے۔ چنانچہ اسپین کی خوش حالی کے زمانہ میں (جس کی مدت دسویں صدی عیسوی سے پندرھویں صدی تک ختم ہے) یہاں کے بہت سے متمول یہودی خاندان غلاموں کے فراہم کرنے سے بہت کچھ مال و دولت جمع کرتے تھے۔ [1]

اسرائیلی شریعت میں غلاموں کی حالت: اسرائیلی شریعت میں مالک کو غلام پر ہر طرح سے اختیار حاصل تھا۔ مگر وہ اس کو جان سے نہیں مار سکتا تھا۔ صرف ایک استثناء تھی جو خروج باب ۲۱ آیت ۲۰، ۲۱ میں مذکور ہے:

"اور کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیاں مارے اور لاٹھیاں کھاتی ہوئی مر جائے تو اسے سزا دی جائے، لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جیوے تو اسے سزا نہ دی جائے اس لئے کہ وہ اس کا مال ہے۔"

اگر آزاد آدمی کسی دوسرے کے غلام یا لونڈی کو مار دیتا تو صرف خونبہا مالک کو دینا ہوتا تھا (خروج باب ۲۱ آیت ۳۲) جو غلام اسرائیلی قوم کے ہوتے تھے۔ ان سے غیر اسرائیلیوں کی نسبت عمدہ سلوک ہوتا تھا۔ چھ سال غلام رہنے کے بعد وہ آزاد سمجھے جاتے تھے۔ (خروج باب ۱ آیت ۲۰) مگر عبرانی لونڈی کے ساتھ غیر اسرائیلی غلام شادی نہ کر سکتا تھا اور مالک یا مالک کا بیٹا ہی اس پر تصرف کر سکتا تھا۔ اسرائیلی غلام چھ سال کے بعد آزاد ہوتا۔ تو مالک کا حکم تھا۔ کہ اسے رخصت کرتے وقت کچھ دے۔ (استثناء باب ۱۵ آیت ۱۴، ۱۳) مگر دوسرے غلاموں کو یہ حقوق حاصل نہ تھے۔

غلامی اور ہندو مذہب: منو کی کتاب میں غلام بنانے کے سات اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ جنگ میں گرفتار ہونا۔

۲۔ نان و نفقہ کے لئے خود برضا و رغبت اپنے آپ کو کسی کی غلامی میں دیدینا۔

۳۔ کسی باندی کے بطن سے پیدا ہونا۔

---

[1] مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا مضمون از جے ایلن۔

Marfat.com

۴۔ خریدنا۔
۵۔ بطور ہبہ یا تحفہ کے حاصل کرنا۔
۶۔ اپنے بزرگوں سے ورثہ پانا۔
۷۔ سزا کے ذریعہ غلامی کی تحقیر کرنا۔

نارو نے غلاموں کی پندرہ قسمیں بیان کی ہیں جن میں سے سات تو یہی ہیں اور آٹھ ان کے علاوہ ہیں ان میں جوا میں ہار کر کسی کا غلام بن جانا اور قرض ادا نہ کر سکنے کی بناء پر کسی کا غلام ہو جانا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ازمنہ قدیمہ میں ترقی یافتہ اقوام اور غلامی

اہل فارس: اہل ایران علاموں کی کثرت کو وجہ وجاہت اور امارت خیال کرتے تھے اور غلاموں کی حالت زار کا یہ عالم تھا کہ ان کو آرام و راحت کرنا نصیب نہیں ہوتا تھا، دوبارہ غلطی کرنے اور عادت کی اصلاح نہ کرنے پر اس کی زندگی کو ختم کر دیا جاتا۔ چنانچہ ہیرودوٹ کہتا ہے:

"کسی ایرانی کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے غلام کو کسی ایک گناہ پر ایسی سزا دے جو شدت اور درشتگی کی حد کو پہنچ چکی ہو۔ لیکن غلام جب کسی گناہ کا دوبارہ ارتکاب کرے تو اس کے آقا کو حق حاصل ہے۔ کہ اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے یا اس کو ہر قسم کا عذاب دے جو تصور میں سما سکتا ہے۔" لہ

چین میں غلامی: میلاد مسیح علیہ السلام سے کئی سال قبل چین میں اپنی مذہبی اور ملکی دستور کے مطابق غلام بنانے کا طریقہ رائج تھا۔ محتاج اور فقراء اپنی تنگ دستی کی وجہ سے اپنی اولاد فروخت کر دیا کرتے تھے۔ آقا کو اس غلام پر ہر قسم کا آزادانہ تصرف ہوتا تھا۔ اس کو فروخت کر دے یا اس کی اولاد کو چین میں دوسری قوموں کی بہ نسبت غلاموں سے زیادہ وحشیانہ اور بربریت کا

لہ اسلام کا نظام حیات مصنفہ عبدالوہاب ظہوری صفحہ ۲۰۲

Marfat.com

سلوک نہیں ہوتا تھا۔ پہلی صدی عیسوی میں شہنشاہ کوالیغول نے علاقوں کے متعلق ایسے دو قوانین نافذ کیے جن کی رو سے آقا کو اپنے غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی چنانچہ ان دونوں احکام میں کہا گیا ہے۔

"انسان زمین و آسمان کی مخلوقات میں اشرف و افضل ہے جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس کے اخفا جرم کے لئے کوئی سبیل نہیں جو شخص اپنے غلام کو آگ میں جلانے یا اس کو آتشیں داغ دینے کی جرائت کرے گا تو قانون کے مطابق اس کو بھی سزا دی جائے گی۔ جو شخص اپنے سردار کو نذر آتش کر دے تو وہ آزاد منش وطن پرست طبقہ میں شمار کیا جائے گا۔" لے

عبرانیوں میں غلامی: عبرانی قوم میں غلامی کا رواج بہت ہی قدیم زمانے سے چلا آ رہا تھا۔ بنی اسرائیل میں غلاموں کی کثرت ان کے آقاؤں کی امارت اور تونگری کی علامت تصور کی جاتی تھی۔ جس کے پاس زیادہ غلام ہوتے وہ سوسائٹی میں زیادہ قابل احترام سمجھا جاتا۔ لیکن ان کے ہاں غلاموں کے لئے چند حقوق بھی تھے مثلاً سال میں سات ہفتے ان کو آرام کے لئے رخصت دی جاتی تھی بدنی سزا ناجائز تھی اگر کوئی آقا اپنے غلام کو زد و کوب کرتا تو اس کو سزا دی جاتی اسی طرح غلام کو زخمی کرنا یا ہڈی وغیرہ توڑنا ممنوع تھا۔

یونانیوں میں غلامی: یونان میں غلامی کا رواج ہومر کے عہد میں بھی پایا جاتا تھا جس کے جواز کو یونان کے سب سے بڑے فلسفی ارسطو نے بھی ثابت کیا ہے وہ کہا کرتا تھا کہ: "غلام ایک آلہ ہے مگر ذی روح، اور ایک کھلونا ہے مگر جاندار۔"

پھر ارسطو نے بنی نوع انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

ا۔ احرار، اور

ب۔ غلام۔

یونانیوں نے غلام کی دو قسمیں قرار دی تھیں ایک وہ جن کے ملک پر زبردستی غلبہ حاصل کر لیا ہو۔ دوسری قسم ان غلاموں کی تھی جن کو بازار سے خرید جاتا تھا۔

لے بحوالہ اسلام کا نظام حیات مصنفہ عبدالوہاب ظہوری صفحہ ۲۰۴

Marfat.com

ان پر ان کے آقاؤں کا مکمل اختیار ہوتا تھا۔ آقا جو چاہتا ان سے سلوک کرتا اور کوئی ملکی قانون نہ تھا جو ان پر گرفت کر سکتا۔

آقا معمولی سی لغزش پر غلام کو سختن سے سخت سزا دیتا۔ عام سزا تازیانہ تھی جس کی تعداد پچاس تک ہوتی تھی۔ ایک سزا تیرہ و تار کوٹھڑی میں حبس کرنا بھی تھا۔ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دینا تو عام رواج تھا۔ مذاہب اور اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار کے قول کے مطابق اس کو سزا ہی نہ کہنا چاہیے اگر کوئی غلام بھاگ جاتا۔ پھر شومئ قسمت سے پکڑا جاتا تو اس کی پیشانی کو تپتے ہوئے لوہے سے داغ دیا جاتا۔ سزا کی ایک قسم یہ بھی تھی کہ غلام سے کانوں میں یا چکیوں پر سخت محنت لی جاتی تھی۔

مصر قدیم میں غلامی: قدیم زمانہ میں مصر تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ دنیا کی قدیم تہذیبوں میں مصر کی تہذیب نمایاں تھی۔ لیکن اس مہذب ملک میں بھی غلامی کا عام رواج تھا اور آقاؤں کو غلاموں پر ہر قسم کا تسلط حاصل تھا۔ گو مرور زمانہ سے سختیوں اور سزاؤں میں کمی پیدا ہوتی رہی۔ آخر کار مصری حکومت نے یہ قانون نافذ کر دیا کہ جو شخص کسی غلام کو قتل کرے گا۔ بدلہ میں اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔

فنیقیوں میں غلامی: سولہویں صدی قبل مسیح میں جبل لبنان اور سمندر کے درمیان کچھ لوگ رہائش پذیر تھے۔ جو عرب اور یہود کے ہم جنس تھے۔ یہ اہل فینقیہ کہلاتے تھے۔ فینقیہ کے دو مشہور شہر تھے۔

ا۔ صیدا اور

ب۔ صور

اہل فینقیہ کو غلام حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ دور دراز علاقوں میں محض غلام خریدنے کے لئے چلے جاتے۔ اکثر اوقات صیدا کے لوگ غلام خریدنے کی تکلیف بھی نہ کرتے بلکہ آدمیوں کو چرا لیتے اور زبردستی غلام بنا لیتے۔ ہیرو ڈوٹس ایک حکایت بیان کرتا ہے: کہ

"ایک روز فینیقی ارگوس (A R G O S) میں اترے جو اس زمانے

Marfat.com

میں یونان کا بہترین شہر تھا۔ اور یہ سامان بھی کنارے پر اتارا۔ یونانی ان سے سامان خریدنے کے لئے وہاں آنے لگے۔ چند روز کے بعد جب ان کا سب مال فروخت ہو چکا تو وہاں کے بادشاہ کی لڑکی عورتوں کی ایک جماعت کے فینقیوں کے پاس آئی۔ ابھی یہ عورتیں خریدنے میں مصروف تھیں کہ اچانک بیچنے والوں نے ان پر حملہ کر دیا اور زبردستی انہیں پکڑ کر اپنی کشتیوں میں بٹھا کر چلتے ہوئے"۔[۱]

رومیوں میں غلامی: روما کی حکومت آٹھ سو برس تک رہی۔ جس کی تہذیب کا ڈنکا ساری دنیا میں بجتا تھا۔ اس مہذب حکومت میں غلامی کا عام رواج تھا۔ اہل روم کے نزدیک لوگوں کو غلام بنانے کے مختلف طریقے تھے۔

۱۔ طاقت کے ذریعہ جن قوموں پر تسلط اور استیلاء حاصل ہو جاتا۔ انہیں اپنا غلام سمجھتے۔

۲۔ غلاموں کی اولاد۔

۳۔ رومانی قانون میں بعض ایسی دفعات تھیں، جن کے ذریعہ حر الاصل آدمی کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا جاتا۔ مثلاً وہ قرض دار جس کو اپنا قرض ادا کرنے کے ذرائع باسانی فراہم نہیں ہوتے۔

۴۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ اہل روم لڑکوں اور لڑکیوں کو چرا لاتے، اور بازار میں بیچ دیتے۔

روم میں جس غلام کو بیچنا ہوتا۔ اس کو ایک اونچی چٹان پر کھڑا کر دیتے تاکہ ہر گاہک اس کو دیکھ سکے اور جس کو پسند ہو خرید سکے۔ اسی طرح یہ بھی رسم تھی۔ کہ ہر گاہک غلاموں کو ننگا کر کے دیکھنے کا مطالبہ کرتا۔ تاکہ اس کے عیوب سے واقف ہو جائے۔

غلاموں کو معمولی سی خطا پر سنگین سزائیں دی جاتیں۔ مثلاً لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر کھیتوں میں کاشت کا کام کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا۔ جسم پر اتنے تازیانے لگائے جاتے کہ بعض اوقات غلام ہلاک ہو جاتے۔ ان کے دونوں ہاتھ لٹکا کر ان کے

---

[۱] اردو ترجمہ تاریخ ملل قدیمہ مصنفہ سینوبس فرانسیسی صفحہ ۲۶۹

Marfat.com

پاؤں میں بھاری پتھر باندھ دیئے جاتے۔ بعض اوقات درندوں سے لڑنے کے لئے بھیج دیا جاتا۔

سلطنت کے اخیر دور میں غلاموں پر بہیمانہ مظالم بند ہو گئے اور ان کے لئے متعدد اصلاحی قوانین بنائے گئے ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ بچوں کو فروخت کرنا اور قرض کے بدلے دے دینا ناجائز قرار دے دیا گیا۔
۲۔ غلاموں کو درندوں سے لڑنے کے لئے بھیجنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔
۳۔ ہارڈین (HARDIAN) نے ایک آقا کے لئے یہ ناجائز قرار دیا کہ وہ قاضی کی اجازت کے بغیر اپنے غلام کو قتل کرے۔
۴۔ باندیوں سے کسب کروانا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ جسٹینین (JUSTINIAN) نے اور بھی زیادہ سخت قانون بنایا۔ باندی کی عصمت دادی پر سزا موت تجویز کی۔
۵۔ کانسٹینٹائن (CONSTANTINE) نے یہ قانون وضع کیا کہ غلاموں کی تقسیم میں میاں اور بیوی۔ بھائی اور بہن، باپ اور بیٹے میں تفریق نہ کی جائے جسٹینین نے یہ بھی قانون بنا دیا کہ ذی رحم محرم میں سے اگر کوئی ایک آزاد کیا جائے گا تو اس کے دوسرے اعزہ واقارب بھی آزادی کی نعمت سے متمتع ہوں گے۔

فرنگیوں میں غلامی: فرنگی قبائل میں فرانسیسی لوگ غلاموں کے بارہ میں بہت ہی متشدد تھے۔ اگر کوئی شخص اجنبی لونڈی سے شادی کرتا تو وہ بھی غلام تصور کیا جاتا اسی طرح اگر کوئی آزاد عورت کسی غلام سے شادی کر لیتی تو خاوند کی طرح وہ بھی باندی تصور کی جاتی۔

بعض قبائل یہاں تک متشدد تھے۔ کہ اگر آزاد عورت اپنے غلام سے شادی کر لیتی یا آزاد مرد کسی باندی سے شادی کر لیتا تو ان کو زندہ جلا دیا جاتا بعض قبائل میں یہ رواج تھا۔ کہ اگر کوئی آزاد عورت غلام سے شادی کرتی تو اس کو جلاوطن کر دیا جاتا۔

یورپ میں غلامی: جب روسی وسط یورپ میں جنوب مغرب کی طرف آگے بڑھے

Marfat.com

تورانسنے میں جو قبائل آتے ان سے جنگیں کیں اور ان کو غلام بنالیا۔ اس زمانہ میں عام قاعدہ تھا کہ اسیرانِ جنگ کو غلام بنا کر بیچ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ سوداگروں کی بڑی بڑی جماعتیں آتیں جو فرانس اور اسپین کی راہ سے قیدیوں کو افریقہ وہاں سے شام اور مصر لے جاتیں۔

روس میں غلامی: اٹھارہویں صدی میں غلاموں کی خرید و فروخت روس میں رائج تھی ان کو فروخت کرنے کے لئے باقاعدہ اشتہار شائع ہوتے تھے ۱۸۰۱ء کے ماسکوگزٹ میں چند غلاموں اور باندیوں کو فروخت کرنے کا اشتہار شائع ہوا۔ اس کی عبارت یہ تھی:

"برائے فروخت موجود ہیں۔ تین کام کرنے والے مرد عمدہ تربیت یافتہ اور دو خوب صورت لڑکیاں۔ جن میں سے ایک کی عمر اٹھارہ سال کی اور دوسری کی پندرہ سال کی ہے۔ یہ دونوں لڑکیاں خوش منظر اور خانہ داری کے مختلف کاموں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اسی گھر میں ان کے علاوہ دو اور بال بنانے والے غلام فروختگی کے لئے موجود ہیں۔ ایک کی عمر بیس سال کی ہے لکھ پڑھ سکتا ہے۔ اور آلات موسیقی بجا سکتا ہے، اور شکار میں بھی بڑی مدد دے سکتا ہے دوسرا غلام عورتوں اور مردوں دونوں کے بال سنوار سکتا ہے۔ اور اسی گھر میں پیانو اور دیگر آلات غنا بھی بکنے کے لئے موجود ہیں"۔ [۱]

موجودہ مغربی قوموں میں غلامی: موجودہ مغربی قوموں میں غلامی کا رواج انیسویں صدی کے نصف تک رہا۔ اس کے بعد تمام قوموں نے اس رواج پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔ لیکن جب تک یہ رواج رہا غلام مصائب کا تختۂ مشق بنتے رہے ۱۶۸۵ء میں فرانس میں ایک قانون نافذ کیا گیا جس کی رو سے اگر کوئی حبشی کسی آزاد پر دست درازی کرتا یا چوری کا ارتکاب کرتا تو اس کو قتل کی سزا دی جا سکتی تھی۔

فرار ہو جانے کی سزا یہ تھی کہ اگر کوئی غلام ایک مرتبہ یا دوسری مرتبہ بھاگتا اور شومیٔ قسمت سے پکڑا جاتا تو اس کے دونوں کان کاٹ دیئے جاتے۔ اور ساتھ ہی

---

[۱] اسلام میں غلامی کی حقیقت مصنفہ مولانا سعید احمد ایم اے صفحہ ۴۲ تا ۴۳

Marfat.com

لوہا گرم کر کے اس کو داغ دیا جاتا اور تیسری مرتبہ بھاگتا تو اس کو قتل کر دیا جاتا اس قانون کی رو سے انگلستان میں کثرت سے غلام قتل ہوتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ سختیوں سے گھبرا کر بھاگ جاتے اور جب پکڑے جاتے تو قتل کر دیئے جاتے فرانس میں یہ حالت ۱۸۴۸ء کے انقلاب تک رہی اس سلسلہ میں جہاں اور اصلاحات ہوئیں غلامی کا رواج بھی بند ہو گیا۔

جنوبی امریکہ میں غلامی: جنوبی امریکہ میں غلاموں کے متعلق نہایت ہی انسانیت سوز قوانین نافذ تھے اور وہ مصائب و آلام کی چکی میں پس رہے تھے آقا کو غلام پر کامل اختیار تھا اس کو فروخت کرے، اس کو کرایہ پر دے دے، اس کو رہن رکھ دے، اس پر قمار کھیلے، غلام شہر کی سڑکوں پر بغیر سرکاری اجازت کے نہیں چل سکتا تھا۔ شاہراہ عام پر اگر سات غلام جمع ہو جائیں۔ ہر شخص کو یہ اجازت تھی کہ انہیں قید کرا دے۔ حبشیوں کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ سوائے اہم جنسوں کے کسی اور کے حق میں عدالت میں گواہی دیں۔ اپنے فریق کی حفاظت کے لئے قسم بھی نہیں کھا سکتے تھے۔ اگر کوئی سیاہ فام، سفید فام کی مدافعت کرتے ہوئے قتل کر دے تو جرم کا مرتکب سمجھا جائے گا۔

اس پر سفر کرنا حرام تھا۔ اگر کوئی شخص غلاموں کے حق میں اشتہار، پمفلٹ کتاب لکھتا تو اس کی سزا دی جاتی۔ ....

غلاموں کے متعلق ان کا یہ تصور تھا کہ.........

"غلام ایک جسم ہے، بے روح بے عقل اور اس کی زندگی ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

۱۷۱۲ء اور ۱۷۴۱ء میں نیویارک میں غلاموں نے مصائب و آلام سے تنگ آ کر علم بغاوت بلند کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو غلام گرفتار ہو کر آتے یا ان کو گاڑیوں کے پہیوں کے ساتھ باندھ کر کچل دیا جاتا یا زندہ آگ کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔

یورپین ممالک میں غلاموں کی المناک داستان مختصر طور پر بیان کی جا چکی ہے یہ داستان ادھوری رہے گی اگر ذیل میں انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس کے مقالہ نگار "غلامی" کا اقتباس درج نہ کیا جائے وہ لکھتا ہے:

Marfat.com

"۱۴۴۲ء میں گنزلس (GANZ ABS) نے دس غلام پرتگال کے شاہزادہ ہنری کو بطور تحفہ پیش کیے۔ ۱۴۴۳ء میں ننیز ٹریسکن (NANEZ TRESCAN) افریقہ کے لئے ایک مہم پر بحری راستہ سے روانہ ہوا اور چودہ غلاموں کو لے کر واپس آیا۔ افریقہ کے لوگ فطرۃً ان حملوں کو ناپسند کرتے تھے جو ان کو غلام بنانے کی غرض سے کئے جاتے تھے۔ یورپین تاجر اپنے حملوں کے عذر پیدا کرنے کے لئے اہل افریقہ میں آپس میں جنگ کرا دیتے تھے۔ ۱۵۶۲ء میں سرجان ہاکنگ گونیا کے لئے روانہ ہوا اور تین سو غلام حاصل کئے۔ پھر ان کو فروخت کر کے انگلینڈ چلا گیا۔ فرانسیسی، اسپینی اور ڈچ ان سب کے ہاں غلاموں کی تجارت کا سلسلہ جاری رہا لیکن انگریزوں کے ہاں اس کا سراغ چارلس (CHARLES) کے اس فرمان تک نہیں ملتا جو اس نے ۱۶۳۱ء میں افریقہ کمپنی کے نام اس مضمون کا لکھا تھا کہ وہ برطانوی علاقوں کے لئے افریقی غلام مہیا کرے۔ ۱۶۴۰ء میں تیرہویں لوئس نے ایک فرمان اس مضمون کا شائع کیا کہ تمام وہ افریقی جو فرانس کی نوآبادیات میں سکونت رکھتے ہیں۔ بہر حال غلام بنائے جا سکتے ہیں ۱۶۵۵ء میں کرومویل نے جمیکا کو اسپین والوں سے چھینا تو دیکھا کہ وہاں پندرہ سو سفید فام اور اتنے ہی نیگرو غلام موجود ہیں اور خود وہاں کے رہنے والوں کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ۱۶۶۲ء میں تیسری افریقہ کمپنی قائم ہوئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ برطانوی مغرب کی ہندوستانی نوآبادیات میں تین ہزار غلام سالانہ مہیا کئے جائیں ۱۶۷۹ء اور ۱۶۸۹ء کے درمیان صرف دس برس کی مدت میں کم و بیش ساڑھے چار ہزار غلام ہر سال برطانوی نوآبادیات میں آباد کئے جاتے رہے فرانسس مرد نے ۷ مارچ ۱۶۸۷ء کو ان غریبوں کی سرگزشت لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس جگہ کی سب سے بڑی تجارت ان غلاموں کی ہے جن کو یہاں لایا جاتا ہے۔ یہ لوگ یہاں بالکل مادر زاد برہنگی کے ساتھ

Marfat.com

آتے ہیں۔ اور ان کے گاہک ان کا منہ کھول کھول کر دیکھتے ہیں اور ان کا امتحان گھوڑوں اور چوپایوں کی طرح کرتے ہیں ۱۷۱۳ء میں انگریزوں اور اسپینیوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رو سے انگلینڈ نے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ اسپین والوں کو تیس سال تک برابر چار ہزار آٹھ سو غلام سالانہ مہیا کرتا رہے گا۔ غلاموں کی تجارت سے جو نفع حاصل ہوتا تھا۔ انگلینڈ اور اسپین دونوں کے بادشاہ اس میں ایک حصہ کے شریک تھے۔ افریقہ کے غلاموں کی تجارت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۱۷۸۸ء میں جب غلامی کے انسداد کے لئے پارلیمنٹ میں ایک بل پیش کیا گیا تو اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس وقت افریقہ سے ہر سال دو لاکھ غلام لے جائے جاتے تھے جن میں سے ایک لاکھ امریکہ وغیرہ اور بقیہ افریقہ کے مشرقی ساحل سے ایران اور کچھ تھوڑے سے وسط افریقہ سے ٹرکی اور مصر لے جائے جاتے رہے تھے۔"

غلامی کے انسداد کی کوششیں: مندرجہ صدر تفصیلی بحث سے یہ عیاں ہو گیا ہے کہ غلامی کا رواج دنیا کے ہر ملک میں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ انیسویں صدی کے وسط میں غلامی کے انسداد کی آئینی تحریک کا آغاز ہوا۔ انجام کار ہر ملک سے غلامی کا استیصال ہونا شروع ہو گیا۔ اقوام متحدہ کی ممبر قوموں نے اپنے انسانی حقوق کے عالمی منشور کی دفعہ ۴ میں یہ اعلان کیا:

"کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی چاہے اس کی کوئی شکل ہو ممنوع قرار دی جائے گی۔"

غلامی کے انسداد کی آئینی تحریکیں اور اقوام متحدہ کا یہ اعلان دراصل اس آواز کی بازگشت ہے جو آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے عرب کی سرزمین میں ایک اُمّی نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کی آزادی کے متعلق اٹھائی تھی۔ آئندہ صفحات میں اس آواز کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔

Marfat.com

اسلام اور مسئلہ غلامی

اسلام کی تعلیم کو مسئلہ غلامی کے متعلق دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اوّل: غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی آزادی کا بندوبست۔

دوم: مستقبل میں ہمیشہ کے لئے غلامی کو ختم کرنے کے متعلق تعلیم۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی آزادی کا انتظام

قرآن مجید میں آتا ہے، وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ [1] اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قریبیوں کے ساتھ بھی اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی اور دور کے پڑوسی اور پاس والے ساتھی اور مسافر اور ان کے ساتھ بھی جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ [2]

مسلمان عورتیں اپنی زینت کو اور کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے خاوند کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے یا اپنی عورتوں کے یا ان کے جن کے داہنے ہاتھ مالک ہیں۔

اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمان غلاموں کو بالکل اپنے قریبی رشتہ داروں کی طرح سمجھیں حتیٰ کہ مسلمان عورتیں اپنے غلاموں سے پردہ بھی نہ کریں۔

---

[1] النساء ۴: ۳۶ [2] النور ۲۴: ۳۱

Marfat.com

حدیث میں آتا ہے: عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اخوانکم خولکم جعلھم اللہ تحت ید یکم فمن کان اخوہ تحت یدیہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتموھم ما یغلبھم فاعینوھم[1] یعنی ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ خدا نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے تو جس کے بھائی بہن کو اللہ اس کے ماتحت کر دے اس کو چاہیئے کہ جیسا وہ خود کھاتا ہے ویسا ہی ان کو کھلائے۔ اور جیسا خود پہنتا ہے ویسا ہی ان کو پہنائے۔ اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دے جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ اور اگر کبھی ایسا کام دو تو پھر اس کام میں خود ان کی مدد کرو۔

حضرت ابوذرؓ کا یہ معمول تھا کہ جو وہ خود کھاتے پہنتے تھے وہی غلام کو کھلاتے اور پہنانے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگوں میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرکے لائے تو چوں کہ اس نے کھانا تیار کرنے میں آگ کی گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے اس لئے اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانا چاہیئے اور اگر کھانا کم ہو تب بھی اس کے ہاتھ پر ایک دو لقمے رکھ دینا چاہیئے۔[2]

کان عمر بن الخطاب یذھب الی العوالی کل یوم سبت فاذا وجد عبداً فی عمل لا یطیقہ وضع عنہ منہ[3] حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ ہر ہفتہ مدینہ کے مضافات میں جایا کرتے تھے اور جب وہ کوئی ایسا غلام دیکھتے جسے اس کی طاقت کے لحاظ سے زیادہ کام دیا گیا ہو تو اس کے کام میں تخفیف کر دیتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! میں تم کو بتاؤں کہ بدترین آدمی کون ہے۔ وہ جو تنہا کھاتا ہے اپنے غلام کو تازیانہ

---

[1] بخاری کتاب العتق باب قول النبی العبید اخوانکم فاطعموھم مما تاکلون۔

[2] مسلم کتاب الایمان باب اطعام المملوک مما یاکل [3] موطا امام مالک باب الامر بالرفق بالمملوک۔

Marfat.com

لگاتا ہے مگر اس کو دینا کچھ نہیں۔[1]

غلام کو مارنے کا کفارہ اس کو آزاد کر دینا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا کسی اور چیز سے مارے تو اس کا کفارہ اس کو آزاد کر دینا ہے چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن عمر اتفاقیہ اپنے کسی غلام کو مارتے تھے تو اس کو آزاد کر دیتے تھے۔[2]

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ایک لونڈی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اس کو اس کے مالک نے آگ سے جلا کر زخمی کر دیا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کو آزاد کر دیا۔[3]

وسائل حریت: اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کے متعلق دو طریقے اختیار کئے ہیں۔

ا۔ طوعی، اور

ب۔ جبری۔

طوعی طریقہ: قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ[4] اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے کسی گردن کو آزاد کرنا۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ[5]

لیکن بڑا نیک وہ ہے جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے۔ اور اس کی محبت کے لئے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو اور غلام آزاد کرنے میں مدد دے۔

حدیث میں آتا ہے: من اعتق نسمة اعتق الله بكل عضو

---

[1] مشکوٰۃ باب النفقات وحق المملوک۔ [2] موطا امام مالک باب عتق امہات الاولاد [3] موطا امام مالک باب عتق امہات الاولاد [4] البلد ۹۰: ۱۲، ۱۳ [5] البقرہ ۲: ۱۷۷

منہا عضوا من النار[1] جو شخص کسی ایک نفس کو آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے میں دوزخ کی آگ سے آزاد کرے گا۔

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! مجھے آپ کوئی ایسا عمل بتائیے جو جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے فرمایا تم نے لفظ تو مختصر کہے ہیں مگر بات بہت بڑی دریافت کی ہے۔ (جنت میں داخل کرنے والا عمل یہ ہے) :

اعتق النسمة وفك الرقبة۔ غلام کو آزاد کرو اگر اکیلے آزاد نہ کر سکو تو دوسروں کے ساتھ مل کر آزاد کرو[2]

ابو بردہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اگر کسی کے پاس ایک لونڈی ہو اور وہ بہت اچھی طرح اسے تعلیم دے اور بہت اچھی طرح اس کی تربیت کرے، اور پھر اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کرے۔ تو ایسا شخص دوہرے اجر کا مستحق ہوگا"[3]

اس ترغیب کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہ کثرت سے غلام آزاد کرتے تھے امیر اسمٰعیل نے شرح بلوغ المرام میں چند صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نقل کی ہے وہ درج کی جاتی ہے۔ گو یہ فہرست یقیناً نامکمل ہے لیکن پھر بھی قاری کے سامنے یہ بات کھل کر آ جائے گی کہ صحابہ کرام غلاموں کو آزاد کرانے میں کس قدر مشتاق تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ غلام آزاد کئے۔

حضرت عائشہؓ نے ۶۷

حضرت عباسؓ نے ۷۰

حضرت حکیم بن حزامؓ نے ۱۰۰

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہ [2] بیہقی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ کتاب العتق [3] بخاری کتاب النکاح

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ہزار
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تین ہزار
حضرت عثمانؓ بن عفان نے بتیس صرف ایک دن میں جو ان کی شہادت کا دن تھا ورنہ ان کی مجموعی تعداد بہت زیادہ ہے۔
ذوالکلاعؓ الحمیری نے آٹھ ہزار صرف ایک دن میں ؂۱
حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی مگر یہ لکھا ہے کہ انہوں نے کثرت سے غلام آزاد کیے۔

اس روایت میں جو تعداد صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی بیان کی گئی ہے وہ درست نہیں بلکہ اصل تعداد اس سے کہیں بڑھ کر ہے مثلاً حضرت عائشہؓ کے متعلق ایک حدیث ہے کہ انہوں نے صرف ایک موقعہ پہ چالیس غلام آزاد کیے تھے ؂۲ دوسری روایت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نہایت کثرت کے ساتھ غلام آزاد کیا کرتی تھیں۔

جبری اسیری طریقے

اسلام نے غلاموں کو زنجیروں سے آزاد کرانے کے لئے بعض گناہوں کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

قتل خطا: ارشاد الٰہی ہے: وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ؂۳
اور جو غلطی سے کسی مومن کو مار ڈالے تو ایک مومن غلام آزاد کرے اور خون بہا

؂۱ سبل السلام شرح بلوغ المرام کتاب العتق ؂۲ بخاری کتاب الاداب باب الهجرت
؂۳ نساء ۴: ۹۲

Marfat.com

دے جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے ۔ سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں ۔ پھر اگر (مقتول) ایسے لوگوں سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں اور وہ مومن ہو تو ایک مومن غلام آزاد کرنا چاہیئے اور اگر ایسے لوگوں سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے تو خون بہا دینا چاہیئے جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے اور ایک مومن غلام آزاد کرنا چاہیئے پھر جو نہ پائے تو دو مہینے متواتر روزے رکھے ۔

ان آیات میں صرف مسلمان ہی کی تخصیص نہیں بلکہ کسی ذمی یا معاہد کو بھی غلطی سے قتل کر دیا جائے تو کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے ۔

کفارہ ظہار : اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو محرمات میں سے کسی ایک کے ساتھ تشبیہ دے کر اپنے اوپر حرام کرے تو اس کو اسلامی اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے ۔ اگر ظہار کرنے والا خاوند اپنے قول کو واپس لینا چاہے تو تین چیزوں میں سے ایک بطور کفارہ ادا کرنا ہوگا ۔ ایک غلام آزاد کرے یا ساٹھ دن تک متواتر روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ۔

ارشاد الٰہی ہے : وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا [1]

اور جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اس کی طرف واپس لوٹتے ہیں جو کہا تھا تو ایک غلام کا آزاد کرنا ہے ۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں اس کے ساتھ تمہیں وعظ کیا جاتا ہے ۔ اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے ۔ پھر جو کوئی غلام نہ پائے تو دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں ۔ پھر جسے یہ طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ۔

کفارہ یمین : اگر کوئی شخص قسم کھالے پھر اس کو توڑنا چاہے یا توڑ دے ۔ تو

---

[1] المجادلہ ۵۸ : ۳، ۴

Marfat.com

اس کو قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا وہ یہ کہ متوسط درجے کا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے بنا کر دے یا ایک غلام آزاد کرے۔

ارشاد الٰہی ہے: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ [1] اللہ تمہاری بلا ارادہ قسموں پر گرفت نہیں کرتا لیکن اس پر گرفت کرتا ہے جو تم قسم کو مضبوط کرو سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کا کھانا۔ درمیانہ کھانے سے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو لباس دینا یا گردن کا آزاد کرنا۔

روزہ توڑنے کا کفارہ: جو شخص جان بوجھ کر روزہ توڑ دے تو اس کا کفارہ بھی کفارہ ظہار کی طرح ہے یعنی غلام آزاد کرے، اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ دن متواتر روزے رکھے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھلانا کھلائے۔

معمولی گناہوں کا کفارہ: حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غلام کو زدوکوب کرنے پر اس کو بطور کفارہ آزاد کرنے کا حکم دیا ہے فرماتے ہیں:

من لطم مملوکہ او ضربہ فکفارتہ ان یعتقہ [2] جو شخص اپنے غلام کو طمانچہ مارے یا اس کو زدوکوب کرے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کرے۔

رشتے دار غلام کا آزاد ہو جانا: حدیث میں آتا ہے: عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ملک [3] ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے قبضہ میں کوئی ایسا غلام آجاوے جو اس کا قریبی رشتہ دار ہے تو وہ غلام خود بخود آزاد سمجھا جائے گا۔

---

[1] المائدۃ ۵: ۸۹ [2] ابوداؤد [3] ابن ماجہ کتاب العتق

Marfat.com

مکاتبت

مکاتبت وہ جبری انتظام ہے جس سے غلام خود بخود آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس انتظام کے تحت مالک اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر غلام اس کے پاس رہنا گوارا نہیں کرتا تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے مناسب رقم پیدا کرنے کی شرط کر کے آزادی حاصل کرے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ[1] اور جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں ان میں سے جو آزادی کی تحریر مانگیں تو انہیں دو۔ اگر تم ان میں بھلائی جانتے ہو۔ اس مال میں سے انہیں بھی حصہ دو جو خدا نے اس مکاتبت کے نتیجہ میں تمہیں دیا ہے۔

یہ غلاموں کی آزادی کے لئے ایک مستقل جبری انتظام ہے۔ اگر کوئی غلام آزادی کے قابل ہو جائے اور وہ آزادی حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ اپنے مالک سے مکاتبت کا عہد کر کے آزادی حاصل کر سکتا ہے۔ مکاتبت کے عہد سے یہ مراد ہے کہ غلام اور مالک کے درمیان یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ غلام اپنے آقا کو اس قدر رقم دے گا۔ مکاتبت کے عہد کے بعد غلام عملاً آزاد ہو گا اور وہ محنت مزدوری، تجارت زراعت یا صنعت وغیرہ اختیار کر کے طے شدہ رقم اپنے مالک کو ادا کرے گا۔ رقم ادا ہو جانے کے بعد غلام کلی طور پر آزاد سمجھا جائے گا۔

آزادی کی بعض مزید صورتیں

"تدبیر": تدبیر سے مراد یہ ہے کہ آقا غلام سے کہے کہ "تو میری موت کے بعد آزاد ہے" وہ غلام جس سے یہ کہا جاتا ہے "مُدَبَّر" کہلاتا ہے۔

تدبیر سے بھی غلام لازماً آزاد سمجھا جاتا ہے۔

[1] نور ۲۴ : ۳۳

Marfat.com

اُمِّ ولد: ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کے بطن سے اس کے مالک کے لیے بچہ پیدا ہوا ہو۔ اس کا بھی یہی حکم ہے کہ آقا کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گی۔

حدیث میں آتا ہے: اَعْتَقَهَا وَلَدُهَا یعنی اس باندی کو اس کے بچے نے آزاد کر دیا۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے ایک روایت بیان کی ہے۔ ایما امرأة ولدت من سیدها فھی معتقة عن دبر منه او قال من بعده

جس باندی کے اس کے مالک سے بچہ پیدا ہو وہ اس کے مرتے ہی آزاد ہو جائے گی۔ راوی کو شبہ ہے کہ آپ نے عَنْ دُبُرٍ فرمایا یا مِنْ بَعْدِهٖ

ام ولد کو نہ تو بیچا جا سکتا ہے اور نہ اس کو ہبہ کیا جا سکتا ہے نہ اس کو وراثت میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابن عمر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ انه نھی عن بیع امھات الاولاد وقال لا یبعن ولا یوھبن ولا یورثن یستمتع بھا السید ما دام حیا واذا مات فھی حرۃ[1]

یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے امہات الاولاد کی بیع سے منع فرمایا اور فرمایا کہ نہ ان کو بیچا جائے اور نہ ان کو ہبہ میں دیا جائے اور نہ ان کو وراثت میں منتقل کیا جائے۔ مالک جب تک زندہ رہے اس سے تمتع کرتا رہے جب مر جائے تو وہ آزاد ہے۔

مشترک غلام: اگر ایک غلام میں کئی آدمی شریک ہوں ایک شخص اپنا حصہ آزاد کرتا ہے۔ تو اس صورت میں صرف وہ حصہ ہی نہیں بلکہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔ اگر آزاد کرنے والا شخص مالدار ہے۔ تو اس پر دوسرے شرکاء کے حصول کو ادا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ غلام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سعی وکسب کر کے دوسرے شرکاء کو قیمت ادا کرے گا۔ اس کے ادا کرنے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا۔

[1] موطا امام مالک، دارقطنی

Marfat.com

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من اعتق نصیبًا اوشقصا فی مملوك فخلاصه علیه فی ماله ان کان له مال والا قوّم علیه فاستسعی به غیر مشقوق علیه [1] جس شخص نے کسی مشترک غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا پس اگر وہ مالدار ہے تو اس پر یہ واجب ہے کہ اپنے شرکاء کے حصوں کے بقدر مال ادا کر کے اس کو آزاد کر دے ورنہ اس کی قیمت مقرر کر لی جائے اور اس غلام سے بغیر کسی سخت مشقت کے اس کے لئے سعی وکسب کرایا جائے۔

گرہن کے وقت غلام آزاد کرنا: حدیث شریف میں آتا ہے امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعتاقة فی کسوف الشمس [2] یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سورج کے گرہن کے وقت غلام آزاد کیا جائے۔

غلاموں کی آزادی کے لئے بیت المال میں حصہ: اسلام نے صرف افراد کو آزاد کرنے کی ترغیب نہیں دی بلکہ بیت المال میں غلاموں کی آزادی کے لئے ایک مستقل مد مقرر کر دی۔

ارشاد الٰہی ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ زکوٰۃ صرف ناداروں کے لئے ہے اور مسکینوں اور اس کے کارکنوں کے لئے اور جن کے دل مائل کرنا ہے۔ اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرض داروں کے لئے اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لئے یہ اللہ کی طرف سے ضروری ٹھہرایا گیا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اس آیت میں ایک اسلامی حکومت پر یہ فرض ٹھہرایا ہے۔ کہ وہ زکوٰۃ کے مال میں سے ایک حصہ غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف کرے۔

مستقبل میں ہمیشہ کے لئے غلامی کو ختم کرنے کے متعلق تعلیم: گذشتہ صفحات میں میں بیان کر آیا ہوں کہ اسلام سے قبل غلام بنانے کے دو طریقے تھے:

[1] ابو داؤد باب فی العتق علی الشرط [2] بخاری باب ما یستحب من العتاقة فی الکسوف [3]

اول: جنگ کے دوران میں فاتح قوم مفتوح قوم کے مرد و زن کو غلام بنا کر ان کی متاع آزادی کو ہمیشہ کے لئے سلب کر لیتی۔

دوم: جنگ نہ ہو تب مختلف حربوں سے طاقت در کمزوروں کی آزادی کو چھین لیتے تھے۔ مثلاً چوری چھپے یا علانیہ ڈاکہ ڈال کر مرد و زن کو لے بھاگنا، یا چھین لینا یا خرید لینا۔

اسلام نے نسل انسانی کو غلام بنانے کے تمام طریقوں سے نجات دلائی اور غلامی کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔

غلام بنانا حرام فعل ہے: طریقہ دوم یعنی طاقت ور کا کمزور لوگوں کو چوری چھپے یا علانیہ ڈاکہ ڈال کر یا خرید و فروخت کے ذریعہ غلام بنا لینے کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے: عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال تعالیٰ ثلاثۃ انا اخصمھم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرًّا فاکل ثمنہ ورجل استاجر اجیرًا فاستوفی منہ ولم یعط اجرہ[1] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ سے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا:

اول: وہ شخص جو میرا واسطہ دے کر کسی سے کوئی عہد باندھتا ہے اور پھر اس عہد کو توڑتا ہے۔

دوم: وہ شخص جو کسی آزاد شخص کو غلام بناتا ہے اور اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھا جاتا ہے۔

سوم: وہ جو کسی شخص کو کام پر لگاتا ہے اور پھر اس سے کام تو پورا لے لیتا ہے مگر اس کی مزدوری نہیں دیتا۔

دوسری روایت یوں ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے روایت کی کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کی نماز قبول نہ کی جائے گی اور میں ان سے

[1] بخاری کتاب البیع

Marfat.com

سے قیامت کے دن لڑوں گا۔

اول: وہ شخص جو میرا واسطہ دے کر کسی سے کوئی عہد باندھتا ہے اور پھر بدعہدی کرتا ہے۔

دوم: وہ جو اسے غلام بناتا ہے جسے خدا نے آزاد رکھا ہے۔

سوم: وہ جو مزدور سے تو پورا کام لیتا ہے اور پھر اس کی مزدوری نہیں دیتا۔[1]

قرآن مجید میں بھی چوری چھپے یا علانیہ ڈاکہ ڈال کر کسی کو آزادی سے محروم کر دینا ناجائز قرار دیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ [2] ایک نبی کے لئے شایان نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں جنگ کر کے غالب نہ آئے۔ تم دنیا کا مال چاہتے ہو۔ اور اللہ تمہارے لئے آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے پہلے سے حکم نہ ہو چکا ہوتا تو تم کو اس بارے میں جو تم کرنے لگے تھے بھاری عذاب پہنچ کر رہتا۔

ہجرت کے بعد جب کفار مکہ مسلمانوں کی تباہی کے منصوبے تیار کرنے لگے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے ایک چھوٹی سی جماعت بھیجی۔ انہیں کفار مکہ کے تین آدمی مل گئے جن پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا اور ایک کو قتل کیا اور دو کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حملہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ مقتول کا تو خون بہا آزاد کیا۔ اور قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس طرح جب مسلمان جنگ بدر کے لئے نکلے تو اسلامی فوج میں بعض مسلمانوں کا خیال ہوا کہ فوج سے نبرد آزما ہونے کی بجائے قافلہ پر حملہ کر دیا جائے۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ سوائے جنگ کے اور کسی طریقے سے قیدی نہیں بنائے جا سکتے۔

[1] ابوداؤد بروایت فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۳۴۶ [2] الانفال ۸: ۶۷، ۶۸

اللہ تعالیٰ نے جنگ کے سوا دوسرے طریقوں کے ذریعے غلام بنانے کو "عرض الدنیا" کے الفاظ سے پکارا ہے۔ اور "لولا کتب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم فیہ عذاب عظیم" کے الفاظ میں تنبیہ کی ہے کہ اب وہ زمانہ گذر چکا ہے کہ جب تم تو محض دنیاوی اغراض کے لئے آزاد انسانوں کو متاع زیست سے محروم کر دیتے تھے جنگ کے سوا اور کسی طریقے سے قیدی بنانا عذاب عظیم کا موجب ہے۔

اسلام نے چوری چھپے یا کھلم کھلا خرید و فروخت کے ذریعہ آزاد انسانوں کو آزادی کی نعمت سے محروم کر دینے کو ناجائز اور مستوجب عذاب عظیم قرار دے دیا ہے۔ باقی رہا طریقہ اوّل کہ جنگ کے ذریعہ قیدی بنانا۔

سو اس کے متعلق اسلام نے ایسی پُرحکمت تعلیم دی ہے جس سے خودبخود غلامی کی رسم حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہے۔

اسلام نے صرف مدافعانہ جنگ کی اجازت دی ہے اور ملک کشائی اور زیردستوں کو محض زیر اور غلام بنانے کے لئے اجازت نہیں دی۔ ارشاد الٰہی ہے: قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ [1] اور اللہ کے رستہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ اور حد سے نہ بڑھو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ آیت اسلامی جنگوں کی نوعیت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ محض مدافعانہ تھیں، ملک کشائی اور قیدی بنانے کے لئے نہیں لڑی گئی تھیں۔

پھر جنگ کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ [2] اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی اس کی طرف جھک جا اور اللہ پہ بھروسہ رکھ۔

اول تو اسلام کسی سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیتا اگر کوئی زبردستی حملے کر کے چڑھ آئے تو اس وقت اس کے شر سے بچنے کے لئے جنگ کرنا ضروری ہے لیکن پھر بھی اسلام کہتا ہے۔ اگر حملہ آور صلح کی طرف مائل ہو جائے تو فوراً صلح

[1] البقرہ ۲: ۱۹۰ [2] الانفال ۸: ۶۱

Marfat.com

کر لینی چاہیئے۔

پس ان آیات میں جنگ کے ذریعہ کمزور قوموں کو غلام بنانے کے طریقہ کو ہمیشہ کے لئے مسدود کر دیا ہے۔ اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ اگر جنگ چھڑ جائے اور جنگ میں قیدی پکڑے جائیں کیا وہ ہمیشہ کے لئے اپنی متاع آزادی سے محروم ہو جائیں گے اور فاتح قوم کے غلام بن جائیں گے۔

اسلام نے اس کا جواب نہایت ہی عمدہ پیرائے میں دیا ہے جس سے رسم غلامی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا [1] سو جب تمہاری کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے تو گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان پر غالب آجاؤ تو قید میں مضبوط باندھ لو پھر بعد میں یا تو احسان کے طریق پر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔

اس آیت کریمہ میں قیدیوں کے متعلق واضح حکم دے دیا کہ یہ قید عارضی ہوگی جب جنگ ختم ہو جائے گی۔ یا تو ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا ہوگا۔ یا احسان کے طور پر۔

احسان کو مقدم رکھا ہے جس میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ جنگ کے قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دینا چاہیئے۔

اس آیت نے قطعی فیصلہ دے دیا ہے کہ جنگی قیدی محض عارضی قیدی ہیں جنگ کے اختتام پر ان کا چھوڑ دینا ضروری ہے۔

مذکرہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ کے سوا غلام بنانا موجب عذاب عظیم ہے۔ اگر رفع شر کے لئے جنگ ناگزیر ہو جائے تو اگر جنگ میں قیدی پکڑے جائیں تو ان کی قید عارضی ہوگی۔ اختتام جنگ پر یا تو ان قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دینا ہوگا یا فدیہ لے کر۔

[1] محمد ۴۷:۴

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل: جب اسلامی غزوات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسیران جنگ کو یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دیا یا فدیہ لے کر۔

غزوہ بدر میں جتنے قیدی ہاتھ آئے بعض سے معاوضہ لے کر اور بعض کو بغیر معاوضہ کے رہا کر دیا۔ جن قیدیوں کو بلا معاوضہ رہائی دی گئی تھی ان میں سے ابوعزہ عمرو الجمحی بھی تھا۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ نظمیں لکھا کرتا تھا۔

غزوہ حنین میں چھ ہزار قیدی رہا کئے تھے۔ غزوہ بنی المصطلق میں چھ سو قیدی گرفتار ہوئے اور سب کو دفعتاً آزاد کر دیا گیا۔

فتح مکہ کے وقت ان تمام کفار کو جو آپ کے جانی دشمن تھے اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے مدینہ پر کئی بار حملہ کر چکے تھے **لا تثریب علیکم الیوم** کہہ کر معاف کر دیا۔ انہی میں سے ہندہ بھی تھیں جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ، عبداللہؓ بن ابی سرح، سارہ اور کعب بن زہیر بھی جو اسلام دشمنی میں سرخیل کفار تھے معاف کر دیئے گئے۔

غزوہ طائف میں جتنے قیدی آپ کے پاس آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو آزاد کر دیا۔ حضرت ابن عباس کے الفاظ یہ ہیں: اعتق صلی اللہ علیہ وسلم یوم الطائف کل من خرج الیہ من رقیق المشرکین یعنی طائف کے دن مشرکوں کے جتنے غلام رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے سب کو آزاد کر دیا۔ پس اسلام کی اس تعلیم نے غلامی کی رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور ان تمام طریقوں کو کلیتہً بند کر دیا جن کے ذریعہ غلام بنائے جا سکتے تھے۔

آزاد شدہ غلاموں کا اسلامی سوسائٹی میں مقام: اسلامی سوسائٹی میں آزاد شدہ غلام ویسے ہی معزز و مکرم سمجھے جاتے تھے جیسے دوسرے آزاد شہری اور ان کو وہی حقوق حاصل تھے جو دوسروں کو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ اور ان کے بیٹے اسامہؓ کو جنگی مہموں میں سپہ سالار

Marfat.com

مقرر کیا اور جلیل القدر اور صاحب عزت صحابیوں کو ان کے ماتحت رکھا۔ اس سے بڑھ کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حقیقی خالہ زاد بہن زینبؓ بنت جحش کو حضرت زیدؓ کے نکاح میں دے دیا۔ سالمؓ بن معقل مولی ابی حذیفہ جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ ان چار قاریوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو رسول کریم صلعم نے قرآن مجید کی تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کو ہمیشہ "سیدنا" کے لفظ سے پکارا کرتے تھے۔

غلاموں کو یک لخت کیوں آزاد نہ کیا گیا؟ مقبوضہ غلاموں کی تدریج آزادی حکمت بالغہ پر مبنی ہے۔ فوری آزادی صرف آقاؤں کے لئے ہی باعث مضرت نہ تھی بلکہ غلاموں کے لئے بھی نقصان دہ تھی اور سوسائٹی کے تمدن اور اخلاق کے لئے تباہ کن تھی۔ وہ لوگ جو پشتوں سے غلامی کی زندگی بسر کرتے چلے آرہے تھے ان میں نہ صرف آزادی کی روح ہی فوت ہو چکی تھی بلکہ ان کے قوائے عملیہ بھی مضمحل ہو چکے تھے اگر ان کو خالی ہاتھ رہا کر دیا جاتا تو لاکھوں مرد وزن بے خانماں ملک میں پھرتے ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہوتا۔ نتیجہ یہ نکلتا یا تو وہ گداگی کی زندگی بسر کرتے یا ڈاکہ زنی سے بسر اوقات کرتے۔ اس طرح ملک کا تمدن اور اخلاق تہ و بالا ہو جاتا۔ ان قباحتوں سے بچنے سے غلاموں کی اصلاح کے لئے دو طریقے اختیار کئے۔

۱۔ فوری اصلاح، اور

۲۔ تدریج اصلاح

فوری اصلاح یہ کہ غلام کے مرتبہ کو بلند کر دیا۔ آقاؤں کو یہ حکم دیا کہ جو وہ کمائیں وہی غلاموں کو کھلائیں جو خود پہنیں وہی غلاموں کو پہنائیں ان کی لیاقت سے بڑھ کر کام نہ دیں۔ اگر وہ کام میں مشقت محسوس کریں تو ان کا ہاتھ بٹائیں۔ آقا اور غلام کے درمیان ایک کامل اخوت قائم کر دی۔ وہ پستی جو غلامی کی وجہ سے غلاموں کی روح میں رچی ہوئی تھی رفعت میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اپنے آپ کو معاشرہ کے باعزت رکن سمجھنے لگے۔

دوسری اصلاح تدریج تھی یعنی جیسے جیسے غلام سوسائٹی کے مفید رکن بنتے چلے جائیں ان کو مکاتبت کے ذریعہ یا گورنمنٹ کے خزانے سے یا عوام کی جیبوں سے

Marfat.com

آزادی بخشی جائے۔

اسلام کا یہی منشاء تھا کہ پہلے غلاموں کی حالت بہتر بنائی جائے پھر ان کو آزاد کیا جائے۔ قرآن اور حدیث دونوں سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ اور جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں ان میں سے جو آزادی کی تحریر مانگیں تو انہیں لکھ دو۔ اگر تم ان میں بھلائی جانتے ہو اور ان کو اللہ کے مال سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں یحییٰ بن کثیر روایت بیان کرتے ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا قال ان علمتم فیھم حرفۃ ولا ترسلوھم کلا علی الناس ؎۲ یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جو قرآن شریف میں آتا ہے کہ "اگر تم غلاموں میں بھلائی پاؤ تو ان سے مکاتبت کرو۔ بھلائی سے مراد پیشہ وغیرہ کی اہلیت ہے اور فرمایا تم ان کو ایسی حالت میں مت چھوڑو کہ وہ لوگوں پر بوجھ ہوں۔

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ای الرقاب افضل۔ یعنی آزاد کرنے کے لئے کون سا غلام سب سے افضل ہے۔ فرمایا جو سب سے زیادہ گراں قیمت ہوں اور مالک کے نزدیک سب سے زیادہ قابل قدر ہو۔

ان الفاظ میں غلاموں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مفید اور قیمتی فرد بنائیں تاکہ ان کی آزادی کے لئے راہ ہموار ہو سکے کیوں کہ آزادی کا سب سے پہلے وہی غلام مستحق ہے جو مفید ہو۔

اسلامی بیت المال میں غلاموں کے لئے ایک مد مقرر کر دی تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکیں۔ ماوردی لکھتے ہیں: ؎۳

؎۱ النور ۲۴: ۳۳ ؎۲ ابو داؤد بحوالہ تفسیر ابن کثیر زیر آیت مکاتبت

؎۳ الاحکام السلطانیہ صفحہ ۲۰۸

Marfat.com

"زکوٰۃ میں پانچواں حصہ غلاموں کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مکاتبین کو رقم دی جائے۔ جس سے خود کو آزاد کر لیں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ غلام خرید کر آزاد کئے جائیں ۔"[1]

پس عہد نبویؐ میں غلاموں کی اصلاح کے یہی دو طریقے مفید تھے جو اسلام نے اختیار کئے۔ ان طریقوں سے ایک تو غلامی کی رسم مٹ گئی۔ دوسرا سوسائٹی کا تمدن اور اخلاق بھی تباہ نہیں ہوا۔

پانچواں وصف

شوریٰ

حضرت امام راغبؒ "شوریٰ" کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"شوریٰ کا مفہوم آراء کا حاصل کرنا ہے اس کے لئے پہلے دو سمتیں متعین ہوتی ہیں۔ ایک سمت رائے لینے والے ہوتے ہیں دوسری طرف رائے دینے والے ایک سمت اپنی ذمہ داریوں کے دائرہ میں مہم معاملات سے دوچار ہے۔ ایسی حالت میں ایک سمت کے اصحاب دوسری سمت کے لوگوں سے رائے طلب کرتے ہیں اور سلامتی و کامیابی کے لئے ایک فیصلہ پر پہنچ جاتے ہیں پس اسی کا نام شوریٰ ہے۔"[2]

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی شوریٰ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"شوریٰ کی روح یہ ہے کہ جماعت کے افراد میں سے ہر فرد اپنے علم اور قابلیت کے مطابق اپنی آراء اور خیالات پیش کر دیتا ہے ایک دوسرے کے نظریات آپس میں ملتے ہیں اور اس سے ایک اچھا فیصلہ ہاتھ آجاتا ہے۔"[3]

---

[1] الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۸۳ [2] معزدات القرآن لفظ شوریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۵ [3] تفسیر مظہری آل عمران جلد ۲ صفحہ ۱۶۲

Marfat.com

شوریٰ کی اہمیت از روئے قرآن مجید: رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ [1] معاملات میں ان کا مشورہ لے دوسری جگہ مسلمانوں کے اجتماعی تعامل کے متعلق آتا ہے: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ [2] اور ان کا کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے۔

شوریٰ کی اہمیت از روئے حدیث: ما شاور قوم الا هدوا [3] جس قوم نے باہمی مشورہ کیا اس قوم نے فلاح پائی۔

حضرت عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب شوریٰ کا حکم آیا تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ اللہ اور اس کا رسول شوریٰ سے بے نیاز ہیں مگر شوریٰ کا یہ حکم اس لئے ہے تاکہ امت کے لئے رحمت ہو۔ اس کے بعد امت کا جو فرد رائے اور مشورہ طلب کرے گا کبھی اعلیٰ درجہ کی راہنمائی سے محروم نہ ہوگا اور جو شوریٰ کو ترک کرے گا وہ کبھی غلط راہ سے نہ نکلے گا۔ [4]

حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر ہم کوئی چیز کتاب وسنت میں نہ پائیں تو کیا کریں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قانون جاننے والے عبادت گذار سے مشورہ کرو۔ پھر یہ ہدایت فرمائی۔ لا تمضوا فيه رای خاصة یعنی ایسے موقعہ پر کسی شخص کی انفرادی رائے کو نافذ نہ کرنا (اعلام الموقعین جلد ا صفحہ ۴۵)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے ما رایت احدا اکثر مشورة لاصحابه من النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اپنے اصحاب سے مشورہ کرتا ہو۔

بزرگان دین کی نظر میں شوریٰ کی اہمیت: ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ:

> "رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم قانون شوریٰ پر عامل تھے تم بھی اس پر عمل کرنا" [5]

---

[1] آل عمران ۳: ۱۵۸ [2] الشوریٰ ۴۲: ۳۸ [3] طبرانی۔ کنوز الحقائق حدیث ۸۷

[4] بیہقی شعب الایمان عن ابن عباس [5] تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۱۶۱

Marfat.com

سقیفہ کے شوریٰ میں حضرت عمرؓ نے عوام کو یہ فرمایا فمن بایع عن غیر مشورۃ المسلمین فانہ لا بیعۃ لہ (سیرۃ ابن ھشام ج۲ ص۲۴۳) اگر مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کو خلیفہ بنایا گیا تو یہ فیصلہ کالعدم ہوگا۔

خلفائے راشدین کا یہی تعامل تھا کہ جب کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تو لوگوں کو مسجد میں جمع کیا جاتا اور ان کے سامنے پیش آمدہ مسئلہ رکھ دیا جاتا تو ان سے رائے طلب کی جاتی۔ کثرت رائے سے جو طے ہوتا وہی فیصلہ نافذ کر دیا جاتا تھا۔

علامہ شوکانی یمانی لکھتے ہیں کہ:

"مسلمان اجتماعی نظم کے ساتھ شوریٰ سے کام لیتے تھے جلد بازی اور مطلق العنانی کے ساتھ انفرادی رائے سے کام لینا ان کی روایات میں داخل نہیں ہے۔" [1]

ابن خوز بنداد لکھتا ہے کہ:

"امیر حکومت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ قانون شوریٰ سے قوت حاصل کرے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ امیر حکومت کسی معاملہ میں اتنی واقفیت اور مہارت نہ رکھتا ہو جس قدر معاشرہ کے دوسرے افراد رکھتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی قوم پر صورت حال مشکلات سے پُر ہو جائے دونوں صورتوں میں شوریٰ کا انعقاد اور ماہرین علم و فن کی رائے لینا ضروری ہے۔ جنگی معاملات میں فوج کے کمانڈروں سے مصالح عامہ کے سلسلہ میں عوام کے نمائندوں سے مملکت کے نظم اور تعمیر و ترقی کے معاملہ میں اول درجہ کے مدبروں، دفتری حکام، انتظامی افسروں اور وزیروں سے شوریٰ میں رائے لینی چاہیئے۔" [2]

شوریٰ کی غرض و غایت: علمائے اسلام نے شوریٰ کی غایتوں کے اظہار کے لئے حسب ذیل الفاظ بیان کئے ہیں:

۱۔ الاستظھار برایھم (استصواب رائے عامہ) یعنی شوریٰ سے رائے عامہ کا اظہار ہوتا ہے۔

---

[1] فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۵۲۶ [2] فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۶۰

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

۲۔ التطییب لانفسھم (اطمینان قلب) شوریٰ کے فیصلہ سے رائے عامہ مطمئن ہوجاتی ہے۔

۳۔ ان تکون سنۃ یعن لامۃ تکوینِ قانون عامہ یعنی امت کے لئے واجب التعمیل قانون بن جائے۔

۴۔ ارشاد للاجتہاد (اجتہاد) شوریٰ سے درست نتائج تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔[۱]

شوریٰ کی قانونی صورتیں

۱۔ عمومی اجلاس: جو رائے عامہ کے مطالبہ پر منعقد ہوتا ہے جیسے شوریٰ سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا انتخاب اس شوریٰ میں ہوا۔

۲۔ باضابطہ رسمی اجلاس: جو رئیس حکومت کی طرف سے کسی اہم معاملہ کے پیش کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے جیسا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر اور غزوہ احد سے قبل مسلمانوں کو جمع کر کے کفار سے لڑائی کرنے کے متعلق رائے طلب کی تھی۔

۳۔ مشورہ اہل حل وعقد: چند افراد ہم رائے ہو کر رئیس حکومت سے ملتے ہیں اور اپنے مشورہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت اسامہؓ کی زیر کمان لشکر شام کی طرف جانے والا تھا تو بعض اکابر صحابہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کہا۔ حضرت اسامہؓ نوجوان ہے۔ ملکی حالات کے پیش نظر اس قیادت کو تبدیل کر دینا چاہیئے۔ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اہل حل وعقد کے مشورہ سے ہوا تھا۔

۴۔ مشورہ فرد: صرف ایک آدمی ہی امیر کو مشورہ دیتا ہے جس کو منظور کر لیا جاتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں ایک خاص جگہ خیمہ زن

---

[۱] البحر المحیط ابوحیان اندلسی جلد ۳ صفحہ ۹۸، روح المعانی علامہ آلوسی جلد ۴ صفحہ ۹۴، ۹۵ تعریفات سید شریف صفحہ ۵

Marfat.com

ہونے کا فیصلہ کیا تو حضرت خبابؓ بن منذر نے فوراً عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا اس جگہ خیمہ زن ہونے کا فیصلہ وحی الٰہی پر مبنی ہے یا آپ کا ذاتی فیصلہ ہے؟ رسول کریم صلعم نے جواب دیا یہ میرا ذاتی فیصلہ ہے۔ تب حضرت خبابؓ بن منذر نے مشورہ دیتے ہوئے کہا یہ جگہ غیر موزوں ہے۔ یہاں سے لشکر کو لے کر چلیں اور فلاں جگہ خیمہ زن ہوں۔ رسول کریم صلعم نے مشورہ سنا اور اس پر اتفاق کر کے فوجوں کی فرودگاہ بدل لی۔

۵۔ **نمائندہ اسمبلی:** قوم کے نمائندے جمع ہو کر کسی مسئلہ پر رائے دیتے ہیں جیسا کہ جنگ ہوازن کے چھ ہزار جنگی قیدیوں کو رہا کرنے کے متعلق نمائندوں نے فیصلہ کیا۔

۶۔ **استصواب رائے عامہ:** اس صورت پر بڑے پیمانہ پر رائے عامہ طلب کی جاتی ہے اور جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا عام اعلان کرنے سے قبل مدینہ میں رائے عامہ معلوم کی۔ پھر جب دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں زیادہ لوگ ہیں۔ تب ان کی خلافت کا اعلان کیا۔

چھٹا وصف

عدل

عدل کے لغوی معنی ہیں دو حصوں کو اس طرح تقسیم کرنا کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا بھر بھی کمی بیشی نہ ہو۔

اسلامی اصطلاح میں عدل کی تعریف سید شریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"عدل افراط اور تفریط کے درمیان ایک نقطۂ مساوات ہے جو اطراف کو برابر رکھتا ہے اور حق پر آ کر رک جاتا ہے۔"

عدل کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ **سماجی عدل:** یعنی وہ عدل جس کا اثر سوسائٹی پر پڑتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ [1] اور اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی یا جس کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں۔

یہ آیت تعدد ازدواج سے متعلق ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ایک سے زائد بیویوں کے مابین عدل و انصاف قائم نہ رکھ سکتا ہو تو وہ ایک ہی بیوی سے شادی کرے کیوں کہ عائلی زندگی کے امن کا دارومدار عدل و انصاف پر ہے۔

یتامیٰ کے حقوق کو عام طور پر پامال کر دیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے متعلق فرمایا:

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ [2] یہ کہ یتیموں کے معاملہ میں عدل پر قائم رہو۔

۲۔ قانونی عدل: قانونی عدل سے مراد یہ ہے کہ عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کو برقرار رکھا جاتا ہے۔

تحریر و دستاویز کے متعلق حکم: وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ [3] اور تمہاری باہمی قرارداد کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ [4]
پھر جس شخص پر حق ہے (جس کے ذمہ قرض ہے) کم عقل یا ضعیف ہو، یا لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف سے لکھے۔

۳۔ شہادت کے حکم کے متعلق: شہادت دیتے وقت عموماً لوگ جنبہ داری سے کام لے جاتے ہیں۔ اسلام اس حالت میں بھی عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى [5]۔

تصفیہ کرنے کے متعلق حکم: فریقین کے درمیان انصاف کرنے کے بارہ میں

---

[1] النساء ۴: ۳ [2] النساء ۴: ۱۲۷ [3] البقرہ ۲: ۲۸۲ [4] البقرہ ۲: ۲۸۲
[5] انعام ۶: ۱۵۲

Marfat.com

قرآن مجید میں آتا ہے: وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ [1]

اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو۔ پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے پس اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو اور انصاف کرو کیوں کہ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ [2]

اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى [3]

آزاد کا بدلہ آزاد سے غلام کا بدلہ غلام سے اور عورت کا بدلہ عورت سے لیا جائے۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ قانون کی نظر میں سب لوگ یکساں ہیں۔ عہد نبوی کا مشہور واقعہ ہے کہ قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش کو یہ بات ناگوار گزری کہ ان کے قبیلہ کی کسی عورت کو سزا ملے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت اسامہؓ سے کہا کہ وہ رسول کریم صلعم کی خدمت میں جا کر سفارش کریں۔ جونہی حضرت اسامہؓ نے اپنا مدعا بیان کرنے کے لئے زبان کھولی۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور لوگوں کو بلا کر ایک بلیغ خطبہ دیا فرمایا: انما هلك الذين قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد وايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها [4] کہ تم سے پہلے ایسے لوگ ہلاک کر دیئے گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے معاف کر دیتے اگر کوئی کمزور

---

[1] الحجرات ۴۹: ۹، ۱۰ [2] البقرہ ۲: ۱۷۸ [3] بخاری و مسلم

Marfat.com

چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے قسم بخدا اگر فاطمہ بنت محمد صلعم بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں۔

اقتصادی عدل: اقتصادی عدل سے مراد وہ لائحۂ عمل ہے جس کے تحت ملک کے ہر فرد کو قومی دولت سے برابر کا استفادہ کرنے کا موقعہ میسر ہو اور ایسے اصول وضع کر دیئے جائیں جن کی وجہ سے دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو سکے۔

اسلام نے دنیا اور مافیہا کی ہر چیز کو اللہ کی امانت قرار دیا ہے۔ ملکیت انسان کے پاس امانت ہے تاکہ وہ اس سے اللہ تعالےٰ کے قانون کے تحت فائدہ اٹھائے۔

ارشاد الٰہی ہے اِنَّ الارض للّٰہ زمین اللہ کی ہے والارض وضعھا للانام اور زمین مخلوق کے فائدہ کے لئے بنائی ہے: ولقد مکنّٰکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش اور ہم نے تم کو زمین پر آباد کیا اور اس میں تمہارے لئے معیشت کے سامان رکھ دیئے۔

وللّٰہ خزائن السموت والارض۔ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان خزانوں سے ہر شخص کو فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ [1] خدا کے فضل (رزق) کی تلاش کے لئے زمین میں پھیل جاؤ۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ [2] مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعملوا فکل میسر لما خلق لہ [3] عمل کرو ہر شخص کے لئے وہ کام آسان ہے جس کی وہ استعداد و حیثیت رکھتا ہے۔

اجملوا فی طلب الدنیا فان کلا میسر لما خلق لہ [4] دنیا کی طلب اپنی صلاحیت کے مطابق کرو اس لئے کہ جس کے لئے آدمی پیدا کیا گیا ہے وہ ضرور اس کو ملے گا۔

---

[1] جمعہ: ۱۰ [2] النساء: ۳۲ [3] طبرانی [4] بخاری و مسلم

جائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت میں بھی دوسری مخلوق کا حصہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ [1] اور ان کے مالوں میں سوالی اور نہ مانگنے والے محتاج کا حق ہے۔

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ [2] وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دیجیئے جو کچھ ضروریات اور حاجات سے زیادہ ہو وہ غرباء کی حالت سدھارنے کے لئے خرچ کریں۔

اسلام جائز ذرائع سے دولت کمانے کی تو اجازت دیتا ہے لیکن باطل اور ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

ارشاد الٰہی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [3] اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔ اسلام نے صرف ناجائز ذرائع سے دولت کمانا ہی منع نہیں فرمایا بلکہ جائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو بھی جمع کر رکھنا اور بازار میں نہ لانا بھی ناجائز ٹھہرایا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ [4] اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: المحتکر ملعون [5] ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔

اسلام نے اجتماعی مفاد کے لئے جائز طریقے سے کمائی دولت کو تقسیم کرنے کی تعلیم دی ہے وہ طریقے یہ ہیں:

۱۔ زکوٰۃ
۲۔ صدقات
۳۔ تقسیم ترکہ

---

[1] الذٰریٰت ۵۱: ۱۹ [2] البقرہ ۲: ۲۱۹ [3] النساء ۴: ۲۹ [4] التوبہ ۹: ۳۴ [5] ابن ماجہ

Marfat.com

۴۔ وصیت۔

ساتواں وصف

امن و دفع شر

اسلامی ریاست کا ایک وصف ظلم و فساد کو دور کر کے دنیا میں امن کا قیام ہے۔ یہ وصف اسلام کے نام کے اندر مضمر ہے۔ اسلام کے لغوی معنی صلح کے اندر داخل ہونا ہیں۔ مسلم وہ ہے جو خدا اور اس کے بندوں سے صلح کرے

قرآن مجید میں آتا ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً [۱] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم سارے کے سارے سلامتی کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا [۲] اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی جھک جا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی عیال اللہ [۳] اللہ کے احکام کی تعظیم کرنا اور اللہ کی مخلوق سے محبت کرنا۔

انسانوں سے محبت کرنے کے بارے میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ [۴]
ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

یقول اللہ ان کنتم تریدون رحمتی فارحموا خلقی [۵]
اللہ کہتا ہے اگر تم میری رحمت کی امید کرتے ہو تو میری مخلوق پر رحم کرو۔

امن کا فروغ ہی طاغوتی طاقتوں کو دبانے سے ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد

---

[۱] البقرہ ۲: ۲۰۸ [۲] الانفال ۸: ۶۱ [۳] بیہقی کتاب الایمان [۴] بیہقی کتاب الایمان [۵] کنوز الحقائق حمزت الاولیاء

Marfat.com

الٰہی ہے: قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ [1] (ان طاغوتی طاقتوں سے) جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو۔ پھر اگر طاغوتی طاقتیں رک جائیں تو سزا ظالموں کے سوا اور کسی کے لئے نہیں۔

اگر طاغوتی طاقتوں کو زیر نہ کیا جائے تو دنیا ظلم و فساد سے بھر جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اگر اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے ذریعہ طاغوتی طاقتوں کو دفع نہ کرتا تو آسمان اور زمین کا تمام نظام برباد ہو جاتا۔

ترمذی میں ایک روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کو ظلم سے منع نہ کریں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ سب کو عذاب میں مبتلا کر دے۔

آٹھواں وصف

رواداری

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اسلام وحدت انسانی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اس پیغام کو فروغ اور تقویت دینے کے لئے اسلام مذہبی اور سیاسی رواداری کی تعلیم دیتا ہے یہی تعلیم امن عالم کی ضامن ہے۔

مذہبی رواداری: اسلام دوسرے مذاہب کے متعلق یہ تعلیم دیتا ہے کہ تمام آسمانی مذاہب خدا کی طرف سے ہیں اور ان کے بانیوں اور کتب پر ایمان لانا ضروری ہے اس وقت تک مسلمان دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا جب کہ پہلی کتب اور رسولوں پر ایمان نہیں لاتا۔

قرآن مجید میں آتا ہے: وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ [2] اور جو ایمان لائے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔

---

[1] البقرہ ۲: ۱۹۳ [2] البقرہ ۲: ۴

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ [1]

تم کہو ۔ ہم اللہ پر ایمان لائے ، اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا ، اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوب (علیہم السلام) اور اس کی اولاد کی طرف اتارا گیا اور اس پر جو نبیوں کو اپنا رب کی طرف سے دیا گیا ۔ ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے ۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ [2]

جو اس کے رب سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن بھی سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ۔ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے ۔

قرآن مجید کی واضح تعلیم ہے کہ تمام قوموں میں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے ہیں ۔ ارشاد الٰہی ہے : وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ [3]

اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گذر چکا ہے ۔

سیاسی رواداری : وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَاْمَنَہٗ [4] اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دو ۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دو ۔

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ [5]

اللہ تمہیں ان سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں اپنے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان سے احسان کرو اور ان سے انصاف کرو

---

[1] البقرہ ۲ : ۱۳۶ [2] البقرہ ۲ : ۲۸۵ [3] فاطر ۳۵ : ۲۴ [4] البقرہ ۹ : ۶ [5] الممتحنہ ۶۰ : ۸

Marfat.com

اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔

وفد نجران علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخلوا علیہ مسجدہ بعد العصر فحانت صلاتھم فقاموا یصلون فی مسجدہ فاراد الناس منعھم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوھم فاستقبلوا المشرق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عصر کے وقت نجران کا وفد آیا۔ آپ نے اس کو مسجد میں جگہ دی۔ ان کی نماز کا وقت آیا تو مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے ان کو منع کرنا چاہا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روک دیا۔ پھر وہ مشرق کی طرف منہ کرکے عبادت کرنے لگے۔[1]

---

[1] زاد المعاد فی ہدی خیر العباد

Marfat.com

Marfat.com

جہاد

و

تبلیغ

Marfat.com

جہاد

جہاد کے لغوی معنی لفظ جہاد جہد یا جُہد سے مشتق ہے جہد یا جاہد کے معنی ہیں ایک شخص نے کوشش کی محنت کی یا لیاقت خرچ کی ۔ جاھد فی الامر کے معنی ہیں اس نے خوب سعی کی ۔ اپنی لیاقت اور طاقت سے پورا کام کیا ۔ جہاد اصل مصدر ہے یعنی مشقت محنت تکلیف ۔ تھکان ۔

جوہری اپنی صحاح میں لکھتا ہے : جَاھَدَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ مُجَاھَدَۃً وَجِھَادًا اور نیز اجتہاد اور تجاہد کے معنی ہیں اس نے خوب زور لگایا اور جفاکشی کی ۔

فیومی مصنف مصباح المنیر لکھتا ہے : جاھد فی سبیل اللہ جہادا اور اجتھد فی الامر کے معنی ہیں اس نے اللہ کی راہ میں اپنی طاقت اور کوشش سے پورا پورا کام کیا ۔

امام راغب جہاد اور مجاہدہ کے معنی دشمن اور دفاع کے لیے طاقت خرچ کرنا لکھتا ہے پھر بیان کرتا ہے جہاد تین قسم پر مشتمل ہے (۱) کھلے دشمن کے خلاف (۲) شیطان کے خلاف (۳) نفس کے خلاف ۔

قرآن مجید میں جہاد اور اس کے مشتقات کے معنی :

جہد یا جہاد اور اس کے مشتقات قرآن کی مکی اور مدنی سورتوں میں آئے ہیں ۔

لفظ جہاد مکی سورتوں میں : وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (سورہ عنکبوت ۶۹) اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے ۔ اور اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔

اس آیت میں جاھدوا جو جہاد یا مجاہدہ سے مشتق ہے ۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔

وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ (سورۃ الحج آیت ۷۸) اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو جو کوشش کا حق ہے ۔ اس آیت میں بھی خدا کا قرب حاصل کرنے کے معنی میں لفظ جاھدو استعمال ہوا ہے ۔

Marfat.com

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (سورۃ الفرقان ۲۵:۵۲)
پس کافروں کی بات نہ مان ۔ اور اس قرآن کے ذریعہ ان کے ساتھ جہاد کر جو بڑا جہاد ہے اس آیت میں بِهٖ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف لوٹتی ہے

لفظ جہاد مدنی سورتوں میں : يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (سورۃ توبہ ۹ آیت ۷۳) اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان سے سختی سے پیش آؤ/ شدت اختیار کرو اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے ۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور منافقین دونوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے تاریخ اسلام اس امر پر شاہد ہے کہ منافقین کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی لڑائی نہیں کی اس آیت میں کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنا انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جس معنی میں یہ لفظ مکی سورتوں میں استعمال ہوا ہے سورۃ بقرہ میں آتا ہے ۔
ان الذین امنوا والذین هاجروا وجاهدوا فی سبیل الله (بقرہ آیت ۲۱۸)
اس آیت میں لفظ جاهدوا جو جہد یا جہاد سے مشتق ہے جنگ کے معنی میں استعمال ہوا ہے

حدیث میں لفظ جہاد کا استعمال : حدیث میں بھی یہ لفظ صرف جنگ کے معنوں میں ہی استعمال نہیں ہوا بلکہ دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو افضل جہاد قرار دیا ہے افضل الجهاد حج مبرور ۔ فرمایا بہترین جہاد حج مبرور ہے ۔

حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الجہاد والسیر کے عنوان کے تحت تبلیغ اسلام کے متعلق احادیث لائے ہیں مثلاً : دعا النبی صلعم الی الاسلام والنبوۃ وان لا یتخذ بعضهم بعضا اربابا من دون الله (بخاری ۱۰۶) حضرت نبی کریم کا مشرکین کو اسلام کی دعوت دینا اور یہ کہ وہ اللہ کے سوائے کسی اور کو معبود نہ بنائیں ۔

باب ۱۴۳ کا عنوان ہے : فضل من اسلم علی یدیه رجل اس شخص کی فضیلت جس کے ہاتھ پر کوئی شخص مسلمان ہو ۔

باب ۱۷۸ کا عنوان ہے : کیف یعرض الاسلام علی الصبی یعنی بچے کے

Marfat.com

سامنے کس طرح اسلام پیش کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری کے زمانہ تک لفظ جہاد وسیع تر معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے۔

جہاد کا لفظ جنگ کا مترادف نہیں مستشرقین جہاد کے معنی صرف کفار کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے ہی لیتے ہیں جیسا کہ جہاد کی لغوی بحث سے یہ واضح ہوتا ہے جہاد کا لفظ نہ قرآن میں نہ حدیث میں اور نہ لغت میں صرف جنگ کے معنی میں استعمال ہوا ہے بلکہ جنگ کے لیے عربی زبان میں حرب و قتال کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں عرب استعارہ اور تشبیہ کے طور پر یہ الفاظ (روع و فزع و خوف) شر (اصل معنی بدی کے ہیں) (دیکھو جہاد مولوی چراغدین) اہیاج (برانگیختگی) منغضبۃ (غصہ ناراضی) لڑائی کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اسی طرح جنگ کو چکی سے بھی تشبیہ دی ہے اذا دارت رحی الحرب الزبون جب جنگ کی چکی چلتی ہے۔

اس سے مستشرقین کا اعتراض خود دور ہو جاتا ہے: مستشرقین کا جہاد کے لفظ کو جنگ کے معنی میں استعمال کرنے کا صرف ایک مقصد ہے وہ یہ کہ اسلام کی اشاعت بزور شمشیر ثابت کریں چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں جہاد کے عنوان کے تحت لکھا ہے اسلام کی اشاعت بزور شمشیر عام طور پر مسلمانوں کا ایک مذہبی فریضہ ہے بالفاظ دیگر جہاد صرف جنگ ہی نہیں بلکہ اسلام پھیلانے کی غرض سے تلوار اٹھانے کا نام ہے۔

کلین نے ایجین آف اسلام میں لکھا ہے۔

> "جہاد یعنی منکرین اسلام کے خلاف اس مقصد کے لیے جنگ کرنا یا تو انہیں اسلام کے اندر جذب کر لیا جائے یا اگر وہ قبول اسلام سے انکار کریں تو انہیں مطیع و منقاد بنا لیا جائے اور ..... ان کی بیخ کنی کر دی جائے اور یہ کہ اسلام کی اشاعت اور اس کو تمام مذاہب پر غالب کرنا مسلمان قوم کا ایک مقدس فریضہ سمجھا جاتا ہے۔

اسلام نے کب جنگ کرنے کی اجازت دی: اسلام صرف مدافعت دین اور حفاظت خود اختیاری کے لیے لڑائی کی اجازت دیتا ہے قرآن مجید میں آتا ہے: اذن للذین

Marfat.com

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ (الحج ۳۹: ۴۰)

ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً اُن کی مدد پر قادر ہے۔ اور وہ اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کی ایک دوسرے کے ذریعہ مدافعت نہ کرتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت ذکر کیا جاتا ہے گرادی جاتیں۔

یہ آیات اس امر پر بین ثبوت ہیں۔ کہ مسلمانوں کی جنگیں دفاعی تھیں اور ان کو اس وقت اجازت دی گئی جب ان کی بقا اور زندگی خطرے میں تھی۔ کفار مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ مکہ میں کفار کا ظلم و ستم انفرادی طور پر تھا۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جاتے تھے لیکن جب مسلمان مدینہ میں ہجرت کر کے آگئے تو کفار نے لشکر کشی کے ذریعہ اسلام کو مٹا دینے کا تہیہ کر لیا۔ اس صورت میں بین الاقوامی قانون بھی یہی تقاضا کرتا ہے۔ کہ اپنی قومی بقا کے لیے لڑائی لڑی جائے

آیت ہم اسلامی جنگوں کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتی ہے۔ کہ اسلامی جنگیں صرف مسلمانوں کی اپنی مذہبی آزادی کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب کی آزادی کے لیے تھیں۔ اسلامی جنگوں کی غرض تمام مذہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت ہے عبادت گاہوں کی حفاظت مذہبی تحفظ پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت میں قیام امن کا نہایت ہی سنہری اصول بیان کیا ہے کہ اگر دنیا کے کسی حصے میں کسی مذہب کے ماننے والوں اور ان کی عبادت گاہوں کو دشمن کی طرف سے خطرہ لاحق ہو۔ تو مسلمانوں پر ان کی مدد کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

مستشرقین کی سمجھ اور ادراک پر افسوس ہے کہ وہ جنگیں جو قیام امن اور مذہبی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے لڑی گئی تھیں ان کو وہ بے رحمی اور ظلم کی جنگوں کا نام دیتے ہیں

سورۃ بقرہ میں آتا ہے۔ وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ

اسلامی کتب خانہ

Marfat.com

دِینِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (بقرہ آیت ۲۱۷) اور وہ ہمیشہ تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے لوٹا دیں اگر انہیں طاقت ہو۔

یہ آیت اس کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کافر مسلمانوں سے اس لیے جنگ لڑتے تھے کہ ان کو دین اسلام سے ہٹا دیں۔ یہ آیت مستشرقین کے اس اعتراض کی بیخ کنی کرتی ہے کہ مسلمانوں نے کفار کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کے لیے جنگیں کیں

پھر قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولاتعتدوا ان اللّٰہ لا یحب المعتدین (بقرہ) اور اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔ ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھنا بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اس آیت میں واضح طور پر اسلامی جنگ کا اصول بیان کیا ہے۔ کہ جنگ صرف انہی لوگوں سے جائز ہے۔ جو مسلمانوں کی قومی زندگی کو ختم کرنے کے لیے ہتھیار اٹھائیں اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ بھی اخلاقی تعلیم دی ہے کہ جنگ میں زیادتی نہ کی جائے۔

جنگ کا دوسرا داعیہ: اسلام نے ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی ہے جو نقض عہد کرتے ہیں یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ نقض عہد خرمن امن کو بھسم کر دیتا ہے۔ اور اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک معاہدات کی پابندی نہ کی جائے اسلام نے معاہدات کی پابندی پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا۔ (۱۴)

جب تم معاہدہ کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد انہیں نہ توڑو۔ اس آیت کے بعد معاہدہ توڑنے والوں کی مثال ایک بے وقوف عورت سے دی ہے جو سوت کاتتی ہے پھر کاتنے کے بعد تار تار کر دیتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَا تَكُوْنُوْا كالتی نقضت غزلها من بعد قوة انكاثا تتخذون ایمانكم دخلا بینكم ان تكون امة هی اربی من امة اے معاہدہ توڑنے والو تم اس عورت کی طرح نہ بن جاؤ۔ جو اپنے سوت کو کاتنے کے بعد تار تار کر دیتی ہے تم اپنی قسموں کو آپس میں مکر و فریب کا ذریعہ نہ بناؤ تاکہ ایک قوم دوسری قوم سے نفع میں بڑھ جائے

اسلام نے صرف اس قوم سے لڑنے کی اجازت دی ہے جو معاہدات کے کرنے کے بعد بار بار توڑتی ہے اور مسلمانوں کی بقا کے لیے خطرہ کا موجب بنتی ہے۔

Marfat.com

قرآن مجید میں آتا ہے ۔ اَلَّذِیْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ (۸ : ۵۶) وہ جن سے تو عہد کرتا ہے پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں وہ عہد کے توڑنے کے جرم سے نہیں بچتے ۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ (۸ : ۵۷) سو اگر تو ان کو جنگ میں پائے تو ان کو عبرتناک سزا دے کر منتشر کر دے تاکہ ان کی آنے والی نسلیں نصیحت حاصل کریں ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآىِٕنِیْنَ (۸ : ۵۸) اگر تجھے کسی قوم کی بدعہدی کا خوف ہو تو ان کا عہد برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی طرف پھینک دے اللہ عہد میں خیانت کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا ۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اسلام بدعہد قوم کے ساتھ بھی خیانت کی اجازت نہیں دیتا بلکہ یہ حکم دیتا ہے کہ معاہدہ قوم کی بدعہدی کا علم ہو جانے کے بعد ان کو برابر کا موقعہ دے کر معاہدہ سے دست برداری اختیار کر لی جائے ۔

رسول کریم صلعم اور آپ کے صحابہ کفار کی اذیتوں کی وجہ سے مکہ سے مدینہ ہجرت کر آئے تو آپ نے مدینہ میں یہود سے بھی معاہدے کئے ۔ اور گرد و نواح کے قبائل سے بھی معاہدے کئے تاکہ ہر گروہ امن کے ساتھ زندگی بسر کر سکے ۔

تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ یہود نے اپنے معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مدینہ پر حملہ آوروں کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کے لیے وہ مارِ آستین ثابت ہوئے ۔ رسول کریم صلعم نے ان کی بدعہدی کی وجہ سے ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا مسلمانوں کا بدعہد یہود سے مقابلہ کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ ان کو دائرہ اسلام میں داخل کیا جائے بلکہ یہ مقابلہ ان کی بدعہدی کی وجہ سے تھا ۔

رسول کریم صلعم نے مکہ پر حملہ اس وجہ سے کیا تھا کہ انہوں نے صلح حدیبیہ کی شرط کی خلاف ورزی کی تھی ۔ صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے اور بنو بکر قریش کے ۔ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا ۔ قریش نے ان کی مدد کی بنو خزاعہ اپنی مظلومیت کی داستان لے کر بارگاہ رسالت میں پہنچے رسول کریم

Marfat.com

صلعم نے ایک قاصد قریش کے پاس تین شرائط کے ساتھ بھیجا یا تو خون بہا دے دیں یا بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔ یا یہ اعلان کر دیں کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ گیا ہے۔ قریش نے تیسری شرط منظور کر لی۔

اب رسول کریم صلعم پر بنو خزاعہ کے ساتھ معاہدہ ہونے کی وجہ سے یہ فرض تھا کہ وہ ان کی مدد کرتے سو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدسیوں کے ساتھ مکہ پر حملہ آور ہوئے۔

کیا دنیا کا کوئی قانون اس حملہ کو جارحانہ حملہ کہہ سکتا ہے یا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ حملہ اس وجہ سے ہوا تھا کہ قریش کو دائرہ اسلام میں داخل کیا جائے۔

اسی طرح مشرکین عرب کے ساتھ اسلام کی مٹھ بھیڑ کی وجہ بھی نقض عہد تھا۔ مشرکین عرب جب موقع پاتے معاہدات کو پس پشت ڈال کر اسلام کی بیخ کنی کی کوشش کرتے رسول کریم صلعم قیصر روم کے حملہ کو روکنے کے لیے عرب کی شمالی سرحد تبوک پر گئے تھے تو مشرکین نے اس نازک موقعہ پر تمام معاہدات کو پس پشت پھینک دیا اور اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ ہرقل کی فوجیں بعض وجوہات کی بنا پر میدان جنگ میں نہ آئیں اور مسلمان بغیر لڑائی لڑے واپس آ گئے مشرکین اپنے منصوبے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

اس قسم کی غداریوں کی روک تھام کرنا ہر حکومت کا فرض ہے اس روک تھام کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا ہے: فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ (۹:۵) پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے دن ان مشرکین سے اعلان جنگ کیا اور حرمت والے چار ماہ کا نوٹس دیا تاکہ وہ لڑائی کی تیاری کر لیں۔ کیونکہ مشرکین معاہدات کو بار بار توڑنے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہے تھے کہ ان کو اس طرح کھلا چھوڑ دیا جائے۔ ان کو کھلا چھوڑنے کی وجہ سے امن میں خلل آتا تھا۔ اب صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ وہ مطیع ہو کر اسلامی حکومت کے تحت زندگی بسر کریں تاکہ ملک کا امن برقرار رہ سکے۔ اب کون سا بین الاقوامی

Marfat.com

قانون ہے جو اس قسم کی جنگ کو ناجائز قرار دے سکتا ہے اس قسم کی جنگیں قیام امن کے لیے ضروری ہیں۔ اگر یہ جنگیں نہ لڑی جائیں تو دنیا سے امن ہی اٹھ جائے جن قبائل نے معاہدات کی خلاف ورزی نہیں کی ان کو اعلان جنگ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے: اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ - (توبہ ۹: ۴)

مگر جب مشرکوں کے ساتھ تم نے عہد کیا۔ پھر انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ مشرکین کے ساتھ جنگ کی وجہ صرف عہد شکنی ہے نہ کہ کفر اور شرک۔ اگر جنگ کی وجہ صرف کفر اور شرک ہوتا تو کسی مشرک کو بھی اعلان جنگ سے مستثنیٰ قرار نہ دیا جاتا۔ پھر اس کے آگے صرف نقض عہد کو وجہ جنگ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (توبہ ۹: ۱۳)

تم ان لوگوں سے کیوں جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور رسول کے نکالنے کا قصد کیا اور انہوں نے پہلے تمہارے ساتھ ابتدا کی۔

تیسرا داعیہ

احترام انسانیت اور مظلوموں کی دستگیری: اسلام نے نہ صرف ظلم کرنے سے روکا ہے بلکہ مظلوم کی حمایت اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی تعلیم بھی دی ہے۔ جب دنیا سے ظلم کا قلع قمع نہ کیا جائے۔ تو دنیا میں نہ تو انسانیت کا احترام باقی رہ سکتا ہے اور نہ امن کا شجر ہرا رہ سکتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

عن ابی بکر قال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الناس اذا راؤ الظالم فلم یاخذوا علی یدیہ

Marfat.com

او شك ان يعمهم الله بعقاب منه (اخرجه الترمذی)
حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کو ظلم سے باز رکھنے کی کوشش نہ کریں تو اللہ سب کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ ظلم کا سدباب کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے قرآن پاک نے مظلومین کی حمایت میں جنگ کرنا لازمی قرار دیا ہے ارشاد ہے: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا۔ (سورۃ النساء ۴ آیت ۷۵) تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم اللہ کے راستہ میں جنگ نہیں کرتے اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔ اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی دوست بنا اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی مددگار اور معاون بنا۔

اس آیت میں اسلامی جنگ کا کتنا بلند اور مقدس مقصد بیان کیا ہے کہ دنیا کے کسی خطہ میں مردوں اور عورتوں کے حقوق کی پامالی ہو رہی ہو۔ خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، مسلمانوں کا یہ مذہبی فریضہ ہے کہ ان مظلوم انسانوں کو درندگی اور بہیمیت کے چنگل سے نجات دلائیں۔

چوتھا داعیہ: اسلام حریت انسانی کا جانفزا پیغام لے کر آیا ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے طاقتور حکومت کمزور حکومت پر زبردستی قبضہ حاصل کرنے کی مجاز نہیں دنیا کے امن کا سبب یہی طاقتور حکومتیں ہوتی ہیں جو ملک گیری کی ہوس کو پورا کرنے کے لیے کمزور ملکوں پر چڑھائی کر دیتی ہیں اور ان کو معصوم اور بے گناہ لوگوں کے خون سے رنگ دیتی ہیں۔ قرآن مجید نے اس قسم کی فتنہ سازی اور استعماریت کے خلاف جنگ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ (البقرہ ۱۹۳)

Marfat.com

تم ان سے لڑتے رہو جہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں پر دست درازی سے رک جاؤ۔

اسی مضمون کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (الحج) اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ نہ ہٹاتا۔ تو زمین میں فساد کا دور دورہ ہوتا لیکن اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے۔

اس آیت میں اسلامی جنگوں کا مقصد زمین سے فساد کی بیخ کنی اور امن کا قیام بیان کیا ہے۔

اگر دنیا کی تمام حکومتیں اسلام کے اس سنہری اصول پر عمل کر کے باغی اور استعمار پسند حکومت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں۔ تو امن و سلامتی تمام دنیا کو اپنے دامن میں لے لے گی۔

قواعد جنگ

اسلام نے اصولی طور پر جنگ کے قواعد قرآن مجید میں بیان کر دئیے ہیں۔ پہلا قاعدہ قتل ہے دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب فوج یا اس کا ایک حصہ محاصرہ میں آجائے۔ اور ہتھیار ڈال دے۔ تو ان کو قید کر لینا چاہیئے تیسرا قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ جنگ کے زمانہ میں دشمن ملک کے آدمیوں کو اپنے ملک میں آنے سے روکنا چاہیئے کیونکہ بے شمار فوجی راز ہوتے ہیں جن کے انکشاف سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ان تین قواعد کو حسب ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ پس تم مشرکین کو قتل کرو جہاں کہیں بھی تم ان کو پاؤ یہاں ان مشرکین کا ذکر ہے۔ جو برسر پیکار ہوں۔ اور میدان جنگ میں اترے ہوئے ہوں۔ معاہد مشرکین اور لڑائی میں حصہ نہ لینے والے مشرکین اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

Marfat.com

وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۔ یعنی دشمن کے لیے گھات میں بیٹھے رہو ان الفاظ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ کے موقعہ پر ان تمام راستوں کو بند کر دینا چاہیے اور پہرے بٹھا دینے چاہئیں جہاں سے دشمن ملک کے اندر آسکتا ہو اس طرح دشمن کی فوج کی پیش قدمی روکنے کے لیے تمام اہم جگہوں پر فوج متعین کر دینی چاہیے اگر وہاں سے دشمن فوج آگے بڑھے تو اس پر حملہ کر دیا جائے۔

صلح

اسلام صلح کو جنگ پر ترجیح دیتا ہے۔ اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو فوراً صلح کا ہاتھ بڑھا دینا چاہیے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (انفعال ۶۱) اگر وہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو در حقیقت وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اسلامی جنگوں کی اخلاقی قدریں

اگر دنیا کی مہذب سے مہذب قوم کی جنگوں کے حالات پڑھیں تو وہاں بھی بربریت و بہیمیت ظلم و ستم غصب و نہب کے خونچکاں واقعات نظر سے گزریں گے یعنی کہ پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں

اسلام ایک دین رحمت ہے جس کی رحمت کے سائے زندگی کے ہر شعبہ پر چھائے ہوئے ہیں۔ ہر قوم کی زندگی میں لڑائی ناگزیر ہے۔ اسلام نے لڑائی کے لیے بھی ضابطہ اخلاق مقرر دیا ہے۔

جیسا کہ مبحث گزشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ اسلامی جنگیں مدافعت۔ حفاظت خود اختیاری مذہبی آزادی حمایت مظلومین اور استعمار اور فتنہ کی بیخ کنی کے لیے لڑی گئی تھیں یہ جنگیں بنی نوع انسان کے لیے سراسر رحمت تھیں اور وہ اخلاقی

Marfat.com

قوانین کے تابع لڑی گئی تھیں اگر کوئی مجاہد اخلاقی قیود کو توڑتا تو وہ قابل مواخذہ ہوتا تھا

اسلام میں جنگ کے متعلق احکام

جنگ کے اسلامی احکام بیان کرنے سے قبل اہل عرب کے تصور جنگ اور وحشت کاریوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ تاکہ قاری اسلامی جنگوں کی برکت اور رحمت آسانی سے سمجھ سکے۔ عربوں کا تصور جنگ ان مجموعہ الفاظ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ جو ان کے لٹریچر میں استعمال ہوا ہے جس کا ذکر مستشرقین کے اعتراض کے جواب میں ذکر کیا گیا ہے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک جنگ غضب و نہب تباہی و بربادی غارت گری کا دوسرا نام ہے کبھی انہوں نے لڑائی نیک مقصد کے لیے نہیں لڑی۔ ان کا مقصد لوٹ مار جذبہ تفاخر کا اظہار جذبہ انتقام کو ٹھنڈا کرنا ہوتا تھا۔ جب عربوں کا تصور جنگ اور مقصد اتنا گھٹیا قسم کا تھا تو ان کی جنگوں میں انسانیت کی مٹی کیوں نہ پلید ہوتی ہوگی۔ ذیل میں عربوں کی جنگ کے وحشیانہ طریقے اور انسانیت سوز افعال کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ اسلام کا نظریہ جہاد قاری کے سامنے نکھر کر آجائے۔ اور معلوم ہو جائے کہ اسلامی مسلح جہاد بنی نوع انسان کے لئے کون سا رحمت کا پیغام لایا ہے۔ اور اسلام نے طریقہ جنگ میں کیا کیا اصلاحات کی ہیں۔

جنگ کے انسانیت سوز طریقے: (۱) عرب دشمن کے لیے قسی القلب تھے۔ وہ دشمن کو زندہ آگ میں پھینک دینے میں تامل نہ کرتے تھے۔ عرب کی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب منذر بن امرء القیس نے جنگ میں بنی شیبان پر فتح حاصل کر لی۔ تو ان کی مستورات کو زندہ آگ میں پھینک دیا۔

عمرو بن ہند کے بھائی کو بنو تمیم پر حملہ کر دیا سو لوگ بھاگ گئے صرف ایک عورت باقی بچی اس کو گرفتار کر کے آگ کے الاؤ میں پھینک دیا دور سے عمار نامی شخص نے آگ کا دھواں دیکھا اس طرف کا رخ کیا شاید کھانے کو مل جائے عمرو نے آنے کی وجہ پوچھی اس نے جواب دیا۔ میں کئی دن سے بھوکا تھا۔ دھوئیں کو دیکھ کر آیا ہوں شاید کھانا مل جائے۔ اس سنگ دل عمرو نے حکم دیا کہ اس کو بھی آگ میں پھینک دیا جائے چنانچہ اس کو آگ میں پھینک دیا گیا۔

Marfat.com

(۲) حملہ آور قبیلہ جب مغلوب قبیلہ کے مرد اور عورتیں اور بچے پنجہ اسیری میں لے لیتا تو ان سے ہر قسم کا ناروا سلوک کرتا۔ قتل کرائے جاتے آگ کے الاؤ میں پھینک دیئے جاتے۔ پہاڑ کی چوٹیوں سے نیچے گرا کر آتش غضب کو بجھایا جاتا منذر بن امرؤ القیس نے بنی شیبان کے جتنے قیدی پکڑے ان سب کو پہاڑ کی چوٹی پر قتل کر دیا۔

احادیث میں عکل اور عرینہ کا واقعہ مذکور ہے کہ یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کو پکڑ کر لے گئے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں اور انہیں تپتی ہوئی ریت پر پھینک دیا یہاں تک وہ تکلیف اور پیاس سے مر گئے۔

امرؤ القیس کے باپ حجر بن حارث نے بنی اسد پر حملہ کیا ان کے جتنے آدمی پنجۂ اسری میں آئے ان سب کو ڈنڈوں کی ضربات سے مار دیا۔

(۳) عرب اپنے جوش غضب کو معصوم بچوں کے خون سے ٹھنڈا کرنے سے نہیں چوکتے تھے داحس اور غبراء کی لڑائیوں میں قیس نے بنو ذبیان کے پاس اپنے بچے بطور ضمانت رکھے تھے حذیفہ رئیس ذبیان ان بچوں کو ایک وادی میں لے جاتا ان کو تیروں کا نشانہ بناتا تھا۔ اس کے قبیلہ کے لوگ اس انسانیت کے سوز نظارے کو دیکھ کر خوش ہوتے۔

(۴) عرب لوگ اتنے بے رحم اور سنگ دل تھے کہ جب اپنے حریف کو مار دیتے سے بھی ان کی آتش غضب ٹھنڈی نہ ہوئی تو وہ لاشوں کا مثلہ کرتے پھر کٹے ہوئے اعضاء کا ہار بنا کر گلے میں پہنتے چنانچہ جنگ احد کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ کی بیوی ہندہ نے سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی لاش کا مثلہ کیا پھر ان کا کلیجہ چبا کر اپنی آتش غضب کو ٹھنڈا کیا۔

(۵) عربوں کا کینہ اس قدر سخت ہوتا تھا کہ اپنے دشمن کے متعلق منت مانتے کہ اس کو قتل کر کے اس کی کھوپری میں شراب پئیں گے جنگ احد میں عاصمؓ بن ثابت نے مسافع بن طلحہ اور جلاس بن طلحہ کو قتل کیا۔ ان کی والدہ سلافہ نے قسم کھائی کہ وہ عاصمؓ کی کھوپری میں شراب پیئے گی۔

Marfat.com

(۶) عربوں کا دائرہ ظلم صرف مقاتلین تک ہی محدود نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ان کے ظلم وستم کے آہنی پنجہ سے غیر مقاتلین بھی انہیں بچ سکتے تھے۔ معصوم بچوں کے خون سے زمین رنگ دی جاتی۔ حاملہ عورتوں کے پیٹوں کو چاک کر دیا جاتا۔ بوڑھوں اور راہبوں کو قتل کر دیا جاتا۔

(۷) عربوں کی یہ عادت تھی کہ وہ ہمیشہ دشمن پر غفلت کی حالت میں حملہ کرتے تھے تاکہ وہ آسانی سے قابو پا سکیں اور ان کے خون سے آتش انتقام کو ٹھنڈا کر سکیں عربوں کی اصطلاح میں غفلت میں حملہ کرنے کو فتک اور حملہ کرنے والے کو فاتک کہتے ہیں۔ تابط شرا، سلیک، اجہار شر بن ظالم مشہور فاتک گذرے ہیں۔

(۸) اپنے ذاتی اغراض کے سامنے معاہدات کو کوئی حیثیت نہ دیتے تھے۔ جب بھی انتقام لینے کا موقعہ پاتے۔ تو تمام معاہدات کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے اور حملہ کر دیتے۔ بدعہدی کی مثالیں رسول کریم صلعم کے عہد میں کثرت سے ملتی ہیں۔ آپ نے یہود سے معاہدات کئے انہوں نے ہر بار معاہدہ توڑ دیا اور مسلمانوں کے خلاف کفار سے مل کر ریشہ دوانیاں شروع کر دیں آپؐ نے حدیبیہ کے مقام پر قریش سے معاہدہ کیا انہوں نے اس کا کوئی پاس اور لحاظ نہ کیا۔ مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف بنو بکر کی مدد کی

اسلام کی جنگی اصلاحات: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دنیا کے لئے رحمت بن کر آئے تھے جنگ کی ان تمام قبیح اور انسانیت سوز رسومات کو پاؤں تلے روند دیا اور ایک جنگی ضابطہ اخلاق دیا۔

پہلی اصلاح: جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے عرب کی جنگ کا مقصد ہی غصب و نہب۔ قتل و غارت تھا۔ سب سے پہلے اسلام نے مقصد جنگ کی تطہیر کی۔ اسلام نے مسلمانوں کے سامنے جنگ کا مقصد یہ پیش کیا کہ خدا پرستی کو فروغ ہو۔ مظلوم کی دستگیری ہو۔ انسانیت کا احترام قائم ہو۔ فتنہ کی بیخ کنی ہو۔ جارحیت ختم ہو۔ اب جب ایک مجاہد ان مقاصد کو سامنے رکھ کر میدان جنگ میں جائے گا۔ تو وہ لازمی طور پر وہ ان تمام افعال سے اجتناب کرے گا جو انسانیت سوز اور موجب فساد ہیں۔

Marfat.com

دوسری اصلاح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مقاتلین کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم قال انطلقوا باسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا صغیرا ولا امرأۃ ولا تغلّوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو روانہ کرتے وقت فرمایا اللہ کا نام لے کر اللہ کی مدد سے اور اللہ کے رسول کی ملت پر قائم رہتے ہوئے چل پڑو۔ کسی بوڑھے ضعیف، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا۔ مال غنیمت میں سے چوری نہ کرنا۔ جنگ میں جو کچھ ہاتھ آئے ایک جگہ جمع کرنا۔ صلح کی روش اختیار کرنا احسان کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مسلم بخاری اور ترمذی میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے ایک دفعہ جنگ میں ایک عورت کی لاش پڑی ہوئی دیکھی تو آپ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

حضرت ابو ایوب فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مقابلہ میں اجیروں اور غلام لونڈیوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا (مسند احمد)

اسی طرح ابن عباس کی روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تغدروا وتغلّوا ولا تمثّلوا ولا تقتلوا الولدان ولا اصحاب الصوامع (مسند احمد)

یعنی بد عہدی نہ کرو۔ مال غنیمت میں سے خیانت نہ کرو۔ مثلہ نہ کرو بچوں اور خانقاہ نشینوں کو قتل نہ کرو۔

اسلام نے جنگ میں مقاتلین کے متعلق ذیل کی نصیحتیں فرمائیں۔

۱۔ زخمی پر حملہ نہ کیا جائے۔ بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے وہ امان میں ہے (فتوح البلدان للبلاذری صفحہ ۴۷)

Marfat.com

۲۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کا عذاب دینے سے منع فرمایا۔ فرمایا: لا ینبغی ان یعذب بالنار الا صاحب النار یعنی آگ کا عذاب دینا صرف خدا کا حق ہے۔

۳۔ آپ نے مقتولین کے اعضاء کی قطع و برید سے منع فرمایا۔ عبداللہؓ بن یزید انصاری کی روایت ہے: نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النھبی والمثلہ یعنی رسول کریم صلعم نے لوٹ مار اور مثلہ (اعضاء کی قطع و برید) سے منع فرمایا۔

اسلام نے صرف ہم مثل سزا دینے کی اجازت دی ہے قرآن مجید میں آتا ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ (النحل ۱۲۶)

اگر تم بدلہ لو تو صرف اتنا ہی لو جس قدر تم پر زیادتی ہو چکی ہے لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ بات صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔

۴۔ قتل میں احتیاط برتنے سے متعلق ارشاد فرمایا: اعف الناس قتلۃ اھل الایمان (ابوداؤد) یعنی اہل ایمان قتل کرنے میں تمام دنیا کے انسانوں سے زیادہ محتاط ہوتے ہیں۔

۵۔ باندھ کر قتل کرنا منع ہے۔ ابوایوب انصاری نے فرمایا: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن قتل الصبر (ابوداؤد) یعنی میں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آپ نے باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا۔

۶۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مقتولین کی لاشوں کو گڑھوں میں دفن کروایا علامہ ابویعلیٰ نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ لشکر کے رئیس پر یہ فرض ہے کہ وہ کفار کی لاشوں کو گڑھوں میں دفن کرے۔

تیسری اصلاح: رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم غفلت یا نیند کی حالت میں حملہ کرنے سے احتراز فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج الی خیبر فجاء ھا لیلا وکان اذا جاء قوما بلیل لا

Marfat.com

یخیر علیہم حتی یصبح۔ (صحیحین)

صحیحین میں رسول کریم صلعم نے خیبر پر چڑھائی کی۔ آپ رات کے وقت وہاں پہنچے اور آپ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی محارب قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو آپ حملہ نہ کرتے۔ جب تک صبح نہ ہو جاتی۔

لیکن اگر دشمن قوم کے ساتھ جنگ جاری ہے تو ایسی صورت میں رات کے وقت حملہ کرنا جائز ہے۔

چوتھی اصلاح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ مار کی ممانعت فرمائی ہے عبداللہ بن زید انصاری سے روایت ہے۔ نهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النھبی والمثلۃ (بخاری) کہ رسول کریم صلعم نے لوٹ مار اور مثلہ سے منع فرمایا۔

عاصم بن کلیب اپنے باپ سے اور وہ ایک انصاری سے روایت کرتے ہیں۔

خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فاصاب الناس حاجۃ شدیدۃ وجھد فاصابوا غنما فانتھبوھا؟ فان قدورنا لتغلی اذ جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمشی فاکفاء القدور بقوسہ ثم جعل یرمل اللحم بالتراب ثم قال ان النھبۃ لیست باحل من المیتۃ (ابوداؤد) ہم ایک سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اس سفر میں خوراک کی قلت کی وجہ سے لوگوں کو سخت تکلیف ہوئی۔ لوگوں کو بکریاں مل گئیں۔ اور انہوں نے لوٹ لیں۔ اور ذبح کر لیں۔ اور ہماری ہنڈیاں پک رہی تھیں رسول کریم صلعم تشریف لائے آپ نے اپنی کمان سے ہنڈیاں الٹ دیں۔ اور گوشت کو مٹی سے آلودہ کر دیا اور فرمایا لوٹ کا مال مردار سے بہتر نہیں ہے۔

پانچویں اصلاح: اسلام نے تباہ کاری اور فساد برپا کرنے سے منع فرمایا۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (قصص ۲۸:۸۳) ہم آخرت کا گھر جنت میں ان لوگوں کے

Marfat.com

لیئے مخصوص کریں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں نیک انجام متقیوں کے لیئے ہے۔ حضرت ثوبان سے روایت ہے: انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من قتل صغیرا او کبیرا او احرق نخلا او قطع شجرة مثمرة اوذبح شاة لاھابھا لم یرجع کفافا (مسند احمد) یعنی انہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص کسی چھوٹے بچے کو یا معمر آدمی کو قتل کرے گا۔ یا کھجوروں کے درخت جلائے گا، یا پھل دار درختوں کو کاٹے گا۔ یا بکری کو محض اس کی کھال حاصل کرنے کے لئے ذبح کرے گا تو وہ جہاد کے ثواب سے تہی دست لوٹے گا۔

جنگ کی نوعیت اور مصلحت اور ضرورت کی بناء پر درخت وغیرہ کاٹنے کی اجازت ہے۔ جیساکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کی کھجوریں کٹوا دیں۔ اور انہیں جلا دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی:

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ - کھجور کے درختوں میں سے جو کچھ تم نے کاٹا ہے اور جو کچھ چھوڑا ہے سب اللہ ہی کے حکم سے ہے۔

چھٹی اصلاح: اسلام نے مال غنیمت میں سے خیانت کی شدید ممانعت کی ہے قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران ۳۷: ۱۶۱) جو کوئی مال غنیمت میں خیانت کا مرتکب ہوگا وہ جو کچھ اس نے خیانت کی ہے قیامت کے دن لائے گا۔

اس آیت کی تشریح میں رسول کریم صلعم نے فرمایا: لَا تَغُلُّوا فَإِنَّ الْغُلُولَ نَارٌ وَعَارٌ عَلَىٰ أَصْحَابِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (احمد) یعنی مال غنیمت میں خیانت نہ کرو کیونکہ خیانت دنیا کے اندر اور آخرت میں بھی مرتکبین کے لئے عذاب اور شرمندگی کا باعث ہے۔

موطا امام مالک اور ابوداؤد میں حدیث ہے۔ رسول کریم صلعم نے ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا۔ جس نے مال غنیمت میں چوری کی تھی۔

Marfat.com

ساتویں اصلاح: رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سفراء اور قاصدوں کے قتل سے منع فرمایا چنانچہ مسیلمہ کذاب کے دو قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اما واللہ لو لا ان الرسل لا تقتل ضربت اعناقکما (ابو داؤد۔ احمد) اللہ کی قسم اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن الگ کر دیتا۔

آٹھویں اصلاح: رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سپاہیوں کو ہر قسم کی بدنظمی اور سرکشی کی ممانعت فرمائی، عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی قبیلہ پر حملہ کے لئے نکلتے تو جس منزل پر پڑاؤ ڈالتے یا جس راستہ پر سے گذرتے وہاں کے لوگ مصیبت میں پڑ جاتے۔ ایک دفعہ آپ کے پاس اس قسم کی سرکشی کی شکایت آئی تو آپ نے فرمایا

من ضیق منزلا او قطع طریقا فلا جہاد لہ

یعنی جو کوئی راستے کے لوگوں کو تنگ کرے یا راستے میں لوٹ مار کرے اس کا کوئی جہاد نہیں۔

نویں اصلاح: رسول کریم صلعم نے معاہدات کو صرف دنیاوی منفعت کے لئے توڑ دینے سے منع فرمایا۔ کیوں کہ یہ بدعہدی قیام امن کے راستے میں ایک مضبوط دیوار ہے جب تک یہ دیوار کھڑی ہے۔ اس وقت تک امن نہیں ہو سکتا۔ رسول کریم صلعم نے سب سے پہلے قیام امن کے لئے اس دیوار کو پیوند خاک کیا اور عہد کی پابندی پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا:

من قتل معاھدا لم یرح رائحۃ الجنۃ وان ریحھا لتوجد من مسیرۃ اربعین عاما۔ یعنی جو کوئی کسی معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی بو تک نہیں سونگھے گا حالاں کہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔

عمر بن عنبہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان بینہ وبین قوم عھد فلا یحلن عقدہ حتی ینقضی امدھا اوینبذ الیھم علی سواء (ابوداؤد۔ ترمذی) کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ اس وقت تک معاہدے کا پابند

Marfat.com

نہ کھو دے جب تک اس کی مدت نہ پوری ہو جائے یا وہ برابر کا لحاظ کر کے اس قوم کی طرف پھینک دے۔ ینبذ الیھم علی سواء۔ یعنی برابر کو ملحوظ رکھ کر معاہدہ کو اس قوم کی طرف پھینک دے کا مطلب یہ ہے کہ معاہد قوم کو صاف طور پر اطلاع دے دی جائے کہ ان کے معاندانہ رویہ اور امن سوز حرکات کی وجہ سے معاہدہ کو فسخ کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ (الانفال)

اگر تمہیں کسی قوم کی خیانت کا خوف ہو۔ تو ان کا معاہدہ برابری کو ملحوظ رکھ کر ان کی طرف پھینک دے۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا جمع اللہ الاولین والاخرین یوم القیٰمۃ یرفع لکل غادر لواء فقیل ھذا غدرۃ فلان بن فلان۔ (رواہ مسلم) جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین اور آخرین کو جمع کرے گا۔ تو ہر عہد شکنی کیلئے ایک نشان بلند ہو گا۔ کہ یہ فلاں بن فلاں کی بدعہدی کا نشان ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر لشکر کو ہدایات دیتے ہوئے فرمایا:

لا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا ولا امراۃ (موطا امام مالک) مال غنیمت میں سے خیانت نہ کرنا بدعہدی نہ کرنا مثلہ نہ کرنا۔ بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ بتاتا ہے کہ آپ نے معاہدات کی پوری طرح حفاظت کی صلح حدیبیہ کا مشہور واقع ہے۔ ابوجندل معاہدہ ہو چکنے کے بعد رسول کریم صلعم کی خدمت میں پابہ زنجیر حاضر ہوتا ہے۔ اور درخواست کرتا ہے کہ اس کو پنجہ ظلم سے نجات دلائیں آپ نے دنیا کو معاہدہ کی حفاظت کرنے کا سبق دینے کے لیے ابوجندل کو فرمایا اے ابوجندل صبر کر۔ ہم عہد کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی راستہ نکال دے گا۔

Marfat.com

دسویں اِصلاح

اسیروں سے حسن سلوک :- اسلام سلامتی اور امن کا دین ہے۔ بنی نوع انسان کے لئے رحمت اور اسلامی کا پیغام لے کر آیا ہے ۔ اور اس نے ان تمام زمانہ جاہلیت کی مکروہ رسومات کو کچل کر رکھ دیا تھا جس سے شان انسانیت مجروح ہوتی تھی۔ زمانہ جاہلیت کی مکروہ رسومات میں سے ایک گھناؤنی رسم اسیران جنگ سے انسانیت سوز سلوک تھا۔ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اسلام نے اسیران جنگ کو مستقبل طور پر پنجہ اسیری میں جکڑے رکھنے سے منع فرمایا بلکہ یہ تعلیم دی کہ یا ان کو احسان کے طور پر یا ان سے فدیہ لے کر رہا کر دو۔ اور جب تک قبضہ میں ہوں ان سے نیک سلوک کیا جائے قرآن مجید میں آتا ہے

فَاِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد ۴)

پس جب کافروں سے مڈ بھیڑ ہو تو پہلے گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ تم ان پر غالب آجاؤ۔ پھر قید کے بندھن مضبوط کرو۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہے۔ یا تو احسان کے طور پر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُورًا اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا (سورۃ دھر ۷۶: ۸ – ۱۰) مسلمان اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں یتامیٰ اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ہم صرف اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم نہ تو تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ ہم اپنے رب سے تنگی اور سختی کے دن کا خوف کھاتے ہیں۔

جنگ بدر میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے ان کے ساتھ نہایت ہی نیک سا

Marfat.com

سلوک روا رکھا گیا اس حسن سلوک کی وجہ سے بہت سے قیدی اسلام کے حلقۂ اسیری میں داخل ہو گئے۔ ایک قیدی بیان کرتا ہے کہ وہ جس گھر میں قید تھا گھر والے اس کو تو اچھا کھانا کھلاتے تھے لیکن خود کھجور وغیرہ کھا لیتے تھے۔ بعض بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر آزاد کر دیا گیا، بعض نادار قیدیوں کو بلا فدیہ رہا کر دیا گیا اور جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کو دس دس بچوں کو تعلیم دینے کی شرط پر چھوڑ دیا گیا۔ جنگ مریسیع میں بنی مصطلق کے ایک سو خاندان پکڑے گئے۔ ان سب کو فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا گیا۔ غزوہ حنین میں قبیلہ ہوازن کے چھ ہزار قیدی بطور احسان آزاد کر دیئے گئے جبال تنعیم میں مکہ کے اسی آدمیوں نے اسلامی لشکر پہ دھاوا بول دیا۔ سب کے سب گرفتار کر لئے گئے جب آپ کی خدمت میں ان کو پیش کیا گیا تو آپ نے ازراہِ احسان سب کو رہا کر دیا۔

اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا: جہاد پہ تفصیل ماضیہ مستشرقین کے اس اعتراض کو رد کر دیتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں جہاد کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

"اسلام کی اشاعت بزور شمشیر عام طور پر مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ بالفاظ دیگر جہاد صرف جنگ ہی نہیں بلکہ اسلام پھیلانے کی غرض سے تلوار اٹھانے کا نام ہے"

کلبن نے ایلجن آف اسلام میں جہاد کے متعلق اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جہاد، یعنی منکرین اسلام کے خلاف اس مقصد کے لئے جنگ کرنا کہ یا تو انہیں اسلام کے اندر جذب کر لیا جائے یا اگر وہ قبول سے انکار کریں تو انہیں مطیع و منقاد بنا لیا جائے اور ان کی بیخ کنی کر دی جائے اور یہ کہ اسلام کی اشاعت اور اس کو تمام مذاہب پر غالب کرنا مسلمان قوم کا ایک مقدس فریضہ سمجھا جاتا ہے۔"

اگر مستشرقین اعتراض کرنے سے قبل نیک نیتی سے لغت کا مطالعہ کر لیتے اور قرآن مجید کے ان محکم اصولوں پر نظر ڈال لیتے جو اشاعت اسلام سے متعلق ہیں تو وہ یقیناً اعتراض نہ کرتے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ ۲۵۶:۲) یعنی دین میں کوئی جبر نہیں کیوں کہ ہدایت کی راہ گمراہی کے مقابلہ میں واضح ہو چکی ہے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کی مکی زندگی تو مصائب و آلام سے پر تھی۔ مسلمان کھلے بندوں عبادت تک نہیں کر سکتے تھے۔ مدنی زندگی اقتدار کی زندگی تھی اس زندگی میں ایک مثال نہیں ملتی جس کا معترضین سہارا لے کر اپنی دلیل ٹھہرا سکیں۔ مدینہ پر کفار نے بار بار حملے کئے ہر جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ دشمنوں کے قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے آپ نے فدیہ لے کر یا احسان کے طور پر رہا کر دیا ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ آپ نے کسی قیدی کو جبر و اکراہ کے ساتھ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی ہو۔

مشرکین کے ساتھ معاہدے کئے۔ باوجود قوت حاصل کر لینے کے اسلام نے ان مشرکین سے جنگ کرنے کی ممانعت کر دی جو اپنے معاہدوں پر کاربند تھے۔ اگر اسلام جبر کا حامی ہوتا تو قوت اور طاقت ملنے کے ساتھ ہی تمام مشرکین کو جنگ کر کے دائرہ اسلام میں داخل کر لیا جاتا تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک عرب میں ایسے لوگوں کی تعداد خاصی تھی جو دائرہ اسلام میں نہیں داخل ہوئے تھے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ کفار کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت اسلام دینے کی تلقین کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل ۱۲۵) اے نبی اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور لوگوں سے احسن طریقہ پر مجادلہ کرو۔ یہ آیت معترضین کے اعتراض پر کاری ضرب ہے اور واضح کرتی ہے کہ اسلام کی تبلیغ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ ہونی چاہئے

اسلام جہاں بغیر کسی وجہ کے دوسروں کے علاقوں کو زیر کرنا بنظر استحسان نہیں دیکھتا۔ وہاں یہ بھی تعلیم دیتا ہے۔ کہ سرحدوں کی حفاظت کی جائے۔ اگر غیر ممالک پہ چڑھائی فساد اور بگاڑ کا موجب ہے تو سرحدوں کو کھلا چھوڑ دینا بھی موجب فساد ہے۔ اس وجہ سے قیام امن کے لیے اسلام نے سرحدوں کو مضبوط رکھنے کی تعلیم دی ہے۔

Marfat.com

جہاد میں کامیابی کے اصول

اطاعت امیر: قرآن مجید اور احادیث میں اطاعت امیر پر بہت زور دیا ہے ارشاد الٰہی ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ[1] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے حاکم کی اطاعت کرو اور تمہارا اگر کسی امر پر حاکم سے اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کی تعلیم کے مطابق کرو۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علی المرء المسلم السمع الطاعۃ فیما احب وکرہ الا ان یومر بمعصیۃ فان امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ[2] مسلمان مرد پر سمع اور طاعت لازم ہے خواہ برضا رغبت ہو خواہ بکراہت ہو تا وقتیکہ اسکو معصیت کا حکم نہ دیا جائے پھر اگر گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سمع ہے اور نہ اطاعت، فرمایا: اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ۔ سنو اور اطاعت کرو اگر تم پر حبشی غلام بھی امیر مقرر کر دیا جائے جس کا سر کشمش کے دانہ کی طرح ہو۔

اتحاد: کامیابی کا دوسرا اصول اتحاد ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا[3] اور سب کے سب اللہ کی رسی کو تھامے رکھو اور تفرقہ نہ کرو۔

دوسری جگہ آتا ہے:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْہَبَ رِیْحُکُمْ[4]

---

[1] النساء ۴: ۵۹ [2] مسلم باب الجہاد [3] آل عمران ۳: ۱۰۲ [4] الانفال آیت ۴۶

Marfat.com

اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ایسا کرو گے تو بزدلی اور کمزوری کا شکار ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الاسلام احوج الی الجماعۃ [1] اسلام جماعتی نظام چاہتا ہے۔

الجماعۃ رحمۃ والفرقۃ عذاب [2] جماعت رحمت ہے اور تفرقہ عذاب ہے۔

انما اھلک من کان قبلکم الاختلاف [3] اگلے لوگوں کو اختلاف نے ہلاک کیا۔

اللہ پر بھروسہ: اسباب اور ذرائع سے پورا کام لینے کے بعد کامیابی کی امید اللہ سے وابستہ کرنی چاہیئے اور اپنی طاقت پر غرور نہیں کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: لا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطراً ورئاء الناس۔ یعنی ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جو اپنے شہروں سے تکبر کرتے ہوئے اور اپنی طاقت کی نمائش کرتے ہوئے جنگ کے لئے نکلے۔

اللہ تعالے نے قرآن مجید میں جنگ حنین کا نقشہ کھینچتے ہوئے مسلمانوں کو نصیحت کی۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ۔

اللہ نے تمہیں کئی میدانوں میں فتح دی اور حنین کی جنگ میں بھی لیکن بعد سرزنش کرنے کے کیونکہ اس دن تمہاری کثرت تعداد کے گھمنڈ نے تمہاری یہ حالت کی تھی۔

کہ زمین باوجود فراخ ہونے کے تم پر تنگ ہو گئی یہاں تک کہ تم پیٹھ پھیر کر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔

ذکر الٰہی: جب دشمن سے مقابلہ آن پڑے تو اللہ کو کثرت سے یاد کرنا چاہیئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ آن پڑے تو تم ثابت قدم رہو اور

---

[1] کنوز الحقائق حرف الہمزہ [2] کنوز الحقائق حرف الجیم [3] کنوز الحقائق حرف الہمزہ۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیابی حاصل کرو۔

انفاق فی سبیل اللہ: جب تک مجاہدین اسلحہ سے مسلح نہ ہوں گے۔ دشمن فوج کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس وجہ سے مجاہدین کو اسلحہ مہیا کرنے اور دوسرے اخراجات پورے کرنے کے لئے مال کی قربانی بہت ضروری ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ [1]

مومن صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر کچھ شک نہیں کرتے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں۔

صبر: اللہ کی راہ میں تکالیف کو خوشی سے برداشت کرنے میں ہی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا [2] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور مقابلہ میں بڑھ کر صبر دکھاؤ اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو۔

جہاد کی شرائط

اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر: جہاد کی پہلی شرط یہ ہے کہ جہاد اللہ کے راستے میں خدا کی رضا کے لئے کیا جائے اور اس کا مقصد صرف اللہ کے نام کو بلند کرنا ہو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک شخص بہادری کے لئے لڑتا ہے یا حمیت قومی کے لئے لڑتا ہے یا دکھاوے کے لئے لڑتا ہے ان میں سے کون سی جنگ اللہ کی راہ میں ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد اس شخص کا ہے جو محض اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے لڑے [3]

شہرت اور اجر کی خواہش سے پاک: زمانہ جاہلیت میں جنگیں شہرت اور

---

[1] حجرات ۴۹ : ۱۵ [2] آل عمران ۳ : ۱۹۹

دنیاوی اغراض کے لیے لڑی جاتی تھیں۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مال اور ناموری کے لیے لڑتا ہے۔ اسے کوئی اجر نہیں ملے گا مختلف روایات میں جنگ کے پانچ محرکات سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ طلب غنائم۔ اظہار شجاعت۔ ریاکاری، حمیت قومی، وطنی اور جوش انتقام۔

دنیوی فوائد کی خواہش سے پاک: مسند احمد میں روایت ہے حضرت عبادہ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور صرف ایک اونٹ باندھنے کی رسی کی بھی نیت کی تو بس اس کو وہ رسی ہی ملے گی۔ ثواب کچھ نہیں ملے گا۔

خدا کی راہ میں نکلنے کی تڑپ: ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ [1] اور ان لوگوں پر الزام نہیں ہے۔ جو خود آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کے لیے سواریاں مہیا کریں اور جب آپ نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس غم میں کہ ان کے پاس جہاد میں شریک ہونے کے لیے خرچ کرنے کو کچھ موجود نہیں۔

مالی جہاد

مالی جہاد قوم کی ترقی اور استحکام اور عزت کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے انفاق فی سبیل پر بہت زور دیا ہے۔ جہاں نماز جو روحانی ترقی کا زینہ ہے کا ذکر کیا ہے وہاں انفاق کا ذکر کیا ہے۔ جو قوم کی بہبودی اور ملک کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کو اکٹھا لاکر مسلمانوں کو سبق دیا ہے۔ کہ روح کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ مادی ترقی کی طرف قدم بڑھانا بھی ضروری ہے

---

[1] التوبہ ۹:۹۲۔

Marfat.com

مالی جہاد کی اہمیت از روئے قرآن مجید: ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ حقیقت میں وہی لوگ مومن ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر وہ شک نہیں کرتے بلکہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں یہی لوگ (اپنے دعوے میں) سچے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں ایمان کی عملی صورت مال اور جان سے جہاد کرنا بتایا ہے پھر مالی جہاد کو جانی جہاد پر مقدم کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے: لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (۳: ۹۲) یعنی تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم اپنی محبوب ترین چیز خرچ نہ کرو۔

پھر ارشاد الٰہی ہے: فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ (۴: ۹۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو گھر میں بیٹھے رہنے والوں پر درجات میں فضیلت دی ہے اللہ نے سب سے نیکی کا وعدہ کیا ہے۔

پھر ارشاد الٰہی ہے: وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ۔ یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمان اور زمین اللہ کی میراث ہے۔ جن لوگوں نے فتح سے پہلے مال خرچ کیا اور لڑائی لڑی۔ تم میں سے کوئی ان کے برابر نہیں ہے اور ان لوگوں کا مقام ان لوگوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور جہاد میں حصہ لیا اللہ نے ہر ایک سے نیکی کا وعدہ کیا ہے۔

اہمیت از روئے حدیث: عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

Marfat.com

اَنْفَقَ نَفَقَةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کُتِبَ لَهٗ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ (ترمذی، نسائی) خریم بن فاتک سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں کچھ مال خرچ کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے اس کے لیے سات سو گنا اجر لکھا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

قَالَ مَنْ اَرْسَلَ نَفَقَةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَقَامَ فِیْ بَیْتِهٖ فَلَهٗ بِکُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَنْفَقَ فِیْ وَجْهِهٖ ذٰلِكَ فَلَهٗ بِکُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُ مِائَةِ اَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ وَاللّٰهُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ (ابن ماجہ) آپ نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں اپنا مال بھیجا اور خود گھر میں بیٹھا رہا تو اسے ہر درہم کے بدلے سات سو درہم کا اجر ملے گا۔ لیکن جو خود اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا اور اپنا مال خرچ کیا۔ تو اسے ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم ملیں گے۔ اس کے بعد آنحضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

واللہ یضاعف لمن یشاء۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ یَوْمٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْهِ اِلَّا مَلَکَانِ یَنْزِلَانِ فَیَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَیَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا۔ (بخاری۔ مسلم)

انسانوں پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں دو فرشتے نازل نہ ہوتے ہوں۔ ان میں سے ایک فرشتہ یہ دعا کرتا ہے اے اللہ جس نے خرچ کیا اسے اچھا بدلہ دے اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ جس نے ہاتھ روک رکھا ہے اس کے مال کو تلف کر یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ ترقی کا موجب اور بخل ہلاکت اور تباہی کا سبب ہے۔

قرآن مجید میں بے شمار آیات ہیں جو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتی ہیں۔ اس طرح بے شمار احادیث ہیں جو انفاق فی سبیل اللہ کے فوائد اور حکمت بیان کرتی ہیں صرف اختصار کو مدنظر رکھ کر چند آیات اور چند احادیث بیان کر دی ہیں۔

Marfat.com

اس وقت اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمان قومی ضروریات اور اشاعت اسلام کے لئے دل کھول کر خرچ کریں۔ تاکہ مسلمان قوم ذلت اور مسکنت کی گہرائیوں سے نکل کر ترقی کی شاہراہ پر چل پڑے مسلمانوں کی پستی اور تنزل کا باعث ترک جہاد اور دنیاوی حرص ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (توبہ ۹: ۲۴) اے نبی کہدو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو۔ اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو۔ تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کے راستہ میں جہاد سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قومی ترقی کا ایک اصول بیان کیا ہے وہ یہ کہ مسلمان ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں، جب کبھی بھی ان کو دین کی اشاعت کے لئے اپنے عزیزوں، تجارتوں، مالوں اور عظیم الشان مکانوں کو قربان کرنا پڑے تو وہ للہیت کی خاطر قربان کر دیں اگر انفاق فی سبیل اللہ کی بجائے دنیا کی محبت پہ گدھوں کی طرح گرے پڑے رہے تو ان کو اپنی پستی اور زوال کا منتظر رہنا چاہیے۔

اس آیت کریمہ میں دولت کمانے اور عزیزوں سے تعلق رکھنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ تعلیم دی ہے کہ یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد سے عزیز نہ ہوں۔

ابن عمر کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ جب لوگوں کے دلوں میں دنیا اور درہم کی محبت غالب آجائے گی اور جنس بازار میں آنے سے پہلے ہی اس پر بیع کرنے لگیں گے کھیتی باڑی میں ہی منہمک ہو جائیں گے۔ اور جہاد کو ترک کر دیں گے تو ان پر اللہ سخت آزمائش مسلط کر دے گا۔ اور وہ اس آزمائش سے اس وقت تک چھٹکارا نہ پا سکیں گے۔ جب تک اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آئیں گے۔

Marfat.com

یعنی جب تک دین کو دنیا پر مقدم نہ کریں گے۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ اے ثوبان تمہاری اس وقت کیا حالت ہوگی جب تم پر دوسری قومیں اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح بھوکے کھانے کے برتن پر ٹوٹ پڑتے ہیں؟ ثوبان نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اے اللہ کے رسول کیا ہماری مغلوبیت کی حالت قلت تعداد کی وجہ سے ہوگی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تعداد میں تم زیادہ ہوگے۔ لیکن تمہارے دلوں کے اندر کمزوری آجائے گی۔ دوسرے صحابہ کرام نے دریافت کیا یا رسول اللہ کمزوری سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا تمہارا دنیا کی محبت کا شکار ہو جانا اور موت کو ناپسند کرنا۔

پس مسلمانوں کی پستی اور زوال کا اصل سبب مالی، قلمی، لسانی اور سیفی جہاد کو ترک کر دینا ہے اب جب تک مسلمان قوم ہر قسم کے جہاد کو اپنا نہیں لیتی اس وقت تک اس کا ذلت اور مسکنت اور محکومی کی زنجیروں سے چھٹکارا پانا مشکل ہے۔

جہاد بالنفس: جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم جہاد بالنفس ہے۔ یعنی نفس امارہ کی سرکشی اور ضد کو مطیع و منقاد بنانا۔ یہی وہ عظیم مقصد ہے جس کے لئے اسلام آیا ہے۔

اس جہاد میں انسان کی دنیاوی اور اخروی فلاح مضمر ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا [1] یعنی جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا اس جہاد سے روگردانی کرنا ناکامی اور نامرادی کے مترادف ہے ارشاد الٰہی ہے وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا [2] اور نامراد ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی میل سے آلودہ کیا۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ [3] جو کوئی جہاد کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے لئے جہاد کرتا ہے۔ اللہ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد بالنفس کو جہاد اکبر قرار دیا ہے چنانچہ

---

[1] الشمس ۹۱: ۹ [2] ۹۱: ۱۰ [3] العنکبوت ۲۹: ۶

Marfat.com

ایک مرتبہ صحابہ کسی لڑائی سے واپس مدینہ آئے تو آپ نے فرمایا: رجعتم من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہو چھوٹے جہاد سے مراد دشمن سے جنگ اور بڑے جہاد سے مراد تزکیہ نفس ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اور ارشاد ہے: جاھدوا اھوائکم کما تجاھدون اعداء کم۔ اپنی خواہشات سے جہاد کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو۔

اصلاح نفس کے اصول

اسلام ایک دین کامل ہے۔ جہاں اس نے اپنے جذبات اور خواہشات پر قابو پانے کی تعلیم دی ہے۔ وہاں اس نے وہ ذرائع بھی بیان کر دیے ہیں جن کے ذریعہ آسانی سے نفس کی سرکش اونٹنی کو قابو میں لایا جا سکتا ہے۔ وہ ذرائع حسب ذیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت: اللہ تعالیٰ کی ذات کا جتنا انسان کو عرفان حاصل ہو گا اتنا ہی برائیوں سے دور رہے گا۔ کوئی شخص جانتے ہوئے زہر نہیں کھاتا۔ کیونکہ اس کو علم ہے۔ کہ اس کے کھانے سے موت لازمی ہے ——— اسی طرح انسان کو جتنی اللہ کی معرفت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اتنا ہی وہ برائیوں سے دور ہٹتا چلا جاتا ہے پس نفس امارہ کی سرکش اونٹنی کو ذبح کرنے کے لیے سب سے بڑا ذریعہ معرفت الٰہی ہے۔

دعا: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ تم دعا کرو میں قبول کروں۔ نفس امارہ پر قابو پانے کے لیے سب سے بڑا ذریعہ دعا ہے اور دعا ہی وقت کار گر ثابت ہوتی ہے جب انسان اپنی زندگی اللہ اپنی تمام استعدادوں اور قوتوں کو اللہ کی راہ میں وقف کر دیتا ہے۔ اور قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق بن جاتا ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی انسان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی رضا کے لیے وقف ہو۔ دعا کیا ہے انسان اپنے اوپر ایک موت وارد کرتا ہے جب انسان کی خواہشات اللہ کی محبت کی آگ سے بھسم ہو جاتی ہیں اور انسان کی

روح آستانہ الوہیت پر پانی کی طرح بہہ نکلتی ہے تو اس وقت انسان شیطان کے پنجہ سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اور شیطان بھی ۔ ۔ ۔ اس آدمی کو گناہوں کے راستہ پر چلانے سے مایوس ہو جاتا ہے۔

توبہ واستغفار: توبہ لغت عرب میں رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں خدا کا نام تواب ہے یعنی بہت رجوع کرنے والا۔ جب انسان اپنے کردہ گناہوں سے دست بردار ہو کر کامل صدق و وفا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کو اپنے فضل و کرم کی چادر میں لپیٹ لیتا ہے۔

توبہ کے لیے تین شرائط ہیں: اقلاع یعنی توبہ کرنے والا اپنے دل سے خیالات فاسدہ کو دور کرے کیونکہ خیالات فاسدہ ہی افعال بد کا محرک ہوتے ہیں عمل سے پہلے تصور جنم لیتا ہے۔ وہ تصور عمل کے لیے راستہ ہموار کرتا ہے جب انسان اپنے دل کو خیالات فاسدہ سے پاک کرے گا تو اس سے افعال ردیہ سرزد نہیں ہوں گے

ندم۔ یعنی اپنے کیے پر حقیقی پشیمانی۔ اور ندامت اختیار کرنا۔ جب انسان اپنے کیے پر حقیقی پشیمانی اور ندامت اختیار کرتا ہے تو پھر اس سے دوبارہ خصائل ردیہ سرزد نہیں ہوتے کیونکہ ندامت روح پر ایک ایسی ضرب ہے جو ہمیشہ انسان کو افعال شنیعہ سے آگاہ رکھتی ہے اور لغزشوں سے بچاتی ہے۔

عزم۔ یعنی آئندہ کے لیے مصمم ارادہ کر لینا کہ پھر ان افعال شنیعہ اور خصائل فاسدہ کی طرف رجوع نہیں کرے گا جو اس سے پہلے سرزد ہو چکے ہیں۔ جب بندہ اس عزم کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو سچی توبۃ النصوح کی توفیق عطا کرتا ہے۔

استغفار غفر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کہ اللہ سے یہ درخواست کرنا کہ بشریت کی کمزوری ظاہر نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں استغفار کے معنی استمداد اور استعانت کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں استغفار اور توبہ کرنے کے متعلق بہت تاکید کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یعنی خدا سے

Marfat.com

درخواست کرکر وہ تجھے بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے ۔ اسی طرح مومن مرد اور مومن عورتوں کو بھی محفوظ رکھے

دوسری جگہ آتا ہے ۔ وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ یعنی تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی طرف رجوع کرو ۔

استغفار اور توبہ دو ایسے ہتھیار ہیں ۔ جن سے انسان نفس امارہ پر غالب آسکتا ہے

مجاہدہ : قرآن مجید میں آتا ہے ۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وہ لوگ جو ہمارا قرب حاصل کرنے کے لیے سعی تمام کرتے ہیں ۔ ہم ان کو اپنے راستہ کی ہدایت دے دیتے ہیں یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ سعی بلیغ کے بغیر کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہو سکتی ۔ نفس امارہ پر قابو پانے کے لئے مجاہدات ضروری ہیں ۔ تمام انبیاء اور اولیاء کی مقدس زندگیاں اس امر کا بین ثبوت ہیں ۔ کہ انسان مجاہدات سے ہی نفس امارہ پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے ۔

استقامت : استقامت یہ ہے کہ انسان مصائب اور تکالیف میں گھر جائے کوئی بھی مونس ومعاون نہ ہو ۔ اس حالت میں بھی اس کی زبان اور اس کے جوارح سے کسی قسم کی بے چینی اور اضطراب ظاہر نہ ہو ۔ بلکہ مصائب کے کڑوے گھونٹ آب شیریں سمجھ کر پی جائے ۔ اس کے چہرہ پر انبساط اور بشاشت کی لہریں دوڑیں اس کا قدم اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور بھی تیزی سے اٹھے ۔ قرآن مجید میں آتا ہے ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے ۔ پھر استقامت اختیار کی ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو ۔۔۔ جنت اور دائمی خوشی کی بشارت پاؤ جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے ہم دنیا اور آخرت کی زندگی میں تمہارے دوست ہیں ۔

راست بازوں کی صحبت : قرآن مجید میں آتا ہے ۔ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ یعنی ان لوگوں کی صحبت اور معیت اختیار کرو جو اپنے قول اور فعل میں صادق ہیں ۔ انسان بالطبع نمونہ کا محتاج ہے جب انسان صالحین اور راست بازوں کی صحبت اختیار کرے گا

Marfat.com

نو لازماً اپنی زندگی صادقین کے نمونہ پر ڈھالے گا۔

اکل حلال اور طیب: خوراک کا انسان کے اخلاق پر نہایت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے ان تمام چیزوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے جو انسان کی روحانی زندگی کے لیے پیغام موت ہیں مثلاً اسلام نے سور کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ یہ جانور نجاست خور اور حد درجہ کا دیوث اور بے غیرت ہے تمام یونانی طبیبوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے۔ اس جانور کا گوشت حیا کو کم کرتا ہے دیوثی کو بڑھاتا ہے اس رائے کی صداقت اور مشاہدہ کرنا ہو تو یورپ کی اقوام کو دیکھ لو۔ کہ کس طرح ان میں بے حیائی اور دیوثی پائی جاتی ہے قرآن مجید میں حلال اور طیب کھانے کے متعلق ارشاد الٰہی ہے یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اے رسولو پاک اشیاء کھاؤ اور نیک اعمال بجا لاؤ۔ اکل طیب اور اعمال صالحہ کو اکٹھا بیان کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ طیب کھانے سے اچھے اعمال بجا لانے کی توفیق ملتی ہے۔

تبلیغ

تبلیغ جہاد کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔ مسلح ہتھیار کے ذریعہ اگر دشمن کے حملوں کا دفاع کیا جاتا ہے۔ اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے تو دلائل اور براہین کے ذریعہ اسلام کی سچائی اور حقانیت واضح کی جاتی ہے اور معترضین کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا ہے۔ جتنا جہاد بالسیف ضروری ہے اتنا ہی جہاد بالقلم ضروری ہے۔

تبلیغ کے لغوی معنی انتہا یا آخری منزل تک پہنچانے کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں تبلیغ سے مراد اللہ کے پیغام کو بنی نوع انسان تک پہنچانا ہے۔

قرآن مجید اور حدیث سے تبلیغ کی اہمیت اتنی ہی واضح معلوم ہوتی ہے جتنی نماز اور روزہ کی اہمیت۔ افسوس مسلمان اس اہم فریضہ سے روگردانی کر کے تنزل اور ادبار کی انتہا گہرائیوں میں جا گرے ہیں۔

تبلیغ کی اہمیت از روئے قرآن: قرآن مجید میں آتا ہے: قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ

Marfat.com

وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (یوسف ۱۲ : ۱۰۸) یعنی کہہ دیجیے یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں سمجھ بوجھ کر میں اور جو میری پیروی کرتے ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ دعوت الی اللہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے جو شخص اس کام کو فرض منصبی نہیں سمجھتا وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے راستے سے ہٹا ہوا ہے۔

— کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران ۳ : ۱۱۰) تم سب سے اچھی امت ہو جو لوگوں کی بھلائی اور بہبودی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

"للناس" میں لام انتفاع کے لئے ہے یعنی امت مسلمہ کا ظہور لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ بھلائی کی تشریح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کی ہے یعنی تمہارا کام دنیا میں لوگوں کو نیکی کی طرف بلانا اور ان کو برائیوں سے روکنا ہے تؤمنون باللہ کے الفاظ لاکر یہ ظاہر کیا ہے۔ داعی خود بھی کمال نفس کا مالک ہو اور لوگوں کو جن امور کے کرنے اور جن امور سے مجتنب رہنے کا حکم دیتا ہے وہ خود بھی اس پر کاربند رہے۔

حدیث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ امت مسلمہ خیر الامم ہے۔ چنانچہ امام احمد نے حدیث بیان کی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطیت مالم یعط احد من الانبیاء نصرت بالرعب و اعطیت مفاتیح الارض و سمیت احمد وجعل التراب لی طهورا و جعلت امتی خیر الامم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے وہ کچھ دیا گیا ہے جو اور کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ میری نصرت رعب سے کی گئی ہے اور مجھے زمین کے خزانے دیئے گئے ہیں اور میرا نام احمد رکھا گیا ہے اور میرے لئے مٹی پاک کرنے والی بنائی گئی ہے، میری امت بہترین امت ہے۔

قرآن مجید کی آیت ظاہر کرتی ہے کہ امت مسلمہ کا خیر الامم ہونا نیکیوں کا حکم

اسلام کا سیاسی نظام

Marfat.com

دینے اور برائیوں سے روکنے کی وجہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کے علماء کو ورثۃ الانبیاء (انبیاء کے وارث) کانبیاء بنی اسرائیل (بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح) کہا ہے۔

اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین ٹھہرایا ہے۔

— پھر قرآن مجید میں آتا ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (۳:۱۰۴) اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ کہہ کر یسر کے طور پر بتا دیا ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ ضرور رہنا چاہیئے۔ جو تبلیغ کا کام سرانجام دے اس کی وجہ دوسری جگہ قرآن قرآن مجید میں فرمایا ہے: مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً (توبہ ۹: ۱۲۲) اور مومنوں کو یہ بھی مناسب نہیں کہ سب کے سب تبلیغ اسلام کی طرف نکل پڑیں۔

دعوت الی الخیر سے مراد دعوت الی القرآن ہے کیوں کہ دوسری جگہ قرآن مجید کو خیر کہا گیا ہے " مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (۲:۱۰۵) اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں پسند نہیں کرتے اور نہ مشرک کہ تمہارے رب سے تم پر کوئی خیر اتاری جائے۔

— وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۱۰۳: ۳) قسم ہے وقت کی کہ انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔

اس مختصر سی سورت میں جن لوگوں کو خسران اور گھاٹے سے مستثنیٰ کیا ہے وہ چار صفات کے مالک ہیں۔ ۱۔ وہ عقائد صحیحہ کے مالک ہوتے ہیں ۲۔ اعمال صالحہ کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں ۳۔ ایک دوسرے کو حق پہنچاتے ہیں (۴) تمام دنیا کی مشکلات کا سامنا کر کے طاعت الٰہی کی مضبوط چٹان پر کھڑے رہتے ہیں۔ اس سورت میں تواصوا بالحق کے الفاظ سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انسان

Marfat.com

کی صرف یہی خوبی نہیں ہے کہ وہ خود حق کے بلند مینار پر کھڑا ہو جائے بلکہ حقیقی خوبی یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی حق کی بلندی کی طرف لے جائے۔ اور حق دعوت اسلام کا نام ہے۔

— قرآن مجید میں دوسری جگہ آتا ہے: فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (۲:۱۵۲) پس مجھے یاد کرتے رہو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میری ناشکری نہ کرو۔ اس آیت میں مسلمانوں کی ترقی کا راز بیان کیا ہے کہ مسلمان اس وقت بڑے بن سکتے ہیں جب وہ اللہ کے ذکر کو پھیلائیں گے۔ اللہ کا نام یاد کرنے سے مراد اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔

— قرآن مجید میں آتا ہے: الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (حج ۲۲:۴۱) یعنی وہ لوگ جن کو ہم زمین پر صاحب اقتدار بناتے ہیں وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت پر تبلیغ اسلام فرض ہے۔

— **تبلیغ کی اہمیت از روئے حدیث**: عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا عظمت امتی الدنیا ونزعت عنھا ھیبۃ الاسلام واذا ترکت الامر بالمعروف والنھی عن المنکر حرمت برکۃ الوحی واذا تسابت امتی سقطت من عین اللہ۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت دنیا کی عظمت میں کھو جائے گی تو اسلام کی ہیبت ان کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی المنکر کو ترک کر دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی۔ جب آپس میں ایک دوسرے کو سب و شتم دینا شروع کر دے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

— ابن مسعود سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ نضر اللہ امرا سمع منا شیئا فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعی لہ من سامع۔ کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کو سرسبز اور کامیاب کرے جس نے

Marfat.com

ہم سے کوئی بات سنی پھر جس طرح اس کو سنا دوسروں تک پہنچا دیا کیوں کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سننے والے سے جس کو حدیث پہنچائی گئی ہے وہ زیادہ محفوظ رکھنے والا ہوتا ہے۔

پھر لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: بلغوا عنی ولو آیۃ یعنی مجھ سے پیغام حق سن کر لوگوں تک پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیبلغ العلم الشاھد الغائب (بخاری ۳:۲۷) کہ جاؤ ان لوگوں تک میری علمی باتوں کو پہنچا دو جو میری مجلس میں موجود نہیں ہو سکتے۔

اشاعت اسلام اور تبلیغ کا طریق کار

۱۔ عقیدہ کی اشاعت براہین اور دلائل کے زور سے ہونی چاہیئے۔ اسلام میں کسی نظریہ کی اشاعت بزور شمشیر نا جائز ہے کیوں کہ عقیدہ کا تعلق دل سے ہے تلوار کے زور سے جسم تو مطیع و منقاد کیا جا سکتا ہے لیکن دل کو گرفت میں نہیں کیا جا سکتا۔ تلوار کی ضرب سے عقیدہ زبان سے تو کہلوایا جا سکتا ہے لیکن دل میں راسخ نہیں کیا جا سکتا اس لیئے قرآن مجید نے اشاعت عقیدہ کا نہایت ہی عمدہ اصول مقرر کر دیا ہے (دلائل)

دین کی تبلیغ میں کوئی جبر نہیں ہے۔

۲۔ اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔ (نحل ۱۶: ۱۲۵) (حکمت، موعظۃ الحسنۃ، جادلہم احسن)

یعنی اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلاؤ اور ان کے ساتھ عمدہ طریق کے ساتھ بحث کرو۔ تیرا رب خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے گمراہ ہے وہ سیدھی راہ پر چلنے والے کو خوب جانتا ہے۔
اس آیت میں حکمت سے مراد مضبوط دلیل ہے عمدہ وعظ سے مراد یہ ہے کہ

Marfat.com

مبلغ اس خلوص اور خیر خواہی کے ساتھ نیک جذبات سے اپیل کرے، کہ مخاطب کا شوق اور رغبت ابھر آئے اور حق کے ساتھ اس کا تعلق جذباتی بھی ہو جائے۔

اس کے بعد جدال کا ذکر آیا ہے۔ اگر تبادلہ خیالات میں بحث کی ضرورت پیش آجائے تو عمدہ طریق سے بحث کی جائے جس سے دلوں میں نفرت کے جذبات پیدا نہ ہوں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ (وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ) اور ان کو برا بھلا نہ کہو جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں مبادا بے علمی سے وہ اللہ کو گالیاں دیں۔

۳۔ مبلغ کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ فلسفہ اسلام کی بنیاد صرف قرآن مجید پر رکھے۔ ہمارے پہلے متکلمین نے اپنے علم کلام کی بنیاد اپنے زمانہ کے فلسفہ پر رکھی۔ اس دور کے مشہور متکلم سرسید بھی مغربی فلسفہ پر اپنے علم کلام کی بنیاد رکھتے ہیں۔ دنیاوی فلسفے تو زمانہ کے حالات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں لیکن اسلام ایک ایسا فلسفہ بیان کرتا ہے جس میں کوئی تغیر نہیں۔ وہ ہر دور میں اپنی صداقت کا سکہ منوا تا ہے ایک وقت تھا کہ یورپ کے علماء نے مادہ کے ازلی ابدی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی لیکن آج علماء یورپ نے اس نظریہ کے برعکس یہ ثابت کیا ہے کہ مادہ ازلی نہیں یہ تو بجلی کے مفردات سے پیدا ہوتا ہے اور وہ بجائے خود نیبولا سے پیدا ہوتے ہیں اور نیبولا ایتھر کی تاریک شعاعوں سے پیدا ہوتا ہے پھر ایتھر کی شعاعوں کا تجزیہ ہوا تو ان کا عدم وجود برابر ہو گیا کیوں کہ ان کی ہستی محض علم حساب کی رو سے بنتی ہے ورنہ درحقیقت کچھ بھی نہیں فقط انرجی ہی باقی رہ جاتی ہے۔ غرض کہ دنیاوی فلسفہ زمانہ کے حالات اور لوگوں کے خیالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے اس وجہ سے علم کلام کی بنیاد اسی پر کھڑی کرنا سخت غلطی ہے۔

افسوس ہے کہ ہمارے اس دور کے متکلمین نے مغربی فلسفہ سے مرعوب ہو کر

Marfat.com

اسلام کے اصولوں کی صداقت مغربی فلسفہ کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی ہے اور دُور از کار تاویلات سے کام لے کر اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے اس وجہ سے مبلغ کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کلام کی بنیاد صرف اور صرف قرآن مجید پر رکھے کیوں کہ قرآن کے مسلمات نہ عقل کے خلاف ہیں اور نہ نیچر کے۔

تبلیغ اسلام ایک حد یا چند متفرق آدمیوں کی مساعی سے نہیں ہوسکتی تبلیغ یا تو حکومت کی سرپرستی سے ہوگی یا ایک منظم جماعت کے ذریعہ جس کا ایک امیر ہو مضبوط فنڈ ہو، دینی مدارس ہوں جہاں سے مبلغ تیار ہوسکیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران ۳:۱۰۲) اور سب کے سب ایک مرکزی نقطہ (قرآن) پر جمع ہو جاؤ اور تفرقہ نہ کرو۔

اس آیت میں ان تمام امور سے مجتنب رہنے کی تعلیم دی ہے جن سے شیرازہ بندی بکھرتی ہو۔ مسلمانوں میں انتشار اور تفرقہ کا باعث کفر بازی ہے۔ علماء نے غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی بجائے اپنے بھائی مسلمانوں کو محض فروعی اختلافات کی بناء پر کفر بازی سے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے پس تبلیغ اسلام کے لئے میدان عمل میں نکلنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ علماء اسلام اپنے فروعی اختلافات کو مٹا دیں اور اسلام کے بنیادی اصولوں پر متحد ہو کر ہو کر میدان میں نکلیں۔ قرآن مجید تفرقہ بازی کو مشرکین کی علامت قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

وَاتَّقُوْہُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ (روم ۳۱-۳۲)

اور اس کا تقوی کرو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں سے نہ بنو جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے بن گئے۔ ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہو رہا ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ خرابیوں کے جراثیم بھی اونچے طبقے سے نچلے طبقہ میں سرایت کرتے

Marfat.com

ہیں اور اس کے برعکس اگر اوپر کے طبقہ کی اصلاح ہو جائے تو نچلا طبقہ خود بخود ٹھیک ہوتا چلا جاتا ہے اس وجہ سے پہلے با اثر طبقے کو ہی حق کے طرف دعوت دینی چاہیئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کسی علمی نظریہ کو دوسروں تک پہنچاتے اور مقبول بنانے کے لئے دو چیزوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے :

اوّل : مال ، اور

دوم : قائدانہ صلاحیت رکھنے والے افراد۔

یہ دونوں چیزیں خواص الناس سے ہی ملیں گی ۔

اسلام کی خوبیوں کو نسبتہ

۶ ۔ اسلام کی تبلیغ کرتے وقت ہمیشہ اسلام کی خوبیاں اور اوصاف بیان کرتے چاہئیں۔ دوسرے مذاہب کے مشنریوں کی طرح یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ اپنا دامن گراں بہا قیمتی موتیوں سے تہی ہونے کی وجہ سے دوسروں کے جواہرات کو خزت اور پتھر کہنا شروع کر دے ۔ ۱۳ط طبائع قبول حق کرنے کی بجائے نفرت کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

تدریج

۷ ۔ تبلیغ کرتے وقت ایک خاص تدریج اور ترتیب کا اہتمام ضروری ہے تمام انبیاء علیہم السلام نے دعوت حق میں توحید اور عبادت الٰہی کو مقدم کیا۔ رسول کریم صلی علیہ وسلم نے جب سلاطین کو تبلیغی خطوط لکھے تو قرآن مجید کی یہ آیت لکھی :

ترتیب

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ

(آل عمران ۶۴)

اے اہل کتاب ایک ایسے کلمہ کی طرف آؤ۔ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے وہ یہ ہے کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور ہمارا بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ اگر وہ پھر جائیں پس تم کہو کہ گواہ رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو تبلیغی مشن پر یمن بھیجا۔ آپ نے فرمایا :۔ اُدْعُهُمْ إِلَىٰ شَهَادَةِ

Marfat.com

اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ افترض علیھم خمس صلوت فی کل یوم و لیلۃ فان ھم اطاعوا لذلک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ فی اموالھم توخذ من اغنیاءھم و ترد فی فقرائھم (بخاری کتاب الزکوٰۃ ۲۴۲:۲۲۲)

تو انہیں دعوت دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ ایسا مان جائیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اگر وہ یہ بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان کے مالوں میں ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مال داروں سے لیا جائے گا اور ان کے محتاجوں کو دیا جائے گا۔

یہ ہے دعوت کا تدریجی طریقہ کہ پہلے اللہ کی توحید اور رسالت منوائی جائے پھر نماز کے لئے کہا جائے پھر زکوٰۃ کے لئے اس کے بعد دوسرے ارکان اسلام کی تبلیغ کی جائے۔

سہل

۸۔ اسلام ایک فطری دین ہے اس لئے اس کے احکام اور تعلیم میں کسی قسم کا عسر اور سختی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا اللہ تعالیٰ کسی شخص کو احکام الٰہی کے ادا کرنے میں اتنی تکلیف نہیں نہیں کہ وہ برداشت سے باہر ہو۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (بقرہ ۱۸۵) یعنی اللہ تمہارے ساتھ آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ بُعِثْتُ بِالْحَنِیْفِیَّۃِ السَّمْحَۃِ یعنی میں سہل مذہب لے کر مبعوث ہوا ہوں۔

ایک اور حدیث ہے:۔ اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ (بخاری۔ مشکوٰۃ) یعنی دین آسان ہے اور جو شخص دین میں مبالغہ کرتا ہے اس پر وہ غالب آجاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام

Marfat.com

کو تبلیغی مشن پر بھیجتے تو ہدایت فرمایا کرتے تھے:۔ فبشروا ولا تنفروا، یسروا ولا تعسروا پس مبلغ کو اسلام اس رنگ میں پیش کرنا چاہیئے کہ پڑھنے والے کا دل بول اٹھے کہ یہ تعلیم عین فطرت کے مطابق ہے۔

مُبلّغ کے اوصاف

(۱) صحیح العقائد مبلّغ کا پہلا وصف یہ ہونا چاہیے کہ وہ صحیح العقائد ہو اور اسلام پر دل و جان سے ایمان لائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنھَونَ عَنِ المُنکَرِ وَتُومِنُونَ بِاللّٰہِ[1] تم بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ ایمان باللہ کا ذکر کر کے صحیح عقائد اور صحیح ایمان کی اہمیت بیان کی ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ اٰمَنَ الرَّسُولُ بِمَا اُنزِلَ اِلَیہِ مِن رَّبِّہٖ وَالمُؤمِنُونَ[2] رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کی طرف سے اتارا گیا اور مومن بھی ایمان لائے۔

حق کی بصیرت :۔[3] قُل ھٰذِہٖ سَبِیلِی اَدعُوا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِی[3] اے رسول! کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے اور میں علی وجہ البصیرت خدا کی طرف دعوت دے رہا ہوں اور وہ لوگ بھی جو میری اتباع میں کام کر رہے ہیں۔

عالم باعمل :۔[4] مبلغ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خود بھی اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے والا ہو۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:۔ اَتَامُرُونَ النَّاسَ بِالبِرِّ وَتَنسَونَ اَنفُسَکُم[4] کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ لِمَا تَقُولُونَ مَا لَا تَفعَلُونَ۔[5]

---

[1] آل عمران ۳: [2] البقرہ ۲: [3] یوسف: ۱۰۸ [4] البقرہ [5] الصف:

Marfat.com

تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔

۴) **بے لوث خدمت اسلام:۔** قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ [۱]
ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا سوائے اس کے جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔

۵) **خدا کی نصرت پر یقین کامل:۔** يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ [۲] اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط کرے گا۔
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ [۳]
جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے راستہ کی ہدایت دیتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

۶) **قلبی تڑپ:۔** فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔ [۴] اے رسول! شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان ہلاک کر دیں گے اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔

۵) **باوقار شخصیت:۔** مبلغ ایک باوقار شخصیت کا مالک ہونا چاہیئے اور مخالف اس کو ہلکا نہ سمجھیں ارشاد الٰہی ہے:۔ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ [۵]
اور ہلکا نہ پائیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں کرتے۔

۷) **تعصب سے بالا:۔** مبلغ کو تعصب سے بالاتر ہونا چاہیئے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا [۶]۔ اے ایمان والو! اللہ کے لئے حق کی شہادت دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں بے انصافی پر نہ ابھارے۔

۸) **علم:۔** مبلغ کو دین کے علم سے آراستہ ہو کر میدان تبلیغ میں جانا چاہیئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ [۷]

---

[۱] الفرقان: ۵۷ [۲] محمد: ۷ [۳] عنکبوت ۶۹ [۴] الکہف: ۶ [۵] الروم ۶۰ [۶] المائدہ [۷] الزمر: ۹۔

Marfat.com

کہہ دیجئے کیا علم والے اور جہل والے برابر ہو سکتے ہیں۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۱

ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکلے تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کرے اور یہ لوگ اپنی قوم کو ڈرائیں جب ان کے پاس آئیں تاکہ لوگ بچیں۔

علم ہی ایک ایسا وصف ہے۔ جو مبلغ کو افراط اور تفریط کا شکار نہیں ہونے دیتا تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ مذہب میں اس وقت بگاڑ پیدا ہوا جب علم اٹھ گیا۔ اور لوگوں نے افراط اور تفریط کے راستے اختیار کر لئے۔

۳) **استقامت اور صبر:۔** کامیابی کی کلید استقامت اور صبر ہے۔ اس وجہ سے مبلغ کی کامیابی کا راز استقامت میں ہے ارشاد ہے:۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ۔ ۲ یعنی وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر استقامت اختیار کی۔ پھر ہر قسم کی تکلیف مصیبت اور آزمائش کے وقت ثابت قدم رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم مت ڈرو۔ اور مت غمگین ہو۔ تم کو جنت اور دائمی خوشی کی بشارت ہے۔ جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے ہم دنیا اور آخرت کی زندگی میں تمہارے دوست ہیں۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (بقرہ) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ (احقاف)

صبر کیجئے جس طرح صاحب عزم رسولوں نے صبر کیا۔

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (بقرہ) جو لوگ تکلیف میں اور تنگی میں اور لڑائی میں صبر سے کام لیتے ہیں وہی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اور یہی لوگ متقی ہیں۔

۴) **قیام لیل (تہجد کا پڑھنا):۔** مبلغ کے لئے تہجد پڑھنا ضروری ہے جب اللہ تعالیٰ

---

۱ التوبہ: ۱۲۲ ۲

نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے مبعوث فرمایا تو اس کے ساتھ ہی قیام لیل کا حکم دیا ارشاد الٰہی ہے :- یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ [۱] اے کپڑا اوڑھنے والے رات کو نماز تہجد کے لئے کھڑا ہو سوائے تھوڑے حصے کے یعنی اس کا آدھا یا اس سے کچھ کم یا اس پر بڑھا۔ ۔

۱۱) دل کی تطہیر :- جب اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلعم کے کندھوں پر لوگوں تک پیغام حق پہنچانے کا بوجھ ڈالا تو اس وقت فرمایا :- ثیابک فطھر والرّجز فاھجر [۲] یعنی اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ دے۔ ثیاب سے مراد لباس بھی ہو سکتا ہے اور کنایہ کے طور پر دل بھی تطہیر ثیاب کے معنی ابن عباس اور عکرمہ سے یہ مروی ہیں کہ اللہ کی معصیت کا لباس مت اوڑھ۔ ابن عباس سے معنی تطہیر بیان ہوئے ہیں۔ عرب مطہر الثیاب اس شخص کو کہتے تھے جو عہد کو پورا کرے اور لوگوں میں اصلاح کرے۔ اچھے عمل کرنے والے کو بھی طاہر الثیاب کہتے ہیں۔

اس آیت میں ظاہر اور باطن دونوں کی صفائی مراد ہے۔ پس مبلغ کے لئے دل کی طہارت ضروری ہے۔

۱۲) دعا :- مبلغ جب میدان تبلیغ میں نکل پڑے تو وہ ہر وقت اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور اس کی طرف جھکا رہے کیونکہ دعا سے اللہ تعالیٰ کی معرفت بڑھتی ہے۔ دعا ہی وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعہ غیب سے کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ [۳] مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔

دوسری جگہ آتا ہے :- وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا [۴] اپنے رب کے نام کی بڑائی کر اور اس کی طرف متوجہ ہو جا۔

مبلغ کے فرائض

۱- اسلام کا سرچشمہ اور اصل الاصول قرآن مجید ہے۔ اس سرچشمہ سے زندگی تروتازہ

---

[۱] مزمل ۷۳: ۱-۴ [۲] المدثر [۳] [۴] ۷۳: ۸۔

ہوتی ہے اور اسی اصل سے اسلام کی تمام شاخیں برآمد ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے مبلغ کو میدان تبلیغ میں قرآن مجید کو ہی اصل الاصول ٹھہرانا چاہیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام قرآن مجید کی تعلیم کی اشاعت کو ہی اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ (۵۰: ۴۵) سو تو قرآن کے ساتھ نصیحت کر جو میرے وعدہ عذاب سے ڈرتا ہے۔

۲۔ مبلغ کا مزاج امور دین میں اتنا پختہ اور راسخ ہونا چاہیے کہ وہ کسی پہلو سے بھی افراط اور تفریط کا شکار نہ ہو سکے۔ قرآن مجید میں افراط اور تفریط کی لعنت سے بچنے کے لئے اهدنا الصراط المستقيم کی دعا سکھائی ہے۔ اے خدا ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ صراط مستقیم وہ راستہ ہوتا ہے جو افراط اور تفریط سے مبرا اور پاک ہو۔ پھر ساتھ ہی مغضوب علیہم اور ضالین (یہود اور نصاریٰ) کا ذکر کر دیا ہے جو افراط اور تفریط کے راستہ پر گامزن ہوئے تھے۔ اس بات کی وضاحت قرآن مجید نے لا تغلوا في دينكم ۔ یعنی اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ کے الفاظ میں کر دی ہے۔

۳۔ مبلغ کو ان تمام امور سے مجتنب رہنا چاہیئے جن سے دین میں تفرقہ پڑتا ہو۔ مثلاً تکفیر بازی یہ وہ خطرناک روش ہے جس پر مسلمان علماء نے مل کر دین اسلام کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اور اسلام کے رخ زیبا کو کفر کے فتووں سے داغ دار کر دیا ہے۔ قرآن مجید انتشار پسندی کا شدید مخالف اور اتفاق اور اتحاد کا حامی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا اے مسلمانو! اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور انتشار کا شکار نہ ہو جانا۔ دوسری جگہ آتا ہے:۔ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (شوریٰ ۴۲: ۱۳) دین کو قائم کرو۔ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

۴۔ مبلغ غیر مذاہب کے لوگوں کو مہذبانہ طریقہ سے دعوت اسلام دے تاکہ ان کے دل اسلام کی صداقت کے لئے کھل جائیں۔ بعض اوقات مبلغ کی سخت اور تیز کلامی اسلام کے قبول کرنے میں مانع جاتی ہے قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ (۲۹: ۴۶)

Marfat.com

اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر اچھے طریقہ سے سوائے اس کے جو ان سے ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو تبلیغ حق کے لئے فرعون کے پاس جانے کی ہدایت کی۔ تو ساتھ ہی تبلیغ حق کا طریق بھی بتایا۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ ۲۰: ۴۴) سو اسے نرم بات کہو شاید وہ نصیحت پکڑے اور ڈر جائے۔ پھر قرآن مجید میں آتا ہے:۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (۱۶: ۱۲۵) تو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے مہذبانہ طریق سے بحث کر۔

غلط تبلیغ اور اس کی اصلاح

اول تو مسلمانوں میں نہ اشاعت اسلام کا شوق باقی رہا ہے نہ اس کی اہمیت سے آگاہ ہیں۔ دنیا کے نقشہ پر کتنی اسلامی حکومتیں ہیں۔ لیکن ایک بھی ایسی نہیں ہے جس نے فریضہ تبلیغ کی سرانجام دہی کے لئے اپنے بجٹ میں باقاعدہ رقم مخصوص کی ہو۔ اسی طرح کتنی مذہبی تنظیمیں ہیں جو لاکھوں روپے سادہ لوح مسلمانوں کی جیبوں سے غصب کرکے اپنے ذاتی مفاد پر خرچ کر رہی ہیں۔ بعض مذہبی جماعتوں کے ایسے بھی سربراہ ہیں اور گزرے ہیں۔ جو کہ کوڑیوں سے کروڑ پتی بن چکے ہیں۔ انہوں نے صرف غریب افراد جماعت کے خون پسینہ کی کمائی ہوئی دولت ہی نہیں چھینی بلکہ اپنی شہوانی حرص کو پورا کرنے کے لئے بے شمار معصوم عورتوں کی آبروئیں بھی لوٹی ہیں۔ اگر ایسی جماعت کے افراد نے صدائے احتجاج بلند کی اور اپنی لٹی ہوئی آبرو پہ واویلا کیا تو درندہ صفت نام نہاد مذہبی لیڈروں نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور اپنے مریدوں سے کہا کہ احتجاج کرنے والوں کا سوشل بائی کاٹ کر دو۔ جب ان کو دیکھیں تو لاحول پڑھیں۔ سادہ لوح مریدوں نے اپنے پیر کی آواز پر صرف لبیک ہی نہیں کہا۔ بلکہ احتجاجی کو قتل کرکے ہمیشہ کے لئے موت کی گود میں سلا دیا تاکہ ان کا مرشد راضی ہو۔

Marfat.com

ہمارے ملک میں اب بھی سبائی قسم کی تحریکوں کا وجود ہے ان تحریکات کا سب سے بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ جب یہ تحریکات اپنے افعال شنیعہ کی وجہ سے ننگی ہو جاتی ہیں۔ تو لوگ دہریت اور الحاد کا شکار ہو جاتے ہیں اشتراکیت چرچ کی خرابیوں کا ہی ردعمل ہے۔ اسلامی حکومتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر مذہبی تحریک کا ژرف نگاہی سے مطالعہ کریں۔ ان کے پروگراموں پر کڑی نگرانی رکھیں۔ ان کے سربراہوں کی دولت اور چال چلن کا سختی سے محاسبہ کرتی رہیں۔

میں پھر اپنے موضوع کی طرف رجوع کر کے اسلامی حکومتوں کے سربراہوں کی خدمت میں اپیل کرتا ہوں۔ کہ اشاعت اسلام کے فرض منصبی کو کماحقہٗ ادا کریں قرآن مجید کی رو سے ایک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تبلیغ کے اہم فریضہ کو سرانجام دے۔

پاکستان یا دوسرے اسلامی ممالک میں جو مذہبی جماعتیں تبلیغ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ غلط راستہ پر گامزن ہیں۔ ان جماعتوں کے نزدیک تبلیغ صرف اس بات کا نام ہے کہ کسی دوسری جماعت کو کافر کہہ دے۔ یا کسی فروعی مسئلہ کو دین کا عین جزو قرار دے کر اپنے سیاسی پروگرام کی راہ ہموار کرے یا کسی ایک بیرونی حکومت کے سیاسی نظریات کی جڑوں کو اپنے ملک میں مضبوط گاڑنے کے لئے سیاست کی پرخار وادی میں داخل ہو کر اسلام کی آڑ میں ان کے نظریات کی ترویج کرتی پھرے۔ اور اس کو اجتہاد کا نام دے۔ یا اپنے نام نہاد مذہبی سربراہوں کے کارناموں کی ترویج کرتی پھرے اور ان کی بیعت کو جزو ایمان قرار دے۔ یہ تمام چیزیں بدعت اور گمراہی کا موجب ہیں اور مسلمانوں میں تفرقہ کا موجب ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دائرۂ تبلیغ دو حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصہ مسلمانوں کی اصلاح اور تعلیم پر اور دوسرا حصہ غیر مذاہب کو دعوت حق کے ابلاغ پر مشتمل ہے۔ حصہ اول کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (الجمعۃ ۶۲:۲)

وہ خدا جس نے امیوں میں ایک رسول بھیجا جو ان پر خدا کی آیات تلاوت کرتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی کھلی گمراہی میں تھے

Marfat.com

اس آیت کریمہ میں موضوع تبلیغ چار بیان کئے ہیں :-

۱- تلاوت آیات - ۲- تزکیہ نفس - ۳ تعلیم کتاب و ۴- تعلیم حکمت -

غیر مذاہب کے لوگوں کے لئے سخن تبلیغ توحید اور صداقت رسالت ہوتا تھا -

قرآن مجید میں آتا ہے :- یٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا (النساء) اے اہل کتاب آؤ ہم اس ایک امر مشترک پر جمع ہوجائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے وہ یہ ہے کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں - اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں - یہ وہ مشہور آیت ہے کہ جب آپ نے سلاطین کو تبلیغی خطوط ارسال کئے تھے - تو اس آیت کو موضوع خط بنایا تھا -

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو تبلیغی مشن پر بھیجتے تو یہ ہدایت فرماتے کہ پہلے مخالفین کو توحید کی طرف بلانا - جب وہ توحید کو مان جائیں تو پھر رسالت کو پیش کرنا رسالت کو مان جائیں تو پھر ان سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں - جب یہ بھی مان جائیں تو پھر ان سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں غرباء کے لئے زکوٰۃ فرض کی ہے -

یہ ہیں وہ تبلیغ کے دو حصے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہیں -

افسوس اس امر کا ہے کہ ہمارے علماء نہ تو عوام کے اخلاق کو سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ان کو اسلام کی صحیح تعلیم سے روشناس کراتے ہیں - بلکہ تکفیر بازی اور فروعی اختلافات میں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں - اور نام نہاد مسلم مشنری صرف اپنے کسی گزرے ہوئے بزرگ اور فرقہ کی تبلیغ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں -

ریاست اور فرد

مملکت اور افراد کے تعلق کے بارہ میں مختلف نظریئے ہیں -

۱- نظریہ وحدت :- (MONISTIC THEORY) افراد مملکت کا جزو ہیں - اور اپنا کوئی الگ وجود نہیں رکھتے -

Marfat.com

۲۔ **نظریہ افرادیت:۔** (MOHADISTIC THEORY) مملکت افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ان میں حقیقی وحدت نہیں ہے۔

۳۔ **نظریہ ثنویت:۔** (DUALISTIC THEORY) افراد اور مملکت کا الگ الگ وجود ہے۔اور وہ صرف اپنی مرفہ الحالی اور بہبود کے لیے مملکت کے محتاج ہوتے ہیں۔

۴۔ **نظریہ نامیت:۔** (ORGANIC THEORY) مملکت اور افراد کی مثال جسم اور اس کے جوارح کی ہے۔جسم اعضاء کے مجموعے کا نام ہے لیکن خود عضو نہیں اور جوارح جسم کے ذریعہ ہی زندہ رہ سکتے ہیں لیکن عضو فی ذاتہٖ جسم نہیں ہیں۔

۵۔ **نظریہ افادیت:۔** (UTILITARIAN THEORY) مملکت کا وجود افراد کی خوشحالی اور بہبودی کے لیے ہے۔

۶۔ **نظریہ مطلقیت:۔** (ABSOLUTE OR IDEALISI-THEORY) مملکت اپنا مستقل وجود رکھتی ہے اور افراد اس کے تابع ہوتے ہیں۔مملکت کے مقابلہ میں فرد کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔یہ تمام نظریات افراط اور تفریط کا شکار ہیں۔یا تو افراد کو مملکت کے بالکل تابع کر دیا گیا ہے یا مملکت کو افراد کے تابع۔ اسلام کا نظریہ افراط اور تفریط سے پاک ہے اسلام مملکت کی فرمانبرداری کی اس وقت تک تعلیم دیتا ہے جب تک مملکت قانون کے تابع ہے۔اگر حکومت قانون سے سرمو انحراف کرے تو عوام کو حکمران طبقہ سے اقتدار چھین کر ان لوگوں کے سپرد کر دینے کا کلی اختیار ہے جو اس کے اہل ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے:۔ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ [1]

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو۔پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔

---

[1] النساء ۴:۵۹۔

Marfat.com

اس آیت کریمہ میں مملکت کی اطاعت مشروط قرار دی ہے۔ جب تک مملکت مفاد عامہ کا خیال رکھے۔ عوام کا یہ فرض ہے کہ وہ مملکت کے احکام کی اطاعت کریں اگر حکمران طبقہ خود غرضی اور معصیت اور قانون شکنی کا شکار ہو جائے تو عوام پر اطاعت لازم نہیں رہتی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: على المرء المسلم السمع والطاعة فيما احب وكره الا ان يومر بمعصية فان امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة [1] ہر مسلمان مرد پر سمع وطاعت ہے۔ خواہ وہ خوشی سے کرے یا ناپسندیدگی سے تاوقتیکہ اس کو گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سمع ہے اور نہ طاعت۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا: فان احسنت فاعينوني وان انا زغت فقوموني [2] اگر میں نیکی کروں تو میری مدد کرو اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرو۔

آیت کریمہ اور احادیث نبوی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام میں نہ تو حکمران طبقہ کلی طور پر مختار ہے کہ جو چاہے کرے۔ اور عوام ان کا حکم مانتے چلے جائیں۔ اور نہ عوام کو یہ کلی اختیار حاصل ہے کہ جب چاہیں حکمران طبقہ کے خلاف اٹھ کر ان سے زمام اقتدار چھین لیں۔ اس لئے اسلام کہتا ہے:

"اگر حکومت مفاد عامہ سے ربط وضبط رکھتی ہے۔ تو عوام اس حکومت سے مکمل تعاون کریں۔ اور عوام کو یہ حق دیا ہے کہ اگر حکومت کے مفاد کا خیال نہیں رکھتی تو حکمران طبقہ سے زمام اقتدار لے کر اہل طبقہ کے سپرد کریں"

سید شریف لکھتے ہیں:

"اگر مسلمانوں کے کام درست طریقہ پر انجام نہ پائیں، اور

---

[1] مسلم باب الجہاد [2] کتاب الاموال لابی عبید

Marfat.com

دین کے معاملات میں خرابی کی صورت نظر آئے تو امت امام کو عہدہ سے علیحدہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اجتماعی نظم و نسق کے لئے امام کا تقرر بھی امت کا حق ہے اور معزول کرنا بھی۔"[۱]

اسلام کی خارجہ پالیسی کے اصول

پہلا اصول: اسلامی حکومت اس بات کا خیال رکھے کہ غیر مسلم حکومت سے اس قسم کے معاہدات نہ کرے جس سے کسی دوسری اسلامی حکومت کے مفادات مجروح ہوتے ہوں لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ[۲] اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ہمدرد اور دوست نہ بناؤ۔ اگر کوئی غیر مسلم حکومت کسی اسلامی حکومت پر حملہ کرے تو دنیا کے تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی مدد کریں۔

دوسرا اصول: اسلامی حکومت کے تمام معاملات صلح اور امن پر ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اسلام صلح اور امن کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی میں ہر رنگ میں امن کی روح قائم رہنی چاہیئے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا[۳]

اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں

تو تم بھی مائل ہو جاؤ۔

امن قائم کرنے کے اصول

اچھی کی معاونت: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ

---

[۱] المواقف مع شرح جلد ۸ ص ۳۵۳ [۲] آل عمران ۳ : ۲۸

[۳] الانفال ۸ : ۶۱

Marfat.com

وَالْعُدْوَانِ - یعنی ایک دوسرے کی نیک کام اور پرہیزگاری پر امداد کرو اور گناہ اور ظلم پہ مدد نہ کرو۔

(۲) اگر دنیا کی بڑی طاقتیں اس اصول پہ عمل کریں کہ وہ حق و صداقت میں تعاون کریں اور برائی اور باطل میں ترک تعاون کی راہ اختیار کریں تو دنیا میں امن قائم ہو جائے گا دنیا میں فساد کی صرف وجہ یہ ہے کہ بڑی بڑی حکومتیں باطل کا ساتھ دیتی ہیں۔

(۳) محاربین کے درمیان عدل سے صلح کرانا: وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [۱] اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو۔ پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پس اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو اور انصاف کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اگر دو ملکوں کے درمیان ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن سے لڑائی کا اندیشہ ہو یا لڑائی شروع ہو گئی ہو تو حکومتوں کا یہ فرض ہے کہ وجہ فساد دریافت کر کے متحارب فریقین کے درمیان صلح کرا دیں۔

(۴) اگر کوئی فریق صلح کی طرف مائل نہیں ہوتا، دنیا کے امن کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے تو زیادتی کرنے والے فریق کے خلاف تمام دنیا کی طاقتیں اعلان

---

[۱] الحجرات ۴۹ : ۹

Marfat.com

جنگ کردیں اور اس وقت تک جنگ جاری رکھیں جب تک زیادتی کرنے والا فریق حق کی طرف لوٹ نہیں آتا۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:
انصر اخاک ظالما او مظلوما یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔
صحابہ کرام نے پوچھا ظالم کی مدد کس طرح کریں۔ فرمایا ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ ظلم سے روک لو۔

صلح کرانے کا یہ سنہری اصول بتایا کہ متحارب فریقین کے درمیان صلح کراتے وقت عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہیئے۔

تیسرا اصول

اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی ایک عالمی انسانی برادری قائم کرنے والی ہو۔ اور تمام اقوام عالم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے والی ہو۔ کیونکہ اسلام نسل انسانی کی وحدت کا پیغام لے کر آیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:
كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا [1] سب لوگ ایک ہی امت ہیں لیکن وہ آپس میں جھگڑتے ہیں۔
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ [2]
اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک اصل سے پیدا کیا۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
اللھم ربنا ورب کل شئ انی اشھد ان العباد کلھم اخوۃ [3]
اے ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس

---

[1] یونس ۱۰: ۱۹ [2] النساء ۴: ۱ [3] احمد، ابو داؤد۔

Marfat.com

ہیں بھائی بھائی ہیں۔

تواخوا فی اللہ اخوین اخوین [1] اللہ کی رضا کے لئے دو دو بھائی ہو جاؤ۔

چوتھا اصول

اسلامی حکومت عہدو پیمان کا احترام کرنے والی ہو۔ ارشاد الٰہی ہے۔
اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا [2] عہد پورا کرو یقیناً عہد کے متعلق پوچھا جائیگا۔
یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔ [3] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے معاہدے پورے کرو۔

نقض عہد کے متعلق ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا [4] (قسموں) عہد کو پکا کرنے کے بعد مت توڑو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًا بَیْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰی مِنْ اُمَّةٍ [5]

اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے محنت کرکے کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب بنا لیتے ہو۔ اس لئے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھ کر ہو۔

نقض معاہدہ کے لئے اسلام نے صرف دو صورتیں قرار دی ہیں:

۱۔ فریق ثانی معاہدہ کو پورا کرنے میں کوتاہی برت رہا ہے۔ اس وقت اسلام یہ اجازت دیتا ہے کہ معاہد قوم کو فوراً اطلاع دے دی جائے کہ اب معاہدہ نہیں رہا۔

ارشاد الٰہی ہے: اَمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ۔ [6] اگر تجھے

---

[1] کنوز الحقائق حرف التاء [2] بنی اسرائیل ۱۷: ۳۴ [3] مائدہ ۵: ۱
[4] النحل ۱۶: ۹۱ [5] النحل ۱۶: ۹۲ - [6] الانفال ۸: ۵۸

Marfat.com

قوم کی دغا بازی کا خوف ہو تو ان کے عہد برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی پھینک دے اللہ دغا بازوں سے محبت نہیں کرتا۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اسلام بدعہدی سے روکتا ہے۔ ہاں اگر قوم کی خیانت کا علم ہو جائے تو ان کو برابری کا موقعہ دے کر معاہدہ سے دست بردار ی کر لی جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کان بینہ وبین قوم عھد فلا یحلن عقدہا حتی امد ھا او ینبذ الیھم علی سواء۔ یعنی جس کا اس سے معاہدہ ہو اسے چاہیے کہ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے عہد کو نہ کھولے۔ یہ نہیں تو ان کا عہد برابری کو ملحوظ رکھ کر ان کی طرف کرے۔

دوسری صورت یہ ہے، کہ معاہدہ خاص حالات کے تحت کیا گیا ہو پھر صورت کے لئے اس معاہدہ کو قائم رکھنا باعث مضرت ہو۔ اس معاہدہ سے فائدہ یا نقصان پہنچ رہے ہوں۔

اس صورت میں معاہدہ فسخ کیا جا سکتا ہے۔ اور اطلاع معاہد قوم تک دینا ضروری ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ[1] اور یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو حج اکبر کے دن اطلاع ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے۔

معاہدہ کی شرائط

۱۔ معاہدہ فریقین کی رضامندی سے ہوا ہو۔

---

[1] التوبہ ۹ : ۳

۲۔ معاہدہ ایک دستاویز میں غیر مبہم الفاظ میں لکھا جائے جس میں فریقین کے حقوق و فرائض شرائط وغیرہ متعین کر دیئے جائیں۔

پانچواں اصول: خارجہ پالیسی بین الاقوامی عدل پر مبنی ہو۔ ارشاد الٰہی ہے:
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ [۱]
اے ایمان والو! اللہ کے نام پر انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ کسی قوم کی دشمنی تم کو اس امر پر نہ اکسائے کہ عدل کا دامن چھوڑ دو تم بہر حال انصاف کا کرو یہ بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

چھٹا اصول: جنگ کے متعلق یہ ہے کہ جارح قوم کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر مدافعت نہ کی جائے تو امن برباد ہو جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا [۲] اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو۔ جنگ کی حد بیان کر دی کہ وہ زیادتی کے جذبے سے پاک ہو محض مدافعت اور بدلہ مقصود ہو۔ ارشاد الٰہی ہے: جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا [۳] بدی کا بدلہ اس کی مثل سزا ہے۔

ساتواں اصول: قرآن مجید نے مسلمانوں کو "امت مسلمہ" کے خطاب سے نوازا ہے ارشاد الٰہی ہے: وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم سارے لوگوں کے پیش رو بنو اور رسول تمہارا پیش رو ہے۔ اس آیت کریمہ میں اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی کا ایک اصول مقرر کیا ہے وہ یہ جو سچائی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے اسے لوگوں تک پہنچائیں۔ یعنی اسلامی حکومت اسلام کی مبلغ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کوئی البیا رویہ اختیار نہیں کر سکتی جو اسلام کی تعلیم کے منافی ہو۔

---

[۱] مائدہ ۵ : ۸ [۲] بقرہ ۲ : ۱۹۱ [۳] الشوریٰ ۴۲ : ۴۰
[۴] البقرہ ۲ : ۱۴۳

Marfat.com

۳

بین الاقوامی تنظیمیں

غلام رسول

Marfat.com

Marfat.com

بین الاقوامی تنظیمیں

بین الاقوامی تنظیموں کے تصور کا نشوونما

دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے مجلس اقوام کے تصور کا نشوونما آخری دو صدیوں میں شروع ہوا۔ سب سے پہلے یہ تصور امریکہ میں ۱۸۱۵ء کے گرد و پیش میں ظاہر ہوا۔ یہاں سے انگلینڈ، پھر فرانس اور سوئٹزرلینڈ میں پھیلا۔ سب سے پہلے ۱۸۴۳ء میں لندن میں کانفرنس ہوئی۔ پھر ۱۸۴۹ء میں پیرس میں ہوئی۔ ان کانفرنسوں کے انعقاد کے بعد انگلستان، فرانس اور امریکہ میں متعدد امن پسند تنظیمیں وجود میں آئیں۔ ان تنظیموں کا مرکزی کام صرف امن پسندانہ افکار کی اشاعت اور غلامی کا خاتمہ تھا۔

ان تنظیموں کی سرگرمیاں جنگ کریمیا اور پیرس امن کانفرنس (۱۸۵۵ء سے ۱۸۵۶ء) تک موقوف رہیں۔ آخرکار فریڈرک باسی نے اپنی انتھک جدوجہد سے اس تعطل کو ختم کر دیا اور از سر نو تحریک امن کا آغاز ہوا۔ یہ تحریک اس شدت سے شروع ہوئی کہ ۱۸۷۰ء کی جنگ جرمنی اور فرانس اور ۱۸۷۷ء کی جنگ روس اور ترکی بھی اس تحریک کے اثرات کو ختم نہ کر سکیں۔ بلکہ یہ تحریک تمام یورپ میں پھیل گئی۔ ہر طرف سے امن سے زندگی بسر کرنے اور غلامی کے خاتمے کے لئے نعرے بلند ہونے لگے۔ ۱۸۷۰ء کے بعد دو ممالک میں جھگڑے کی صورت میں ثالثی کی تجویز ہر قوم نے تسلیم کر لی۔ اس اصول کو مان لینے کے بعد ہر گوشہ سے یہ آواز بلند ہونے لگی کہ ایک بین الاقوامی دستور وضع کیا جائے۔ ۱۸۸۹ء میں عالمی امن کانفرنس اور پارلیمانی اتحاد کانفرنس ظہور میں آئیں۔ ان دونوں کانفرنسوں نے ۱۸۹۹ء میں لاہائے کانفرنس میں ثالثی کی تجویز پاس کرانے اور بین الاقوامی عدالت کی بنیاد ڈالنے اور بین الاقوامی مجلس دستور ساز کی تشکیل کے لئے عزم کا اظہار کیا۔ چنانچہ ۱۸۹۳ء شکاگو میں امن کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں بین الاقوامی محکمہ عدالت کی تشکیل کے لئے بحث و تمحیص ہوئی۔ اس کے بعد متعدد کانفرنسیں منعقد ہوئیں جن میں بین الاقوامی قانون پاس کیا گیا۔ ۱۸۹۹ء میں لاہائے میں پہلی امن کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں دنیا کی حکومتوں سے

Marfat.com

مطالبہ کیا گیا کہ وہ ثالثی کے بین الاقوامی محکمہ کی تشکیل کے لئے ایک عام معاہدہ میں شریک ہوں۔ اس کے بعد لاہائے میں ایک اور کانفرنس منعقد کی، اس میں اسلحہ کی تخفیف اور ثالثی کے بین الاقوامی محکمہ کی تشکیل سے متعلق قرارداد پاس کی گئی اور لاہائے میں مجلس تحقیقات اور بین الاقوامی محکمہ عدالت کے قیام کی ہدایت کی۔ چنانچہ یہ کانفرنس اپنی قراردادوں کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہی۔ ناکامی کا ذمہ دار جرمنی تھا۔ بعض مورخین نے روس کو ذمہ دار قرار دیا ہے کہ اس نے یہ مجلس صرف اس وجہ سے منعقد کی تاکہ دنیا کی دوسری حکومتوں کو دھوکا میں رکھ کر خود جنگی اسلحہ تیار کر کے اپنے آپ کو مضبوط کرے۔

بہرحال دنیا کی تاریخ میں کانفرنس لاہائے امن عالم کے لئے بانی اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کانفرنس کا یہ فائدہ ہوا کہ حکومتوں کے درمیان ثالثی کے معاہدوں کا تصور عام ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں پہلی جنگ عظیم کے بعد تنظیم جمعیت اقوام (LEAGUE OF NATIONS) اور دوسری جنگ عظیم کے بعد انجمن اقوام متحدہ (UNITED NATIONS ORGNISATION) وجود میں آئیں۔

جمعیت اقوام (LEAGUE OF NATIONS)

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ — ۱۹۱۸ء) کے دوران لاکھوں آدمی لقمہ اجل بنے اور ہزاروں آبادیاں پیوند خاک ہوئیں۔ دنیا کو مستقبل میں اس قسم کی تباہی و بربادی سے بچانے اور امن سے زندگی بسر کرنے کے لئے خواہش پیدا ہوئی۔ امریکہ کے صدر وڈرو ولسن (WOODROW WILSON) کی سعی سے جرمنی اور اتحادیوں کے درمیان ۲۸ جون ۱۹۱۹ء کو ورسائی کے مقام پر ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے، جس کے حسب ذیل شرائط تھے:

۱۔ السس اور لورین کے صوبے فرانس کو واپس دیئے گئے اور طے پایا کہ دریائے رائن کے کنارے پر جرمنی نہ اپنی فوجیں رکھے گا اور نہ قلعہ بندی کرے گا۔

۲۔ جرمنی کا بحری بیڑا چھین کر اس کی بری فوج میں کمی کر دی گئی۔

۳۔ جرمنی سے اس کے تمام مقبوضات اور نوآبادیات لے لئے گئے۔ افریقہ میں تمام جرمن مقبوضات پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔

۴۔ سار کا علاقہ جس میں کوئلے کی کانیں ہیں پندرہ سال کے لئے فرانس کو دے دیا گیا۔

Marfat.com

۵- ہنگری اور آسٹریا کے کچھ حصے بوہیمیا کے ساتھ ملاکر چیکوسلواکیہ کے نام سے ایک نئی خودمختار سلطنت قائم کی گئی۔

۶- جرمنی پر گیارہ ارب پونڈ کی رقم تاوان جنگ کے طور پر ڈالی گئی۔ اس نے قسطوں میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

۷- روس، جرمنی اور آسٹریا کے کچھ حصوں کو ملاکر ایک نیا خودمختار ملک پولینڈ بنایا گیا۔ جرمنی کی بندرگاہ ڈینزگ کو آزاد کرکے تجارتی اغراض کے لئے پولینڈ کو دے دیا گیا۔

۸- ترکی کو شام، فلسطین اور عراق کے علاقوں سے محروم کر دیا گیا۔ شام فرانس کے قبضہ میں چلا گیا اور فلسطین و عراق پر انگریزی قبضہ ہوگیا۔ درد انیال انجمن بین الاقوام کے ماتحت رکھا گیا اور نہایت مختصر سا علاقہ ترکی کے پاس رہ گیا۔

۹- آئندہ دنیا کی مختلف قوموں کے جھگڑے فیصل کرنے اور دنیا میں امن قائم رکھنے کے لئے انجمن اقوام قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔[1]

اس معاہدہ کے تحت ۱۰ ارجنوری ۱۹۲۰ء میں ایک انجمن کی بنیاد ڈالی گئی جس کو انجمن اقوام (LEAGUE OF NATIONS) کہا جاتا ہے۔ ابتداء میں ستائیس ممالک انجمن کے مقاصد سے اتفاق کرکے ممبر بنے۔ ہر ملک اس کا ممبر بن سکتا تھا بشرطیکہ اراکین انجمن کی دو تہائی اکثریت اس کی تائید کرے۔ اس انجمن کی تشکیل کا محرک امریکہ تھا، لیکن امریکی سینٹ کی مخالفت کی وجہ سے خود اس کا ممبر نہ بن سکا۔ کیونکہ امریکی سینٹ اس انجمن کی تشکیل کو صرف یورپی معاملہ سمجھتا تھا اور یورپین معاملات سے علیحدہ رہنا پسند کرتا تھا۔

مقاصد

۱- دنیا بھر کے ملکوں کے باہمی تنازعات کا فیصلہ کرکے جنگ کو روکنا، تاکہ دنیا جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہ سکے۔

۲- ہر قسم کے اسباب جنگ کا انسداد مثلاً فوجوں کی تعداد اور سامان اسلحہ میں کمی کرنا۔

۳- ملکی تنازعات کے تصفیہ کے لئے ایک بین الاقوامی عدالت قائم کرنا۔

۴- دنیا کی مختلف قوموں کے مابین تعاون بڑھانا، تاکہ ان کی خوشحالی اور بہبود میں اضافہ ہو۔

---

[1] انقلابات عالم مرتبہ ادارہ تالیف و تصنیف صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳۔

Marfat.com

۵- بنی نوع انسان کی اجتماعی ترقی کی طرف توجہ دینا۔ مثلاً حفظان صحت، تعلیم اور دوسری بنیادی ضروریات کے سلسلے میں اقوام عالم کی مدد کرنا۔
۶- اراکین انجمن کو بین الاقوامی معاہدات کی پابندی کرنے کے لئے مجبور کرنا۔
۷- مزدوروں کی اصلاح کے لئے قوانین مرتب کرنا۔
۸- پسماندہ ممالک کو ترقی یافتہ ممالک کی تحویل میں دے کران کی ترقی کی کوشش کرنا۔

انجمن اقوام کی تنظیم

انجمن اقوام نے مذکورہ بالا مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے حسب ذیل شعبوں کا اجرا کیا:۔ ۱۔ اسمبلی ۔۲۔ کونسل ۔۳۔ سیکرٹری جنرل ۔۴۔ بین الاقوامی عدالت ۔۵۔ مزدور تنظیم۔

اسمبلی

اسمبلی انجمن اقوام کی ایک اعلیٰ مجلس تھی۔ اور اس کو وہی حیثیت حاصل تھی جو کسی ملک میں اس کی پارلیمنٹ کو حاصل ہوتی ہے۔ اس اسمبلی میں ہر ایک رکن ریاست کا وفد شامل ہوتا تھا جو تین نمائندوں پر مشتمل ہوتا مگر ان کا صرف ایک ووٹ ہوتا تھا۔ اسمبلی سال میں ایک مرتبہ ستمبر میں اجلاس منعقد کیا کرتی تھی۔ اسمبلی کے فیصلے حاضر ممبران کے اتفاق رائے سے ہوا کرتے تھے۔

فرائض و اختیارات

۱- نئے رکن کو داخلے کی منظوری دینا۔
۲- کونسل کے غیر مستقل اراکین کا انتخاب جو کثرت رائے سے منتخب ہوتے تھے۔
۳- مختلف کمیٹیوں اور کمیشنوں کے کام کی دیکھ بھال۔
۴- بوقت ضرورت اسمبلی کثرت رائے اور کونسل کی منظوری سے دستور میں ترمیم کرنے کی مجاز تھی۔
۵- بین الاقوامی عدالت کے ججوں کا انتخاب جن کی تعداد پندرہ تھی۔
۶- انجمن کے دوسرے شعبہ جات کی نگرانی اور ان کے کام میں ربط و اتحاد قائم رکھنا۔
۷- بجٹ کو کنٹرول کرنا۔

اس کے اختیارات و فرائض زیادہ تر مشاورتی ہوتے تھے۔ اس کے فیصلوں کی

Marfat.com

حیثیت محض سفارشات کی تھی۔ عالمی سیاست دان اسمبلی میں جمع ہوتے، اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے۔ پھر ان خیالات کی روشنی میں اسمبلی اپنی سفارشات مرتب کرکے اقوامِ عالم کے سامنے پیش کر دیتی۔ اس طرح اسمبلی ایک قسم کا بین الاقوامی فورم (FORUM) یعنی عوامی مرکز مباحثہ بن گئی تھی۔

کونسل

کونسل چودہ ارکان پر مشتمل تھی۔ پانچ مستقل ممبر اور نو ممبر غیر مستقل تھے جن کا انتخاب اسمبلی تین سال کے لئے کرتی تھی۔ مستقل ممبران میں انگلستان، فرانس، جاپان، اٹلی اور جرمنی شامل تھے۔ ابتداء میں مستقل ممبروں کی تعداد چار تھی اور چار غیر مستقل ممبر تھے۔

۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۹ء تک کونسل کی تنظیم میں پانچ مرتبہ تبدیلی کی گئی تھی۔ سال میں چار مرتبہ اپنا اجلاس منعقد کرتی تھی۔ لیکن ہنگامی حالت میں کسی وقت بھی اجلاس طلب کرسکتی تھی۔ ہر ایک رکن کا ایک ووٹ ہوتا تھا، مگر فیصلے کلی اتفاق رائے سے ہوتے تھے۔ اگر کسی ایسے ملک کا مسئلہ کونسل میں پیش ہوتا جو انجمن کا ممبر نہ ہوتا تو اسے کارروائی کے ایام میں اجلاس میں شرکت کی اجازت ہوتی تھی۔

فرائض و اختیارات

کونسل کے حسب ذیل فرائض تھے :

۱۔ جنگ کو روکنا۔
۲۔ کونسل کے سامنے پیش ہونے والے معاملات پر غور و فکر کرنا۔
۳۔ پسماندہ ممالک جن کا انتظام انجمن کے سپرد ہو، کی نگرانی کرنا۔
۴۔ بین الاقوامی متنازعہ امور پر تحقیقاتی کمیشن بٹھانا اور ان کی رپورٹ پر عمل کروانا۔
۵۔ کونسل کے فیصلوں کی خلاف ورزی کرنے والے ملک کے خلاف ضروری اقدامات۔
۶۔ تخفیف اسلحہ کے لئے مختلف منصوبے بنانا۔
۷۔ انجمن اقوام کے جنرل سیکرٹری کی نامزدگی کرنا۔
۸۔ ہر وہ معاملہ جس کا تعلق امن عالم سے ہو کونسل میں پیش کیا جا سکتا تھا۔

Marfat.com

بین الاقوامی عدالت

انجمن اقوام کا تیسرا سب سے بڑا ادارہ عدالت تھی جس کا قیام ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ اس کا مقام ہالینڈ میں ہیگ تھا۔ یہ ادارہ گیارہ ججوں اور چار ڈپٹی ججوں پر مشتمل تھا جن کا انتخاب اسمبلی اور کونسل مل کر نو ۹ سال کے لئے کرتی تھی۔ یہ انتخاب محض لیاقت اور تجربہ کی بناء پر ہوتا تھا، رنگ و نسل کی کوئی قید نہ تھی۔ عدالت صدر اور نائب صدر کا انتخاب خود کرتی تھی۔ یہ انتخاب ہر تین سال کے بعد ہوتا تھا۔ عدالت کا کورم نو جج ہوتے تھے۔

فرائض

۱۔ جو ریاست اپنے تنازعے عدالت کے سامنے پیش کرتی، ان کے فیصلے کرنا۔
۲۔ اسمبلی یا کونسل کو قانونی مشورے دینا۔
۳۔ بین الاقوامی معاہدات کی تشریح و توضیح کرنا۔

سیکرٹریٹ

سیکرٹریٹ انجمن اقوام کا انتظامی ادارہ تھا، جو ایک سیکرٹری جنرل کی نگرانی میں کام کرتا تھا۔ اس کا صدر مقام جنیوا تھا۔ سیکرٹری جنرل کی تقرری کونسل اسمبلی کی منظوری سے کرتی۔ اس کے بعد سیکرٹری خود اپنے ماتحت عملے کی تقرری کرتا تھا۔ سیکرٹریٹ کے کئی شعبے تھے جس کے اخراجات انجمن برداشت کرتی تھی۔ ان اخراجات کو ہر رکن ریاست چندہ دے کر پورا کرتی تھی۔

فرائض

۱۔ کونسل یا اسمبلی کے اجلاسوں کے لئے ایجنڈا تیار کرنا۔
۲۔ کونسل یا اسمبلی کے اجلاسوں کی کاروائی کا ریکارڈ رکھنا۔
۳۔ انجمن کی طرف سے مختلف ممالک سے خط و کتابت کرنا۔
۴۔ انجمن کے کاموں کی نشر و اشاعت کرنا۔

مزدور تنظیم

مزدوروں کی بھلائی کے لئے ایک الگ ادارہ تھا۔ اس ادارہ نے کافی کامیابی حاصل کی۔

Marfat.com

انجمن اقوام کی ناکامی کے اسباب

انجمن اقوام کی ناکامی کی متعدد وجوہ تھیں :

۱- انجمن اقوام محض ایک سفارشی ادارہ تھا۔ اپنی سفارشات اور فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا تھا۔ اس وجہ سے طاقتور ریاستوں کی من مانیوں اور زیادتیوں کو نہ روک سکا۔

۲- انجمن کی اپنی فوج نہ تھی، نہ پولیس تھی۔ جس سے وہ اپنے فیصلوں کو نافذ کر سکے۔

۳- عہدنامہ ورسائی میں عدل و انصاف کو بالائے طاق رکھ کر جرمنی کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔ اس پر اتنا تاوان جنگ عائد کیا جس کی ادائیگی اس کی طاقت سے باہر تھی۔ چندسال تک تو تاوان ادا کرتا رہا، بعدازاں اس کی معاشی حالت خراب ہو گئی۔ جرمن قوم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے اندر قوت پیدا کر کے اتحادیوں کا مقابلہ کرے۔ آخر کار ہٹلر کی قیادت میں اس قوم نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ معاہدہ ورسائی کو غیر مؤثر بنا دیا۔ ۱۱ر مارچ ۱۹۳۸ء کو آسٹریا پر قبضہ کر لیا۔ مارچ ۱۹۳۹ء میں چیکوسلویکیہ پر حملہ کر کے زیر کر لیا۔ اس طرح جرمنی کے جارحانہ اقدامات کی وجہ سے دوسری عالمگیر جنگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔

۴- معاہدہ ورسائی سے صرف جرمنی ہی تباہ نہ ہوا تھا بلکہ اس سے اٹلی، ہنگری اور روس بھی ناخوش تھے۔

۵- انجمن اقوام دنیا میں جنگ کو روکنے اور امن عالم قائم کرنے کا مقصد لے کر اٹھی تھی لیکن اس مقصد کو پورا نہ کر سکی۔ جاپان نے پہلے منچوریا پر حملہ کیا، پھر چین پر۔ اٹلی نے حبشہ اور البانیہ کو زیر کیا اور یونان پر زبردستی کی۔ انجمن اقوام نے کمزور طاقتوں کی کوئی مدد نہ کی، بلکہ اس کے برعکس طاقتور ریاستوں کی حمایت کی۔ انجمن کے اس طرز عمل سے کمزور طاقتیں دل برداشتہ ہو گئیں۔

۶- انجمن دنیا میں اسلحہ سازی پر پابندی عائد نہ کر سکی۔

Marfat.com

انجمن اقوام متحدہ کا قیام

دوسری عالمی تنظیم دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کے آخری ایام میں قائم ہوئی۔ اپریل ۱۹۴۵ء میں پچاس ریاستوں کے نمائندے امریکہ کے شہر سان فرانسسکو میں جمع ہوئے اور تین ماہ کی بحث و تمحیص اور غور و خوض کے بعد ۲۶ جون ۱۹۴۵ء کو اقوام متحدہ کا چارٹر (CHARTER) تیار ہوا۔ جب ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ان پچاس ریاستوں کی اکثریت نے چارٹر کو منظور کر لیا تو انجمن اقوام متحدہ وجود میں آئی۔

مقاصد

۱۔ بین الاقوامی صلح اور امن قائم کرنا۔
۲۔ انسانی حقوق اور حریت کو برقرار رکھنا۔
۳۔ معاشرتی، اقتصادی، تمدنی اور علمی زندگی کو ترقی دینا۔
۴۔ اتحاد انسانی کے رشتے کو مضبوط کرنا۔

ان متذکرہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے انجمن نے حسب ذیل اصول وضع کئے:

۱۔ تمام ارکان برابر اور حاکمانہ ہیں۔
۲۔ چارٹر کے تحت تمام اراکین اپنی ذمہ داریوں کو خلوص اور نیک نیتی سے پورا کریں گے۔
۳۔ بین الاقوامی تعلقات میں کوئی رکن کسی کمزور ملک کے خلاف نہ قوت استعمال کرے گا نہ اس کے استعمال کی دھمکی دے گا۔ اور ایسا رویہ اختیار نہیں کرے گا جو انجمن اقوام متحدہ کے مقاصد کے منافی ہو۔
۴۔ تمام ممبران اپنے باہمی تنازعات کو پُرامن طریقے سے حل کریں گے۔
۵۔ تمام ارکان منشور کے مطابق اقوام متحدہ کی ہر ایک کاروائی کی امداد کرنے کا عہد کریں گے۔ اور کسی ایسی ریاست کی مدد نہیں کریں گے جس کے خلاف اقوام متحدہ امن عالم برقرار رکھنے کے لئے کوئی کاروائی کرے گی۔
۶۔ انجمن کسی ریاست کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دے گی سوائے اس کے جب وہ امن عالم قائم کرنے کے لئے ایسا کر رہی ہے۔
۷۔ انجمن یہ بھی کوشش کرے گی کہ غیر ممبر ممالک بھی امن عالم قائم رکھنے کے سلسلہ میں انجمن

Marfat.com

سے تعاون کریں۔

اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا عالمی منشور

تمہید

چونکہ ہر انسان کی ذاتی عزت اور حرمت اور انسانوں کے مساوی اور ناقابل انتقال حقوق کو تسلیم کرنا دنیا میں آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہے۔

چونکہ انسانی حقوق سے لاپرواہی اور ان کی بے حرمتی اکثر ایسے وحشیانہ افعال کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے جن سے انسانیت کے ضمیر کو سخت صدمے پہنچے ہیں۔ اور عام انسانوں کی بلند ترین آرزو یہ رہی ہے کہ ایسی دنیا وجود میں آئے جس میں تمام انسانوں کو اپنی بات کہنے اور اپنے عقیدے پر قائم رہنے کی آزادی حاصل ہو اور خوف اور احتیاج سے محفوظ رہیں۔

چونکہ یہ بہت ضروری ہے کہ انسانی حقوق کو عملداری کے ذریعہ محفوظ رکھا جائے اگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ انسان عاجز آکر جبر و استبداد کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہوں۔

چونکہ یہ ضروری ہے کہ قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو بڑھایا جائے۔

چونکہ اقوام متحدہ کی ممبر قوموں نے اپنے چارٹر میں بنیادی انسانی حقوق، انسانی شخصیت کی حرمت اور قدر اور مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق کے بارے میں اپنے عقیدہ کی دوبارہ تصدیق کردی ہے اور وسیع تر آزادی کی فضا میں معاشرتی ترقی کو تقویت دینے اور معیار زندگی کو بلند کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

چونکہ ممبر ملکوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے اشتراک عمل سے ساری دنیا میں اصولاً اور عملاً انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا زیادہ سے زیادہ احترام کریں گے اور کرائیں گے۔

چونکہ اس عہد کی تکمیل کے لئے بہت ہی اہم ہے کہ ان حقوق اور آزادیوں کی نوعیت کو سب سمجھ سکیں لہذا

جنرل اسمبلی اعلان کرتی ہے کہ

انسانی حقوق کا یہ عالمی منشور تمام اقوام کے واسطے حصول مقصد کا مشترک معیار ہوگا تاکہ

Marfat.com

ہر فرد اور معاشرے کا ہر ادارہ اس منشور کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہوئے تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ ان حقوق اور آزادیوں کا احترام پیدا کرے۔ اور انھیں قومی اور بین الاقوامی کارروائیوں کے ذریعہ ممبر ملکوں میں اور ان قوموں میں جو ممبر ملکوں کے ماتحت ہوں منوانے کے لئے بتدریج کوشش کر سکے۔

دفعہ ۱۔ تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے اس لئے انھیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیئے۔

دفعہ ۲۔ ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کئے گئے ہیں اور اس حق پر نسل رنگ جنس زبان مذہب اور سیاسی تفوق کا یا کسی قسم کے عقیدے قوم معاشرے دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اس کے علاوہ جس علاقے یا ملک سے جو شخص تعلق رکھتا ہے اس کی سیاسی کیفیت دائرۂ اختیار یا بین الاقوامی حیثیت کی بنا پر اس سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ چاہے وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی یا غیر مختار ہو یا سیاسی اقتدار کے لحاظ سے کسی دوسری بندش کا پابند ہو۔

دفعہ ۳۔ ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ ۴۔ کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی چاہے اس کی کوئی شکل ہو ممنوع قرار دی جائے گی۔

دفعہ ۵۔ کسی شخص کو جسمانی اذیت یا ظالمانہ انسانیت سوز یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ ۶۔ ہر شخص کا حق ہے کہ ہر مقام پر قانون اس کی شخصیت کو تسلیم کرے۔

دفعہ ۷۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کے خلاف جو تفریق کی جائے یا جس تفریق کے لئے ترغیب دی جائے اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حق دار ہیں۔

دفعہ ۸۔ ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہیں با اختیار قومی عدالتوں سے مؤثر طریقے پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق ہے۔

Marfat.com

دفعہ ۹- کسی شخص کو محض حاکم کی مرضی پر گرفتار، نظر بند یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ ۱۰- ہر ایک شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کا تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے بارے میں مقدمہ کی سماعت آزاد اور غیر جانبدار عدالت کے کھلے اجلاس میں منصفانہ طریقے پر ہو۔
دفعہ ۱۱- (۱) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری جرم کا الزام عائد کیا جائے بے گناہ شمار کئے جانے کا حق ہے تاوقتیکہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ دیا جا چکا ہو۔
(۲) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ ۱۲- کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھربار خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے گی۔ اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کئے جائیں گے۔ ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے۔
دفعہ ۱۳- (۱) ہر شخص کا حق ہے کہ اسے ہر ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی ہو۔
(۲) ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ملک سے چلا جائے چاہے وہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ ۱۴- (۱) ہر شخص کو ایذا رسانی سے دوسرے ملکوں میں پناہ ڈھونڈنے اور پناہ مل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔
(۲) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لئے استعمال میں نہیں لایا جا سکتا جو خالصاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف ہیں۔
دفعہ ۱۵- (۱) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔
(۲) کوئی شخص محض حاکم کی مرضی پر اپنی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار نہ کیا جائے گا۔

Marfat.com

دفعہ ۱۶- (۱) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت یا مذہب کی بناء پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملہ میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(۲) نکاح فریقین کی پوری اور آزاد رضامندی سے ہوگا۔

(۳) خاندان معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حق دار ہے۔

دفعہ ۱۷- (۱) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائداد رکھنے کا حق ہے۔

(۲) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۸- ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور پبلک میں یا نجی طور پر تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ ۱۹- ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے۔ اور جس ذریعے سے چاہے بغیر ملکی سرحدوں کا خیال کئے علم و خیالات کی تلاش کرے، انھیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے۔

دفعہ ۲۰- (۱) ہر شخص کو پُرامن طریقے پر ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(۲) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ ۲۱- (۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے ذریعہ حصہ لینے کا حق ہے۔

(۲) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(۳) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی سے ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مساوی کسی دوسرے آزادانہ طریق رائے دہندگی کے مطابق عمل میں

Marfat.com

آئیں گے۔

دفعہ ۲۲۔ معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی کہ وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق حاصل کرے جو اس کی عزت اور شخصیت کے آزادانہ نشوونما کے لئے لازم ہیں۔

دفعہ ۲۳۔ (۱) ہر شخص کو کام کاج اور روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(۲) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لئے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(۳) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لئے باعزت زندگی کا ضامن ہو، اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(۴) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لئے تجارتی انجمنیں قائم کرنے اور ان میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ ۲۴۔ ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے علاوہ مقررہ وقفوں کے ساتھ تعطیلات بھی شامل ہیں۔

دفعہ ۲۵۔ (۱) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لئے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات شامل ہیں اور بے روزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا یا ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(۲) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی سے پہلے پیدا ہوئے یا شادی کے بعد معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ ۲۶ (۱) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم مفت ہوگی۔ کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں ابتدائی تعلیم جبری ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بناء پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لئے مساوی

Marfat.com

طور پر ممکن ہوگا۔

(۲) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا۔ اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی۔ اور امن کو برقرار رکھنے کے لئے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(۳) والدین کو اس بات کے انتخاب کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ ۲۷۔ (۱) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، ادبیات سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(۲) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفاد کا بچاؤ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، علمی یا ادبی تصنیف سے جس کا وہ مصنف ہے حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ ۲۸۔ ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام میں شامل ہونے کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔

دفعہ ۲۹۔ (۱) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(۲) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے یا جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لئے قانون کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں۔

(۳) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ ۳۰۔ اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشاء ان حقوق اور آزادیوں کی تخریب ہو جو

Marfat.com

یہاں پیش کی گئی ہیں۔[1]

تنظیم

اقوام متحدہ نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے حسب ذیل تنظیم قائم کی ہے۔

جنرل اسمبلی (GENERAL ASSEMBLY)

جنرل اسمبلی انجمن اقوام متحدہ کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ اس ادارے میں ہر ریاست شامل ہو سکتی ہے۔ اس وقت جنرل اسمبلی کے ۱۲۲ رکن ہیں۔ اس کے اجلاس میں ہر رکن ریاست پانچ نمائندے بھیج سکتی ہے مگر اس کا ووٹ ایک ہی ہوگا۔

جنرل اسمبلی سال میں ایک مرتبہ ماہ ستمبر میں اپنا اجلاس طلب کرتی ہے۔ اگر امن عالم کو خطرہ ہو تو وہ ہنگامی اجلاس کسی وقت بھی بلا سکتی ہے۔ سب سے پہلے اسمبلی اپنا صدر منتخب کرتی ہے۔ اس کے بعد نئے صدر کی زیر صدارت اجلاس کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔ عام معاملات کا فیصلہ محض اکثریت سے ہوتا ہے، مگر اہم معاملات کا فیصلہ دو تہائی اکثریت سے ہوتا ہے۔

جنرل اسمبلی کا صدر مقام نیویارک میں ہے۔

فرائض

جنرل اسمبلی کے حسب ذیل فرائض ہیں:

۱۔ دنیا کے مختلف ممالک کے مابین سیاسی، تعلیمی، سماجی اور ثقافتی تعاون اور اتحاد کے وسائل پیدا کرنا۔

۲۔ دنیا کے تمام ملکوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل افراد کے بنیادی حقوق کی مراعات دینے اور ان کے تحفظ کے لئے مجبور کرنا۔

۳۔ اقوام عالم کے لئے بلند معیار زندگی، سماجی اور اقتصادی ترقی کی راہیں ہموار کرنا۔

۴۔ اقوام عالم کا بین الاقوامی قوانین کی پابندی کے لئے ذہن تیار کرنا۔

۵۔ ریاستوں کے درمیان دوستی اور خیر سگالی کو فروغ دینے کے لئے راہیں ہموار کرنا۔

۶۔ قیام امن کے لئے کوشش کرنا۔

---

[1] اسلامی دستور اور اسلامی اقتصادیات کے چند پہلو مصنفہ نصیر احمد شیخ ص ۴۶ تا ۵۲۔

Marfat.com

۷۔ جنرل اسمبلی مندرجہ ذیل اراکین کو منتخب کرتی ہے
(ا) حفاظتی کونسل کے دس غیر مستقل ممبر۔
(ب) سماجی واقتصادی کونسل کے اٹھارہ ممبر۔
(ج) تولیتی کونسل کے کچھ ممبر۔
(د) حفاظتی کونسل کی سفارشات پر سیکرٹری جنرل کا انتخاب۔

۸۔ حفاظتی کونسل کی سفارش پر کسی نئی ریاست کو انجمن اقوام متحدہ کی رکنیت دینا۔

۹۔ کسی ریاست کی رکنیت کو ختم کرنا۔

۱۰۔ انجمن اقوام متحدہ کے بیزانیہ کی منظوری دینا اور اخراجات کے تناسب سے رکن ریاستوں کے لئے حصہ مقرر کرنا۔

۱۱۔ اقوام متحدہ کے تمام معاہدات کے مسودوں کی منظوری دینا۔

سلامتی کونسل (SECUIRTY COUNCIL)

اقوام متحدہ کا دوسرا ادارہ سلامتی کونسل ہے۔ اس کے پندرہ ممبر ہوتے ہیں، جن میں پانچ مستقل اور دس غیر مستقل ہیں۔ مستقل ممبر برطانیہ، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، فرانس، چین، سویت یونین ہیں۔ دس غیر مستقل ممبر دو سال کی مدت کے لئے جنرل اسمبلی اپنے باقی ممبروں سے منتخب کرتی ہے۔ ہر ریاست کا ایک ووٹ ہے۔ "ویٹو ووٹ" صرف مستقل ریاستیں دے سکتی ہیں۔ اس ووٹ کے استعمال کے بعد متنازعہ فیہ معاملہ مزید غور کے لئے دوبارہ حفاظتی کونسل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک تمام مستقل ممبر کسی معاملہ پر متفق نہیں ہو جاتے اس وقت تک معاملہ زیر بحث نہیں آسکتا۔

دو ہفتوں کے اندر کم از کم ایک مرتبہ اجلاس کا ہونا ضروری ہے۔ ہر رکن کا صرف ایک ووٹ ہوتا ہے۔ کونسل کی رضامندی سے اس کا اجلاس صدر مقام کے علاوہ کسی اور جگہ بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ اجلاس کی کاروائی صدر کی نگرانی میں ہوتی ہے جس کو ہر ماہ کونسل کے ممبران منتخب کرتے ہیں۔

فرائض

۱۔ بین الاقوامی امن کو قائم رکھنا۔

Marfat.com

۲- امن عالم کو بحال رکھنے کے لئے یہ کونسل برّی، بحری اور ہوائی طاقت استعمال کر سکتی ہے۔ اگر کوئی ملک اس کے فیصلے کو منظور نہیں کرتا تو اس کے خلاف سیاسی، اقتصادی اور فوجی کاروائی کر سکتی ہے۔

۳- ریاستوں کی رکنیت اور رکنیت کے سلب کرنے کا اختیار سلامتی کونسل کے ہاتھ میں ہے جس کی سفارش پر جنرل اسمبلی عمل کرتی ہے۔

۴- یہ کونسل جنرل اسمبلی کے ساتھ مل کر بین الاقوامی عدالت کے جج منتخب کرتی ہے۔

۵- اسمبلی کو سیکرٹری جنرل مقرر کرنے کے لئے کسی آدمی کے نام کی سفارش کرتی ہے۔

۶- کسی معاملہ میں قانونی مشورہ لینے کے لئے بین الاقوامی عدالت کو درخواست کرنے کا حق رکھتی ہے۔

اقتصادی اور معاشرتی کونسل

انجمن اقوام متحدہ کا تیسرا ادارہ اقتصادی اور معاشرتی کونسل ہے۔ اس کے اٹھارہ رکن ہوتے ہیں جن کو جنرل اسمبلی نو سال کے لئے منتخب کرتی ہے۔ جن میں سے ایک تہائی حصہ ہر تین سال کے بعد ریٹائر ہوتا جاتا ہے، مگر ریٹائر ہونے والے ممبر اسی وقت دوبارہ منتخب کئے جا سکتے ہیں۔ یہ کونسل ایک سال کے لئے اپنا صدر چنتی ہے۔ تمام فیصلے کثرت رائے کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اس کونسل کا اجلاس سال میں کم از کم تین دفعہ منعقد ہونا ضروری ہے۔

فرائض

۱- یہ کونسل بین الاقوامی اقتصادی، معاشرتی، تمدنی، طبی اور دیگر معلومات کے بارے میں تحقیقات کرکے اس کے متعلق رپورٹیں تیار کرتی ہے اور پھر ان پر عمل کرنے کے لئے جنرل اسمبلی کو اپنی سفارشات پیش کرتی ہے۔

۲- یہ کونسل اقتصادی و معاشرتی امور پر بین الاقوامی کانفرنس منعقد کراتی ہے۔

۳- انجمن اقوام متحدہ کے بعض مخصوص اداروں کی سرگرمیوں کے درمیان ربط قائم کرتی ہے مثلاً خوراک و زراعت کے اداروں کے درمیان۔

۴- اقوام عالم کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے بین الاقوامی نوعیت کی کوشش کرتی ہے۔

Marfat.com

تولیتی کونسل

انجمن اقوام متحدہ کے اس ادارہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پسماندہ ریاستوں کو ترقی یافتہ ممالک کی نگرانی میں لایا جائے۔ پھر ترقیاتی منصوبے بنا کر ان کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جائے تاکہ وہ سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے ترقی کر کے اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکیں۔ اور اتنی قوت حاصل کر سکیں کہ وہ کسی جارح ملک کا مقابلہ کر سکیں۔ عراق، شام، فلسطین سب ایسے علاقے ہیں جو انجمن اقوام متحدہ کے تحت فرانس اور برطانیہ کی زیر نگرانی رہ چکے ہیں۔

یہ کونسل حسب ذیل علاقوں کی نگرانی اپنے ذمہ لیتی ہے:

۱۔ ایسے علاقے جو انجمن اقوام متحدہ کے نظام کے ماتحت تھے۔
۲۔ ایسے علاقے جو جنگ عظیم کے بعد آزاد ہوئے۔
۳۔ ایسے علاقے جو رکن ممالک نے اپنی مرضی سے اس نظام کے ماتحت دے دیئے ہوں۔

تنظیم

یہ کونسل تین قسم کے اراکین پر مشتمل ہوتی ہے:

۱۔ حفاظتی کونسل کے وہ تمام مستقل ممبران جن کے ذمہ کسی ایسی ریاست کی نگرانی نہ ہو۔
۲۔ ایسے ممبران جن کا چناؤ جنرل اسمبلی اس غرض کے لئے کرتی ہے کہ منتظم اور غیر منتظم ریاستوں کی تعداد میں توازن قائم رہ سکے۔
۳۔ اقوام متحدہ کے وہ تمام ممبران جن کے ذمے پسماندہ علاقوں کا انتظام ہو۔

اجلاس

اس کونسل کے اجلاس سال میں دو دفعہ ضرور ہوتے ہیں۔ ہر سیشن کے لئے ایک صدر کا انتخاب کر لیا جاتا ہے۔ ہر رکن ریاست کا ایک ووٹ ہوتا ہے اور فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔

بین الاقوامی عدالت انصاف

بین الاقوامی عدالت انصاف کو انجمن اقوام نے ۱۹۲۱ء میں قائم کیا تھا اور مستقل عدالت برائے بین الاقوامی انصاف (PARMANENT COWRT OF INTERNATIONAL JUSTICE) کہلاتی تھی۔ انجمن اقوام ختم ہو گئی لیکن یہ عدالت قائم رہی۔ ۱۹۴۵ء میں انجمن

Marfat.com

اقوام متحدہ وجود میں آئی تو اس کو اقوام متحدہ کا ایک ادارہ بنا دیا گیا۔ اب یہ اقوام متحدہ کا ایک عدالتی حصہ ہے۔ اس عدالت کے پندرہ جج ہوتے ہیں جن کو جنرل اسمبلی سلامتی کونسل کی سفارش پر نو سال کے لئے منتخب کرتی ہے۔

اس عدالت کا صدر مقام ہیگ (ہالینڈ) ہے۔

مقدمات کی سماعت کے لئے نو ججوں کا کورم ضروری ہے۔ جج اپنے طور پر ایک صدر چن لیتے ہیں۔ فیصلے کثرت رائے سے کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی مقدمہ میں ووٹوں کی تعداد برابر ہو تو صدر جج اپنا ووٹ دے کر فیصلہ کر دیتا ہے۔

فرائض

۱۔ اس عدالت میں اس مقدمہ کی سماعت ہوتی ہے جس کو رکن ریاست دائر کرے۔ لیکن مدعا علیہ ریاست کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر مدعا علیہ ریاست بین الاقوامی عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کے خلاف ہو تو سماعت نہیں ہوگی۔

۲۔ اس کا دائرہ اختیار ایسے تنازعات کی سماعت ہے جو بین الاقوامی صلح ناموں اور عہدناموں کی تشریح و توضیح، بین الاقوامی قانون سے انحراف اور بین الاقوامی ہرجانے کی عدم ادائیگی سے پیدا ہوتے ہیں۔

۳۔ سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کو بوقت ضرورت قانونی مشورے دیتی ہے۔

سیکرٹریٹ

یہ ادارہ سیکرٹری جنرل کی نگرانی میں کام کرتا ہے۔ سیکرٹری جنرل کو سلامتی کونسل کی سفارش پر جنرل اسمبلی پانچ سال کے لئے منتخب کرتی ہے۔ اس ادارہ میں تقریباً پانچ ہزار ملازمین کام کرتے ہیں جو دنیا کی تمام اقوام سے لئے جاتے ہیں۔

ہر وہ جھگڑا جس سے امن عالم میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو سلامتی کونسل کے سامنے لاتا ہے۔ پھر سلامتی کونسل جھگڑے کے تصفیہ کی راہ نکالتی ہے۔

اقوام متحدہ کے تمام اجلاسوں کا انتظام کرنا اور ہر قسم کی کارروائیوں کا ریکارڈ رکھنا، رکن ممالک کے ساتھ انجمن کی طرف سے خط و کتابت کرنا، جنرل اسمبلی کے سامنے رپورٹیں پیش کرنا، اجلاسوں کے ایجنڈے تیار کرنا، بین الاقوامی معاہدوں کا اندراج اس ادارہ کے ذمہ ہے۔

Marfat.com

مخصوص ایجنسیاں

مذکورہ بالا اداروں کے علاوہ انجمن اقوام متحدہ کی چند مخصوص ایجنسیاں ہیں جو ایسے کام سرانجام دیتی ہیں جو اس انجمن کے میثاق کے مطابق اس کے بنیادی مقاصد ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ بین الاقوامی مزدور تنظیم (INTERNATIONAL LABOUR ORGANISATION)

یہ تنظیم ۱۹۱۹ء میں انجمن اقوام کے تحت وجود میں آئی تھی۔ مگر انجمن کے خاتمے کے بعد یہ تنظیم اپنی افادیت کی وجہ سے زندہ رہی۔ ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ کے تحت آگئی۔

اس تنظیم کے تین حصے ہیں:

(۱) بین الاقوامی مزدور کانفرنس (INTERNATIONAL LABOUR CONFERENCE)۔

(۲) حکمران جماعت (THE GOVERNMENT BODY)

(۳) بین الاقوامی مزدور دفتر (INTERNATIONAL LABOUR OFFICE)

(۱) بین الاقوامی مزدور کانفرنس

اس شعبہ کا اجلاس سال میں کم از کم ایک دفعہ ہوتا ہے۔ ہر ملک اس میں چار نمائندے بھیج سکتا ہے۔ جن میں دو نمائندے حکومت کے ہوتے ہیں، ایک مزدوروں کا اور ایک صنعت کاروں کا ہوتا ہے لیکن ووٹ ایک ہی ہوتا ہے۔

(۲) حکمران جماعت

یہ شعبہ ۳۲ اراکین پر مشتمل ہوتا ہے۔ جن میں سولہ اراکین حکومت کے نمائندے ہوتے ہیں، آٹھ مزدوروں کے اور آٹھ مختلف ممالک کے صنعتی نمائندے ہوتے ہیں۔ ان تمام کا انتخاب "بین الاقوامی مزدور کانفرنس" تین سال کے لئے کرتی ہے۔ انتظامی بورڈ دفتری کام، مختلف کمیٹیوں اور کمشنوں کی کارروائی کی نگرانی کرتا ہے اور سالانہ اجلاس کے لئے تجاویز تیار کرتا ہے۔

(۳) بین الاقوامی مزدور دفتر

اس تنظیم کا دفتر سیکرٹریٹ ہے۔ اس کا صدر مقام جینوا (سوئٹزرلینڈ) میں ہے۔ اس شعبہ کا کام دنیا کے مزدوروں اور محنت کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اور مختلف معاہدوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مدد کرنا ہے۔

Marfat.com

مقاصد

۱۔ اس ادارہ کا اولین مقصد مزدوروں کی حالت بہتر بنانا اوران کا معیار زندگی اور وقار بلند کرنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے حسب ذیل امور کی طرف خاص توجہ دیتا ہے:

ا۔ انسانی طاقت کا صحیح استعمال۔

ب۔ مزدوروں کی بحالی کا مسئلہ۔

ج۔ پیشہ ورانہ تربیت۔

د۔ کام کی بہتر نوعیت۔

ہ۔ صنعتی قانون کا مطالعہ۔

و۔ مزدوروں کا سماجی تحفظ۔

ز۔ زرعی ترقی۔

۲۔ معاشرتی انصاف کرنا۔

۳۔ مزدوروں کے اوقات کار مقرر کرنا۔

۴۔ عورتوں اور بچوں کی طاقت سے زیادہ محنت لینے کے خلاف کاروائی کرنا۔

۵۔ مناسب مزدوری اور معاوضہ۔

۶۔ علمی اور صنعتی تعلیم کا انتظام کرنا۔

۷۔ اپنے مقاصد کی نشر و اشاعت کرنا۔ بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد کرنا۔ معاہدے منظور کرنا۔

۲۔ یونیسکو

یونیسکو (UNESCO) انجمن اقوام متحدہ کی تمدنی اور سائینسی تنظیم ہے۔ یہ نومبر ۱۹۴۶ء میں معرض وجود میں آئی۔ اس کا صدر مقام پیرس (فرانس) میں ہے۔ اس کے تین حصے ہیں:

۱۔ جنرل کانفرنس (GENERAL CONFERENCE) جس میں تمام رکن ریاستوں کے نمائندے ہوتے ہیں۔ سال میں ایک دفعہ اس کا اجلاس ہوتا ہے جس میں اسکی تنظیم اور بجٹ کا فیصلہ ہوتا ہے۔

۲۔ مجلس عاملہ۔ اس کے اٹھارہ ممبر ہوتے ہیں جن کو کانفرنس تین سال کے لئے منتخب کرتی ہے۔ وہ اس طرح کہ چھ نئے ممبروں کا ہر سال چناؤ ہوتا ہے۔ کانفرنس کے فیصلوں کو

Marfat.com

کو عملی جامہ پہناتی ہے
۳- سیکرٹریٹ - یہ تنظیم کا دفتر ہے - اس کا اعلیٰ افسر ڈائریکٹر جنرل کہلاتا ہے -
۱- اس ایجنسی کا پہلا کام مختلف اقوام عالم کے مابین تعلیمی، تمدنی، سائنسی ربط اور ترقی کو فروغ دینا ہے -
۲- دوسرا کام اقوام عالم کو انصاف، انسانی حقوق اور قوانین کے احترام کی طرف مائل کرنا ہے -
۳- تیسرا اہم کام لونی، لسانی اور قومی امتیازات کو ختم کرنا ہے -
۴- چوتھا کام تمام اقوام عالم کے تمدن، فن ادب، علمی اور سائنسی کمالات کو ایک دوسرے سے متعارف کرانا ہے -

۴- عالمی ادارہ صحت

یہ ادارہ ۷ اپریل ۱۹۴۸ء کو معرض وجود میں آیا تھا۔ ۱۹۴۹ء میں اس ادارے کا دستور ایک بین الاقوامی کانفرنس میں منظور ہوا -

اس ادارے کے تین شعبے ہیں :
۱- عالمی ادارہ صحت کی اسمبلی -
۲- انتظامی بورڈ -
۳- سیکرٹریٹ -

۱- عالمی ادارہ صحت کی اسمبلی

اس شعبہ کا سال میں ایک دفعہ اجلاس منعقد ہوتا ہے - ہر رکن ریاست اپنے تین نمائندے بھیجتی ہے - اس شعبہ کا اہم کام امور صحت کے بارے میں تحقیق کرنا ہے - دوسرا اہم کام سالانہ معاملات کی نگرانی اور بجٹ کی منظوری ہے -

۲- انتظامی بورڈ

یہ اٹھارہ نمائندوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کا چناؤ اسمبلی کرتی ہے، ہر سال دو مرتبہ اجلاس ہوتا ہے - اس کا کام اسمبلی کی وضع کردہ حکمت عملیوں کو عمل میں لانا ہے - ہنگامی حالات میں کسی ملک کو طبی امداد پہنچانا اس کا اہم فرض ہے -

۳- سیکرٹریٹ : اس کا صدر مقام جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں ہے - ایک ڈائرکٹر جنرل

Marfat.com

اس کا انچارج ہوتا ہے جس کا چناؤ انتظامی بورڈ کی سفارش پر جنرل اسمبلی کرتی ہے۔

فرائض

۱۔ امراض کے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پھیل جانے کے انسداد کے لئے قواعد مرتب کرنا۔

۲۔ مختلف ممالک کے اندر ترقی صحت کے متعلق کئے جانے والے کاموں میں ربط پیدا کرنا اور ان کی نشر و اشاعت کرنا۔

۳۔ وبائی امراض کے انسداد کی تدابیر اختیار کرنا۔

۴۔ لوگوں کا معیار صحت بلند کرنے کے لئے تجاویز مرتب کرنا۔

۵۔ حادثات کی روک تھام کرنا۔

۶۔ امور صحت کے متعلق تحقیق کرنا اور اس کی نشر و اشاعت کرنا۔

۷۔ زچہ بچہ کی دیکھ بھال اور اس کے اصولوں کی نشر و اشاعت اور امداد بہم پہنچانا۔

۸۔ ڈاکٹروں اور نرسوں کو مہلک امراض کے علاج کی اعلیٰ تربیت دینا۔

۹۔ جنگ کی تباہی، ہیضہ، طاعون وغیرہ پھوٹ پڑنے پر مصیبت زدہ ملک کی امداد کرنا۔

ان تین مشہور ایجنسیوں کے علاوہ انجمن اقوام متحدہ کے حسب ذیل ادارے ہیں، جن کے نام درج کئے جاتے ہیں :

۱۔ ادارہ خوراک و زراعت۔

۲۔ بین الاقوامی بنک برائے تعمیر و ترقی۔

۳۔ بین الاقوامی تجارتی ادارہ۔

۴۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ۔ عالمی تجارت کو فروغ دینا اس کا اولین مقصد ہے۔

۵۔ بین الاقوامی ادارہ فضائیہ۔

۶۔ عالمی ڈاک یونین۔

۷۔ بین الاقوامی ادارہ مواصلات۔

۸۔ بحری مشاورتی تنظیم۔

۹۔ عالمی ادارہ موسمیات۔

Marfat.com

انجمن اقوام متحدہ کا مستقبل

انجمن اقوام متحدہ کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اس انجمن کا بھی وہی حشر ہوگا جو اس سے پہلی انجمن اقوام کا ہوا تھا۔ اس انجمن کی ناکامی کے جو وجوہ ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

مالی مشکلات

کوئی ادارہ بغیر مضبوط مالی فنڈ کے دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ انجمن اقوام متحدہ کو شدید مالی مشکلات کا سامنا ہے۔ اس لئے کہ اس کے بڑے ارکان روس اور فرانس نے اپنے حصے کا چندہ دینا بند کر دیا ہے۔ ان کا عذر یہ ہے کہ انجمن نے امریکہ اور برطانیہ کے اشارہ پر کانگو پر فوج کشی کی اور اپنے مقصد میں ناکام رہی۔ اسی طرح قبرص میں مقیم اقوام متحدہ کی فوج کے اخراجات اٹھانے کے بارے میں بڑی طاقتوں میں اختلاف ہے۔

روس اور فرانس نے وہ بھی چندہ نہیں دیا جو ہر رکن ملک ادا کرتا ہے۔

بڑی طاقتوں کے چندہ نہ دینے کی وجہ سے انجمن مقروض ہو چکی ہے۔

حق تنسیخ

سلامتی کونسل میں پانچ بڑی طاقتوں روس، امریکہ، برطانیہ، فرانس اور قوم پرست چین کو حق تنسیخ (VETO POWER) حاصل ہے۔ دنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہو چکی ہے اس وجہ سے ایسا کوئی مسئلہ جو کسی ایک بلاک کے مفادات کے خلاف ہو اس کے خلاف بڑی پانچ طاقتوں میں سے کوئی طاقت حق تنسیخ استعمال کر دیتی ہے جس وجہ سے جھگڑا جوں کا توں ہی رہتا ہے۔ مسئلہ کشمیر پر روس نے حق تنسیخ استعمال کیا۔ اس وجہ سے اب نو آزاد اور ترقی پذیر ممالک میں یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ کوئی معاملہ اس وقت تک طے نہیں ہو سکتا جب تک بڑی طاقتیں نہ چاہیں۔ رکن ریاستوں کا انجمن سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔

کمزور طاقتوں سے بے انصافی

اس انجمن میں کمزور طاقتوں سے کھلی بے انصافی ہو رہی ہے۔ جس کی واضح مثالیں مسئلہ فلسطین، مسئلہ کشمیر، مسئلہ قبرص و ترکی اور مسئلہ ویت نام ہیں۔

Marfat.com

فلسطین "صیہونیت کا مینار ہے اور انسانیت دشمن سرمایہ دار اقوام کا مسکن" یہ
یہ اس مشترکہ اعلامیہ کے تاریخی الفاظ ہیں جو ہوانا کانفرنس میں جاری ہوا تھا۔
اقوام متحدہ کے تمام بنیادی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر امریکہ یہودی ریاست کو طاقتور بنا رہا ہے۔ یہ متکبر قوم بین الاقوامی اصولوں کو پس پشت ڈال کر جس دریا کا رخ چاہتی ہے پھیر لیتی ہے، جو بند تعمیر کرنا چاہے کر لیتی ہے تاکہ ہمسایہ ملکوں کی معیشت تباہ ہو جائے۔

یہی حال مسئلہ کشمیر کا ہے۔ ۱۹۴۸ء اور یکم جنوری ۱۹۴۹ء میں سلامتی کونسل نے قراردادیں منظور کیں، جن میں کشمیریوں سے وعدہ کیا گیا تھا کہ وہاں رائے شماری کرائی جائے گی۔ یہ وعدہ ابھی تک پورا نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ اب یہ مسئلہ انجمن کے سرد خانہ میں جا پڑا ہے۔

قبرص میں یونانیوں کی اکثریت اور حکومت ہے۔ لیکن ترکوں کی بھی کافی تعداد ہے لیکن ان کے حقوق کی حفاظت نہیں کی جاتی۔ ترک حکومت نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی بناء پر مطالبہ کیا کہ قبرص کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ ایک حصہ میں مسلمان ترک اپنے مفادات کی حفاظت کر سکیں۔ لیکن ترک حکومت کے اس مطالبہ کی پرواہ نہ کی گئی اور قبرص میں مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔ جب اس ظلم کے خلاف سلامتی کونسل میں صدائے احتجاج بلند کی گئی تو اس نے ایک قرارداد منظور کی کہ کوئی بھی بیرونی طاقت قبرص کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دے۔

یہ قرارداد اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور کے صریحاً خلاف ہے جس میں ہر انسان کی جان مال اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔

ویت نام میں جو انسانی خون کے ساتھ ہولی کھیلی جا رہی ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔
رہوڈیشیا کا مسئلہ بھی سامراجی طاقتوں کا پیدا کردہ ہے۔ رہوڈیشیا میں سیاہ فام لوگوں کی اکثریت ہے اور انگریز اقلیت۔ لیکن برطانیہ کی سینہ زوری کی وجہ سے سفید فام لوگوں نے حکومت قائم کر لی ہے اور سیاہ فام لوگوں کے حقوق کو پامال کر دیا گیا ہے۔ انجمن اقوام متحدہ اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکی۔

انڈونیشیا کے ساتھ بھی یہی بے انصافی ہوئی، وہ اس طرح کہ برطانیہ نے اپنے سیاسی مفاد کی خاطر ملایا، بورنیو، نیو گنی اور سراوک کے جزائر پر مشتمل ایک وفاق قائم

Marfat.com

کرنے کا منصوبہ بنایا اور ان جزائر نے قبول کر لیا۔ اس وفاق کا نام ملائشیا رکھا۔ نیوگنی تو اس وفاق سے الگ ہو گیا۔ انڈونیشیا نے اس وفاق کے خلاف سلامتی کونسل میں صدائے احتجاج بلند کی۔ انجمن نے ان جزائر میں رائے شماری کرائی۔ مگر انڈونیشیا کا موقف یہ ہے کہ رائے شماری جانب دارانہ ہوئی ہے۔ انجمن نے اس وفاق کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ صدر سوکارنو مرحوم انجمن اقوام متحدہ سے الگ ہو گئے۔ جب صدر سوکارنو کو اقتدار سے ہٹا دیا گیا تو اس کے بعد سوہارتو دوبارہ انجمن کے ممبر بنے۔

یہ مسائل مثال کے طور پر بیان کئے ہیں، ورنہ اس قسم کے اور بھی کئی مسائل ہیں جن میں انجمن عدل و انصاف سے کام نہیں لیتی۔ اور وہی ہوتا ہے جو بڑی طاقتوں کی منشاء ہوتی ہے۔

ایٹمی اسلحہ

انجمن اقوام متحدہ ایٹمی اسلحہ بنانے پر پابندی عائد کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ہر ملک اسلحہ بنانے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن انجمن تماشائی بن کر دیکھ رہی ہے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ سنہ ۱۹۶۶-۶۷ء میں امریکہ کا سالانہ جنگی بجٹ ساٹھ ارب ڈالر یعنی تین سو ارب روپے تھا، جب کہ پاکستان کی کل قومی پیداوار تقریباً بیس ارب روپے ہے۔ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ تمام حکومتیں ہر سال تقریباً ایک سو تیس ارب ڈالر یعنی چھ سو پچاس ارب روپے جنگی سامان اور تیاریوں پر صرف کرتی ہیں۔ اگر یہی رقم دنیا سے افلاس، امراض وغیرہ کو دور کرنے کے لئے خرچ کی جائے تو ساری دنیا خوشحال ہو جائے۔ انجمن اس کوشش میں ہے کہ ایسا عالمگیر معاہدہ کیا جائے جس میں موجودہ چھ نیوکلر طاقتوں کے علاوہ کوئی اور ملک ایٹمی ہتھیار نہ بنائے۔ مگر بھارت اس معاہدہ کی راہ میں روک بنا ہوا ہے۔

فوجی طاقت کا نہ ہونا

انجمن اقوام متحدہ کے پاس کوئی فوجی طاقت نہیں ہے جس کے بل بوتے پر اپنے فیصلوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔ اگر کہیں فوج کی ضرورت پڑتی ہے تو انجمن رکن ریاستوں سے درخواست کرتی ہے تو وہ اپنی فوجیں بھیجتی ہیں۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کوئی ادارہ اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا جب تک اس کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس کے پاس طاقت نہ ہو۔ اس ادارہ کے ممبرو

Marfat.com

دنیا میں امن قائم کرنا ہے۔ جب کہ دنیا میں بے شمار طاغوتی طاقتیں موجود ہیں جو امن کو تباہ و برباد کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہیں۔ ان طاغوتی طاقتوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انجمن کی اپنی فوجی طاقت ہو۔ اور انجمن کو یہ پورا اختیار ہو کہ اگر کوئی طاغوتی طاقت امن کو خراب کرنے کے لئے کوشش کرے تو انجمن اپنی فوجی طاقت سے سرکش اور امن کو برباد کرنے والی طاقت کو دبا دے۔

ریاستوں کا اقتدار اعلیٰ

انجمن کے چارٹر میں یہ ایک اصول ہے کہ انجمن کسی ریاست کے اندرونی معاملہ میں دخل نہیں دے گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ کئی رکن ریاستوں نے اپنے مفادات کے پیش نظر چارٹر کے خلاف کارروائیاں کی ہیں۔ اور انجمن ریاستوں کو صرف اس وجہ سے نہ روک سکی کہ ان کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی سمجھی جائے گی۔ مثلاً ہندوستان نے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ اگر کشمیریوں کے حق خود ارادیت کا مسئلہ اٹھایا جائے تو ہندوستان کشمیر کو اپنا داخلی معاملہ قرار دے کر یہ کہنا شروع کر دیتا ہے کہ کسی ملک یا انجمن اقوام متحدہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کے داخلی امور میں دخل دے۔ اس سے صرف انجمن کے چارٹر کی توہین ہی نہیں ہو رہی بلکہ دنیا کے امن کو بھی شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

اقوام عالم کی نمائندہ باڈی نہیں

انجمن اقوام متحدہ تمام دنیا کی نمائندہ باڈی نہیں ہے۔ چین ایک بڑی طاقت ہے، امریکہ محض اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کی رکنیت کے راستہ میں زبردست روک بنا ہوا ہے۔ لیگ آف نیشنز کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ بھی دنیا کے تمام ممالک کی نمائندہ باڈی نہیں تھی۔ اس انجمن کی ناکامی کا بھی یہی سبب ہو گا۔

استحصال دولت

انجمن اقوام متحدہ کے چارٹر میں کوئی ایسی دفعہ نہیں ہے جس میں بڑی بڑی حکومتوں کو ترقی پذیر حکومتوں کی دولت کو سمیٹنے سے روکا گیا ہو۔ بڑی بڑی حکومتیں ترقی پذیر اور کمزور حکومتوں کو ملکی ترقی کے لئے قرضے دیتی ہیں۔ دراصل وہ قرضے ترقی پذیر ملک کی ترقی کے لئے نہیں ہوتے بلکہ وہاں کے لوگوں کا خون چوسنے کا ایک بہانہ ہوتے ہیں۔ بڑی حکومتیں قرضے دے کر اپنے مشیر اس ملک میں بھیجتی ہیں، جو اس قرضہ سے ایک خاصی رقم واپس لے جاتے

Marfat.com

ہیں۔ پھر جو بھاری مشینری دی جاتی ہے وہ بھی مہنگی۔ اگر مشینری کا کوئی پُرزہ خراب ہو جائے تو وہ بھی قرضہ دینے والے ملک سے خریدا جاتا ہے۔ اس طرح قرضہ کے بہانے ترقی یافتہ ملک ترقی پذیر ملکوں کو اپنی منڈیاں بناتے ہیں اور ان کی دولت سمیٹتے ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ ترقی یافتہ ملک ساہوکار بن گئے ہیں اور ترقی پذیر ملک گاہک۔ سیاسی زبان میں یوں کہہ لیجئے کہ ترقی یافتہ ملک حاکم بن گئے ہیں اور ترقی پذیر ملک محکوم۔ حاکم اور محکوم، مخدوم اور خادم کی لڑائی ابد سے چلی آ رہی ہے۔ اب بھی اس رنگ میں دولت سمیٹنے کا نتیجہ جنگ ہوگا اور انجمن اقوام متحدہ ناکام ہو جائے گی۔

اسلام میں عالمگیر برادری کا تصوّر

اسلام پہلا مذہب ہے جس نے عالمگیر برادری کا تصور پیش کیا جس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ ہندو مذہب میں انسانی طبقات کی چار قسمیں کی گئی ہیں: برہمن، چھتری، ویش اور شودر۔ ہر طبقہ کے جو فرائض متعین ہیں وہ ان سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ سب سے اعلیٰ طبقہ برہمن اور سب سے ادنیٰ طبقہ شودروں کا ہے۔ شودروں کی حیثیت غلاموں سے بدتر ہے۔ ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ اپنے سے اعلیٰ ذات کی خدمت بجا لائیں۔ ان کو ہندوؤں کے مندروں میں داخل ہونے اور مذہبی کتب سننے کی اجازت نہیں۔ اگر کسی شودر کے ہاتھ سے کسی برہمن کو اذیت پہنچ جائے تو اس کی سزا قتل ہے۔ اگر برہمن کو گالی دے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی زبان کاٹ دی جائے۔ اگر برہمن کسی شودر کی چوری کرے تو اس کی سزا صرف یہ ہے کہ شودر کو مال کا تاوان دلایا جائے۔ لیکن شودر کسی برہمن کی چوری کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ شودر کو زندہ جلا دیا جائے۔

یہودی مذہب صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا اور قومیت کا سبق دیتا ہے۔ توریت میں ہے کہ "موسیٰ نے ہم کو ایک شریعت دی جو بنی اسرائیل کی میراث ہو"[1]

"بنی اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے"[2]

قرآن مجید نے بھی بنی اسرائیل کے اس قومی عقیدہ کا ذکر کیا ہے، ارشاد ہے:

---

[1] استثنا ۳۳: ۴۔ [2] خروج ۴: ۲۲۔

Marfat.com

نحن ابناء اللّٰه واحبّاءه یعنی ہم خدا کے فرزند اور اس کے پیارے ہیں۔

عیسائیت بھی ایک قومی مذہب تھا اور قومی پیغام لے کر آیا۔ انجیل میں ہے :"میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے علاوہ اور کسی کے لئے نہیں بھیجا گیا، مناسب نہیں کہ لڑکوں (بنی اسرائیل) کی روٹی کتوں کے لئے پھینک دوں[1]"

نسل انسانی کی وحدت کا پیغام صرف رسول کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے سنایا، اور اعلان کیا کہ تمام مخلوق ایک ہی اصل کی مختلف شاخیں ہیں اور ان میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ ہمارے اس دور میں عالمگیر برادری کا نظریہ اسی آواز کی بازگشت ہے جو اس سے چودہ سو سال قبل ایک امی نبیؐ نے خدا سے وحی پاکر مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں بلند کی تھی۔

اب میں عالمگیر برادری کا نظریہ قرآن اور حدیث کی رو سے بیان کرتا ہوں ۔۔ ارشاد الٰہی ہے :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا[2] اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اللّٰہ کے حقوق کی جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کی نگہداشت کرو اللّٰہ تم پر نگہبان ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا[3] سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں سو وہ اختلاف کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ[4] اے لوگو ! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے اللّٰہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے

---

[1] انجیل متی ۱۵ : ۱۰۔
[2] النساء ۴ : ۱
[3] یونس ۱۰ : ۱۹ ۔
[4] الحجرات ۴۹ : ۱۳۔

Marfat.com

جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ[۱] ساری مخلوق عیال اللہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق کو سب سے زیادہ چاہتا ہے۔

اللھم ربنا و رب کل شیءٍ انی اشھد ان العباد کلھم اخوۃ[۲] اے ہمارے اور ہر چیز کے رب میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

کونوا عباد اللہ اخوانا[۳] تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔

بابو بپن چندر پال کہتا ہے:

"اسلام نے اخوت اور برادرانہ روابط پر جس قدر زور دیا ہے اور وہ جس شدومد سے اس پر عمل پیرا ہوا اس کی مثال دنیا کا کوئی اور مذہب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا رواج موجود نہیں۔ یہ مسلمانوں کی انتہائی ہمدردی اور خدا ترسی ہی تھی جس نے ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کی مذہبی زندگی اور خیالات میں انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ اسلام نے سیاسی طور پر بنی نوع انسان کو ایسے حقوق عطا کئے جو رومیوں اور دیگر اقوام نے صدیوں میں بھی اپنی رعایا کو نہ دیئے تھے۔ اسلام نے ٹیکس محدود کر دیا، قانوناً سب انسانوں کو ایک دوسرے کے مساوی بنا دیا، حکومت خود اختیاری کے اصول رائج کئے، بادشاہوں کے اختیارات پر پابندیاں عاید کر دیں"[۴]

شری راج وید پنڈت گرادھر پرشاد شرما رئیس اعظم الٰہ آباد کہتا ہے:

"میں ایک راسخ العقیدہ ہندو ہوں۔ لیکن میں نے ہندو، عیسائی اور اسلامی مذاہب کے بانیوں کے حالات زندگی کو اپنی بہترین توجہ کا خراج دیا ہے اور میں بہانگِ دہل اعلان کرتا ہوں کہ میری رائے میں جس مذہب کو اخوت باہمی اخلاق و تہذیب اور دولتِ اتحاد کی فراوانی کثرت کے ساتھ عطا کی گئی ہے، وہ مذاہب کا سردار اسلام ہے۔ اسلام

---

[۱] بیہقی کتاب الایمان۔ [۲] احمد ابوداؤد۔ [۳] بخاری۔

[۴] اسلام اور پیغمبر اسلام غیروں کی نظر میں مولفہ خلیفہ عبدالرحمان ص۲۲،۲۱۔

Marfat.com

کی فیاضی اور کشادہ دلی اس کا امتیازی نشان ہے۔ وہ بلحاظ اس بات کے کہ کوئی امیر ہے یا غریب سب کو اپنی آغوش میں پناہ دیتا ہے۔ اس کے دروازے سب کے لئے کھلے ہیں۔ ہر خیال اور رنگ کے انسان اس کے زیر سایہ آرام اور راحت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اچھوت پن کی لعنت کو دور کرنے کی طاقت اسلام اور صرف اسلام میں ہے، اس کے علاوہ کوئی اور مذہب اس کے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔"[1]

ریورنڈ باسورتھ سمتھ لکھتا ہے:

"یہ (اسلام) وہ مذہب ہے جو تمام رنگ و نسل اور مدارج کے لوگوں کو اپنے اندر جذب کر کے ان میں احساس اخوت پیدا کر دیتا ہے۔"[2]

ایڈورڈ گبن لکھتا ہے:

"ایک ناقابل فراموش انقلاب جس نے کرہ ارض کی تمام قوموں پر ایک نئے اور دائمی طرز کی اثر اندازی کی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالمگیر برادری اور مساوات کا جو کلی اصول پیش کیا ہے وہ اتنا عالم آشکارا ہے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔"

پروفیسر ٹوائن بی (TOYNBEE) نے رنگ و خون کے امتیازات کے انسداد کو عالمی تہذیب پر اسلام کا ایک نہایت گہرا اور گراں قدر احسان قرار دیا ہے۔

عالمگیر برادری کا تصور توحید الٰہی میں

عالمگیر برادری کا تصور توحید الٰہی کا ثمر ہے۔ خدا رب العالمین ہے۔ یعنی تمام دنیا کی مادی اور روحانی ضروریات کا کفیل ہے۔ مادی ضروریات کے لئے زمین، سورج، چاند، ہوائیں، بارش — غرض کہ ہر وہ چیز جو اس مادی جسم کی زندگی کے لئے ضروری تھی پیدا کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا[3] وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔

---

[1] اسلام اور پیغمبر اسلام غیروں کی نظر میں مولفہ خلیفہ عبدالرحمان ص۲۲،۵

[2] ترجمہ از لیکچرز آن محمد اینڈ محمدنزم۔

[3] البقرہ ۲: ۲۹۔

Marfat.com

وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا[1] اور اس زمین میں اس کی غذائیں مقرر کر دیں۔
وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ[2] اور یقیناً ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانا بنایا اور تمہارے لئے اس کے اندر روزی کے سامان رکھے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ تمام دنیا کی اقوام اللہ کے عیال ہیں جن کی وہ پرورش کر رہا ہے۔ اسی طرح روحانی زندگی کی تکمیل کے لئے ہر قوم میں انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ[3] اور ہر ایک قوم کے لئے ایک رسول ہے۔

پھر فرمایا: وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ[4] اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفات ہیں، جن کے تحت کائنات کا نظام چل رہا ہے ان سے دنیا کی ہر قوم اور پھر ہر قوم کا ہر فرد فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی نظر میں تمام اقوام عالم مساوی ہیں۔ اس وجہ سے کہ سب کا پیدا کرنے والا وہی ہے اور سب کی خبر گیری کرنے والا ایک ہے۔ توحید الٰہی کا یہ تصور دنیا کی تمام اقوام کو ایک برادری کے دائرہ میں داخل کر دیتا ہے۔ جب ہمارا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے تو کیوں نہ ہم سب ایک برادری کی سلک میں منسلک ہو جائیں۔ اور حقیقی زندگی متحد ہونے میں ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان العباد کلھم اخوة۔ کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

روئے زمین کی تمام اقوام کو اسلام اکٹھا کرنے آیا تھا۔ پہلے انبیاء علیہم السلام تو قومی نبی تھے، ان کا پیغام صرف ان کی اپنی قوم کے لئے مخصوص تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تمام اقوام کے لئے ہے۔ تاکہ سب قوموں کو اتحاد کے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا[5] کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

---

[1] حم السجدہ ۴۱ : ۱۰ [2] الاعراف ۷ : ۱۰ [3] یونس ۱۰ : ۴۷
[4] فاطر ۳۵ : ۲۴ [5] الاعراف ۷ : ۱۵۸

Marfat.com

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[1] اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

عملی اتحاد کے اصول

یہ وہ عالمگیر برادری کا تصور تھا جس کی نظیر دنیا کی کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ اسلام نے صرف نظریہ ہی بیان نہیں کیا، عملی اتحاد کے لئے اصول بھی وضع کر دیئے تاکہ اتحاد کی عمارت مضبوط ہو جائے۔

دنیا کی اقوام میں اتحاد کو مضبوط کرنے اور امتیازات کو مٹانے کے لئے سب سے پہلی بنیاد مسجد ہے، جہاں پانچ وقت لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ امیر غریب، آقا خادم، گورا کالا ــــ غرض کہ ہر انسان ایک صف میں پہلو بہ پہلو کھڑے ہو کر ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ پنجگانہ نمازوں کے اجتماع کا دائرہ جمعہ کی نماز اور زیادہ وسیع کر دیتی ہے، جہاں لوگ ایک جامع مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر اس اجتماع کا دائرہ عید کی نمازیں اور وسیع کر دیتی ہیں جہاں ایک شہر کے تمام رہنے والے ایک میدان میں جمع ہو کر ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر حج کے موقع پر یہ اجتماع بین الاقوامی صورت اختیار کر جاتا ہے، جب دنیا کے ہر کونے سے لوگ بیت اللہ کی زیارت کرنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اور ایک ہی لباس میں ایک جیسے مناسک حج ادا کرتے ہیں۔

اس طرح اسلام نے اپنے عالمگیر برادری کے نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نماز اور حج فرض کر دیا ہے، جس سے لوگ بلا امتیاز رنگ نسل ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاتے ہیں۔ جب تاریخی لحاظ سے اسلام کی اس تعلیم کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اسلامی تعلیم نے گروہ بندی کے بت کو چکنا چور کر دیا تھا۔ بلالؓ اور صہیب رومیؓ جیسے حضرات جن کی نسبی رذالت کی وجہ سے قریش اپنی مجلس میں بٹھانا پسند نہیں کرتے تھے، وہ قریش کے مخدوم بن گئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت صہیبؓ رومی کو اپنی جگہ نماز میں امامت کے لئے کھڑا کیا۔ حضرت عمرؓ جب حضرت بلالؓ حبشی کو دیکھتے تو کہہ اٹھتے کہ بلال ہمارا آقا ہے۔ حضرت سالمؓ جو حضرت ابوحذیفہ کے غلام تھے، ان کے متعلق حضرت عمرؓ نے انتقال کے وقت کہا تھا کہ اگر آج سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ ہوتا تو خلافت کے لئے ان کو نامزد کرتا۔

---

[1] الانبیاء ۲۱ : ۱۰۷ ۔

Marfat.com

حضرت زیدؓ بن حارثہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کی شادی کر دی۔

امن قائم کرنے کے متعلق اسلامی اصول

پہلی جنگ عظیم کی ہولناک تباہیوں کو دیکھ کر دنیا میں امن قائم کرنے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ چنانچہ اس عالمی ضرورت کے پیش نظر لیگ آف نیشنز وجود میں آئی، تاکہ دنیا کو جنگوں کی تباہی سے نجات دلائے۔ لیکن یہ انجمن بھی اقوام عالم کو جنگ کی بربادیوں سے نجات نہ دلا سکی۔ اس کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ انجمن کی وہ ناانصافیاں ہیں جو اس نے پہلی جنگ عظیم میں شکست خوردہ اقوام سے کی تھیں۔ اس انجمن کی اساس معاہدہ ورسیلز تھی، جو محض ہاری ہوئی اقوام کو ذلیل وخوار کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اس معاہدہ کی رُو سے جرمن پر ایک بھاری جنگی تاوان ڈالا گیا، اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ اسی طرح ترکی کی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے عرب ممالک کو کئی ریاستوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ شکست خوردہ اقوام نے مجبوری کے تحت معاہدہ پر دستخط تو کر دیئے تھے لیکن اندرونی طور پر کوشش ان کی یہی تھی کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی ساکھ کو قائم کریں۔ چنانچہ ہٹلر کی قیادت میں جرمنی نے زبردست فوجی طاقت حاصل کر لی، جو دنیا کے امن کے لئے خطرہ بنی اور دوسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد دوبارہ خواہش پیدا ہوئی کہ اقوام عالم پھر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور امن قائم کرنے کے لئے کوشش کریں۔ چنانچہ انجمن اقوام متحدہ وجود میں آئی۔ اب آثار نظر آرہے ہیں کہ اس کا حشر بھی وہی ہوگا جو لیگ آف نیشنز کا ہوا تھا۔ اس کی ناکامی کی وجوہ تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اسلام دنیا میں امن قائم کرنے کے متعلق کیا اصول بیان کرتا ہے۔

۱۔ دنیا میں تمام لڑائیاں صرف اس وجہ سے ہوئی ہیں کہ طاقتور ملک نے کمزور ملک پر قبضہ کرنے اور اس کی دولت چھیننے کے لئے حملہ کر دیا۔ اسلام اس قسم کے حملوں کو نہایت ہی ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ

Marfat.com

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى[1] اور اپنی نگاہیں اس کے پیچھے لمبی نہ کر جو ہم نے ان میں سے قسم قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی آرائش کے لئے سامان دیا ہے تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعہ سے آزمائیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور زیادہ دیرپا ہے۔

ہر دور میں کمزور ریاستوں کی دولت لوٹنے کے طاقتور ریاستوں نے الگ الگ طریقے اختیار کئے ہیں۔ کبھی یہ طریقہ ہوتا تھا کہ کمزور ریاست پر حملہ کیا اور اس کو محکوم بنا لیا۔ عصر حاضر میں حملہ کر کے دولت لوٹنے کا طریقہ ختم ہو گیا ہے۔ اب ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر اور کمزور ممالک کی دولت گھر بیٹھے لوٹ رہے ہیں اور ترقی پذیر ممالک کو اپنا اقتصادی غلام بنا رکھا ہے۔

یہ آیت ہر قسم کے استحصال دولت کو ناجائز قرار دیتی ہے خواہ حملہ کر کے دولت لوٹی جائے خواہ اقتصادی غلام بنا کر۔

۲۔ دنیا میں امن کی بربادی کا ایک بڑا سبب معاہدات کی خلاف ورزی ہے۔ اسلام معاہدات کی پابندی پر بہت زور دیتا ہے تاکہ دنیا کا امن تہ و بالا نہ ہو۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا۔ یعنی عہد پورا کرو جب تم خدا سے عہد کر چکو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ۔ اور اس عورت کی طرح نہ بن جاؤ جو سوت کاتنے کے بعد اس کو خود ہی توڑ ڈالتی ہے کہ اپنی قسموں (معاہدات) کو باہمی دھوکے کا ذریعہ بناؤ اس خیال سے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے زیادہ فائدہ میں رہے۔

ایک اور جگہ ایمانداروں کی تعریف میں ارشاد ہے: وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا۔ اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوتے ہیں جب وہ عہد باندھ لیتے ہیں۔

---

[1] طٰهٰ ۲۰ : ۱۳۱۔

Marfat.com

دو متحارب قوموں کے درمیان صلح کرانا

وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَهُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىهُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ [1] اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پس اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو اور انصاف کرو کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بین الاقوامی امن و صلح کے حسب ذیل اصول بیان کئے ہیں:

اوّل۔ جب دو قوموں کے درمیان لڑائی چھڑنے کا اندیشہ ہو تو دوسری قومیں ایک دوسرے کی طرف داری کرنے کی بجائے متحارب قوموں کو نوٹس دے دیں کہ وہ قوموں کی انجمن میں اپنے تنازعہ کا تصفیہ کرائیں۔

دوم۔ اگر کوئی قوم انجمن اقوام عالم کے نوٹس کی پرواہ نہ کرے تو سب قومیں مل کر باغی قوم کے خلاف لڑائی لڑیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک قوم دنیا کی تمام اقوام کا مقابلہ نہیں کر سکتی، وہ لازمی طور پر صلح کی طرف مائل ہو جائے گی۔

سوم۔ جب باغی قوم صلح کی طرف مائل ہو جائے تو متحارب فریقین کے درمیان انصاف اور عدل کے ساتھ صلح کرا دیں۔ سرکش قوم پر ظلم و تعدی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ ظلم و تعدی سے آپس میں تباغض اور تحاسد ترقی کرتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ [2]

اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

---

[1] الحجرات

[2] المائدہ ۵ : ۸

Marfat.com

حق میں تعاون اور باطل میں عدم تعاون

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ[1] اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ بدی کی سزا دینے میں سخت ہے۔

اگر اقوام متحدہ قرآن مجید کے اس اصول پر عمل کریں کہ حق میں تعاون کریں تعدی اور باطل میں عدم تعاون تو دنیا سے فساد مٹ سکتا ہے۔ دنیا میں فساد کی سب سے بڑی وجہ ہی یہ ہے کہ قومیں باطل کی طرفداری شروع کر دیتی ہیں جس سے باطل قوتیں مضبوط جڑ پکڑ جاتی ہیں اور دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔

شہادت حق اور قیام عدل

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ[2] اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص اسے چھپاتا ہے تو اس کا دل ضرور گنہ گار ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ[3] اے لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف پر قائم رہو۔ اللہ کے لئے سچی سچی گواہی دو۔

دنیا میں فساد کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ بڑی بڑی حکومتیں اپنے سیاسی مفادات کے پیش نظر شہادت حق کو چھپاتی ہیں اور عدل و انصاف کو قائم نہیں کرتیں۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ باطل قوتیں مضبوط جڑیں پکڑتی جا رہی ہیں اور امن کا پودا مرجھاتا چلا جا رہا ہے۔ ایک وقت آئے گا جب دنیا تیسری عالمگیر جنگ کی لپیٹ میں آجائے گی۔

یہ آیت حکومتوں کو یہ سبق سکھاتی ہے کہ تمام سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر عدل و انصاف کے بلند مینار پہ کھڑی ہو جائیں۔ اگر کوئی حکومت فساد کرتی ہے تو اس کے خلاف سچی سچی گواہی دی اور اس کو تخریبی کارروائیوں سے روکیں۔

قومی مساوات

دنیا میں امن کی بربادی کا ایک سبب قومی برتری کا خیال ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ جرمن قوم یہ خیال کرتی تھی کہ وہ سب سے اعلیٰ قوم ہے اور

---

[1] المائدہ ۵ : ۸ [2] البقرہ ۲ : ۲۸۳ [3] النساء ۴ : ۱۳۵

Marfat.com

وہ دنیا میں حکومت کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اس لئے اس نے اپنا دائرہ حکومت بڑھانے کے لئے اردگرد کی حکومتوں پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ قرآن مجید کہتا ہے: لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ[1] ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی[2] اے لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔

یہ ہے مختصر سا خاکہ اسلامی عالمگیر برادری کے تصور اور دنیا میں امن قائم کرنے کے اصولوں کا، جو اسلام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ انہوں اصولوں پر عمل کر کے دنیا حقیقی امن سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

---

[1] الحجرات ۴۹ : ۱۱ [2] مسند احمد

Marfat.com

جدید سیاسی نظریات

Marfat.com

Marfat.com

جدید سیاسی نظریات

دورِ حاضر کا عمرانی پس منظر

جس یورپ کو اپنے تمدن اور کلچر پر ناز ہے اور جو رُبع مسکون پر محیط ہے، وہ دو ربع صدی تک ابلیسی طاقتوں کی جولانگاہ بنا رہا۔ اس کے بطن سے پیدا شدہ تہذیب نما بربریت پوری عریانی کے ساتھ شرفِ انسانیت کو پامال کرتی رہی ہے۔ غارت گری اور آدم کشی کا عمل اس انداز سے ہوتا رہا ہے کہ دیکھنے اور سننے والے کے حواس معطل ہو جاتے ہیں اور بیداری اور خواب کی تمیز مٹ جاتی ہے۔ چنگیز خان اور بخت نصر نے بھی ممالک کو تباہ و برباد کیا، لیکن ان کے خونین عمل تسخیر کو بھی ایک مدت درکار تھی۔ نپولین نے بھی نظامِ امن کو تہ و بالا کیا اور اس کی فتوحات کا سیلاب سارے یورپ پر چھا گیا۔ لیکن یورپ کی طاغوتی حکومتوں نے جو طوفان برپا کیا اس کی مثال ساری تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ دوسری عالمگیر جنگ میں انہوں نے گوناگوں آلات تخریب سے شہروں کے شہر چند دنوں بلکہ چند گھنٹوں میں صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے۔ محاذ جنگ سے کوسوں دور آبادیاں بھی ان کے اجل بار طیاروں کے تصور سے لرزہ براندام رہیں۔

ان متحارب قوموں کے مفکرین اس تباہی اور ہلاکت کے زمانے میں دنیا کو ایک پیغام دیتے رہے، وہ یہ ہے کہ انسانیت کے خاک و خون سے ایک نیا نظام عالم جنم لے گا۔ جو ہر رنگ میں پہلے نظام سے اعلیٰ و ارفع ہوگا اور تصادم کی جگہ وحدت اور مودت ہوگی۔ اس میں کسی کو کلام نہیں کہ اس جنگ نے موجودہ تہذیب کو کالعدم کر دیا۔ کیونکہ اس کے اجزاءِ ترکیبی میں تخریب ہی تخریب مضمر ہے اور یہ محاربہ خونین اس کی خودکشی کا عبرت انگیز منظر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی خاکستر سے یقیناً ایک صحت مند اور اصلح نظام پیدا ہوگا جو انسان کی مادی اور روحانی ضروریات کا کفیل اور نفس پرستی اور ہوسناکی کے موذی عناصر سے یکسر پاک ہوگا۔ لیکن اس کا موجد اور خالق کوئی مفکر یا فلاسفر نہ ہوگا۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ مابعد جنگ کا زمانہ مذہب کی صحیح اور سلیم روح کی بیداری کا زمانہ ہے

Marfat.com

کیونکہ سچے مذہب کے اندر تعمیر حیات کے سارے عناصر موجود ہوتے ہیں۔ ان کا بروئے کار آنا ہی نئے نظام عالم کا پیدا ہونا ہے۔ اور وہ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا کا دور مبارک ہوتا ہے۔ اس لئے مادی مفکرین کا دعوی کہ وہی ایک صالح نظام پیدا کرنے والے ہیں ایک زعم باطل ہے جو کبھی شرمندۂ معنی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے تمام نظریات اور تخیلات نسلی تنفر و غرور اور مدنی اور لسانی امتیازات سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے نفاذ سے عالم انسانی آتش کدہ بن جاتا ہے۔

"پچھلی جنگ عظیم کے بعد بھی انہی ائمہ فکر نے دنیا کی "صورت گری" اور "مشاطگی" کا تہیہ کیا اور تہذیب کے نشیمن کو مادیت اور لادینی کے شجر ملعونہ کی نازک شاخ پر تعمیر کیا اور سمجھ لیا کہ نوع انسان اب ہمیشہ کے لئے جنگوں سے بچ گئی ہے۔ حالانکہ ان کے افکار کی اساس ہی ذوق پیکار پر تھی۔ ان کی علمی اختراعات اور ایجادات محض اس لئے وجود میں آئیں کہ ملک کا ایک خطہ یا نسل انسانی کا ایک طبقہ دوسرے پر غلبہ پالے۔ یورپی حکومتوں نے سائنس کو اپنی "جوع الارض" کی تسکین کے لئے ایک کنیز بنا لیا۔ ان کے دار التجارب، ان کے سائنس دان، ان کی یونیورسٹیاں اور دیگر علمی ادارے شبانہ روز صرف ایک ہی مقصد کے لئے وقف کار تھے۔ اور وہ یہ کہ انسانی بستیوں کو جبراً و قہراً غلام بنایا جائے اور اپنی تجارت اور سیاست کو فروغ دیا جائے۔ جب علمی اور ذہنی ترقیات کے پیچھے ایسے خبیث اور موذی ارادے ہوں تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ اس طلسم خانہ تمدن کے مہلک مضمر ممکنات عمل میں آئیں اور اس کو جلا کر خاکستر کر دیں۔ چنانچہ اب ایسا ہی ہو رہا ہے۔ کیونکہ دنیا میں اسی تہذیب و حضارت کو بقا نصیب ہو سکتی ہے جو اصلح ہو یعنی انسانیت کے لئے مفید ہو۔ قرآن کریم میں خدائے عزوجل فرماتا ہے: اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا۔ دنیا میں جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے وہ اس لئے ہے کہ اس کی رونق و رعنائی اس کے حسن و جمال اور آرائش و زیبائش کو دوبالا کرے۔ خالق کل کا فعل خلق ایذا اور آزار سے بالکل پاک ہے۔ بحر و بر، میدان و کوہسار اور باد و باراں کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ کائنات کے تمام پہلو آپس میں ہم آہنگ کر دیئے گئے ہیں۔ اقوام عالم کو مہلت دی جاتی ہے کہ وہ تخلیق عالم کے مقدس مقصد کو پورا کریں۔ جو قوم اس کو پورا کرتی ہے وہی قوم اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

Marfat.com

کی مصداق ٹھہرتی ہے اور اس کو فروغ نصیب ہوتا ہے۔ مگر جو قوم اس نگارخانہ ہستی میں رخنہ ڈالتی ہے اور اس کے توازن کو بگاڑتی ہے وہ قدرت کے بے پناہ ہاتھ سے مٹ جاتی ہے۔

تہذیب مغرب آج اس واسطے دم توڑ رہی ہے کہ اس کے علمبرداروں نے قدرت کے خلاف بغاوت کی۔ اس کی چمن بندی میں خلل ڈالا۔ اس تہذیب کا سب سے زیادہ تباہ کن پہلو یہ ہے کہ اس نے روح و بدن میں افتراق پیدا کر دیا ہے۔ حالانکہ انسان کی کامل شخصیت روح و بدن کی تالیف و امتزاج سے عبارت ہے۔ ان کے متوازی نشوونما سے یہ بڑھتی اور ثمرور ہوتی ہے۔ کوئی فکر یا مذہب کامیاب نہیں ہو سکتا جو ایک کو ابھارے اور دوسرے کو کچل دے۔ عیسائیت نے بھی یہ غلطی کی، اس نے رہبانیت کے تیشے سے جسم کو گھائل کیا تاکہ روح بیدار ہو۔ مگر اس غیر طبعی تعلیم کا وہی نتیجہ ہوا جو ہوا کرتا ہے، یعنی تقشف کی جان سوزیوں کے ساتھ روح کی شمع بھی افسردہ ہو کر رہ گئی اور راہل کلیسا میں مزاج خانقاہی پیدا ہو گیا جس سے خود حاسۂ مذہب مجروح ہو گیا۔ اس کے برعکس یورپ کے ائمہ مادیت نے روح سے انکار کیا اور عالم رنگ و بو ہی کو اپنا منتہائے نظر قرار دیا۔ انہوں نے جسم کی پرورش کی اور روح کو کچل دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تعلیمات کے پیرو ہوس ناک و جفاکار ہو گئے۔ اشتراکی اور فسطائی فلسفہ اسی سفلی تعلیم کا حامل ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ بھی اسی کی کرشمہ سازی ہے اور ان کے سامانِ معیشت کی فراوانی اور دیگر وسائل حیات کی بہتات ہی ان کے حق میں پیغام اجل بن گئی ہے اور کَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا کی تصدیق فضائی تاخت سے کر دی۔ دولت و ثروت کے بڑے بڑے مراکز پیوند خاک ہو گئے۔ تاریخی آثار بھی ایک ایک کر کے ناپید ہو گئے ؎

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا یہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

جب مذہب مٹ جائے تو فرعونی ملوکیت، ہامانی سیاست اور قارونی معیشت انسان پر مستولی ہو جاتی ہے۔ انسان کبھی بھی اپنی حیات کا خود کفیل نہیں ہو سکتا۔ اس کی فکر کج پرواز اس کو ہلاکت کی وادیوں میں لے جاتی ہے۔ جب بھی وہ اپنے کاشانہ حیات کو مادیت کے قمقموں سے روشن کرتا ہے اس پر ظلمت ہی ظلمت چھا جاتی ہے۔ کیونکہ اس زمین و آسمان کا حقیقی نور تو خدا ہی ہے اور مذہب اس نور کا حامل ہے اور اسی کی ہمہ گیر تعلیمات کے

Marfat.com

روغن سے انسانی زندگی کی قندیل روشن ہوتی ہے اور مادہ کی تاریکیاں کافور ہو جاتی ہیں۔ جب یہ شمع روحانی افسردہ ہو جاتی ہے تو عالم انسانی کفر و عصیان کے دُود و دخان سے گھر جاتا ہے اور تباہی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔

انیسویں صدی: تاریخ کے اس دور میں انیسویں صدی کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس صدی میں ان افکار و نظریات کی داغ بیل پڑی جنہوں نے حاسۂ مذہبی کو ضعیف کر دیا اور لوگوں کو ملحد اور زندیق بنا دیا۔ مذاہب پر حملے ہر سمت سے ہوئے جنہوں نے انسانوں کے وسیع طبقے کو مذہب کی آغوش سے نکال کر نفس کا غلام بنا دیا۔

اختصار کے ساتھ ان نظریات اور افکار پر آئندہ صفحات میں بحث کی جائے گی۔

جمہوریت (DEMOCRACY)

مفکرین کے نزدیک جمہوریت بہترین طرز حکومت ہے۔ اس نظام کو نوع انسان کے لئے رحمت اور فلاح و بہبود کا ضامن تصور کیا جاتا ہے۔ جو اس نظام کی مخالفت کرے اس کو انسانیت کا دشمن خیال کیا جاتا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جمہوریت کیا ہے؟ اس کے کیا فوائد اور نقصان ہیں۔

انگریزی لفظ DEMOCRACY جس کے معنی جمہوریت ہیں دو یونانی لفظوں سے مشتق ہے۔ اول DEMOS جس کے معنی عوام ہیں، دوسرے DEMOCRATY جس کے معنی ہیں طاقت یعنی حکومت۔ اس طرح معنی کے لحاظ سے (DEMOCRACY) جمہوریت عوام کی حکومت کو کہتے ہیں۔ سیاسی مفکرین نے اس کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے۔

ابراہیم لنکن نے جمہوریت کی سب سے زیادہ واضح الفاظ میں تعریف کی ہے:

DEMOCRACY IS A GOVERNMENT OF THE PEOPLE BY THE PEOPLE AND FOR THE PEOPLE.

"جمہوریت عوام کی وہ حکومت ہے جو عوام کے ذریعہ ہو اور عوام کی ہی فلاح و بہبود کے لئے۔"

ارسطو کا خیال

ارسطو جو جمہوریت کو ناپسند کرتا ہے ان الفاظ میں اس کی تعریف کرتا ہے: "جمہوریت غریب

Marfat.com

لوگوں کی خراب حکومت کا نام ہے۔"

سیلی (SEELEY)

"جمہوریت اس حکومت کو کہتے ہیں جس میں زیادہ سے زیادہ عوام شریک ہوں۔"

بنتھم (BANTHAM) اور مل (MILL) کے نزدیک

"DEMOCRACY IS A SYSTEM WHICH SECURES THE GREATEST GOOD OF THE GREATEST NUMBER."

"جمہوریت ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود مدنظر رکھی جاتی ہے۔"

برائس (BRYCE) کہتا ہے:

"DEMOCRACY IS A GOVERNMENT IN WHICH THE WILL OF THE MAJORITY OF QUALIFIED CITIZENS RULES."

"جمہوریت اس حکومت کو کہتے ہیں جس میں مستند شہریوں کی اکثریت کی رائے حکمرانی کرتی ہے۔"

ڈائسی لکھتا ہے:

"DEMOCRACY IS A FORM OF GOVERNMENT IN WHICH THE GOVERNING BODY IS A COMPARATIVELY LARGE FRACTION OF ENTIRE NATION."

"جمہوریت ایک طرز حکومت ہے جس میں حکمران طبقہ ساری قوم کا مقابلتاً معتدبہ حصہ ہوتا ہے۔"

گیٹل (GETTLE) کہتا ہے:

"جمہوریت ایسی طرز حکومت ہے جس میں آبادی کا معتدبہ حصہ حاکمانہ طاقت کے استعمال میں شرکت کا حق رکھتا ہے۔"

امریکی اعلان آزادی میں جمہوریت کی تعریف زیادہ واضح الفاظ میں کی گئی ہے:

"حکومتیں محکوم کی مرضی سے اختیارات حاصل کرکے قائم ہوتی ہیں۔"

"GOVERNMENTS ARE INSTITUTED DERIVING THEIR

Marfat.com

JUST POWERS FROM THE CONSENT OF THE GOVERNED."

جمہوریت کی اقسام

جمہوریت کی دو قسمیں ہیں:

(الف) بلاواسطہ جمہوریت

(ب) بالواسطہ جمہوریت

بلاواسطہ جمہوریت

وہ جمہوری حکومت جس میں شہری براہ راست نظم ریاست میں حصہ لیں بلاواسطہ (DIRECT DEMOCRACY) کہلاتی ہے۔

اس قسم کی جمہوریت انہی ریاستوں میں ممکن ہو سکتی ہے جو اپنے رقبے اور علاقے کے لحاظ سے چھوٹی ہوتی ہیں۔ ایسی ریاستوں میں لوگ قانون وضع کرنے، پالیسی مرتب کرنے اور افسروں کا تقرر کرنے کے لئے جسماً جمع ہو سکتے ہیں۔ یہ جمہوریت قدیم یونان اور روما میں پائی جاتی تھی۔

ہمارے اس دور میں بلاواسطہ جمہوریت پر عمل کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ ریاستوں کے وسیع رقبے اور گنجان آباد ہونے کی وجہ سے تمام لوگ یک جا جمع نہیں ہو سکتے۔ البتہ صرف سوئٹزرلینڈ کے چند کانطونوں (CONTONS) میں کچھ ایسے طریقے رائج ہیں جن کی وجہ سے بلاواسطہ جمہوریت پائی جاتی ہے۔ جن کے نام آپن تسل (APPENZELL) عوری (URE) گلاروس (GLARUS) اور اونٹروالڈین (UNTERWALDEN) ہیں۔

وہ طریقے حسب ذیل ہیں:

حق ہدایت (INITIATIVE) کی رو سے عوام کی ایک مخصوص تعداد حکومت سے مطالبہ کر سکتی ہے کہ وہ مجلس قانون ساز کے ذریعہ کوئی قانون پاس کرے۔ یہ عوام کو بہت بڑا اختیار حاصل ہے کیونکہ وہ اس کے ذریعہ اپنی مرضی کے مطابق قانون مدون کرا سکتے ہیں۔

عوام عام طور پر اس طریقے کو نہایت ہی معمولی قوانین پاس کرانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

Marfat.com

شورائے عام

شورائے عام کو انگریزی میں REFERENDUM کہتے ہیں۔ اس کی رو سے لوگوں کی ایک مقررہ تعداد باقاعدہ درخواست پیش کرکے حکومت سے مطالبہ کرسکتی ہے کہ مجلس قانون ساز کے بنائے ہوئے کسی قانون کو اس وقت تک نافذ نہ کرے جب تک عوام کی عام منظوری حاصل نہ ہو جائے۔ حکومت متنازعہ فیہ قانون کو عوام کے سامنے پیش کردیتی ہے۔ اگر اکثریت اس قانون کی موافقت میں رائے دے تو اس قانون کو نافذ کردیا جاتا ہے اور اگر مخالفت میں رائے دے تو قانون مسترد کر دیا جاتا ہے۔ یہ عوام کو بڑا اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ مجلس قانون ساز قانون وضع کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھتی ہے کہ کوئی ایسا قانون وضع نہ کرے جو عوام کی مرضی اور خواہشات کے خلاف ہو۔

حق باز طلبی (RECALL)

اس طریقہ کی رو سے عوام آئینی طور پر اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ کسی نااہل افسر کو برطرف کرا دیں۔ اس وجہ سے افسران اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ کہیں لوگ ان سے بدظن نہ ہو جائیں۔

بالواسطہ جمہوریت

جمہوریت کی دوسری قسم بالواسطہ یا نیابتی جمہوریت (INDIRECT OR REPRESANTATIVE DEMOCRACY) ہے۔

آج کل ملکوں کا رقبہ وسیع ہے۔ آبادی گنجان ہے۔ اس وجہ سے بلاواسطہ جمہوریت پر عمل کرنا دشوار ہے۔ بالواسطہ جمہوریت آجکل کے حالات کے مطابق ہے۔ عوام کثرت رائے سے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں اور وہ نمائندے قانون سازی کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ گویا عوام اپنے اختیارات اپنے نمائندوں کو تفویض کر دیتے ہیں اور نمائندے نظم حکومت چلاتے ہیں۔

اس طرز حکومت میں حاکمیت براہ راست عوام ظاہر نہیں کرتے بلکہ اپنے منتخب شدہ نمائندوں کے ذریعہ کرتے ہیں۔ یہ نمائندے عوام کے امانت دار ہوتے ہیں اور عوام کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔

جمہوریت کے مفروضات

متذکرہ بالا بحث سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ جمہوریت کے حسب ذیل مفروضات

Marfat.com

ہیں :

۱۔ حاکم اور محکوم کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس طرز حکومت میں "عوام کی حکومت، عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر اور عوام کی وساطت سے" کا اصول کارفرما ہوتا ہے۔

۲۔ عوام کا منشاء ان کے منتخب شدہ نمائندوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔

۳۔ صحیح قانون وہ ہوگا جسے اکثریت صحیح کہہ دے۔

۴۔ اقلیت کو اکثریت کے فیصلے تسلیم کرنا پڑتے ہیں۔

تنقید

الفریڈ کوبن نے اپنی کتاب THE CRISIS OF CIVILISATION میں مغرب کی تباہی کا ایک سبب ان کا انداز حکومت بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس نے جمہوریت کے مفروضات پر خاصی تنقید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ کہنا کہ جمہوریت سے حاکم اور محکوم کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے محض فریب ہے۔

پروفیسر کوبن لکھتا ہے :

اس نظریہ کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو "عوام کے اقتدار اعلیٰ" کا فریب کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ اگر سیاست کو نظری پہلو سے نہیں بلکہ عملی پہلو سے دیکھا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حاکم اور محکوم کو ایک ہی تصور کرنا عملی ناممکنات میں سے ہے عملاً حکومت افراد کی ایک جماعت پر مشتمل ہوتی ہے اور رعایا افراد کی دوسری جماعت کا نام ہوتا ہے۔ جب سوسائٹی اپنی ابتدائی قبائلی زندگی سے ذرا آگے بڑھ جائے تو پھر حاکم اور محکوم کبھی ایک نہیں ہوسکتے۔ یہ سمجھ لینا کہ دونوں ایک ہی ہیں مملکت میں بدترین قسم کی آزادئ اختیارات پیدا کر دیتا ہے[1]

جمہوریت کی رو سے صحیح قانون وہ ہے جس پر نمائندگان کی اکثریت نے صاد کیا ہو۔ اس نظریہ کے بارہ میں پروفیسر مذکور لکھتا ہے :

عوام کے اقتدار اعلیٰ کے نظریہ کے حق میں روایتی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حکومت یا تو قوت کے بل بوتے پر قائم کی جائے گی یا باہمی رضامندی سے۔ اور چونکہ یہ غلط ہے کہ جس چیز کو قوت صحیح کہہ دے وہی صحیح ہو۔ اس لئے یہی درست ہے کہ حکومت کی اساس

---

[1] P. 68

باہمی رضامندی پر ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ دلیل نہ تو منطقی طور پر درست ہے نہ ہی مبنی بر صداقت۔ اگر کسی غلط بات کو لاکھ آدمی بھی صحیح کہہ دیں تو وہ صحیح نہیں ہو سکتی...... فیصلہ وہی صحیح ہوگا جو حقیقت میں صحیح ہو، نہ کہ وہ جسے زیادہ لوگ صحیح کہنا شروع کر دیں۔ روسو کہتا ہے کہ "منشائے عمومی" ہمیشہ صحیح ہوگا ورنہ وہ منشائے عمومی کہلا نہیں سکے گا۔ اگر یہ امر صحیح ہے تو پھر اکثریت اور اقلیت کا سوال ہی باقی نہ رہا۔ سوال یہ رہ گیا کہ جو چیز اخلاقی بنیادوں پر صحیح ہے وہی صداقت ہے[۱]

جمہوریت کی خوبیاں

۱۔ جمہوریت رائے اور تنقید کے آزادانہ اظہار کی کامل اجازت دیتی ہے۔

۲۔ عوام کو اپنی حکومت تبدیل کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ جمہوری طرز حکومت میں سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں۔ اکثریت والی پارٹی حکومت بناتی ہے۔ اقلیت والی پارٹی یا پارٹیاں حزب اختلاف بناتی ہیں۔ اگر رائے عامہ حکومتی پارٹی کے خلاف اور حزب اختلاف کے حق میں ہو جائے تو حکومت نئی اکثریتی پارٹی کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ اس طرح سابقہ حکومتی پارٹی حزب اختلاف میں آجاتی ہے۔

۳۔ مملکت کا ہر شہری قانون کی نظر میں برابر ہوتا ہے خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔

۴۔ جمہوریت ہر شہری کو ترقی کرنے کے مواقع یکساں دیتی ہے۔ ایک عام آدمی اپنی اعلیٰ استعدادوں کے ذریعہ ترقی کر کے حکومت میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہو سکتا ہے۔

۵۔ جمہوریت سینکا کے قول کے مطابق اس اصول پر مبنی ہے کہ "انسان انسان کے لئے مقدس ہے"۔

۶۔ جمہوری طرز حکومت میں ہر شہری آزادی اور مساوات کی نعمت سے متمتع ہوتا ہے۔ نہ حاکم اپنی قوت سے دوسروں کے حقوق پامال کر سکتا ہے، نہ دولت مند اپنی دولت سے عوام کو ان کے حقوق سے محروم کر سکتا ہے۔ اس میں ادنیٰ اور اعلیٰ کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ ایک فرد اور ایک ووٹ اور ہر ایک فرد ہر ایک عہدے کے لائق ہے۔ اس طرز حکومت میں عوام خود ہی حاکم اور خود ہی محکوم ہوتے ہیں۔

---

[۱] P. 76

Marfat.com

۷- جمہوری حکومت عوام کے سامنے جواب دہ ہے۔ اگر کوئی حکومت عوام کی امنگوں اور خواہشات کے مطابق کام نہ کرے تو عوام اس کو الگ کر سکتے ہیں۔

۸- جمہوری حکومت مستحکم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت کے پیچھے عوام کی بے پناہ قوت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوری ممالک میں انقلاب اور بغاوت کے خطرات بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص جمہوری نظام حکومت میں انقلاب لانے کی کوشش کرے تو عوام کی قوت اس انقلاب کو ناکام بنا دیتی ہے۔ کیونکہ عوام کی تمام ہمدردیاں اور تعاون جمہوری حکومت کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ اگر عوام کے نمائندے کوئی ایسی پالیسی مرتب کریں جو عوام کے مفاد کے خلاف ہو تو عوام اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں اور اپنے مطالبات منوا لیتے ہیں۔ اس طرح تمام کام پُرامن طریقے سے سرانجام پا جاتے ہیں۔ اگر حکومت عوام کے مطالبات منظور نہ کرے تو عوام صاحب اقتدار لوگوں کو الگ کر سکتے ہیں اور دوسرے نمائندوں کے ہاتھ زمام حکومت سونپ سکتے ہیں اور انقلاب برپا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوری طرز حکومت کے ملکوں میں صدیوں سے کوئی انقلاب نہیں ہوا۔

۹- جمہوریت کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اس میں غریب عوام کا حصہ ہوتا ہے۔ اس طرز حکومت میں حکومت کرنا کسی خاص طبقہ کا حق نہیں ہے۔ وہی شخص حکومت کی مشینری کا کل پرزہ بنے گا جس کو لوگ منتخب کریں گے۔ بادشاہت میں صرف بادشاہ کا حکم قانون مانا جاتا ہے۔ اشرافیہ میں صرف با اقتدار اشخاص حکومت کرتے ہیں لیکن جمہوری حکومت میں ہر شخص حکومت میں حصہ لیتا ہے۔

۱۰- دوسری طرز کی حکومتوں میں صرف چند لوگ نظم حکومت میں شریک ہوتے ہیں۔ چنانچہ صرف انہی کی سیاسی تربیت ہوتی ہے۔ لیکن جمہوری طرز حکومت کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں عوام کی سیاسی تربیت ہوتی ہے۔ انتخابات کے موقع پر مختلف سیاسی پارٹیاں اپنے منشور اور پروگرام لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ عوام کو ان پر غور فکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ہر قسم کی تنقید کرتے ہیں۔ قائدین کی قابلیت اور صلاحیت کا موازنہ کرتے ہیں۔ اس طرح عوام کی سیاسی تربیت ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

۱۱۔ جمہوریت کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ عوام میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ ملک کی زندگی میں بعض ایسے نازک مرحلے آتے ہیں کہ ملک تباہی کے گڑھے کے کنارے پر جا کھڑا ہوتا ہے۔ اس نازک مرحلہ پر حب الوطنی کا جذبہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔ تمام قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر خطرناک حالات کا مقابلہ کرتی ہے اور ان حالات پر قابو پا لیتی ہے۔

۱۲۔ جمہوریت خوف و ہراس اور دبدبے سے پاک ہوتی ہے کیونکہ جمہوریت کی بنیاد عوام کا اعتماد ہے۔ اس کے علاوہ تمام طریقہ ہائے حکومت خوف اور ہراس پر مبنی ہوتے ہیں مثلاً آمریت، فسطائیت، نازیت، بادشاہت وغیرہ۔

جمہوریت کی خامیاں

۱۔ جمہوری طرز حکومت میں ایک خاص جماعت کی حکومت ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی شخصی حکومت ہے کیونکہ شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی حکمی۔ کیونکہ فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ مجموعہ بھی شخص واحد کے حکم میں ہوتا ہے۔ مگر وہ واحد علمی ہے واحد حقیقی نہیں۔ جمہوری طرز حکومت میں گو بظاہر اکثریتی پارٹی کی حکومت ہوتی ہے مگر اکثریت مل کر شخص واحد ہوتا ہے۔ جو قانون بھی پاس ہوگا وہ سب کی رائے سے مل کر پاس ہوگا۔ اس طرز حکومت میں انفرادی رائے کچھ بھی نہیں، بلکہ اجتماعی رائے ہی وزن رکھتی ہے۔ اجتماعی رائے ایک قسم کی شخصی رائے ہے کیونکہ مجموعہ مل کر واحد حکمی ہو جاتا ہے۔

غرض یہ کہ شخصی حکومت میں فرد واحد حکومت کرتا ہے جمہوری طرز حکومت میں شخصی جماعت حکومت کرتی ہے دوسرے لوگ اس کے تابع ہوتے ہیں۔

۲۔ جمہوریت میں مساوات پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ مکمل مساوات اصول فطرت کے خلاف ہے۔ اور دنیا میں مکمل مساوات قائم کرنا ناممکن ہے۔ اوّل تو کوشش سے مکمل مساوات قائم ہی نہیں ہو سکتی، جدوجہد خود بے ثمر رہے گی۔ دوم اگر مساوات قائم ہو جائے تو معاشرہ میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

دنیا میں ہر انسان مختلف اہلیت اور صلاحیت لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے

Marfat.com

مختلف اہلیت اور صلاحیت کے پیش نظر اختیارات میں امتیاز قائم کرنا ناگزیر ہے۔
جمہوری طرز حکومت ایک عالم فلاسفر کو وہی اختیارات دیتی ہے جو عامی شخص کو۔
ایڈمنڈ برک (EDMUND BURKE) کہتا ہے کہ قدرت نے انسانوں میں عقل و فہم کا فرق رکھا ہے لہذا جمہوری مساوات ایک سفید جھوٹ ہے۔

۳۔ جمہوری طرز حکومت میں عالم اور عامی شخص ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ علماء اور فلاسفروں کی نسبت عامی اشخاص کی زیادہ تعداد ہوتی ہے جو عموماً جاہل اور نااہل ہوتے ہیں۔ افلاطون پہلا مفکر ہے جس نے جمہوریت کے اس پہلو کو سامنے رکھ کر جمہوریت پر کم علمی اور جاہلیت کا الزام لگایا۔ عصر حاضر میں بھی لیکی (LECKEY) اور مین (MAINE) نے یہی اعتراض دوہرایا ہے۔ لیکی کہتا ہے کہ جمہوریت غریب ترین، جاہل ترین اور نااہل ترین افراد کی حکومت ہوتی ہے جو کہ لازماً کثیر التعداد ہوتے ہیں۔"
مین بھی جمہوری طرز حکومت کو "جاہلوں اور غیر دانشوروں کی حکومت" سمجھتا ہے۔
کارلائل کہتا ہے: "چونکہ ایک زیرک آدمی کے مقابلہ میں ہمیشہ نو بے وقوف پائے جاتے ہیں، اس لئے جمہوریت بے وقوفوں کی حکومت ہوتی ہے۔"
اس اعتراض کی اساس یہ ہے کہ جمہوری طرز حکومت میں ہر ایک کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ عوام اکثر و بیشتر جاہل اور سیاسی سوجھ بوجھ سے عاری ہوتے ہیں ——
پروفیسر الوٹنگ جمہوری طرز حکومت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:
جمہوریت کے خلاف سب سے بڑی اصولی دلیل ایسی واضح ہے جس کی لمبی چوڑی تشریح کی ضرورت ہی نہیں۔ جمہوریت کے معنی ایسی طرز حکومت ہیں جس میں ہر انسان دخیل ہوتا ہے۔ لیکن گورنمنٹ ایک خاص فن ہے اور بڑی مشکل سائنس ہے اور ہر شخص میں نہ اس کی صلاحیت ہو سکتی ہے نہ اس کا مذاق۔ نہ اس کے لئے فرصت نہ میلان کہ وہ اس فنی سائنس میں درک حاصل کر لے۔ جس طرح ہر عطائی فن طب کا ماہر نہیں ہو سکتا۔ لہذا جمہوریت کے معنی ہیں ایسے لوگوں کی حکومت جو فن حکومت کے ماہر نہیں ہیں۔ پس اس کی مثال یوں سمجھیئے جیسے طب کے کسی اہم سوال کے متعلق عوام کی کثرت رائے سے فیصلہ کر لیا جائے اور ان آراء میں ماہر فن ڈاکٹر

Marfat.com

کی رائے بھی ایک ہی شمار کی جائے گی[1]

جوڈ جو جمہوریت کا زبردست حامی ہے۔ اس کو بھی اپنے نظریہ کے خلاف لکھنا پڑا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب DECADENCE میں رقمطراز ہے کہ سائنس کی رو سے ہر چیز کی قیمت اس کی کمیت (QUANTITY) کے لحاظ سے مقرر ہوتی ہے کیفیت (QUALITY) کی رو سے نہیں۔ سائنس کے عام ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی اصول کو سیاست پر بھی منطبق کر لیا گیا۔ چنانچہ جمہوری طرز حکومت میں فیصلے 'سروں کی گنتی' سے ہونے لگے۔ ہر سر ایک ووٹ خواہ ایک سر مفکر کا ہو اور دوسرا گدھے کا کیوں نہ ہو۔

۴۔ جمہوری طرز حکومت کی ایک خامی یہ ہے کہ وہ علاقائی نمائندگی اور کثرت رائے کے اصول پر مبنی ہے۔ ایک علاقہ میں مختلف پیشوں کے لوگ آباد ہوتے ہیں۔ وہ آبادی کے لحاظ سے اپنا نمائندہ چنتے ہیں۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ وہ منتخب نمائندہ اپنے علاقے کے تمام گروہوں کی یکساں طور پر نمائندگی کر سکے۔ ہر گروہ کا مفاد الگ الگ ہوتا ہے اور نمائندہ ایک ہوتا ہے۔ وہ نمائندہ تمام گروہوں اور طبقوں کے مفادات کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں ایک حلقہ میں کئی امیدوار کھڑے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہی کثرت رائے سے منتخب ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے مخالف امیدواروں نے مجموعی طور پر کامیاب امیدوار سے زیادہ ووٹ حاصل کئے ہوتے ہیں مگر وہ سب ووٹ رائیگاں جاتے ہیں صرف نمائندہ وہی سمجھا جاتا ہے جس نے سب امیدواروں میں سے زیادہ ووٹ حاصل کئے ہوں۔ حالانکہ صورت حال یہ ہوتی ہے کہ اکثریت نے اس کو ووٹ نہیں دیئے ہوتے۔ اقلیت کا نمائندہ اکثریت کا شمار کیا جاتا ہے۔

۵۔ جمہوری طرز حکومت میں قانون سازی کا کام اکثریتی پارٹی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اگرچہ مجلس قانون ساز میں اقلیتی پارٹیاں بھی حصہ لیتی ہیں مگر قانون سازی کا اختیار ان کو نہیں ہوتا۔ صرف اکثریتی پارٹی قانون وضع کرے گی۔ اس میں طبعی رجحانات اور ذاتی اغراض و مقاصد کا دخل ہوگا جو عدل و انصاف سے دور ہوں گے۔ اقلیتی پارٹیاں کڑی تنقید کریں گی، جس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ پارٹیوں میں اختلافات اور

---

[1] THE INDIVIDUAL THE STATE AND WORLD GOVERNMENT P.124

Marfat.com

افتراق کی خلیج حائل ہو جائے گی اور ایک دوسرے کو نیچا دکھلانے کی کوشش شروع کر دی جائے گی۔ ایک عرصہ کے بعد اکثریتی پارٹی عوام میں اپنا وقار اور اعتماد کھو بیٹھے گی۔ دوسری کوئی پارٹی برسر اقتدار آجائے گی تو وہ پہلی اکثریتی پارٹی کے قانون کو منسوخ کر دے گی جو خاص طبقہ کے ذاتی اغراض و مقاصد پر مبنی تھا۔ اس طرح یہ چکر جاری رہتا ہے۔ اس سے صرف قانون کی بے حرمتی نہیں ہوتی بلکہ حکومت کی سالمیت کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

۶۔ تمام جمہوری ممالک میں حکومتیں مدت سے سرمایہ داری اور سامراجیت کی علمبردار ہیں۔ برسر اقتدار طبقہ مختلف تدابیر سے ذرائع آمدن پر قابض ہو جاتا ہے اور عوام منافع اور فوائد سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ برطانیہ میں صرف سرمایہ دار ہی برسر اقتدار آتے ہیں اور انہی کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہوتی ہے۔ کوئی عامی شخص ایک سرمایہ دار کو انتخاب میں شکست نہیں دے سکتا۔ اسی طرح امریکہ میں سرمایہ داروں اور بینک کاروں کا غلبہ ہے۔ گویا جمہوریت سرمایہ داروں کی حکومت ہوتی ہے اور یہ سرمایہ دار غیر ممالک کو فتح کر کے سامراجیت قائم کرتے ہیں۔

۷۔ جمہوریت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں اجتماعی ارادہ (GENERAL WILL) کی حکومت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ خوبی جمہوریت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اجتماعی ارادہ کسی مستقل چیز کا نام نہیں ہے بلکہ ایک لوچدار چیز ہے جو ہر وقت دباؤ سے اپنی شکل بدلتی رہتی ہے۔ اس کو خدع و لالچ کے دام میں پھنسایا جا سکتا ہے۔ اس کو بدلا جا سکتا ہے۔ ایسی غیر مستقل اور ناپائیدار چیز پر ریاست کی بنیاد رکھی جائے گی تو اس میں نہ پائیداری پائی جائے گی اور نہ انسان کے لئے مفید ہو سکے گی۔

۸۔ جب اجتماعی ارادہ کا ماحول سے متاثر ہونا یقینی ہے تو ریاست کے لئے کوئی مستقل قانون وضع نہیں کیا جا سکتا۔ اگر عوام غلط روی میں بہ جائیں اور ان میں برے رجحانات نشو و نما پانے لگیں تو ریاست اور قانون دونوں جمہور اور ان کے رجحانات کے غلام ہوں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نہ تو حکومت کو استحکام حاصل ہوتا ہے اور نہ قانون کو پائیداری نصیب ہوتی ہے۔ اس سے قوم کی تباہی و بربادی

Marfat.com

کے لمحات قریب آتے جاتے ہیں۔

۹۔ تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ جمہوریت بداخلاقی کو ترقی دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہوری طرز حکومت میں اخلاق کا کوئی مستقل معیار ہی نہیں ہے۔ جمہوریت نے تو عوام کے اجتماعی ارادہ کے پیچھے چلنا ہے۔ اگر عوام میں اخلاقی حس موجود ہے تو حکومت پر بھی عوام کی اخلاقی حس کا اثر ہوگا۔ اگر عوام اخلاقی حس سے عاری ہو گئے ہیں تو حکومت بھی رائے عامہ اور اجتماعی ارادہ کو سامنے رکھ کر بداخلاقی کو روکنے کے لئے کوئی کوشش نہ کرے گی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حکومت بداخلاقی کو قانوناً جائز قرار دے دیتی ہے۔

انگلستان میں رائے عامہ کو سامنے رکھ کر لواطت کو جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ جوا اور شراب نوشی مغربی جمہوری ممالک کے تمدن کا ایک حصہ بن گئے ہیں۔ حالانکہ جوئے اور شراب نوشی سے ہی مغربی تہذیب و تمدن برباد ہوتا جا رہا ہے۔ اب کوئی مغربی جمہوری ملک عوام کی رائے اور رجحانات کے خلاف قماربازی اور شراب نوشی پر قدغن نہیں لگا سکتا۔

۱۰۔ جمہوریت کی ایک خرابی یہ ہے کہ اکثریتی پارٹی حکومت کرتی ہے اقلیتی پارٹی حکومت سے محروم رہتی ہے۔ جن ممالک میں مذہبی اختلافات اور مناقشات ہوتے ہیں وہاں اکثریتی پارٹی اقلیت پر ظلم کرنا شروع کر دیتی ہے۔ امریکہ میں سیاہ فام باشندے سفید فام اکثریت کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار بنے ہوئے ہیں۔

ایک مشہور اطالوی مفکر میزینی (MAZZINI) لکھتا ہے: "لیکن ایسی قوم میں جس میں وحدت عقائد نہ ہو، جمہوریت اس سے زیادہ اور کیا کر سکتی ہے کہ وہ اکثریت کے مفاد کی نمائندگی کرے اور اقلیت کو مغلوب رکھے۔"

قائداعظم کا خیال تھا کہ ہندوستان جیسے ملک کے لئے جمہوریت نامناسب ہے کیونکہ اس طرح اکثریت کا ہمیشہ کے لئے اقتدار قائم ہو جائے گا، اقلیتیں اطمینان اور سکون کا سانس نہ لے سکیں گی۔

۱۱۔ جمہوری طرز حکومت میں اکثریتی جماعت کے نمائندوں میں حق گوئی اور صداقت پسندی کا وصف ختم ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ پارٹی ڈسپلن اس بات کا متقاضی ہوتا ہے

Marfat.com

کہ اکثریتی پارٹی کے ممبر وہی بات کہیں جو پارٹی کی رائے ہے۔ جس چیز کو وہ حق اور صداقت سمجھتے ہوں اس کا اظہار نہیں کر سکتے۔ کوئی ممبر بھی اپنی پارٹی کے مفادات کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔

۱۲۔ جمہوری طرز حکومت کی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ انتخابات کے موقع پر انتخاب لڑنے والے اپنی دولت کو پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ امیدوار ووٹ حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے جائز اور ناجائز طریقے اختیار کرتا ہے تاکہ اسمبلی کا ممبر بن جائے۔ دولت خرچ کرنے کے بعد جب امیدوار اسمبلی کا ممبر بن جاتا ہے تو اپنی جیب سے خرچ کی ہوئی دولت کو وصول کرنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے جس سے عوام ظلم و ستم کی چکی میں پس جاتے ہیں، عدل و انصاف سے محروم ہو جاتے ہیں معاشرہ میں ایک فساد برپا ہو جاتا ہے۔ یہ سب خرابیاں اس دولت کے خرچ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جو امیدوار نے الیکشن جیتنے کے لئے صرف کی تھی۔

۱۳۔ جمہوری طرز حکومت کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اس کی پالیسی کا محور صرف اقتصادیات ہے۔ معاشی مسائل کو ہی اولیت اور اولویت کا درجہ دیتی ہے اور زندگی کے دوسرے مسائل اس کے تابع ہوتے ہیں۔ جب زندگی کا ہر شعبہ معاشیات کے تابع ہو جائے تو اخلاقی اور روحانی اقدار ختم ہو جاتی ہیں۔ صرف حیوانی قدریں ہی نشو ونما پاتی ہیں، جس سے حرص، ہوس، شکم پرستی وغیرہ معاشرتی امراض پیدا ہو جاتے ہیں، جن کی وجہ سے معاشرتی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

تاریخ اس امر پر شاہد ناطق ہے۔ جہاں جمہوریت نے قدم دکھائے ہیں سرمایہ داری کو فروغ نصیب ہوا۔ گویا سرمایہ داری کا جمہوریت کے ساتھ غیر منقطع رشتہ قائم ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی ملک میں جمہوری نظام ہو وہاں نظام معاشی سرمایہ داری کے علاوہ کچھ اور ہو۔ جب سرمایہ داری نظام عروج پہ پہنچتا ہے تو اس کے بطن سے انقلاب کا آنا ضروری ہے۔ جو ملک کے سیاسی اور معاشی نظام کو بھسم کر کے رکھ دیتا ہے اور اس کی جگہ کوئی اور نظام لے لیتا ہے۔

۱۴۔ جمہوری طرز حکومت میں کام نہایت ہی سست رفتاری سے سرانجام پاتے ہیں۔ کسی معاملہ کے بارہ میں فیصلہ کرنے کے لئے نہ جانے کتنے مشورے کرنا پڑتے ہیں جس سے خاصہ وقت

Marfat.com

ضائع ہوتا ہے۔ اس طرح حکومت کے کاموں میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ اگر ملک میں ہنگامی حالات پیدا ہو جائیں تو ان کا مقابلہ کرنے کے لئے جمہوریت میں صلاحیتیں موجود نہیں ہوتیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان ہنگامی حالات میں فیصلے جلدی نہ ہونے کی وجہ سے حکومت کی مشینری میں خرابیاں رونما ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں کوئی آمر اٹھ کھڑا ہوتا ہے، جو جمہوری نظام کو ختم کر دیتا ہے اور شخصی حکومت کی داغ بیل ڈال دیتا ہے۔

۱۵- جمہوری طرزِ حکومت کی ایک خرابی یہ ہے کہ پارٹی بازی کی وجہ سے حکومت کے کاموں میں تسلسل قائم نہیں رہتا۔ ہر جیتنے والی پارٹی کا اپنا منشور اور پروگرام ہوتا ہے جب وہ برسرِ اقتدار آتی ہے تو پہلی پارٹی کے پروگرام اور منشور کو ختم کر دیتی ہے اور اپنے منشور اور پروگرام پر عمل پیرا ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پچھلے منصوبوں پر خرچ شدہ رقم ضائع ہو جاتی ہے۔ اس سے ملک کی اقتصادی ترقی رُک جاتی ہے۔

۱۶- جمہوری طرزِ حکومت میں ایک سے زائد پارٹیوں کا ہونا لازمی ہے۔ ہر پارٹی دوسری پارٹی کے پروگراموں کے نقائص عیاں کرتی رہتی ہے۔ اس سے ایک تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پارٹیوں میں شدید اختلاف رونما ہو جاتا ہے۔ دوم ہر پارٹی کے حامیوں میں تصادم ہو جاتا ہے جس سے ملک کی معیشت اور سالمیت کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔

اسلام میں جمہوریت کا تصوّر

اسلام میں جمہوریت کا وہ تصور نہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اسلامی جمہوریت کے حسبِ ذیل تقاضے ہیں :

۱- اسلام میں ریاست ایک نظریاتی ادارہ ہے اور اقتدارِ اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ریاست کا جو رئیس ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوگا، اسی کے دستور کے مطابق حکومت چلائے گا۔ قرآن مجید میں آتا ہے : وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ۔[1] اللہ تعالیٰ حکمرانی کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ٹالنے والا نہیں۔

---

[1] یوسف ۱۲ : ۴۰

Marfat.com

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ [1] حکم دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قانون کی فرمانبرداری کرنے کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ [2]

پس تو لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کر اس قانونِ حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُولٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ [3] جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ [4] اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

۲۔ حکومت جمہور کی ملک ہے، وہ ذاتی یا خاندانی نہیں۔ یہ دفعہ خلاصہ جمہوریت اور زُبدۂ مباحث ہے۔ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ [5] تو حکومت کے معاملات میں ان سے مشورہ لے۔

وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ [6] ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ماشاور قوم الاھدو [7] جس قوم نے باہمی مشورہ کیا اس قوم نے فلاح پائی۔

ان آیات کریمہ سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:

(۱) اسلامی حکومت میں مشورہ عام شرط ہے۔

(۲) حکومت کی اضافت عام مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کسی کی ذاتی ملک نہیں بلکہ جمہور کی ملک ہے۔

(۳) صدر اول میں مسلمان اسی پر عمل پیرا تھے۔

اگر تاریخ اسلام پر نظر دوڑائی جائے تو ان نتائج کی صداقت خود بخود سامنے آجاتی ہے کہ ۱۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین ہمیشہ حکومت کے

---

[1] یوسف ۱۲: ۴۰۔ [2] المائدہ ۵: ۴۸۔ [3] المجادلہ ۵۸: ۲۰۔ [4] المائدہ ۵: ۴۴۔
[5] آل عمران ۳: ۱۵۸۔ [6] الشوریٰ ۴۲: ۳۸۔ [7] کنوز الحقائق حدیث ۸۵۔

Marfat.com

معاملات میں صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

(ب) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے اپنے بعد کسی اپنے عزیز کو نامزد نہیں کیا۔

(ج) خلفاء کا تقرر مشورہ عام سے ہوا۔

۳۔ خلیفہ کا تقرر اور عزل عوام کے اختیار میں ہے اور اس کو دیگر باشندگان پر کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے۔

اگر خلفاء راشدین کے انتخاب پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات عیاں اور واضح نظر آتی ہے کہ ان کے انتخاب میں عوام کا مشورہ اور ارباب حل وعقد کی رائے شامل تھی حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سقیفہ میں ہوئی۔ اس وقت بھی انصار اور مہاجرین کے صاحب الرائے افراد شریک تھے۔ پھر مسجد میں بیعت عام ہوئی اور سب نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد نامزد کیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک کمیٹی بنادی جو آپس میں مشورہ کرکے ایک خلیفہ چن لے۔ اس کمیٹی نے حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کے ہاتھ میں خلیفہ کے انتخاب کی باگ ڈور دے دی تھی۔ انہوں نے تمام صحابہ سے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں پوچھا کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے۔ جب حضرت عبدالرحمانؓ نے دیکھا کہ اکثریت کا میلان حضرت عثمانؓ کی طرف ہے تب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کیا۔ بیعت عام کے وقت کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مہاجرین حضرت علیؓ کے پاس گئے کہ آپ خلیفہ بنیں لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ لیکن مہاجرین کے اصرار پر حضرت علیؓ رضامند ہوگئے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں اپنی خلافت کا اعلان گھر کے اندر نہیں کرنا چاہتا، مسجد نبوی میں گئے اور سب لوگوں نے بیعت کی۔ اس طرح حضرت علیؓ جمہور کے انتخاب سے خلیفہ بنے۔

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز خلفاء راشدین کی صف میں کھڑے کئے جاتے ہیں انھیں سلیمان بن عبدالملک نے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ سلیمان کی وفات کے بعد انہوں نے مسجد میں اعلان کر دیا "مسلمانو! میں اپنی رائے اور خواہش اور مسلمانوں کے عام مشورہ

Marfat.com

کے بغیر امارت کے عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں، اس لئے میں اپنی بیعت کے بارے میں تمہیں سبکدوش کر دیتا ہوں، اب تم اپنی رائے میں بالکل مختار ہو، میرے سوا جس کو چاہو اپنا امام بنا لو۔"

انعقاد خلافت کے متعلق حضرت عمرؓ کا قول مشعل راہ ہے، آپ فرماتے ہیں:

لاخلافة الاعن مشورة [1] یعنی خلافت صرف عام مشورہ سے طے ہو سکتی ہے۔ جس طرح نصب خلیفہ کا اختیار عوام کے ہاتھ میں ہے اسی طرح حق عزل بھی عوام کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ مواقف اور شرح مواقف میں لکھا ہے:

اگر مسلمانوں کے کام درست طریقہ پر انجام نہ پائیں اور دین کے معاملات میں خرابی کی صورت نظر آئے تو امت امام کو عہدہ سے علیحدہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اجتماعی نظم کے لئے امام کا تقرر بھی امت کا حق ہے اور معزول کرنا بھی [2]

ابن عطیہ لکھتا ہے: اگر صدر حکومت ماہرین علم وفن اور امت کے دیندار افراد کا شوریٰ طلب کئے بغیر اپنی رائے سے کام کرتا ہے تو اس کو عہدہ سے معزول کر دینا چاہیئے۔ اس پر تمام علماء قانون متفق ہیں [3]

اسلام میں خلیفہ کو باشندگان حکومت پر کسی قسم کی ترجیح نہیں ہے۔ اس کی نظر میں آقا اور غلام، امیر اور فقیر، چھوٹا اور بڑا سب برابر ہیں۔ صہیبؓ اور بلالؓ جو آزاد شدہ غلام تھے وہ سب رئیسان قریش کے پہلو بہ پہلو ہر مجلس میں بیٹھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ [4] مومن سب بھائی بھائی ہیں۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا [5] سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں سو وہ اختلاف کرتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان العباد کلھم اخوة [6] انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کونوا عباد اللہ اخوانا [7] تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔ الخلق عیال اللہ [8] ساری مخلوق عیال اللہ ہے۔

---

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۲۹ [2] المواقف معہ شرح ج ۸ ص ۳۵۳۔ [3] فتح القدیر شوکانی (آل عمران) ج ۱ ص ۳۶۰۔ [4] الحجرات ۴۹: ۱۰۔ [5] یونس ۱۰: ۱۹۔ [6] احمد، ابوداؤد۔ [7] بخاری۔ [8] بیہقی کتاب الایمان۔

Marfat.com

حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں فرمایا : ایہا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی[1] اے لوگو! خبردار تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

ان کل مسلم اخو المسلم وان المسلمین اخوۃ[2] ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

مساوات قانونی کی مثال دنیا کے کسی جمہوری ملک میں پائی نہیں جاتی سوائے اسلام کے۔ کسی جمہوری ملک کا رئیس مملکت عدالت میں پیش نہیں ہو سکتا۔ انگلستان میں ایک مدعی کے جواب میں پارلیمنٹ نے اعلان کر دیا کہ بادشاہ عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی عدالت اس کے نام سمن جاری کر سکتی ہے۔

اسلام ہی وہ حقیقی جمہوریت پیش کرتا ہے جس میں اعلیٰ اور ادنیٰ کی کوئی تمیز باقی نہیں رہتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : لو ان فاطمہ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔ اگر محمد (صلعم) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹا جاتا۔

اقیموا حدود اللہ علی القریب والبعید ولا تاخذکم فی اللہ لومۃ لائم (ابن ماجہ) خدا کے حدود قریب کے اور دور کے رشتہ داروں سب پر یکساں جاری کرو اور خدا کے معاملہ میں تم ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرو۔

حضرت ابوبکرؓ اپنے پہلے خطبہ میں تمام لوگوں کے سامنے فرماتے ہیں :

ان اقواکم عندی الضعیف حتی اخذ لہ بحقہ وان اضعفکم عندی القوی حتی اخذ منہ الحق[3] تمہارے زبردست لوگ میرے لئے اس وقت تک کمزور ہیں جب تک میں ان سے ان پر واجب شدہ حق نہ لے لوں اور بلاشبہ تمہارے کمزور لوگ میرے پاس اس وقت تک زبردست ہیں جب تک کہ میں ان کا غصب شدہ حق واپس

---

[1] مسند احمد۔ [2] مستدرک حاکم، طبری، ابن اسحاق

[3] ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۔ کتاب الاموال لابی عبید صفحہ ۳۶۶۔

Marfat.com

نہ دکھادوں۔

حضرت عمرؓ اور ابی بن کعبؓ کا کسی معاملہ میں جھگڑا ہو گیا۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ جب عدالت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ابن ثابت! یہ پہلی بے انصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی ہے" یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔

ایک عیسائی شہزادے جبلہ بن ایہم غسانی نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اسلام قبول کیا تھا۔ کعبہ کے طواف کے موقع پر کسی بدوی کا پاؤں اس کی چادر پر آ گیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ دے مارا۔ اس بدوی نے حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی آپ نے سن کر کہا کہ جبلہ کو ویسی ہی سزا ملے گی۔ عیسائی شہزادے نے ایک رات کی مہلت مانگی وہ تاریکی کے پردہ میں مکہ سے بھاگ گیا۔

۴۔ اسلام میں بیت المال پر خلیفہ کو بغیر مشورہ اہل حل و عقد کے تصرف کی اجازت نہیں ہے اور نہ اپنی ذات پر اسراف اور تبذیر سے خرچ کر سکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سوتے تھے اور جسم مبارک پر داغ پڑ جاتے تھے۔ ان کے جانشین معمولی غذا کھاتے، پھٹے کمبلوں کو جسم پر رکھتے اور معمولی مکانوں میں رہتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر اپنے مصارف بتلا دیے:

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ بیت المال سے مجھے کتنا لینا جائز ہے۔ دو جوڑے کپڑے، ایک موسم سرما کے لئے اور ایک موسم گرما کے لئے۔ ایک سواری جس پر حج اور عمرہ ادا کروں۔ اور قریش کے ایک متوسط الحال آدمی کے اخراجات طعام کے برابر اپنے اور اپنے خاندان کے لئے۔ اس کے بعد میں ایک ادنیٰ مسلمان ہوں جو ان کا حال ہے وہی میرا حال ہے۔"

۵۔ اسلام خلیفہ کے انتخاب کا حق عوام کو دیتا ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی شرط عائد کر دیتا ہے کہ عنان حکومت صالحین کے سپرد کی جائے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا[1] بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتیں اس کے اہل کے سپرد کی جائیں۔

---

[1] النساء ۴: ۵۸۔

Marfat.com

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ [1] اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے یقیناً اس میں عبادت کرنے والوں کے لئے پیغام ہے۔

۶۔ اسلامی جمہوریت فرد کی انفرادیت کے استحکام اور نشو ونما کی ضامن ہے۔ فرد کے اختیار اور ارادہ کی وسعتوں کو وسیع کرتی ہے۔ اس پر صرف وہی پابندیاں عائد کرتی ہے جن سے اس کی اپنی ذات سے دوسروں کے حقوق پر زد پڑتی ہو۔ ہر اس ضابطہ کی مخالفت کرتی ہے جس سے فرد کی انفرادیت میں کمزوری واقع ہوتی ہے۔ اس کی نظر میں ملوکیت، پیشوائیت، نازیت، فسطائیت حرام ہیں۔ کیونکہ ان نظاموں سے فرد کو اپنی عقل کی رو سے کسی بات کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ اسلام نظام سرمایہ داری کو اس وجہ سے برا کہتا ہے کہ اس سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر آجاتی ہے اور عوام ضروریات زندگی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ سرمایہ دار اپنی قوت کے بل بوتے پر مزدوروں پر ظلم وستم کرتے ہیں۔ ان کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔ قوت فکر یہ جواب دے جاتی ہے۔ وہ صرف سرمایہ داروں کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔

۷۔ اسلامی جمہوریت میں امت کا ہر فرد حکومت کی ذمہ داریوں میں براہ راست شریک ہوتا ہے اور ارکان سلطنت کے سامنے اپنی رائے پیش کر سکتا ہے۔
مغربی انداز کی جمہوریت میں افراد حکومت کی ذمہ داریوں میں براہ راست شریک نہیں ہوتے، اپنے نمائندوں کے ذریعے حکومت کے کاموں میں شرکت کرتے ہیں۔

۸۔ اسلامی جمہوریت میں پارٹی سسٹم کا کوئی تصور نہیں۔ تمام مسلم رعایا صرف ایک ہی نظریہ سے وابستہ ہوتی ہے۔ اگر حکومت کی طرف سے اسلامی نظریہ کے خلاف کوئی اقدام ہو تو ہر مسلم شہری کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اس کے خلاف آواز بلند کرے۔ ارشاد الٰہی ہے:
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا [2] اور سب کے سب اللہ کے

---

[1] ۲۱: ۱۰۵، ۱۰۶۔
[2] آل عمران ۳: ۱۰۳۔

Marfat.com

عہد کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ نہ کرو۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ[1]

اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی باتیں آچکی تھیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کلکم راع، وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ کہ تم میں سے ہر ایک راعی (حاکم و والی) ہے اور ہر ایک کو اپنی رعایا سے متعلق پوچھا جائے گا۔

قومیت

قوم اور قومیت کی لغوی تشریح

لفظ قوم قَامَ یَقُومُ سے ہے، جس کے معنی کھڑا ہونا ہیں۔ یہ اسم جمع ہے۔ اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ لوگوں کا ایسا گروہ جو اپنوں کے ساتھ کھڑا اور اپنے امور کا متکفل ہو

قوم (NATION) کا لفظ انگریز مفکرین ایک آزاد قومی ریاست کے لئے ہم استعمال کرتے ہیں۔ جرمن کے لوگ اس لفظ کے مرادف VOLK یعنی عوام کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور انگریزی میں VOLK کے مقابلہ میں PEOPLE کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی زبان میں لفظ قوم (NATION) ایک سیاسی مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے جب کہ جرمنی میں یہی لفظ عوام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ہیز کے نزدیک قوم کا لفظ لاطینی زبان (NATUS) سے مشتق ہے جس کے معنی پیدائش اور نسل کے ہیں۔

۲۔ تعریف

قوم کی تعریف مختلف مفکرین نے مختلف کی ہے۔ چند مفکرین کی تعریفیں یہاں نقل کرتے ہیں:

گارنر (GARNER) لکھتا ہے: قوم ایسا معاشرتی گروہ ہے جن کی ثقافت۔۔۔

---

[1] آل عمران ۳: ۱۰۵۔

Marfat.com

ہو اور اپنی روحانی زندگی اور اظہار کی وحدت کو شعوری طور پر سختی سے قائم رکھنا چاہتا ہو۔"

اس تعریف میں قوم کے تصور کے سیاسی پہلو کا ذکر نہیں کیا گیا۔

قوم سے مراد افراد نسل انسانی کا وہ گروہ ہے جسے تاریخ نے مشترک اغراض و مصالح و بعض دیگر اسباب کی بنا پر متحد کر دیا ہو۔ ایک ایسا گروہ جس کا ایک مخصوص وطن ہو، مخصوص زبان ہو، مخصوص تہذیب و ثقافت ہو اور ایک مخصوص نظام معیشت ہو۔ یا پھر ایک علاقے میں بسنے والے انسان جو ایک حکومت، ریاست یا ملک کی وجہ سے آپس میں متحد ہو گئے ہوں قوم کہلاتے ہیں۔[1]

گلکرائسٹ لکھتا ہے: "قوم سے مراد ریاست ہے جس میں کچھ اور بھی شامل کر دیا گیا ہو۔ یعنی ریاست جس کو ایک خاص نقطہ نظر سے دیکھا گیا ہو۔ یعنی لوگوں کا ایسا اتحاد اور وحدت جو ایک ریاست میں رہ کر قائم کی گئی ہو" (تعارف سیاسیات از مظہر الحق ص۱)

لارڈ برائس کہتا ہے کہ "قوم ایک ایسی قومیت ہے جس نے اپنے آپ کو سیاسی طور پر منظم کر لیا ہو، خواہ وہ آزاد ہو یا آزادی حاصل کرنے کی خواہش رکھتی ہو"

ایم ہاسر کہتا ہے: "ایک قوم ثقافتی ہم آہنگ معاشرتی گروہ ہے جو بیک وقت اپنی وحدت اور مشترکہ زندگی کے لئے شعور رکھتا ہے۔ یہ ایک ہی علاقے کے ایسے باشندوں کا اتحاد ہے جن کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک ہی حکومت کے ماتحت ہوں۔ لیکن ان میں مشترکہ مفاد کا جذبہ اتنا پرانا ہو جس سے یہ یقین ہو جائے کہ وہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں"

برجس کہتا ہے: "قوم ایک ایسی آبادی ہے جس میں مشترکہ زبان اور ادب مشترکہ طور طریقے یا تاریخ مشترکہ رسم و رواج اور حق اور ناحق کے پہچاننے کے لئے مشترکہ شعور ہوتا ہے" (نظری سیاست از شاہ فرید الحق ص۲۳۵)

پروفیسر ارنسٹ بارکر لکھتا ہے: "قوم سے مراد افراد کا ایسا مجموعہ ہے جو ایک خاص علاقے میں بستے ہوں۔ جہاں وہ گروہ اپنے مختلف خون اور رنگ کے اختلاط سے نسلاً ایک بن گئے ہیں۔ اور نفسیاتی طور پر اپنے ذہن، خیالات، احساسات اور جذبات میں ہم رنگ ہو گئے ہیں اور اپنی زبان، ثقافت اور مذہب وغیرہ میں مشترک اور سیاسی

---

[1] WEBSTER'S NEW WORLD DICTIONARY P. 977

بحوالہ ثانوی تعلیم مضمون قومیت اور اسلام از پروفیسر امان اللہ ایم اے P.H.D (ڈاکٹر) ... علوم اسلامیہ ... پنجاب یونیورسٹی ... لاہور

بالکل جھوٹ

Missing pages 489 — 502

شعور اور مقاصد میں ہم آہنگ ہو گئے ہیں۔[1]

فرانسیسی مفکر رینان کہتا ہے: "قوم بننے کے لئے مشترکہ زبان یا نسل ضروری نہیں بلکہ قوم ایسے لوگ ہیں جو مشترک تاریخی ورثہ کے باعث اپنے سابقہ تجربے اور روایات کی بناء پر ہمیشہ مل جل کر مشترکہ زندگی گزارنے کے جذبہ سے سرشار ہوں۔"[2]

قومیت کی تعریف

قومیت کی تعریف بھی مختلف مفکرین نے مختلف کی ہے۔

قومیت ایک روحانی جذبہ یا اصول ہے جو لوگوں کی ایک ایسی تعداد کے اندر پیدا ہو جاتا ہے جو ایک خاص خطۂ زمین میں رہتے ہوں۔ اور جن میں ایک ہی زبان، ایک ہی مذہب، یکساں تاریخ و روایات، مشترک اغراض و مقاصد اور مشترک سیاسی میل جول اور مطمح نظر موجود ہو۔[3]

برائس قومیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

"ایک قومیت ایک ایسی آبادی ہے جو بعض رشتوں سے مربوط ہوئی ہو۔ مثال کے طور پر زبان و ادب، خیالات، مراسم اور طور طریقے اور اپنے میں ایسے مکمل اتحاد کا احساس کرے جس کے ذریعے وہ ایسی غیر آبادی سے متفرق ہو جائے جو اپنے طریقے پر اسی طرح مربوط ہوئی ہو۔" (نظری سیاسیات از شاہ فرید الحق ص۲۳۷)

"قومیت سے مراد وہ مضبوط جذبہ ہے جو عموماً ایک ہی قسم کی روایات و ثقافت کے حامل انسانوں اور ایک مخصوص علاقے میں بسنے والے افراد اور واحد منتہائے مقصود رکھنے والے اشخاص کو آپس میں متحد رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ جذبہ قوموں اور ریاستوں کی تخلیق میں اصول اور سرچشمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو افراد کو اپنے وطن، اپنی قوم اور اپنی تہذیب و ثقافت کی خدمت اور اس کے تحفظ و بقاء کے لئے عظیم سے عظیم قربانی دینے پر ابھارتا ہے۔" (رسالہ ثانوی تعلیم مقالہ قومیت اور اسلام از پروفیسر امان اللہ)

پروفیسر ایچ جے لاسکی لکھتا ہے:

---

[1] (...)NCIPLES OF SOCIAL AND POLITICAL THEORY BY E. (BA)RKER P.53 بحوالہ تعارف سیاسیات از مظہر الحق ص۱۰۱۔

[2] تعارف سیاسیات صفحہ ۱۰۱۔

[3] اصول سیاست از گلکرائسٹ ص۳۶ بحوالہ تعارف سیاسیات ص۱۰۱۔

Marfat.com

امت کا تصور اور نیشنلزم

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ نیشنلزم (قومیت) نسلی اتحاد، مشترکہ زبان، مشترکہ مذہب، جغرافیائی اشتراک، مشترکہ ثقافت و رسم و رواج، مشترکہ سیاسی جذبات اور جذبہ قومیت کی حدود میں مقید ہے۔ لیکن اسلام امت کا تصور پیش کرتا ہے جو خون، نسب، رنگ، زبان، وطن وغیرہ کی جملہ قیود سے بے نیاز ہو کر صرف ایک نظریہ سے وابستگی کے باعث وجود میں آتی ہے۔ وہ نظریہ اسلام ہے اور یہ نظریہ قومیت کی طرح نفرت، تعصب، غیر فطری تقسیم، اخلاقی گراوٹ، جنگ اور خدا سے بے نیازی پر مبنی نہیں۔

امت اسلامیہ کی بنیاد

امت اسلامیہ کی اساس کلمہ شہادت لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، پر ہے۔

پس امت اسلامیہ کی بنیاد توحید اور رسالت کا اقرار ہے۔ جو شخص توحید[1] اور رسالت محمد مصطفےٰؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کر لیتا ہے وہ امت محمدیہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ اسی کلمہ کے انکار سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

ایک صحابی مقدادؓ بن الاسود نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر میدان جنگ میں کسی کافر سے میرا مقابلہ ہو اور وہ تلوار سے میرا ہاتھ کاٹ دے، پھر کسی درخت کی اوٹ میں پناہ لے کر کہہ دے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، تو کیا اسے قتل کیا جا سکتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا اسے مت قتل کرو۔ حضرت مقدادؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ اس نے پہلے میرا ہاتھ کاٹا پھر اسلام کا اظہار کیا، کیا اسے قتل نہ کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے قتل نہ کرو، اگر تو نے اسے قتل کیا تو اس کے قتل سے پہلے جو تیری منزلت تھی وہ اس کی ہو جائے گی اور اس کا درجہ تجھے مل جائے گا۔[2]

حضرت اسامہؓ بن زید فرماتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک

---

[1] ملائکہ، کتب، آخرت اور تمام انبیا علیہم السلام پر ایمان لانا توحید کے تقاضے ہیں۔
[2] مسلم۔

Marfat.com

لشکر میں روانہ فرمایا۔ ہم دشمن قبیلے پر حملہ آور ہوئے۔ میں ایک شخص کے سر پہ پہنچ گیا تو اس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ دیا تاہم میں نے اسے برچھی مار دی۔ لیکن میرے دل میں شک بیٹھ گیا۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس کے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے کے بعد تو نے اسے قتل کیا؟ میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! اس نے محض خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هَلْ شَقَقْتَ قَلْبَهٗ کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھا تھا کہ اس کے دل سے آواز اٹھی تھی یا نہیں۔ حضورؐ نے یہ فقرہ کئی بار دہرایا۔ میری یہ حالت ہو گئی کہ میں نے چاہا کہ کاش میں آج مسلمان ہوا ہوتا۔ (مسلم)

امت اسلامیہ کی رکنیت کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہے کیونکہ اسلام کا پیغام عالمگیر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا[1] اور ہم نے تجھے تمام ہی لوگوں کے لئے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

امت اسلامیہ اصولی برادری ہے

جو شخص بھی اسلام کو قبول کر لیتا ہے تو وہ امت اسلامیہ کی عالمگیر برادری میں شامل ہو جاتا ہے۔ خون، نسب، رنگ، زبان اور وطن کے تمام رشتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوئ نبوت کیا تو جن لوگوں نے اس دعوے کو قبول کیا انہوں نے وطن کو ترک کیا، اعزہ و اقربا کو چھوڑا، وسائل روزی سے دست بردار ہونا پڑا اور ہجرت کر کے مدینہ میں چلے گئے تو وہی قریشی جو اپنے آپ کو نسلی اعتبار سے سب سے افضل سمجھتے تھے انہوں نے اوس اور خزرج کے افراد کے ساتھ سلسلہ مواخات قائم کر لیا۔ اول الذکر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے جو اپنے آپ کو عدنانی کہلاتے تھے۔ دوسرے یعرب بن قحطان کی اولاد تھے جو قحطانی کہلاتے تھے۔ اسلام نے قریش کو قریش سے منقطع کر دیا غیر مسلم اوسی اور خزرجی سے مسلم اوسی اور خزرجی کو جدا کر دیا۔ نسب کا تعلق ختم ہو گیا اور نسبت باقی رہ گئی۔

جب جنگ بدر ہوئی تو نسبتی تعلق اور ابھر کر سامنے آ گیا۔ نسل اور نسب کے تمام

---

[1] سبا، ۳۴: ۲۸۔

Marfat.com

رشتے کٹ گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف تھے اور آپ کے چچا عباسؓ اور آپ کی صاحبزادی کے خاوند ابوالعاصؓ دوسری طرف۔ حضرت علیؓ ایک طرف تھے توان کے چچا عباس اور بھائی دوسری طرف برسرپیکار تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اسلام کی بقاء کے لئے لڑ رہے تھے اور ان کے لڑکے عبدالرحمٰن کفر کی سربلندی کے لئے کوشاں تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے مقابلہ پر ان کے ماموں ابوالعاص بن ہشام بن مغیرہ تلوار اپنے ہاتھ میں لئے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی سعی ناتمام کر رہے تھے۔ حضرت ابوحذیفہؓ اسلام کے لئے اپنی جان قربان کرنے کے لئے میدان میں اترے تھے اور ان کے والد عتبہ مخالفین اسلام کی طرف سے شمشیر بکف تھے۔

امتِ اسلامیہ کے اوصاف

خالص توحید پر ایمان

امت مسلمہ کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ خالص توحید پر ایمان لاتی ہے۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جو خالص توحید پر ایمان رکھتی ہو۔ صرف اسلام ہی ہے جس نے توحید کا جامع تصور پیش کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ [1] پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اسی کے فرماں بردار ہو جاؤ اور عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوش خبری دے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ [2] اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ [3] اور تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو۔

قرآن مجید نے شرک کی ان تمام صورتوں سے احتراز کرنے کا حکم دیا ہے جو اس وقت دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔا

---

[1] الحج ۲۲: ۳۴ [2] حٰمٓ سجدہ ۴۱: ۳۷ [3] بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳ [4] آل عمران ۳: ۶۴۔

Marfat.com

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[1] کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔

اس آیت کریمہ میں شرک کی تین صورتوں کا ذکر کرکے ان سے احتراز کا حکم دیا ہے۔

شرک کی ایک موٹی قسم یہ ہے کہ جس میں اللہ کے سوائے کسی اور چیز کی عبادت کی جائے جیسے اجرام فلکی، پتھر، بت، درخت وغیرہ۔

شرک کی دوسری قسم یہ ہے کہ خدا کے ساتھ کسی دوسری چیز کو شریک بنایا جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ دوسری چیزیں بھی خدائی صفات کی مالک ہیں۔ یہ دونوں شرک کی صورتیں اِلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ کے الفاظ سے رد کی گئی ہیں۔

شرک کی تیسری صورت یہ ہے کہ بندوں کو اپنا رب مانا جائے۔ شرک کی یہ صورت وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے باطل کی ہے۔

شرک کی اس صورت کا دوسری جگہ بھی ذکر ہے: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[2] انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوائے رب بنا لیا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہود اور نصاریٰ اپنے احبار اور رھبان کی عبادت تو نہیں کرتے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یہ لوگ اپنے احبار اور رھبان کی کورانہ تقلید کرتے ہیں۔ حضرت عدی بن حاتم نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! ایسے ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بڑے لوگوں کی کورانہ تقلید شرک میں داخل ہے۔

شرک کی ایک چوتھی قسم ہے جس کو قرآن مجید نے الگ بیان کیا ہے وہ نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اَرَءَيْتَ الَّذِي اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ[3] کیا تو نے اسے دیکھا کہ جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں نفسانی خواہش کی پیروی کرنا بھی شرک میں داخل کیا گیا ہے۔

پس امت مسلمہ شرک کی ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہے اور خدا ہی کے سامنے سر جھکاتی ہے۔

---

[1] آل عمران ۳: ۶۴ - [2] التوبہ ۹: ۳۱ [3] الفرقان ۲۵: ۴۳

Marfat.com

توحید کے مقتضیات پر ایمان

خدا کو ایک ماننے کے ساتھ ہی رسولوں، کتب، ملائکہ اور قیامت پر ایمان قائم ہو جاتا ہے۔ یہ توحید الٰہی کی فروع ہیں، جب انسان اصل کو پکڑ لیتا ہے تو فروع اس کے ہاتھ میں خود بخود آجاتی ہیں۔ امت مسلمہ توحید الٰہی کے بلند مینار پر کھڑا ہو جانے کے بعد رسولوں، کتب الٰہی، ملائکہ اور قیامت پر ایمان لے آتی ہے۔ کیونکہ ملائکہ وہ ہستیاں ہیں جو خدا سے حکم پا کر رسولوں کو حکم الٰہی سے آگاہ کرتی ہیں۔ رسول وہ ہستیاں ہیں جو احکام الٰہی کو لوگوں تک پہنچاتی ہیں۔ کتب احکام الٰہی کا مجموعہ ہیں۔ احکام الٰہی کا ماننا اور نہ ماننا بے سود ہو جاتا ہے جب تک جزا اور سزا کا تصور نہ ہو۔ یہ تصور قیامت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جو شخص احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرے گا وہ مرنے کے بعد اپنے کئے کا بہترین بدلہ پالے گا۔ اور جو احکام الٰہی کو توڑے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔

قرآن مجید میں آتا ہے: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ[1] رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن بھی سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ جو کوئی بھی اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے تو ان کے لئے ان کا اجر اپنے رب کے ہاں ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ[2] اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنا)

توحید کا عملی رنگ انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنا) ہے، ارشاد الٰہی ہے: اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ[3] جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے

---

[1] بقرہ ۲: ۲۸۵ [2] بقرہ ۲: ۴ [3] بقرہ ۲: ۳

Marfat.com

خرچ کرتے ہیں۔
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں مال، علم، عقل اور تمام اخلاقی قوتوں کا دوسروں پر خرچ کرنا شامل ہے۔ رزق سے صرف اشیاء خوردنی مراد لینا غلط ہے۔ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو دیا ہے اس میں سے مخلوق کے لئے خرچ کرنا اس پر فرض ہے۔
دوسری جگہ آتا ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ [1] تم راستبازی کو ہرگز حاصل نہ کروگے یہاں تک کہ اس سے خرچ کرو جس سے تم محبت کرتے ہو۔

صبر و استقامت

امت مسلمہ کا ایک امتیازی وصف صبر و استقامت پر مضبوطی سے قائم رہنا ہے۔ قرآن مجید نے صبر اور استقامت کی بار بار تلقین کی ہے، ارشاد الٰہی ہے: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [2] اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور مقابلہ میں بڑھ کر صبر دکھاؤ اور محافظت کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔
اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ [3] اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔
صبر کے مفہوم میں تین چیزیں داخل ہیں: ۱۔ وہن۔ ۲۔ ضعف اور ۳۔ سکن سے بچنا۔ وہن سے مراد ارادہ میں سست ہو جانا۔ ضعف سے مراد کمزوری کا پیدا ہو جانا۔ اور سکن سے مراد عاجزی اختیار کرنا ہے۔
ان تینوں حالتوں پر قابو پانے کا نام صبر ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے: فَمَا وَهَنُوْا لِمَا اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ [4] پھر وہ اس وجہ سے سست نہ ہوئے جو ان کو اللہ کی راہ میں مصیبت پیش آئی اور نہ کمزور ہوئے اور نہ عاجزی اختیار کی اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

---

[1] آل عمران ۳: ۹۱
[2] آل عمران ۳: ۲۰۰
[3] الاعراف ۷: ۱۲۸
[4] آل عمران ۳: ۱۴۶

Marfat.com

شوریٰ پر عمل

امت مسلمہ کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ اصول شوریٰ پر عمل کرنے والی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [1] ان کا کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ما شاور قوم الاهدوا [2] جس قوم نے باہمی مشورہ کیا اس قوم نے فلاح پائی۔

خلفاء راشدین کا طرز عمل یہ تھا کہ جب کبھی کوئی اہم کام پیش آتا تو مدینہ کے تمام لوگوں کو یا اہل الرائے صحابہ کو مسجد میں جمع کرتے ان کے سامنے معاملہ پیش کرتے تو ان کی رائے لے کر کام کرتے۔

ذکر الٰہی کے ساتھ تحصیل علوم دنیوی

امت مسلمہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہونے کے ساتھ خلقت خداوندی میں تفکر و تدبر کرکے علوم دنیوی میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ [3] یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لئے نشان ہیں جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے رہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے اسے بے فائدہ پیدا نہیں کیا تو پاک ہے ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

عالمگیر برادری کا تصوّر

اسلام قومیت اور عوامل قومیت کے برعکس ایک عالمگیر برادری کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ اس نے انسان اور انسان کے درمیان کسی مادی اور حسی تفریق کو تسلیم نہیں کیا۔ جو بھی انسان اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ ایک ہی اصل کی فرع ہے اور لونی، نسلی،

---

[1] الشوریٰ ۴۲: ۳۸۔ [2] طبرانی کنوز الحقائق حدیث ۸۷۔
[3] آل عمران ۳: ۱۸۹، ۱۹۰۔

Marfat.com

وطنی، لسانی، اقتصادی اور سیاسی تمام غیر عقلی تفریقات ہیں اور بنی نوع انسان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب ہیں۔

اسلام کہتا ہے کہ سب انسان ایک ہی اصل سے ہیں، ارشاد الٰہی ہے :

یَآاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً[1] اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا[2] اور سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں سو وہ اختلاف کرتے ہیں۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ[3] اور کہ یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میرا تقویٰ کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ[4] ساری مخلوق عیال اللہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق سے سب سے زیادہ حسن سلوک کرتا ہے۔

اللھم ربنا ورب کل شیء اِنّی اشھد ان العباد کلھم اخوۃ[5] اے ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

الاسلام احوج الی الجماعۃ[6] اسلام جماعتی نظام چاہتا ہے۔

گروہ بندی اور انسانی تفریق کے رد میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ[7] اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی باتیں آچکی تھیں اور انہی کے لئے بڑا عذاب ہے۔

---

[1] النساء ۴ : ۱ [2] یونس ۱۰ : ۱۹ [3] المومنون ۲۳ : ۵۲
[4] بیہقی کتاب الایمان۔ [5] احمد ابو داؤد
[6] کنوز الحقائق حرف الھمزہ [7] آل عمران ۳ : ۱۰۵

Marfat.com

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ[1] وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کیا اور کئی فرقے ہو گئے تیرا ان سے کوئی سروکار نہیں ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے پھر وہ ان کو بتا دے گا جو وہ کرتے تھے۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا[2] فرعون نے ملک میں سرکشی اختیار کی اور اس کے رہنے والوں کو فرقے بنا رکھا تھا۔

تعصّب کا استیصال

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاہلانہ تعصب، نسلی، لونی، قومی، لسانی امتیازات کو مٹانے کے لئے آئے تھے۔ آپؐ کی بعثت سے قبل دنیا کی ہر قوم تعصب کے مرض میں مبتلا تھی عرب تو یہاں تک اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھتے تھے کہ دنیا کی تمام قوموں کو عجمی (ژولیدہ بیان) کے نام سے یاد کرتے تھے۔ پھر عربوں کے قبائل میں سے قریش اپنے آپ کو دوسروں سے برتر تصور کرتے تھے۔ اور یہ تعصب عربوں کی رگوں میں یہاں تک رچ چکا تھا کہ اسلام لانے کے بعد بھی بعض اوقات دو قبائل کے افراد میں محض خاندانی تعصب کی وجہ سے جھگڑا چھڑ جاتا۔ یہود تو مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے ہمیشہ مسلمانوں میں قبائلی عصبیت کو ہوا دیتے تھے۔ اسلام آیا تو اس نے تعصب کی جڑ پر تبر رکھ دیا اور بنی نوع انسان کو اتحاد کی سلک میں منسلک کر دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت جاہلیہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل فی عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ۔ (ابوداؤد) وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر جنگ کرے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جس کی موت عصبیت پر واقع ہو۔

عصبیت کی وضاحت خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ واثلہ بن الاسقع کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ عصبیت کیا ہے۔ فرمایا: ان تعین قومك علی الظلم (مشکوۃ باب المفاخر) عصبیت اس کا نام ہے کہ تم ظلم پر اپنی قوم کی ناجائز مدد کرو۔

---

[1] الانعام ۶: [2] القصص ۲۸: ۴

Marfat.com

"اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسبت کا فخر خدا نے مٹا دیا ہے۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ خدا کا فرمان ہے لوگو میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔"

نسل، وطن، زبان اور رنگ کی تفریق کا خاتمہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے مشہور خطبہ میں فرمایا:

ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی[1]

لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

پھر فرمایا:

من نصر قومہ علی غیر الحق فھو کالبعیر الذی ردیٰ فھو ینزع بذنبہ[2]

جو شخص ناحق بات پر اپنی قوم کی مدد کرتا ہے وہ اس اونٹ کی طرح ہے جو کنوئیں میں گر جائے پھر اس کو دم سے پکڑ کر کھینچا جائے۔

فرمایا:

خیرکم المدافع عن عشیرتہ مالم یاثم[3] تم میں بہترین وہ شخص ہے جو اپنے قبیلے کی اس وقت تک مدافعت کرے جب تک کوئی گناہ کا کام نہ ہو۔

فرمایا:

انسابکم ھذہ لیست بمسبۃ کلکم بنو آدم[4] تمہارے یہ نسب و نسل عار کا سبب نہیں ہیں تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو۔

فرمایا:

لیس لاحد علی احد فضل الا بالدین[5] یعنی کسی کو کسی پر فوقیت نہیں سوائے اس کے دین اور تقویٰ کے سبب سے۔

---

[1] مسند احمد۔ [2] ابوداود۔ [3] مشکوۃ باب المفاخر ص ۴۱۸۔

[4] مشکوۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ ص۴۱۸۔ [5] مشکوۃ باب المفاخر۔

Marfat.com

قرآن مجید میں آتا ہے : وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ [1] اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی ہے۔

اس آیت کریمہ میں کل روئے زمین کے انسانوں کو واجب الاحترام ٹھہرایا ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ [2] اور لوگوں سے تکبر سے اعراض نہ کر اور نہ زمین میں اکڑتا ہوا چل اللہ کسی خود پسند شیخی خورہ کو پسند نہیں کرتا۔

یہ آیت نظریہ قومیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے اور روئے زمین کے تمام انسانوں کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آنے کی تعلیم دیتی ہے۔ اور قومی برتری کی وجہ سے اترانے اور تکبر کو مذموم ٹھہراتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ [3] اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے پرہیز گار ہے اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

یہ آیت نسلی تفریق کا خاتمہ کرتی ہے۔ اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ روئے زمین کے تمام انسانوں کی اصل ایک ہے۔ نسل کے بڑھ جانے کی وجہ سے جو مختلف قبیلے بن گئے ہیں وہ صرف پہچان کا ذریعہ ہیں کہ فلاں شخص فلاں قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اور فلاں شخص فلاں قبیلے سے۔ کسی خاص قبیلے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اس کو عزت حاصل نہیں ہو جاتی۔ ہاں عزت کا ذریعہ صرف خدا خوفی ہے۔ جو شخص بھی متقی ہو گا خواہ کسی قبیلے یا نسل یا علاقے سے تعلق رکھتا ہو وہ مکرم و محترم ہو گا۔

— مساوات

اسلام مساوات کا حامی ہے۔ تمام روئے زمین کے لوگوں کو ایک ہی اصل کی شاخیں قرار دیتا ہے۔ کسی شخص کو رنگ، نسب، وطن وغیرہ کی وجہ سے دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ امت اسلامیہ کے ایک فرد تھے ان کو اہل بیت میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس میں حضرت بلال حبشیؓ تھے جن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ بلال ہمارا آقا ہے۔

---

[1] بنی اسرائیل ۱۷ : ۷۰ — [2] لقمان ۳۱ : ۱۸ — [3] الحجرات ۴۹ : ۱۳

Marfat.com

اس میں حضرت صہیب رومیؓ تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنی جگہ نماز میں امامت کے لئے کھڑا کیا۔ اس میں حضرت حذیفہؓ کے غلام سالمؓ تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے انتقال کے وقت کہا تھا کہ اگر آج سالمؓ مولیٰ حذیفہؓ زندہ ہوتے تو خلافت کے لئے ان کو نامزد کرتا۔ اس میں حضرت زید بن حارثہؓ تھے جن کے نکاح میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی پھوپھی زاد بہن زینبؓ دے دی۔ اس میں حضرت اسامہؓ تھے جن کو ایک ایسے لشکر کا قائد مقرر کر دیا جس میں بڑے بڑے صحابی تھے۔

— امت وسط

قرآن مجید نے امت مسلمہ کو امت وسط کے الفاظ سے اعزاز بخشا یعنی اعتدال پسند امت، افراط اور تفریط سے پاک۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا [1] اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلیٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے لئے گواہ ہو اور رسول تمہارے لئے گواہ ہو۔

راہ اعتدال پر چلنے کی وجہ سے امت مسلمہ کو خیر امت کہا گیا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [2] تم سب سے اچھی جماعت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئی ہو۔

— مذہبی رواداری

اسلام مذہبی رواداری کا علمبردار ہے۔ اور کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسرے پر زبردستی اپنا عقیدہ ٹھونسے۔ ارشاد الٰہی ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ [3] دین میں کوئی زبردستی منوانا نہیں ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ [4] اور کہو حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو کوئی چاہے انکار کرے۔

---

[1] البقرہ ۲ : ۱۴۳ — [2] آل عمران ۳ : ۱۱۰

[3] البقرہ ۲ : ۲۵۶ — [4] الکہف ۱۸ : ۲۹

Marfat.com

حدیث میں آتا ہے کہ نصاریٰ کا وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بوقت عصر حاضر ہوا۔ تو آپ نے ان کو مسجد میں جگہ دی۔ جب ان کی عبادت کا وقت آیا تو آپ نے ان کو اپنے طریقہ پر مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ جب مسلمانوں نے ان کو عبادت سے روکنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا۔ پھر تو وہ لوگ مشرق کی طرف منہ کرکے عبادت کرنے لگے[1]

— امت مسلمہ کا نصب العین

امت مسلمہ کا نصب العین امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[2] تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ[3] اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

امت مسلمہ کی ذمہ داریاں

① — قیام امن

امت مسلمہ کی سب سے اہم اور بڑی ذمہ داری دنیا میں امن قائم کرنا ہے۔ اسلام کے لغوی معنی امن اور سلامتی کے ہیں۔ مسلم وہ ہے جو خدا اور اس کے بندوں سے صلح کرے۔ بندوں سے صلح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ صرف ان کو نقصان پہنچانے سے مجتنب ہے بلکہ ان سے نیکی اور بھلائی کا سلوک کرے۔ اسلام کا یہ مفہوم امت مسلمہ پر قیام امن کی اہم ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ قرآن مجید نے امت مسلمہ کی اس ذمہ داری کا کئی بار ذکر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً[4] سارے کے سارے لوگ صلح و امن میں داخل ہو جاؤ۔

---

[1] زاد المعاد
[2] آل عمران ۳: ۱۱۰
[3] آل عمران ۳: ۱۰۴
[4] البقرہ ۲: ۲۰۸

Marfat.com

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا [1] اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی اس کی طرف جھک جا۔

اسلام جنگ کی اس وقت اجازت دیتا ہے جب دنیا کے امن کو خطرہ لاحق ہو۔

(۲) — عدل کا قیام

معاشرہ کی بقا اور ارتقاء عدل پر مبنی ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے عدل وانصاف پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ [2] اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے اللہ کا تقویٰ کرو اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

(۳) — شہادت حق

امت مسلمہ کا یہ فرض ہے کہ وہ ساری دنیا کے سامنے حق کی گواہی دے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا [3] اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلیٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے لئے گواہ بنو اور ہمارا رسولؐ تمہارا گواہ بنے۔

یہ آیت مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتی ہے کہ جو کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں کرتے تھے ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد وہ کام ان کے ذمہ ہے۔ وہ اہم کام شہادتِ حق (اشاعت اسلام) ہے۔ یہ ذمہ داری اتنی اہم ہے کہ ایک پوری سورت اس مضمون پر نازل ہوئی تھی۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ [4] زمانہ گواہ ہے کہ انسان نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔

---

[1] الانفال ۸ : ۶۱ [2] المائدہ ۵ : ۸
[3] البقرہ ۲ : ۱۴۳ [4] العصر ۱۰۳ : ۱–۳

Marfat.com

شہادت حق کے دو پہلو ہیں :

۱- قولی شہادت یعنی اسلام کی تعلیم کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

۲- عملی شہادت اسلام کی تعلیم کے مطابق مسلمانوں کی عملی زندگی ہو۔

(۴) - اتحاد عمل اور فرقہ بندی سے اجتناب

مسلمانوں کا یہ اہم فریضہ ہے کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح رہیں اور اپنی صفوں میں انتشار نہ ہونے دیں۔ کیونکہ اسی اتحاد میں مسلمانوں کی زندگی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے : وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا[۱] اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ[۲] مومن بھائی بھائی ہیں۔

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ[۳] اوران کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی باتیں آچکی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا :

الاسلام احوج الی الجماعۃ[۴] اسلام جماعتی نظام چاہتا ہے۔

الجماعۃ رحمۃ والفرقۃ عذاب[۵] جماعت رحمت ہے اور متفرق ہونا عذاب۔

تری المومنین فی تراحمھم و توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو تداعی لہ سائر جسدہ بالسھر والحمی[۶] تو مومنوں کو ایک دوسرے سے رحم اور محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا جیسا بدن میں ایک عضو کو تکلیف ہو جائے تو سارے اعضاء بخار اور بیداری میں اس کے شریک ہو جاتے ہیں۔

انما اھلک من کان قبلکم الاختلاف[۷] اگلے لوگوں کو اختلاف نے ہلاک کیا۔

(۵) - غلامی کا انسداد

اسلام ہی وہ دین ہے جس نے ہر طرح کی غلامی کو ختم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ ابتدائی سورتوں میں ہی اس اعلان کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے : فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَۃَ وَمَا

---

[۱] آل عمران ۳ : ۱۰۲۔ [۲] الحجرات ۴۹ - [۳] آل عمران ۳ : ۱۰۴ - [۴] کنوز الحقایق حرف الہمزہ -
[۵] کنوز الحقایق حرف الجیم۔ [۶] بخاری کتاب الادب - [۷] کنوز الحقایق حرف الہمزہ -

Marfat.com

أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ [1] سو وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے کسی گردن کا آزاد کرنا۔

یہ آیت امت مسلمہ کے لئے مشعل راہ ہے کہ وہ دنیا سے غلامی کا قلع قمع کریں اور بنی نوع انسان کو آزادی کی اس ارفع گھاٹی پر لے جائیں جس پر انسان ابھی تک نہیں چڑھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض ہی انسان کی گردن کو ہر باریک سے باریک قسم کی غلامی سے آزاد کرانا تھی، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ [2] اور وہ ان سے بوجھوں کو اتارتا ہے اور وہ غلامی کے طوق بھی جو ان پر تھے۔

نظریہ قومیت اور امت پر بحث کرنے کے بعد چند الفاظ میں خلاصہ بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، تاکہ قاری کے ذہن پر دونوں نظریوں کا فرق مرتسم ہو جائے۔

۱۔ نظریہ قومیت کے ترکیبی عناصر ۱۔ نسلی اتحاد۔ ۲۔ مشترکہ زبان۔ ۳۔ مشترکہ مذہب۔ ۴۔ جغرافیائی اشتراک۔ ۵۔ مشترکہ ثقافت و تمدن و رسم و رواج۔ ۶۔ مشترکہ سیاسی جذبات اور ۷۔ جذبہ قومیت ہیں۔

۲۔ قومیت ۱۔ نفرت۔ ۲۔ غیر فطری تقسیم۔ ۳۔ اخلاق کی تباہی۔ ۴۔ جنگ۔ ۵۔ جاہلانہ عصبیت۔ ۶۔ لادینیت کے خطرناک رجحانات اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

۱۔ امت اسلامیہ ایک عالمگیر اصولی برادری کا نام ہے اور قومیت کے ترکیبی عناصر کی قیود سے بے نیاز ہے۔

۲۔ امت اسلامیہ کے اوصاف

۱۔ خالص توحید پر ایمان۔ ۲۔ بنی نوع انسان کے لئے مال، علم، عقل اور تمام اخلاقی قوتوں کو خرچ کرنا۔ ۳۔ صبر و استقامت۔ ۴۔ شوریٰ پر عمل۔ ۵۔ عالمگیر برادری کا تصور۔ ۶۔ تعصب کا استیصال۔ ۷۔ نسل، وطن، رنگ اور زبان کی تفریق کا خاتمہ۔ ۸۔ مساوات۔ ۹۔ افراط اور تفریط سے پاک۔ ۱۰۔ مذہبی رواداری۔

۳۔ نصب العین

۱۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

---

[1] البلد ۹۰: ۱۱—۱۳ [2] الاعراف ۷: ۱۵۷

Marfat.com

۴ - ذمہ داریاں ۱- قیام امن - ۲- قیام عدل - ۳- شہادت حق - ۴- اتحاد اور فرقہ بندی سے اجتناب - ۵ - غلامی کا انسداد -

نظریہ قومیت اور امت کے اسلامی تصور کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نظریہ قومیت اقوام عالم کے لئے آیۂ عذاب ہے اور امت کا نظریہ آیۂ رحمت -

مارکسزم

سوانح حیات

یہ یہودی مفکر جس نے خیالات میں تلاطم برپا کر دیا رائن لینڈ کے شہر ٹرائر (TRIER) میں ۵ رمئی ۱۸۱۸ء کو پیدا ہوا - اس کا باپ یہودی وکیل تھا اور سارا خاندان مارکس کے نام سے موسوم تھا - جب کارل چھ سال کا ہوا تو اس کا خاندان عیسائیت کا برائے نام حلقہ بگوش ہو گیا - لیکن خاندان کا یہ نونہال ماحول کے اثرات سے بالکل آزاد تھا، اس پر تبدیلی مذہب کا کچھ اثر نہ ہوا - چونکہ وہ خورد سالی ہی میں بے باک، ضدی اور ہٹ دھرم تھا - اپنی عقل کی پیروی کرتا تھا اور اپنی ذات کو بے خطا سمجھتا تھا - ابتداء ہی سے اس نے جذبات کو عقل کے تابع رکھا - یہی وہ خصائل تھے جنہوں نے اس کو نت نئی بدلنے والی دنیا میں ایک بے پناہ قوت بنا دیا -

جب مارکس سترہ سال کا ہوا تو بان (BOUN) یونیورسٹی میں داخل ہوا اور قانونی تعلیم حاصل کی - اس طالب علمی کے دور میں اس کو ایک رئیس کی لڑکی جنی (JENNY) سے عشق ہو گیا - اس کی محبوبہ بھی اس سے محبت کرنے لگی اور لمبی کش مکش کے بعد ان کی شادی ہو گئی - کارل مارکس کی زندگی میں شاید یہی وہ ایام تھے جب اس کے جذبات میں تموج پیدا ہوا اور اس کی خشک طبیعت شعر و سخن کے مرغزاروں میں گلگشت کرنے لگی اور اس نے شعر کہنے شروع کئے - اور معاشی جنگ کا یہ قائد پہلی مرتبہ شاعر کی حیثیت سے علمی دنیا میں ظاہر ہوا -

۱۸۴۱ء میں "ڈاکٹر آف فلاسفی" کی ڈگری لینے کے بعد اس کے افکار میں زیادہ پختگی اور عمق پیدا ہوا - فلسفہ ہیگل کے حواریوں کی سوسائٹی میں شامل ہو گیا - اپنی علمی تشنگی کو ہیگل کے فلسفے سے سیراب کرنے لگا - اور اس نے مذہبی اعتقادات کو خیر باد کہا - اس وقت سے

Marfat.com

آگے آگے اس پر الحاد اور دہریت کا گہرا رنگ چڑھتا چلا گیا اور اس کا طائر فکر نئی پرواز کے لئے پر تولنے لگا۔ پیرس میں اس کو ایک روزنامہ کی ادارت مل گئی، اس کے کالموں میں اس نے اپنے ارمان خوب نکالے۔ اس کے آتشیں قلم کی جولانیاں قانون کے احتساب سے محفوظ نہ رہ سکتی تھیں۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ حکومت انقلاب کے اس فتیلہ سوزاں کو آزاد چھوڑ دیتی، چنانچہ اس کا پرچہ قانونی گرفت میں آکر بند ہو گیا۔ لیکن معاً اس کو دوسرا میدان عمل مل گیا۔ پیرس ہی میں ایک انتہا پسند اخبار جرمن زبان میں شائع ہوتا تھا، کارل مارکس نے اس میں طبع آزمائی شروع کر دی۔ لیکن قانون کے بے پناہ مصیطر نے اس کو یہاں بھی آرام سے سانس نہ لینے دیا۔ پرشیا کی حکومت کی سفارش پر مارکس کو پیرس سے نکال دیا گیا اور وہ برسلز (BRUSSELS) آ گیا۔

لیکن اس کا پیرس میں قیام اس کی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا، یہاں اس کی فریڈرک انگلز سے آشنائی ہو گئی۔ انگلز جرمنی کے ایک سوتی کارخانے کے مالک کا بیٹا تھا۔ باوجود سرمایہ دار ہونے کے وہ انتہا پسندانہ خیالات سے متاثر ہو گیا تھا۔ وہ مانچسٹر میں اپنے باپ کے کارخانے کی ایک شاخ کا نگران تھا اور رابرٹ اوون (ROBERT OWEN) کا دوست تھا۔ رابرٹ اوون جیسا کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا انگلستان میں اشتراکی خیالات کا پرچار کیا کرتا تھا۔ انگلز اشتراکی رجحان تو پہلے ہی سے رکھتا تھا مگر مارکس سے مل کر وہ انقلابی اشتراکیت کا حامی ہو گیا اور مارکس کا رفیق کار بن گیا۔ اس رفاقت کا آغاز ۱۸۲۴ء میں ہوا اور یہ مرتے دم تک قائم رہی۔ کیونکہ انگلز مارکسی خیالات کا علمبردار اور مبلغ بن گیا۔ ۱۸۴۵ء میں وہ اپنے پیرو مرشد کو انگلستان لے آیا، جہاں اس کو بعض جرمن تعلیمی سوسائٹیوں سے روشناس کرایا اور استاد اور شاگرد نے مل کر جرمن مزدوروں کی ایک انجمن قائم کی۔ ۱۸۴۷ء میں انہوں نے لندن میں مزدوروں کا ایک جلسہ منعقد کیا اور اشتراکی بین الاقوامی لیگ کی بنیاد رکھی، جس کی طرف سے اپنے اشتراکی منشور کا اعلان کیا۔

۱۸۴۸ء کا سال یورپ کی تاریخ میں انقلابی سال ہے اور جو انقلابات رونما ہو رہے تھے ان کے پیچھے مارکس کا دماغ کام کر رہا تھا۔ ان انقلابی سرگرمیوں کی وجہ سے اس کو بلجیم سے نکال دیا گیا۔ لیکن ان انقلابی تحریکوں نے ان دروازوں کو کھول دیا جو مارکس پر بند تھے۔ چنانچہ وہ فرانس گیا اور پھر جرمنی جہاں کولون کے ایک شہر سے اخبار جاری کیا۔

Marfat.com

مگر انقلابی گرد و غبار کے چھٹ جانے کے بعد فضا پھر صاف ہو گئی۔ قانون نے پھر حرکت کی اور مارکس کو جرمنی اور فرانس دونوں ممالک سے شہر بدر کر دیا گیا۔ وہ لنڈن ہجرت کر آیا اور مرتے دم تک یہیں رہا۔

مارکس کے لنڈن کے ایام بڑے پُر آلام تھے۔ ایک بڑے کنبے کی پرورش کا بوجھ اس پر تھا اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس نے سوہو کی ڈین سٹریٹ میں دو کمرے کرایہ پر لئے۔ اس کا گھر غربت اور افلاس کا مرکز تھا اور امراض نے بھی ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ وہ خود سرطان کی بیماری میں مبتلا تھا، اس کے علاوہ اور موذی امراض نے بھی اس کو شکار بنا رکھا تھا۔ ان تلخ حالات میں اس نے بسر اوقات کی۔ اور یہ محض انگلز کی مالی امداد تھی کہ وہ قرض خواہوں کے روح فرسا تقاضوں سے نجات پاتا۔ اس نے ان ایام میں بڑی دماغی محنت کی۔ دن رات برٹش میوزیم میں گزارے اور اپنی انقلاب آفریں کتاب سرمایہ (CAPITAL) کا مسودہ تیار کیا۔ اس عرصے میں اپنی گزر اوقات کے لئے نیو یارک کے بعض اخبارات کے لئے مضامین بھی لکھتا رہتا تھا۔

CAPITAL کی پہلی جلد اس کی زندگی میں ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی۔ اگرچہ اس نے تصنیف کا کام بہت کیا اور بے شمار رسائل اور چھوٹی چھوٹی کتب لکھیں لیکن سرمایہ (CAPITAL) کی تصنیف سے پہلے اس نے ایک اور مشہور کتاب لکھی جس کا نام "A CRITIQUE OF POLITICAL ECONOMY" ہے۔

اگرچہ اس کی زندگی کے آخری ایام میں مالی تکالیف کم ہو گئیں اور اس کو اپنی تصانیف کی آمدنی کے علاوہ انگلز سے معین رقم سالانہ ملنے لگی مگر سارا خاندان افلاس سے چُور ہو چکا تھا۔ ۱۸۸۱ء میں اس کی بیوی سرطان کی بیماری سے برسوں بیمار رہ کر انتقال کر گئی۔ اس کی موت کے دو سال بعد ۱۴ مارچ ۱۸۸۳ء کو اشتراکی انقلاب کا یہ آتشیں نفس زعیم بھی اس دارِ فانی سے چل بسا۔

کارل مارکس کے پیشرو

جب نظامِ ربوبیت درہم برہم ہو جائے، جب چند کروڑ پتی کارخانہ دار سماج کے سینے میں اپنے آہنی پنجے گاڑ دیں، جب بندہ و آقا کی تمیز سے انسانی فلاح و سعادت کے

Marfat.com

راستے مسدود ہو جائیں جب مزدور کو دن رات کی محنت شاقہ سے نان جویں بھی میسر نہ آئے اور دہقان اپنی کھیتی سے ایک دانہ بھی حاصل نہ کر سکے ـــــ یہ اس بیہمی اور بربری نظام معیشت کے تنزل کا وقت ہوتا ہے اور اس کے تنزل اور انحطاط سے باغی روحیں پیدا ہوتی ہیں جن کی صدائے احتجاج میں اس کی موت مضمر ہوتی ہے۔ چنانچہ کارل مارکس اس معاشی بغاوت کا سرغنہ تھا اور انقلابی اشتراکیت کا بانی مبانی بھی تھا۔ لیکن انیسویں صدی کے آغاز سے بلکہ اس سے پہلے بھی ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جنہوں نے مزدوروں کے حقوق کی حمایت میں آوازیں اٹھائیں۔ کارخانوں میں کام اور محنت کی انسانیت سوز شدت میں افاقہ کرایا، اوقات کار میں تخفیف کے لئے جدوجہد کی، معقول اجرت کے لئے مالکان کارخانہ کو ترغیب دلائی۔ چونکہ ان تمام تحریکات کا کوئی نہ کوئی عنصر مارکسی اشتراکیت میں موجود رہا ہے اور یہ مارکس کے اس ہنگامہ رستخیز کے لئے جو انیسویں صدی کے وسط میں بپا ہوا پس منظر کا کام دیتی ہیں اس واسطے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان مشاہیر کا بھی ذکر کیا جائے جنہوں نے معاشی حالات کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔ اور نہ صرف سرمایہ دارانہ نظام کے نقائص کو بے نقاب کیا، بلکہ ان کا حل بھی تجویز کیا ـــــــــــــ

ان میں سے پہلے نمبر پر سینٹ سائمن (ST. SIMON) ہے۔ اس کی عمر کا عرصہ ۱۷۶۰ء سے لے کر ۱۸۲۵ء تک ہے۔ اس کو بعض معاشی مورخ "سوشلزم کا باپ" کہتے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کا دعویٰ اور لوگوں نے بھی کیا، لیکن اولیت کا طغرائے امتیاز سینٹ سائمن کو حاصل ہے۔ اس نے صنعتی انقلاب کے آثار کو دیکھتے ہی بھانپ لیا کہ ایسے دور کا آغاز ہونے والا ہے جس میں صنعت و حرفت کو فروغ حاصل ہوگا۔ اس کے وسیع مطالعہ نے اس پر واضح کیا کہ اس صنعتی دور میں استحصال کا عمل عالمگیر صورت اختیار کر لے گا۔ اس نے متعدد رسائل میں دو باتوں پر زور دیا: ایک یہ کہ دنیا سے میراث کا نظام مٹا دینا چاہئے اور دوسرے، پیداوار دولت کے تمام وسائل حکومت کے قبضہ میں ہونے چاہئیں۔ یہ دونوں اصول اب انقلابی اشتراکیت میں موجود ہیں۔ میراث تو ایک جرم قرار دیا گیا ہے اور مارکس کے اصول کے مطابق "عبوری" عرصہ کے لئے حکومت ہی تمام اسباب معیشت کی واحد مالک ہوتی ہے۔ الغرض سینٹ سائمن کی اشتراکیت حکومتی اشتراکیت کا ابتدائی خاکہ ہے۔

اٹھارویں صدی کے اواخر میں فوریہ (FOURIER) (۱۷۷۲ء تا ۱۸۳۷ء) پیدا ہوا۔

Marfat.com

گوناگوں اقتصادی خرابیاں سماج میں رونما ہو رہی تھیں۔ مگر جس چیز نے اس کو متاثر کیا وہ مقابلہ اور پیکار کا منظر تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک مزدور دوسرے مزدور سے، ایک سرمایہ دار دوسرے سرمایہ دار سے برسرِ پیکار ہے اور اس مقابلہ نے جامۂ تہذیب کو تار تار کر دیا ہے۔ اس خرابی کے مداوا کے لئے اس نے اصول امداد باہمی کو وضع کیا۔ اس کا خیال تھا کہ امداد باہمی کی سوسائٹیوں کے قیام سے معاشی جنگ کا خاتمہ ہو جائے گا اور پیدائش دولت میں معتدبہ ترقی ہو جائے گی۔ اس وقت اس کا اندازہ تھا کہ ۲,۹۸۵,۹۸۶ سوسائٹیاں تمام دنیا کے لئے کافی ہوں گی۔ ان کے قیام سے نظام معیشت سے "روح رقابت" مٹ جائے گی اور اقتصادی عروج کے ساتھ ساتھ انسانوں میں اخوت اور تعاون کا جذبہ بھی ترقی کرتا چلا جائے گا۔

انگلستان میں رابرٹ اوون (ROBERT OWEN) (۱۷۷۱ء تا ۱۸۵۸ء) نے بھی امداد باہمی کے اصول کی تعلیم دی۔ وہ خود ایک مثالی آجر (EMPLOYER) تھا۔ اس نے اپنے تجربے کی بنا پر اس بات کو پیش کیا کہ اقتصادی تعاون ہی میں فلاح اور کامیابی کا راز ہے۔ اس نے سوسائٹیوں کی بجائے ایسی چھوٹی چھوٹی بستیوں (SETTLEMENTS) کے قائم کرنے پر زور دیا جو اشتراکی اصول املاک پر بنی ہوں۔ انگلستان میں رابرٹ اوون کے اصول کو کافی شہرت نصیب ہوئی۔

مارکسی تحریک کیوں پھیلی؟

مارکسی اشتراکیت کا چوتھا نقیب لوئی بلانک (LOUIS BLANC) (۱۸۱۳ء تا ۱۸۸۲ء) ہے۔ اس نے جس اصول معیشت کو پیش کیا وہ زیادہ مفید اور قابل عمل تھا۔ اس کا اصول کار یہ تھا کہ اتحاد سے مقابلہ کی روح کو کچلا جائے۔ لیکن اس سماجی اصلاح کی علمبردار حکومت ہو، وہ امداد باہمی کی سوسائٹیوں کو قائم کرے جو پیداوار دولت کے ہر شعبہ پر محیط ہوں اور اپنے گہرے اتحاد عمل سے سرمایہ داروں کا قلع قمع کر دیں۔

یہ مختلف تعلیمات تحریک عمومی کا رنگ اختیار نہ کر سکیں کیونکہ ان کی اساس اصولِ اتحاد پر تھی۔ وہ حاسۂ اخلاقی کو بیدار کرنا چاہتی تھیں تاکہ کوئی "من چلا" ان سے متاثر ہو کر اشتراکیت کو عملی صورت میں دنیا میں قائم کر دے۔ ان کے مخاطب زیادہ تر خود سرمایہ دار

Marfat.com

تھے یا اس وقت کی حکومتیں تھیں۔ یہ ناممکن تھا کہ سرمایہ دار اپنے ذاتی مفاد کو قربان کر دیتے اور مزدوروں کو پیداوار دولت میں مساوی حصہ دے دیتے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ مزدور طبقہ کمزور و ناتواں تھا اور اپنے حقوق سے غافل تھا۔ اور سرمایہ داروں کو ان سے کوئی کھٹکا نہ تھا۔ اسی طرح اس دور کی حکومتوں میں بھی اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ قانون کے کلہاڑے سے سرمایہ داروں کے شجر ملعونہ کو کاٹ دیتیں۔ خصوصاً جب سرمایہ دار خود حکومت پر مسلط تھے۔ نہ صرف ملوکیت میں بلکہ اب عصر جمہوریت میں بھی سرمایہ دار ہی حکومتوں پر مستولی ہیں۔ انہی کے جنبش ابرو سے قانون مدون اور منسوخ ہوتے تھے اور ہوتے ہیں۔ اور کارل مارکس کا قول ہے کہ جمہوری مجالس وضع قوانین کارخانہ داروں کی مجالس عاملہ کی حیثیت رکھتی تھیں

گرمیٔ گفتار اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

اندریں حالات یہ ناممکن تھا کہ کوئی معاشی اصلاح کا اصول کامیاب ہوسکے، یا عوام میں قبولیت حاصل کرسکے۔ خصوصاً وہ جس کا روئے سخن متاجروں اور مالداروں یا حکومت سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سینٹ سائمن، فوریر، رابرٹ اوون، لوئی بلانک کی تعلیمات صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔ ان کے مقابلے میں کارل مارکس کی تعلیم نے جس کی تہ میں یہی جذبہ کارفرما تھا تحریک عمومی کا رنگ اختیار کر لیا۔ اس کی امتیازی صورت یہ تھی کہ اس کے مخاطب اہل دولت نہ تھے، بلکہ وہ مظلوم طبقہ انسانیت تھا جو اپنی زندگی سے بیزار تھا۔ اور اس کی مظلومیت اور بیزاری میں بغاوت کے تمام عناصر موجود تھے۔ اور سرمایہ داروں کا روزافزوں استبداد اس مخفی جذبے کو نقطہ احتراق کی طرف لے جا رہا تھا۔ اب اس فتیلہ سوزاں کو فقط آگ دکھانا باقی تھا کہ اس کے شعلے چار دانگ عالم میں پھیل جائیں۔

کارل مارکس نے سالہا سال کے مطالعہ سے ان حالات کا جائزہ لیا اور عوام کی نفسیات کو خوب بھانپا۔ چونکہ وہ خود زخم خوردہ تھا اور باوجود غیر معمولی استعداد اور قابلیت کے اس نے ساری عمر انتہائی غربت اور مسکنت میں کاٹی تھی۔ اور جیسے اوپر بیان ہو چکا ہے قانون کے ہاتھوں بھی وہ مدت العمر نالاں رہا۔ اس واسطے اس کی تحریرات آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑیں۔ اس کا ہر لفظ اس کے "سوز یقین" کا شعلہ جوالا

Marfat.com

تھا جو یک لخت سرمایہ داری کے خرمن کو راکھ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے فلسفۂ معیشت نے افکار اور کردار میں ہیجان پیدا کر دیا۔ اس نے نہ صرف ایک نصب العین پیش کیا بلکہ ایک لائحہ عمل بھی دنیا کے سامنے رکھا۔ جیسا کہ آگے چل کر میں بتاؤں گا کہ اس فلسفے میں علمی اور عملی خامیاں ہیں اور یہ سماج کی تمام ضروریات پر حاوی نہیں۔ لیکن اس میں کسی کو کلام نہیں کہ کارل مارکس نے ہی مزدوروں کو فعال عنصر کے رنگ میں پیش کیا اور تحریک اشتراکیت کی نوک پلک کو ٹھیک کیا۔ مادی مفکرین اور فلاسفر پر اس کو ایک اور فوقیت بھی حاصل ہے۔ وہ یہ کہ اسی نے یہ آواز اٹھائی کہ دولت و ثروت کو معیارِ عزت تصور کرنا انسانیت کی جڑ پر تبر چلانا ہے اور دولت آفرینی میں مزدور سرمایہ دار سے فروتر نہیں بلکہ ایک رنگ میں مزدور کی اجرت کو رؤسا، اور امراء کی غیر مکتسب آمدنی (UNEARNED INCOME) پر اخلاقی برتری حاصل ہے۔ اگرچہ اس نظریے میں اس نے مفرطانہ غلو سے اپنی تعلیم کے افادی پہلو کو کمزور کر دیا اور سماج کو انقلابی شورشوں کا اکھاڑا بنا دیا تاہم اشتراکیت کو سربلند کرنے میں وہ اپنے پیشروؤں پر گوئے سبقت لے گیا۔

اگر کارل مارکس کی انقلابی اشتراکیت نہ پیدا ہوتی یا پیدا ہوتے ہی عدم توجہ سے مٹ جاتی تو سرمایہ داروں کو ایک اور بلاخیز تحریک کا سامنا کرنا پڑتا، جو ان کی معاشی دستبرد سے ملک کے زراعت پیشہ اور بے کار و بے کس علمی طبقہ میں نشو و نما پا رہی تھی۔ یہ تحریک فوضویت (ANARCHISM) کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس کا بانی مبانی مائیکل بکونن (MICHEL BAKUNIN) ہے جو روس کے رؤسا کے طبقے کا فرد تھا۔ یہ تحریک سرمایہ داری کے خلاف شدید ردعمل کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔ اس کے بانی کا دعویٰ تھا کہ حکومت ایک لعنت ہے، اس کے مٹا دینے سے ہی انسان کو فلاح نصیب ہو سکتی ہے۔ ہر آدمی اپنے معاملات میں خود مختار ہونا چاہیئے۔ اس کے اقوال و افعال پر حد بندی کرنے والی کوئی بیرونی طاقت نہیں ہونی چاہیئے۔ سماج کا ہر رکن فاعل مختار ہو اور اس کے حاسۂ اخلاق کو اس کے افعال کی نگرانی کرنے کے لئے کافی سمجھا جائے۔ کیونکہ اس کی بدولت سماج کے افراد اپنے تعلقات میں توازن پیدا کریں گے اور تصادم کا کھٹکا تک باقی نہ رہے گا۔ اسی تحریک کے متعلق ایک امریکن مصنف کا قول ہے کہ سب سے اعلیٰ حکومت وہ ہے جو زیادہ سے زیادہ حکمرانی سے احتراز کرے۔ اس نیراجی تحریک کے حامی یورپ کے دوسرے ممالک میں بھی پیدا ہو رہے تھے۔

Marfat.com

مثلاً فرانس میں پرودھن (PROUDHN) اور اٹلی میں انریکو ملاٹسٹا (ENRICO MALATE-STA) - مادر پدر آزادی کی یہ ملعون تحریک بار آور نہ ہوسکی۔ اس پر کاری ضرب لگانے والا کارل مارکس تھا۔ اس کی بکونن (BAKUNIN) اور پرودھن (PROUDHN) کے خلاف قلمی رزم آرائیاں تاریخ میں مشہور ہیں۔ اس لحاظ سے مارکسی اشتراکیت کو فوضویت اور رابرٹ اوون کی اخلاقی اشتراکیت میں برزخ کی پوزیشن حاصل ہے۔ اگرچہ اس کا دامن بھی امن سوز بجلیوں سے معمور ہے۔ اور اس نے اگر سرمایہ داری کی عمارت کو مسمار کیا ہے تو کاشانہ غریب کو بھی امن اور آسودگی سے محروم رکھا ہے۔ مگر نیراجی تحریک کے مقابلے میں اس کو اعتدال کا درجہ حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو اس وقت دلپذیری نصیب ہوئی اور مزدوروں کی انجمن نے بین الاقوامی صورت اختیار کرلی۔ اور روس میں جو انقلاب ہوا وہ مارکسی اشتراکیت کے نام پر تھا، نہ کہ فوضویت کے نام پر۔ ایک انگریز مصنف نے خوب کہا ہے کہ روس کے انقلاب کے پیچھے لینن (LENIN) کا ہاتھ تھا اور مارکس کی آواز تھی۔

کارل مارکس کی تصنیفات

مارکس کی زندگی شدید کشمکش کی زندگی تھی۔ ارباب حل وعقد اس کو "وبائی جرثومہ" تصور کرتے تھے اور ان کی احتسابی قوتیں اس کے تعاقب میں لگی رہتی تھیں۔ طویل تگ و دو کے بعد اس کو انگلینڈ میں امن کی زندگی نصیب ہوئی۔ مگر یہاں بھی اس کو فکر معاش کا فکر دامن گیر رہتا تھا، اور اس کے خلاف اس کے پاس ایک ہی ذریعہ تھا، وہ اس کا زرخیز دماغ تھا یا اس کا برق رفتار قلم۔ اپنی خامہ فرسائی سے اس نے دفتروں کے دفتر سیاہ کر دیئے۔ مگر اس کی تصنیفات میں تین چیزیں قابل ذکر ہیں۔ کیونکہ ان میں اس کا فلسفہ من وعن محفوظ ہے اور علمی دنیا میں بھی ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ یہ اشتراکی منشور (COMMUNIST MANIFESTO)، نظام معیشت پر تنقید (CRITIQUE OF POLITICAL ECONOMY) اور سرمایہ (CAPITAL) ہیں۔

اشتراکی منشور کو اولیت کا درجہ حاصل ہے کیونکہ یہ مارکسی اشتراکیت کا سنگ بنیاد ہے۔ اس میں دنیا کے مزدوروں کے لئے پیغام عمل ہے اور سرمایہ داروں کے لئے دعوت مبارزت۔ اس کی تصنیف و ترتیب میں کارل مارکس اور انگلز دونوں شامل تھے۔ اور یہ منشور اشتراکی

Marfat.com

بین الاقوامی کے پہلے جلسے کے لئے جو لندن میں ۱۸۴۷ء میں ہوا، لکھا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب "افق مغرب" پر انقلاب کے بادل چھائے ہوئے تھے اور مزدور طبقہ سین سائمن، فوریر اور اووِن کی ضعیف اور التجائی اشتراکیت سے بیزار ہو کر کسی انقلابی آواز کے لئے گوش برآواز تھا۔ قلب و دماغ کی دنیا انقلابی تخم ریزی کے لئے بالکل تیار تھی۔ ایسے وقت میں ایک انقلاب آفرین لائحہ عمل کو جتنی بھی قبولیت نصیب ہو کم ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اشتراکی منشور کا شائع ہونا تھا کہ مزدور اپنے آقاؤں کے خلاف مشتعل ہو گئے اور اشتراکیت کو بحث و نظر کی الجھنوں سے نکل کر عملی جامہ نصیب ہوا۔ اس میں مزدوروں کو بتلایا گیا کہ وہ اپنے غاصب آقاؤں کے املاک پر چھاپہ ماریں اور منصوبہ بازیوں کے قدیم طریق کو چھوڑ کر میدانِ عمل میں اتر آئیں۔ ان کی امید باندھنے کے لئے ایک فلسفہ بھی پیش کیا گیا، جس میں یہ بتایا کہ انسانی تاریخ طبقاتی تصادم کی مسلسل داستان ہے اور کسی نظام معیشت و معاشرت کو قرار اور سکون حاصل نہیں۔ سلبی اور ایجابی طاقتیں آپس میں ٹکراتی ہیں۔ اور ان کے پیکار اور ٹکراؤ سے ایک "مثبت نظام" پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک وقت پر جا کر اس میں سلبی اور ایجابی پہلو پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی پھر تصادم کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ "پیکاری ارتقاء" کا یہ فلسفہ ہیگل سے مستعار تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہیگل نے اس کو اعیان کی دنیا تک محدود کر دیا تھا مگر کارل مارکس نے اس کو سماج پر چسپاں کیا اور تمام تاریخ کو اس فلسفہ کی عینک سے دیکھا۔ اور اس کو ہر دور میں قوی اور ضعیف، بندہ و آقا امیر و غریب، زردار اور نادار برسرِ پیکار نظر آئے۔ اسی مشاہدے کی بناء پر اس نے مزدوروں کے لئے جانفزا پیشگوئی کی کہ آنے والا دور ان کی خوشحالی اور کامرانی کا دور ہے اور اگر اس کو جلد لانا ہو تو وہ اس میں مدد ہو سکتے ہیں یعنی مزدور سرمایہ داروں کے خلاف سلب و نہب کا عمل شروع کر دیں۔ اس ڈاکہ زنی کی فلسفیانہ تعلیم نے مزدور طبقہ پر جادو کا کام کیا اور وہ کامیابی کی امید سے متوالے ہو گئے۔

اس منشور کے چار حصے ہیں: پہلے حصے کا عنوان "بورژوا اور پرولتاری" ہے۔ اس حصہ میں تاریخ کی مادی تعبیر کے نظریئے کو وضاحت سے پیش کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی طبقاتی جنگ کا تصور بھی بیان ہے۔ "بورژوا" طبقے کو غاصب اور حکومت کو اس کا آلہ کار قرار دیا گیا ہے۔ اس میں مصنفین نے بتلایا ہے کہ دولت کی پیداوار اور اس کا تبادلہ دو

Marfat.com

ایسے مؤثرات ہیں جو سماج کی تشکیل کے ذمہ دار ہیں۔ سماج میں رائج الوقت اخلاق اور مذہب بھی انہی مؤثرات کی پیداوار رہتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ دونوں عوامل سرمایہ داروں کے قبضہ اقتدار میں ہیں۔ اس واسطے قانون، مذہب اور اخلاق بھی ان کے غاصبانہ جذبات اور رجحانات کے آئینہ دار ہیں اور اپنی ذات میں کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔

دوسرے حصے کا عنوان "پرولتاری اور اشتمالی" ہے۔ اس میں مارکس اور اس کے رفقاء کار کی ان سرگرمیوں کا ذکر ہے جو ان کو نئے نظام معیشت کے قائم کرنے کے لئے کرنی تھیں۔ مثلاً پرولتاری طبقہ کو منظم کرنا اور بورژوا کو شکست دے کر معاشی نظام سے بے دخل کرنا اور سیاسی تفوق حاصل کرنے کے بعد ذاتی ملکیت کے اصول کو منسوخ کرنا۔

تیسرے حصے کا عنوان "اشتراکی اور اشتمالی لٹریچر" ہے۔ اس میں قدیم اشتراکیت (SOCIALISM) اور اشتمالیت (COMMUNISM) پر شدید جرح کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ اخلاقی اور مذہبی نوع کی اشتراکیت یا اشتمالیت ایک مقدس پانی ہے، جس سے ارباب کلیسا، سرمایہ داروں کے حرص و آز کو بپتسمہ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تحریکیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔

چوتھے حصے میں مزدوروں کو اتحاد عمل کی دعوت ہے اور سرمایہ داروں کو دعوت مبارزت۔ اس میں غیر مبہم الفاظ میں مزدوروں کو کارخانہ داروں کے خلاف ابھارا گیا ہے۔ ان کو کہا گیا ہے کہ ان کے ہنگامہ عمل سے ان کے آقا لرزہ براندام ہو جائیں گے اور ان کی آہنی بیڑیاں کٹ کر گر جائیں گی۔

کارل مارکس کی دوسری مشہور تصنیف نظام معیشت کی تنقید (CRITIQUE OF POLITICAL ECONOMY) ہے۔ اس میں اقتصادی حالات و کیفیات کی علمی بحثیں ہیں۔ اس میں مسئلہ قدر زائد (THEORY OF SURPLUS VALUE) پر روشنی ڈالی گئی ہے، تاکہ جو باغیانہ روح اشتراکی منشور کے ذریعہ پھونکی گئی ہے اس کے لئے سند جواز مل سکے۔ چونکہ اس میں علمی بحثیں ہیں اس واسطے اس کا اسلوب بیان ثقیل ہے۔ اس میں اشتراکی منشور کی سی ولولہ انگیزی نہیں اور اس تصنیف کا مدار ایڈم سمتھ (ADAM SMITH) اور ریکارڈو (RECORDO) کے اقتصادی نظریوں پر ہے۔

Marfat.com

تیسری تصنیف سرمایہ (CAPITAL) ہے۔ اس کا اجمالی نقشہ پہلی دونوں تصنیف میں موجود ہے۔ بالفاظ دیگر یہ منشور کی اشتمالیت اور "CRITIQUE" کے اقتصادی تصورات کا مرکب ہے۔ مارکس کی تجویز تھی کہ یہ کتاب چار جلدوں میں شائع ہو۔ پہلی جلد میں سرمایہ کی تخلیق کا مسئلہ بیان کیا جائے، دوسری جلد میں سرمایہ کی گردش کا ذکر ہو، تیسری جلد میں سرمایہ دارانہ دولت آفرینی کے مسئلہ پر بحث کی جائے اور آخری یعنی چوتھی جلد میں "مسئلہ قدر زائد" (THEORY OF SURPLUS VALUE) کو شرح و بسط سے بیان کیا جائے۔ لیکن یہ تجویز پروان نہ چڑھ سکی۔ کیونکہ اس کی حین حیات میں صرف پہلی جلد ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی، اور بیس سال کے بعد اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا۔ دوسری اور تیسری جلد کے لئے اس نے مواد فراہم کیا، لیکن یہ تصنیف تشنہ تکمیل رہی۔ اس کی موت کے بعد اس کے وفادار رفیق کار انگلز نے دوسری جلد کو ۱۸۸۵ء میں شائع کیا۔ اس کا انگریزی ترجمہ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا۔ تیسری جلد ۱۸۹۴ء میں اور اس کا انگریزی ترجمہ ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا۔ چوتھی جلد شائع نہ ہو سکی۔ بعض نقادوں کا خیال ہے کہ مارکس کے پاس صرف ایک جلد کا سیر کن مواد تھا۔ اور اس کے نظریے میں اتنی گنجائش نہ تھی کہ اس کے لئے اتنا مواد میسر آسکے جس سے باقی ساری جلدیں اس کی خواہش کے مطابق ترتیب پا سکیں۔ اس کتاب یعنی "سرمایہ" میں اصول جنگ اور فنی جنگ دونوں کا طویل ذکر ہے۔ مگر اعداد و شمار کے انبار اور نگارش کی گرانی نے اس کتاب کو معمہ بنا دیا ہے۔ اور یہ ایک اچھے لکھے پڑھے انسان کی سمجھ سے بھی باہر ہے۔ اور اصول اشتراکیت کے متعلق جتنا علم موجود ہے وہ ان بے شمار کتب کی بدولت ہے جو اس کی تشریح میں لکھی گئی ہیں۔

کمیونزم کا تاریخی پس منظر

باوجود اس اقرار کے کہ تمام عمرانی تحریکات جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اپنے مقاصد میں ناکام رہیں اور ان کی یورش کے باوجود سرمایہ داری کو فروغ حاصل ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان سب میں سے کسی کو اگر کچھ کامیابی حاصل ہوئی ہے تو وہ کمیونزم ہے۔ اس سے میری مراد فقط یہ ہے کہ اس کے سوا دوسری تحریکات کسی ملک میں بھی بروئے کار نہ آئیں۔ اور اگر آئیں تو محدود پیمانے پر اور بہت قلیل عرصہ کے لئے اور جلد دست برد زمانہ سے

Marfat.com

مٹ گیئں۔ اس کے برعکس کارل مارکس کے نظریے کو عالمگیر اشاعت نصیب ہوئی۔ روس میں نفاذ پذیر ہوا، جو رقبے میں دنیا کے بیشتر ممالک سے وسیع ہے اور ماسکو کی سرپرستی میں دنیا کے دوسرے حصوں میں اشتراکی مراکز قائم ہو گئے۔ اگرچہ روسی کمیونزم میں بھی انحراف کا رنگ آگیا ہے اور بعض متعصب کمیونسٹ سٹالن کے طرزِ عمل کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے تھے، تاہم لوگ اس کے معاشی نظام کو کمیونزم کہنے پر مجبور ہیں۔ انحراف کے باوجود ماسکو کے ارباب اختیار کارل مارکس ہی کو اپنا امام سمجھتے ہیں۔ اپنے انحراف کو فروعی تصور کرتے ہیں اور اس کے لئے بھی ضرورتِ وقت کی سند پیش کرتے ہیں۔ اس واسطے کمیونزم زیادہ تفصیلی بحث کی مستحق ہے، کیونکہ سرمایہ داری اور اس کے گوناگوں مظاہرات کا فقط یہی ایک حریف ہے۔ اور جو لوگ مذہب سے منحرف ہو کر سرمایہ داری کو مٹانا اور معاشی خوشحالی پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ کمیونزم کے دامن ہی سے وابستہ ہیں۔ اور ان میں سے اکثر و بیشتر ماسکو کے مکتب ہی سے درس عمل لیتے ہیں۔

کمیونزم کے اجزائے کیمیاوی

کمیونزم کو دوسرے عمرانی تصورات کے مقابلے میں زیادہ پذیرائی محض اس وجہ سے نصیب ہوئی کہ اس کی ترکیب کیمیاوی میں زیادہ توازن ہے۔ یہ تمام دوسری تحریکات کے موٹے موٹے اصولوں پر محیط ہے۔ جب کارل مارکس نے اپنا تصورِ معاش وضع کیا تو اس نے رائج الوقت تصورات اور نظریات سے کماحقہ استفادہ کیا۔ یہ انیسویں صدی کا وسط تھا اور انگلینڈ میں ریکارڈو (RECARDO) اور ایڈم سمتھ (ADAM SMITH) علم الاقتصاد کے استاد سمجھے جاتے تھے۔ اور انہوں نے کرایہ (RENT) اور اُجرت (WAGES) کے متعلق انسانیت نواز نظریات قائم کئے اور وہ علمی حلقوں میں بہت ہی مقبول ہو رہے تھے۔ ادھر فرانس میں والٹیر (VOLTAIRE) اور روسو (ROUSSEAU) کے سیاسی تصورات نے انقلاب برپا کر دیا تھا۔ قدیم جبر و استبداد مٹ چکا تھا۔ سیاست پر آزادی، مساوات اور اخوت کے نئے نقوش مرتسم ہو چکے تھے اور عوام میں بیداری پیدا ہو گئی تھی۔ جرمنی پر ہیگل (HEGEL) کا فلسفہ مسلط تھا۔ لوگ سٹیٹ کے ساتھ الوہیت کو وابستہ کرنے لگ گئے تھے اور سٹیٹ کی ہمہ گیری میں اپنی روحانی اور مادی نجات سمجھتے تھے۔ کارل مارکس

Marfat.com

کے ظہور کے وقت خیالات کے یہ تین دھارے مغرب میں بہہ رہے تھے اور یہ ناممکن تھا کہ مارکس ان سے متاثر نہ ہوتا۔ چنانچہ یہ اثر پذیری تھی کہ اس کے نظریے کا خمیر انگلینڈ کے اقتصادیات، فرانس کے سیاسیات اور جرمنی کے مابعد الطبیعیات سے اٹھایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونزم میں فلسفہ اقتصاد اور سیاست تینوں چیزیں موجود ہیں۔ مارکس کا کمال اور شرف اولیت اس میں ہے کہ اس نے ان تینوں عناصر کو ایسا متوازن کر دیا کہ ان کے باہمی ملاپ سے ایک تصورِ حیات وجود میں آ گیا۔ یہی اس کی شہرت کا راز ہے۔

ہیرلڈ لاسکی (HAROLD LASKI) لکھتا ہے کہ "کمیونزم نصب العین بھی ہے اور لائحہ عمل بھی۔ یہ خوبی اور برتری فلسفہ، اقتصاد اور سیاست کے امتزاج سے پیدا ہوگئی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک عنصر بھی مفقود ہوتا تو اس کی علمی اور عملی حیثیت میں فرق آ جاتا۔"

ان اجزائے ترکیبی کی مناسبت سے کمیونزم کے بھی تین پہلو ہیں:

۱۔ تاریخ کی مادی تعبیر (MATERIALISTIC INTERPRETATION OF HISTORY) اس کو فلسفہ کی حیثیت حاصل ہے۔

۲۔ نظریہ قدر زائد (THEORY OF SURPLUS VALUE) یہ کمیونزم کا اقتصادی پہلو ہے۔

۳۔ طبقاتی جنگ (CLASS WAR) یہ مارکس کی سیاست ہے، جس سے ذاتی ملکیت (PRIVATE PROPERTY) مٹ کر کمیونزم بروئے کار آتی ہے۔

اجزائے ترکیبی پر مفصل بحث آئندہ صفحات میں ہوگی۔

کیپٹلزم (سرمایہ داری) کی تشریح

یہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں پہلو حادثتہً مارکس کے ذہن میں نہیں آ گئے تھے، بلکہ تاریخ اور عمران کے عمیق مطالعہ کے بعد وہ اس بات کے قابل ہوا کہ ایک سہ گانہ نظریہ حیات دنیا کے سامنے پیش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونزم پر بحث کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان حالات کو پیش کیا جائے جن کے مطالعہ سے مارکس نے اپنا نظریہ مستنبط کیا۔ یہ حالات سرمایہ داری (CAPITALISM) کے عروج و زوال سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے تفصیلی بیان سے

Marfat.com

کمیونزم کا پس منظر تیار ہو جائے گا اور اس کے خد و خال زیادہ نمایاں ہو جائیں گے۔ بالفاظ دیگر یہ سارا بیان اس کی شہرہ آفاق کتاب سرمایہ (THE CAPITAL) کا ملخص ہوگا۔ کیونکہ جب تک "عمل" کی تفصیل معلوم نہ ہو "رد عمل" کا ادراک مشکل ہو جاتا ہے اور اس میں فلسفے کی یبوست پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ کمیونزم کیپٹلزم کے خلاف ردِ عمل ہے۔ اور اگر نظام سرمایہ داری کا اس رنگ میں ارتقاء اور عروج نہ ہوتا جس رنگ میں ہوا یا کارل مارکس سے پہلے ہی اس کے دھارے کا رخ کسی اور جانب پھر جاتا تو یقیناً اس کا ردِ عمل مختلف ہوتا۔ اور اس کا نظریہ بھی وہ نہ ہوتا جو آج ہم تک پہنچا ہے۔ کمیونزم میں انقلاب کی چنگاریاں ان مظالم کا پتہ دیتی ہیں جو سرمایہ دار اپنے عروج کے آغاز سے مزدوروں پر ڈھاتے چلے آئے ہیں۔ اسی طرح اس کی تھیوری کا ہر پہلو کیپٹلزم کے کسی نہ کسی ظلم و ستم کے خلاف رد عمل (REACTION) کا حکم رکھتا ہے۔

کارل مارکس کا قول ہے کہ تاریخ کا ہر دور اپنے بطن میں آنے والے انقلاب کے جراثیم رکھتا ہے۔ جس طرح نظام جاگیرداری (FEUDALISM) سے نظام سرمایہ داری پیدا ہوا، اسی طرح نظام سرمایہ داری سے نظام اشتراکیت کی نمود ہوئی۔ اور یہ تغیر اس وقت رونما ہوا جب نظام سرمایہ داری انسانی تمدن و حضارت کے لئے سم قاتل ثابت ہونے لگا۔ اور اس نظام کے اندر ایسے زہریلے میلانات پیدا ہو گئے جو اس کے شیرازے کو ہر لحظہ بکھیر رہے تھے۔ اس کے انتزاع و انتشار سے بقول مارکس کمیونزم نے جنم لیا۔ اس سارے ارتقاء کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم سرمایہ داری کو آغاز سے انجام تک دیکھ لیں۔ اس روئداد کو شروع کرنے سے پہلے یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موضوع بحث اور عرضۂ اعتراض "سرمایہ" نہیں بلکہ نظام سرمایہ داری ہے۔ "سرمایہ" تو محض دولت آفرینی کے عوامل میں سے ایک عامل ہے۔ اور اس سے مراد تمام وسائل و آلات ہیں جو دولت کی پیداوار میں ممد ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس نظام سرمایہ داری سے مراد یہ ہے کہ سرمایہ کی ملکیت سے ایک انسان ذرائع پیداوار دولت پر قابض ہو جائے اور تمام دوسرے عوامل اس کے اجرتی غلام ہو کر رہ جائیں۔ جب ایک خاندان کسی صنعت (INDUSRTY) میں مصروف ہے اور اس کے ممبر اپنی محنت سے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ گو ان کا سارا کاروبار دولت آفرینی کے عمل کے مترادف ہے مگر اس میں سرمایہ داری

Marfat.com

کا کوئی شائبہ نہیں۔ لیکن اگر ان کے کام کو فروغ حاصل ہو اور وہ اپنے کام کو وسیع کرنے کے لئے اپنے کنبے کے لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی اُجرت پر رکھ لیں اور اپنی ضروریات سے زیادہ پیدا کر کے منڈیوں میں اپنا مال بیچیں اور نفع اندوزی سے دولت جمع کریں، تو یہ سارا کام سرمایہ داری کے عنوان میں آجائے گا۔ کیونکہ سرمایہ داری میں بندہ و آقا اور اجیر و مستاجر کا ہونا ضروری ہے۔ اس طرح دیہات میں جب تک کسان زراعت کا کام خود سر انجام دیتا ہے یا اس کے اپنے لوگ اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور اپنی پیداوار سے وہ اپنی ضروریات کی کفالت کرتے ہیں تو ان کے فعل پر سرمایہ داری کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے مقابلے میں ایک رئیس زمیندار ہے، اس کے پاس بہت زمین ہے، وہ اس کی کاشت کے لئے دوسروں کو اپنا ملازم رکھتا ہے، یہ لوگ کام کر کے اپنی مزدوری حاصل کرتے ہیں اور پیداوار کا مالک خود رئیس زمیندار ہوتا ہے۔ کل پیداوار اس کی ذاتی ضروریات سے کہیں زائد ہوتی ہے۔ وہ ایک کثیر مقدار منڈی میں فروخت کرتا ہے اور حاصل کردہ روپے سے اپنے کاروبار کو جاری رکھتا ہے۔ یہ عمل بھی نظام سرمایہ داری متصور ہوگا۔

ایک اور بات قابل غور یہ ہے کہ جس طرح نظام سرمایہ داری میں سرمایہ دار اپنے کارخانوں کی پیداوار کو منڈیوں میں بیچتا ہے اسی طرح مزدور اپنی محنت اور ہنر کو بطور جنس کے کارخانہ داروں کے پاس بیچتے ہیں۔ جس طرح دوسری اشیاء کی قیمت میں مدوجزر ہوتا ہے اسی طرح مزدور کی اجرت میں اتار چڑھاؤ کا منظر دیکھنے میں آتا ہے۔ لیکن مزدور جس جنس کو بیچتا ہے اس کی نوعیت مختلف ہے اور اس کو اپنی جنس کے خریدار یعنی کارخانہ دار کی شرائط کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔ اگر منڈیوں کا بھاؤ نرم ہو تو سرمایہ دار اپنی اشیاء فروختنی کو روک کر انتظار کر سکتا ہے مگر مزدور ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے کہ جتنا کماتا ہے اتنا ہی کھا لیتا ہے اور اس کے پاس کوئی اندوختہ نہیں جس پر تکیہ کر سکے۔ اس کی نارمل اجرت یعنی اس کی جنس کی قیمت بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا مالک اس سے استحصال بہت کرتا ہے اور جو کچھ اس کو اجرت کے نام سے دیتا ہے وہ اس کی روح و تن کے اتحاد کے لئے بھی کافی نہیں ہوتا۔ اس طرح کارخانہ دار کی دولت میں روز افزوں ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس کی نسبت سے مزدور

Marfat.com

کمزور اور بے بس ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی نسبت سے "محنت" کے بیع و شرا میں سرمایہ دار کا پلہ بھاری ہوتا چلا جاتا ہے اور جو قیمت وہ مقرر کرتا ہے وہی مزدور کو لینی پڑتی ہے

دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ

کیپٹلزم کا ارتقاء

(س) محنت کی ارزانی اور سرمایہ کی فراوانی سے سرمایہ دار بڑے بڑے کارخانے قائم کرتے ہیں جن میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مزدور اُجرت پر کام کرتے ہیں۔ اس طرح "محنت اور سرمایہ" میں بُعد پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور مرورِ زمانہ سے محنت میں تو اجتماعی رنگ پیدا ہونے لگتا ہے۔ کیونکہ جب ہزاروں کی تعداد میں مزدور ایک ہی جگہ کام کریں گے اور ان کے مفاد میں بھی اشتراک ہوگا تو تدریجاً ان میں یگانگت پیدا ہوتی چلی جائے گی لیکن اس کے برعکس بڑے بڑے کارخانوں کے ظہور سے چھوٹے سرمایہ دار پس کر خاک ہو جائیں گے اور انجام کار مزدوروں کی کسی صف میں آشامل ہوں گے اور میدانِ مقابلہ میں چند سرمایہ دار رہ جائیں گے۔ پیدائشِ دولت میں تو اشتراکی رنگ ہوگا مگر تقسیمِ دولت میں انفرادیت کا عنصر غالب ہوگا۔ یعنی لاکھوں نفوس اکٹھے مل کر دولت آفرینی کے عمل میں شبانہ روز مشغول ہوں گے۔ مگر جب تقسیمِ دولت کا وقت آئے گا تو اس کا بیشتر حصہ چند کارخانہ داروں میں تقسیم ہو جائے گا۔ جوں جوں یہ نظامِ معیشت اس ڈگر پر چلتا جائے گا یہ پہلو نمایاں ہوتا چلا جائے گا کہ تخلیقِ دولت اجتماعی اصولوں پر ہی ہو رہی ہے اور تقسیمِ دولت میں انفرادیت کار فرما ہے۔ یہ وہ تضاد (CONTRADICTION) ہے جو نظامِ سرمایہ داری میں پیدا ہو کر اس کی ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے۔ اور اسی باطنی ٹکراؤ سے اشتراکی انقلاب کے شرارے پھوٹ نکلتے ہیں۔

جب کوئی نظام انسانی حق آسائش زندگی پر متجاوز ہونا شروع ہوتا ہے تو اس کے بطن میں کئی فتنے پرورش پانے لگ جاتے ہیں۔ ابھی ہم ایک ایسے تضاد کا ذکر کر چکے ہیں جو مزدور اور سرمایہ دار کی خونیں آویزش کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور اس آویزش کا ہر معرکہ سرمایہ داری کے لئے پیغامِ اجل ہوتا ہے۔ لیکن اس نظام کی خودکشیاں اسی پر ختم نہیں ہو

Marfat.com

جاتیں بلکہ ان میں گوناگوں ترقیاں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ مزدور تو آپس میں پیوست ہوتے ہوتے ہیں اور نادانستہ اپنے اندر اتحادِ عمل کا رنگ پیدا کرتے چلے جاتے ہیں مگر سرمایہ دار اپنے ہم جنس سے بدظن ہو کر اس کی تخریب کے درپے ہوتا ہے۔ چونکہ اس کی ساری پیداوار منڈی کے لئے ہوتی ہے اور معاشی منصوبہ بندی (ECONOMIC PLANNING) کے فقدان کی وجہ سے اس کی مقدار پیداوار کو طلب و ضرورت سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ رسد (SUPPLY) طلب (DEMAND) سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے منڈی کے بھاؤ گر جاتے ہیں اور سرمایہ دار کے متوقع منافع میں بھاری کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اب اس کا ایک علاج یہ ہے کہ کچھ کارخانے بند ہو جائیں۔ اس کے لئے کارخانہ داروں میں مقابلہ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ "مقاتلہ" شروع ہو جاتا ہے اور عیار سرمایہ دار اپنے حریفوں پر عرصۂ حیات تنگ کر کے ان کو میدانِ عمل سے نکال دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کے وسائل حیات پر چند سرمایہ دار قابض ہو جاتے ہیں۔ وہ پیدائش دولت کے عمل کی زیادہ سے زیادہ اصلاح اس طرح کرتے ہیں کہ مشینی ایجادات کو کام میں لاتے ہیں۔ اس کی زد غریب مزدور پر پڑتی ہے کیونکہ ایک مشین کئی مزدوروں کو بے کار کر دیتی ہے اور جو رہ جاتے ہیں ان کو اوقاتِ کار میں پہلے سے زیادہ عرق ریزی کرنا پڑتی ہے۔ ایک طرف بے کاری کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے، دوسری طرف جو کارخانوں میں رہ جاتے ہیں وہ جان سوز صعوبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

سرمایہ داروں کے انسانیت سوز حیلے

لیکن سرمایہ دار اپنے عمل غصب کے عواقب سے دیر تک محفوظ نہیں رہتے۔ ان پر ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ان کا تیار کردہ مال نہیں بکتا، اور جو سرمایہ اس میں صرف ہوا ہے وہ سب اکارت گیا ہے۔ اس کساد بازاری کے صدمے سے بہت سے سرمایہ دار دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی زبوں حالی کے اثرات بڑے دور رس ہوتے ہیں۔ اور اس سے بڑے بڑے بنک بھی ٹوٹ جاتے ہیں اور اسی میں سرمایہ داری کی ہلاکت ہے۔ اس کی روک تھام کے لئے سرمایہ دار بعض نہایت انسانیت سوز افعال کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ پیدا شدہ مال کو منڈیوں سے روک لیتے ہیں اور مصنوعی ذرائع سے رسد کو کم کر دیتے ہیں تاکہ بھاؤ چڑھ جائے۔ اور اگر مال کے خراب ہونے کا اندیشہ

Marfat.com

ہو تو اس کو خود ضائع کر دیتے ہیں ۔ برازیل میں لاکھوں ٹن کافی (COFFEE) دریائے ایمزان میں غرق کی جاتی رہی۔ اور اسی طرح مسیسپی میں کروڑوں ٹن دودھ دریا برد ہوتا رہا تاکہ اس کی قیمت کے انہدام سے سرمایہ داروں کے قناطیر المقنطرہ میں کوئی معتد بہ کمی نہ آجائے۔ اسی طرح اور علاقوں میں جہاں قلب و دماغ پر سرمایہ داری کا کابوس مسلط تھا اناج اور دیگر ضروریات زندگی کا الاؤ روشن کیا گیا، مبادا تباہ حال انسانیت ان کے استعمال سے گرسنگی کا مداوا کرلے اور سرمایہ داروں کے دفینوں میں کمی واقع ہو جائے۔ وضع ہلاکت کا عمل اسی پر ختم نہیں ہوتا بلکہ کارخانوں سے مزدوروں کو نکال دیا جاتا ہے اور جن کو رکھا جاتا ہے ان کو قوت لایموت سے بھی کم لینے پر رضامند کر لیا جاتا ہے۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ "سرمایہ داری" کے ارتقاء سے سرمایہ دار اور مزدور دونوں ہلاکت کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ جب حالات اور خراب ہوتے ہیں تو سرمایہ دار آپس میں اتحاد کر لیتے ہیں اور ان کے اس تعامل سے اجارہ داری (MONOPOLY) معرض وجود میں آتی ہے۔ اس سے مقابلہ کا دائرہ بہت محدود ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی چیز تیار کرنے والے کارخانہ دار مل جاتے ہیں، لیکن چونکہ یہ اتحاد عالمگیر چھوڑ ملک گیر بھی نہیں ہوتا، اس واسطے جب ایک ہی ملک میں کئی "اجارے" پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر ان میں ٹھن جاتی ہے۔ اب میدانِ مقابلہ میں حریفوں کی تعداد تو یقیناً تھوڑی ہوتی ہے مگر ان کا مقابلہ بہت شدید ہوتا ہے اور اس کے مہلک اثرات کی گیرائی بھی پہلے سے زیادہ ہوتی ہے۔ ان کی چپقلش سے لاکھوں انسان مفلس و قلاش ہو جاتے ہیں اور ملک میں معاشی ابتری پھیل جاتی ہے۔

امپیریلزم کا آغاز

جس طرح صنعت و حرفت میں معرکہ کارزار گرم ہوتا ہے اسی طرح بنک (BANKS) بھی آپس میں برسرپیکار ہوتے ہیں۔ چھوٹے بنک ٹوٹ جاتے ہیں اور سرمایہ کی فراہمی کا کام سمٹ کر چند بنکوں کے پاس آجاتا ہے۔ ان بنکوں کے مالک بھی سرمایہ دار ہی ہوتے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد یہ بنک بھی ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں تاکہ مقابلے کی شدت کم ہو اور ہلاکت سے بچنے کی صورت نکل آئے۔ چونکہ تمام سرمایہ کا منبع بنک ہوتے ہیں اس واسطے عمل انضمام کے بعد جو بنک قائم رہتے ہیں وہ ملک کے اقتصادیات پر مستولی ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

کارخانے، منڈیاں اور مواد خام کے ذخائر سب ان کی گرفت میں ہوتے ہیں۔ وہ جس رنگ میں چاہتے ہیں معاشی مشینری کو چلاتے ہیں۔ ملک کی حکومت بھی ان کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے۔ اگرچہ حکومت پر جمہوریت کا زرتار نقاب چڑھا ہوا ہوتا ہے مگر اس کے پیچھے یہی چند سرمایہ دار ہوتے ہیں جو ملک پر حکومت کر رہے ہوتے ہیں۔ مجالس آئین ساز کے نمائندے ان کے آوردہ اور پروردہ ہوتے ہیں اور تمام ملک میں قانون کی کَل ان کی مشیئت کے مطابق چلتی ہے۔ نظام سرمایہ داری ترقی کرتا کرتا اس سٹیج پر پہنچتا ہے جس کو شہنشاہیت (IMPERIALISM) کہتے ہیں۔ یہاں سے "تیشۂ فرہاد" اور "حیلۂ پرویزی" کی آخری جنگ کی جھلکیاں نظر آنے لگتی ہیں۔

امپیریلزم کے دور کے آغاز کے ساتھ عمل استحصال کا دائرہ اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ تمام دنیا اس کی زد میں آجاتی ہے۔ اور سرمایہ دار اپنی شانِ شدادی میں دور دراز ممالک کو اپنی آماجگاہ بنا لیتا ہے۔ وہاں سے مواد خام لاتا ہے اور اپنے کارخانے کی مصنوعات وہاں جا کر بیچتا ہے۔ کیونکہ اس کا اپنا ملک اس کے انتفاع کا حریف نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اس پر مکتفی نہیں ہو سکتا کہ اپنے کاروبار کو کسی ایک سٹیج پر محدود کر دے اور مزید توسیع سے مستغنی ہو جائے۔ اس کی حالت استسقاء کے مریض کی سی ہوتی ہے جو پانی پیتا جاتا ہے اور اس کی پیاس نہیں بجھتی، بعینہٖ سرمایہ دار کا کسی نقطہ پر رُکنا محالات میں سے ہے۔ چنانچہ یہ اس کی حرص و آز ہی ہے جو اس کو دنیا کے مجہول الحال حصوں میں لے جاتی ہے، جہاں وہ اپنی زرپاشی سے ملک کو "درس تہذیب" دیتا ہے۔ وہاں ریلیں اور سڑکیں بنائی جاتی ہیں۔ مدارس کا اجراء ہوتا ہے۔ جنگل کاٹ کر کھیتی باڑی کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ بطنِ ارض میں جو خزائن و دفائن ہیں ان کو باہر لایا جاتا ہے اور ان کی بدولت کارخانے قائم ہو جاتے ہیں۔ امتدادِ زمانہ سے صنعتی تہذیب کے تمام پہلو رونما ہو جاتے ہیں۔ یہ نوزائیدہ بستی کالونی (COLONY) کہلاتی ہے۔ اس کے محکوم باشندے مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے آباد کرنے والوں کے مرز و بوم کو اپنی مادرِ وطن سمجھیں اور اس کے تابع فرمان رہیں۔

سرمایہ داروں کی رقابت اور جنگ کا آغاز

اس طرح نوآبادیات کی طرح پڑتی ہے۔ ایک سرمایہ دار ملک کی استعماری سرگرمیاں

Marfat.com

دوسرے ملک کے سرمایہ داروں کو اس عمل کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور یہ لوگ بھی غیر آباد اور پسماندہ ممالک کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور وہ بھی دنیا کا کوئی نہ کوئی گوشہ ہتھیا کر اس کے "معلم" اور "مربی" بن جاتے ہیں اور اپنے ملک کی دولت میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح سرمایہ دار ممالک کا تمام روپیہ اکنافِ عالم میں پھیل جاتا ہے اور ساکنانِ ارض ان کی سیم و زر کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ان کی غلامی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ تمام زمین کے حصے بخرے ہو جاتے ہیں۔ چونکہ آئینِ سرمایہ داری میں قناعت ایک جرم ہے اس واسطے "جوع الارض" کی بڑھتی ہوئی روش نئے علاقے نہ ہونے پر بھی ختم نہیں ہوتی۔ جو نوآبادیات سے محروم ہیں وہ اپنے قدم جمانے کی فکر میں ہیں۔ جن کے پاس نوآبادیات ہیں وہ قانع نہیں ہیں اور ھَلْ مِنْ مَزِیْد کی صدائیں لگا رہے ہیں۔ ادھر خدا کی زمین باوجود اپنی پہنائیوں اور وسعتوں کے جوع الارض کے سیلاب کے آگے سکڑتی چلی جاتی ہے۔ نئے قطعات ارض نہ آسمان سے نازل ہو سکتے ہیں اور نہ سمندر ان کو اگل سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ استعماری قومیں اپنے مقبوضات کے تحفظ اور ان کی توسیع کے لئے اپنی عسکری قوت کو بڑھاتی ہیں۔ تاکہ نہ صرف کسی ہمسایہ قوم کے جارحانہ اقدام سے محفوظ رہیں، بلکہ اگر موقع ملے تو کسی کمزور ہمسایہ کو محکوم بنالیں۔ اس طرح تمام سرمایہ داروں میں ایک قسم کا اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ جب استعماری پروگرام میں پیکار ہو اور ساتھ ساتھ فوجی تیاریاں بھی ہو رہی ہوں تو جنگ کو روکنا محالات میں سے ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم بھی انہی مخاصمتوں کی وجہ سے ہوئی اور ۱۹۳۹-۱۹۴۵ء کے محاربہ عظیم کا بھی ایک ہی سبب ہے، اور وہ ہے اقتصادی رقابت۔

یہ مغربی اقوام اس دنیا کو مالِ غنیمت سمجھتی ہیں اور اس کی تقسیم پر ایک دوسرے سے الجھ پڑتی ہیں۔ اور یہ جنگ ہی ان کے نظام کے لئے پیغام اجل ثابت ہوتی ہے۔ امپیریلزم سرمایہ داری کے عروج کی انتہا۔ اور اس کی بربادی کی ابتدا ہے۔ بین الاقوامی میدانِ عمل میں تو عسکری کشمکش ہو رہی ہوتی ہے اور ادھر ملک کی دولت میں روز افزوں اضافے سے مالدار طبقے عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر ملک کے اخلاق کو تباہ کر دیتے ہیں اور مزدور کی حالت دن بدن پتلی ہوتی جاتی ہے۔ اس سے ملک میں شدید طبقاتی جنگ کی داغ بیل پڑنا شروع ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

الغرض سرمایہ دار دو محاذوں پر مصروف پیکار ہوتا ہے۔ ایک وہ محاذ جس پر اس کا حریفِ مقابل خود اس کا ہم مشرب یعنی سرمایہ دار ہوتا ہے، دوسرے محاذ پر اس کو مزدوروں کی منظم قوت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ اس کی اپنی بداعمالیاں ہی ہیں جو مزدوروں میں بیداری پیدا کر کے انھیں منظم کر دیتی ہیں۔ جب "مسکراتِ خواجگی" سارے کے سارے بے اثر ہو چکتے ہیں اور سرمایہ داری کی فتنہ سامانیاں طشت از بام ہو چکتی ہیں اور مزدور کو کسی چارہ سازی کی امید نہیں ہوتی تو وہ ناچار محض صیانتِ حیات کی خاطر اپنے ظالم آقا و مستاجر کے خلاف صف آراء ہو جاتا ہے۔

سرمایہ داری اور تمدن کا تصادم

ان ناگوار حالات کی روک تھام کے لئے سرمایہ دار بہت ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، مگر ان کا ذہن و فکر اتنا ماؤف ہو جاتا ہے کہ ان کا ہر اقدام ایک نئے فتنے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ ایک انسانیت سوز نظام سے تعمیری اور اصلاحی مساعی کی توقع کرنا فعلِ عبث ہے۔ کیا خنظل سے حلاوت کی امید ہو سکتی ہے؟ چونکہ ایجاد و اختراع سے ملک کی دولت میں افزائش ہوتی ہے اور اس سے انجام کار منڈی کے بھاؤ میں مزید انہدام کا اندیشہ ہوتا ہے اس واسطے کیپٹلسٹ اجارہ دار (MONOPOLISTS) ایجاد و اختراع کی روک تھام میں لگ جاتے ہیں۔ لینن نے اپنی کتاب میں ایک اسی قسم کا واقعہ ذکر کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ امریکہ میں کسی نے بوتل سازی کی مشین ایجاد کی، جس سے بوتلوں کی صنعت میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ ایک جرمن اجارہ دار نے اس ایجاد کے پیٹنٹ (PATENTS) خرید لئے اور ان کو چھپا دیا، تاکہ یہ ایجاد صورت پذیر نہ ہو جائے۔ اسی طرح انگلستان میں کیمیکل فرم کے مشہور عالم مالک لارڈ میلچٹ (LORD MELCHETT) ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۳ء میں لیکچر اور اخبار کے ذریعے سے اس بات کا پروپیگنڈا کرتا رہا کہ ایجادات و اختراعات انسانی بہبود کے لئے زہر قاتل ہیں، اس واسطے ان کو قانوناً ممنوع قرار دیا جائے۔ اہل کلیسا جو سرمایہ داروں کے وظیفہ خوار تھے اپنی نمک حلالی کا ثبوت دیتے رہے، وہ اپنے گرجاؤں اور معبدوں میں اجتماعی دعائیں کرتے رہے کہ اختراعی قوت انسان سے سلب ہو جائے۔ اسی طرح ماہرینِ معاشیات اور اخلاقی واعظین بھی اس بات کا پرچار کرتے رہے کہ ایجادات کا سیلاب تہذیب انسانی کو تباہ کر دے گا۔

Marfat.com

قصہ مختصر سرمایہ دار ایک سٹیج پر جاکر تمدن کو فنا کرنا چاہتا ہے اور بربریت اور وحشت کو واپس لانا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کو اپنا تحفظ نظر آتا ہے۔ مگر یہ تمام حیلے اس کو مکافات عمل کی گرفت سے نہیں بچاسکتے اور وہ کشاں کشاں ہلاکت کی وادی کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور دنیا اس کی بربادی کو برائ العین دیکھ لیتی ہے۔ بقول شاعر سرمایہ دار اپنے محبوب نظام کی لاعلاج تباہی پر بجا طور پر کہہ سکتا ہے ؎

میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

سرمایہ داروں کی خودکشی کے واقعات

اقتصادی تاریخ میں ۱۹۳۲ء کا سال انتہائی ضیق اور کساد بازاری کا سال تھا جب دنیا کے بڑے بڑے سرمایہ دار موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے اور سرمایہ داری کے تضادات (CONTRADICTIONS) واشگاف ہو گئے اور سرمایہ دار ممالک یعنی امریکہ، انگلستان، جرمنی اور فرانس نے اپنے کارخانوں اور کانوں کی پیداوار کو بقدر نصف کم کر دیا تاکہ مصنوعات کی گرتی ہوئی قیمتیں کسی ایک نقطے پر ساکن ہو جائیں۔ لیکن تباہی کا سیلاب اس طرح نہ رکنا تھا اور نہ رکا۔ اور دنیا کے کاروبار اور تجارت میں ایک جانگسل جمود پیدا ہو گیا اور کئی کروڑپتی سرمایہ دار مختلف ممالک میں دیوالیہ ہو گئے۔ ان میں سے بہتوں نے خودکشی کر لی۔ نظام سرمایہ داری کی چتا پرستی ہونے والوں کے نام قابل ذکر ہیں کیونکہ وہ اپنے اپنے میدانِ عمل میں یگانۂ روزگار تھے۔ اور ان کے اس فعل سے نہ صرف اخباری دنیا میں سنسنی پھیل گئی بلکہ صنعت وحرفت اور تجارت پر لرزہ طاری ہو گیا۔

کوڈک کیمرہ (KODAK CAMERA) سے کون واقف نہیں۔ اس کے اشتہارات ہر ملک کے ہر شہر کے ہر کوچے میں دیکھے جاتے تھے۔ مگر یہ فرم بھی ۱۹۳۲ء کی سرد بازاری کا شکار ہو گئی۔ اور اس کا مالک ایسٹ مین (EAST - MAN) ایسا متوحش ہوا کہ اس نے خودکشی میں اپنی نجات سمجھی۔

کروگر (KREUGER) کا نام محتاج تعارف نہیں۔ دنیا کے ہر حصے میں اس کے کارخانہ جات کی بنی ہوئی دیاسلائیاں استعمال ہوتی تھیں۔ اور جہاں جہاں یہ دیاسلائی

Marfat.com

روشن ہوئی اس کا نام بھی روشن ہو گیا۔ لیکن یہ فرم بھی معاشی سیلاب کے گرداب میں غرق ہو گئی اور اس کے مالک کروگر (KREUGER) نے انتہائی بے چارگی کی حالت میں اپنے آپ کو گولی کا نشانہ بنا لیا۔

اسی طرح شکاگو میں سوفٹ (SWIFT) نامی ایک سرمایہ دار تھا۔ یہ گوشت کی تجارت کرتا تھا اور اس کی تجارتی مہمات تمام مہذب دنیا پر چھائی ہوئی تھیں۔ ارجنٹائن اور آسٹریلیا میں اس کے ڈپو (DEPOT) قائم تھے اور اس میدان میں اس کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ لیکن اس کی بعید از قیاس دولت بھی اس کو المناک انجام سے محفوظ نہ رکھ سکی۔ عالمگیر کساد بازاری سے اس کے کاروبار کو شدید صدمہ پہنچا۔ جانبری کی صورت نہ پاتے ہوئے اس ملک التجار نے اپنے فلک بوس محل (SKYSCRAPER) سے چھلانگ لگا دی اور پاش پاش ہو گیا۔

نیا سنسار اور کارل مارکس کا جنتر منتر

یہ حادثات انفرادی نہ تھے بلکہ ایک عالمگیر عارضہ کی خوفناک علامات تھیں جس نے نظام معاشی کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیا تھا۔ ادھر سرمایہ داروں کی بساط الٹی جا رہی تھی اُدھر مزدور اور دہقان بھی اس طوفان بے تمیزی کے شکار ہو رہے تھے۔ سرمایہ دار ممالک میں بے روزگاری حیرت انگیز سرعت کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ امریکہ میں ۱۹۳۳ء کے وسط میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ نفوس بے کار تھے، جرمنی میں پچاس لاکھ، جاپان اور انگلستان میں تیس تیس لاکھ لوگ بے روزگاری کا شکار تھے۔ بعض ماہرین معاشیات کا اندازہ ہے کہ ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۳ء میں تمام دنیا میں بیس کروڑ انسان بے کار تھے۔

یہ اعداد و شمار سرمایہ داری کے اضمحلال کی بصیرت افروز تشریح ہیں۔ چونکہ اس نظام کی مضرت اس کی منفعت سے بڑھ گئی تھی اور خدائی قانون فاما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کے ماتحت اس کا مٹنا مقدر ہو چکا تھا اور اس کی چارہ گری انسانی طاقت سے باہر تھی۔ سرمایہ داروں کے پرانے حربے اب بیکار تھے۔ نہ وہ خود سنبھل سکتے تھے اور نہ اپنے مظلومین کی آتش انتقام کو سرد کر سکتے تھے۔ بقول لینن سرمایہ داروں نے اپنے سلب و نہب سے اپنے گورکن (GRAVE DIGGERS) خود پیدا کر لئے۔ اب جو معرکہ خونین دنیا میں برپا ہے یہ درحقیقت عمرانی تصورات کی

آتش پیکار ہے۔ صاحب بصیرت عالمگیر جنگ کی تباہیوں میں ایک نئے "سنسار" کے آثار دیکھ رہے تھے جس میں معاشی استحصال ظلم کے نام سے منسوب ہوگا۔ اور انسان اپنی حلال کی کمائی اور اپنی منفعت بخشی سے سماج میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، بقول اقبال رح

جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

کارل مارکس نے بھی سرمایہ داری کا بصیرت افروز تجزیہ کیا اور اس کی ہلاکت کی پیش بینی کی۔ اور اس کا فقرہ EXPROPRIATORS WILL BE EXPROPRIATED یعنی غاصب اپنے مقبوضات سے محروم کئے جائیں گے، علمی دنیا میں زبان زدِ خلائق ہے۔ ایچ۔ جی ویلز (H. G. WELLS) کا قول ہے کہ کارل مارکس نے عمرانی حالات کا خوب جائزہ لیا۔ مرض کی تشخیص بھی بے خطا کی۔ مگر جب نسخہ لکھنے کا وقت آیا تو بجائے کوئی دوائی تجویز کرنے کے جنتر منتر تجویز کر دیا۔

انسانی عوارض کی تشخیص کے لئے انسانی عقل کافی ہے، لیکن ان کا علاج اس کے بس کا روگ نہیں۔ اس واسطے کارل مارکس کا مجوزہ نسخہ شفا ردِ عمل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لئے اس میں تمام وہ آلودگیاں اور آلائشیں موجود ہیں جو اس ماؤف معاشرے میں تھیں۔ جس نے مارکس کے ذہن و فکر کو متاثر کیا۔ سرمایہ داری کے دور میں ہمدردانہ اعانت و معاونت کا جذبہ سرد پڑ گیا تھا۔ مذہب اس کو زندہ کرنے کے لئے ایسی تعلیمات پیش کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر انسان اخلاق فاضلہ کے اعلیٰ مقام پر جا پہنچتا ہے۔ وہ از خود ہر اس عمل سے پرہیز کرتا ہے جس سے دوسرے انسان کے حق آسائش زندگی پر تجاوز ہوتا ہو۔ وہ اپنی خوشحالی قوم و ملت کی خوشحالی میں تلاش کرتا ہے۔ اس واسطے حکومت کو جبری تعاون کے لئے قوانین مدون نہیں کرنا پڑتے۔ لیکن کمیونزم کا طریق بالکل مختلف ہے۔ اس کے نظریئے کے ماتحت اخلاقی حس اندر سے بیدار نہیں کی جاتی، یعنی انسان کے دل کے اندر کوئی ایسا تغیر نہیں پیدا ہوتا کہ وہ خود اپنے مال و دولت کو انسانی بہبود کے لئے وقف کر دے اور جابرانہ اقدام سے نفرت کرے، بلکہ اخلاقی شعور کو قانون کے زور سے دل پر وارد کیا جاتا ہے۔ یعنی حکومت مجبور کرتی ہے کہ انسان اپنے وافر مال کو اس کے سپرد کر دے۔ چونکہ یہ عمل طوعی نہیں ہوتا اس واسطے اس میں اخلاقی برتری نہیں ہوتی۔ لوگ مجبوراً کارِ خیر

Marfat.com

کرتے ہیں۔ اس کے لئے حکومت کو گیر و دار کا وسیع سلسلہ قائم کرنا پڑتا ہے۔ کمیونزم کی معراج کی منزل کبھی بھی نہیں آئی۔ جب انسان اتنے اچھے انسان بن جائیں اور ان کے باہمی تعلقات میں اتنا تناسب اور توازن پیدا ہو جائے کہ سٹیٹ بے ضرورت ہو کر ساقط ہو جائے۔ کمیونزم کا یہ بنیادی نقص ہے۔ علم و حکمت کی مہرہ بازی اور بحث و تکرار کی نمائش سے چاہے لفظاً ثابت ہو جائے کہ مارکسی نظام فکر انجام کار ایک مثالی معاشرہ معرض وجود میں لا سکتا ہے۔ چونکہ یہ عملاً نہیں ہوتا اور حکومت کو بدستور ہمہ گیر اور سخت گیر رہنا پڑتا ہے، اس واسطے مارکس کے اپنے اصول کے مطابق اس کا سارا نظام فکر باطل ہو جاتا ہے۔

اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

تیری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط خمدار کی نمائش، مریز و کجدار کی نمائش

اس کے سارے فلسفے کی جان اس کا وہ حصہ ہے جو طبقاتی جنگ سے متعلق ہے، اسی محور پر اس کے سارے دلائل و براہین چکر لگاتے ہیں۔

کمیونزم کے اجزائے ترکیبی

بقول ہیرلڈ لاسکی کمیونزم نصب العین بھی ہے اور طریقہ کار بھی۔ اس جملہ سے اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ ایک مکمل نظام حیات ہے۔ سوشلزم اس کی ابتدائی صورت ہے۔ اگرچہ عام گفتگو میں یہ دونوں مترادف سمجھے جاتے ہیں لیکن علمی اور نظری لحاظ سے یہ فرق ہے کہ سوشلزم ترقی پذیر ہو کر کمیونزم میں متبدل ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں ہی یہ ایک مکمل نظام فکر کہلا سکتا ہے۔

برٹرانڈرسل کا قول ہے کہ کمیونزم نے مذہب کی نفی کر کے ایک اور لادین مذہب بنا لیا ہے۔ اس لئے اس کا "مذہب" تاریخی مادیت ہے۔ اس کی سیاست طبقاتی جنگ ہے۔ اس کی معاشیات قدر زائد کا نظریہ ہے۔

تاریخی مادیت کا یہ مطلب ہے کہ ہر دور میں انسانی زندگی کا مرکز اور محور اس دور کا نظام پیداوار و دولت ہے۔ جس طرح اہل مذہب کا دعویٰ ہے کہ مذہب انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہو کر ان کی تشکیل کرتا ہے، اسی طرح پیداوار و دولت کا نظام

Marfat.com

کیمونزم کے نظریہ کے مطابق اپنے زمانے کے افکار کی تشکیل کرتا ہے۔ حتی کہ اس دور کا مذہب اور نظام اخلاق بھی اس نظام پیداوار دولت کے تابع ہوتے ہیں۔ کمیونسٹوں کے نزدیک سرمایہ داری کے نظام میں دولت آفرینی کا مدار حدود فراموش حق ملکیت ہوتی ہے۔ سرمایہ دار پر کوئی قدغن نہیں ہوتی۔ سرمایہ داری کے دور کا مذہب بھی غیر محدود ملکیت کے حق میں فتوے صادر کرتا ہے اور حق ملکیت کو مقید یا محدود کرنے کو الہٰی قوانین کی خلاف ورزی قرار دیتا ہے چاہے اس حدود فراموش ملکیت سے دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہوتی چلی جائے اور سارا معاشرہ سرمایہ داروں کا معاشی غلام بن کر رہ جائے۔ چنانچہ یورپ میں عیسائیت نے امارت اور ثروت کو لعنت قرار دے کر غرباء کو افلاس سے مانوس کر دیا ہے اور اہل ثروت کو مال و دولت جمع کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی۔ جب کبھی سرمایہ داروں کے سلب و نہب کے خلاف آواز اٹھی، اہل کلیسا نے اس کو خدائی قوانین کی نافرمانی قرار دے کر اس کو دبا دیا۔ حکومت بھی کلیسا کے فتاویٰ پر پابند ہو کر مزدوروں کو اپنے حق لینے سے روکتی رہی۔ اس جمود و خمود کو توڑنے کے لئے کیمونزم نے مزدوروں کو اپنے حق کے حصول کے لئے ابھارا۔ اس طرح کیمونزم کی سیاست یعنی طبقاتی جنگ نے جنم لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرمایہ دار ممالک میں بھی مزدوروں کو ہڑتال کا حق عطا ہوا۔ اسی طرح ان کی مزدوریوں کی شرحیں متعین ہوئیں اور سرمایہ داروں کی تالہ بندی پر قدغن لگا دی گئی۔

طبقاتی جنگ کے جواز کے لئے قدر زائد کا نظریہ بروئے کار آیا۔ اس کا یہ مفہوم ہے کہ ایک مزدور جتنا کام کرتا ہے اس کام کی قیمت کا عشر عشیر اس کو ملتا ہے۔ مثلاً اگر وہ روزانہ چالیس پچاس روپے کا کام کرتا ہے تو اس کو روزانہ دو یا چار روپے ملتے ہیں، باقی رقم یعنی چھتیس یا چھیالیس روپے کارخانہ دار لے جاتا ہے۔ اس طرح کارخانہ دار سرمایہ دار بنتا چلا جاتا ہے اور اس کی دولت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اسی رفتار سے مزدور کی ناداری میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب زردار اور مزدور کے درمیان ایسی وسیع خلیج حائل ہو جاتی ہے کہ سرمایہ دار اپنے آپ کو اعلیٰ انسان سمجھنے لگتا ہے اور مزدور ادنیٰ انسان متصور ہونے لگتا ہے۔ چونکہ استحصال بلکہ استغلال کا ڈراما کارخانہ کے اندر ہر وقت موجود رہتا ہے اس لئے زردار اور نادار میں مغایرت ترقی کرتے کرتے معاندت تک پہنچ جاتی ہے اور اس طرح ٹکراؤ کا سلسلہ شروع

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔ چونکہ کارخانہ میں مزدور کی عددی قوت کہیں زیادہ ہوتی ہے اور کارخانہ دار عددی لحاظ سے بہت کمزور صورت میں ہوتا ہے اس لئے مزدور کی خودی بیدار ہو جاتی ہے۔ استحصال کا منظر بڑا اشتعال انگیز ہوتا ہے۔ اس کو ڈاکٹر اقبالؒ نے بڑے موثر انداز میں یوں پیش کیا ہے ؎

دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ

یہ سوہان روح کیفیت کچھ عرصہ رہتی ہے حتیٰ کہ نقطہ احتراق آجاتا ہے۔ اس وقت کمیونزم کی سیاست یعنی طبقاتی جنگ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی علامہ اقبال نے اس طرح پیش کیا ہے ؎

توڑ ڈالیں فطرت انسان نے زنجیریں تمام
دُوریٔ جنت سے روتی چشم آدم کب تک

یہ طبقاتی جنگ سرمایہ داری کے خاتمہ اور کمیونزم کے آغاز پر منتج ہوتی ہے۔ اس کو کمیونزم کا معاشی انقلاب کہتے ہیں۔

کمیونزم اور اسلام کا موازنہ

اسلام	کمیونزم
۱۔ اسلام کا بنیادی موضوع توحید باری تعالیٰ ہے۔ اس کی تمام تعلیمات اسی موضوع کے ارد گرد گھومتی ہیں۔	۱۔ کمیونزم کا موضوع صرف مادہ ہے اور اسی پر اس نظریہ کی بنیاد ہے۔
۲۔ انسان صرف طبعی جسم سے عبارت نہیں بلکہ وہ جسم اور روح سے مرکب ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جسم کی پرورش کے لئے ہر قسم کا سامان پیدا کیا ہے اسی طرح روح کی تربیت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے وحی کا مصفا پانی نازل کیا۔ انسان جو	۲۔ انسان صرف ایک طبعی جسم ہے، موت کے بعد فنا ہو جائے گا۔

Marfat.com

کمیونزم	اسلام
	اعمال بجا لاتا ہے اس کی جزا و سزا قیامت کے دن ملے گی۔
۳- انسان کا مسئلہ صرف روٹی ہے۔	۳- انسان کا مسئلہ صرف روٹی نہیں ہے بلکہ یہ مادی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے جس کو اسلام نہایت ہی اعلیٰ رنگ میں حل کرتا ہے جس کی مثال دوسرے انسانی نظریات میں نہیں پائی جاتی۔ اگر انسان کا مطمحِ حیات صرف روٹی ہو تو حیوان اور انسان میں کیا فرق رہتا ہے۔ حیوان بھی چند دن کھا پی کر مر جاتا ہے۔ اسلام انسان کی زندگی کا مقصد عبودیت الٰہی قرار دیتا ہے اور روٹی اس مقصد کے حاصل کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔ عبودیت الٰہی سے یہ مراد نہیں ہے کہ انسان پانچ دفعہ مسجد میں حاضر ہو کر نماز ادا کرے۔ بلکہ عبودیت الٰہی سے مراد یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق بسر ہو۔
۴- دنیا مجموعہ اضداد ہے کہ ہر چیز دوسری چیز کی ضد ہے اور اضداد کی جنگ سے ایک نئی چیز پیدا ہوتی ہے جیسے سرمایہ اور محنت کی باہمی جنگ سے اشتراکیت پیدا ہوئی ہے۔	۴- دنیا مجموعہ اضداد ہے لیکن مارکسزم کی تشریح کے مطابق نہیں۔ اسلام نے اضداد کو حق اور باطل یا نور اور ظلمت کے ناموں سے تعبیر کیا ہے۔ یہ دونوں طاقتیں باہم جنگ آزما رہتی ہیں۔ ہر طاقت دوسری طاقت کو مغلوب کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسلام کے نزدیک انجام کار حق کی فتح ہوتی ہے اور باطل مغلوب ہوتا ہے۔
۵- کمیونزم دنیا کو دو طبقوں میں تقسیم کرتی	۵- اسلام طبقاتی تقسیم کو بنظرِ حقارت دیکھتا

Marfat.com

کمیونزم	اسلام
ہے۔ ایک طبقہ کو تہس نہس کرتی ہے اور دوسرے طبقہ کو حکمرانی کا تاج پہناتی ہے۔	ہے اور وحدت نسل انسانی کا پیغام دیتا ہے۔
۶۔ کمیونزم ذاتی ملکیت کو موجب فساد قرار دیتا ہے۔	۶۔ اسلام ذاتی ملکیت کو قیود اور شرائط کے ساتھ جائز قرار دیتا ہے۔
۷۔ انسان اس طاقت کے سامنے بے بس ہے جو جنگ اضداد کے پیچھے کام کر رہی ہے جس کا نام اشتراکی تاریخی وجوب رکھتے ہیں۔	۷۔ انسان اس دنیا پر حکمران ہے۔ تمام چیزیں اس کے تابع ہیں۔

سوشلزم

سوشلزم کیا ہے ؟

گزشتہ تاریخی تبصرے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سوشلزم کی تعریف کیا ہے ؟ اس کی جامع اور مانع تعریف کے متعلق بہت معرکہ آرائیاں ہوئی ہیں۔ اس کے مخالفوں کا تو کیا ذکر، اس کے حامی ایک تعریف پر متفق نہیں ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ سوشلسٹوں کی باہمی نزاع سے ان میں کئی ایک جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ اور اس تحریک کو شدید نقصان پہنچا۔ اور کسی ایک ملک یا خطہ زمین میں بھی یہ بارآور نہ ہو سکی۔ کسی نے اس کو صرف فلسفہ سمجھا اور اس کے عمرانی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا۔ کسی نے اس کو محض معاشی نظریہ خیال کیا اور اس کے لئے موزوں سیاسی نظام سے اغماض برتا۔ اور یہ پنپ نہ سکی۔ اور ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس نے اس کو فقط سیاسی بغاوت تک ہی محدود رکھا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ ان لفظی نزاعوں نے بعض اوقات خونیں تصادم کی صورت اختیار کر لی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نظریہ انسانی حیات کے گوناگوں پہلوؤں پر محیط ہونے کا مدعی ہو اس کی ماہیت کو چند الفاظ یا چند فقرات میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک عمرانی تصور ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں: ایک سلبی اور ایک ایجابی۔ سلبی سے مراد اس کی پیشرو نظام کے خلاف بغاوت ہے۔ اور ایجابی سے مراد نئے معاشی نظام کی تاسیس ہے۔ ابتداء میں سلبی پہلو بہت نمایاں ہوتا ہے اور دوست دشمن دونوں کی نظریں اس

Marfat.com

پر گڑی ہوتی ہیں۔ انسانی فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ تعمیر سے زیادہ تخریب سے متاثر ہوتی ہے۔ سوشلزم کے مخالفوں نے اس کے سلبی رخ کو بگاڑ کر اور فساد کے رنگ میں پیش کر کے سماج میں اس کے خلاف ایک رد چلائی۔ اس رد کا سد باب کرنے کے لئے حامیان سوشلزم نے لامحالہ اسی پہلو پر اور زور دیا اور قدیم نظام پر شدید نکتہ چینی کی، اس کی خامیوں کو بے نقاب کیا اور اس کے زوال کو سماج کی نجات قرار دیا۔ اس طرح اس کے خلاف آتش بغاوت کو مشتعل کیا۔ بالفاظ دیگر سوشلزم کے منفی پہلو کو اجاگر کیا۔ اس کشمکش میں ایجابی اور مثبت پہلو نظروں سے اوجھل رہا۔ سوشلسٹوں میں اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ وہ سلبی پروگرام پر متفق نہ ہو سکے۔ بعض اپنی مخالفت کو اخلاقی احتجاج تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ وہ سماج کے مصائب و آلام سے یقیناً متاثر تھے اور زردار طبقے کی چیرہ دستیوں سے ایک ٹیس محسوس کرتے تھے۔ مگر یہ کافی سمجھتے تھے کہ غالب طبقے سے انسانیت اور اخلاق کے نام پر اپیل کی جائے کہ وہ اپنے جور و تعدی سے باز آ جائے۔ ایک دوسرا طبقہ بھی تھا جو اس طرز عمل کو ناکافی خیال کرتا تھا۔ وہ اس بات کے حق میں تھا کہ اپنی صدائے احتجاج کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اگرچہ یہ لوگ بھی کھلی بغاوت سے محترز تھے، مگر وہ چاہتے تھے کہ آئینی تحریک سے معاشی خرابیوں کی اصلاح کی جائے۔ حکومت کی قانون ساز مشین پر اثر ڈال کر ایسے قوانین وضع کئے جائیں جن سے سرمایہ داروں کی قوت زوال پذیر ہو کر بالکل مٹ جائے۔

باوجود اس اختلاف کے یہ تمام اشتراکی معتدل مزاج تھے، کیونکہ یہ سیاسی بغاوت اور فوری انقلاب کو نامناسب سمجھتے تھے۔ لیکن ایسے لوگ ۱۸۴۸ء تک پورے زور سے اپنے اپنے رنگ میں سرگرم عمل رہے اور تالیف و تصنیف سے اپنے خیالات و نظریات کی تبلیغ کرتے رہے۔ لیکن اس کے بعد کارل مارکس اور انگلز منصۂ شہود پر آئے۔ انہوں نے اپنے مشہور عالم "اشتراکی منشور" سے سماج میں انقلابی اور باغیانہ جذبات پیدا کر دیئے، یعنی اپنی نوزائیدہ تحریک کے جو کمیونزم کے نام سے معروف ہے سلبی پہلو کو بغاوت کی صورت دے دی۔ اور اس پر زور دیا کہ محض اپیل اور التجا سے متمول طبقہ اپنے غلبے اور تفوق سے دستبردار نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے کہ خود بخود محض اخلاقی پند و نصائح سے دولت اور ثروت کو خیر باد کہہ دے اور زمام دست نگاہ

کو مساوات کی سطح پر لے آئے - یہ معاشی تحریک اپنی آغوش میں سیاست اور تمدن کے لیے ہزاروں فتنے لیے ہوئے تھی- امتیاز کے طور پر اس کو کمیونزم یا مارکسی اشتراکیت کہتے ہیں، لیکن ان دنوں اس کو بالشویزم کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے - یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ نام زیادہ مروج ہے- کمیونزم کی اصطلاح (اشتمالیت) لغوی لحاظ سے بھی تحریک کے مقاصد اور اغراض کی آئینہ دار ہے مگر بالشویزم کو ایسی کوئی مناسبت حاصل نہیں، یہ نام محض ایک پارٹی کے نام کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے-

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں لینن نے مارکس کے نظریے کو عملی جامہ پہنانے کی مجاہدانہ کوشش کی- اس طرح روس میں ایک پارٹی پیدا ہو گئی تھی جو زار کے انسانیت سوز نظام کو مٹا کر اشتراکی نظام قائم کرنا چاہتی تھی- اس پارٹی کا نام ڈیموکریٹک (DEMOCRATIC) پارٹی تھا- اس کے سالانہ اجلاس کبھی لنڈن، کبھی پیرس اور کبھی برلن میں ہوتے تھے- لیکن ۱۹۰۳ء میں برسلز میں سالانہ اجلاس ہوا- اس میں طریق کار پر سخت اختلاف ہوا اور پارٹی کے دو ٹکڑے ہو گئے- ایک وہ جو انقلاب اور خون ریزی کو برا خیال کرتے تھے- یہ لوگ تعداد میں کم تھے- یہ منشویک (MENSHEVIK) کہلانے لگے- منشویک روسی لفظ ہے جس کے معنی اقلیت کے ہیں- دوسری پارٹی جو انقلاب اور خون ریزی کے حق میں تھی، وہ بالشویک (BOLSHEVIK) کے نام سے موسوم ہو گئی- یہ لوگ تعداد میں زیادہ تھے- بالشویک کے لفظی معنی اکثریت کے ہیں اور ان کا لیڈر لینن تھا- اور چونکہ بالشویک پارٹی کے لائحہ عمل کو مارکس کے نظریے سے کامل اتفاق تھا- اور چونکہ لینن نے ہی ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو روس میں مستقل انقلاب برپا کیا- اور منشویکوں کے لیڈر کرنسکی کو بھاگنا پڑا- اس واسطے لینن اور اس کے رفقاء کار کارل مارکس اور انگلز کے جانشین سمجھے جاتے ہیں- اور ان کی پارٹی کے نام سے کمیونزم (اشتمالیت) بالشویزم بھی کہلانے لگ گئی ہے-

اگرچہ سوشلزم (اشتراکیت) کو کمیونزم اور بالشویزم کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور ان کے معنوی اختلاف کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے- مگر فکری اور عملی لحاظ سے ان دونوں میں بہت فرق ہے، اس کو میں آگے چل کر واضح کروں گا- مگر اس موقع پر اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ تاریخ عمرانیات میں کارل مارکس سے پہلے سوشلزم (اشتراکیت)

Marfat.com

کا دور تھا جب کہ سرمایہ داری کے خلاف جذباتِ نفرت پیدا ہو چکے تھے۔ اس کے علمبرداروں کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ انہوں نے اپنے رنگ میں کارل مارکس اور انگلز کے لئے زمین تیار کی۔ ان کی تحریک سے قلب و دماغ کی خوب قلبہ رانی ہوئی۔ اور جب کارل مارکس سٹیج پر آیا، وہ تخم ریزی کا وقت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۴۷ء میں اس کی آواز کا اٹھنا تھا کہ چار سُو آگ لگ گئی۔ اس سے پہلے کمیونزم کا برومند ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ کیونکہ جب تحریک سوشلزم کا آغاز ہوا اس وقت سرمایہ داری کا نظام پورے عروج پر نہیں پہنچا تھا۔ نئی میکانکی ایجادیں ابھی ہو رہی تھیں اور کارخانے قائم ہو رہے تھے اور مزدور جماعت کی شکل اختیار کر رہے تھے۔ لیکن سرمایہ داری نے اپنے پر پُرزے نہیں نکالے تھے اور مزدوروں میں بھی پورا شعور پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس واسطے ان حالات میں انقلابی خیالات کے پرچار کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی اور نہ کوئی ایسی ہنگامہ خیز تحریک کامیاب ہو سکتی تھی۔

سوشلزم کی پانچ خصوصیات

سوشلزم (اشتراکیت) کوئی فلسفیانہ تصورحیات نہیں اور نہ کوئی مستقل نظام فکر ہے۔ اس کے حامی سماج کی خاص رنگ میں تعمیرِ و تشکیل چاہتے تھے، مگر ان کا لائحہ عمل بہت غیر موثر تھا کیونکہ ولولہ انگیز نہ تھا۔ اس میں واعظانہ رنگ تھا۔ اور عوام جو کسی ہمہ گیر تحریک کار کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں پہلے ہی کلیسا کے پند و نصائح سے خوب سیر ہو چکے تھے۔ کیونکہ اربابِ کلیسا خود معاشی استحصال اور امراء کے سلب و نہب کے موید تھے اور اپنے اثر و رسوخ کو محض اس بات میں صرف کرتے تھے کہ ستم رسیدہ لوگ اپنے افلاس سے مانوس رہیں اور اپنی فاقہ مستیوں میں روحانی انبساط محسوس کریں۔ ان حالات میں معاشی مصلحین کا وجود کچھ زیادہ امید افزا ثابت نہ ہوا۔ تاہم ان کی اشتراکی تحریک کی بعض خصوصیات ہیں جو کارل مارکس کی انقلابی اشتراکیت سے پہلے اس کی طغرائے امتیاز تھیں۔

پہلی خصوصیت

اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ملّی مفاد کو انفرادی مفاد پر فائق سمجھتی ہے۔ اشتراکی مصلحین اس بات کا پرچار کرتے تھے کہ خود غرضی سماج کے مفاد کو نقصان پہنچاتی

Marfat.com

ہے اور ملی وحدت کو رقابت میں بدل دیتی ہے۔ کیونکہ فرد اسی صورت میں سماج کا مفید رکن ہو سکتا ہے جب اس کے اعمال سماجی ترقی کے خلاف اثر انداز نہ ہو رہے ہوں اور اس کی ترقی سے سماج میں انحطاط اور تنزل واقع نہ ہو رہا ہو۔ چونکہ سرمایہ دارانہ نظام ملی یگانگت پیدا کرنے کی بجائے سماج کو دو مخالف گروہوں میں تقسیم کر دیتا ہے، اور ان میں بالادست طبقہ اسی میں اپنا دوام اور قیام سمجھتا ہے کہ دوسرا طبقہ اس کا دست نگر رہے۔ اس لئے ایسا نظام سماج کے لئے سراسر خطرناک ہے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ حکومت معاشی وسائل پر قابض ہو جائے اور سماج کے افراد میں توازن قائم رکھے۔ افلاطون کو سوشلسٹ کہا جاتا ہے حالانکہ اس کی فکر غیر اقتصادی تھی۔ اور اس کے معاشی فلسفے کا اساسی اصول یہ تھا کہ حکومت کو کلی اختیارات حاصل ہوں اور افراد ایک خاص ضابطے کے ماتحت رہیں اور ایک دوسرے کے مزاحم نہ ہوں۔ بلکہ اخوت و مودت، شفقت اور امداد باہمی کے رشتے میں منسلک رہیں۔ سیاسی نقطہ نگاہ سے اشتراکیت کا یہ اصول ریاستی غلبے کا اصول ہے۔ اس کی تخلیق افلاطون نے کی۔ رُوسو نے اس کا احیا کیا اور فشتے اور ہیگل نے اس کو فلسفے کے پیرہن میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور جرمنی میں ٹرلشک اور برن ہارڈی نے اس کو سیاسیاتِ عالم میں نافذ کیا۔ لیکن نظری اور عملی لحاظ سے اس اصول میں بہت سقم ہیں۔ حکومت جب تمام شعبہ ہائے حیات پر مسلط ہو جائے تو فرد محض ایک کل پُرزہ ہو کر رہ جاتا ہے، اس کی ذہنی اور دماغی ترقی رُک جاتی ہے اور گفتار و کردار کی آزادی بالکل مٹ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ "ملی حکومت" محض تصور ہی تصور رہ جاتا ہے۔ اور عملاً ایک خاص جماعت سوشل سٹیٹ کے لباس میں تمام سماج پر حاوی ہو جاتی ہے اور دوسری جماعتوں کو ضعیف کرتی چلی جاتی ہے۔ اور اگر ان جماعتوں میں بیداری پیدا ہو جائے تو پھر پیکار اور کشمکش کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، جس کا انسداد سوشلزم کا مقصد وحید ہے۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ سوشلزم خود اپنے عمل سے "ملی وحدت" کو انتشار اور تصادم میں بدل دیتی ہے۔

دوسری خصوصیت

سوشلزم کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ سماج میں معاشی مساوات پیدا کرنے کی تحریک ہے۔ یہ اس کا اخلاقی پہلو ہے۔ اور مفلوک الحال لوگوں کے لئے بہت جاذب توجہ

Marfat.com

ہے اور خود تحریک کی بنیاد ہے۔ سرمایہ داری میں انفرادیت ہوتی ہے اور ہر فرد اپنے اعمال و افکار میں آزاد ہوتا ہے۔ اور سماج میں ایک قسم کی روح مسابقت کارفرما ہوتی ہے۔ اسی بناء پر ایک خاص طبقہ زندگی کی دوڑ میں آگے نکل جاتا ہے اور دوسرا طبقہ پیچھے رہ جاتا ہے۔ لیکن سوشلزم کے علمبردار چاہتے ہیں کہ یہ کیفیت پیدا نہ ہو۔ یعنی تمام افراد کے لئے وسائل زندگی مساوی ہوں۔ افراط و تفریط نہ رہے اور اُجرتی غلامی مٹ جائے۔ بندہ و آقا اور آجر اور مستاجر کی انسانیت سوز تمیز کا خاتمہ کر دیا جائے۔ کیونکہ جب تک یہ حالت پیدا نہ ہو سوسائٹی کے حالات خوشگوار نہیں ہو سکتے اور تنافر و تقابل کا سماں قائم رہتا ہے۔ اور جن ممالک میں انفرادیت زوروں پر ہے وہاں سوسائٹی کی اقتصادی حالت میں شدید تفاوت نظر آتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کچھ کچھ وقفوں کے بعد کارخانہ داروں اور مزدوروں کے تصادم سے سوسائٹی کا امن برباد ہوتا رہتا ہے، جس سے سیاست اور اقتصاد کو بھی صدمہ پہنچتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ جنگ اتنا طول کھینچتی ہے کہ تمام کاروبارِ زندگی جامد اور ساکن ہو جاتے ہیں۔ انگلستان میں ۱۹۲۶ء میں مزدوروں نے عمومی ہڑتال (GENERAL STR-IKE) کر دی اور تمام ملک کی تجارت نزع کی حالت میں مبتلا ہو گئی۔ اور حکومت نے بصد دقت سینکڑوں جتن کئے اور اس امن شکن اور لرزہ خیز سانحہ کا خاتمہ کیا۔ جہاں اور جس جگہ دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہو وہاں نہ صرف معاشی ضیق کا عالم ہو گا بلکہ سیاست اور حکومت بھی اخلاقی رواداری سے عاری ہو گی۔ اور قانون قہاری کی طرف مائل ہو گا تاکہ اقتصادی ناہمواری کے عواقب کو جبراً دبا دیا جائے اور ارباب ثروت و اختیار کے دبدبے اور تفوق کو قائم رکھا جائے۔ جب قانون میں ایسا میلان پیدا ہو جائے گا ملک کی ذہنی اور علمی ترقی رک جائے گی۔ اور ملک کا مقتدر طبقہ تعلیم کو بھی ایسے سانچوں میں ڈھال لے گا جس سے مرعوب ذہنیت کے لوگ پیدا ہوں۔ اور نظام حاضرہ کے خلاف اپنے جی میں کوئی دکھ محسوس نہ کرتے ہوں۔ جب علمی انحطاط کا یہ عالم ہو تو مذہبی ادارے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اگر مذہبی رہنما موجودہ نظام سماج کے خلاف آواز اٹھائیں تو بھی قانون کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے اور غالب طبقے کے ہمنوا اور ثناء خوان ہو جاتے ہیں تو سماج کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے۔

الغرض بے رحم سرمایہ داری کے یہ "ثمرات" ہیں۔ اشتراکی رہنما ان حالات کو بدلنا

Marfat.com

چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد بے شک بہت بلند ہے اور اس سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ان کی تحریک کا نقطۂ آغاز جذبۂ نفرت ہے۔ وہ یہ نہیں کرتے کہ رؤسا اور شرفا کی اصلاح کریں، ان کے نظریۂ حیات کو بدلیں یا گرے ہوئے طبقہ کو اٹھائیں۔ بلکہ وہ بڑھے ہوئے طبقہ کو گرانا چاہتے ہیں تاکہ املاک و جائداد میں ہمواری پیدا ہو جائے۔ اس سے ملک میں فتنہ و فساد کی آگ لگ جاتی ہے۔ پہلے پہل ہڑتالیں ہوتی ہیں، پھر یہی طریقہ کار ترقی پذیر ہو کر بغاوت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ دراصل اشتراکیت کا دامن منظم فکر و عمل سے خالی ہے۔ اس کے رہنما نہ تو اپنے پاس کوئی ایسا پروگرام رکھتے ہیں جس کی نشر و اشاعت سے بالادست طبقے کی اصلاح ہو اور وہ اپنی معاشی روش و مسلک کو بدلنے پر راضی ہو جائیں اور ایک تندرست نظام پیدا ہو جائے۔ اور نہ مزدور کو متمرد اور باغی بنانا ان کے نصب العین کا جزو ہے۔ کیونکہ جن رہنمایان اشتراکیت یعنی سین سائمن، فوریر اور رابرٹ اوون کا ذکر ہو چکا ہے وہ ہرگز اس بات کے حق میں نہ تھے کہ مزدور نہ علم بغاوت بلند کریں اور کارخانوں کو میدان جنگ بنا دیں۔ ان کی تجاویز اصلاح کا مقصد یہ تھا کہ بغیر کسی ہنگامہ آرائی کے مزدور کو حق آسائش مل جائے۔ مگر فکری اور عملی نقائص کی وجہ سے ان کا لائحہ عمل یعنی تحریک اشتراکیت پروان نہ چڑھ سکی۔ فکری اور نظری خامیوں کا پردہ اس طرح چاک ہوا کہ ان کو قبولیت نہ ہوئی اور ان کے معترضین نے ان کو پنپنے نہ دیا۔ اور سب سے زیادہ مہلک نقص یہ تھا کہ اشتراکیت کا پروگرام یا تو سرے سے مفقود تھا، یا اتنا ادھورا اور غیر جاذب تھا کہ مزدوروں کی جماعت بندی نہ کر سکا۔ ان کو یہ کہہ دیا کہ تم کو سرفراز و سربلند کیا جائے گا اور کارخانہ داروں کو جاہ و حشمت سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ لیکن یہ بتانے سے قاصر ہے کہ یہ عمل میں کس طرح آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مساوات کی لفظی تبلیغ سے جو شعور اور بیداری پیدا ہوئی اس سے کارل مارکس اور انگلز نے فائدہ اٹھایا اور اشتراکیت کے میلانات میں انقلاب کی چنگاریاں بھر دیں۔ لوگ پہلے سے سرمایہ داروں سے کبیدہ خاطر ہو چکے تھے اور اشتراکیت کے مکتبوں میں رس مساوات بھی حاصل کر چکے تھے۔ لیکن ان کی روح کا اضطراب عمل کے لئے تشنہ تھا۔ اور جب انقلاب کی آواز اٹھی تو مزدور نتائج سے بے خبر ہو کر اور محض اپنی تشنگی کا مداوا کرنے کے لئے اس کی آواز کے پیچھے ہو لئے۔

Marfat.com

تیسری خصوصیت

سوشلزم کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اپنے پیشرو سرمایہ داری نظام کو منسوخ کرنا چاہتی ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے اصولِ حیات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ سرمایہ داری کو مٹانا اس تحریک کا معاشی پہلو ہے۔ اور میرے خیال میں یہ بہت اہم پہلو ہے۔ کیونکہ جب تک کیپٹلزم قائم ہے اور اس کے اصول کارفرما ہیں سوشلزم کی کوئی صورت بھی وجود میں نہیں آسکتی۔ سوشلزم اس نعرہ جنگ سے شروع ہوتی ہے کہ "سرمایہ" سماجی سرقہ ہے اور سرمایہ دار ڈاکو اور قزاق ہے، جس نے اپنے عمل غصب سے سماج کے کثیر حصے کو ضعیف و ناتوان کر دیا ہے۔ اور اپنے لئے قارون کے خزانے جمع کر لئے ہیں اور اپنی قزاقی کو قانون و سیاست کی مدد سے جائز قرار دے لیا ہے۔ اور اس کا آغاز اس خیال سے ہوتا ہے کہ نجی ملکیت اور حصول دولت میں ملک کا قانون مخل نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کا فرض ہے کہ کسب معاش کی انفرادی کوششوں کا محافظ و نگران ہو اور جو قوت ان میں حارج اور مزاحم ہو اس کو کچل دے۔ سرمایہ داروں کے نزدیک آزادانہ روزی کمانا اور ضرورت سے زیادہ کسب زر سے زر اندوزی کرنا ایک جائز اقتصادی فعل ہے، چاہے اس کے نتیجے میں سوسائٹی کا بیشتر حصہ افلاس کا شکار ہو جائے۔ وہ اس بات سے نہیں گھبراتے کہ مفلوک الحال لوگوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور روز افزوں بے روزگاری سے ملک کا امن مخدوش ہو رہا ہے اور ملک میں امراض اور وباؤں نے ڈیرا ڈال دیا ہے۔ ان کے بنائے ہوئے قانون میں کوئی ردعمل نہیں پیدا ہوتا۔ ان کی حکومت اس کے لئے خاطر خواہ چارہ جوئی کرنا اپنا فرض نہیں سمجھتی۔ مگر جب مفلس اور بدحال طبقہ حق آسائش زندگی کے لئے مطالبہ کرے اور اپنے خونِ حیات کے چوسے جانے کے خلاف احتجاج کرے تو سرمایہ داروں کا قانون اپنی تمام قہرمانی طاقتوں کے ساتھ اس "بغاوت" کی سرکوبی کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ سوشلزم کے علمبردار سرے سے اس بات کے شدید مخالف ہیں کہ کسی کو نجی املاک پیدا کرنے کا حق حاصل ہو۔ وہ اس کو سماجی قزاقی کا نقطہ آغاز خیال کرتے ہیں اور اپنے پہلے حملے سے اس اصول کو مٹا دینا چاہتے ہیں، اور اس کی بجائے تمام وسائل حیات اور ان کی پیداوار اور تبادلہ کو حکومت کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ اس تحریک کی زد براہ راست سرمایہ داروں پر پڑتی ہے۔ ان سے جبراً ان کے املاک چھین لئے جاتے ہیں۔ ملک کی

Marfat.com

صنعت وحرفت اور تجارت کی مالک ملک کی حکومت ہوتی ہے۔ بنک، ڈاک خانے، ریلوے، تار گھر اور تمام وہ ادارے جن پر ملک کی معاشی اور سیاسی زندگی کا دارومدار ہے حکومت کے قبضے میں دے دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد حکومت ہی سرمایہ کی واحد مالک ہوتی ہے اور ملک میں مالک اور مزدور کا کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ ہر ایک فرد مجبور ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوت اور استعداد کے مطابق کام کرے اور اپنے کام کا معاوضہ حکومت سے حاصل کرے۔ یہ معاوضہ ٹکٹوں کی صورت میں دیا جاسکتا ہے جن کو دکھا کر حکومت کی قائم کی ہوئی دکانوں سے ضروریات زندگی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اور اگر حکومت چاہے تو معاوضہ سکوں کی صورت میں بھی دے سکتی ہے۔ چونکہ کوئی کاروبار انفرادی صورت میں نہیں چلایا جاسکتا اور چونکہ معاوضہ فقط ضروریات زندگی کا کفیل ہوتا ہے اس واسطے نہ یہ خطرہ ہوسکتا ہے کہ کوئی فرد پس انداز کرسکے گا اور نہ یہ کھٹکا باقی رہتا ہے کہ کوئی شخص اپنا ذاتی کاروبار چلاسکے گا۔ ملک کے تمام باشندے حکومت کی وسیع مشین کے پرزے ہوجاتے ہیں اور اپنا اپنا مفوضہ کام سرانجام دیتے ہیں۔ تصادم اور پیکار کی بجائے تعاون و تکامل ہوتا ہے۔

ایک ملک گیر اقتصادی تعاون کی تصویر الفاظ میں کھینچ دینا تو آسان ہے مگر اس کو عملی جامہ پہنانا جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس راہ میں سوشلسٹ رہنماؤں سے بڑی کوہ کنی کی ہے۔ مگر معاشی فلاح کی "جوئے شیر" ہنوز نظروں سے اوجھل ہے۔ اشتراکیت کا سرمایہ داروں کو بے دخل کرنا ہمیشہ محل نظر رہا ہے اور رہے گا۔ کارل مارکس کے لائحہ عمل کی اشاعت سے پہلے اس کے اشتراکی پیشرو کسی ایک طرز عمل پر متفق نہ ہوسکے۔ بعض ان میں سے ایسے معتدل مزاج اور امن پسند تھے کہ وہ سرمایہ داروں سے اپیل کرنا کافی سمجھتے تھے اور خیال کرلیتے تھے کہ سرمایہ دار خود بخود اپنے املاک و مقبوضات سے دست بردار ہوجائیں گے۔ فوریہ (FROWRIER) کے متعلق تاریخ میں مذکور ہے کہ وہ روزانہ گھر میں بیٹھ جایا کرتا اور ایک گھنٹہ انتظار کرتا رہتا کہ کوئی بنی نوع انسان کا ہمدرد سرمایہ دار اس کے پاس آکر اس کو اپنا تمام مال ومتاع سپرد کرجائے گا تاکہ وہ اپنی معاشی اصلاح کے اصول کے مطابق امداد باہمی کے گروپ (PHALANX) قائم کرے۔ یہ اور ایسے ہی دوسرے معاشی مصلحین خیالات کی دنیا میں بستے تھے۔ ان سے سماج کی

Marfat.com

فلاح کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن ایک دوسرا طبقہ تھا جو اس بات کے حق میں تھا کہ سرمایہ داروں سے ان کا سارا اندوختہ چھین لیا جائے۔ کیونکہ مال مسروقہ ہے اور سماج سے چرایا ہوا ہے، اس کو واگذار کر کے سماج کو دے دیا جائے۔ چونکہ اس سے بدامنی اور شورش کا اندیشہ تھا اس واسطے ان میں سے بعض کی یہ تجویز تھی کہ سرمایہ داروں کو کچھ بطور تلافی دیا جائے تاکہ یہ لوگ اشتراکیت کے خلاف بغاوت نہ کر سکیں، یا کم از کم اخلاقیات سے اپیل نہ کر سکیں کہ ان کے چھینے ہوئے اموال کے بدلے ان کو بسر اوقات کے لئے بھی کچھ نہیں ملا۔ یہ تجویز گو بظاہر بہت امن پرورہ معلوم ہوتی تھی مگر اصل میں اشتراکیت کے اصول اساسی سے انحراف کے مرادف تھی جب سرمایہ مال مسروقہ ہے، جب سرمایہ دار سماجی ڈاکو ہے تو اس سے اس کا مال چھیننا اور پھر اس کو کچھ واپس دے دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اشتراکی، یا تو سرمایہ کو بالکل سرقہ نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو سارق کو "مال مسروقہ" کے کچھ حصہ کا حق دار ضرور خیال کرتے ہیں۔ یہ دونوں صورتیں بے اصولے پن پر مبنی ہیں۔ اس پر ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ سرمایہ داروں سے ان کے اموال چھین کر قومی خزانہ قائم کرنا اور پھر اس خزانے سے ان کو حصہ رسدی دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ خزانہ کم ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ یہ مشکل بھی درپیش ہوگی کہ کتنا چھین کر واپس دیا جائے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ اصول کہ سرمایہ داروں سے چھین کر کچھ ان کو بھی دیا جائے یا ان کے کاروبار کو خرید لیا جائے بالکل ناقابل عمل ہے۔

اب دوسری صورت یہ ہے کہ سرمایہ داروں سے ان کے اموال قانون کی تعزیری طاقت سے چھین لئے جائیں اور ان سے حکومت تمام معاشی کاروبار خود چلائے۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ملک میں انقلاب رونما ہو جائے، جیسا روس میں ہوا اور اس کے نتیجہ میں تمام صاحب املاک اپنے اموال سے محروم کر دیئے جائیں اور ان کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ دوسروں کی طرح کام اور محنت سے اپنی معاش کمائیں اور جو اُجرت حکومت نے مقرر کی ہے اس پر قانع ہو جائیں۔ لیکن انقلاب سوشلزم کے اصول کے خلاف ہے۔ اس سے میری مراد وہ سوشلزم ہے جو کارل مارکس سے پہلے تھی اور اس وقت بھی ایسے سوشلسٹ موجود ہیں جو کارل مارکس کے نصب العین سے تو متفق ہیں مگر اس کے اصول کار کے مخالف ہیں۔ یعنی وہ انقلاب برپا کرنے کے حق میں نہیں

Marfat.com

ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ قانون کے نشتر سے سرمایہ داری پر عمل جراحی کیا جائے۔ مگر تاریخ اس بات کی شاہد ناطق ہے کہ قانون کا دائرہ عمل محدود ہے، وہ صرف کلیدی قسم کی صنعت و حرفت کو سرمایہ داروں کے اقتدار سے آزاد کرا سکتا ہے، اور وہ بھی تدریجی رنگ میں۔ مگر اس قسم کا ہمہ گیر اشتراکی نظام پیدا نہیں کر سکتا جو اشتراکیوں کا مطمح نظر ہے۔

الغرض اشتراکیت (جو کارل مارکس کے اصول کار سے متفق نہیں) کے نصب العین اور لائحہ عمل میں تضاد ہے۔ وہ انقلاب کو ناپسند کرتی ہے مگر سماج کی تشکیل اس طور سے کرنا چاہتی ہے جو انقلاب کی مقتضی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوشلسٹ کسی جگہ بھی باوجود قانونی اقتدار کے کامیاب نہیں ہوئے۔ جنگ عظیم کے بعد ان کو جرمنی اور اٹلی میں کافی غلبہ نصیب ہوا مگر وہ کوئی نظام معاش بروئے کار نہ لاسکے۔ اور اگر یہ کامیاب ہو جاتے تو نازی ازم اور فاشی ازم کی تحریکیں کبھی پیدا نہ ہوتیں۔ معاشی مورخوں کا پختہ خیال ہے کہ مسولینی اور ہٹلر کا عروج سوشلسٹوں کی ناکامی سے ہوا ہے۔ اور یہ اس واسطے بے نیل مرام رہے کہ ان کے آئیڈیل ان کے عمل سے ہم آہنگ نہ تھے۔ انگلستان میں بھی یہ لوگ ناکام رہے اور ناکام چلے جاتے ہیں۔ ان کے سرخیل رامزے میکڈانلڈ کا قول ہے کہ سوشلزم سرمایہ داروں کے اموال و املاک غصب کرنے سے قائم نہ ہو سکے گی۔ ۱۹۲۵ء میں سوشلزم کے حامیوں کی ایک تحقیقاتی کمیٹی بیٹھی، اور وہ بڑے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ جبری قبضہ انجام کار مضر ثابت ہوگا۔ اس سے عدل و انصاف کا خون ہوگا۔ کیونکہ کسی سرمایہ دار سے زیادہ اور کسی سے کم مال چھینا جائے گا۔ اور جس سے زیادہ چھینا جائے گا وہ یقیناً دوسرے کے مقابلے میں مظلومیت محسوس کرے گا۔ اس کے علاوہ ملک کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو جائے گا اور معاشی ابتری پھیل جائے گی اور سوشلزم کی مخالف قوتیں زیادہ طاقتور ہو کر اشتراکی پروگرام کو تباہ کر دیں گی۔

چوتھی خصوصیت

سوشلزم کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مالکان اراضیات کو بھی اپنے مقبوضات سے محروم کرنا چاہتی ہے۔ یہ خصوصیت اس نظریے پر مبنی ہے کہ زمین خدا کی ہے، اس کے بنانے میں اس کے مالک کا کوئی حصہ نہیں، نہ اس کی محنت اس میں صرف ہوئی ہے نہ اس کا سرمایہ۔ یہ خدا کی طرف سے بنی نوع انسان کو بطور بخشش کے عطا ہوئی ہے۔ اس

Marfat.com

واسطے یہ تمام انسانوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔ یہ رہزنی ہوگی کہ ایک انسان اپنی قوت و طاقت سے کسی خطہ زمین کا مالک بن جائے۔ اور دوسرے انسان اس کے اجرت خوار ہو کر اس کا کام کریں۔ اور جب وہ چاہے ان کو نکال کر دوسروں کو اپنا ملازم رکھ لے اور اسی طرح اس رئیس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد اس کی زمینوں کی مالک ہو جائے اور دوسرے لوگ بطور کارندے کام کریں۔ اور اس کی پیداوار کا واحد مالک وہ خود ہو اور اپنی مرضی سے جتنا اپنے کام کرنے والوں کو دینا چاہے دے اور محنت کشوں کو اجرت کی مقدار میں کلام نہ ہو۔

اشتراکیت کے اصولوں کے مطابق یہ نظام وحشیانہ اور انسانیت سوز ہے کیونکہ حقیقی طور پر کوئی انسان ایک انچ زمین کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اور جو آج کل قابض نظر آتے ہیں اور زرعی رئیس کہلاتے ہیں وہ ڈاکو اور چور ہیں۔ اس واسطے ان کو بے دخل کرنا اشتراکی تحریک کا مدعا و منتہا ہے۔ اور یہ تحریک بارآور نہیں ہو سکتی جب تک دیہات میں یہ حال ہو کہ ایک انسان سینکڑوں ہزاروں انسانوں کی معاش پر قابض ہو اور ان کی حالت کارخانہ کے مزدوروں سے بھی بدتر ہو۔ لیکن یہ تعجب خیز ہے کہ اشتراکیت کو اس میدان میں ناکامی ہوئی ہے۔ صنعتی شہروں میں تو مزدوروں کی انجمنیں قائم ہیں اور وہ تحریک کے لئے بطور بیج کے ہیں مگر دیہات میں کسانوں اور کاشت کاروں کی کوئی ایسی انجمن نہیں بن سکی۔ اور دیہات اشتراکی اثر و نفوذ سے محفوظ چلے آتے ہیں۔ بلکہ خود اشتراکی رہنماؤں نے یہ صورت حال دیکھ کر اپنی پالیسی میں ترمیم کر لی ہے۔ اور "ذاتی ملکیت" کے اصول کو منسوخ نہیں کیا، صرف اتنا کیا کہ بڑے بڑے رؤسا کی زرعی جائیدادوں کو چھین کر چھوٹے چھوٹے کاشت کاروں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان کو مالکانہ حقوق تفویض کر کے ان سے صرف ٹیکس کے طور پر کچھ حصہ پیداوار وصول کیا جائے۔ ۱۹۱۷ء۔۱۸ء میں روس میں بالشویک انقلاب ہوا۔ کارخانوں کو ضبط کر لیا گیا۔ شہروں میں ذاتی جائداد کے قانون کو منسوخ کر دیا مگر دیہات میں بڑی بڑی جاگیروں کو چھین کر چھوٹے کاشتکاروں میں بانٹ دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اشتراکیت کے اصول شہروں میں تو نافذ کئے جاتے ہیں مگر دیہات میں جہاں استحصال کم ظالمانہ نہیں ہوتا ان اصولوں کا اطلاق ادھورا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ حق ملکیت کو قانونی سند دے کر روسی اشتراکیت نے شکست

Marfat.com

کا اعتراف کر لیا۔ اس بے ربطی سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں :

۱۔ اشتراکیت کا بنیادی اصول کہ ملکیت کا حق صرف حکومت کو حاصل ہے تقریباً ناقابل عمل ہے۔ اس کا دائرہ عمل صنعتی شہر ہیں، دیہات میں اس کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔

۲۔ جہاں مخالفت کا خطرہ نہ ہو یا کم ہو، وہاں اشتراکی اصول عمل میں لائے جاتے ہیں اور جہاں مخالفت کا اندیشہ ہو اور جن پر ان کی زد پڑ رہی ہے وہ قانون کی گرفت سے محفوظ رہ سکتے ہوں وہاں ان پر خط تنسیخ کھینچ دیا جاتا ہے۔

۳۔ اشتراکی چھوٹے مالکانِ اراضی کو وعدۂ عافیت دے کر اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں تاکہ ان کی مدد سے بڑے بڑے مالکوں کے املاک پر دھاوا بولا جا سکے۔ گویا طریق کار اساسی نظریے سے زیادہ حالات سے متاثر ہوتا ہے۔

پانچویں خصوصیت

اشتراکی تحریک کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ سماج کے کاروبار میں مقابلے کی روح کو نابود کرنا چاہتی ہے۔ سرمایہ داری کا امتیازی نشان مقابلہ اور مسابقت ہے۔ ایک کارخانہ دار دوسرے کارخانہ دار سے نبرد آزما ہو رہا ہے۔ مزدور آپس میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ ان سب سے زیادہ خونچکاں مقابلہ محنت اور سرمایہ کی آویزش ہے، جس سے ملک کا امن خطرے میں رہتا ہے اور مزدوروں کی انجمنوں پر قانون کا تازیانہ لہراتا رہتا ہے۔ باوجود تعزیرات کی ہمہ گیری کے اقتصادی جھگڑے مہیب صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے مزاج میں پیکار اور تصادم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور اس سے سماجی فتنے آئے دن پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اشتراکیت وسائلِ حیات کی مشترکہ پیداوار سے اور حقِ ملکیت کے غصب سے اور قانونِ میراث کی تنسیخ سے سوسائٹی میں توازن و توافق پیدا کرنا چاہتی ہے۔ جب تمام باشندگانِ ملک حکومت کے اجرت خوار ہیں اور ان کی اجرت کی مقدار ان کے کام کی مقدار کے ساتھ وابستہ ہے اور حکومت مجبور ہے کہ ہر بالغ سے کام لے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مقابلے کی روح افسردہ ہو جائے گی۔

بادی النظر میں یہ اصول بہت دلآویز نظر آتا ہے اور سرسری نظر سے دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ اشتراکیت کا مقصد عالمگیر اخوت کا قیام ہے۔ بے شک اس کا مقصد یہی ہے

Marfat.com

وہ روحِ مسابقت کو مٹا کر روحِ تعامل پیدا کرنا چاہتی ہے۔ مگر اس اصول کے اطلاق میں افراط کی صورت پیدا ہو جانے سے تمام سماج پر مُردنی چھا جاتی ہے۔ تمام ہنگامے سرد پڑ جاتے ہیں۔ کاہلی اور سہل انگاری پیدا ہو جاتی ہے۔ ذہنی اور دماغی ترقیات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ کارخانہ جات کے منتظمین اپنے کام میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں کرتے۔ کام میں تنزل کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ انجام کار ملک کی اقتصادی حالت میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے اور اقتصادی خوشحالی کے مٹنے سے اشتراکیت ہی مٹ جاتی ہے۔ یہ اشتراکیت پر ایک علمی اعتراض ہے۔ روس نے پچھلی جنگ میں اس کی ایک حد تک تغلیط کی ہے، کیونکہ ملک اور معاشرے کا اس جان گداز ابتلاء سے بچ کر نکل آنا اس کی صحت کی علامت ہے۔ ہر ملک میں ففتھ کالم پیدا ہوئے یا ان کے امکانات نظر آنے لگے، مگر اس قسم کا سانحہ روس میں نظر نہ آیا۔ لیکن اس حقیقت سے کس کو مفر ہے کہ روس میں بھی ماہرین کا طبقہ برسرِ اقتدار ہے۔ اسی وجہ سے بعض عمرانی مفکر روس کے اشتراکی انقلاب کو MANAGERIAL REVOLUTION کہتے ہیں۔

سوشلزم اور کمیونزم میں فرق

سوشلزم کے چند امتیازات کی تشریح گزر چکی ہے جو سوسائٹی کی سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی پر حاوی ہیں۔ سوشل زندگی میں سوشلزم ایسے مدارج اور مراتب کو مٹانا چاہتی ہے جو درہم و دینار کی کمی و بیشی پر مبنی ہو۔ وہ تونگری اور فقیری کی خلیج کو پاٹ کر سوسائٹی کے افراد کو انسانیت کی ایک سطح پر کھڑا کرنا چاہتی ہے۔ اس کا نصب العین سماجی مساوات قائم کرنا ہے۔ اس کے حصول کے لئے وہ سیاسیات میں مؤثر اور بسیط اصلاح کرنا چاہتی ہے۔ اس کو انفرادیت سے بیر اور عناد ہے۔ وہ ایسی آزادی اور حریت کو قاطعِ مساوات تصور کرتی ہے، جس کے بل بوتے پر چند افراد یا سوسائٹی کے چند طبقے زمام کار اور امورِ مملکت پر حاوی ہو جائیں اور قانون کی آڑ میں "زبردست" جماعتوں کو ابھرنے نہ دیں۔ تحریک سوشلزم کے آغاز تک آزادی کا ایک ہی مفہوم جاری و ساری تھا، اور وہ یہ کہ ہر آدمی اپنے اپنے دائرہ عمل میں آزاد ہے۔ اور اگر چند افراد اپنی قوتِ بازو سے یا مال و منال کے زور سے فائق اور غالب ہو جاتے ہیں اور دوسرے باوجود خداداد

Marfat.com

قابلیتوں کے محض وسائل حیات کی قلت سے محتاج اور پسماندہ ہوتے ہیں تو یہ عین مقتضائے فطرت ہے۔

الغرض وکلاء انفرادیت کے نزدیک مقابلہ اور مسابقت ہی سماجی زندگی کی روح ہے۔ اور اگر بعض افراد اس مجادلہ آرائی میں ناکام رہتے ہیں تو یہ ان کا اپنا قصور ہے نہ کہ ان افراد کا جو اس پیکار میں کامیاب وکامران ہیں۔ بادی النظر میں یہ اصول بڑا جاذب اور صالح معلوم ہوتا ہے، لیکن حامیانِ سوشلزم نے اس کی مخفی خامیوں کو طشت از بام کیا۔ انہوں نے حالات کا جائزہ لیا اور سوسائٹی کی روز افزوں اخلاقی پستی اور غربت وافلاس کے وجوہ کا تجزیہ کیا۔ تو ان پر یہ بات واضح ہوئی کہ سوسائٹی کا قیام وثبات اور افراد کی باہمی آویزش دو متضاد چیزیں ہیں۔ مقابلہ اور مجادلہ کو اصولِ زندگی تسلیم کرنا سوسائٹی کے وجود سے انکار کے مرادف ہے۔ سوسائٹی تو اسی صورت میں سوسائٹی کہلا سکتی ہے جب کہ اس کے افراد میں یک جہتی، یک رنگی اور یک آہنگی ہو۔ ان کے اعمال اور مقاصد میں ربط ہو۔ وہ سب ایک لڑی میں منسلک ہوں اور ایک ہی مطمح نظر کے حصول کے لئے ایک ہی شاہراہ پر گامزن ہوں۔ اگر اس کے برعکس ان کے مفاد میں پیکار وتضاد ہو اور اعمال میں روحِ رقابت کارفرما ہو، ایک فرد کی کامیابی دوسرے کی ناکامی پر منتج ہو تو یہ سوسائٹی نہیں بلکہ ایسے افراد کا ہجوم ہے جو آپس میں برسرِ پیکار ہیں۔ یہ ہجومی صورت اسی وقت مٹ سکتی ہے جب سماج کو مقدم اور افراد کو موخر کیا جائے۔ انفرادی مفاد سماجی مفاد کے تابع ہو۔ اگر چند افراد یا چند طبقوں کی روشِ زندگی اور سرگرمیاں اسی انداز کی ہیں کہ وہ سماجی زندگی کی نقیض ہیں اور دوسرے طبقے حقوق زندگی سے محروم ہو رہے ہیں تو ایسے افراد یا طبقوں کو قانون کی قوت سے سماج کے تابع کرنا چاہیئے۔ سوشلزم کا یہ بنیادی اصول ہے کہ سماج کو افراد پر فوقیت حاصل ہے اور تمام قوانین بھی اسی اصول کے ماتحت بنتے اور نافذ ہوتے ہیں۔

چند ظاہری مشابہتوں کی بنا پر بعض اور تحریکوں کو سوشلزم کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اگر سوشلزم کی خصوصیات مذکورہ پیش نظر رہیں تو یہ التباس پیدا نہیں ہو سکتا۔ یا بھی دانستہ یا نادانستہ کسی فرعی مماثلت کو وجہ التباس بنا لیا جاتا ہے۔ اور کئی ایک ایسی تحریکیں ہیں جن کو سوشلزم سے محض ایک نسبت بعیدہ ہے مگر وہ سوشلزم متصور ہوتی

Marfat.com

ہیں۔ مثلاً دہریت، لادینی، مادیت، جمہوریت اور آزاد محبت کو سوشلزم کے نام سے پکارا جاتا ہے یا ان کو سوشلزم کی اساس تصور کیا جاتا ہے۔ بے شک سوشلزم میں خدا کے عقیدے کی کوئی جگہ نہیں۔ اس تحریک کے لیڈر دہریے اور بے دین تھے اور ہیں۔ وہ مذہب کو وحشت اور بربریت گردانتے ہیں۔ وہ مادی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کے قائل نہیں۔ وہ مادہ کے علاوہ کسی ذی القوۃ المتین ہستی کو مدبر الامر نہیں مانتے۔ وہ روح کی ابدیت اور ازلیت کے منکر ہیں۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر فقط روحانیت سے انکار اور مذہب کی مخالفت سوشلزم نہیں ہے۔ ایک دہریہ یا لاادری یا ناستک لازمی طور پر سوشلسٹ نہیں سمجھا جا سکتا۔ جب تک سوشلزم کے سوشل سیاسی اور معاشی اصول کا قائل اور حامی نہ ہو۔ اب تو ایک ایسا طبقہ پیدا ہو رہا ہے جو سوشلزم کا حامی ہے مگر مذہب کا منکر نہیں، بلکہ اشتراکی اصول مساوات کو مذہب کا جزو تا ئینفک سمجھتا ہے اور جدید توجیہات سے مذہب کو اشتراکیت کا حامی ثابت کر رہا ہے۔ سوشلزم میں اساسی اور بنیادی چیز خدا سے انکار یا مذہب سے پیکار نہیں، بلکہ اس کا مرکزی اصول یہ ہے کہ سرمایہ داری کو مٹا کر سماج میں وحدت عمل پیدا کی جائے۔ اور پیداوار دولت اور تقسیم دولت کو اس طرح عمل میں لایا جائے کہ ظالمانہ تفاوت اور غیر منصفانہ مدارج معدوم ہو جائیں۔

اسی طرح جمہوریت کو سوشلزم سمجھنا بھی فاش غلطی ہے۔ یہ نظام حکومت امریکہ اور انگلینڈ میں رائج ہے مگر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہاں سوشلزم کا دور دورہ ہے۔ اسی جمہوریت کی پناہ میں وہاں سرمایہ داری پورے زوروں پر ہے کیونکہ جمہوریت افراد کو سیاسی آزادی بخشتی ہے۔ ہر ایک کو ووٹ کا حق حاصل ہوتا ہے مگر پیداوار اور تقسیم دولت سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر موقوف ہے۔ یہ برائے نام سیاسی آزادی اقتصادی غلامی میں گم ہو کر رہ جاتی ہے اور مزدور طبقہ بطور حق کے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اگر سرمایہ داروں نے کچھ مراعات بخشی ہیں اور اوقات کار اور اجرت کار میں کمی بیشی کی ہے اور مزدور انجمنیں قائم ہوئی ہیں تو یہ سب مل کر بھی سوشلزم نہیں کہلا سکتے۔ یہ سب اصلاحات سرمایہ داروں کے ہتھکنڈے ہیں نہ کہ سوشلزم کا آغاز۔ ان سے مطمئن ہو کر مزدور اپنے حقوق سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کارخانوں میں مزدوروں کے لئے چند آسائیوں اور سہولتوں کو فراہم کرنا کسی صورت میں بھی سوشلزم نہیں کہلا سکتا۔

Marfat.com

کیونکہ سوشلزم کا آغاز تو اس کے سلبی پہلو کے ظہور سے ہوتا ہے۔ یعنی پیشرو نظام معاشیات کو پہلے منسوخ کیا جائے، اس کے بعد اس کے کھنڈرات پر اشتراکی اصول کے ماتحت سماج کی تعمیر کی جائے۔ جو اصلاحات یا ترمیمات سرمایہ داری کو علیٰ حالہٖ چھوڑ دیتی ہیں وہ نہ اشتراکیت کے نام سے موسوم ہو سکتی ہیں اور نہ وہ اشتراکی اصلاحات کہلانے کی مستحق سمجھی جا سکتی ہیں۔

اسی طرح آزاد محبت کو اشتراکیت سمجھ لینا غایت درجہ کی بے خبری ہے۔ روس میں اشتراکی نظام کے قیام سے سوسائٹی میں بعض بدعنوانیاں پیدا ہو گئیں اور عقد و فسخ نکاح بازیچۂ اطفال سمجھا جانے لگا۔ مگر اس سے یہ استنباط نہیں ہو سکتا کہ جنسی تعلقات کی بے قاعدگیاں اشتراکیت کے اصول میں سے ہیں۔ اشتراکیت ان سے بالکل مبرّا ہے۔

اجتماعی ملکیت اور سوشلزم

بعض ایسی تحریکیں ہیں جو بڑی آسانی سے اشتراکیت کے ساتھ ملتبس ہو سکتی ہیں۔ یہ COLLECTIVISM یعنی اجتماعی ملکیت اور کمیونزم (اشتمالیت) ہیں۔ جو لوگ لاعلمی سے اشتراکیت کو محض امداد باہمی کا اصول سمجھتے ہیں وہ اجتماعی ملکیت کو اس سے الگ نظام نہیں سمجھتے۔ اجتماعی ملکیت کی روشن مثالیں ریل، ڈاک خانہ، بنک، واٹر ورکس، ٹیلیگراف، ٹکسال اور دیگر اسی نوع کے ادارے ہیں۔ یہ کسی شخص واحد کی ملکیت نہیں ہوتے، ان پر حکومت کلی طور پر قابض ہوتی ہے اور کوئی بڑے سے بڑا سرمایہ دار ان کے چلانے میں شریک و سہیم نہیں ہوتا۔ ان میں تمام کارندے حکومت کے مشاہرہ دار ہوتے ہیں۔ ان سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ حکومت کے خزانے میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح جو خسارہ ہوتا ہے اس کا بار بھی حکومت کے خزانے پر پڑتا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ ان اداروں میں شخصی سرمایہ کار فرما نہیں ہوتا۔ یہ اشتراکی ادارے نہیں کہلا سکتے۔ ان کو اس انداز پر چلانے سے حکومت کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ سرمایہ داروں کو ضعیف کر کے ملک کے منفعت بخش کاروبار کو اشتراکی ڈگر پر چلائے۔ بلکہ ان کی نوعیت ہی اس طرح کی ہے کہ یہ اسی صورت میں سودمند ہو سکتے ہیں کہ ان کے چلانے میں مقابلہ و مسابقت نہ ہو۔ جہاں مقابلہ آیا وہیں ان کی افادیت مفقود ہو گئی۔ بڑے تلخ تجارب کے بعد

Marfat.com

حکومت اور رعایا اس نتیجہ پر متفق ہوئے کہ ان اداروں میں پرائیویٹ افراد کا دخل نہیں ہونا چاہیئے۔

جن لوگوں نے انگلستان کی تاریخ معاشیات کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب تک نوٹ اور سکے بنانے کا حق مختلف بنکوں کو تفویض تھا آئے دن ملک میں معاشی فتور و فساد برپا رہتا تھا اور کئی بنک دیوالیہ ہو جاتے تھے۔ کثیر التعداد لوگ بنکوں کے ٹوٹنے سے مفلوک الحال ہو جاتے تھے۔ اور حکومت کو بھی شدید صدمہ پہنچتا تھا۔ اقتصادی آفات کے تسلسل نے نظام زر (CURRENCY) کے بودا پن کو بے نقاب کیا اور حکومت کو مجبوراً اسے اپنے ہاتھ میں لینا پڑا، یعنی واحد ملکیت کو نافذ کرنا پڑا۔ یہی حال دوسرے اداروں کا ہوا۔ اور یہ سب اس وقت اور اس زمانے میں ہوا جب اشتراکیت معرض وجود میں بھی نہیں آئی تھی۔ سرمایہ دار خود حکومت کی ملکیت کلی پر رضامند تھے۔ حالانکہ اشتراکیت کا نقطہ آغاز یہ ہے کہ سرمایہ داروں کا استیصال کیا جائے۔ اس کا وجود سرمایہ داروں کی موت ہے۔ اس کے علاوہ یہ چند مخصوص اداروں پر بس نہیں کرتی بلکہ ہر قابل ذکر کاروبار کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ اس کے رہنما تدریج کو تعجیل پر ترجیح دیتے ہیں۔ بے شک یہ سرمایہ داروں کے املاک کو غصب نہیں کرتے مگر ان کو اس بات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ مقررہ معاوضہ لینے پر اپنا سارا کاروبار حکومت کی تحویل میں دے دیں اور آپ اس میں مستاجر مزدور کی حیثیت سے کام کریں۔ اس کے برعکس COLLECTIVISM یعنی اجتماعی ملکیت کے کسی اصول کا سرمایہ داروں سے تصادم نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ سرمایہ دار ہی ہوتے ہیں جو ان اجتماعی داروں سے زیادہ مستفیض ہوتے ہیں۔ ایک کارخانہ دار ریل، ڈاک اور ٹیلیگراف سے جتنا فائدہ اٹھاتا ہے وہ ایک غریب کو کبھی نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ عوام کو ان کی اتنی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

اس کے علاوہ ایک اور بات ہے جو اجتماعی ملکیت اور اشتراکیت میں خط فارق کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ ان تمام اجتماعی اداروں میں اجرت کے تعین کا اصول سراسر سرمایہ دارانہ ہوتا ہے، اور مشاہروں میں اتنا تفاوت ہوتا ہے کہ سرمایہ داری پوری شان سے جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان میں ملازم رکھنے کا اصول بھی اشتراکیت

Marfat.com

سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ ان میں معقول مشاہرہ پانے والے زر اندوزی کے عمل سے خود سرمایہ دار ہو جاتے ہیں اور اپنی ملازمت کے ساتھ ساتھ یا عرصہ ملازمت کے اختتام پر جلب منفعت کے دوسرے کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔ اور قوت لایموت پانے والے ملازم ہمیشہ افلاس کی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کی اولاد بھی اسی ہمت شکن ماحول میں پیدا ہوتی اور مر جاتی ہے۔ اور سوسائٹی میں بھیانک تفاوت کا منظر قائم رہتا ہے۔

الغرض اجتماعی ملکیت کا مقصد معاشی اصلاح نہیں بلکہ یہ مصلحت وقت کی پابند ہے۔ اقتضاء زمانہ کے ساتھ ساتھ حکومت اپنے اختیار کو وسیع کرتی چلی جاتی ہے اور کلیدی نوع کی صنعت و حرفت کو اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے۔ لیکن اس توسیع اقتدار سے سرمایہ داری کے غلبے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگر ان تمام حکومتی اداروں کا غائر مطالعہ کیا جائے تو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ ان سے ملک کو وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو ہونا چاہئیے۔ کیونکہ حکومت کی ہیئت ترکیبی میں سرمایہ داری مضمر ہوتی ہے اور اس کے ارباب حل و عقد تمام حکومتی کاروبار کو سرمایہ دارانہ انداز سے چلاتے ہیں، جن سے بالآخر خود ان کو فائدہ ہوتا ہے اور عامۃ الناس ویسے کے ویسے ہی محروم رہتے ہیں۔ یہ صریح غلطی ہوگی اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ میدان صنعت و حرفت میں حکومت کی مداخلت سے سرمایہ داری کا میدان عمل تنگ ہو جاتا ہے اور ان کے ذرائع جلب منفعت محدود ہو جاتے ہیں۔ یہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ پہلے سے تمام انواع و اقسام کے کاروبار دو عنوانوں میں منقسم ہوں: ایک حکومتی اور دوسرا نجی۔ اگر ایسا ہو تو ایک کی توسیع سے دوسرے میں لازمی طور پر تخفیف ہو جائے گی۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً سرمایہ دار اجتماعی ملکیت سے کمزور ہو جاتے اور ان کی دراز دستیاں برابر گھٹتی چلی جاتیں۔ اور انجام کار ان کی نجی تجارتیں بطور ضمیمہ کے رہ جاتیں۔ لیکن صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ کاروبار کی دنیا میں کوئی معین اور ابدی تقسیم نہیں، بلکہ آئے دن نئی شاہراہیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور نئی سے نئی معاش کی صورتیں منصۂ شہود پر آتی رہتی ہیں۔ اور سرمایہ دار دانش و دولت سے ترقی پذیر ہو کر بہت گیرائی حاصل کر لیتا ہے۔ مثلاً ایجنسی کے کام کو لیجئے۔ اس کو دولت آفرینی سے براہ راست کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن تدریجی نشو و نما سے یہ تمام دنیا پر حاوی ہو گیا ہے اور کاروباری دنیا کی رونق اور سرگرمیاں اس کی بدولت

Marfat.com

قائم ہیں۔ اور یہ حکومت کے دستِ تصرف سے آزاد ہے حالانکہ تقسیم دولت کا ایک موثر آلہ ہے۔ جب تک نجی کاروبار کو قانوناً بند نہ کیا جائے محض اجتماعی ملکیت کا اصول معاشی خوشحالی کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ بڑی وسیع اور ہمہ گیر صنعتوں کو اپنے قبضہ میں سمیٹنے کے بعد حکومت سرمایہ داروں کے توسنِ فکر کو ایسے میدانوں اور وادیوں میں آزاد چھوڑ دیتی ہے جن میں نقصان کا اندیشہ کم اور ترقی کی امید زیادہ ہوتی ہے۔ اور وہ کام براہِ راست حکومت کے مقبوضہ کام سے مستفیض ہو رہے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس حکومت جن کاموں پر ہاتھ ڈالتی ہے ان میں اس کو اتنا سرمایہ غرق کرنا پڑتا ہے جو بڑے سے بڑے سرمایہ دار کو بھی متذبذب کر دیتا ہے۔ اور آج تک کوئی مثال نہیں ملتی جب سرمایہ داروں نے ریل، ڈاک خانہ، ٹیلی گراف، ٹکسال اور دیگر ایسے اداروں کو حکومت کے قبضے میں چلے جانے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہو، بلکہ قانون ساز ایوانوں میں سرمایہ داروں کی اکثریت قانون کو اسی جانب چلاتی ہے۔ حالانکہ جب ملک کے کاروبار میں اشتراکیت کا خفیف سا رنگ پیدا ہونے لگے یا اس کے لئے ملک کے سوادِ اعظم سے اس کا مطالبہ ہو تو اربابِ اختیار آتش زیر پا ہو جاتے ہیں اور آلاتِ تعزیر کو جنبش دے کر اس اصلاحی تحریک کو نذرِ دار و رسن کر دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں اجتماعی ملکیت کو اشتراکیت متصور کرنا ایک لغوی اور علمی مغالطہ ہے۔ اور جب تک ان کے درمیانی اختلاف کو واضح نہ کر لیا جائے کسی ایک کے حسن و قبح کی تمیز بھی نہیں ہو سکتی۔ اس صریح مغالطہ کی منظم نشر و اشاعت کا سہرا انگلستان کی فبین سوسائٹی (FABIAN SOCIETY) کے سر پر ہے۔ اس کے مایہ ناز اور مشہورِ عالم قائد سڈنی ویب اور بیٹرس ویب (SYDNY اور BEATRICE WEBB اور WEBB) اور "برنارڈ شا" ہیں۔ دنیائے تصنیف و تالیف میں ان کا پایہ بلند ہے۔ ان کی تحریرات کو ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ کارل مارکس کی "معاشی شریعت" کے اسرار و غوامض کے محرم ہیں اور درپردہ قائل بھی ہیں۔ مگر زمانہ اور ماحول کی مصلحتوں سے مجبور ہو کر انہوں نے بہت تحریف و تلبیس کی ہے اور مارکس کی آتشین اور انقلابی تحریک پر اعتدال اور رجعت پسندی کا نقاب چڑھا دیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس خیال کی تبلیغ کی ہے کہ اجتماعی ملکیت ہی اشتراکیت ہے، اور اقتصادی فلاح کے لئے یہ بس

Marfat.com

کرتی ہے۔ یہ غصب و ضبط کو مذموم خیال کرتے ہیں کیونکہ اس سے امن تباہ ہوتا ہے۔ یہ مقابلہ کو جائز خیال کرتے ہیں۔ یہ نجی کاروبار کے مخالف نہیں۔ البتہ اس بات کے مؤید ہیں کہ حکومت ہی خود قانون سے کوئی فوری تغیر پیدا کر دے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حالات کی رو غاصبانہ سرمایہ داری کے خلاف ہے۔ جس طرح نظام جاگیرداری دستبرد زمانہ سے مٹ گیا ہے اسی طرح سرمایہ دار بھی مرور زمانہ سے اپنی قوت سے محروم ہو جائیں گے۔ اور جو نظام خود بخود انحطاط کی منزلیں طے کرتا ہوا سکرات موت کی طرف گامزن ہے اس کی موت و تباہی کو انقلاب سے وقوع میں لانا خطرناک ہوگا۔ اور سماج کو ایسا نقصان پہنچے گا جس کی تلافی کرنا اشتراکی مصلحین کے لئے بھی ناممکن ہو جائے گا۔

کمیونزم اور سوشلزم

جس طرح اجتماعی ملکیت اور سوشلزم میں جعلی مشابہت معلوم ہوتی ہے اور ایک عامی انسان فیبین سوسائٹی کے مبلغوں کی چرب زبانی سے دھوکا کھا کر دونوں تحریکوں میں مابہ الامتیاز نہیں دیکھ سکتا، اسی طرح کمیونزم اور سوشلزم میں اکثر التباس ہو جاتا ہے۔ میں نے پہلے کسی موقع پر ان کے فرق پر سرسری روشنی ڈالی ہے، لیکن اس میں محض ضمنی رنگ تھا۔ اس موقع پر جب کہ سوشلزم اور دوسری معاشی تحریکوں کے تباین اور تخالف کا موضوع زیر بحث ہے، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ کمیونزم (اشتمالیت) اور سوشلزم (اشتراکیت) کے باہمی اختلاف پر سیر حاصل بحث کروں۔ تاکہ یہ ایک دوسرے سے متمائز نظر آئیں۔ اس تفصیلی بیان کی ضرورت کچھ اس وجہ سے بھی ہے کہ نہ صرف روزمرہ گفتگو میں بلکہ تحریروں میں بھی ان دونوں اصطلاحات کو غیر ذمہ دارانہ طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور ان کے امتیازی اوصاف عام نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک کھلا راز ہے کہ انگلستان میں لیبر پارٹی کو سیاسی وقعت حاصل ہے، اور کئی دفعہ جنگ عظیم کے بعد یہ پارٹی حکومت بھی کر چکی ہے۔ اس کا نصب العین اور اصول کار سرمایہ داروں سے مختلف ہیں، کیونکہ ان کی اصلاح کا میلان اشتراکی ہے۔ بایں ہمہ کمیونسٹوں پر اس پارٹی کے دروازے بند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونسٹوں نے ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنائی ہوئی ہے۔ اگر لیبر پارٹی کا کوئی رکن اشتمالی رجحان کا اظہار کرے اور انقلابی لائحہ عمل کو

Marfat.com

ترجیح دے تو اس کو فوراً پارٹی سے نکال دیا جاتا ہے۔ یہ حالات اس بات کا ناقابل انکار ثبوت ہیں کہ سوشلزم اور کمیونزم میں مغائرت ہے اور علمی زاویہ نگاہ سے دیکھنے والا اور مطالعہ کرنے والا اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

لینن نے اپنی کتاب STATE AND REVOLUTION میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو چیز عام طور پر سوشلزم سمجھی جاتی ہے وہ کارل مارکس کے نزدیک کمیونسٹ سوسائٹی کی ابتدائی اور ادنیٰ شکل ہے اور طویل ارتقاء کے بعد سوشلزم کمیونزم کے درجے تک پہنچتا ہے۔ ان میں اتنا ہی فرق ہے جو جرثومہ تولید اور کامل انسان میں فرق ہوتا ہے۔ کمیونسٹ نظام من کل الوجوہ ایسا نظام ہے جو مارکس قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے خدوخال میں سرمایہ داری کا کوئی شائبہ تک نہیں رہتا۔ اس کے برعکس سوشلزم اس کے لئے بمنزلہ ہیولیٰ کے ہے۔ اس کے نقش و نگار میں سرمایہ داری کا کچھ نہ کچھ رنگ و روغن ضرور نظر آجاتا ہے۔ مگر زندہ سوشلزم وہی ہوگی جو کمیونزم کی سٹیج سے پہلے کسی نقطہ پر قرار پذیر نہ ہو۔ جہاں یہ ساکن ہوئی وہیں اس میں جمود و تعطل کا عارضہ پیدا ہو جائے گا اور سرمایہ داری عود کر آئے گی۔ جو سوشلزم کمیونزم پر آکر ختم نہیں ہوتی وہ حکومتی سرمایہ داری (STATE CAPITALISM) ہو کر رہ جاتی ہے اور سماجی زندگی پر اس کے اثرات تقریباً ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے قدیم سرمایہ داری کے۔

کمیونزم اور سوشلزم میں اقتصادی، سیاسی اور سوشل اختلافات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا فرق یہ ہے کہ سوشلزم صرف زمین اور سرمایہ کی نجی ملکیت کے اصول کو منسوخ کرتی ہے باقی اشیاء میں اس اصول کا وجود و قیام اس کے اصول سے متعارض خیال نہیں کیا جاتا۔ اس کے برعکس کمیونزم نجی املاک کو سرے سے اڑا دیتی ہے اور کمیونسٹ نظام میں کوئی شخص کسی چیز کو بھی اپنی ذاتی ملک نہیں سمجھ سکتا۔ اس کا اثاث البیت بھی اس کی جائیداد متصور نہیں ہوتا یعنی وہ اس کو جلب زر کا ذریعہ نہیں بنا سکتا۔ اصول اشتراک کو انسانی زندگی کے ہر ممکن پہلو پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ یہ اسی غلو کا نتیجہ ہے کہ کمیونزم کے معترضین نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہ بیوی اور بچوں میں بھی اشتراک کی مقتضی ہے۔ اور جو سوسائٹی اس اصول پر استوار ہوتی ہے اس میں ازدواجی تعلقات کی وہ نوعیت نہیں ہوتی جو عام معروف ہے۔ اسی طرح والدین اور اولاد کا رشتہ بھی اشتراک کے نشتر سے منقطع نہیں تو ضعیف ضرور

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔ کمیونسٹ ملک میں خاندانی زندگی حقیقت اور عملیت سے معرّا ہوتی ہے، اور محبت و قرابت سراب ہو کر رہ جاتے ہیں جہاں یوم ولادت ہی سے بچے پبلک دایہ خانوں میں داخل کر دیئے جائیں اور ان کی پرورش اور تربیت کا سارا بوجھ حکومت کے دوش پر ہو۔ اور ماں باپ محض دیکھنے کے ہی مجاز ہوں وہاں فیملی زندگی کیسے ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں نے اس معاشی بدعت کی کارستانیوں اور فسوں سازیوں کا روحانی پہلو سے مطالعہ کیا ہے وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ کمیونزم میں ایک فرد کی روح بھی اپنی روح نہیں ہوتی۔ الغرض کمیونزم زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہوتی ہے مگر سوشلزم صرف آلات پیدائش دولت کو مشترک ملکیت قرار دیتی ہے۔

(۲) دوسرا فرق تقسیم دولت سے متعلق ہے۔ سوشلزم ہر کام کرنے والے کو اس کے کام کی نوعیت و مقدار کے مطابق معاوضہ دیتی ہے۔ اس میں انفرادیت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ کمیونزم ہر ایک کو اس کی ضروریات و حاجات کے مطابق اجرت دیتی ہے۔ کام کی مقدار کو مزدوری کے تعین میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ رامزے میکڈانلڈ اپنی کتاب تحریک اشتراکیت (THE SOCIALIST MOVEMENT) میں رقمطراز ہے کہ کمیونزم اس مفروضے پر مبنی ہے کہ دولت کا ایک مشترکہ ذخیرہ ہے اور سماج کے ہر فرد کو اجازت ہے کہ وہ اپنے حق آسائش زندگی کی تکمیل کے لئے اس ذخیرے میں سے جتنا چاہے لے لے، اس کی محنت اس کی مزدوری پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔ کمیونزم اور سوشلزم میں اجرت کا یہ اصول بھی بنیادی اختلاف کی حیثیت رکھتا ہے۔ سوشلزم کا اصول یہ ہے کہ ہر ایک آدمی سے اس کی صلاحیتِ کار کے مطابق کام لیا جائے اور اس کو اس کے کام کے مطابق اجرت دی جائے۔ کمیونزم اس پر صاد کرتی ہے کہ ہر آدمی اپنی اہلیت و قابلیت کے مطابق کام کرے۔ مگر اس کے نزدیک اجرت کی تجویز کے وقت اس کی ضروریات کو ہی دخل ہو اور اجرت اس کی ضروریات کی کفیل ہو سکے۔ لینن بھی یہ کہتا ہے کہ مزدوری کو محنت کے مطابق دینا سرمایہ داری کی ایک ہلکی سی صورت ہے۔ لیکن وہ مصلحتِ وقت کو نظر انداز نہیں کرتا۔ وہ اس بات کا حامی ہے کہ عبوری عرصہ میں مزدوری کو اسی اصول کے مطابق دینا ضروری ہوگا۔ ہاں جب نظام کمیونزم درجۂ کمال کو پہنچ جائے اس وقت مزدوری ضروریات کو مدنظر رکھ کر دینی چاہیئے۔ چونکہ اس اصول اجرت میں خطرناک نقائص تھے اور یہ پیدائش دولت

Marfat.com

پر اثر انداز ہو رہے تھے اور اسی کی بدولت افراد کام میں سست ہو رہے تھے۔ اس لئے سٹالن نے اجرت کے اصول کو سوشلزم کے اصول کے مطابق کر دیا ہے۔ اب روس میں کام کرنے والے اپنے کام کی نوعیت اور مقدار کے مطابق معاوضہ پاتے ہیں۔ اگر ضروریات کو معیار بنایا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ ہو گا کہ کارندے کام سے غافل ہو جائیں گے اور اپنی ضروریات کو بڑھا چڑھا کر پیش کریں گے۔ اور عملاً صورت یہ ہو جائے گی کہ ہر ایک سے اتنا کام لیا جائے جتنی اس کو کام سے رغبت ہو۔ اور اس کو معاوضہ اتنا دیا جائے جتنے کی وہ خواہش کرے۔ اگر اس کو اور اختصار سے بیان کیا جائے تو یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ ایک سے کچھ کام نہ لیا جائے اور ہر ایک کو سب کچھ دیا جائے۔ اگر اس اصول کو نافذ کیا جائے گا تو دولت کی پیداوار یک قلم رک جائے گی اور ملک میں قحط و افلاس کی بلا نازل ہو جائے گی۔ حیرت کا مقام ہے کہ لینن جیسا باعمل رہنما اور دیدہ ور قائد جس نے حالات کی رعایت سے اپنے اصول میں رد و بدل کر لیا اور ان کو عملیت کا جامہ پہنانے میں کوشاں رہا وہ بھی مارکس کے اصول اجرت کا قائل رہا۔ وہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ سوسائٹی کو اس بات کی ضرورت نہ ہو گی کہ وہ اشیاء کا اندازہ لگائے تاکہ ان کی تقسیم میں سہولت ہو۔ تمام قسم کی چیزیں بافراط ہوں گی اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق مل جائے گا۔ یہ تصور شیخ چلی کے خواب سے مختلف نہیں۔ آج تقریباً نصف صدی کے عمل کے بعد بھی کمیونزم روس میں "جنت ارضی" پیدا نہیں کر سکی جس میں ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق ملنے کا وعدہ لینن نے کیا تھا۔

(۳) تیسرا فرق تقسیم دولت کے اصولی فرق سے پیدا شدہ ہے۔ یہ "تبادلہ" دولت سے متعلق ہے۔ سوشلزم مسکوکات اور کرنسی کے استعمال کو ناگزیر سمجھتی ہے لیکن کمیونزم کے نزدیک ان کا وجود عبث اور لایعنی ہے۔ جس طرح جنگل میں جانوروں کو اس کی ضرورت نہیں اسی طرح کمیونسٹ سوسائٹی میں بھی افراد کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ جب ہر شخص اپنی ضرورت و اشتہا کے مطابق متمتع ہو رہا ہے تو اس کو روپوں پیسوں کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ اگر کسی ملک میں کمیونزم بدرجہ اتم نافذ ہو جائے تو کرنسی کا سارا نظام بھی منسوخ ہو جائے گا اور آمدنی (ماہانہ ہو یا سالانہ) کا تصور بھی مٹ جائے گا۔ اور ہر آدمی کو اس کی ضروریات کی تسکین کے لئے ملی ذخائر سے سامان مل جایا کرے گا اور تہذیب اپنے موجودہ اقدار معیار سے دست بردار ہو کر اس عہد عتیق کی طرف لوٹ جائے گی

Marfat.com

جو بربریت کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ جب تک سوشلزم رہتی ہے تہذیب و تمدن میں کوئی گہرا اختلال واقع نہیں ہوتا۔ یہ اپنے پیشرو نظام کی اصلاح یافتہ تصویر ہوتی ہے۔ اس میں صرف ان اوضاع و اطوار کو بدلا جاتا ہے جو سوسائٹی میں عدم مساوات کا رنگ پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن کمیونزم کے حامی اس پر قناعت نہیں کرتے، وہ سب اداروں کو تہ و بالا کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کرنسی اور مسکوکات بھی ان کی انقلابی اصلاح کی نذر ہو جاتے ہیں۔

(۴) چوتھا فرق۔ پہلے تین اختلاف تو اقتصادی تھے جو پیدائش دولت، تقسیم دولت اور تبادلہ دولت سے متعلق تھے۔ لیکن چوتھا فرق سیاسی ہے اور اس کا تعلق سٹیٹ (حکومت) کے وجود اور عدم وجود سے ہے۔ سوشلزم کا کوئی اصول حکومت سے نہیں ٹکراتا بلکہ اس کے علمبردار اس کے بقاء اور قیام کو دل سے چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک حکومت انسانی اعمال اور سماجی تعلقات میں توازن پیدا کرنے کے لئے لابدی چیز ہے۔ اس کے برعکس کمیونزم حکومت کے وجود کو اپنے اصول معاش کے منافی سمجھتی ہے۔ کمیونسٹ سمجھتے ہیں کہ جیسے جیسے ان کے اصول جڑ پکڑتے جائیں گے حکومت کا نظام مٹتا چلا جائے گا اور اس کا کامل استیصال کمیونزم کی معراج ہوگا۔ انگلز لکھتا ہے کہ سٹیٹ کا وجود ہمیشہ سے قائم نہیں، یہ غالب طبقے کا ایک آلہ کار ہے۔ اور جب سوسائٹی میں طبقے اور جماعتیں مٹ جائیں گی تو سٹیٹ کا وجود فنا ہو جائے گا۔ کمیونسٹ سٹیٹ کو عارضی نظام کے طور پر گوارا کرتے ہیں اور اس وقت تک رکھتے ہیں جب تک سوسائٹی کمیونزم کے سلنچے میں پوری طرح ڈھل نہیں جاتی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ جب ایسا ہو جاتا ہے اس وقت نہ پولیس کی ضرورت باقی رہے گی نہ قانون فوجداری کی۔ اور تعزیرات اور عدالتوں کے دفتر بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔ جب ہر ایک فرد کے پاس متاع حیات کی فراوانی ہو گی تو تمام قسم کے جھگڑوں کا سدباب ہو جائے گا۔ یہ فرق بھی اساسی اختلاف کی حیثیت رکھتا ہے اور مذکورہ بالا امتیازات کے نتیجہ میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر واقعی تمام لوگ خوشحال ہو جائیں اور کسی چیز کی قلت نہ رہے اور کوئی بھی ایسا خطرہ نہ رہے جس سے کوئی متنفس حق آسائش زندگی سے محروم کیا جا سکے تو حکومت اور اس کے قانونی اداروں کا مٹ جانا ناگزیر ہو جائے گا۔ کیونکہ حکومت اس اصول پر مبنی ہے کہ سوسائٹی کے افراد کے حقوق میں ٹکراؤ کا ہر وقت امکان ہے۔ تجاوز اور غصب کا ہر وقت کھٹکا ہے۔ یہ خدشہ ہر وقت لاحق ہے کہ اعزہ و اقرباء میں بھی اختلاف

Marfat.com

رونما ہو کر سوسائٹی کے امن کو برباد کر دے۔ یہ خوف بھی ہے کہ بعض ارباب شرارت ایسے ہوں جو سوسائٹی میں فتور ڈالتے رہیں۔ ان خطرات کے ازالے کے لئے ضروری ہے کہ قانون کی سلطانی ہو اور قانون کے وضع نفاذ اور تعبیر کے مختلف ادارے ہوں۔ انہی کا نام حکومت ہے۔ اگر کوئی شخص یہ فرض کر لے کہ سوسائٹی کو کوئی خطرہ نہیں اور افراد اتنے مرفہ الحال ہیں کہ ان سے نقص امن کا کوئی خدشہ نہیں تو وہ یقیناً یہی خیال کرے گا کہ حکومت انسانی حیات میں حشو و زوائد کی حیثیت رکھتی ہے۔ چونکہ کمیونزم کے حامی یہی خیال کرتے ہیں اس واسطے وہ حکومت کے خیال سے متنفر ہیں۔ اس سے اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ اس معاملے میں ان کے اصول میں کوئی تضاد نہیں۔ یعنی وہ "جنت ارضی" کے خیال کے ساتھ تعزیر کے خواہاں نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا کمیونزم کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ ایسا نہیں ہو سکتا لہٰذا حکومت کے وجود کی ضرورت اظہر من الشمس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوشلزم حکومت کو بنظر استحسان دیکھتی ہے اور اس کے استحکام و استقلال کی متمنی ہے۔ سوشلزم کا رجحان ہمہ گیر حکومت (TOTALITARIAN STATE) کے قیام کی طرف ہے۔ اس کے برعکس کمیونزم رنراج (انارکزم) کی طرف مائل ہے۔ یعنی سوشلسٹ اپنے اصول کے مطابق حکومت قائم کر لیتے ہیں۔ تو ایسی حکومت بالکل مجاز ہوتی ہے کہ سماجی زندگی کے تمام شعبہ جات پر حاکم و نگران ہو۔ اور افراد مجبور ہوتے ہیں کہ اس کے تابع فرمان رہیں۔ اس کے برعکس کمیونزم حکومت کے تصور کو مٹانے کے لئے حکومت کے اختیارات کو سلب کرتی چلی جاتی ہے اور ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اس کو بالکل معدوم کر دیا جاتا ہے۔ سوشلسٹوں کی ساری تان معاشی نظم و نسق پر ٹوٹتی ہے اور کمیونسٹوں کا سارا زور "آزادی" پر خرچ ہوتا ہے۔ سوشلسٹوں کے نزدیک مثالی حکومت وہ ہے جو زیادہ ٹیکس عائد کرے اور زیادہ سے زیادہ اپنے خزانے کو عامۃ الناس کے سود و بہبود پر صرف کرے۔ کمیونزم میں ٹیکس کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ نہ کوئی حکومت ہوگی اور نہ ٹیکس لگانے کی کوئی ضرورت ہوگی، کیونکہ افراد کو بقدر ضرورت خود بخود مل جایا کرے گا۔

(۵) پانچواں فرق مساوات کے قیام کے متعلق ہے۔ سوشلزم بے شک سرمایہ دارانہ تفاوت کو ظالمانہ اور غیر انسانی سمجھتی ہے۔ لیکن اس کے نظریہ مساوات میں وہ ہمہ گیری نہیں جو

Marfat.com

کمیونزم میں ہے۔ سوشلزم میں قابلیت اور اختیار کے لحاظ سے مدارج کا ہونا ناگزیر ہے۔ وہ کوئی ایسی ہمواری اور برابری پیدا کرنا نہیں چاہتی جس میں سب افراد باوجود اپنے مختلف دماغی اور جسمانی اوصاف کے ایک سطح پر ہوں۔ سب کی آمدنی برابر ہو۔ سب کا طرز زندگی یکساں ہو اور معاشرت میں کسی قسم کی کوئی تمیز نہ ہو۔ وہ صرف ایسے اختلاف و تفاوت کو مٹانا چاہتی ہے جس کا منبع محض ثروت و دولت کی کمی اور زیادتی ہو اور جس کا منظر سرمایہ دار سوسائٹی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مگر کمیونزم تمام مدارج کو یک قلم منسوخ کرنے کے حق میں ہے۔ اگر سوشلزم کے اصول میں جبری اور ہمہ گیر مساوات کا اصول شامل کر دیا جائے تو وہ کمیونزم کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونزم کے نفاذ اور استحکام میں جبر و تشدد غالب ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سوشلزم میں ایک تدریجی اصلاح کارفرما ہوتی ہے اور طویل عرصے کے بعد سوشلسٹ نظام پوری طرح جلوہ گر ہوتا ہے۔

(۶) چھٹا فرق طریق کار کا ہے، اور یہ پانچویں فرق کی فرع ہے۔ چونکہ باقی اختلافات علمی ہیں اور یہ فرق عمل کا ہے اس واسطے یہ زیادہ نمایاں ہے۔ اور اکثر کے نزدیک تو یہی بنیادی فرق ہے۔ لہذا سوشلزم کو کمیونزم سے ممتاز کرتا ہے اور باقی سارے فرق اس کے فروع ہیں۔ کچھ بھی ہو، اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک عامی انسان اس کو زیادہ محسوس کرتا ہے۔ چونکہ سوشلزم تدریج اور ارتقاء کی قائل ہے اس لئے ملک کا معتدبہ حصہ بےخبری اور لاعلمی میں سوشلسٹ نظام اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ چونکہ کمیونزم اپنی ساری اصلاحات کو جبر اور تعدی سے نافذ کرتی ہے اس واسطے اس کی آمد روز اول سے ہی ایک محسوس حقیقت ہوتی ہے "درانتی اور ہتھوڑے" کی پہلی ضرب سے ملک میں اضطراب کی لہر دوڑ جاتی ہے اور مزدور انقلابی نعرے لگاتے ہیں۔ سرمایہ داروں کے مقبوضات پر قابض ہو جاتے ہیں۔ سوشلزم اور کمیونزم دونوں کا مطمح نظر تو ایک ہے مگر موخر الذکر اس کو فوری بروئے کار لانے کے حق میں ہے۔ اس کے لئے تشدد لازمی ہے۔ اس کے بعد کمیونزم پرولتاری ڈکٹیٹر شپ کو قائم رکھتی ہے اور تمام حکومتی اداروں کو بربریت اور ظلم کی یادگار قرار دے کر نیست و نابود کر دیتی ہے۔ سوشلزم کے نعرے پارلیمنٹ میں بلند ہو کر ملک کے قانون میں منتقل ہو جاتے ہیں اور نئے قوانین کی ضرب سے ملک کی اقتصادی زندگی میں خوشگوار تبدیلی کے آثار رونما ہونے لگتے ہیں۔ کلیدی صنعتوں پر سرکاری قبضے

Marfat.com

سے سرمایہ دار کی سطوت زوال پذیر ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ معاشی تفاوت کم اور معاشی مساوات زیادہ سے زیادہ نظر آنے لگتی ہے۔ لیکن کمیونزم کے نعرہ ہائے جنگ افلاس کے کاشانوں سے اٹھتے ہیں اور انقلاب میں منتقل ہو کر کارخانوں اور حکومت کے ایوانوں سے جا ٹکراتے ہیں۔ گلی کوچے مقتل بن جاتے ہیں اور تمام ملک میں ہلچل مچ جاتی ہے۔ اس عمل تخریب کے بعد تعمیر کا کام شروع ہوتا ہے۔ جب روس میں کمیونسٹ انقلاب برپا ہوا تو یہی خونین سماں نظر آتا تھا۔ الغرض سوشلزم اور کمیونزم میں شدید اختلاف لائحہ عمل کا ہے۔ ایک ارتقاء کی حامی ہے اور دوسری انقلاب کی علمبردار۔

سوشلزم کے آئینی اور پرامن نفوذ کی مثال کہیں نہیں ملتی کیونکہ کسی ملک میں اشتراکیت کا پروگرام عمل میں نہیں آیا۔ مگر کمیونزم کی بحرانی آمد کا نظارہ روس میں لوگوں نے دیکھا اور انقلاب کے قافلے کے حدی خوانوں نے جو خونی ترانہ گایا اس کی بازگشت سے روس کی فضا آج بھی مرتعش نظر آتی ہے۔ پروفیسر چارلس سرویلی نے اپنی کتاب IMPRESSION OF SOVIET RUSSIA میں اس معاشی حزنیئے (TRAGEDY) کے مختلف پہلوؤں کو بے نقاب کیا ہے۔ انسانی خون کی ارزانی کے نظارے کو اعداد و شمار سے واضح کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۴۱ پر کشت و خون کی ایک فہرست درج کرتا ہے جو سماج کے تمام طبقوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مطالعہ سے کمیونزم کے انقلابی میلان کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے، وہ فہرست مندرجہ ذیل ہے:

طبقۂ مقتولین	تعداد مقتولین
بشپ	۲۸
پادری	۱۲۱۹
پروفیسر اور ٹیچر	۶۰۰۰
ڈاکٹر	۹۰۰۰۰
آفیسر	۵۴۰۰۰۰
فوجی سپاہی	۲۶۰۰۰۰
پولیس کے سپاہی	۷۰۰۰۰
مالکان اراضیات	۱۲۰۹۵۰

Marfat.com

طبقہ مقتولین	تعداد مقتولین
علمی اور کسبی طبقہ	۳۵۵۲۵۰
مزدور	۱۹۳۲۹۰
کاشت کار	۸۱۵۱۰۰

(۶) ساتواں فرق جو سوشلزم کو کمیونزم سے متمیز کرتا ہے وہ دائرہ عمل کا ہے سوشلزم ابتداءً ایک ملک کو اپنی جولانگاہ بنانے پر مکتفی ہو جاتی ہے۔ لیکن کمیونزم کی نظر ساری دنیا پر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بیک وقت سارے ممالک میں طبقہ جاتی جنگ چھیڑ دینے کے حق میں ہے۔ کیونکہ ایک ملک پر قناعت کرنا اپنے مقصد کے خلاف سمجھتی ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں یہ فرق صاف طور پر واضح ہو گیا۔ محارب ممالک کے اپنے اپنے سوشلسٹ فوج میں بھرتی ہو کر اپنے اپنے ملک کی طرف سے جنگ میں شریک ہوئے۔ اس کے برعکس کمیونسٹ نہ صرف جنگ میں شریک نہ ہوئے بلکہ عدم شرکت کا پرچار کرتے رہے اور قانون کی آہنی گرفت میں آ گئے۔ سوشلسٹ اس دم داعیے سے جنگ میں کود پڑے کہ اپنے ملک کی فلاح و صلاح باقی سب چیزوں سے بالا ہے اور ملک کو بچانا ان کے معاشی عقیدے کا نقیض نہیں۔ یہ ملکی عصبیت کا مظاہرہ تھا۔ کمیونسٹ اس اصول پر جنگ سے الگ رہے کہ یہ جنگ سرمایہ داروں کی جنگ ہے اور یہ نظام سرمایہ داری کے باطنی تضادات سے پیدا ہوئی ہے اور اسی کے لئے وہ عرصہ سے چشم براہ تھے۔ اب جب کہ اس کا عمل ظہور پذیر ہوا ہے اس میں کسی رنگ میں شامل ہونا خود کمیونزم کو جھٹلانا ہے۔ سٹالن اور ٹراٹسکی میں یہی اختلاف تھا۔ اول الذکر نے برسر اقتدار آکر عالمگیر انقلاب برپا کرنے کے خیال کو اپنے لائحہ عمل سے خارج کر دیا اور اس بات پر مُصر ہوا کہ پہلے روس کی حالت کو بہتر کیا جائے۔ یہ مارکس کے اصول کی روشنی میں رجعت قہقری تھی اور کمیونزم سے سوشلزم کی طرف لوٹنا ہے۔ ٹراٹسکی جو کٹر مارکسی تھا اس رجوع سے متفق نہ ہو سکا۔ اور اسی اختلاف کی بدولت اس کو ملک سے مفرور ہونا پڑا۔ جنگ عظیم سے پہلے سٹالن نے جو فوجی تیاریاں کر رکھی تھیں ان کو دوسرے ممالک کے کمیونسٹ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ ملک گیری اور عسکری نظام کمیونزم کے نظریے کے مخالف ہیں کمیونزم مزدوروں اور سرمایہ داروں میں جنگ برپا کرنے کی حامی ہے، مگر ملکی جنگوں کی سخت

Marfat.com

مخالف ہے۔ سوشلزم کو بھی جنگ سے نفرت ہے اور امن کو اپنے لئے ایک گونہ موید و معین سمجھتی ہے۔ لیکن اس کی ساخت اور بافت میں "قومیت پرستی" اور "ملکی عصبیت" کی ایسی مخفی زرتابیاں ہیں کہ جونہی کوئی معرکۂ کارزار گرم ہوتا ہے اور ملک و قوم مخدوش ہوتے نظر آتے ہیں سوشلسٹ اپنی امن پسندی کو بالائے طاق رکھ کر میدان میں کود پڑتے ہیں۔ پچھلی جنگ عظیم میں مسولینی جو مشہور سوشلسٹ لیڈر اور ایڈیٹر تھا اور جس کی ذات سے اطالوی سوشلسٹوں کی بڑی امیدیں وابستہ تھیں اٹلی کی حفاظت کے لئے جنگ کا شدید حامی ہو گیا اور خود شریک جنگ ہوا۔ دوسری جنگ عظیم میں بھی خود انگلستان میں ایسی روشن مثالیں ملتی ہیں۔ جب دارالعوام میں اعلانِ جنگ کا مسئلہ زیر بحث تھا، لیبر پارٹی اور سوشلسٹ پارٹی کے ممبروں نے بڑھ چڑھ کر جنگ کے حق میں تقریریں کیں۔ مگر دو کمیونسٹ مسٹر میکسٹن اور مسٹر گیلیکر (GALLICHER) اعلان جنگ کے مخالف تھے۔

سوشلزم اور کمیونزم میں یہ فرق اس واسطے اہم اور قابل غور ہے کہ اس کی روشنی میں دونوں قسم کی حکومتوں کی خارجہ پالیسی کے میلان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ الغرض کمیونزم بین المللی آئیڈیل کی وسعتوں میں کھو جاتی ہے اور سوشلزم ملکی عصبیت سے مغلوب ہو کر اس آئیڈیل سے منحرف و مرتد ہو جاتی ہے اور اس پر نیشنل سوشلزم کا رنگ و روغن چڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔

سنڈیکیت

سنڈیکیت (SYNDICALISM)۔ سرمایہ داری کے خلاف عالمگیر بغاوت پیدا ہو چکی تھی، اور اس بغاوت کا موسس اعلیٰ کارل مارکس تھا۔ لیکن امتدادِ زمانہ سے اور مختلف ممالک کے مخصوص حالات و کوائف کے مطابق اس بغاوت نے مختلف صورتیں اختیار کر لیں۔ اس کے بعض مظاہر کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب ہم ایک اور تحریک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو سنڈیکیت (SYNDICALISM) کے نام سے معروف ہے۔ اگرچہ اس وقت یہ اپنی اصلی صورت میں کہیں بھی موجود نہیں تاہم اس کی تاریخی اہمیت مسلّم ہے۔ اس کا زادبوم فرانس ہے۔ اس کا آغاز تنظیم سے ہوا اور اس تنظیم کو برقرار

Marfat.com

رکھنے اور اس کو ترقی دینے کے لئے مناسب اصول وضع کئے گئے۔ یعنی سنڈیکیٹ کا جنم کسی نظریے سے نہیں ہوا، اور جو نظریئے اب اس سے متعلق بتلائے جاتے ہیں وہ بعد میں بنائے گئے۔ تاکہ یہ تنظیم (انجمن مزدور) جس کے بطن سے یہ تحریک پیدا ہوئی قائم رہے۔ کیونکہ ہر منظم تحریک کے لئے کچھ اصول وضع کرنے لازمی ہیں۔ کیونکہ اصول اس کے لئے بمنزلہ خوراک اور غذا کے ہوتے ہیں اور ان سے اس تحریک کی قوت نامیہ کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ سوشلزم اور انارکزم کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ یہ دونوں تحریکیں ایک تخیل اور نظریے سے پیدا ہوئیں۔ اور تنظیم بعد میں وجود میں آئی، تاکہ اس تخیل کے لئے گوشت پوست کا کام دے۔ آگے چل کر سنڈیکیت اور دوسری معاشی تحریکوں کے فرق پر سیر حاصل بحث ہوگی۔ لیکن یہ وہ فرق ہے جو ان کی پیدائش میں مضمر ہے اور اس کا ذکر ابتدا میں کردیا گیا ہے۔

یہ خاص تحریک فرانس میں کیوں پیدا ہوئی؟ اس کے بھی تاریخی وجوہ ہیں۔ ۱۸۷۰ء کی جنگ نے تمام معاشی تحریکات کا قلع قمع کر دیا اور تقریباً سات سال تک ملک میں کوئی عمرانی اصلاح کی آواز تک بلند نہ ہوئی۔ آخر ۱۸۷۷ء میں JULES GEIESDE نے تحریک سوشلزم کو از سر نو زندہ کیا۔ لیکن سوشلسٹ کئی جماعتوں میں بٹ گئے اور ان کے اصول اور طریقہ کار میں گہرا اختلاف رونما ہو گیا۔ جو آئینی طریق کے حامی تھے، ان کے بعض لیڈر پارلیمنٹ میں منتخب ہو کر اشتراکی اصولوں سے منحرف ہو گئے۔ بلکہ خود انہوں نے اشتراکیت کو کچلنا شروع کر دیا۔ انحراف کے مسلسل واقعات سے اشتراکی جماعت میں یہ خیال راسخ ہو گیا کہ سیاست ان کی تحریک میں پیچیدگیاں پیدا کرنے کی ذمہ دار ہے اور لیڈر اپنی شاہراہ سے ہٹ کر سیاست میں جذب ہو جاتے ہیں اور اپنے سیاسی استیلاء کو قائم رکھنے کے لئے وہ خود تحریک کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

جوں جوں یہ خیال جڑ پکڑتا گیا، سیاست سے نفرت بڑھتی چلی گئی اور انجام کار یہ طے پایا کہ انجمن مزدور (TRADE UNION یا SYNDICATE) کو مرکزی حیثیت حاصل رہے اور اس کے قول و عمل میں سیاست دخل انداز نہ ہونے پائے۔ خیالات کی اس رو سے سنڈیکیت پیدا ہوئی۔ یہ مزدور کو دولت آفرین عامل (FACTOR) سمجھتی ہے۔ یہ انڈسٹری (صنعت و حرفت) کی اصلاح اور تنظیم کی خواہاں ہے اور دولت آفرینی کے

Marfat.com

عمل کو آسان اور دلپذیر بنانا چاہتی ہے۔ یہ محض مغالطہ ہے کہ اس کا مقصد فقط اجرت کی شرح کو بڑھانا ہے۔ مزدوروں کی تنظیم ہی اس تحریک کا مرکز و محور ہے، باقی کام اور محنت کی اصلاح کا خیال بعد کی چیزیں ہیں۔ تاکہ مرکز قوی سے قوی تر ہوتا چلا جائے۔ سیاست کو کلی طور پر ترک کر دینے کے بعد اس کا محاذ جنگ خود کارخانے ہو جاتے ہیں۔ اور اس جنگ کی کئی شکلیں ہیں اور ان تمام کا مقصد وحید یہ ہے کہ سوسائٹی اور سٹیٹ دونوں مفلوج ہو کر رہ جائیں اور انجمن مزدور (SYNDICANTS) کو ملک میں کامل اقتدار ہو جائے۔

جمہوری فساد میں اس تحریک کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ ابتدا میں تو یہ غیر قانونی قرار دی گئی اور اس کے حامیوں کو شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر ۱۸۸۴ء میں حکومت نے مجبور ہو کر ان مزدور انجمنوں کو رام کرنے کے لئے ان پر مربیانہ توجہ مبذول کرنا شروع کی۔ اور مالی امداد سے یہ کوشش کی کہ یہ اپنا میدان عمل سماجی اصلاح بنالیں۔ مزدوروں میں بے اطمینانی پھیلانے کی بجائے ان کو تعلیم دیں اور ان کے حقوق کے لئے پرامن مساعی عمل میں لائیں۔ لیکن یہ مصلحت آمیز نرمیاں کارگر نہ ہوئیں کیونکہ جس تحریک کا خمیر بغاوت سے اٹھایا گیا تھا وہ طوق اطاعت سے گلوگیر نہ ہو سکتی تھی۔ نتیجہ اس کے برعکس ہوا۔ یہ تحریک انتہا پسندوں کی قیادت میں آگئی۔ ۱۸۹۵ء میں انارکسٹ اس تحریک کے رہنما ہو گئے اور انہوں نے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جو "C. G. T" (CONFEDERATION GERERALE DU TRAVAIL) کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا آئیڈیل یہ تھا کہ سیاسی سرگرمیوں کو ترک کر کے صنعتی شورش پیدا کی جائے۔ اس کے لیڈر جو انارکسٹ تھے انہوں نے اپنے اصول کار کو بدل لیا تھا۔ اس واسطے وہ اب سنڈیکلسٹ کہلاتے تھے کیونکہ انارکزم میں سیاست ہی سیاست ہوتی ہے اور سنڈیکلزم میں سیاست بالکل مفقود۔ شدت عمل اور انتہا پسندی میں دونوں یکساں ہیں۔ مگر معاشی عقیدے کے لحاظ سے سنڈیکیت کمیونزم سے زیادہ مشابہ ہے۔

اجتماعی ملکیت (COLLECTIVISM) کا معاشی مطمح نظر یہ ہے کہ ملک کی دولت سب کی ملکیت ہے۔ انارکزم چاہتی ہے کہ یہ کسی کی ملکیت نہ ہو۔ سنڈیکیت اس کے برعکس یہ چاہتی ہے کہ ملک کی دولت صرف منظم مزدوروں کے قبضے میں ہو کیونکہ دولت کے اصلی پیدا کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ سنڈیکیت تمام عمرانی مسائل کا مزدور کی نظر سے

Marfat.com

مطالعہ کرتی ہے اور اصول کار اور مآل کار کو وضع کرنے میں بھی مزدور اور فقط مزدور ہی پیش نظر ہوتا ہے۔ آئیڈیل کے لحاظ سے یہ کمیونزم سے مشابہ ہے۔ شورش پسندی اور انقلاب آفرینی میں یہ انارکزم کے ہم پلہ ہے مگر بایں ہمہ یہ ان دونوں سے مختلف ہے۔ کیونکہ یہ انقلاب کا آغاز صرف کارخانوں سے کرتی ہے۔ چاہے اس کی شکل ہڑتال ہو چاہے یہ ہو کہ مزدور کارخانوں کو مسمار کر دیں۔ اور اگر اس کا فوری امکان نہیں تو مزدور اس طرح سے کام کریں کہ کارخانہ دار کو خسارہ ہو۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اتنے انہماک سے کام کیا جائے کہ کام تو عمدہ ہو مگر مقدار بہت ہی قلیل ہو اور مالک کی لاگت بہت بڑھ جائے۔ یا اتنی عجلت سے کیا جائے کہ مقدار میں اضافہ تو ہو جائے مگر مال خراب ہو۔ ایک یہ بھی صورت ہو سکتی ہے کہ مزدور اور کارخانہ داروں کے دوسرے ملازم کارخانہ کی اشیاء کے سقیم ہونے کا پروپیگنڈا کریں اور خریداروں کو کارخانہ سے بدظن کر دیں۔ الغرض کارخانہ دار کو دیوالیہ بنانے کی ہر ممکن صورت سنڈیکیت کے لائحہ عمل میں آجاتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس طریق کار کو کمیونزم اور انارکزم سے بہت اختلاف ہے۔ ان دونوں تحریکوں کا میدان عمل اور محاذ جنگ سنڈیکیت سے زیادہ وسیع ہے۔ سوشلزم کا اختلاف بھی واضح ہے کیونکہ سوشلزم کی تان آئین اور قانون پر ٹوٹتی ہے۔ حالانکہ سنڈیکیت کا پہلا وار سٹیٹ پر پڑتا ہے اور اس کے حامی ملک کے قانون سے کسی نیکی کی توقع نہیں رکھتے۔ کیونکہ انارکسٹوں کی طرح ان کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ قانون ایک لعنت ہے جو سرمایہ داروں نے سوسائٹی پر مسلط کر رکھی ہے۔ پھر یہ ہم بتلا آئے ہیں کہ سنڈیکیت کا آغاز سوشلسٹ جماعتوں کے فتور سے ہوا ہے۔ اور جب سوشلسٹ لیڈروں کی آئین پسندی نے تمام مزدوروں کو سیاست سے بدظن کر دیا تو مزدور انجمنوں (SYNDICATE) نے ٹھان لی کہ سیاست کو بالکل خیرباد کہہ دیا جائے، کیونکہ یہ مخرب اخلاق ہے اور مقصد کے حصول میں ایک روک۔

سنڈیکی نظریے کی تشریح اس تحریک کے حامیوں کے مقاصد سے ہو سکتی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

اولاً۔ سنڈیکیت کا بیرو طبقاتی جنگ کو بطور اذعانی عقیدہ (DOGMA) کے تسلیم کرتا ہے اور اس جنگ کو شدید ترین صورت میں لڑنے کا قائل ہے۔ ایک کمیونسٹ

Marfat.com

بھی اس کو ناگزیر سمجھتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ کمیونسٹ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ فلسفۂ تاریخ کی ایک شاخ ہے اور سنڈیکیت کا حامی اس کے علمی پس منظر کا قائل نہیں۔ وہ خود اس کو لائحہ عمل سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس جنگ کو چلانے میں ہر قسم کے مجرمانہ تشدد کو روا رکھتا ہے۔

ثانیاً: سنڈیکیت کا علمبردار ایک کمیونسٹ کی طرح اس بات کو جائز اور مباح تصور کرتا ہے کہ سرمایہ داروں سے ان کے املاک جبری طور پر چھین لئے جائیں اور اس کی کسی رنگ میں تلافی نہ کی جائے۔ اسی طرح وہ مالکانِ اراضیات کو سرمایہ داری کا مظہر سمجھ کر ان پر بھی استحصال جبری کا حربہ چلاتا ہے اور کاروبار میں ہر قسم کے مقابلے کو ممنوع قرار دیتا ہے۔

ثالثاً: وہ کمیونزم کے نظریہ "اقدار زائد" (SURPLUS VALUE) کو تسلیم کرتا ہے۔ مانتا ہے کہ دولت آفرینی کے عمل میں مزدور کو اپنے کام کی مقدار کے مطابق معاوضہ نہیں ملتا۔ اس کی اجرت قوت لایموت کا حکم رکھتی ہے۔ حالانکہ اس کی محنت و کاوش سے جو دولت وجود میں آتی ہے وہ کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے۔ اس کی قلیل اجرت کو چھوڑ کر جو دولت فاضل رہ جاتی ہے وہ سب کی سب سرمایہ دار سمیٹ کر لے جاتا ہے۔ لیکن یہاں بھی کمیونسٹ کے ساتھ اس کو کامل اتفاق نہیں، وہ اس نظریے کو اس واسطے نہیں مانتا کہ یہ ٹھیک ہے بلکہ اس کو محض آلۂ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی تشہیر سے مزدوروں میں سخت ہیجان پیدا کیا جا سکتا ہے۔ سنڈیکیت کا مدعا فقط یہ ہے کہ مزدور آمادہ بغاوت ہو جائیں اور سرمایہ داروں کے خلاف علانیہ میدان جنگ میں اتر آئیں۔ اس لئے اس کے نزدیک جواز اور عدم جواز کا کوئی مسئلہ نہیں۔ وہ ہر اس چیز کو اپنے پروگرام میں شامل کرنے کے لئے تیار ہے جو مزدوروں میں اشتعال پیدا کر دے۔ یہ نظریہ بھی کمیونسٹ پروگرام سے مستعار ہے۔ کیونکہ اس سے سرمایہ دار ظالم ثابت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کمیونسٹ اس نظریہ کے علمی مالہٗ و ماعلیہ پر بحث کر کے ثابت کرتے ہیں کہ سرمایہ داری میں ایسا ہوتا ہے اور ہو رہا ہے کہ یہ مزدور کے حقوق پر کھلا ڈاکہ ہے۔ وہ اس کی علمی حیثیت کو مقدم اور عملی پہلو کو موخر قرار دیتے ہیں۔ مگر جیسے بیان ہو چکا ہے سنڈیکیت کے حامی اس کے علمی پہلو کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ وہ اس پر محض اس لئے زور دیتے

Marfat.com

ہیں کہ وہ مزدوروں کو مشتعل کر کے سرمایہ داروں کے خلاف لڑا سکیں۔ کمیونزم کوئی کم تباہ کن تحریک نہیں۔ لیکن سنڈیکیت محض تخریب ہی تخریب ہے۔ اس تحریک کا سلبی پہلو تو بالکل عیاں ہے مگر ایجابی پہلو بالکل مفقود ہے۔ یہ حیرت کا مقام ہے کہ فرانس جو تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کا گہوارہ رہا ہے اس میں ایک ایسی عمرانی تحریک پیدا ہو جو سرمایہ داری کو مٹانے کے لئے تو بے تاب ہو، اور اپنے عمل تخریب کو موثر اور عالمگیر بنانے کے لئے ہر انتہا پسندی کو جائز سمجھے اور جذبات نفرت کو ہوا دے کر اقتصادی زندگی کو نذر آتش کر دے۔

مندرجہ بالا کوائف سے ظاہر ہے کہ سنڈیکیت ایک ہجومی تحریک ہے جس میں نہ عام قیادت کسی خاص لیڈر کے پاس نہیں ہوتی۔ اور اس کی جنگ کی شکل یہ ہے کہ مزدور کارخانوں میں داخل ہو کر سب نظم و نسق کو درہم برہم کر دیں اور کارخانہ داروں کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ اور ملک کے تمام کارخانوں میں یہی خونین منظر دیکھنے میں آئے۔ اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اس تحریک کا وجود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ نہایت ناگوار اور انسانیت سوز حالات کا ردعمل ہے۔ اور جوں جوں مزدور کی زندگی ناقابل برداشت ہوتی جائے گی اسی قدر وہ جذبہ نفرت سے مغلوب ہوتا چلا جائے گا اور وہ عقل کو بالائے طاق رکھ کر انتقام لینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ سنڈیکیت جیسی بے سروپا اور سراپا تخریب تحریک کے موجبات کیا ہیں؟ تو اس کا جواب اس تحریک کی تاریخ میں مضمر ہے۔ اور اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مزدور پہلے پہل امید اور امنگ کے ساتھ سوشلزم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے اور ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار تھے۔ تاکہ سرمایہ داروں کی سنگین حکمرانی ختم ہو۔ ان کو اپنے لیڈروں پر کامل اعتماد تھا۔ جب عمل کا وقت آیا تو لیڈروں نے غداری کی۔ اپنی ذاتی سربلندیوں کی تکمیل کے لئے تحریک کو خطرے میں ڈال دیا۔ اس غداری سے وہ نہ صرف سرمایہ داری سے اور متنفر ہو گئے بلکہ قیادت کے اصول سے بدظن ہو گئے اور ان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ لیڈر کبھی سازگار نہیں ہو سکتے یہی وجہ ہے کہ سنڈیکی تحریک میں قائد کا وجود ناپید ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس میں خونخواری اور خون ریزی ہے اور اس کی جنگ میں کوئی نظم و ترتیب نہیں۔ اس کے علاوہ جمہوری حکومت کی بدعنوانیوں نے مزدوروں کو سیاسی تنظیم کے اصول سے بھی متنفر کر دیا۔ اور وہ اتنے غلطاں اور پیچاں ہو گئے کہ ان کی نظر سلب و نہب سے آگے بڑھ کر تعمیر و ترتیب پر

Marfat.com

منزول نہ ہو سکی۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اس تحریک میں ایجابی پہلو مفقود ہے۔ بڑے بڑے کارخانوں میں اجرتی غلاموں کا نظارہ، مزدوروں کی بے دست و پائی اور ان کے آجروں کا جارحانہ رویہ یہ سب وہ مؤثرات ہیں جو مظلوم مزدور میں انتہائی غم و غصہ پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب اس کو سرمایہ دار کے خلاف صف آراء ہونے کا موقع ملتا ہے تو اس کی تمامتر توجہ صرف اس بات پر مرتکز ہوتی ہے کہ حاضر الوقت نظام پارہ پارہ ہو جائے اور اس کی آتش انتقام خون کے چھینٹوں سے سرد ہو سکے۔ اس ہنگامہ خیزی اور انقلاب آفرینی کے ساتھ ساتھ مزدور کے دل میں ایک امید موجزن ہوتی ہے کہ سرمایہ داروں کی تباہی سے وہ کارخانوں پر قابض ہو جائے گا، ملک کی دولت کا بلا روک ٹوک مالک بن جائے گا اور اس کی پُر آلام زندگی عیش و نشاط میں بدل جائے گی۔

یہی وہ اسباب ہیں جن کی بدولت مزدوروں کی بغاوت نے سنڈیکیٹ کی صورت اختیار کر لی۔ جس میں نہ کوئی قیادت و رہنمائی کا اصول ہے اور نہ لائحہ عمل میں تعمیر کے اصول کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ جذبات کی بے عنانی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اور تحریک کے پیچھے ایک ہی ہیجان ہے اور وہ یہ کہ اقلیم سرمایہ پر دھاوا بول کر سوسائٹی کے نظام کو کالعدم کر دیا جائے۔ ایسی تحریک کی ناکامی و نامرادی اظہر من الشمس ہے کیونکہ مزدوروں کا سرمایہ داروں کے خلاف ایک امرہ جنگ پر اکٹھا ہو جانا تو بالکل ممکن ہے اور یہ بھی قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ہجومی یورش سے کارخانوں کو تباہ کر دیں، اگر یہ شورش وسیع پیمانے پر رونما ہو جائے مگر یہ کبھی نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا کیونکہ اس تمام ہنگامے میں اثبات کا پہلو کوئی بھی نہیں۔ کیا شوریدہ سر مزدور تباہ شدہ کارخانوں کو از سر نو چلا سکتے ہیں؟ کیا ان میں اتنی صلاحیت کار ہے کہ دولت آفرینی کے تمام عوامل میں توازن و تعامل پیدا کر دیں تاکہ ملک افلاس و فلاکت کا شکار نہ ہو جائے۔ کیا وہ کاروبار اور تجارت کی باریکیوں کو سمجھ سکتے ہیں اور دوسرے ممالک کے ساتھ جو اس طوائف الملوکی سے محفوظ ہیں تاجرانہ تعلقات استوار رکھ سکتے ہیں؟ چونکہ یہ تحریک تہس نہس کرنے پر ہی ختم ہو جاتی ہے اس واسطے اس کا مستقبل نہایت تاریک ہے۔ اس کی کامیابی چھوٹے سے چھوٹے پیمانے پر بھی ناممکنات میں سے ہے۔ سائبیریا کے بھیڑیے آبادیوں کو تاخت و تاراج تو کر سکتے ہیں مگر وہ کوئی پُر امن بستی آباد نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری عمرانی تحریکیں

Marfat.com

کسی نہ کسی ملک میں چھوٹے بڑے پیمانے پر کچھ عرصہ کے لئے عمل میں آئیں مگر سنڈیکیت کہیں بھی پروان نہیں چڑھی۔ ادھر اس نے سر اٹھایا، دہیں قانون اور کلچر کی متحدہ قوت نے اس کو کچل دیا۔

جب کوئی عمل حد اعتدال سے متجاوز ہو جائے تو اس کے عواقب بہت ہولناک ہوتے ہیں۔ جس طرح سرمایہ داری کی بے اعتدالیوں نے مختلف احتجاجی اور باغیانہ تحریکیں پیدا کیں اور سنڈیکیت بھی انہی میں سے ایک ہے، اسی طرح سنڈیکیت کی حد سے بڑھی ہوئی شدت اور رامن سوزی نے بھی ایک خطرناک ردِ عمل پیدا کر دیا۔ اور یہ فسطائیت کی شکل میں منصہ شہود پر آیا۔ جنگ عظیم کے بعد اٹلی کی حکومت بہت کمزور ہو گئی تھی اور بالشویک خیالات لوگوں کے دماغوں پر غلبہ پا رہے تھے۔ سوشلسٹ پارٹی کو ملک میں کافی اقتدار نصیب ہو چکا تھا۔ پارلیمنٹ میں بھی اس کا زور تھا، مگر سوشلسٹ لیڈروں کی غداری نے مزدوروں کی آتشِ بغاوت کو اور بھی مشتعل کر دیا تھا۔ اطالوی ڈکٹیٹر مسولینی بھی ان قائدین میں سے تھا جنہوں نے زمانے کی ہوا کے رخ کے ساتھ اپنے اصولوں کو بدل لیا۔ اب کیا تھا، ملک میں ہلڑ مچ گیا۔ مزدوروں کی شورش نے سنڈیکیت کی شکل اختیار کر لی، اور ہر کارخانے میں ہڑتال کا بازار گرم ہو گیا۔ مزدوروں نے کارخانوں پر کارخانے مسمار کرنے شروع کر دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام بھی ان کی حرکات سے بیزار ہو گئے۔ حکومت پہلے ہی سے ایسے موقع کی تاک میں تھی کہ لوگوں کی پشت پناہی حاصل ہو اور وہ مزدوروں کی سنڈیکی تحریک کو کچل کر رکھ دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مسولینی نے اقتدار حاصل کر کے اور قانون کو ہاتھ میں لے کر اس پر ایسی ضربیں لگائیں کہ یہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ اور ایک ایسا نظام حکومت وضع کیا جس کے ہوتے ہوئے مزدور کبھی معمولی سے معمولی تنظیم بھی نہیں کر سکتے۔ یہ نظام فسطائیت (فاشزم) کے نام سے مشہور ہے اور اس کو عملی جامہ پہنانے والا مسولینی ہے۔

عمرانی مبصرین کا خیال ہے کہ یہ نظام مزدوروں کی خونچکاں شورش کی وجہ سے معرضِ وجود میں آیا۔ اور جہاں سنڈیکیت کی وبا نازل ہو گئی وہاں سرمایہ دارانہ حکومت فسطائی چولا پہن کر اور قانون کی بے پناہ طاقت کو عمل میں لا کر مزدور انجمنوں کو توڑ دے گی اور ہمیشہ کے لئے ان کو ممنوع قرار دے دے گی۔ فسطائیت حکومت اور سرمایہ کے "عسکری اتحاد"

Marfat.com

کا نام ہے۔ یہ اسی وقت بروئے کار آتا ہے جب مزدور بے قابو ہو کر ملک کے لئے خطرے کا موجب بن جاتے ہیں۔

گلڈ سوشلزم

(GUILD SOCIALISM)

سنڈیکیت فرانس میں پیدا ہوئی اور اٹلی میں جنگ عظیم کے بعد کچھ عرصہ کے لئے بروئے کار آئی۔ مگر انگلستان میں اسے کوئی قبولیت نصیب نہ ہوئی۔ انگلستان میں ایسے نوجوانوں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا جو حالات حاضرہ سے بیزار اور انقلاب کے خواہاں تھے۔ مگر انقلاب سے ان کی دلچسپی علمی حد تک محدود تھی۔ ان کی علمی سرگرمیوں سے ایک نظریہ پیدا ہوا، جو "گلڈ سوشلزم" کہلاتا ہے۔ اس کو فیبین ازم (FABIANISM) جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور سنڈیکیت میں برزخ کی حیثیت حاصل ہے۔ ۱۹۱۲ء میں یہ پیدا ہوا اور دس سال تک علمی بحث و تمحیص کا موضوع بنا رہا۔ ۱۹۱۵ء میں NATIONAL GUILDS LEAGUE (نیشنل گلڈز لیگ) بنی، جس کا کام یہ تھا کہ اس نظریے کا مزدوروں میں پرچار کرے۔ اس کے مشہور لیڈر ہابسن (MR. S. G. HOBSON) اور کول (G. D. H. COLE) ہیں۔ اس کے اصول کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنڈیکیت کی طرف زیادہ مائل ہے۔ یہ اصول مندرجہ ذیل ہیں:

۱- گلڈ سوشلزم (پیشہ ورانہ اشتراکیت) کے حامی صنعت و حرفت میں کامل آزادی چاہتے ہیں۔ یعنی وہ انڈسٹری (صنعت و حرفت) کو سرمایہ کے استیلاء، کارخانوں کے ضبط اور حکومت کے جبر و اختیار سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور ان کا نصب العین یہ ہے کہ ہر پیشہ اور صنعت اپنے اپنے دائرے میں مختار کل ہو۔

۲- ہر پیشے اور صنعت کے متعلقین کی ایک الگ تنظیم ہونی چاہیئے تاکہ وہ لوگ منظم ہو کر اپنے اپنے پیشے کو احسن طریق سے چلا سکیں اور اپنے ناظر اور نگران خود منتخب کریں۔ وہ اپنے اوقات کار متعین کریں۔ اسی طرح اجرت اور قیمت کو بھی یہ لوگ خود مقرر کریں تاکہ اشیاء کی پیدائش اور ان کی خرید و فروخت میں کسی قسم کی روک پیدا نہ ہو اور دولت آفرینی کا عمل ایک خاص ڈگر پر چلتا رہے۔

Marfat.com

۳- ان تمام پیشہ ورانہ تنظیموں کو ایک ملک گیر نظام سے وابستہ کر دیا جائے تاکہ اس کی بدولت ان سب میں ہم آہنگی رہے۔ اور تجارتی اور صنعتی پالیسی کا صدور اس قومی مجلس کی طرف سے ہو۔ یہ معاشی منصوبہ بندی کی صورت ہے۔ اگر ایک اعلیٰ قومی مجلس نہ ہو تو مختلف پیشوں میں توازن مٹ جائے گا اور بجائے تعامل کے تصادم کا رنگ آجائے گا۔ اور قیمتوں کے تقرر کا مسئلہ بھی لاینحل ہو کر رہ جائے گا۔

۴- یہ ظاہر ہے کہ منصوبہ بندی (ECONOMIC PLANNING) زندگی کے گوناگوں پہلوؤں پر محیط نہیں ہو سکتی۔ چونکہ دولت کی پیدائش اور افزائش ایسی ہی اہم ہے جیسے اس کا بذل وصرف۔ اس واسطے ایک ایسی مجلس جو اقتصادیات کے صرف ایک پہلو یعنی دولت آفرینی کی نگران ہو وہ مختار مطلق ہو کر ملک میں بدامنی پیدا کر دے گی۔ اس واسطے ضروری ہے کہ ایک اور متوازی سیاسی مجلس ہو، جو غیر اقتصادی مسائل پر غور کرے اور ان کا حل سوچے، بیرونی پالیسی کی محافظ ہو۔ اور ان عوام کی نگہبان ہو جو CONSURMERS کہلاتے ہیں۔ یعنی خود دولت پیدا نہیں کرتے بلکہ کارخانوں اور منڈیوں سے خرید کر استعمال کرتے ہیں۔ یہ سیاسی مجلس اس بات کی مجاز ہو کہ پیشہ ورانہ تنظیموں (PRODUCERS GUILDS) کو حدِ اعتدال سے متجاوز نہ ہونے دے۔

اس تحریک کی یہ چوتھی شق دوعملی کا رنگ پیدا کر دیتی ہے۔ اور یہی چیز اس کو سنڈیکیت سے متمائز کرتی ہے۔ کیونکہ سنڈیکیت میں سیاست کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ہر قسم کی تنظیم کا زاویۂ نگاہ معاشی اور اقتصادی ہوتا ہے اور کسی وقت بھی سیاست دخیل کار نہیں ہو سکتی۔ اور اس دوعملی سے نقصان کا بہت ڈر ہے۔ اگر ان دونوں تنظیموں میں ٹکراؤ ہو جائے تو کارخانوں میں طوفانِ بے تمیزی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ چونکہ کارخانوں پر ایک قسم کا سیاسی احتساب ہو گا اس واسطے ان میں خاص بدلی پیدا ہو جائے گی۔ اختراع اور ایجاد کا دروازہ بند ہو جائے گا اور کچھ عرصے کے بعد انڈسٹری پر تعطل اور جمود طاری ہو جائے گا۔ دولت کی پیداوار کم ہو جائے گی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ قیمتیں چڑھ جائیں گی اور عوام کو تکلیف کا سامنا ہو گا۔ اس کے علاوہ اس دوعملی میں ایک

Marfat.com

بہت بڑی قباحت یہ ہے کہ PRODUCERS GUILDS کارخانوں پر مسلط ہو جائیں گے۔ اس طرح وہ تمام ضروریاتِ زندگی اور دیگر وسائل حیات پر بھی قابض ہونگے۔ اس معاشی اقتدار کو معقول حدود میں مقید رکھنا بہت مشکل کام ہے اور CONSUMERS COUN-CILS بھی اس کے سامنے عاجز ہوں گی۔ چونکہ ان دونوں میں رقابت ہوگی اور دونوں ایک دوسرے کو مغلوب رکھنے کی فکر میں ہوں گی، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی باہمی پیکار خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لے گی اور ملک میں ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ اگر یہ صورت حال نہ بھی پیدا ہو تب بھی آپس کی کشمکش اور حریفانہ سرگرمیاں ضرور اپنا رنگ لائیں گی۔ ملک کی دولت کم ہونی شروع ہو جائے گی اور انجام کار ملک دیوالیہ ہو جائے گا۔ ۱۹۲۰ء میں انگلستان میں BUILDERS GUILD قائم ہوا۔ تعمیرات کے لئے وسیع میدان تھا اور لوگ بھی مخالف نہ تھے۔ تاہم دو سال بھی نہ گزرنے پائے کہ سارا کھیل ختم ہو گیا، اور ملک کا کثیر سرمایہ اس اقتصادی تجربے کی نذر ہو گیا۔

تدریجی سوشلزم

(FABIAN SOCIALISM)

۱۸۸۴ء میں انگلستان کے چند مفکرین سڈنی ویب، مسز ویب، جارج برنارڈ شاہ، بیٹرائس پوٹر، سڈنی الیور، گراہم والس، مسز اینی بیسنٹ، ایچ جی ویلز، کول اور لاسکی وغیرہ نے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی، جس کے بنیادی اصول حسب ذیل ہیں:

۱۔ بڑی بڑی صنعتوں کو حکومت اپنی تحویل میں لے لے تاکہ اجارہ داریاں ختم ہو جائیں۔

۲۔ عوام پر ٹیکس بہت ہلکے ہونے چاہئیں۔

۳۔ ریاست کا وجود معاشرتی نظم و نسق کے لئے ضروری ہے۔

۴۔ سیاسی امور میں مرد اور عورتیں مساوی حقوق رکھتی ہیں۔

۵۔ سرمایہ دار مزدور طبقے کو حقوق ادا نہیں کرتا۔

۶۔ اقتصادی انقلاب تدریجی اور آہستہ آہستہ لایا جائے تاکہ معاشرہ میں کسی قسم کی بدامنی پیدا نہ ہو۔ وہ مارکسزم کی طرح لوٹ کھسوٹ اور خون خرابے کے قائل نہ تھے۔

Marfat.com

۷۔ تدریجی سوشلزم کے نظریہ کی بنیاد مادہ نہیں ہے بلکہ وہ روحانی اقدار کو معاشرہ کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔

انگلستان میں تدریجی سوشلزم کا اثر

لیبر پارٹی تدریجی سوشلزم (FABIAN SOCIALISM) کی پیداوار ہے اور ۱۹۱۸ء میں ویب نے ہی لیبر پارٹی کا منشور مرتب کیا تھا۔ معاشرتی اصلاحات کے لئے فیبئس تحقیقاتی ادارے قائم ہوئے۔ لیبر حکومتوں نے فولاد اور کوئلے کی صنعت کو قومیانے کا کارنامہ سرانجام دیا۔

انارکزم کا علمی تجزیہ

ظلم کو بقا نہیں۔ شمشیر کا کھیت سرسبز نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ منشاء قدرت کے نقیض ہیں۔ تاریخ ظالموں اور جابروں کے عبرت آموز انجام سے معمور ہے۔ جس طرح بعض اشخاص ظلم و تعدی کے پیکر ہوتے ہیں اور دنیا کو اپنے عمل تسخیر کی جولانگاہ بنا دیتے ہیں، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر بعض ایسے مسلک اور کیش پیدا ہو جاتے ہیں جن کی تباہ کاریاں بڑے سے بڑے قاہر فاتحین سے بڑھ کر ہوتی ہیں۔ فاتح انسانوں کے جسم کو مغلوب کرتا ہے مگر ہلاکت آفریں نظامات انسانوں کے دل و دماغ کو مسموم اور ان کی فطرت کو مسخ کر دیتے ہیں۔ لیکن اس تخریبی عمل کو دوام نصیب نہیں ہوتا۔ جونہی اس میں افراط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کے خلاف اتنا ہی شدید ردِ عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اور جب تک ناصیۂ انسانی سے یہ بدنما دھبہ دور نہیں ہوتا اس کے خلاف جد و جہد جاری رہتی ہے۔ انسانی حیات کے ہر شعبے میں عمل اور ردِ عمل کا چکر چلتا نظر آتا ہے۔ جب نور و ظلمت کی جنگ میں ظلمت کا پہلو غالب ہونے لگتا ہے تو فوراً خلاقِ فطرت نور کے زبردست حملے سے ظلمت کو نابود کر دیتا ہے۔ اسی طرح عالمِ محسوس میں کوئی نظام چاہے سیاسی ہو یا معاشی، جب ظلمت کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو وہی لوگ جو ہدفِ جور اور نشانۂ ظلم بنے ہوئے تھے اس کے خلاف سر بکف کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ردِ عمل کی شدت عمل کی شدت کے متوازی ہوتی ہے۔

ہم مختلف معاشی نظاموں کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کر رہے ہیں۔ اور یہ نظامات

Marfat.com

قائم بالذات نہیں ہیں بلکہ سماجی فتور کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ لتنے "اثباتی" نہیں جتنے "احتجاجی" ہیں۔ ان کی شدتِ عمل کے مدارج ہیں۔ بعض تحریکات مثلاً کمیونزم اور سوشلزم معاشی فتور و فساد سے براہِ راست پیدا ہوئی ہیں۔ اس واسطے ان کا اقتصادی پہلو ان کے سیاسی پہلو سے زیادہ نمایاں ہے۔ ان میں اقتصاد مقدم اور سیاست مؤخر ہے۔ مگر مذکورہ بالا عنوان کے تحت ہمیں ایک ایسے نظام فکر کا ذکر کرنا ہے جو سارے سماج کو محیط ہے، مگر تحلیلی نقد و نظر سے اس کا سیاسی پہلو اس کے معاشی پہلو پر غالب نظر آتا ہے۔ سماج میں بیک وقت معاشی اور سیاسی رجحانات کارفرما ہوتے ہیں۔ اور جب یہ نقطۂ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں تو اس سماج میں معاشی اور سیاسی دونوں قسم کی خرابیاں رونما ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے ازالے کے لئے جو تحریکات پیدا ہوتی ہیں وہ بھی بیک وقت معاشی اور سیاسی پہلوؤں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ لیکن بعض میں سیاسی پہلو غالب ہوتا ہے اور بعض میں معاشی پہلو۔ اسی لحاظ سے ان کی مجوزہ اصلاحات میں بھی یہ فرق قائم رہے گا جس اصلاحی اور احتجاجی تحریک میں سیاسی رنگ غالب ہے وہ لامحالہ اپنی اصلاح کو بھی سیاست سے شروع کرے گی۔ اب جس تحریک کا تذکرہ پیش نظر ہے اس کی تان سیاست پر ٹوٹتی ہے اور اس کی معاشی اصلاحات ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ تحریک انارکزم (نراج) کے نام سے معروف ہے اور مذکورہ صدر تحریکات کی طرح اس کے متعلق بھی کچھ غلط فہمیاں رائج ہیں اور اس کے مرکزی اصول عام نظروں سے اوجھل ہیں۔

جونہی انارکزم (ANARCHISM) کا نام آتا ہے ایک عام سننے والے کے سامنے امن کو تہ و بالا کرنے والی کارروائیوں کا منظر آجاتا ہے۔ اس کو شوریدہ سروں کا ایک گروہ پھرتا ہوا نظر آتا ہے جو دائیں بائیں بم پھینک رہے ہیں اور ارباب اختیار کے علاوہ پبلک کو بھی اپنے پستولوں اور ریوالوروں کا نشانہ بنا رہے ہیں اور تمام ملک کو آگ اور خون کا غسل دے رہے ہیں۔ اس لرزہ خیز تصور سے قوی سے قوی انسان بھی مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ حالانکہ انارکزم کی یہ تصویر بالکل خیالی اور گمراہ کن ہے۔ ایک انارکسٹ بم پھینکتا ہے، وہ سازشیں بھی کرتا ہے، وہ ملک کے قانون کے خلاف علم بغاوت بھی اٹھاتا ہے، اپنے آئیڈیل کے حصول کے لئے خونریزی سے گریز نہیں کرتا، لیکن وہ اپنی امن شکنیوں اور خون آشامیوں کو قزاق اور رہزن کی کارروائیوں سے اشرف اور ارفع

Marfat.com

سمجھتا ہے۔ جب کوئی رہزن کسی مسافر پر چھاپہ مارتا ہے تو اس کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اس کے مال پر قبضہ حاصل کر لے، اور اگر قبضہ حاصل کرنے میں انسانی خون گرانا پڑتا ہے تو وہ اس سے نہیں چوکتا۔ مگر جونہی وہ یہ کارروائی کر لیتا ہے تو اس کا مشن بھی پورا ہو جاتا ہے۔ رہزنوں اور ڈاکوؤں کا کام قافلوں کو لوٹنا ہے اور بس۔ مگر انارکسٹ کہتا ہے کہ میری خون ریزیوں میں ایک اصولی تعمیر مضمر ہے اور جو مجھے ڈاکو سے مشابہ سمجھتا ہے وہ اپنی جہالت کا اعلان کرتا ہے۔ میرے قتل و خون کی زد ظالموں اور جابروں پر پڑتی ہے جنہوں نے اپنے عمل استحصال سے بنی نوع انسان کو کمزور اور لاغر کر دیا ہے۔ میرا حریف و مقابل ظالم ہے نہ کہ ایک معصوم انسان۔ میں اپنے انقلابی عمل سے ذاتی منفعت اور ترفع کا طلبگار نہیں ہوں۔ میں جابر طاقتوں کے خلاف نبرد آزما ہوں، تاکہ ان کے مٹنے سے بنی نوع انسان کو آرام کا سانس نصیب ہو۔ میں قزاق نہیں ہوں۔ میں مجاہد ہوں اور میرے جہاد میں انسانیت کی بھلائی ہے۔ جب ایک حکومت دوسری حکومت کے خلاف جنگ چھیڑ کر گولہ بارود کو کام میں لاتی ہے تو کوئی اس کو ڈکیتی اور قزاقی نہیں کہتا۔ اور نہ حملہ آور اس کو ایسا سمجھتا ہے۔ حالانکہ اس کے حملے سے لاکھوں انسان اور خطاکاروں سے زیادہ معصوم انسان موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ کیونکہ اس جنگ کا مقصود صرف کسی علاقے کا الحاق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس میری گولی صرف ظالم کے سینے میں لگتی ہے۔ میرے کشت و خون کا دائرہ محدود اور میرا مآل کار بہت بلند ہے۔ اور جونہی سماجی ظلم کا قلع قمع ہوتا ہے۔ میں ایک امن پسند شہری کی طرح نئے نظام کا خادم بن کر مصروف کار ہو جاتا ہوں۔

انارکسٹ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اس سے اس کی امن سوزیاں جائز نہیں سمجھی جا سکتیں۔ اور نہ وہ بنی انسان کا محسن و مجاہد کہلا سکتا ہے، کیونکہ انسانی خون کے دھبے محض چرب زبانی اور بلند بانگ دعاوی سے نہیں چھپ سکتے۔ لیکن یہ بھی غلط طریق ہے کہ انارکزم کی تنقید خون کے چھینٹوں سے کی جائے۔ کیونکہ مارنا اور قتل کرنا اپنے اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے اچھا یا برا ہو گا۔ جب کوئی بے گناہ انسان اپنے حملہ آور کے مقابلے میں ڈٹ جاتا ہے اور تحفظ ذات میں اس کو قتل کر دیتا ہے، تو یہ قتل فعل قبیح نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح ایک قوم کی قوم کسی خون آشام حملہ کے خلاف نبرد آزما ہوتی ہے تو مدافعت میں اس کو کشت و خون کرنا پڑتا ہے۔ اتلاف جان دونوں طرف سے ہو رہا ہو گا

Marfat.com

مگر ظالم حملہ آور کا ہر فعل ناقابلِ عفو ظلم و ستم ہوگا۔ اس کے مقابلے میں مدافعین کے ہر فعل میں شرف و وقار کی جھلکیاں نظر آئیں گی۔ اسی طرح اگر انارکسٹ کے اصولوں کو غلط اور گمراہ کن ثابت کر دیا جائے تو اس کی تمام کاروائیاں بھی قابلِ مذمت ثابت ہو جائیں گی۔

انارکزم کے نظریے کی بنیاد ہر منظم اور جبری حکومت کی شدید مخالفت پر ہے۔ انارکزم کے لفظی معنی "کیش لاحکومتی" کے ہیں۔ انارکسٹ تمام مروجہ حکومتوں کو مذموم اور مضر خیال کرتے ہیں، حتیٰ کہ جمہوریت کے لئے بھی ان کے لائحہ عمل میں کوئی جگہ نہیں۔ کیونکہ جمہوریت میں اکثریت کو اقتدار نصیب ہوتا ہے اور اقلیت بعض اوقات عظیم حکمران اکثریت کی کرہاً تابع فرمان ہوتی ہے۔ اور ملک کا قانون بھی حاکم طبقہ کے جذبات و عواطف کا آئینہ دار ہوتا ہے اور مغلوب اقلیت کو سرتابی کا یارا نہیں ہوتا۔ اگر انارکسٹ کسی نظام حکومت کو گوارا کر سکتے ہیں تو اس نظام کو جو قوم کے ہر فرد کی رائے سے معرضِ وجود میں آیا ہو اور اس کو نہ پولیس کی ضرورت ہو، نہ قانونِ فوجداری کی، کیونکہ ان دونوں اداروں کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ ملک کے بعض طبقے حکمرانوں کے مخالف ہیں اور حکومت کو تمام ملک کی متفقہ تائید و حمایت حاصل نہیں۔ جب صورت حال یہ ہو تو انارکسٹوں کے اصول کے مطابق یہ کہنا پڑے گا کہ ملک کو آزادی حاصل ہے۔ آزادی صرف اس طبقے کو ہوگی جس کو خلعتِ اقتدار حاصل ہے اور جو محکوم ہیں وہ آزادی کی متاع سے محروم ہیں۔ انارکزم کے نزدیک ہنگامہ حیات اور کارزارِ عالم میں صرف آزادی ہی حقیقتِ کبریٰ ہے باقی سب نعمتیں ادنیٰ درجہ رکھتی ہیں۔ اور جو نظام حکومت اس حقیقتِ کبریٰ سے متجاوز ہوتا ہے وہ مردود اور ناقابلِ قبول ہے۔

انارکزم اور کمیونزم

انارکزم معاشی لحاظ سے کمیونزم سے مشابہ ہے۔ یہ پیدائش دولت اور تقسیم دولت کو ملی نظام کے ماتحت رکھنے کے حق میں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی فرد کی آزادی پر مفرطانہ زور دیتی ہے اور یہیں سے اس نظریے میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ کمیونزم ملی ملکیت کی حامی ہے مگر اس کے ساتھ فرد کو جماعت کے ماتحت رکھتی ہے۔ ان دونوں اصولوں میں گو ایک عقلی ربط ہے، لیکن یہ بالکل بے جوڑ چیز معلوم ہوتی ہے کہ ہر فرد کو قوم پر فائق بھی کیا جائے

Marfat.com

اور ملی ملکیت کا رواج بھی الاپا جائے۔ سوشلزم اور انارکزم کا فرق اس لحاظ سے زیادہ نمایاں ہے۔ سوشلزم کے حامی کہتے ہیں کہ فردی آزادی کا یہ تصور بالکل بے معنی ہے کہ ایک شہری کو انتخابات کے موقع پر رائے دینے کا حق ہو اور اس کی رائے سے ارباب بست وکشاد کا قیام ہو اور جب جمہور کی آرا ان کے خلاف ہوں تو ان کو مسند اختیار چھوڑنی پڑے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک سیاسی فریب ہے کیونکہ جب تک اجیر و مستاجر اور بندہ و آقا کی تقسیم ہے آقا اور مستاجر ہی دوسرے طبقے کے دونوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور بندہ و مزدور بے چارے ہمیشہ آزادی سے محروم رہیں گے۔ لیکن جب وسائل حیات ملت کے قبضے میں ہوں گے اور کوئی واحد مالک و قابض باقی نہ رہے گا تو ہر شخص صحیح معنوں میں آزاد ہوگا۔ لیکن انارکسٹ اس پر بھی ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اشتراکی نظام حکومت میں سرمایہ داری کے تمام رجحانات آجائیں گے۔ وہ بھی ایک قاہر و جابر حکومت ہوگی اور افراد کو اپنے قانون کا غلام بنائے رکھے گی۔ اور جب تک اس کا ذرا بھی خدشہ ہے ایسی حکومت کبھی آزادی کے اصول کی موید نہیں ہو سکتی۔

سطور بالا سے صاف عیاں ہے کہ انارکزم کو کمیونزم اور سوشلزم دونوں سے سیاست میں شدید اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کا منبع آزادی کے جداگانہ مفہوم میں ہے۔ انارکزم ہر فرد کو مطلق العنان دیکھنا چاہتی ہے اور معمولی سے معمولی قید و بند کو آزادی کا نقیض سمجھتی ہے۔ اس کے برعکس کمیونزم اور سوشلزم کے نزدیک آزادی کا مفہوم محدود ہے۔ ان کا اس بارے میں نصب العین فقط اتنا ہے کہ کوئی فرد وسائل حیات سے محروم نہ رہے۔ ہر ایک کی اساسی ضروریات کی کفالت سوسائٹی کے ذمے ہو۔ لیکن اقتصادی مشین کے چلانے میں ہر فرد ایک پرزہ ہے وہ فاعل مختار نہیں۔ اس کو ایک نظام میں ہو کر کام کرنا ضروری ہے۔

مائیکل بکونن

انارکزم اور کمیونزم میں ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ مقدم الذکر کا نقطۂ آغاز سیاست اور مؤخر الذکر کا نقطۂ آغاز اقتصاد ہے۔ ان دونوں کے مؤسس یعنی مائیکل بکونن اور کارل مارکس ہم عصر تھے۔ کچھ عرصہ ان میں تعامل رہا، مگر طبائع کے اختلاف اور بعد نے رفاقت کو رقابت میں بدل دیا اور عمرانی تحریکوں کے یہ دو رہنما ساری عمر ایک دوسرے کے

Marfat.com

جان لیوا بنے رہے اور منصوبوں اور سازشوں سے ایک دوسرے کو کچلنے سے کبھی نہ چوکے۔
بکونن کارل مارکس کے علم و فضل کا قائل تھا اور اس کی بصیرت افروز گفتگو کا دل سے معترف تھا، اور جب تک اس کے ساتھ رہا ہمیشہ اس کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرتا رہا۔ مگر اس کی آتش مزاجی نے اس کو مارکس کے طریقہ کار سے متنفر کر دیا۔ وہ کارل مارکس کو فاضل مگر خادع اور فریب کار سمجھتا تھا اور کارل مارکس اس کو جذباتی اور دیوانہ خیال کرتا تھا۔

ان دونوں نے سرمایہ داری کے نظام کے خلاف پرچم بغاوت لہرایا۔ سرمایہ داری کے اجزائے کیمیاوی سیاست اور معیشت تھے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے تقویت کا موجب تھے۔ سیاست کو سرمایہ سے اور سرمایہ کو سیاست سے فروغ حاصل تھا۔ یہ تاریخ کا حیرت زا معمہ ہے کہ ان دونوں نے سماج کے ماؤف نظام کو دیکھا اور حالانکہ دونوں کی مساعی کا یہ مقصد ہے کہ افلاس و فلاکت اور فقر و فاقہ کو دور کرکے "ملک فراغ" اور "کشور راحت" کو پیدا کیا جائے۔ مگر ایک نے اپنی تعمیر کا سنگ بنیاد سیاست اور دوسرے نے معیشت کو بنایا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب دونوں کے سوانح حیات سے ملتا ہے۔

کارل مارکس کو شروع سے لے کر آخر تک معاشی ابتلاؤں کا سامنا رہا۔ وہ فارغ التحصیل ہوا تو اس کو حسب منشا ملازمت نہ ملی۔ ملک کے معاشی نظام میں اسے کوئی گوشۂ عافیت نصیب نہ ہوا۔ حالانکہ اس سرزمین میں اس نے نااہلوں کو مست عیش دیکھا۔ اس کی تلاش معاش ہمیشہ ناکام رہی۔ کمیونزم کے زیر عنوان اس کی زندگی کے تجزیے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مارکس کے مصائب کی ابتدا معاشی مسائل سے ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ سیاسی استبداد کے ہاتھوں بھی نالاں رہا۔ مگر اس کی لوح قلب پر نقش اول اقتصادی تنگی کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فکر کی جولانیاں تمام تر اسی میدان میں رہیں اور اس کا تیار کردہ نظام بھی معاشیات پر مبنی ہے —— لیکن اس کے برعکس مائیکل بکونن کو ابتدا میں کوئی معاشی مشکلات پیش نہ آئیں۔ وہ روس کے ایک خاندان اشراف کا نونہال تھا۔ عیش و نشاط کے سامان کی کوئی کمی نہ تھی۔ جب وہ ۱۸۱۴ء میں پیدا ہوا، اس کا باپ سفیرانہ خدمات سے سبکدوش ہو کر اپنی اسٹیٹ میں آکر آرام کے دن بسر کر رہا تھا۔ اس نے قومی سکول میں تعلیم پائی اور اٹھارہ سال کی عمر میں رجمنٹ میں اعلیٰ عہدے پر ملازم ہو گیا۔ یہ ۱۸۳۰ء کا زمانہ تھا جب روس کی فوجوں نے پولینڈ کی بغاوت کو بڑے زور سے کچل دیا تھا۔ پولینڈ کی

Marfat.com

دہشت زدگی کے روح فرسا منظر نے اس نوخیز افسر کے دل پر گہرا اثر کیا اور وہ دل ہی دل میں سیاسی استیلاء اور مطلق العنانی کا سخت دشمن ہو گیا۔ یہ جذبۂ نفرت اتنا قوی ہو گیا کہ اس کو یارائے ضبط نہ رہا اور اس کا باغیانہ میلان حکام کے علم میں آگیا۔ فوجی افسر کے لئے یہ سنگین جرم تھا۔ اس پر دو سال مقدمہ چلتا رہا۔ آخر کار وہ اپنے کمیشن سے دست بردار ہو کر ماسکو آگیا اور فلسفہ کی تعلیم میں مشغول ہو گیا۔ دوسرے طلباء فلسفہ کی طرح وہ بھی ہیگل کے ہوشربا فلسفہ کا شکار ہو گیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد اس کو اپنے پیر و مرشد کے خیالات و افکار میں سُقم نظر آنے لگے۔ سیمابی طبیعت کا تو تھا ہی، فوراً ہیگل کو خیرباد کہا اور انقلابی ہو گیا۔ ۱۸۴۲ء میں سوئٹزر لینڈ آگیا۔ یہاں کے سیاسی حالات نے اسے مجبور کیا کہ وہ اس ملک سے ہجرت کر جائے۔ چنانچہ وہ پیرس آگیا، یہاں تین سال رہا اور پرودون (PROWDHON) اور جارج سینڈ (GEORGE SAND) سے ملاقات ہوئی۔ ان کے خیالات سے بہت متاثر ہوا اور پرودون کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی زندگی کا وہ دور آتا ہے جس میں اس نے کارل مارکس اور اس کے نظریے کے خلاف جی بھر کر آتش فشانی کی۔ اس کے ساتھ ہی جس ملک میں جاتا وہاں کی حکومت کے خلاف بغاوت کی آگ مشتعل کر دیتا۔ یورپ کی تمام حکومتیں اس کو خطرے کی نظر سے دیکھنے لگیں اور انہوں نے اپنی تمام قوتوں کو اس کے کچلنے میں وقف کر دیا۔ ۱۸۵۰ء سے لے کر اپنی موت کے سال یعنی ۱۸۷۶ء تک وہ حکومتی نظام کے خلاف برسرپیکار رہا۔ "خوفِ غماز، عدالت کا خطرہ، دار کا ڈر" یہ تین چیزیں تھیں جنہوں نے اس کی زندگی کو داستانِ الم بنا دیا۔ اور ان سب کے پیچھے روس کی حکومت کا ہاتھ تھا۔ وہ یورپ کے ہر ملک میں قانون سے ٹکرایا اور قید ہوا۔ آخری مرتبہ جب وہ آسٹریا میں قید تھا تو روس کی حکومت نے خواہش کی کہ یہ آفت خیز قیدی اس کے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ آسٹریا کی حکومت نے بکونن کو روس کے حوالے کر دیا۔ وہ پیٹر اور پال کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ یہاں سختیوں سے اس کی صحت خراب ہو گئی۔ مگر جسم کی لاغری سے اس کی روح میں کوئی ضعف نہ آیا۔ اس کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ ان تمام مصیبت کی گھڑیوں میں اس کو ایک ہی فکر لاحق رہتی اور وہ یہ کہ کہیں جسمانی صعوبتوں سے مغلوب ہو کر وہ اپنے اصول سے منحرف نہ ہو جائے اور حکومت کے سامنے جھک نہ جائے۔ دنیا میں تو اس کے خیال کا کوئی چرچا نہ ہوا، مگر وہ آخر

Marfat.com

دم تک اپنے خیالات پر ڈٹا رہا۔ روس کی حکومت نے دس سال کی قید کے بعد اس کو سائبیریا میں جلا وطن کر دیا جہاں سے بھاگ کر وہ انگلستان آگیا اور وہاں سے پھر یورپ آگیا اور اپنے مشغلہ عزیز کو جاری رکھا۔ لیکن باوجود انتہائی جدوجہد کے اس کو کارل مارکس کے مقابلے میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اور مزدوروں کی بین الاقوامی انجمن میں اس کو کوئی قیمت نہ ملی۔ اور آخر کار اس کا جسم اتنا نڈھال ہو گیا کہ اس کو شورشوں سے الگ ہونا پڑا۔ اور ۱۸۷۶ء تک وہ گوشہ نشین رہا اور بے نیل مرام اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ان مختصر حالات سے عیاں ہے کہ بکونن کی زندگی مارکس کی زندگی سے کہیں زیادہ طوفانی اور بحرانی تھی۔ ان دونوں کی کشمکش میں بھی فرق نظر آتا ہے۔ حالات و کوائف کے اختلاف نے نظریوں میں بھی اختلاف پیدا کر دیا۔ اگرچہ بکونن مفلس خاندان میں پیدا نہ ہوا تھا لیکن افلاس کے مناظر بھی اس کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ مگر سیاسی سطوت کی قہرمانیوں نے اس کو اتنا انقلابی بنا دیا کہ وہ ساری عمر سیاسی استبداد کے خلاف زہر اگلتا رہا۔ اندریں حالات وہ تصنیف کا کام بھی تعمیری انداز میں نہ کر سکا۔ اس کی کتب میں انارکزم کا ایک ہیولیٰ سا نظر آتا ہے۔ مارکس کی طرح وہ کسی منظم فلسفے کا بانی نہیں کہلا سکتا۔ اس کا فکر ہمیشہ ہنگامی سیاست سے ٹکراتا رہا۔ اقتصادی حالات ہمیشہ نظر انداز رہے۔ اس کی تصانیف کا موضوع نظری ہے اور وہ مابعد الطبیعاتی بحثوں میں الجھا ہوا نظر آتا ہے۔ اور جب کبھی اس نے حالات حاضرہ کا محاسبہ کرنے کی کوشش کی تو معاشی حالات سے زیادہ سیاسی حالات سے متاثر ہوا۔ اور اس بات کو فراموش کر دیتا کہ سیاست کی ماؤف حالت خود معاشی فساد کا نتیجہ ہے۔ کارل مارکس ہمیشہ چٹان کی طرح اس خیال پر جما رہا کہ سیاست فی نفسہ کچھ نہیں۔ معاشی نظام کا ایک پرتو ہے۔ اس کی ذہنی جستجو کا میدان بکونن کے میدانِ فکر سے بالکل الگ تھلگ تھا۔

بکونن کی تصنیفات و تالیفات میں کوئی خاص ترتیب نظر نہیں آتی۔ اس کی وجہ بھی اس کی زندگی کے حالات ہیں۔ جو شخص ہمیشہ اسیر یا مفرور رہا ہو اس کو باقاعدہ تصنیف و تحقیق کا موقع میسر کیسے آسکتا تھا۔ اس کا شاہکار "خدا اور اسٹیٹ" ہے۔ یہ عنوان مصنف کا اپنا وضع کردہ نہیں، بلکہ ان اشخاص کا ہے جنہوں نے اس کی منتشر تحریرات کو مدون کیا۔ وہ "خدا اور اسٹیٹ" کو انسانی ترقی کے راستے میں موانع کی صورت میں پیش کرتا ہے مثلاً

Marfat.com

وہ رقمطراز ہے:

"سٹیٹ سوسائٹی نہیں ہے، یہ فقط اس کی تاریخی شکل ہے۔ ایسی ہی حشیانہ ہے جیسے خیالی۔ یہ تمام ممالک میں قتل و غارت، تشدد، جبر یا بالفاظِ دیگر جنگ اور فتح کے ملاپ سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اس کے بعد اقوام کی قوتِ واہمہ نے خداؤں کے وجود کو تراش لیا۔ یہ ابتدائے آفرینش سے اب تک بہیمانہ قوت اور فاتحانہ عدم مساوات کے لئے آسمانی وجہ جواز ہے۔ سٹیٹ اختیار کا نام ہے۔ یہ جبر و قہر کا پیکر ہے۔ یہ قوت کا مظاہرہ ہے۔ اس کا تسلط خفی نہیں ہوتا۔ یہ اپنے حریف کے خیالات کو تلقین سے نہیں بدلتی۔ یہ نیکی کے نفاذ کے لئے بھی جبری حکم صادر کرتی ہے اور اس جبر و قہر کے لزوم سے اس نیکی کے حُلیے کو بگاڑ دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا ہر فرمان جمہورانہ جذباتِ حریت کو مشتعل کرتا ہے۔ اور اس کے ردِ عمل میں باغی تحریکیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ہر نیکی جو بنوکِ سنان نافذ کی جائے بدی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اور یہی انسانی اخلاقیات کے اصول ہم کو بتلاتے ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ہو جاتا ہے کہ جبر چاہے کسی رنگ میں ہو احترام آدمیت کے منافی ہے۔ حُریت، اخلاق اور انسانی وقار کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان نیکی کرتا ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ تعزیر کا تازیانہ اس کے کاسۂ سر پہ لہرا رہا ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ نیکی کرنے والے کی اپنی مرضی ہے اور اس کو نیکی سے جبلّی الفت ہے۔"

اس اقتباس سے اس کا فلسفہ اور اس کا اندازِ فکر ظاہر ہے۔ اس کے ہر لفظ سے سٹیٹ کی نفرت ٹپکتی ہے۔ اور اس نفرت پر اخلاق اور فلسفے کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ لیکن صالح اور صحت مند سوسائٹی کی تشکیل کیونکر ہوگی؟ اس کا سراغ ہمیں اس کی تصنیفات میں کہیں بھی نہیں ملتا۔ اگر انارکسٹ نظام کے علمی اور عملی پہلوؤں سے واقفیت حاصل کرنی ہو تو اس کے شاگردوں کی تحریرات کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ کروپٹکن (KROPOTKIN) کی تصنیفات میں انارکزم کی کافی تشریح موجود ہے۔

انارکزم کی تشریح:

کروپٹکن اپنے خیالات کی خاطر اپنے لیڈر کی طرح کافی عرصہ اسیرِ زندان رہا۔ اور

Marfat.com

قانون کے ہاتھوں بہت صدمے اٹھائے۔ اس کی مشہور کتابیں "FIELDS FACTORIES AND WORK SHOPS" اور "THE CONQUEST OF BREAD" ہیں۔ ان میں اس نے اپنے معاشی نظریے کی تصریح کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر پیدائش دولت کو علمی اصولوں پر چلایا جائے اور کام کو آسان بنایا جائے تو تھوڑے سے کام سے بھی تمام آبادی کے لئے کافی کچھ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اس میں مبالغہ آمیزی ہے تاہم اس میں حقیقت کی بھی نمایاں جھلک موجود ہے۔ اگر تہذیب و حضارت کی ترقی اصولِ مساوات کے منافی نہیں تو ضروری ہے کہ دولت آفرینی کا عمل زیادہ سے زیادہ خوشگوار ہونا چاہیئے اور مزدوروں کو فراغت اور فرصت ضرور میسر ہونی چاہیئے۔ اگر سوسائٹی کے افراد کا سارا وقت کسبِ معاش میں صرف ہو جاتا ہے تو علوم اور فنونِ لطیفہ کی ترقی یک قلم رک جاتی ہے۔ کیونکہ یہ وہ پودے ہیں جو فراغت کی زمین میں بوئے جاتے ہیں اور وہیں نشو و نما پاکر بار آور ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک کی فضا میں کوئی ہلچل پیدا نہیں ہوتی۔ جب مزدور اپنے کام سے مطمئن ہوں گے تو ان کو کسی امن سوز کاروائی کی ضرورت محسوس نہ ہو گی۔

کروپٹکن کے اصول کے مطابق کارخانوں کے طریقہ کار میں کافی اصلاح ہونی ضروری ہے بلکہ لابدی ہے۔ وہ اس بات کے حق میں ہے کہ اُجرتی نظام بالکل اڑا دیا جائے، کیونکہ معاوضے کا تخیل خود اپنے اندر جبر کا پہلو لئے ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک کام نہ کرو گے کچھ نہیں ملے گا۔ گویا مزدور کام پر مجبور اور مکلف ہوتے ہیں۔ حالانکہ انارکزم کا اصول اس بات کا مقتضی ہے کہ کام اور معاوضہ دو الگ الگ ادارے ہونے چاہئیں، ان کو لازم اور ملزوم قرار دینا سرمایہ داری کا دوسرا نام ہے۔ مزدور کام اس واسطے کرے کہ یہ اس کا طبعی میلان ہے اور کام کے بغیر وہ بے آرامی محسوس کرتا ہے۔ انارکسٹ کہتے ہیں کہ کام انسان سے اضطراری طور پر صادر ہوتا ہے اور انسان کو بیکار بٹھا دینا اس کی انسانیت کو کچلنے کے مترادف ہے۔ اگر انسانی اخلاق کی خاطر خواہ تربیت کی جائے تو مزدور کبھی بھی کام سے جی نہیں چرائے گا، بلکہ کام کرنے میں حظ و لطف محسوس کرے گا۔ اسی طرح معاوضے کا سوال بالکل نہ ہونا چاہیئے۔ جو کچھ مزدور کو ملتا ہے وہ کام کے بدلے میں نہ ملنا چاہیئے؛ بلکہ اس واسطے ملنا چاہیئے کہ ضروریاتِ زندگی کا ملنا اس کی حیات کے قیام و بقا کے لئے ضروری ہے۔ اگر یہ صورت حالات پیدا ہو جائے تو نہ پولیس کی ضرورت رہتی

Marfat.com

ہے، نہ قانون فوجداری کی، نہ عدالت کا خطرہ ہوتا ہے نہ دار کا ڈر۔ اور دولت آفرینی کا عمل حسن و خوبی کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ یہ ایک مثالی تصور ہے اور کبھی شرمندۂ عمل نہیں ہوا۔ دنیا میں خال خال ایسے انسان ہوں گے جن کو کام اور محنت سے الفت و شغف ہو، اور اس کے بغیر ان کی زندگی ناقابل برداشت ہو جائے۔

اس کے علاوہ انارکزم کے اصول پر اور کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ اصولِ نفسیات کو فراموش کرتی ہے۔ انسانی جبلتوں کے استقصاء سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسان میں نیکی کے ساتھ بدی کا میلان بھی موجود ہے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر فرائیڈ نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ انسان کو قدرت نے جارحانہ جبلت (AGGRESSIVE INSTINCT) بھی ودیعت کی ہے اور اس نے اپنی کتاب (CIVILISATION AND ITS DISCONTENT) میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اس جبلت کو بالکل دبا دینا بھی انسانی مسرت کی نفی ہے۔ اب اگر انارکزم کے اصول کے مطابق تمام حکومتوں اور ان کے قوانین کو منسوخ کر دیا جائے تو دنیا میں طوفان بے تمیزی بپا ہو جائے اور تمدن و تہذیب کے گہوارے بدامنی اور فساد کے مرکز بن جائیں۔ جب تک انسان میں سفلی جذبات موجود ہیں، جب تک اس کے دست بازو میں بدی کے ارتکاب کی سکت ہے قانون کی ضرورت اظہر من الشمس ہے۔ یہ قانون کا خوف ہی ہے جو قاتل کے ہاتھ کو روکتا ہے۔ یہ قانون کے نفاذ کی بدولت ہی ہے کہ تختۂ دار پر قاتل کا منظر اس کے ہم شہریوں کے لئے اخلاقی وعظ کا اثر رکھتا ہے۔ یہ قید و بند کی صعوبتیں ہی ہیں جو زندانیوں کو نیک چلنی کا سبق دیتی ہیں۔ پھر قانون کا تازیانہ ہی ہے جو شریفوں اور نجیبوں کو بدقماشوں کی دست درازیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

فسطائیت

آٹھویں صدی قبل مسیح سے ۴۵۵ء تک رومۃ الکبریٰ ایک عظیم سلطنت تھی جس کا پرچم اقتدار مصر و ایران کی سرزمینوں پر لہراتا تھا۔ اٹلی اس کا مرکز تھا۔ ۴۵۵ء میں اس عظیم سلطنت کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ ہر حصے کے الگ الگ حکمران ہو گئے۔ انیسویں صدی میں قوم پرستی کی ہوا چلی تو ہر قوم نے نئے جوش و خروش اور ولولے سے اپنی تنظیم شروع کر دی۔ میزنی (MAZZNI) نے اٹلی کو از سرِ نو متحدہ قوم بنانے پر زور دیا۔

Marfat.com

امراء اور رؤسا نے اس آواز کو اپنے لئے خطرہ محسوس کرتے ہوئے ۱۸۳۰ء میں اس کو جلا وطن کر دیا۔ اس نے فرانس میں جا کر پناہ لی اور نوجوانانِ اٹلی کے نام سے ایک جماعت بنائی، جس نے اٹلی کے اتحاد کے لئے پراپیگنڈا شروع کر دیا۔ اس پراپیگنڈا کا یہ اثر ہوا کہ یورپ کے کئی ملکوں میں "متحدہ اٹلی" کے کئی ہمدرد پیدا ہو گئے۔ آخر کار ۱۸۶۱ء میں جزیرہ سارڈینیا کے رئیس ڈاکٹر عمانوئیل کو اٹلی کا واحد حکمران تسلیم کر لیا گیا اور تمام صوبے اس کے زیر حکومت آ گئے اور اٹلی وحدت کی لڑی میں منسلک ہو گیا۔

۱۸۸۳ء میں اٹلی نے آسٹریا اور جرمنی سے دوستی کا معاہدہ کیا جو اتحادِ ثلاثہ کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں اٹلی اس معاہدہ سے انحراف کر کے فرانس اور برطانیہ کا حلیف بن گیا۔ ۱۹۱۷ء میں آسٹریا کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھائی، لیکن پھر برطانیہ اور امریکہ کی مدد سے اٹلی نے آسٹریا اور ہنگری کو شکست دی۔ جنگ کے خاتمہ پر برطانیہ اور امریکہ کے وعدوں کے مطابق وہ کچھ نہ ملا جو اس کو ملنا تھا۔

فاشزم

اتحادیوں کی وعدہ خلافی کا یہ ردعمل ہوا کہ اٹلی میں اتحادیوں کے خلاف جماعتیں بننا شروع ہو گئیں۔ ان جماعتوں میں سب سے زیادہ اہم فاشسٹ جماعت ہے۔ اس جماعت کا مطمح نظر یہ تھا کہ اٹلی کو اشتراکیت کی زد سے بچانے کے لئے اشتراکیت اور جمہوریت کے ملے جلے اصول کے مطابق حکومت قائم کی جائے۔

اس نظریہ کے مقابل پر خالص اشتراکی نظریہ بھی کام کر رہا تھا۔ دونوں نظریوں کے حامیوں میں بلوے ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں اٹلی میں سیاسی بحران پیدا ہو گیا۔ مزدوروں کی ہڑتالوں نے اٹلی کی معاشی حالت کو تباہ و برباد کر دیا۔ اشتراکیت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے روسی اشتراکیت کے نمونے پر پنچایتیں بنائی گئیں، مگر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ گویا اٹلی میں اشتراکیت کامیاب نہ ہو سکی۔ کمیونسٹ پارٹی کے بہت سے حامی الگ ہو کر فاشسٹ جماعت سے مل گئے۔ مئی ۱۹۲۱ء میں فاشسٹ پارٹی کے ۳۲ آدمی پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے، ان میں سے ایک مسولینی تھا۔

اسی سال فاشسٹ جماعت کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مسولینی کو قائد تسلیم

Marfat.com

کر لیا گیا اور اس نے یہ اعلان کیا کہ وہ اٹلی کو اشتراکی خطرہ سے بچانا چاہتا ہے۔ اٹلی میں اس جماعت کو بے حد مقبولیت حاصل ہو گئی اور عوام مسولینی کے ہر اشارہ پر جان دینے کو تیار تھے۔ اس مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر ۲۷ر جون ۱۹۲۲ء کو ۲ لاکھ فسطائی رضا کاروں کی مدد سے مسولینی نے روم پر حملہ کر کے شاہی محل کا گھیراؤ کر لیا، اور بادشاہ نے خوف کے مارے مسولینی کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔ اس طرح اٹلی میں سیاسی انقلاب رونما ہوا اور آہستہ آہستہ تمام سیاسی جماعتوں کو ختم کر دیا گیا۔

مسولینی اقتدار حاصل کرنے کے بعد افریقہ کے شمالی ساحل کے علاوہ یورپ میں یوگوسلاویہ سے البانیہ اور یونان تک روم الکبریٰ کی حدود وسیع کرنا چاہتا تھا۔ مئی ۱۹۳۶ء میں حبشہ پر حملہ کر کے اٹلی سے ملا لیا۔ پھر ۱۹۳۹ء میں البانیہ پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۳۹ء میں جب ہٹلر نے پولینڈ پر دھاوا بولا تو مسولینی نے ہٹلر سے اتحاد کر کے برطانیہ اور فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ پہلے یونان کو زیر کیا، پھر یوگوسلاویہ کو مطیع بنایا۔ ادھر ہٹلر کو ہر محاذ پر کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ اس نے سارا یورپ اور آدھا روس فتح کر لیا۔ آخر کار ۱۹۴۵ء میں فسطائیت کو ہر محاذ پر شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ مسولینی کی پارٹی کے ممبر اس کے خلاف ہو گئے، شاہ اٹلی نے اسے معزول کر کے پھانسی پر لٹکا دیا۔ ادھر ہٹلر نے ۹ مئی ۱۹۴۵ء کو خودکشی کر لی۔

فسطائیت کے اصول و نظریات

فاشزم کا اپنا کوئی اصول اور نظریہ نہیں، چند مختلف مفکرین کے خیالات کو جمع کر کے ایک نظریہ کی بنیاد رکھ دی، جس کا نام فاشزم رکھ دیا۔ فاشزم پر میکاولی، ہابس، فشٹے، ہیگل، نٹشے اور مارکس اثر انداز ہوئے ہیں۔ یہ سب فلسفی ریاستی اقتدار اور مرکزیت کے قائل تھے۔ اس وجہ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ فاشزم بھی انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر ریاستی اقتدار کی حامی ہے، اور وہ ایک ایسا کلیاتی نظام قائم کرنا چاہتی ہے جس میں ریاست کو مکمل طور پر غلبہ حاصل ہو، ایسا غلبہ جس سے معاشرہ اور ریاست کا الگ تصور نہ ہو سکے۔

تاہم اگر فاشزم کا مطالعہ کیا جائے تو حسب ذیل اصول سامنے آتے ہیں:

Marfat.com

۱۔ عمل

فاشزم اس امر کی حامی ہے کہ کامیابی محض عقیدہ اور نظریہ پر یقین رکھنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ کامیابی کا دارو مدار عمل پر ہے۔ چنانچہ مسولینی کہتا ہے "میرا پروگرام عمل کرنا ہے باتیں بنانا نہیں۔" مزید کہتا ہے "فسطائیت حقیقت پر مبنی ہے، بالشویزم نظریے پر مبنی ہے، ہم مخلص اور حقیقی بننا چاہتے ہیں۔"

۲۔ جبر و تشدد

فاشزم کا دوسرا اصول جبر و تشدد ہے۔ فسطائی جبر و تشدد سے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جنگ کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ مسولینی کہتا ہے: "فاشزم عوام کے لئے حکومت ہے جو ان کے سروں پر قائم ہے، اور اگر ضرورت پڑے تو ان کے خلاف حکومت کرے گی۔"

۳۔ جمہوریت کی مخالفت

فاشزم جمہوریت کی مخالف ہے۔ چنانچہ مسولینی کہتا ہے: فاشزم یہ تسلیم نہیں کرتی کہ اکثریت محض اس لئے کہ یہ اکثریت ہے انسانی معاشرے کی راہ نمائی کرے۔ فاشزم تمام جمہوری طریقوں کو رد کرتی ہے۔ مثلاً انتخابات، سیاسی پارٹیاں، پارلیمانی طرز حکومت، اکثریت کے مطابق فیصلے اور قوانین وضع کرنا، ووٹ یا رائے دہندگی، عوام کی مرضی یا رائے عامہ وغیرہ۔ یہ جمہوریت کو جاہلوں کی حکومت گردانتی ہے کیونکہ عوام کی اکثریت جاہل افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔"

"فاشیت تعداد کی اس حیثیت سے کہ وہ انسانی معاشرے کا تعین کرنے والی عامل ہو سکے انکار کرتی ہے۔ اور موقتی مشورہ کے ذریعہ تعداد کے حکومت کرنے کے حق کو بھی وہ تسلیم نہیں کرتی۔"[1]

۴۔ حریت انسانی کی مخالفت

فاشزم انسانی حریت اور مساوات کی قائل نہیں۔ فسطائی ریاست ہیگل کے اخلاقی تصور ریاست پر یقین رکھتی ہے کہ ریاست سے الگ ہو کر انسان کا کوئی روحانی اور اخلاقی وجود نہیں ہے۔ اس لئے ریاست کے منشاء کے خلاف کسی قسم کی انفرادی

---

[1] اسلام کا نظریہ حیات مصنفہ خلیفہ عبدالحکیم ص ۳۷۳۔

Marfat.com

آزادی کا وجود نہیں۔

۵۔ بین الاقوامیت کی مخالفت

فاشزم بین الاقوامیت کی مخالفت ہے اور صرف قومی طاقت اور ملکی ہوس گیری کی قائل ہے۔ مسولینی کا یہ نظریہ تھا کہ اٹلی کو اپنی حدود سے نکل کر دوسرے ممالک پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ اور یہ مقصد صرف جنگ کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

۶۔ چیدہ افراد کا غلبہ

فاشزم چیدہ (ELITE) کی حکومت پر یقین رکھتی ہے جو ایک قائد کے تحت حکومت کرتے ہیں۔ فسطائی کہتے ہیں کہ صرف قوم کی اقلیت ہی قومی مفاد کو سمجھتی ہے اور ان کی تکمیل کرنے کی اہل ہوتی ہے۔

۷۔ امن کی مخالفت

فاشزم امن کے افادہ پر یقین نہیں رکھتی۔ مسولینی اپنے فلسفہ امن و جنگ کے متعلق کہتا ہے "فاشیت امن پسندی کو جو ایثار کے پردہ میں بزدلانہ تساہل پسندی و نفس کشی کا ایک حیلہ ہے ترک کرتی ہے۔ جنگ انسان کی تمام توانائیوں کو ان کی انتہائی حد تک پہنچاتی ہے اور ان اشخاص پر مہر شرافت ثبت کرتی ہے جو مردانہ وار اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ تمام دیگر آزمائشیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں جو انسان کو موت و زیست کی متبادل صورتوں میں خود اپنے آپ سے مقابل نہیں ہونے دیتی۔ لہٰذا وہ تمام اصول جو بہر قیمت امن کے دعوٰی دار ہیں وہ فاشیت کے ساتھ میل نہیں کھاتے اور اس قسم کے تمام بین الاقوامی یا مجالسی ادارے بھی خواہ وہ خاص سیاسی صورت حال سے عہدہ برا ہونے کے لئے کتنے ہی مفید تسلیم کئے جائیں فاشیت کے اقتضا سے بیگانہ ہیں۔ چنانچہ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ جب کبھی قوموں کے ذہن و دماغ میں جذباتی تصوری یا عملی لحاظات کا ہیجان ہوا تو یہ ادارے زمین دوز ہو گئے"[1]

۸۔ ہمہ گیر مملکت (TOTALITARIAN STATE)

فاشزم مملکت کو اولیت قرار دیتی ہے اور افراد کو اس کے حصول کا ذریعہ۔ اس وجہ سے فسطائی حکومت ہر قسم کے اقتدار اور اختیارات کی مالک ہوتی ہے۔ اور افراد کو کسی

---

[1] اسلام کا نظریہ حیات مصنفہ خلیفہ عبدالحکیم ص ۳۷۵۔

Marfat.com

قسم کی آزادی حاصل نہیں ہوتی۔ ان کا صرف یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ بلا چون وچرا حکومت کی اطاعت کریں۔ مسولینی کا مشہور قول ہے: ہر چیز مملکت میں ہے۔ کوئی چیز اس کے خلاف نہیں اور کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ یہ ہمہ توانا، ہمہ جائی اور ہمہ گیر ہے۔[۱]

۹۔ قومی اتحاد

فاشزم کا سارا زور قومی یک جہتی اور اتحاد پر ہے۔ اور یہ اتحاد صرف قائد کی کورانہ تقلید سے ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے قائد کا ہر حکم ماننا فسطائیوں کا جزو ایمان ہے۔ قائد پر کسی قسم کی تنقید کرنا قومی اتحاد کے منافی ہے۔

۱۰۔ ایک پارٹی

فسطائی ایک سے زائد پارٹیوں کو قومی اتحاد کے منافی سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ صرف ایک پارٹی ہی قومی اتحاد کو برقرار رکھ سکتی ہے۔ اس وجہ سے فسطائی نظام میں کوئی دوسری پارٹی جنم نہیں لے سکتی، اور جو موجود ہو وہ ختم کردی جاتی ہے۔

۱۱۔ با اختیار قائد

فاشزم حکومت کے نظام کو چلانے کے لئے ایک با اثر اور با اختیار قائد ضروری سمجھتی ہے۔ وہ قدرت تامہ اور اختیارات کاملہ کا مظہر ہوتا ہے اور وہ بے چون وچرا غیر مشروط اطاعت کا مدعی ہوتا ہے اور وہ یہ دعوٰی کرسکتا ہے کہ "میں مملکت ہوں"

۱۲۔ قوم پرستی

فاشی نظام قوم اور نسل کی برتری پر موقوف ہے۔

نازیت

(NAZISM)

پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، جس سے جرمن قوم کا وقار ختم ہو گیا۔ سیاسی اور معاشی بحران کی وجہ سے عوام کی حالت دگرگوں ہو گئی تھی۔ تمام ملک کی تجارت چند ہاتھوں میں سمٹ کر آگئی، جن میں یہودی نمایاں تھے۔

ایک طرف ملک کی یہ شکستہ حالت اور دوسری طرف کمیونزم کا خطرہ بڑھتا جارہا

---

[۱] اسلام کا نظریہ حیات مصنفہ خلیفہ عبدالحکیم ص ۳۷۶۔

Marfat.com

تھا۔ ان حالات میں مغربی طرز پر جرمنی کو ایک دستور دے دیا گیا، جس کے تحت ویمر جمہوریہ کی بنیاد پڑی۔ یہ دستور جرمن قوم کے مزاج اور روایات کے مطابق نہ تھا۔ اس وجہ سے اس کو مقبولیت عامہ حاصل نہ ہوئی۔ ۱۹۱۹ء سے لے کر ۱۹۳۳ء تک اکیس وزارتیں بدلیں۔ ان حالات میں نازی تحریک کی بنیاد ایک معمولی شخص اینٹن ڈریکسر نے ڈالی۔ شروع میں چند آدمی شامل ہوئے۔ ان میں سے ایک اڈولف ہٹلر تھا، جو بعد میں اس تحریک کا روح رواں بنا اور عظیم شخصیت کے روپ میں ظاہر ہوا۔ بعد میں یہ تحریک سیاسی شکل اختیار کر گئی اور جسے قومی اشتراکی جماعت (NATIONAL SOCIALIST PARTY) کا نام دے دیا گیا۔ اس میں متوسط طبقہ کے لوگ شامل ہو گئے۔ سرمایہ داروں نے اس تحریک کو اپنے لئے خطرہ کا الارم سمجھا اور اس سے الگ رہے۔ ہٹلر نے اس تحریک کو عوام تک پہنچانے کے لئے دن رات کوشش کی، جس کے نتیجہ میں گرفتار ہوا۔ اسی اثناء میں ہٹلر نے اپنی مشہور کتاب کیمپف (MIEN KAMPF) تحریر کی۔

۱۹۳۲ء میں جرمن پارلیمنٹ کے انتخابات ہوئے تو نازی پارٹی نے دو سو تیس نشستیں حاصل کیں۔ ہنڈن برگ نے ہٹلر سے کہا کہ وہ فان پاپن کے ماتحت وائس چانسلر (نائب وزیر اعظم) کا منصب سنبھال لے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اور پورے اختیارات سنبھالنے کا مطالبہ کیا۔ فان پاپن مستعفی ہو گئے۔ ۲۴ نومبر ۱۹۳۲ء کو ہٹلر نے اس شرط پر چانسلر کا منصب قبول کیا کہ اسے پورے اختیارات دیئے جائیں۔ چنانچہ ۳۰ جنوری ۱۹۳۳ء کو اسے کامل اختیارات کے ساتھ چانسلر بنا دیا گیا۔ ہنڈن برگ کی وفات پر ہٹلر نے صدارت کا منصب بھی سنبھال لیا۔ اور اس نے جرمن فسطائیت کی بنیاد رکھی۔

نظری طور پر اطالوی فسطائیت اور جرمن نازیت میں کوئی فرق نہیں، تاہم جغرافیائی اور قومی اور ملکی حالات کے مدنظر شدت اور تاکیدیت کا فرق ہے۔ اس کے حسب ذیل چند اصول قابل ذکر ہیں:

۱۔ اصول قیادت

نازی ازم سلطنت کی ترقی کے لئے ایک با اختیار قائد کے وجود کو لازمی قرار دیتی ہے۔ اس کا ہر حکم بلاچون وچرا ماننا ضروری ہے۔ نازیوں کا یہ خیال ہے کہ بعض مخصوص

Marfat.com

اشخاص حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

۲۔ کلیاتی نظام

اس تحریک نے ریاستی اقتدار اور کلیاتی نظام کا نعرہ بلند کیا تاکہ قوم کو طاقتور بنایا جائے۔

۳۔ نسلیت

نازی جرمن اپنی جرمن قوم کو ہی دنیا کی سب سے اعلیٰ قوم تصور کرتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جرمن قوم ہی حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ فشٹے نے جرمن قوم کے خدائی منصب پر فائز ہونے کی تبلیغ کی ہے۔

۴۔ جمہوریت کی مخالفت

نازیت جمہوریت کی مخالف ہے۔ وہ چند مخصوص آدمیوں کی قیادت پر ایمان رکھتی ہے۔ پھر ان چند مخصوص آدمیوں پر ایک اعلیٰ قائد ہوتا ہے۔ وہ مخصوص قائدین صرف اعلیٰ قائد کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ ہٹلر اپنی کتاب "میری جد و جہد" میں لکھتا ہے:

"قومی مملکت کو چاہیئے کہ پوری حکومت کو درست کرنے کی انتھک کوشش کرے اور سیاسی قیادت اکثریت کے اقتدار کے اصول سے آزاد ہو۔ تاکہ وہاں جمہور کے بجائے فرد یعنی مقتدر قائد کا مسلمہ اقتدار قائم ہوسکے۔ فیصلہ صادر کرنے والی قوت کوئی اکثریت نہ ہو، بلکہ وہ محض ذمہ دار اشخاص کی ایک جماعت ہونی چاہیئے۔ اس طرح لفظ "کا ؤنسل" اپنے قدیم مفہوم پر عود کر آئے گا۔ ہر آدمی کے ساتھ کونسلر ہوں گے لیکن فیصلہ صرف ایک ہی آدمی دیا کرے گا۔"[۱]

۵۔ امن کی مخالفت

نازیت بین الاقوامیت اور امن و رواداری کی مخالف ہے۔ اس کے نزدیک جس قوم میں قوت اور شجاعت ختم ہو جاتی ہے تو وہ امن و رواداری کی تعلیم دینا شروع کر دیتی ہے۔ اس لئے یہ کسی قوم کے زوال کی نشانیاں ہیں۔ قوموں کی ترقی کے لئے جنگ ناگزیر ہے۔

۶۔ مرکزیت

نازی حکومت میں حکومت کا نظام مکمل مرکزیت کے اصول کے تحت چلایا جاتا ہے۔ تمام انجمنیں اور ادارے حکومت کے ماتحت ہیں، ان کا کوئی الگ وجود نہیں ہے۔

---

[۱] اسلام کا نظریہ حیات مصنفہ خلیفہ عبدالحکیم ص ۳۷۳، ۳۷۴۔

Marfat.com

۷۔ بقائے اصلح

نازی اسپنسر کے اصول بقائے اصلح کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ بقائے اصلح کی جنگ افراد کے درمیان نہیں بلکہ والٹر ہیگماٹ کے نظریہ کے تحت قوموں کے مابین ہوتی ہے۔ اس جنگ میں وہ قوم کامیاب ہوتی ہے جو اتحاد اور یک جہتی کی لڑی میں منسلک ہوتی ہے۔

اسلامی حکومت اور فاشزم اور نازی زم کا موازنہ

اسلامی حکومت	فاشی اور نازی نظام
۱۔ اسلامی حکومت میں تمام انسان برابر ہیں۔	۱۔ فاشی اور نازی نظام کی اساس ایک خاص قوم اور نسل کی برتری پر موقوف ہے۔ حکمران طبقہ دوسرے لوگوں سے افضل ہے۔
۲۔ اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔	۲۔ حکومت کا قائد ایک آمر ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں ہر قسم کے اختیارات ہوتے ہیں۔
۳۔ اسلامی حکومت میں قانون اللہ کی کتاب ہے۔ رئیس مملکت اس قانون کے تابع ہوتا ہے۔	۳۔ فاشی اور نازی نظام میں ڈکٹیٹر کا ہر حکم قانون ہوتا ہے، وہ کسی قانون کے تابع نہیں ہوتا۔
۴۔ اسلامی حکومت میں قائد عوام کے مشورہ سے کام کرتا ہے۔	۴۔ فاشی اور نازی نظام میں قائد عوام کے مشورہ کا محتاج نہیں۔
۵۔ قائد عوام کے سامنے جواب دہ ہے۔	۵۔ قائد عوام کے سامنے جواب دہ نہیں۔
۶۔ اسلامی حکومت میں قائد کی اطاعت صرف معروفات میں جائز ہے۔	۶۔ فاشی اور نازی نظام میں قائد مطاع کل ہے۔
۷۔ اسلامی حکومت صرف دفاع کے لئے لڑائی کو جائز قرار دیتی ہے۔	۷۔ فاشی اور نازی نظام ملک گیری کے لئے لڑائی کو ضروری قرار دیتا ہے۔
۸۔ اسلامی حکومت عوام کی اخلاقی، روحانی اور مادی ترقی کی ضامن ہوتی ہے۔	۸۔ فاشی اور نازی نظام صرف عوام کی مادی ضروریات کا ضامن ہوتا ہے۔

انسانی تمدن و عمران کی اصلاح و درستی کے لئے تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف کوششیں ہوئی ہیں۔ ان میں سے وہ مساعی جو مادی محاذ سے ہوئیں ان کا ذکر گزشتہ

Marfat.com

صفحات میں آچکا ہے ان کے تاریک اور روشن پہلوؤں کا ہم جائزہ لے چکے ہیں۔ اور ہم پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ان میں نور سے زیادہ ظلمت کا عنصر ہے۔ ان عمرانی تحریکات کے بانی کوس تحدی بجاتے ہوئے میدانِ عمل میں اُترے اور انہوں نے بہانگ دہل یہ دعویٰ کیا کہ وہ سماج کے تمام عوارض کا ازالہ کر دیں گے اور دنیا ارضی جنت سے ہم کنار ہو جائے گی۔ لیکن ہوا یہ کہ یا تو پہلے عوارض اور بھی زیادہ راسخ ہو گئے یا ان کی جگہ بعض زیادہ مہلک عوارض نے لے لی۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام عمرانی فساد مادیت کے غلبے اور روحانیت کے فقدان سے پیدا ہوا۔ اس کا علاج مادیین کی قوت و رسائی سے باہر ہے۔ ازالۂ مرض تو اسی وقت ہو گا جب مادی میلانات ضعیف ہو جائیں گے اور ہوا و ہوس کی جگہ بے نفسی اور بے غرضی پیدا ہو جائے گی۔ یعنی جب تزکیۂ نفس اور تصفیہ افکار ہو جائے گا۔ روحانی انقلاب صرف مذہب ہی پیدا کر سکتا ہے۔ مذہب انسانی معاشرت پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے، یہ موضوع بالتفصیل ایک ضخیم کتاب کا محتاج ہے۔ اس موقع پر ضمناً اتنا کہہ دینا بے جا نہ ہو گا کہ مذہب ہر قسم کی اصلاح کرتا ہے۔ اور اس زمین کی بھی اصلاح کرتا ہے جس سے نخلِ تمدن پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو تمدن مذہب کی نگرانی میں پروان چڑھتا ہے وہ شیریں اثمار ہوتا ہے۔ اس پر حسد و عناد، رقابت و جفاکاری کے پھل نہیں لگتے۔ ایسے تمدن کی غایت الغایات زر طلبی اور زر اندوزی نہیں ہوتی اور نہ اس کے پروگرام میں حصولِ استیلاء کی کوئی گنجائش ہوتی ہے یعنی نجات اخروی۔ جب اس سفلی زندگی میں بھی مطمحِ نظر حیاتِ علوی کی سربلندی ہو تو صاف ظاہر ہے کہ اس دنیا کے تمام خلفشار اور جھگڑے مٹ جاتے ہیں اور ان کے مٹنے سے وہ تمام بیماریاں دور ہو جاتی ہیں جن سے انسانی تمدن آج سکراتِ موت کی جانکاہیوں میں مبتلا ہے۔ قرآن کریم نے تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا کی تعلیم دے کر بتلا دیا ہے کہ انسان کو اس دنیا میں کیسے رہنا چاہیئے اور صالح تمدن کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلام کے شفاخانۂ روحانیت کے قرابا دین کا یہ نسخہ رہتی دنیا تک قتیلانِ مادیت کے لیئے آبِ حیات کا کام دے گا۔

جتنی عمرانی تحریکات اُٹھیں وہ باوجود عزائم حشر بپا کے انسانی ارادوں میں بلندی نہ پیدا کر سکیں۔ تخریب سے شروع ہوئیں اور تخریب ہی میں ختم ہو گئیں۔ اب ان کا

Marfat.com

المناک انجام ہمارے سامنے ہے۔ ہم مستقبل میں ان سے خیر و برکت کی کیا توقع کر سکتے ہیں۔ انہوں نے دنیا میں ایک نوع کی بربریت کو دور کر کے دوسری قسم کی بربریت کو رائج کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب ان میں سے اکثر تقویم پارینہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ جس تمدن کے خلاف یہ اٹھی تھیں اس کے حامیوں نے ان خامیوں کو فوراً بھانپ لیا اور ان کو اپنی عیاری اور چابکدستی سے موت کی نیند سلا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود سرمایہ داری کو مذموم و مقہور سمجھنے کے دنیا کو اب تک اس سے کامل نجات نصیب نہیں ہوئی۔ کارخانوں میں اب بھی لاکھوں کروڑوں انسان سرمایہ داروں کے تنورِ حرص کی ہیزم کشی کر رہے ہیں۔ حکومت سب کچھ دیکھتی ہے مگر کوئی امداد نہیں کر سکتی۔

اس وقت تک ہم تمام قابلِ ذکر عمرانی تحریکات کے اصول اور طریق کار اور ان کے اچھے اور برے پہلوؤں کا جائزہ لے چکے ہیں۔ ہم یہ بتا چکے ہیں کہ یہ کیوں پیدا ہوئیں۔ اب اس کا اعادہ کرنا عبث ہے کہ یہ تمام تحریکیں ناکام رہیں۔ انہوں نے عوام میں ایک ہیجان پیدا کیا۔ ان میں سے بعض کو عملی صورت میں آنے کا موقع بھی ملا اور بعض ناقابلِ عمل ہونے کی وجہ سے ابتداء ہی میں مردود ہو کر رہ گئیں۔ لیکن جن کا تجربہ کیا گیا وہ بھی ناقص ثابت ہوئیں اور معاشی حالات میں کوئی خوشگوار تبدیلی نہ پیدا کر سکیں۔ آج بھی اگر کوئی بالغ نظر مبصر عمرانی حالات کا جائزہ لے تو اس کو وہی عوارض نظر آئیں گے جو ان تحریکات کے ظہور سے پہلے تھے۔ عمل استحصال بدستور ہے۔ سوسائٹی اسی غیر منصفانہ تفریق میں مبتلا ہے۔ احترام آدمیت کہیں نظر نہیں آتا اور ثروت و دولت ہی میں عز و وقار سمجھا جاتا ہے۔ ان تحریکات کے بالمقابل اسلام ایک ایسا نظریہ حیات پیش کرتا ہے جو انفرادی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی پر حاوی ہے اور زندگی کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ اس نظریہ حیات کو اپنانے کے ساتھ ہی دنیا کے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

اسلام کا معاشرتی و سیاسی و اقتصادی نظام

اقتصادی نظریات

۱. نظریۂ اجتماعیت
۲. کمیونزم
۳. سوشلزم
۴. فاشزم
۵. سرمایہ داری
۶. اسلام

Marfat.com

اسلام اور جدید معاشی نظریات

موجودہ زمانے میں معاشی مسئلہ کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔ جس کے حل کرنے کے لیے مختلف قسم کی تحریکیں اٹھی ہیں۔ ان میں سے اجتماعیت۔ کمیونزم، سوشلزم، فاشزم، سرمایہ داری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اسلام کا معاشی تصوّر بیان کرنے سے قبل ان تحریکات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اسلامی اقتصادی نظام کی برتری واضح ہو سکے۔

Marfat.com

نظریہ اجتماعیت

نظریہ اجتماعیت کو ارتقائی یا آئینی اشتراکیت EVOLNTIONARY
CONSTITUTIONAL LOUIAIPIOM بھی کہا جاتا ہے۔ یہ
بی ممالک میں مختلف ناموں سے وجود میں آیا۔ فرانس میں اس کو اجتماعیت
(COLLECTINISM) اور انگلستان میں فابینزم (FABANISM) کہتے ہیں۔
یہ نظریہ نظریہ انفرادیت کی ضد ہے۔ مشہور ماہر عمرانیات جوڈ اس نظریہ کی
تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

" اجتماعی اشتراکیت ایک ایسی حکمت عملی یا نظریہ ہے جو ایک مرکزی جمہوری قوت
اختیار کے ذریعہ حالت موجودہ کی نسبت بہتر طور پر دولت کی تقسیم اور پیداوار کو عمل
میں لانا چاہتا ہے"

۱۔ معاشرہ اور فرد کا باہمی تعلق ۔ اجتماعی اشتراکین نہ تو نظریہ انفرادیت کو تسلیم کرتے
ہیں جس کی رو سے فرد کو معاشرے اور ریاست کا مرکزی نقطہ خیال کیا جاتا ہے اور نہ نظریہ
اشتراکیت کے بنیادی اصول طبقاتی جنگ کو مانتے ہیں جس کی رو سے معاشرہ سرمایہ دار
اور مزدور دو طبقوں میں بٹ گیا ہے۔ ان کی لڑائی ازل سے ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔
وہ فرد کو معاشرہ کا ایک ضروری عضو قرار دیتے ہیں اور فرد اور معاشرہ کے درمیان رشتہ اتحاد
نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ نہ تو فرد بغیر معاشرہ کے زندہ رہ سکتا ہے اور نہ معاشرہ کی عمارت
بغیر فرد کے تعمیر ہو سکتی ہے۔ تاہم اجتماعی اشتراکین کہتے ہیں کہ موجودہ معاشرہ غیر منصفانہ تقسیم
دولت کی وجہ سے صحیح خطوط پر منظم نہیں۔ چند افراد کی خوشی اور آرام کے لئے بہتوں کو دکھ اور
مصیبت کی بھٹی میں جھونک دیا گیا ہے۔ اس خرابی کو طبقاتی جنگ سے نہیں بلکہ جمہوری
ریاست کی کارروائی سے ختم کی جا سکتی ہے۔

۲۔ تدریجی اصلاح :۔ نظریہ اجتماعیت ریاست کے خاتمہ کے نظریوں کو صحیح تسلیم
نہیں کرتا۔ نہ سرمایہ دار معاشرے لوٹ کھسوٹ کر کے ختم کرنا چاہتا ہے بلکہ وہ ریاست کے
وجود کو ضروری سمجھتا ہے جو دولت کی غیر منصفانہ اور غیر مساویانہ تقسیم اور پیداوار کے

Marfat.com

غیر منصوبہ پیداوار کے انتشار کو تدریجاً ختم کر دے گی۔ اس کام کے لئے اجتماعی اشتر
اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ جمہوری ریاست قانون سازی کے طریقہ سے گا ہے بگا ہے ا
قوانین وضع کرے جن سے سرمایہ دار معاشرہ میں رفتہ رفتہ اصلاح ہونی شروع ہو جا
اس تدریجی اصلاح کے لئے موثر پروپیگنڈا اور اشاعت ضروری خیال کرتے ہیں۔

نظریہ اجتماعیت کے مقاصد۔

۱- حکومت تمام ذرائع پیدائش دولت اپنی تحویل میں لے لے تاکہ آزاد مسابقت
مقابلے کی تمام برائیاں ختم ہو جائیں۔
۲- مصنوعات کو عوامی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مناسب معیار کے مطابق
۳- عوام قوم اور ملک کی بہبود کی خاطر کام کریں۔
۴- سرمایہ دار معاشرے کو ختم کرنے اور مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ر
کا وجود ضروری ہے۔

اسلام اور نظریہ اجتماعیت

اسلام اس بات کا حامی نہیں کہ تمام وسائل پیدائش حکومت اپنی تحویل میں لے
اسلام نے وسائل پیدائش کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہ وسائل پیدائش جن پر انفرادی م
ہو جانے کی وجہ سے افراد تنگی اور تکلیف محسوس کریں ان کو اجتماعی ملکیت قرار دیتا
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا المسلمون شرکاء
ثلث فی الماء والکلاء والنار یعنی تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں یعنی پانی گھاس
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پر صرف تین چیزوں کا ذکر کیا ہے، درحقی
حدیث کا یہی منشاء ہے کہ قدرتی وسائل پیدائش جن پر ان کی محنت نہ لگی ہو اور وہ ہوں افاد
عام کے لئے تو وہ حکومت کی تحویل میں ہوں گے۔ ہمارے فقہاء کرام نے مذکورہ ہدایت
روشنی میں مزید قدرتی وسائل پر انفرادی ملکیت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ق
نے نمک، گندھک، مومیائی اور مٹی کے تیل کے متعلق لکھا ہے لا تملک بالاحیاء ولا
اقطاعھا من الناس ولا احتجارھا دون المسلمین لان فیہ ضرر للمسلمین وتض
علیھم یعنی نہ آباد کرنے اور نہ حکومت سے جاگیر ملنے کی صورت میں ان کا کوئی مالک ہو
سکتا ہے اور نہ یہ امر جائز ہے کہ عام مسلمانوں کو ان اشیاء سے فائدہ حاصل کرنے

Marfat.com

...دیا جائے کیونکہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا اور ان پر تنگی ہوگی۔

دوسرے وسائل پیدائش جن پر اسلام انفرادی ملکیت جائز قرار دیتا ہے۔ ان پر بھی ...کے حق ملکیت پر معاشرہ کے مفاد کی خاطر ضروری قیود عائد کرتا ہے۔

اسلام نے حصول دولت کے لئے بھی اصول متعین کر دیئے ہیں۔ جن پر پابندی ضروری ہے۔ ان کا ذکر بعد میں آئے گا۔

...ذرائع پیدائش دولت حکومت کی تحویل میں چلے جانے کے نقصانات

۱۔ فرد کی ذات ریاست کے وجود میں گم ہو جاتی ہے جس سے ہر فرد کی ذہنی نشوونما رک جاتی ہے۔ ہر فرد حکومت کی مشین کا ایک پرزہ بن جاتا ہے۔ اس کی اپنی شخصیت اور خودی ختم ہو جاتی ہے۔

۲۔ فرد کو ہر قسم کی ملکیت سے محروم کر دینا اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ انسان کے اندر قدرت کی طرف سے ذاتی ملکیت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اسی جذبہ کے تحت وہ محنت کرتا ہے۔ تمام وسائل پیدائش دولت حکومت کی تحویل میں چلے جانے سے انسان کا جذبہ محنت سرد پڑ جاتا ہے۔

۳۔ حکومت عوام کو چند سرمایہ داروں کی غلامی سے نجات دلا کر اپنی غلامی میں لے لیتی ہے جس طرح عوام سرمایہ دارانہ نظام میں بے بس ہوتے ہیں اسی طرح اس نظام کے سامنے غلاموں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیونکہ تمام سیاسی قانونی اور اقتصادی اختیارات حکومت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ انفرادی حیثیت تو بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اس نظام میں برسر اقتدار طبقہ اتنا طاقتور ہوتا ہے اور عوام اتنے بے بس۔ برسر اقتدار طبقہ طاقت کے نشہ میں جو جائز یا ناجائز کرے عوام اس کے خلاف کسی قسم کی آواز اٹھا نہیں سکتے۔

Marfat.com

اشتمالیت (کمیونزم) (COMMUNLSIM)

اشتمالیت نظام سرمایہ داری کی ضد ہے جو وسائل پیدائش دولت کو شخصی ملکیت بنانے اور باہمی مقابلہ کے بعد صنعتوں پر تسلط جمانے کے خلاف ہے۔ یہ ایک ایسے معا کی تعمیر کا منصوبہ پیش کرتا ہے جس میں سرمایہ تمام قوم کی ملکیت ہو اور معاشیاتی سرگرمیوں پر حکومت کا کامل تسلط ہو۔ اشتراکیت اور اشتمالیت میں بنیادی فرق ہے۔ اشتمالیت ا فلسفہ کی انقلابی تحریک ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق موجودہ معاشی نظام میں تبدیلی جمہوری طریقوں سے ناممکن ہے۔ اس کے حامی تشدد آمیز طریقوں اور طاقت کے ذریعے معاشی نظ میں انقلابی تبدیلیاں لانے کے حق میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ذاتی ملکیت کا حق اور منافع خو کی ہوس معاشرہ کو دو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ سرمایہ دار اور اجیر۔ ہر قسم کے ا کو ختم کرنے اور امن و انصاف کی فضا پیدا کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے استحصال شدہ مزدور طبقہ بغاوت کر کے سماجی، سیاسی اور معاشی زندگی کی باگ ڈور خود سنبھا لے۔ اس کے برعکس اشتراکی یا ارتقائی اشتمالیت پسند قوت کے استعمال کے قائل نہیں ہیں۔ اگرچہ بنیادی طور پر تمام اشتمالی مفکرین ذاتی ملکیت کے خلاف ہیں لیکن اس معاملہ میں بھ ان میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ نظریہ اجتماعیت (COLLECTIVISM) کے پیروکاروں کے افکار کے مطابق وسائل پیداوار اور قومی حکومت کی ملکیت میں ہو چاہئیں۔ لیکن انجمن اشتراکیت (SYNDICALISM) کے ماننے والوں کے مطابق ہر صنعت کے لئے علیحدہ علیح مزدور انجمنیں ہونی چاہئیں جس کی بنیاد اشتراکیت اور ٹریڈ یونین کے اصولوں کے اشترا پر رکھی گئی ہو۔ تمام صنعتوں پر ان انجمنوں کا کنٹرول ہو۔ انتظام و انصرام کے لئے تمام قو اور مقامی صنعتوں میں مزدوروں اور ماہرین پر مشتمل بورڈ ہوں گے جن کو سنڈیکیٹ کہا جا مرکزی حکومت ان سنڈیکیٹوں پر مشتمل وفاق کی حیثیت رکھے گی۔

کمیونسٹ یا اشتمالیت پسند پرولتاری آمریت قائم کرنے کے حق میں ہیں۔ ان کا دولت کی تقسیم کا نظریہ بالکل مختلف ہے۔ وہ ہر فرد کو اس کی ضروریات کے مطابق دینے اور اور اس کی استعداد اور قابلیت کے مطابق کام لینے پر زور دیتے ہیں۔ پرولتاریوں کو بہل

Marfat.com

کامیابی ۱۹۱۷ء میں کامیاب روسی انقلاب کی شکل میں ہوئی۔ انہوں نے برسر اقتدار آتے ہی زمینوں کو قومیا لیا۔ تمام کانوں، صنعتوں۔ ذرائع نقل و حمل۔ تجارت خارجہ اور جنگلات کو قومی تحویل میں لے لیا۔ اس سے حکومت کے لئے گوناگوں مشکلات اور دشواریاں پیدا ہو گئیں۔ مزدور کا تساہل۔ آجر اور تاجر کا عدم تعاون۔ غیر ممالک سے اشیائے سرمایہ کی فراہمی میں عملی دقتیں اور اشیائے صرف کی خرید و فروخت میں چور بازاری نے حکومت کی معاشی پالیسیوں کو ناکام بنا دیا جس سے حکومت کو معاشی پالیسی میں ردّ و بدل کرنا پڑا۔ غیر ملکی تجارت میں کافی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ اور چھوٹی صنعتوں میں نجی سرمایہ کاری کی اجازت بھی دے دی گئی۔ معاشی پالیسیوں میں تبدیلیوں کی وجہ سے حکومت کے پنج سالہ منصوبے کامیابی کے ساتھ عملی جامہ پہنائے جا سکے۔

مارکس اور اینگلز کے فلسفیانہ نظریات کو جداگانہ مقام تفویض نہیں کیا جا سکتا۔ سماج کی جن برائیوں کو مارکس نے محسوس کیا اور ان پر غور و خوض کیا انہی حقائق پر اینگلز نے بھی تحقیق اور تفصیل سے ان کا پرچار کیا۔ مزدور کی اہمیت اور کیفیت ان کے فلسفے کا محور ہے۔ ان کے نزدیک دنیا کا سب سے مظلوم اور استحصال شدہ طبقہ مزدور ہے۔ وہ سب سے زیادہ بے کس اور بے بس ہے۔ وہ کارخانوں میں مشینوں کی روح رواں ہے لیکن کارخانے کا مالک اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کی تمام صلاحیتیں محض روٹی کی فکر میں زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔

اینگلز کے افکار کے مطابق زندگی کو کارآمد سود مند ثابت کرنے کے لئے ایسے عملی اقدامات اٹھائے جائیں جن سے ٹھوس مادی نتائج برآمد ہوں۔ مذہبی اور اخلاقی روایات درجہ بندی اور قناعت کی تعلیم دیتی ہیں جس سے انسانی کوششیں سرد پڑ جاتی ہیں۔ وہ سرمایہ دار کے لئے "بورژوا" اور مزدور کے لئے "پرولتاری" کی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ بورژوا سے مراد جدید سرمایہ دار ہیں جن کے قبضہ میں تمام ذرائع پیداوار ہیں اور محض منافع کی ہوس کی خاطر کسی کاروبار کی داغ بیل ڈالتے ہیں اور مزدور کی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس وقت تک عمل پیدائش کو وسیع کرتے رہتے ہیں جب تک مختتم لاگت مختتم قیمت کے برابر نہیں ہو جاتی۔ مختتم سے مراد وہ قیمت یا رقم ہے جو اس آخری اکائی کی فروختگی سے وصول ہو۔ پرولتاری روزانہ اجرت پر کام کرتا ہے۔ اس کے پاس ذرائع پیداوار نہیں ہوتے۔ اس کی معاشی اور مالی

Marfat.com

حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے اور جسم اور روح کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے وہ اپنی جسمانی استعداد کو فروخت کرتا ہے۔ ازل سے پرولتاری کا استحصال ہوتا رہا ہے وہ پورژوا کے پیدائشی زرخرید غلام سمجھے جاتے رہے ہیں۔ وہ مایوسیوں کا شکار، محرومیوں کا لاشہ، لاچار بے یار و مددگار بس پس کر باغی ہو جاتا ہے اور اپنی گردن سے پورژوا کی غلامی کا جوا اتار پھینکتا ہے۔ سرمایہ دار کی منافع کی ہوس اور زر پرستی خود ان کے لئے قبر کھودتی ہے۔

پرولتاری سرمایہ دار کو ہر شکل میں نیست و نابود کر دینا چاہتا ہے کیونکہ اس کے ہر فعل اور کردار میں وحشت اور درندگی کی بو آتی ہے۔ وہ سرمایہ دار سے اس کا سب کچھ چھین لینا چاہتا ہے جس سے وہ ان کا استحصال کرتے ہیں۔

زمین۔ کانیں، جنگلات، کارخانے۔ بیرونی تجارت، نقل و حمل اور خبر رسانی کے تمام ذرائع پیداوار قومی ملکیت میں لے لئے جاتے ہیں۔ حکومت اپنی انتظامی مشینری کے ذریعے ان کا انتظام و انصرام کرتی ہے۔ ان ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی رفاہ عامہ پر خرچ ہوتی ہے۔ وراثت کے تمام حقوق اور شرائط بدل دی گئی ہیں۔ وطن سے فرار ہونے والے افراد کی جائیدادیں بحق سرکار ضبط کر لی جاتی ہیں۔ تمام قسم کا کاروبار سرکاری بنک کی وساطت سے کیا جاتا ہے۔ پیداواری صلاحیت بڑھانے کے بعد اسے برقرار رکھنے کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ وہی بنجر زمینوں کو آباد اور آباد زمینوں کو زیادہ زرخیز بنانے کے لئے منصوبے تیار کرتی ہے اور ان پر عمل درآمد کرتی ہے۔ ملک کے ہر فرد کو اس کی اہلیت اور صلاحیت کے مطابق کام کی فراہمی کی ذمہ داری حکومت کی گردانی جاتی ہے۔ بچوں کے لئے مفت تعلیم۔ بیماروں کے لئے طبی امداد اور تفریح طبع کی سہولتوں کی فراہمی حکومت کے ذمے ہوتی ہے۔ تربیت کے دوران تمام قسم کے امتیازات مثلاً نسلی خاندانی اور علاقائی ختم کر دیئے جاتے ہیں۔

اشتمالی نظام کے فوائد۔

۱۔ تمام ذرائع پیدائش دولت کا حکومت کی تحویل میں چلے جانے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ منافع جو تاجروں۔ زمینداروں اور کارخانہ داروں کی جیبوں میں جاتا ہے وہ حکومت کے خزانہ میں آنا شروع ہو جاتا ہے اس طرح حکومت مالی لحاظ سے بہت مضبوط ہو جاتی ہے۔

۲۔ حکومت جس قدر مالی لحاظ سے مستحکم اور مضبوط ہو گی۔ اسی قدر وہ اجتماعی فلاح کے کاموں اور ملکی ترقی اور دفاع پہ زیادہ خرچ کرے گی۔ حکومت ایک مضبوط طاقت بن جائے گی۔

Marfat.com

اور بیرونی خطرات سے محفوظ رہے گی۔

۳۔ ملک طبقاتی کشمکش کے بدنتائج سے بچ جاتا ہے۔ تاریخ اس امر پر شاہد ہے حکومتیں اس وقت تباہ و برباد ہوتی ہیں جب وہاں کے لوگوں کا رشتہ اتحاد ٹوٹ جاتا ہے۔

۴۔ حکومت ایک جامع منصوبہ بندی کے تحت ذرائع پیدائش دولت کو زیادہ سے زیادہ مفید طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جس سے ملک کی ضروریات آسانی سے پوری کی جاسکتی ہیں۔

نقصان

۱۔ انفرادی جدوجہد کے رشتہ کی بندش:۔ ہر انسان کی فطرت میں یہ جذبہ ہے۔ کہ جس کام سے اس کا ذاتی فائدہ ہو وہ اس کام میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ جس کام میں اسے فائدہ نظر نہ آتا ہو تو اس میں دلچسپی نہیں لیتا اشتمالی فلسفہ کی رو سے کسی فرد کو بھی اس کی محنت کا پھل نہیں ملتا بلکہ حکومت کی تحویل میں چلا جاتا ہے۔ حکومت لوگوں کی ضروریات پورا کرتی ہے۔ جب کسی فرد کو یہ معلوم ہو کہ وہ کتنا ہی اچھا کام کرے۔ اپنے فن میں کتنی ہی مہارت حاصل کرے اس مہارت کا صلہ اس کو نہیں ملے گا۔ اور اس کو ضروریات کے لحاظ سے اس شخص کے برابر سمجھا جائے گا۔ جو اس سے کم درجہ فن میں مہارت رکھتا ہے تو وہ طبعی طور پر اپنے فن میں دلچسپی لینا ترک کر دے گا۔ اس سے اس کی صلاحیتوں اور استعدادوں کے تمام سوتے خشک ہو جائیں گے۔ اور انفرادی جدوجہد کے راستے مسدود ہو جائیں گے۔

۲۔ جبر و اکراہ:۔ اشتمالی فلسفہ کی رو سے انقلاب کبھی بھی جمہوری طریقہ سے نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تمام وسائل پیدائش پر سرمایہ داروں کا قبضہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے سیاست پر بھی چھا جاتے ہیں۔ اگر جمہوری طریقہ سے انقلاب لانے کی کوشش کی جائے تو سرمایہ دار طبقہ کبھی بھی اس کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ انقلاب تلوار کی نوک پر لایا جائے اور سرمایہ داروں کی طاقت ختم کرنے کے لئے ان کی جائیدادیں چھین لی جائیں۔ اگر وہ مزاحمت کریں تو ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ روس میں لوگوں کو ان کی جائیدادوں سے زبردستی بے دخل کرنے کے لئے ۱۹ لاکھ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ۲۰ لاکھ آدمیوں کو سزائیں دی گئیں اور چالیس لاکھ آدمیوں کو ملک چھوڑنا پڑا۔

Marfat.com

۳۔ آمریت کی ترویج :۔ اشتمالی فلسفہ کی رو سے جب حکومت تمام وسائل پیدائش دولت پر قابض ہو جاتی ہے تو برسر اقتدار طبقہ سیاسی لحاظ سے بہت طاقتور ہو جاتا ہے۔ باقی تمام لوگ اس طبقہ کے سامنے بے بس ہوتے ہیں، اس طرح ملک میں آمریت رائج ہو جاتی ہے

۴۔ علم کے راستہ میں رکاوٹ :۔ اس تحریک کا یہ لازمی نتیجہ ہے علم کی ترقی رک جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی فرد بھی اپنی اعلیٰ ذہنی استعداد وں کو بروئے کار نہیں لاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر فرد کو یہ معلوم ہے۔ کہ وہ خواہ کتنا ہی ذہنی ترقی کر جائے اس کو وہی ملے گا جس کی اس کو ضرورت ہے تو اس طرح اس کے دل میں علمی ترقی کی تڑپ ختم ہو جاتی ہے۔

۵۔ معاشرتی برائیاں :۔ جب پوری معاشی دولت پر حکومت کا قبضہ ہو جائے تو افسر شاہی شروع ہو جاتی ہے جس سے رشوت، غبن، خیانت کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ یہ مشاہدہ اور تجربات کی بات ہے کہ جب کبھی بھی کسی چیز پر سرکاری کنٹرول کر دیا جاتا ہے وہاں معاشرتی برائیاں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

۶۔ آزاد معاشرہ کا فقدان :۔ جب تمام وسائل پیدائش دولت پر برسر اقتدار طبقہ کے ہاتھ میں آجائیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ آزاد معاشرہ کا وجود ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ آزاد معاشرہ اس وقت وجود میں آتا ہے، جب برسر اقتدار طبقہ اور عوام کے درمیان سیاسی رشتہ قائم ہو اور حاکم طبقہ عوام کے سامنے جوابدہ ہوں۔ اشتمالی فلسفہ کی رو سے عوام برسر اقتدار طبقہ کے اقتصادی غلام بن جاتے ہیں اور وہ برسر اقتدار طبقے کے خلاف کسی قسم کی آواز اٹھا نہیں سکتے۔ اس طرح اشتمالی نظام حکومت میں آزاد معاشرہ سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

۷۔ خطرناک زوال :۔ جب برسر اقتدار طبقے اور عوام کا رشتہ سیاسی منقطع ہو جاتا ہے تو حکومت زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ حکومت کی زندگی کا دارومدار ہی عوام پر ہے۔ نظام اشتمالی برسر اقتدار طبقے اور عوام کے درمیان رشتہ سیاسی کو منقطع کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برسر اقتدار طبقے کے انتخاب میں عوام کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اشتمالی حکومت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔

۸۔ غیر فطری نظام :۔ اشتمالی نظام غیر فطری اور غیر طبعی ہے یہی وجہ ہے کہ اشتمالی نظام اپنی صحیح صورت میں کسی ملک میں رائج نہیں ہو سکتا۔ جب اس نظام کو روس میں عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو اس کے بنیادی اصولوں میں تبدیلی کرنا پڑی۔ عوام کو ایک حد تک ذاتی ملکیت

Marfat.com

رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔
اجرتوں میں فرق قائم رکھا گیا۔ ۱۹۵۲ء میں ایک نامہ نگار نے مندرجہ ذیل رپورٹ شائع کی۔ سویٹ چیمبر اف کامرس کے صدر کو سولہ ہزار روبل ماہانہ ملتے ہیں جب کہ وزیروں کی تنخواہیں بیس ہزار روبل اور اکیڈمی اف سائنس کے صدر کی تنخواہ تیس ہزار روبل ماہانہ ہے۔[1]

اسلامی اقتصادی نظام اور اشتمالی اقتصادی نظام کا موازنہ

اسلامی اقتصادی نظام	اشتمالی اقتصادی نظام
۱۔ اسلام وسائل پیدائش دولت کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ وہ وسائل پیدائش دولت جن پر انفرادی ملکیت ہو جانے کی وجہ سے افراد تنگی اور تکلیف محسوس کریں ان کو اسلام اجتماعی ملکیت قرار دیتا ہے اور وہ حکومت کی تحویل میں آئیں گے اور کچھ وسائل پیدائش دولت پر انفرادی ملکیت کو جائز قرار دیتا ہے لیکن حصول دولت، تصرف دولت پر معاشرہ کے مفاد کی قیود و عائد کرتا ہے۔ پھر صاحبِ ملکیت پر چند فرائض عائد کرتا ہے۔	۱۔ تمام وسائل پیدائش دولت پر حکومت کا قبضہ ہوتا ہے۔
۲۔ اسلام حق معیشت کی مساوات کے اعتراف کے ساتھ معاشی تفاوت سے انکار نہیں کرتا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا[2]	۲۔ اشتمالی نظام معاشرہ میں کلی طور پر مساوات کا حامی ہے اس قسم کی مساوات انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ ہر انسان مختلف قسم کی صلاحیتیں اور قابلیتیں لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اس طبعی اختلاف کی وجہ سے معاشرہ میں تفاوت ہونا ضروری ہے۔

ا‌‌ے [1] ASPECT OF SOVIL-ECONOMY CALCUTTA P. 21

[2] الزخرف ۴۳ : ۳۲

ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے۔ اور ایک دوسرے پر درجے بلند کئے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔ اس طبعی تفاوت کو صحیح حد پر رکھنے کے لئے اسلام نے قیود اور پابندیاں عائد کر دی ہیں تاکہ فطری تفاوت غیر فطری اور مصنوعی تفاوت کی حدود میں نہ داخل ہو جائے۔	یہ تفاوت ہی دنیا کے نظام کو سنبھالا دیئے ہوئے ہے۔ اگر یہ طبعی تفاوت ختم کر دیا جائے تو دنیا کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا اور معاشرہ کی صحت مندانہ نشوونما رک جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جب اشتمالی نظام کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس وجہ سے اشتمالی اصولوں کو بدلنا پڑا۔ اب روس میں اجرتوں کے درمیان فرق موجود ہے۔
۳- اسلام منصفانہ رنگ میں دولت کو غرباء میں تقسیم کرتا ہے جس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے امراء اور غرباء کے درمیان رشتہ الفت نہیں ٹوٹتا۔ اسلام دونوں طبقوں کا وجود معاشرہ کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔ اور دونوں کے لئے حقوق و فرائض متعین کرتا ہے۔	۳- اشتمالی نظام سرمایہ داری اور سرمایہ اندازی کو تلوار کی نوک سے ختم کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے جہاں یہ نظام پہنچا ہے وہ امراء کے خون سے زمین سرخ ہو گئی ہے۔
۴- اسلام تقسیم کار اور جبری محنت کا حامی نہیں۔ ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ جو چاہے کام کرے بشرطیکہ وہ اسلام کی تعلیم کے منافی نہ ہو۔	۴- اشتمالی نظام تقسیم کار اور جبری محنت کا حامی ہے۔
۵- اسلام کے معاشی اصول اتنے پائیدار ہیں کہ ان کو کسی زمانہ میں بھی بدلنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور ہر زمانہ کے تمام تقاضوں کو پورا بھی کرتے ہیں۔	۵- اشتمالی نظام کے اصول اتنے جامد اور غیر لچکدار ہیں کہ ان کو تبدیل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اشتمالی نظام کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو حکومت کو اس کے اصولوں کو بدلنا پڑا۔ آج کسی ملک میں بھی اشتمالی نظام اپنی مکمل شکل میں رائج نہیں ہے۔

Marfat.com

سوشلزم

انسان مدنی الطبع ہے اس وجہ سے وہ ایک معاشرے کا محتاج ہے تاکہ وہ اپنی سیاسی اور ثقافتی ضروریات پوری کر سکے۔ اسی طرح اقتصادی ضرورتوں کے لئے وہ ایک منظم تنظیم کا محتاج ہے تاکہ ایک دوسرے کے باہمی تعاون اور اشتراک سے وہ ملک کے مادی وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھا سکے۔ اپنی ضروریات کی اشیا پیدا کر سکے اور قواعد و ضوابط کے تحت انہیں آپس میں تقسیم کر سکے۔ پیدائش دولت انفرادی کوششوں کی بجائے اجتماعی کوششوں کا نتیجہ ہے جب مختلف افراد باہمی اشتراک اور تعاون سے پیدائشی دولت کا باعث بنتے ہیں تو معاشی نظام معرض وجود میں آتا ہے جو مختلف حالات۔ اوقات اور ممالک میں یکساں نہیں ہوتا اس طرح معاشی نظام کئی روپ دھار لیتا ہے۔ ہر منظم معاشی معاشرہ پیدائش دولت کے علاوہ طریق پیدائش اور تقسیم دولت کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔ آج کل دنیا میں دو معاشی نظام رائج ہیں۔ نظام سرمایہ داری اور اشتراکی نظام۔ تیسرا اسلامی نظام ہے۔ جو اپنی خوبیوں کے لحاظ سے دونوں نظاموں سے کہیں بہتر ہے لیکن مسلمانوں نے اپنے نظام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جو بنی نوع انسان کی بھلائی کا ضامن ہے۔

اشتراکیت نظام سرمایہ داری کا ردِ عمل ہے۔ سویڈن کے شہنشاہ نے ایک مرتبہ خوب ہی کہا تھا کہ ۲۵ سال کی عمر تک اشتراکیت کا ہمنوا نہ ہونے والا دل سے محروم ہوتا ہے لیکن اگر ۲۵ سال گزرنے کے بعد بھی جو اشتراکیت کے فلسفہ پہ اعتقاد رکھے اس کا دماغ سوچنے کی قوت سے عاری ہوتا ہے۔ اشتراکیت بہت سی اشیاء کا مجموعہ ہے اور بہت سی چیزیں یا اشتراکیت کا مجموعہ ہیں۔

پروفیسر لاڈکس نے اشتراکیت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے

"اشتراکیت ایسی تحریک کا نام ہے جس کے تحت مادی اور انسانی ذرائع پیدائش مجموعہ طور پہ قومی ملکیت میں دے دیے جاتے ہیں تاکہ بڑھتی ہوئی قومی پیداوار اور مساویانہ طریق پہ قوم میں تقسیم کی جا سکے لیکن اس سے لوگوں کے انفرادی معاشی جذبے یا کام منتخب کرنے اور اشیاء صرف کرنے کی آزادی پہ کوئی زد نہ پڑے"۔

Marfat.com

اشتراکیت کا بانی کارل مارکس تھا جس نے اینگلز کے ساتھ مل کر ۱۸۴۸ء میں اشتراکی منشور بنایا اور دنیا کو جدید اشتراکی نظام سے روشناس کرایا اور سامراجیت اور سرمایہ داری کے خلاف علم جہاد بلند کیا جس سے اس کی اپنی زندگی گوناگوں مصائب اور تکالیف میں پھنس گئی۔ ۱۸۶۴ء میں انہوں نے عالمی مزدور انجمن کی بنیاد رکھی۔ داس کیپٹل مارکس کی زندگی کے فلسفے اور نظریات کا نچوڑ ہے۔ اس کتاب کی تکمیل کے لئے اس نے اپنا ہر قسم کا آرام و آسائش قربان کر دیا۔

مارکس کے انقلابی نظریات جدید دنیا کی ان اقوام کا فلسفہ ہے جو سامراجی ظلم و تشدد اور لوٹ کھسوٹ کو ختم کر کے حق و انصاف، اخوت اور مساوات کی بنیاد پر ایک نئے نظام اور نئی طرز زندگی تعمیر کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مارکس کے نظریات آمریت اور سامراجی نظام کے خلاف جہاد کرنے والے عوام کے ہاتھ میں تباہ کن ہتھیار کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے وہ خود بھی فتحیاب ہوتے ہیں اور سامراجی اور آمرانہ نظام کو ایک عظیم سرخ انقلاب سے باخبر رکھتے ہیں۔ مارکس کے فلسفہ اور نظریات کی وجہ سے استحصال، استبداد اور نسلی منافرت کے شکار زدہ مظلوم مزدور کو ان عوارض کی بیخ کنی کا حق ملا ہے۔

کارل مارکس ہر تاریخی واقعہ کو معاشی زاویے سے دیکھتا ہے اور اس کا تجزیہ کرتا ہے۔ وہ ایک ایسی سیاسی تنظیم کا داعی ہے جو ہر معاشی صورت حال کی ذمہ دار ہو۔

مارکس کے نکتہ نگاہ کے مطابق اشتراکیت سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے معرض وجود میں آتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں نجی سرمایہ کاری کی وجہ سے پیدائش دولت ہوتی ہے۔ لاگت اور قیمت میں نمایاں فرق کی وجہ سے تاجرین کے منافعے بڑھتے رہتے ہیں۔ اجارہ داریاں پیدا ہوتی ہیں، منڈی کی وسعت پیدائش دولت میں وسعت کا باعث بنتی ہے۔ مزدور کا استحصال ہوتا ہے جن سے طبقاتی کشمکش اور بعد میں طبقاتی جنگ پیدا ہو جاتی ہے جو تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ طبقاتی کشمکش کی وجہ سے معاشرہ دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ سرمایہ دار اور وہ تمام لوگ جنہوں نے ذرائع پیدائش پر غاصبانہ قبضہ جمایا ہوتا ہے اور جو پیدائش دولت میں عملی طور پر کوئی حصہ نہیں لیتے۔ دوسرا طبقہ غریب عوام یعنی مزدوروں پر مشتمل ہوتا ہے جو پیدائش میں مکمل اور بھرپور عملی حصہ لیتے ہیں۔ سرمایہ دار ذرائع پیدائش کے ساتھ مزدور کو بھی اپنی ملکیت سمجھتا ہے طبقاتی کشمکش کی سب سے بڑی وجہ پیدا کر کے اپنے منافع کو بڑھانے کی فکر میں ہوتا ہے اس لئے وہ مزدور سے زیادہ کام لیتا ہے مگر اسے زائد محنت کا کوئی معاوضہ نہیں دیتا۔ تاجر کے اس بے جا منافع کو قدر زائد کا

Marfat.com

نام دیا گیا ہے۔ مارکس کے اپنے الفاظ میں۔

" کسی چیز کی قیمت فروخت اور لاگت میں فرق قدر زائد ہوتی ہے" قدر زائد پر مزدور کا حق ہے۔

مارکس اور اینگلز نے اشتراکی منشور میں لکھا تھا کہ

" سرمایہ دارانہ نظام نے خاندانی زندگی کو تباہ کر دیا ہے۔ صنعتی مزدور کو گھریلو زندگی بسر کرنے کا کوئی موقعہ نہیں ملتا۔ وہ تنگ و تاریک مکانوں میں عسرت اور تنگدستی کی زندگی گزارتے ہیں۔ خاندانی شیرازہ فنا ہو چکا ہے جبکہ سرمایہ داروں میں خاندانی شیرازہ قائم ہے مگر خاندانی جذبات والدین کی اطاعت، چھوٹوں سے شفقت، زن و شوہر کی محبت، یہ سب چیزیں ختم ہو چکی ہیں۔ ان جذبات کی بجائے سب کے دماغ پر روپیہ کمانے کی ہوس کا بھوت سوار ہے۔"

اشتراکی ریاست اور نظام میں تمام ذرائع پیدائش یعنی کارخانے، زمینیں، کانیں، مواصلاتی نظام، تجارت اور سرمایہ حکومت کی تحویل میں ہوتا ہے۔ تمام لوگ سرکاری ملازم متصور ہوتے ہیں اس نظام معیشت میں کوئی نجی آجر نہیں ہوتا آجرانہ فرائض حکومت سرانجام دیتی ہے۔ چونکہ نظام پیدائش پر حکومت کا مکمل کنٹرول ہوتا ہے۔ اس لئے طریق پیدائش کا تعین بھی حکومت ہی کرتی ہے جو انسانی اور مالی وسائل کی مدد سے مادی وسائل بروئے کار لا کر دولت پیدا کر لی جاتی ہے تو اس کی تقسیم بھی حکومت کی نگرانی اور فیصلے کے مطابق ہوتی ہے ہر قسم کا نجی کاروبار ختم ہو جاتا ہے۔ افراد کو ان کی قابلیت اور صلاحیت کے مطابق روزگار کی فراہمی کی ذمہ داری حکومت پر ہوتی ہے۔ حکومت عوام کو مفت طبی امداد طبی سہولتیں اور تفریح کے مواقع مہیا کرتی ہے مصنوعات کی قیمت کے تعین کا فیصلہ بھی حکومت ہی کرتی ہے۔ اشیاء کی ایسی قیمتیں مقرر کی جاتی ہیں جن پر پیدا کی گئی اشیاء کی کل رسد طلب کے مساوی ہو۔ اس طرح قیمت فروخت مصارف پیدائش کے برابر ہوتی ہے۔ لوگوں کو وہی اشیاء صرف کرنا پڑتی ہیں جن کا فیصلہ حکومت نے پیدائش سے پہلے کیا ہو۔ چونکہ اشیاء کی رسد اور طلب ہمیشہ مساوی ہوتی ہے اس لئے اشتراکی معیشت کساد بازاری اور بیروزگاری سے محفوظ رہتی ہے جبکہ کساد بازاری نظام سرمایہ داری کا خاصا ہے۔ حکومت پیدائش دولت سے جو منافع کماتی ہے وہ قومی وسائل کی ترقی اور عوامی فلاح و بہبود پر ہی خرچ کر دیا جاتا ہے۔

اشتراکی نظام کو معیشت منضبط مرکزہ بھی کہا جاتا ہے۔ پیدائش دولت کے لئے منصوبہ بندی

Marfat.com

بورڈ کے سپرد ہوتا ہے کہ ایک معینہ مدت کے اندر کچھ قومی وسائل کو بروئے کار لا کر دولت پیدا کرنے کا منصوبہ بناتا ہے۔ پیداوار کی تقسیم کے سلسلے میں ہر فرد کے لئے ہر شے کا کوٹہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ یا بورڈ ہر شے کی قیمت مقرر کرتا ہے جس سے ہر شخص اپنی بساط کے مطابق انہیں خرید لیتا ہے۔

ذرائع پیدائش پر قبضہ کے بعد سرمایہ کا سود اور زمین کا لگان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس نظام میں حکومت ہی آجر، سرمایہ دار اور زمیندار ہوتی ہے۔ مرکزی منصوبہ بندی بورڈ تمام اہم فیصلے کرتا ہے مثلاً بچت، سرمایہ کاری، مزدوروں کا معاوضہ وسائل کی تقسیم وغیرہ۔

اشتراکی نظام میں تمام لوگوں کی معاشی حیثیت تو برابر نہیں ہوتی۔ البتہ ہر فرد کو کام کرنے کے مساوی مواقع مہیا کئے جاتے ہیں۔ اس نظام میں اگرچہ نجی کاروبار کی اجازت تو نہیں ہوتی مگر محدود حد تک نجی جائیداد بنانے کی اجازت ہوتی ہے۔ جو رہائشی مکان، گھریلو سامان، فرنیچر اور دیگر اشیائے صرف تک محدود ہوتا ہے۔

اشتراکی نظام معیشت پر بہت سے اعتراضات بھی ہوئے ہیں۔ کچھ نقادوں نے کہا ہے کہ اشتراکیت، مذہب پر اثر انداز ہوتی ہے اور وہ انسان کو مذہب سے بیگانہ اور بے راہ رو بنا دیتا ہے۔ پیسہ ہی مذہب، اور پیسہ ہی دین بن جاتا ہے۔ انسان مادہ پرست ہو کر خالق سے دور ہو جاتا ہے۔ جو اس کی زندگی کو گوناگوں الجھنوں کا شکار بنا دیتی ہے۔

احساسِ ملکیت، انسان کا بنیادی حق ہے۔ یہی جذبہ اس میں کام کرنے کے جذبے کو ابھارتا ہے۔ اس سے محرومی اس کی صلاحیتوں کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ انسان آزادی کا متوالہ ہے وہ آزادی سے خود کئی قسم کے فیصلے کرنا چاہتا ہے خواہ ان سے اسے کچھ نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ اشتراکیت میں یہ آزادی سلب کر لی جاتی ہے۔ نہ اسے صرف کی آزادی ہے اور نہ ہی چیزوں کا انتخاب کرنے کی۔ وہ سرکاری احکام، قیود و حدود کا پابند ہے۔ نیز اس کی ایجادات کی قابلیت اور کاروباری جذبہ بھی ماند پڑ جائے گا۔

سرکاری ملکیت میں چلنے والے کارخانے اور ملیں اپنی پیداواری صلاحیت کے مطابق مستعدی سے عمل پیدائش میں مصروف کار نہیں ہوتیں۔ کیونکہ انہیں چلانے والے ملازمین کو تو صرف اپنی تنخواہوں سے سروکار ہوتا ہے انہیں کارخانے کے منافع یا نقصان سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ دوسرے اس نظام میں کوئی خود کار آلہ نہیں ہوتا جو مختلف صنعتوں میں ذرائع کے تعین کے بارے میں صحیح صحیح اندازے بتلائے۔ جبکہ نظام سرمایہ داری میں نجی ملکیت، منافع

Marfat.com

کی تحریک کے علاوہ صارفین کی ترجیحات اور قیمتوں کا اتار چڑھاؤ نہ صرف کام کرنے کے جذبے کو ابھارتا ہے۔ اور کارخانوں کو پیداواری صلاحیتوں کے مطابق چلانے میں مدد دیتا ہے بلکہ ذرائع کے بہترین استعمال میں بھی مدد دیتے ہیں۔

اس نظام میں صرف دولت کو پیدائش دولت کے ساتھ مطابقت میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے صارف کو حقیقی نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ وہ اپنی تسکین کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس کی مرضی اور پسند کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اس کی خودمختاری ختم کر دی جاتی ہے۔

اشتراکی نظام معیشت میں ضروری نہیں کہ ہر عامل پیدائش کو اس کی قابلیت اور پسند کے مطابق ہی کام تفویض کیا جائے۔ قطعات ارضی، سرمایہ اور محنت کو ان کے بہترین استعمال میں رکھنا نہ صرف مشکل بلکہ قریب قریب ناممکن بھی ہے۔ اس کے برعکس اگر ذرائع پیدائش نجی ملکیت میں ہوں تو لوگ اپنے نفع اور نقصان کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہیں بہترین مقصد کے لئے استعمال کریں گے۔ اور ان سے استفادہ کر کے قومی دولت کو بڑھانے کے بعد معیار زندگی کو بلند کرنے میں مدد دینگے۔

اشتراکی معیشت میں ہر فرد معاشی لحاظ سے یکساں نہیں ہوتا وہاں بھی کچھ لوگ غریب اور کچھ امیر ہیں۔ مزدور کو دو وقت کا کھانا تو ضرور مل جاتا ہے۔ بیماری کے دوران طبی سہولتیں بھی فراہم کر دی جاتی ہیں۔ رہائش کے لئے اسے کسی مسئلہ سے دوچار نہیں ہونا نہیں پڑتا مگر ان کا معیار زندگی قابل رشک تو نہیں۔ اس کے مقابلے میں سرمایہ دارانہ نظام میں مزدور نسبتاً زیادہ خوشحال ہے۔ آزادی کی دولت سے مالا مال ہے۔ اشتراکی مزدور کی طرح بے بس نہیں۔ وہ حکومت کے خلاف کسی تحریک میں حصہ لے سکتا ہے۔ اپنے آجر کے خلاف ہڑتال کر سکتا ہے۔ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے مگر اشتراکی مزدور کے لئے یہ سب باتیں محض ایک خواب کی مانند ہیں۔

محض روٹی کی خاطر آزادی بیچ دینا کوئی قابل فخر اور مستحسن فیصلہ نہیں۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ اشتراکی نظام میں بیروزگاری نہیں ہوتی۔ اگر روزگار لینے کے لئے انسان کو اپنا ضمیر بیچنا پڑے تو یہ روزگار مستحسن نہیں گردانا جا سکتا۔ جیل خانے کا قیدی بھی برسر روزگار ہوتا ہے۔ مگر اسے خودمختاری، آزادی اور خود ارادی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے جیل میں کوئی قیدی بھی خوش نہیں دیکھا گیا۔

اشتراکی نظام پر تنقید اور خوبیوں کا موازنہ کرتے ہوئے ہمیں کسی نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ اشتراکیت کی قوت اور طاقت کا راز سرمایہ دارانہ نظام کی برائیوں پر منحصر ہے۔

Marfat.com

اجارہ داریوں کی وجہ سے نہ صرف دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو چکی ہے بلکہ عوام کا استحصال بھی ہو رہا ہے۔ مثلاً پاکستان کی ۸۰ فیصد دولت صرف ۲۲ خاندانوں میں مرتکز ہے جس سے عوام میں بے چینی پیدا ہو چکی ہے جس نے طبقاتی کشمکش کو ہوا دی ہے قیمتوں کی یکسانیت، کے مطابق ذرائع کا استعمال، صنعت کاروں کا غیر صحت مند مقابلہ منافع کی ہوس۔ انسانی ہمدردی کا فقدان۔ دولت کی غیر مساویانہ تقسیم و ذخیرہ نے سرمایہ دارانہ نظام کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔

اس نظام میں سرمایہ دار کے لئے سب کچھ ہے۔ رہنے کے لئے عالیشان بنگلے سفر کے لئے ایئر کنڈیشنڈ کاریں اور ہوائی جہاز اور کھانے کے لئے بہترین خوراک۔ جبکہ مزدور مشینوں پر کام کرتے ہوئے اس کا ایک حصہ بنا دیا جاتا ہے۔ اس کے جذبات کا خون کر دیا جاتا ہے۔ اس کے احساسات کچل دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بچوں کی چیخ و پکار سن کر کوئی سرمایہ دار اس کی مدد کو نہیں آتا۔ اس کے بچوں کے لئے تمام مدرسوں کے دروازے بند ہیں۔ انہیں کسی ہسپتال یا شفاخانے میں جگہ نہیں ملتی۔ وہ غلہ پیدا کرتا ہے مگر خود بھوکا سوتا ہے۔ اس کے بچے بھوک سے بلک بلک کر جان دے دیتے ہیں۔ وہ عمدہ عمدہ کپڑے تیار کرتا ہے مگر خود اس کے اپنے جسم پر پھٹے پرانے ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کے لئے عالیشان عمارتیں تعمیر کرتا ہے مگر اپنا سر چھپانے کے لئے اسے جھونپڑا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ خدا کی بستی میں مزدور کس قدر بے بس ہے اور جب کبھی وہ ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھانے کی جسارت کرتا ہے تو سرمایہ دار کی بھٹی کا ایندھن بن جاتا ہے۔

یہ استحصال اور ظلم و ستم اشتراکیت کے پودے کی آبیاری کرتے ہیں اور جب اشتراکیت اپنے قدم جماتی ہے تو ظلم و ستم کی چکی میں پسا ہوا مزدور دوبارہ جنم لیتا ہے۔

اشتراکیت میں لاکھ برائیاں سہی لیکن وہ انسان کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کی ضمانت دیتا ہے۔ وہ معاشی تفکرات سے آزاد ہو کر بے شمار تعمیری کام سر انجام دے سکتا ہے۔ تاریخی طور پر اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ اس معاشی نظام کی بدولت روس نے امریکہ کو سائنسی تکنیکی، خلائی اور تحقیقی شعبوں میں کامیابی سے مات دی ہے۔ روسیوں کی فی کس آمدنی اور معیار زندگی شاید اور صدی نصف صدی تک امریکیوں کی فی کس آمدنی اور معیار زندگی کی برابری نہ کر سکے مگر روس نہ تو کسی ملک کا محتاج ہے اور نہ ہی روسی اشیاء کا معیار کسی طرح بھی امریکی اشیاء سے کم تر ہے، جبکہ روس کو آزادی حاصل کئے صرف نصف صدی گزری ہے اور امریکہ

Marfat.com

اپنی آزادی کی ساڑھے تین صدیاں مکمل کر چکا ہے۔ دونوں ایٹمی اور خلائی طاقتیں ہیں۔ دونوں کی پشت پر کئی ممالک ہیں۔

اشتراکی نظام میں چین کی مثال سب سے زیادہ قابل ذکر ہے چین کو پاکستان سے دو سال بعد آزادی ملی۔ اس کی معیشت ہماری معیشت سے کسی طرح بھی مختلف نہیں۔ مگر اس نظام کی بدولت بغیر کسی بیرونی امداد کے چین نے حیرت انگیز ترقی کر لی ہے چین جو آزادی کے وقت چھوٹی چھوٹی صرفی اشیاء کے لئے بیرونی ممالک کا دست نگر تھا اب نہ صرف اپنی صرف کی تمام صرفی اور سرمایہ کاری کی اشیاء پیدا کر رہا ہے بلکہ مشرق بعید اور مشرق وسطیٰ اور افریقہ کی منڈیوں میں اس نے مغربی ممالک کا بھرکس نکال دیا ہے۔ چین خلائی طاقت بھی بن چکا ہے۔ وہ ایٹمی طاقت بھی ہے۔ وہ ایشیا کی ایک مضبوط ترین طاقت ہے جس سے روس اور امریکہ دونوں خائف ہیں جنہیں اپنی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کی مدد میں بھی پیش پیش ہے۔

اشتراکی نظام تجارتی اور معاشی بحران سے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ روزگار اور بنیادی ضروریات زندگی کا ضامن ہے۔ تمام ذرائع اور وسائل کا استعمال مفاد عامہ کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ اس نظام کی بنیاد عوام کے تعاون اور جذبہ قربانی پر قائم ہے۔ اس لئے ذاتی یا انفرادی فائدہ یا نقصان کو اجتماعی فائدے یا نقصان پر قربان کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اس سے اخوت اور بھائی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ ذاتی یا شخصی آزادی مفاد عامہ کے لئے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے مگر جب اجتماعی طور پر سب آزاد ہوں تو انفرادی طور پر کوئی بھی غلام نہیں ہوتا۔ منصوبہ بندی سرمایہ داری نظام میں بھی ہوتی ہے اور اشتراکی نظام میں بھی۔ مگر منصوبہ بندی جس قدر مؤثر اور ٹھوس نتائج کی حامل اشتراکیت کے تحت ثابت ہوئی ہے ویسی سرمایہ داری میں نہیں ہو سکی لیس اس نظام کے ذریعے ایک خلائی مملکت کے حصول میں بہت مدد ملتی ہے۔

ہم اس تمام بحث کا خلاصہ ماؤزے تنگ کے اس قول سے کرتے ہیں کہ

اشتراکیت ایک مکمل نظریاتی نظام ہے۔ یہ انسانی تاریخ کی ابتدا سے لے کر اب تک بے حد مکمل بے حد ترقی پسند۔ بے حد انقلابی اور بے حد معقول نظام ہے۔ جاگیرداری کا نظریاتی نظام صرف تاریخ کے عجائب گھر میں رکھے جانے کی چیز بن چکا ہے۔ یہ اس سورج کی مانند ہے جو پہاڑوں کے پار غروب ہو رہا ہو

Marfat.com

یا ایک ایسے قریب المرگ شخص کے مشابہ ہے جو اپنا آخری سانس لے رہا ہو اور صبح کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ آیا وہ شام تک زندہ بھی رہے گا۔ اشتراکیت کا نظام ایک ایسی طاقت ہے جو پہاڑوں کو ہموار کر سکتی ہے، سمندروں کو چیر سکتی ہے اور فضاؤں کو سر کر سکتی ہے۔ یہ نظام آگے بڑھ رہا ہے اور دنیا پہ چھا رہا ہے اور اس کی پھلتی پھولتی جوانی کو قائم رکھ سکتا ہے۔"

روس میں اشتراکیت

اشتراکی نظام کو من و عن نہیں اختیار کیا گیا۔ اس میں کئی تبدیلیاں کرنا پڑیں۔ یہ تبدیلیاں ان عملی مشکلات کی وجہ سے پیش آئیں جو روسی انقلاب کے بعد حکومت کو عملی طور پر پیش آئیں بسا برتری کے بعد جب تمام وسائل اور ذرائع پیدائش کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا تو ہر فرد کو اس کی قابلیت اور صلاحیت کے مطابق کام تو دیا گیا مگر ذاتی املاک بنانے کا اختیار چھین لیا گیا۔ اس سے حکومت کے لئے شیکسپیر کی تصنیفات کی شرح چھپوانا تو آسان ہو گیا مگر لکھوانا مشکل ہو گیا۔ کیونکہ اس سے لوگوں کے لئے کام کرنے کا کوئی محرک نہ رہا۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں ہی حکومت کو اقتصادی پالیسی میں ردّ و بدل کرنا پڑا جس کے تحت عوام کو رہائشی مکان، گھریلو اشیاء، کار وغیرہ کے علاوہ بنکوں میں بچتیں رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ مگر امانت دار کے مرنے کے بعد صرف ۵۰ ہزار روبل اس کے وارثین کو منتقل ہو سکتے ہیں اور باقی حکومت کے قبضہ میں چلے جائیں گے۔ استعداد کار بڑھانے اور اشیا کا معیار بلند رکھنے کے لئے روس میں اعلیٰ کارکردگی کا عملی مظاہرہ کرنے والے مزدوروں انعامات اور بونس بھی دیئے جاتے ہیں۔

اشتراکیت کے تحت روس میں محکمہ مال کی ذمہ داریاں کثیر ہیں۔ چونکہ منصوبہ بندی اس معیشت کی جان ہے لہٰذا مختلف منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے عوام سے قرض بھی لیا جاتا ہے۔ منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نفسیاتی تکنیک کا بھی سہارا لیا جاتا ہے۔ لوگ اپنی بچتیں بنکوں میں جمع کر سکتے ہیں اور بنک ان امانتوں پہ سود بھی ادا کرتا ہے۔ مگر عوامی امانتیں ملکی قرضوں کی نسبت بہت قلیل ہوتی ہیں جو حکومت منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان سے حاصل کرتی ہیں۔ اس لئے امانتوں کا سود خاص اہمیت کا حامل نہیں۔ بنکاری پر حکومت کی اجارہ داری ہوتی ہے۔ وہاں کا مرکزی بنک صرف اشیاء اور زر کی مقدار میں نظم و ضبط پیدا

Marfat.com

کرنے کے بعد اسے برقرار رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ وہاں سرمایہ کاری کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کے بھی بنک ہیں جو صنعتی۔ تجارتی۔ مواصلاتی نظام کی ترقی اور مکانوں کی تعمیر کے لئے طویل مدت کے قرضے دیتے ہیں۔ بنکوں کی تیسری قسم غیر ملکی تجارتی بنکوں کی ہے جو غیر ملکی تجارت کی وصولیوں اور ادائیگیوں کا کاروبار کرتے ہیں۔

اسلامی اقتصادی نظام اور اشتراکی اقتصادی نظام کا موازنہ

اشتراکی اقتصادی نظام کے بعض امور اسلامی اقتصادی نظام سے متقارب اور ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ لیکن اساسی طور پر دونوں نظاموں کی راہیں الگ الگ ہیں۔

اسلامی نظام اور اشتراکی نظام کے درمیان جن امور میں ہم آہنگی اور اتفاق پایا جاتا ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ اسلام اور اشتراکیت دونوں نظام اکتناز اور احتکار اور چند ہاتھوں میں دولت کی تحدید کو ناجائز قرار دیتے ہیں اس سے صرف ملک کی معاشی حالت ہی تباہ نہیں ہوتی بلکہ معاشرتی اور سیاسی زندگی پر بھی کاری ضرب پڑتی ہے معاشرہ طبقاتی جنگ کا شکار ہو جاتا ہے اور سیاست پر سرمایہ دار طبقہ محض اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے غالب آجاتا ہے۔ اس طرح تمام معاشرہ سرمایہ داروں کے آہنی چنگل میں پھنس جاتا ہے

۲۔ دونوں نظاموں کی اساس عام معاشی مفاد پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی ضروریات زندگی میسر ہوں اور کوئی بھی ان سے محروم نہ رہے۔

۳۔ دونوں نظام اپنی اقتصادی پالیسی میں دنیا کے تمام لوگوں کو یکساں شمار کرتے ہیں۔

۴۔ دونوں نظام جماعت کے مفاد کو فرد کے مفاد پر مقدم کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا امور میں ہم آہنگی اور موافقت کے باوجود دونوں نظاموں میں بنیادی اختلاف ہے۔ اسلامی اقتصادی نظام ان تمام برکتوں کا حامل ہے جو اشتراکی اقتصادی نظام میں نظر آتی ہیں اور ان تمام برائیوں سے پاک ہے جو اس ملحدانہ نظام میں پائی جاتی ہیں۔

پہلا اختلاف اسلام کائنات کی ہر شے کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت قرار دیتا ہے پھر ان اشیاء میں ایک کثیر حصہ تو وہ ہے جس سے تمام انسان مساوی استفادہ کرنے کے مستحق ہیں۔ اس وجہ سے حکومت ان اشیاء کو اپنے قبضہ میں رکھتی ہے

Marfat.com

کچھ ایسی اشیاء ہوتیں جن میں امین کے طور پر انفرادی ملکیت تسلیم کی گئی ہے۔ ان میں انفرادی ملکیت تسلیم کئے بغیر فطری اور قابل عمل نظام معیشت قائم نہیں ہو سکتا۔ مفصل بحث بعد میں آئے گی۔

اشتراکی اقتصادی نظام دولت اور تمام ذرائع دولت کو حکومت کی ملکیت قرار دیکر انفرادی ملکیت کو بالکل مٹا دیتا ہے۔ اس اصول سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک خرابی یہ ہے کہ حکومت چھوٹے سرمایہ داروں کو ختم کرکے خود ایک عظیم سرمایہ دار ادارہ بن جاتی ہے اور عوام حکومت کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ انسانوں کے قوائے عمل میں مسابقت کی تحریک ختم ہو جائے گی کیونکہ جب ہر فرد یہ سمجھے گا کہ اس کی تمام ضروریات کے پورا کرنے کی ذمہ داری بھی حکومت پر ہے اور اس کی محنت اور جدوجہد کا ثمر بھی حکومت کے پاس جاتا ہے تو وہ کیونکر اپنے قوائے دماغی اور قوائے جسمانی کو کام میں لائے اور محنت کے میدان میں کس لئے کوشش سے مسابقت حاصل کرے۔

دوسرا اختلاف:- اسلام حق معیشت کی مساوات کے اعتراف کے ساتھ معاشی تفاوت سے انکار نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں آتا ہے نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؎

ہم نے ان کے درمیان ان کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے پر درجے بلند کئے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔

اسلام میں اقتصادی مساوات کا یہ مفہوم نہیں کہ سوسائٹی کے تمام افراد معاشی لحاظ سے بالکل برابر ہو جائیں، اور ان میں کسی طرح کا بھی فرق نہ رہے۔ اس قسم کی مساوات نہ تو عملی زندگی میں پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہوگی۔ یہ مساوات اصول فطرت کے خلاف ہے۔ ہر انسان مختلف استعدادیں اور قابلیتیں لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ایک شخص ایک کام کو اعلیٰ استعداد رکھنے کی وجہ سے قلیل مدت میں کر سکتا ہے اور وہی کام گھٹیا استعداد کا مالک زیادہ عرصہ میں کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو مختلف استعدادیں اور صلاحیتیں دے کر پیدا نہ کرتا بلکہ سب انسان ایک ہی قسم کی صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتے تو دنیا کا تمام نظام ہی بگڑ جاتا۔ دنیا کا کاروبار چلانے کے لئے ضروری ہے کہ مزدور بھی ہوں منتظم بھی، افسر بھی ہوں، ماتحت بھی ہوں۔ قائد بھی ہوں، متبعین بھی ہوں سپہ سالار بھی ہوں سپاہی بھی ہوں۔ یہی طبعی تفاوت دنیا کے نظام کی اساس ہے۔ اگر یہ اساس ختم کر دی جائے تو دنیا

؎ الزخرف ۴۳ : ۳۲

Marfat.com

کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا، اور معاشرہ کی صحت مندانہ نشوونما رک جائے گی۔ مگر اسلام معاشی تفاوت کے باوجود حصول دولت اور صرف دولت پر قیود عائد کرتا ہے تاکہ فطری معاشی تفاوت اپنی حدود کو پار کر کے غیر فطری اور مصنوعی معاشی تفاوت کی حدود میں نہ داخل ہو جائے اور سرمایہ داری کی شکل اختیار نہ کر لے۔

اس کے برعکس اشتراکی نظام معاشی تفاوت اور اختلاف درجات کا انکار کرتا ہے اور سوسائٹی کو معاشی مساوات پر قائم کرنا چاہتا ہے۔

اگر اشتراکی مساوات کو اس کی پہلی تجربہ گاہ یعنی روس کی سرزمین پر دیکھیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مساوات تو کجا بلکہ اجرتوں کے درمیان جو فرق موجود ہے وہ کسی طرح بھی سرمایہ دارانہ نظام سے مختلف نہیں ہے۔

"انا طولی شیپ نے اکتوبر ۱۹۴۵ء کے ایک مقالہ کی روشنی میں یہ نتائج بیان کئے تھے کہ کل تنخواہ پانے والوں میں صرف دو فیصد کو پانچ صد روبل یا اس سے زیادہ ملتے ہیں اور اٹھتر فیصد وہ ہیں جن کو دو سو چالیس روبل سے کم ملتے ہیں۔ اور ان میں ایک تہائی وہ ہیں جن کو ایک سو بیس روبل سے کم ملتے ہیں" ۱؎

۱۹۵۲ء میں ایک نامہ نگار نے مندرجہ ذیل رپورٹ شائع کی۔

"سوویٹ جمہوریت کا روس کے صدر کو سولہ ہزار روبل ماہانہ ملتے ہیں جب کہ وزیروں کی تنخواہیں بیس ہزار روبل اور اکیڈمی آف سائنس کے صدر کی تنخواہ تیس ہزار روبل ماہانہ ہے" روس میں ملازموں کی تنخواہوں میں مختلف شرحوں کا ذکر روس کے ایک معیشت دان نے کیا ہے۔

"اصلاحات کے بعد گریڈ اول چھ (PAY - SCALE) معیار تنخواہ ہوں گے جس کے اندر چالیس مختلف شرحیں ہوں گی" ۳؎

لینن نے (STATE AND REVOLUTION) میں صاف طور پر کہا ہے۔ اشتراکی سوسائٹی میں اجرتوں میں مساوات ہو گی۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی نظام بھی ... اور وہ بظاہر کتنا ہی دلربا اور حسین نظر آئے، اصول فطرت کے خلاف ہو وہ دیرپا چل نہیں سکتا۔ اشتراکیوں نے مزدوروں کے لئے ایک خوبصورت نعرہ

۱؎ LABUR IN THE SOVIT. P. 24
۲؎ ASPECT OF SOVIT ECONOMK — CALSUTTA. P 21
۳؎ KOMMUNIST NO:-3 FEB. 1966. P. 22

Marfat.com

مساوات بلند کیا تھا۔ لیکن جب اس نعرہ کو عملی لباس پہنانے کا وقت آیا تو نعرہ بلند کرنے والے ناکام ہو گئے اور پھر اپنے اصول سے منحرف نظر آنے لگے۔ چنانچہ اسٹالن آنجہانی نے کہا۔

"مارکسزم مساوات پرستی کا دشمن ہے۔" ۵۱

خروشیف نے کہا۔

"ہم اجرتوں میں ہر فرق کو مٹانے کے مخالف ہیں۔ ہم اجرتوں کو ایک سطح پر لانے کی مخالفت کریں گے۔ یہی لینن کی تعلیم ہے۔" (SOVIT WORLD P 346)

الغرض اشتراکی اسی اصول کی طرف آنے شروع ہو گئے ہیں جو آج سے چودہ سو سال قبل اللہ تعالیٰ نے ایک امی نبی پر وحی کے ذریعہ نازل کیا تھا۔

تیسرا اختلاف

اسلام سرمایہ داری اور سرمایہ اندوزی کے خلاف ہے اور جمع شدہ سرمایہ کو تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے اور سرمایہ کو گردش میں رکھنا چاہتا ہے لیکن ایک ایسے قانون کے ذریعہ جو عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ اس کے برعکس اشتراکیت سرمایہ داری اور سرمایہ اندوزی کو تلوار کی نوک سے ختم کرنا چاہتی ہے۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جس زمین پر اشتراکیت نے قدم رکھا ہے وہاں سرمایہ داروں کے خون سے زمین سرخ ہوئی۔ لیکن جہاں جہاں اسلام پہنچا اس نے سرمایہ داروں سے سرمایہ ضرور لیا اور غرباء میں تقسیم کیا۔ لیکن منصفانہ قانون کے تحت۔ جس کی وجہ سے غرباء طبقہ کے دلوں میں امراء کے لئے محبت پیدا ہو گئی اور دونوں طبقوں کے درمیان اخوت کا رشتہ مضبوط ہو گیا۔

چوتھا اختلاف

اسلام تقسیم کار اور جبری محنت کا قائل نہیں ہے۔ ہر شخص کو یہ کامل آزادی ہے کہ وہ جو چاہے کام کرے بشرطیکہ وہ اسلام کی تعلیم کے منافی نہ ہو۔ یہ پابندی بھی معاشرہ کی بہتری اور بھلائی کے لئے ہے۔ اور عین فطرت کے مطابق ہے۔ اس کے برعکس اشتراکی اقتصادی نظام تقسیم کار اور جبری محنت کا حامی ہے جس سے انسانی محنت اپنے اختیار اور مرضی کے فطری حق سے محروم ہو جاتی ہے جس کا محنت کی کارکردگی اور ذہنی اور جسمانی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ یوگوسلاویہ کے مشہور سوشلسٹ ملان جیلاس کے بیان سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

---

۵۱ PROB LEM OF LENINISM P-5-3

Marfat.com

۔ اس نئے طبقہ کا طریقہ یہ ہے کہ یہ مزدور اور کسان دونوں کا خون چوستا ہے۔ مزدوروں کے سلسلہ کی حالت یہ ہے۔ اشتراکی نظام کی ایک لازمی خصوصیت جبری محنت ہے۔ ۵۱

پانچواں اختلاف

اسلام کے معاشی اصول اتنے پائیدار ہیں کہ ان کو کسی زمانہ میں بھی بدلنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور زمانہ کے تمام تقاضوں کو پورا بھی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اشتراکیت کے اصول اتنے جامد ہیں کہ وہ زمانہ کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج روس کو اشتراکی اصولوں میں ترمیم کرنا پڑی ہے جس شکل میں کارل مارکس نے اشتراکیت کو بیان کیا ہے وہ آج وہاں بدلی ہوئی ہے۔

انفرادی ملکیت کے عقلی دلائل

۱۔ تمام حکماء کے نزدیک یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ افراد انسانی مختلف استعدادیں اور صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہم روزمرہ کی زندگی میں کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی اعلیٰ ذہانت اور استعداد کی بنا پر تجارت اور صنعت میں ترقی کر جاتا ہے دوسرا شخص جو ان صلاحیتوں سے محروم ہوتا ہے وہ ترقی نہیں کرتا۔ ایک ہی استاد کے پاس بیٹھ کر سبق سننے والے شاگرد دو ل میں سے اقبال۔ علامہ مشرقی بنتے ہیں دوسرے نوکری کے لئے دربدر پھرتے ہوتے نظر آتے ہیں امام رازیؒ۔ امام ابن تیمیہ ابن رشد وغیرہ کے نامعلوم کتنے ہم مکتب تھے لیکن تمام کے تمام نہ امام رازی بنے ہیں اور نہ امام ابن تیمیہ اور ابن رشد۔

یہی حالت جسمانی کام کرنے والوں کی ہے ایک مزدور دو گھنٹے میں وہ کام کر جاتا ہے جو اس کا ساتھی تین یا چار گھنٹوں میں بھی نہیں کر سکتا۔

اگر ان فطری صلاحیتوں کو نظر انداز کر کے سب افراد انسانی کو حقوق میں مساوی کر دیا جائے اور تمام کو صرف ان کی ضرورت کے مطابق ہی دیا جائے تو فطری صلاحیتوں کے ابھارنے اور ترقی دینے کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔

۲۔ انسانی فطرت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اپنی محنت کو بارآور دیکھنا پسند کرتا ہے جب ایک شخص کو یہ معلوم ہو کہ اس کی محنت کا معاوضہ نہیں ملے گا بلکہ حکومت اس کی ضرورت کے مطابق دے گی

---

۵۱ THE NEW CLANP. 1-6

Marfat.com

تو وہ محنت اور سعی بلیغ کرنے سے دل چرانا شروع کر دے گا۔ اور محنت میں لذت محسوس نہیں کریگا۔ جس کام پر اس کو لگایا جائے گا تو وہ کرہا اسے انجام دے گا۔ اس طرح تجارتی، صنعتی، حرفتی، علمی ترقی رک جائے گی۔

۳۔ ہر انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی ملکیت میں لذت محسوس کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی دولت کے استعمال کرنے میں آزاد ہوتا ہے اور اس میں اپنی عزت پاتا ہے لیکن نفی ملکیت میں نہ وہ لذت محسوس کر سکتا ہے اور نہ وہ اپنی عزت پاتا ہے۔ بلکہ وہ حکومت کا اپنے آپ کو ہر ضرورت کے لئے محتاج پاتا ہے۔ اس سے وہ عزت نفس سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور حکومت کا غلام بھی بن جاتا ہے اور انسانیت کے مقام سے گر کر حیوانیت کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے۔

۴۔ تمام عقلاء کے نزدیک یہ امر مسلمہ ہے کہ مالک اور مختار ہونا صفت کمال ہے اور مجبوری عیب اور عار ہے۔ ذاتی ملکیت کی نفی مجبوری اور لاچاری کا نام ہے۔ انسان دن رات کوشش کرنے کے باوجود کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔ اس طرح اس کی صفت کمال ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ ذلت اور پستی کے گڑھے میں گر جاتا ہے کیونکہ انسان اپنی صفت کی وجہ سے ہی ارفع مقام حاصل کر سکتا ہے۔ جب یہ صفت مر جاتے تو انسان جیتا جی مرا ہوا ہوتا ہے۔ وہ چلتا پھرتا ہے کوشش بھی کرتا ہے لیکن مجبور ہوتا ہے۔ مجبوری انسان کو قعر ذلت میں پھینک دیتی ہے۔

۵۔ انفرادی ملکیت کی نفی کے ساتھ انسان مشین کے ایک پرزے کی طرح ہو جاتا ہے جس طرح مشین کا پرزہ دن رات کام کرتا ہے لیکن وہ اپنی محنت کا پھل نہیں پاتا۔ اسی طرح اشتراکی نظام میں مشین کے پرزے کی طرح انسان بن جاتا ہے۔ دن رات کام کرتا ہے لیکن اس کا پھل وصول نہیں کر سکتا۔ اس کی محنت کا تمام پھل حکومت لے جاتی ہے۔ اس سے اس کی شعوری حس اور خود مختاری ختم ہو جاتی ہے۔

۶۔ انفرادی ملکیت کی نفی سے انسان کی ترقی اور رفعت کی تمام خواہشیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جتنی چاہے محنت اور کوشش کرے اس کو اس کی محنت کا پھل نہیں ملے گا۔ اس کو وہی ملے گا جو حکومت نے اس کے لئے تجویز کیا ہے۔

ان عقلی دلائل کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہو گا کہ انفرادی ملکیت کی نفی غیر فطری ہے۔

Marfat.com

فاشزم کا اقتصادی نظام

فاشی نظام کے سیاسی نظام پر بحث پہلے گذر چکی ہے۔ یہاں صرف اس نظام کے اقتصادی پہلو پر روشنی ڈالنی ہے جیسا کہ پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے اس نظام کی بنیاد عمل اور تشدد پر ہے۔ حکومت زندگی کے ہر شعبہ پر جبر و تشدد مسلط رکھتی ہے۔ چنانچہ اقتصادی نظام پر اس کا پورا تسلط اور غلبہ حاصل ہے۔

فاشزم کا اقتصادی نظام نہ تو کامل طور پر سرمایہ دارانہ ہے اور نہ اشتراکی۔ بلکہ دونوں نظاموں کا ایک مرکب نظام۔ کارپوریٹ (CORPORATE) ہے۔ مسولینی نے کارپوریٹ نظام کی بنیاد ۱۹۳۵ء میں رکھی۔ اس کے مطابق سارے ملک کے صنعتی۔ تجارتی۔ زراعتی وغیرہ نظام کو مختلف کارپوریشنوں میں منقسم کر دیا۔ ہر ایک صنعت و حرفت۔ تجارت زراعت وغیرہ کا اپنا اپنا کارپوریشن ہوتا جس میں سرمایہ دار اور مزدور طبقہ شامل ہوتا۔ کارپوریشن سرمایہ داروں اور مزدوروں کے فرائض اور حقوق کا تحفظ کرتی تھی۔ بظاہر یہ نظام کسی اشتراکیت سے مطابقت رکھتا ہے مگر فاشزم انتہا پسندانہ نیشنلزم پر ایمان رکھتی ہے۔ جب کہ کسی اشتراکیت میں ایسا نہیں ہے۔ ایسے ہی یہ نظام انجمنی اشتراکیت سے مماثلت رکھتا ہے۔ گویا یہ نظام نجی اجتماعی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

مسولینی کے الفاظ میں کارپوریٹ نظام کی تین بنیادیں ہیں۔ ایک پارٹی نظام کلیت پسند ریاست اور شدید نظریاتی احساس۔ پہلی دو بنیادیں فاشزم نے خود مہیا کی ہیں اور آخری بنیاد پراپاگنڈہ کے ذریعہ حاصل کی ہے۔

سرمایہ داروں اور مزدوروں کو اپنے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے الگ الگ انجمنیں تشکیل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ کارپوریشن خود ہی ہر دو فریق کے حقوق و فرائض متعین کرتی اور پھر ہر فریق کو مجبور کرتی کہ وہ مقرر کردہ حقوق و فرائض کو سر انجام دے۔ کارپوریشن حکومت کے سامنے جواب دہ ہوتی کہ عوام کہاں تک حقوق و فرائض کو پورا کر رہے ہیں۔ اس طرح تمام افراد کارپوریشنوں کے نظام میں منسلک ہو گئے۔ حکومت نے مرکز میں تمام کارپوریشنوں کا ایک ایوان قائم کیا جو پارلیمنٹ کے قائم مقام ہوتا تھا۔ اس ایوان میں ہر کارپوریشن اپنے اپنے نمائندے بھیجتی تھی جو حکومت کی پالیسی کے ماتحت کارپوریشنوں کے قوانین مدون کرتی تھی۔

Marfat.com

اسلام اور فاشزم کا موازنہ

نظریہ فاشزم اشتراکیت کی طرح فرد کو جماعت میں گم کر دیتا ہے۔ اس کی ذاتی حیثیت جماعت میں مدغم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی شخصیت آزادانہ نشوونما سے رک جاتی ہے۔

اسلام ہر فرد کی آزادانہ نشوونما کا حامی ہے اور اس نے ہر قسم کی غلامی کی زنجیروں کو توڑا ہے اور حریت انسانی کا اعلان کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ[له] سو وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے۔ کسی گردن کا آزاد کرنا۔ یہ آیات انسان کی شخصی، سیاسی، تمدنی، روحانی اور اقتصادی غلامی سے نجات کا اعلان کرتی ہیں۔

آزادی کی حدود۔

اسلام نے سوسائٹی کو پرامن بنانے کے لئے آزادی کی حدود مقرر کر دی ہیں۔ اگر وہ حدود مقرر نہ کی جائیں تو زمین میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ اسلام نے اقتصادی امور میں جہاں آزادی بخشی ہے وہاں کچھ حدود بھی مقرر کر دی ہیں۔ وہ حدود اکتساب دولت، تصرف دولت اور انتقال دولت کے متعلق ہیں۔ پھر صاحب دولت پر فرائض عائد کر دیئے ہیں۔ یہ وہ طبعی حدود ہیں جن سے نہ تو کسی شخص کی آزادی مجروح ہوتی ہے اور نہ آزادی فساد کا رنگ اختیار کرتی ہے بلکہ یہ آزادی سوسائٹی کے لئے رحمت کی نشانی بن جاتی ہے۔

اکتساب دولت، تصرف دولت اور انتقال دولت وغیرہ کی کیا حدود ہیں۔ ان کا مفصل ذکر بعد میں آئے گا۔

له البلد ۹۰: ۱۱-۱۳

Marfat.com

سرمایہ داری نظام

دنیا کے اہم ترین معاشی نظاموں میں سرمایہ داری نظام سب سے زیادہ اہم اور مؤثر ہے۔ ہر معاشی نظام قدرتی مادی وسائل اور خود ساختہ آلات اور علوم وفنون پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر معاشی نظام قانون یا رواج کے مطابق ایسے معاشرتی ضوابط مہیا کرتا ہے۔ جس سے ملکی وسائل عوام کی ضروریات کی اشیاء پیدا کرنے کے لئے استعمال کئے جا سکیں۔ کسی معاشی نظام کی ہیئت جاننے کے لئے ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ مادی اور انسانی وسائل کے علاوہ خود ساختہ آلات کن کی ملکیت میں ہیں۔ صرف۔ بچت۔ سرمایہ کاری کے علاوہ پیدائش دولت۔ صرف دولت اور تقسیم دولت کا اختیار کس کے پاس ہے۔ نجی افراد یا اداروں کے پاس یا حکومت کے پاس۔

سرمایہ داری نظام انفرادی پسند پر قائم ہے۔ اسے عدم مداخلت کا نظام اور آزادانہ معاشی نظام بھی کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ نظام اپنی صحیح اور مکمل شکل میں کبھی رائج نہیں ہوا مگر انیسویں صدی کے نصف اول میں ایسا ملتا جلتا نظام انگلستان میں موجود تھا۔ آج کل یہ نظام برطانیہ کے علاوہ فرانس، جرمنی اور امریکہ میں بالخصوص پایا جاتا ہے۔ اس نظام کے تحت حکومت عوام کی معاشی سرگرمیوں میں بالکل مداخلت نہیں کرتی۔ اس کا کام اندرون ملک امن وامان قائم رکھنا اور بیرونی حملے کی صورت میں مدافعت کرنا ہوتا ہے۔ اس نظام کے تحت تمام زمینیں کارخانے، کانیں اور دیگر تمام ذرائع پیدائش افراد یا اداروں کی ملکیت ہوتے ہیں۔ وہ وسائل پیدائش کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ ہر فرد کو صرف کے علاوہ پیشے کے انتخاب میں بھی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ کام یا فرصت میں سے جسے چاہے ترجیح دے ہر کام ملکی قوانین کے احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ بچت اور جائداد وارثین کو منتقل کئے جا سکتے ہیں۔ یعنی لوگوں کو تمام معاشی امور میں مکمل آزادی ہوتی ہے۔

ویب (Webb) نے سرمایہ داری نظام کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"سرمایہ داری نظام سے مراد صنعتی ترقی اور قانونی اداروں کی وہ حد یا منزل ہے جس میں مزدور اپنی بقا، تحفظ اور شخصی آزادی کے لئے اجرتوں پر کام کرتے ہیں ان کے پاس وسائل پیدائش کے حقوق

Marfat.com

ملکیت نہیں ہوتے۔ بیر کثرت میں ہوتے ہیں جبکہ یہ اس اقلیت کے لئے کام کرتے ہیں جن کے پاس وسائل پیدائش کے قانونی حقوق ملکیت ہوتے ہیں۔ اور جو زمین، مشینری اور محنت پر مکمل کنٹرول رکھتے ہیں اس اقلیت کا سب سے بڑا مقصد اپنے لئے منافع کمانا ہوتا ہے۔"

سرمایہ داری نظام کی خصوصیات

۱۔ ذاتی یا نجی ملکیت:۔ سرمایہ داری نظام کے تحت ہر شخص کو ذاتی ملکیت کا حق حاصل ہوتا ہے تمام وسائل پیدائش نجی ملکیت میں ہوتے ہیں۔ مالکین کو اپنے مفاد کے مطابق استعمال کرنے کی مکمل طور پر اجازت ہوتی ہے۔ حکومت ان وسائل کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے۔ لوگوں کو جائیداد بنانے انہیں بیچنے اور ان کے وارثین کو منتقل کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ نجی ملکیت کا حق غیر محدود ہے۔

۲۔ معاشی آزادی:۔ سرمایہ داری نظام میں ہر شخص اپنی املاک کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ وہ کسی دوسرے فرد کی اطاعت کا محتاج نہیں ہوتا۔ اسے پیشے کے انتخاب میں بھی آزادی ہوتی ہے حکومت نہ تو پیشے کے انتخاب میں مداخلت کرتی ہے اور نہ ہی کاروباری معاہدوں میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔ لوگ عموماً اپنے انفرادی اور شخصی فائدہ کی خاطر جدوجہد کرتے ہیں۔ وہ چاہیں تو زمین پر گندم کی کاشت کریں یا کپاس کی۔ اگر مفید سمجھیں تو اس زمین کو ٹھیکہ پر دے دیں۔ یا اس پر کوئی عمارت تعمیر کرلیں وہ صرف اپنے لئے منافع کماتے ہیں۔ انہیں دوسروں سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اس طرح قومی آمدنی کا بیشتر حصہ سرمایہ داروں اور زمینداروں کے پاس جمع ہوجاتا ہے۔ مزدور کو اس کی محنت و کاوش کا صلہ نہیں ملتا۔ ان کا استحصال ہوتا ہے۔

معاشی آزادی کی وجہ سے ہر فرد صرف اور پیدائش دولت کے متعلق آزادانہ فیصلہ کرتا ہے۔ تمام کاروباری ادارے طریق پیدائش اور پیمانہ پیدائش کا خود فیصلہ کرتے ہیں۔ عاملین پیدائش ہی زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم اپنی خدمات کی فروختگی یا انہیں کرایہ پر دینے کے متعلق خود فیصلے کرتے ہیں۔

صارفین انفرادی طور پر خود فیصلے کرتا ہے کونسی چیز صرف کرے اور کتنی مقدار میں صرف کرے۔ اپنی آمدنی کتنی صرف کرے اور کتنی بچائے۔ ایسے تمام فیصلوں میں وہ خود مختار ہے۔ اس نظام کے تحت صارف کی حیثیت ایک مطلق العنان حاکم کی طرح ہے۔ آجر اسی کی پسند اور ناپسند کو پیش نظر رکھتا ہے۔ آجر جب صارف کی پسند کا خیال نہیں کرتا تو اسے نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ صارف اپنی پسند یا ناپسند کا اظہار قیمت کے ذریعے کرتا ہے جس پر وہ شے خریدنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

Marfat.com

۳۔ **طبقاتی کشمکش:۔** اس نظام کی ایک بڑی خصوصیت دولت کی غیر مساویانہ تقسیم ہے۔ امیر بہت امیر ہوتے ہیں جنہیں زندگی کا ہر عیش میسر ہوتا ہے۔ غریب بہت غریب ہوتے ہیں جو نان و نفقہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس سے معاشرہ دو طبقوں میں بٹ جاتا ہے۔ امیر وسائل پیدائش کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے قبضہ میں بڑے بڑے کارخانے اور وسیع زمینیں ہوتی ہیں۔ ملکی دولت کا زیادہ حصہ ان کے قبضہ میں ہی ہوتا ہے۔ امیر کو ترقی کے تمام مواقع میسر ہوتے ہیں جبکہ غریب ان سے محروم ہوتا ہے۔ طبقاتی کشمکش اس نظام کا خاصہ ہے۔ آجر اور اجیر اور زمیندار اور مزارع کے درمیان جھگڑا ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ آج کل صنعتی مزدور، کان کن اور تجارتی ملازمین اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اور روس، چین اور مشرقی یورپ کے ممالک میں مزدور انقلاب برپا کر چکا ہے۔ جہاں مزدور کامیاب نہیں ہوا وہاں وہ اپنے نمائندوں کی معرفت آجرین کے ساتھ اجرتوں کی شرح اور شرائط کار طے کرتے ہیں۔ حکومت بھی مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے قوانین نافذ کرتی ہے۔ اس جدوجہد اور تحفظ کے باوجود مزدور اپنی معاشی آزادی کھو چکا ہے۔ کیونکہ ذرائع پیدائش پر اقلیت کا قبضہ ہے۔ اس لئے باروزگار ہوتے ہوئے بھی بیروزگاری کی تلوار ہمیشہ اس کے سر پر لٹکتی رہتی ہے۔

۴۔ **تقسیم کار اور مبادلات:۔** پیدائش دولت تخصیص کار کے اصولوں پر ہوتی ہے۔ یہ اصول ہر معاشی نظام میں کارفرما ہوتے ہیں۔ اشتراکیت میں تقسیم کار میں لوگوں کی پسند کا کوئی دخل نہیں ہوتا جبکہ سرمایہ داری نظام میں لوگوں کی پسند اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اور باہمی مبادلات اور منڈی کے تقاضوں کی وجہ سے معرض وجود میں آتی ہے۔ البتہ لوگ اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق کوئی پیشہ اختیار کرتے ہیں اور بعد میں جب منڈی کی وسعت کی وجہ سے پیدائش دولت وسیع ہو جاتی ہے تو تقسیم کار بھی سادہ سے پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق اشیاء بناتا ہے اور منڈی میں اسے فروخت کر کے اپنی ضرورت کی دوسروں کی پیدا کی ہوئی چیزیں خرید لیتا ہے۔

۵۔ **قیمتوں میں میکانیت:۔** یہ نظام قیمتوں کی میکانیت کی وجہ سے چلتا ہے۔ قیمتوں کے بغیر یہ نظام چل ہی نہیں سکتا۔ کسی پیشہ یا کاروبار شروع کرنے سے پہلے ہر فرد کے پیش نظر منافع ہوتا ہے۔ منافع لاگت اور قیمت میں فرق کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ طریق پیدائش میں ردوبدل نہ ہونے کی وجہ سے مصارف پیدائش تو عرصہ طویل میں یکساں رہتے ہیں مگر قیمت میں تغیر و تبدل ہوتا ہے جس سے منافع کی شرح بھی متاثر ہوتی ہے۔ کسی شے کی قیمت چڑھنے میں طلب اور رسد

Marfat.com

دونوں اثر انداز ہوتے ہیں۔ طلب بڑھنے یا رسد کم ہونے سے قیمت بڑھ جاتی ہے۔ صارف اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار قیمتوں کے ذریعے ہی کرتے ہیں۔ جو شے انہیں زیادہ پسند ہو وہ اس کی زیادہ قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں قیمتوں کی میکانیت سے آجرین بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ آجر بلاشبہ اسی شے کی رسد فراہم کرے گا جس کی قیمت زیادہ ہو گی۔ اصول رسد کے مطابق شے کی قیمت بڑھنے سے رسد پھیلتی ہے اور قیمت کم ہونے سے رسد سکڑ جاتی ہے۔ طریق پیدائش کے علاوہ پیمانہ پیدائش بھی قیمتوں کی میکانیت کی وجہ سے متعین ہوتے ہیں۔ قیمت کا تعین رسد اور طلب کی باہمی مطابقت سے ہوتا ہے۔

۶۔ آزاد مقابلہ :۔ آزاد مکمل مقابلہ اس نظام کی ایک اور اہم خصوصیت ہے۔ تمام اشیاء کی خرید و فروخت آزادانہ طریق پر ہوتی ہے۔ گاہک اپنی مرضی کے مطابق منڈی سے چیزیں خریدتے ہیں اور فروخت کار اپنا منافع بڑھانے کے لئے گاہکوں کو مختلف طریقوں سے اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ اس طرح طلب اور رسد کی دونوں متضاد قوتیں ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار ہوتی ہیں۔ اکثر اوقات رسد فراہم کرنے والے متحد ہو کر اجارہ داریاں بھی قائم کر لیتے ہیں جس سے انہیں من مانی قیمت وصول کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور بسا اوقات صارفین بھی یکجا ہو کر بلند قیمتوں کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ اشیاء کی منڈی میں مقابلہ کے علاوہ دیگر منڈیوں میں بھی مقابلہ پایا جاتا ہے۔ ہر کاریگر دوسرے کاریگر سے مقابلہ کرتا ہے۔ زمین کی ہر اکائی دوسری اکائی کے ساتھ مختلف استعمالات کے لئے مقابلہ کرتی ہے۔ اور اس طرح سرمایہ کی ہر اکائی بھی دوسری اکائی کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔

۷۔ کساد بازاری اور بے روزگاری :۔ بچت اور سرمایہ کاری، صرف اور پیدائش دولت میں عدم مطابقت کی وجہ سے سرمایہ داری نظام اکثر اوقات معاشی بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔ اشیاء کی قیمتیں گر جاتی ہیں۔ قیمتیں گرنے سے منافع کم ہو جاتا ہے جس سے پیمانہ پیدائش محدود ہو جاتا ہے۔ اس سے بہت سے مزدور کام سے نکال دیئے جاتے ہیں۔ یہ بیروزگاری مجموعی قوت خرید کو گھٹا کر معیشت کو سخت کساد بازاری کا شکار بنا دیتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اشتراکیت میں کوئی زائد پیدائش دولت نہیں ہوتی اور نہ ہی معاشرتی بحران برپا ہوتا ہے۔

۸۔ آجر کی اہمیت :۔ آجر اس نظام کا مرکزی کردار ہے۔ پیداواری ذرائع اس کی ہدایت کے تحت کام کرتے ہیں۔ وہی عوامل پیدائش کو استعمال کر کے مادی وسائل کو بروئے کار لاتا ہے پیدائش کے معاملے میں وہ تنہا معاشرے کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ وہ کاروبار

Marfat.com

کی ابتداء اور انتظام ہی نہیں کرتا بلکہ احتمال نقصان (RISK) بھی برداشت کرتا ہے۔ آشکین سرمایہ کا وہی سب سے بڑا منبع ہے۔

آزاد نظام معیشت میں قیمتوں کی میکانیت اور نظام اشیاء اور خدمات کی پیدائش مبادلے اور تقسیم کو متعین کرتا ہے۔ صارف اپنی پسند۔ ذوق اور ترجیحات کا اظہار قیمتوں کے ذریعے ہی کرتا ہے۔ اگر صارفین کی کپڑے کی طلب بڑھ جائے تو کپڑے کی قیمتیں بھی چڑھ جائیں گی۔ صارفین کی ان ترجیحات سے اس امر کا فیصلہ کیا جائے گا کہ کونسی شے پیدا کرلی جائے۔ کتنی مقدار میں پیدا ہو۔ کہاں پیدا کی جائے۔ کیسے پیدا کی جائے اور اس کا کتنا حصہ کسے ملے۔ اسی سے عاملین پیدائش کے معاوضوں کا تعین ہوگا۔ وسائل پیدائش کا تعین بھی قیمتوں کی میکانیت سے ہی ہوگا۔ اس نظام میں کوئی منصوبہ بندی بورڈ نہیں ہوتا۔ یہ قیمتوں مصارف اور منافعوں پر اثر انداز ہو کر خود بخود چلتا رہے گا۔

ماضی میں صارف کی حاکمیت مسلم سمجھی جاتی رہی ہے۔ وہ ترجیحات کے ذریعے احکامات صادر کرتا ہے جس کی تعمیل آجرین رسد کی فراہمی کی صورت میں کرتے رہے ہیں لیکن جدید دور میں صارف کی شہنشاہیت کو کچھ دھچکا سا لگ چکا ہے۔ آجکل آجر موجودہ طلب کے تقاضوں کو مدنظر رکھنے کی بجائے مستقبل کی طلب کو پیش نظر رکھتا ہے۔ وہ شے پہلے تیار کرلیتا ہے اور نشر و اشاعت کے ذریعے اس کی بعد میں طلب پیدا کرتا ہے لیکن ایسا کرنے میں بھی اسے صارف کی تسکین اور ترجیحات کا احترام ضرور کرنا پڑتا ہے۔ اگر آجر کی تمام توقعات اور اندازے غلط ہو جائیں اور وہ صارف کی خواہشات کو بالکل ہی نظر انداز کردے تو صارف کا ردِ عمل آجر کی تباہی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔

صارف کی شہنشاہیت پر کچھ بندشیں بھی ہیں۔ سب سے بڑی رکاوٹ آمدنی یا وسائل کی ہے جس سے اس کی قوت خرید پیدا ہوتی ہے۔ ایک بڑے سے بڑا سرمایہ دار آجر ایک معمولی صارف کے سامنے اس وقت سر تسلیم خم کرتا ہے جب اس کے پاس قوت خرید ہو۔ محدود وسائل کی بندش اس کی حاکمیت کو بھی محدود کردے گی۔ صارف ہوائی جہاز میں سفر کرنا چاہتا ہے مگر اس کے پاس صرف اتنے پیسے ہیں جن سے وہ ریلوے کا تیسرے درجے کا ٹکٹ ہی خرید سکے۔ ایسی صورت میں اسے ریلوے کے تیسرے درجے میں سفر پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔ جو منڈی میں فراہم ہوں منڈی میں اشیاء کی فراہمی پیدائش دولت پر ہے جس کا انحصار طریق پیدائش صارف کی تسکین کا انحصار اشیاء کی دستیابی پر ہے صارف کی طلب عموماً فوری اور شدید ہوتی ہے اس لئے اسے ان اشیاء پر اکتفا کرنا پڑتا ہے اور ذرائع پیدائش کی ترقی رہے۔

Marfat.com

جو عرصہ قلیل ہی یکساں رہتے ہیں۔

صارف کا ذوق، ترجیحات، پسند اور ناپسند پروپیگنڈا مشینری کا مؤثر اور فعال کردار ہے نشر و اشاعت کا اثنا ہی زور ہوتا ہے کہ اس کی ترجیحات بھی بدل جاتی ہیں۔ اور وہ ہے لبس اور لاچار سا ہو جاتا ہے۔ دور جدید میں آجرین صارفین ذوق اور ان کی ترجیحات کو بدلنے کے لئے زر کثیر صرف کر دیتے ہیں۔ اخبارات اور رسالوں، ریلوے سٹیشنوں اور ہوٹلوں پر بورڈ، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور سینما سلائیڈ وغیرہ یہ سب صارف کی پسند کو بدلنے اور اس کی طلب کو متاثر کرنے میں مؤثر رول ادا کرتے ہیں۔ پروفیسر کے ایلیے کے مطابق امریکہ میں قومی اشتہار بازی پر اوسط ۔ اٹھ الر فی کس صرف کیا جاتا ہے۔ وہاں اشتہار بازی اور نشر و اشاعت کے شعبہ میں تقریباً ۶۰ لاکھ افراد ملازم ہیں۔ اشتہار بازی پر کل خرچ کا تخمینہ ۱۲ ارب سے ½۲ ارب ڈالر ہے۔ یہ رقم صارفین کی فلاح و بہبود پر خرچ نہیں ہوتی بلکہ آجرین کو امیر سے امیر تر بنانے کے لئے خرچ کی جاتی ہے۔

اجارہ داریوں کی وجہ سے بھی صارف کی آمریت پر زد پڑتی ہے۔ اجارہ دار کی حیثیت ایک عام آجر کی نسبت زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ اسے دو اختیار ہوتے ہیں، قیمت کا تعین یا رسد کے تعین کا اختیار لیکن وہ بیک وقت دونوں اختیارات میں سے صرف ایک اختیار کو ہی استعمال کرتا ہے۔ اگر وہ قیمت کو متعین کرے تو اسے اشیاء کی اتنی مقدار ہی فراہم کرنا ہوگی جو صارفین اس کی مقرر کردہ قیمت پر صرف کر لینے کے لئے آمادہ ہوگا لیکن اگر وہ مقدار رسد پر کنٹرول کرے تو اسے وہ قیمت قبول کرنا ہوگی جس قیمت پر صارفین اس کی فراہم کردہ رسد کو صرف کرنے کے لئے تیار ہوں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں مکمل مقابلہ تو ہوتا ہی نہیں کبھی تو نامکمل مقابلہ کی وجہ سے امتیازی انتبار منڈی میں فروخت کے لئے لائی جاتی ہیں اور کبھی آجرین محض منافع کی ہوس کے تابع آپس میں اتحاد کر کے اجارہ داریاں قائم کر لیتے ہیں۔ جو پول (Pool) اور ٹرسٹ کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہیں اس سے انہیں نہ صرف صارف کے اختیارات کو کاٹنے کا اختیار مل جاتا ہے بلکہ من مانی قیمتیں بھی وصول کر لیتے ہیں۔ اشتراکیت میں تو سرکاری اجارہ ہوتی ہے جو عوام کے مفاد عامہ کے پیش نظر پیدائش اور تقسیم دولت کرتی ہے مگر سرمایہ داری نظام میں اجارہ داریاں عوامی مفاد کی کوئی پرواہ نہیں کرتیں۔

اشتراکیت میں تو صارف کو وہی اشیاء استعمال کرنا ہوں گی جو حکومت نے پیدا کرنے کا

Marfat.com

فیصلہ کیا ہوگا مگر سرمایہ داری نظام میں حکومت بالواسطہ طور پر صرف پر اثر انداز ہوتی ہے معاشی بحران میں اپنے اخراجات بڑھا کر حکومت براہ راست بھی صرف پر اثر انداز ہوتی ہے اگر حکومت کسی شئے کے صرف کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتی ہو تو وہ ان اشیاء پر ٹیکس عائد کر دیتی ہے جس سے وہ اشیاء مہنگی ہو کر طلب کو گھٹا دیتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر حکومت کسی شئے کے صرف کی افزائش کرنا چاہتی ہو تو وہ ٹیکس میں کمی کر دیتی ہے۔

اس سے حکومت صرف میں تبدیلیاں لانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

عاملین پیدائش کا معاوضہ یعنی لگان۔ اجرت۔ سود اور منافع ان کی رسد اور طلب کی باہمی مطابقت سے متعین ہوتا ہے۔ اگر کسی عامل پیدائش کی رسد اس کی طلب سے تجاوز کر جائے تو اس کا معاوضہ کم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر طلب رسد سے تجاوز کر جائے تو معاوضہ بڑھ جاتا ہے۔ عاملین کے معاوضے ان کی قوت پیداواری کے مطابق متعین ہوتے ہیں۔ ہر آجر کم سے کم لاگت پر زیادہ سے زیادہ اشیاء پیدا کرنے کے لیے عاملین پیدائش میں رد و بدل کرتا رہتا ہے۔ کبھی محنت کی اکائیاں بڑھا کر اور سرمایہ کی اکائیاں گھٹا کر عمل پیدائش کیا جاتا ہے اور کبھی سرمایہ کی اکائیاں بڑھا کر محنت کی اکائیاں گھٹا کر آجر بہترین اشتراک حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح ہر عامل پیدائش کی ہر اکائی ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔

قیمتوں کا نظام آجر اور صارف دونوں کے لیے ہم آہنگ سمجھا جاتا ہے یعنی یہ نظام آجرین کے منافع کی ہوس اور صارفین کی تسکین میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے جو عاملین پیدائش سے حاصل ہوتی ہے جن کے باہمی تعاون اور اشتراک سے عمل پیدائش ہوتا ہے لیکن عملی طور پر سرمایہ داری نظام میں یا تو منڈی کے غیر موافق حالات کی وجہ سے آجر کو نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے یا صارفین کا استحصال کیا جاتا ہے۔

ز۔ سرمایہ داری نظام میں منافع کی ہوس جسم میں روح کی حیثیت رکھتی ہے شرح میں منافع ہی سرمایہ کی پیداواری قوت کو متعین کرتا ہے۔ منافع ہی آجر کو احتمال نقصان برداشت کرنے پر آمادہ کرتا ہے جس سے بڑے بڑے کاروبار معرض وجود میں آتے ہیں۔ اس سے روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں جو ایک جانب قومی دولت کو بڑھانے کا موجب بنتے ہیں اور دوسری طرف فی کس آمدنی میں اضافے کا باعث بنتے ہیں اس سے معیار زندگی بلند ہوتا ہے عوام اپنی ضروریات زندگی کی اشیاء حاصل کرنے کے علاوہ آسائشات اور تعیشات زندگی کی اشیاء حاصل کرنے میں بھی کامیاب

Marfat.com

ہو جاتے ہیں حیوان کی قوت، پیداوار کو بڑھاتے ہیں اور معیشت میں خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے۔
دوسری اہم بات یہ ہے کہ معاشرے کے محدود وسائل کو انتہائی کفایت سے استعمال کیا جاتا ہے جس سے ان کا ضیاع کم ہو جاتا ہے۔ جو آجر بھی ان وسائل کو کفایت سے استعمال کرنے میں کوتاہی کرتا ہے اسے زیادہ لاگت اور نقصان کی صورت میں سزا بھگتنا پڑتی ہے نفع نقصان کی ذمہ داری آجر کی ہوتی ہے۔ اگر آجر کو خود نشہ ہو کر اس منافع میں اور کوئی فریق بھی بے جا شریک ہو جائے گا۔ اس کی تمام کوششیں سرد پڑ جائیں گی۔ تنہا منافع کا مالک ہونے کی وجہ سے اس کے کاروباری فیصلے دور اندیشی اور دانشمندی پر مبنی ہوتے ہیں۔

اسلامی اقتصادی نظام اور سرمایہ داری نظام کا موازنہ

پہلا فرق:۔ سرمایہ داری نام ہے بے لگام اور لامحدود انفرادی ملکیت کا اس نظام کو تین چشمے سیراب کرتے ہیں۔ سود۔ اکتناز اور احتکار۔
سرمایہ داری نظام کا انحصار "قومی قرضوں" پر ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بنک قائم ہوتے جن کے کاروبار کی اساس ہی سود ہے۔ سرمایہ دار بنکوں سے بڑی بڑی رقوم سود پر لے کر کارخانے چلاتے ہیں۔
اکتناز کے معنی ہیں سونے چاندی کے خزانے حقوق خداوندی اور انسانی حقوق کی ادائیگی کے بغیر جمع کرنا۔
احتکار کے معنی ہیں نوع انسان کے استعمال میں آنے والی اشیاء کو نرخ کی گرانی کا انتظار کر کے روک رکھنا تاکہ نفع اندوزی کی پیاس کو بجھایا جا سکے۔
سرمایہ داری کے یہ وہ چشمے ہیں جن کی وجہ سے دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آ جاتی ہے۔
اسلام سرمایہ داری کے سراسر خلاف ہے اور ان تمام اصولوں کو ناجائز قرار دیتا ہے جو سرمایہ داری نظام کو حیات بخشتے ہیں۔ قرآن مجید نے سرمایہ داروں کو اغلاء اور مترفین کے نام سے پکارا ہے۔ اغلاء کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کو بھر دینا۔ اس لحاظ سے اغلاء ان لوگوں کو کہا جائے گا جن کے گھر عیش و عشرت کی زندگی کے سامانوں سے بھرے ہوتے ہوں۔ اور سامان زیست کی فراوانی کو ہی عزت اور سیادت کا معیار سمجھتے ہوں۔ قرآن مجید نے سرمایہ داری نظام کی مخالفت حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعات کے ضمن میں کی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے سرمایہ دار

Marfat.com

نظام سے دولت صرف ہاتھوں میں سمٹ کر آجاتی ہے اور عوام قوت لایموت سے محروم ہو جاتے ہیں اہل قوت کے بل بوتے پر غرباء کی تھوڑی سی پونجی ہضم کر جاتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ایک غریب آدمی ایک سرمایہ دار کے خلاف مقدمہ لے کر آیا اور کہا اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ [1] یہ میرا بھائی ہے اس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میری ایک دنبی ہے تو اس نے کہا ہے اسے میرے سپرد کر دے اور جھگڑے میں مجھ پر غالب آگیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سرمایہ داروں کا مزاج بیان کیا ہے وہ غرباء کے مال کو بھی ہضم کرنا چاہتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے سرمایہ دار کے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے کہا لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ [2]

اس نے تجھ پر ظلم کیا ہے اور تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کے لئے مانگا اور بہت سے شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں تقسیم دولت غیر منصفانہ بنیادوں پر تھی اور آپ نے اپنی حکمت اور دانائی سے تقسیم دولت منصفانہ بنیادوں پر چلایا اور اپنے فیصلہ سے حکومت کی پالیسی کو واضح کر دیا کہ کوئی سرمایہ دار ناجائز ہتھکنڈوں سے کسی دوسرے کی دولت پر قبضہ نہیں جما سکتا۔

سرمایہ داری کے اصولوں کی تردید:۔ اسلام نے وہ تمام راستے جن کے ذریعے دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو سکتی ہے مسدود کر دیئے ہیں۔ دولت کے جمع کرنے کا ایک راستہ سود ہے اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [3] اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام کر دیا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [4] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

---

[1] ص: ۳۸: ۲۳ [2] ص ۳۸: ۲۴ [3] البقرہ ۲: ۲۷۵ [4] آل عمران ۳: ۱۳۰

Marfat.com

دوسرا راستہ جس کے ذریعہ سرمایہ دار دولت سمیٹتے چلے جاتے ہیں وہ اکتناز ہے۔ اکتناز کو ممنوع قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ؕ ۵۱
اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔

تیسرا راستہ دولت سمیٹنے کا احتکار ہے اس ذریعہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الجالب مرزوق والمحتکر ملعون ۵۲۔ یعنی غلہ کو بیچنے کی غرض سے باہر سے لانے والا مرزوق ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے۔

سرمایہ کو چند ہاتھوں میں جمع کرنے والے ذرائع کو ناجائز قرار دینے کے ساتھ دولت کو مزید ہاتھوں میں پہنچانے کے لئے چند اصول مقرر کر دیئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ صدقات خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۵۳
کہ ان کے مالوں سے صدقہ (زکوٰۃ) لو تا کہ تو انہیں پاک صاف کرے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ ۵۴
اور ہلاکت ہے ان مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۵۵ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

یہ وہ صدقہ ہے جس کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے طوعی صدقات کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً ۵۶ اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرو۔

ورثہ۔ قرآن مجید نے متوفی کے قریبی ورثاء کے حصص مقرر کر دیئے ہیں ارشاد الٰہی ہے
وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ۵۷

جو کچھ ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے حق دار ٹھہرا دیئے ہیں اور جن عورتوں سے تمہارا نکاح ہو چکا ہے پس چاہیے کہ جو کچھ جس کا حصہ ہے

---

۵۱ توبہ ۹: ۳۴ ۵۲ احمد، ابن ماجہ ۵۳ توبہ ۹: ۱۰۳ ۵۴ حم السجدہ ۴۱: ۶-۷
۵۵ البقرہ ۲: ۴۳ ۵۶ فاطر ۳۵: ۲۹ ۵۷ النساء ۴: ۳۳

Marfat.com

اس کو دے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

کفارات:۔ غرباء تک دولت کے پہنچانے کا ایک ذریعہ کفارات ہیں کوئی شخص بلا عمد کسی مسلمان کو قتل کرے یا قسم کھا کر اسے توڑ دے اور رمضان کے مہینے میں روزہ رکھ کر توڑ دے یا اپنی بیوی سے ظہار کرے تو اس قسم کی صورتوں میں مال کا ایک حصہ غرباء کے لئے خرچ کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

عید الفطر کے موقع پر صاحب نصاب لوگوں پر محتاجوں کے لئے صدقہ دینا لازم کیا گیا ہے۔

خراج و جزیہ:۔ خراج ایک قسم کا لگان ہے جو اسلامی حکومت اپنی مملوکہ زمین پر وصول کرتی ہے جزیہ وہ ٹیکس ہے جو ذمیوں سے ان کی جان مال کی حفاظت کے لئے وصول کیا جاتا ہے

نفقات:۔ ہر مسلمان پر یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے غریب اور نادار رشتے داروں کی کفالت کرے۔

عشر:۔ ان اراضیات کی پیداوار پر واجب ہے جو بارش سے سیراب ہوں اور اگر وہ زمین محنت سے سیراب ہوتی ہو تو کل پیداوار کا بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔

وصیت:۔ اسلام مالک جائیداد کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ جائز ورثاء کے علاوہ خیراتی کاموں کے لئے بھی وصیت کرے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ [1] تم پر جب تم میں سے کسی پر موت آ جائے عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا لازمی ٹھہرایا گیا ہے اگر وہ بہت مال و دولت مال باپ کے لئے اور قریبی رشتے داروں کے لئے چھوڑے یہ پرہیزگاروں پر فرض ہے۔

وقف:۔ اسلام میں وقف کے یہ معنی ہیں کہ دائمی طور پر کسی جائیداد کو مذہبی یا خیراتی کاموں کے لئے مخصوص کر دی جائے۔

ضروریات سے زائد مال خرچ کرنے کی تعلیم: مندرجہ بالا مدات میں خرچ کرنے کے بعد بھی اگر کسی کے پاس دولت بچ جاتی ہے۔ تو اس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے :

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ [2] وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دیجئے جو کچھ ضروریات اور حاجات سے زائد ہو۔

---

[1] البقرہ ۲: ۱۸۰ [2] ۲: ۲۱۹

Marfat.com

تیسرا فرق :- سرمایہ دارانہ نظام صاحب ملک کو دولت کے استعمال اور تصرف پر بے قید اور غیر محدود اختیار دیتا ہے۔ مشہور مغربی محقق اور ماہر قانون جان اسٹن نے ملکیت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ۔

اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے کسی متعین شے پر ایک حق کی نشاندہی کرتا ہے جو استعمال اسلام کے اعتبار سے غیر محدود اور تصرف و انتقال کے اعتبار سے بے قید ہے ۔[۲]

اسلام میں تصرف دولت اللہ تعالٰی کی تعلیم کے تابع ہے۔ ارشاد الٰہی ہے

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۔[۳] کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ دوسری جگہ آتا ہے

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۔[۴] فضول خرچی نہ کر کیونکہ فضول خرچی کرنے والا شیطان کا بھائی ہے ۔

اسراف اور تبذیر کا لازمی نتیجہ لذت اندوزی تنعم اور عیش کوشی ہے۔ اسلام نے عیش کوشی سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ عیش کوشی معاشرہ میں فساد اور ملل پھیلاتی ہے۔ حضرت معاذ بن جبل روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن بھیجا تو فرمایا کہ خبردار! عیش کوشی سے اجتناب کرنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے ۔

چوتھا فرق :- سرمایہ دارانہ نظام ہر قسم کی تجارت اور کاروبار کرنے کی اجازت دیتا ہے ۔ اور کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرتا۔ اسلام ان تمام چیزوں کی تجارت کرنے سے منع کرتا ہے۔ جو صحت اور معاشرہ کو خراب کرنے کا باعث ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ ۔[۵]

کہ اللہ تعالٰی نے شراب مردار خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا ہے ۔

پانچواں فرق :- سرمایہ دارانہ نظام میں انفرادی ملکیت اجتماعی مفادات سے بالاتر ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی اساس ہی لامحدود ملکیت اور بے لگام تصرف دولت پر ہے۔ اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے انفرادی مفاد اجتماعی مفاد سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں انفرادی ملکیت اجتماعی مفادات کے زیر اثر ہوتی ہے ۔

چھٹا فرق :- سرمایہ دارانہ نظام میں کساد بازاری ناگزیر ہے۔ اسلامی اقتصادی نظام

---

[۲] LECTURES ON JURISPRUDENCE VOL II- P 790

[۳] اعراف ۷ : ۳۱

[۴] اسرائیل ۱۷ : ۲۶، ۲۷ [۵] نیل الاوطار ج ۵

Marfat.com

میں عام معاشی خوشحالی ہوتی ہے۔

ساتواں فرق: ۔ سرمایہ دارانہ نظام مصنوعی گرانی پیدا کرنے کے لئے تلف مال کو جرم قرار نہیں دیتا بلکہ صاحب ملک کا جائز حق ہے اور اس پر پابندی عائد کرنا شخصی آزادی کو کچلنے کے مترادف قرار دیتا ہے۔ جان اسٹن کہتا ہے۔

"غیر منقول املاک یا دولت وغیرہ میں مطلق ملکیت کی رو سے اپنی ملکیت کے تباہ کر دینے یا ضائع کرنے کا حق حاصل ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس تباہی میں کسی دوسرے فرد پر کوئی برا اثر نہ پڑے۔"

"اگر میں اپنے مکان کا مالک ہوں تو میں چاہوں تو اسے تباہ کر سکتا ہوں مگر مجھے اس کو اس طرح ہرگز تباہ نہیں کرنا چاہیئے کہ اس سے میرے پڑوسیوں کو نقصان پہنچے"

اسلام میں صاحب ملک کو تلف مال کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام کی رو سے تمام اشیاء کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور انسان اللہ کی دی ہوئی دولت میں نائب امین اور وکیل ہے۔ نائب کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ دولت کو کسی رنگ میں تلف کرے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ [۱]

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے

قرآن مجید میں اتلاف مال کو فساد سے تعبیر کیا ہے ارشاد ہے

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْھَا وَیُھْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ [۲]

اور جب حاکم بنتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا ہے کہ اس میں فساد ڈالے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اتلاف مال سے منع فرمایا ہے۔ حضرت مغیرہ رض روایت کرتے ہیں۔ قال وکان نھی عن قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال ومنع وھات وعقوق الامھات ووأد البنات [۳] راوی نے کہا کہ آپ نے قیل وقال کرنے بہت زیادہ سوالات دریافت کرنے مال کو ضائع کرنے خود نہ دینے اور دوسروں سے مانگنے۔ ماں کی نافرمانی اور بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا۔

---

[۱] الحدید ۵۷: ۷ [۲] البقرہ ۲: ۲۰۵ [۳] بخاری کتاب الرقاق۔

Marfat.com

آٹھواں فرق:۔ سرمایہ دارانہ نظام تسعیر (قیمتیں مقرر کرنا) کو حرام قرار دیتا ہے۔ اس کے برعکس جب رسد اور طلب کا توازن بگڑ جائے تو اسلام مفاد عامہ کے پیشِ نظر تسعیر کی اجازت دیتا ہے۔ حضرت امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

جب عوام الناس کی ضرورت قیمتوں کی منصفانہ تعین کے بغیر پوری نہ ہوسکتی ہو تو ان کے لئے ایسی قیمتیں مقرر کردی جائیں، جو عدل وانصاف پر مبنی ہوں۔ بغیر کسی کمی یا زیادتی کے ۔ لہ

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں

۔ سلطان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ لوگوں کو متعین قیمتوں کا پابند بنائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیمت نہ مقرر کرو کیونکہ اللہ ہی قیمت مقرر کرنے والا تنگی پیدا کرنے والا فراخی پیدا کرنے والا رزق عطا کرنے والا ہے اور اس لئے کہ قیمت بتانا عقد بیع کرنے والے کا حق ہے لہذا اس کی تعین وہی کرسکتا ہے۔ پس امام کو اس کے حق میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ بجز اس صورت حال کے جب کہ ضرر عامہ کا دفعیہ اس کا متقاضی ہو"

نواں فرق:۔ اجارہ داری سرمایہ داری نظام کا لازمہ ہے۔ ایک سرمایہ دار یا چند سرمایہ دار افراد مل کر ملکی کاروبار پر قبضہ کر لیتے ہیں اور جس سے ملکی معیشت کے سیاہ وسفید کے مالک بن جاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لئے اپنی مرضی سے قیمتیں مقرر کرلیتے ہیں۔ اسلام اجارہ داری کا مخالف ہے اور اس کاروباری عمل پہ پابندی عائد کرتا ہے جس سے استحصال کا دروازہ کھلتا ہے۔ کیونکہ اسلام ملکی اور اجتماعی مفاد کو فرد یا چند افراد کے مفاد پر ترجیح دیتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجارہ داری کے انسداد کے لئے تلقی الرکبان، بیع حاضر لباد سے منع فرمایا۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تلقی الرکبان (بخاری)

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے نکل کر باہر تجارت کے قافلہ سے خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یبیع حاضر لباد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شہری گاؤں والوں کے لئے خرید و فروخت کریں۔

دسواں فرق:۔ سرمایہ دارانہ نظام میں نسلی جغرافیائی امتیازات ضروری ہیں۔ اسلام کا اقتصادی نظام نسلی جغرافیائی امتیازات کو ختم کرتا ہے۔ اسلام کا نظام ربوبیت عالمگیر ہے اور دنیا کے ہر خطے کے ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے

لہ الحسبۃ فی الاسلام ص ۲

اسلام کا معاشی تصور

انفرادی جائیداد

اصولی طور پر اسلام کائنات کی ہر چیز کو اللہ کی ملکیت قرار دیتا ہے اور اس میں تمام انسانوں کو برابر کا سہیم قرار دیتا ہے۔ ہر شخص خدا کی پیدا کردہ اشیاء کو حاصل کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کا مجاز ہے۔ گویا کائنات کی کوئی شے فی حد ذاتہٖ کسی کی مملوکہ نہیں ہے بلکہ ہر شے لوگوں کے درمیان مشترکہ مملوکہ ہے اور ہر ایک کو ان سے انتفاع کا موقع دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ [۱] وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے ماتحت کر دیا سو اس کی اطراف میں چلو اور اس کے رزق سے کھاؤ اور اسی کی طرف موت کے بعد اٹھ کر جانا ہے

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا [۲] وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ [۳]
اور یقیناً ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانا بنایا ہے۔ اور تمہارے لئے اس کے اندر روزی کے سامان رکھے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ [۴] اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر قسم کے پھلوں سے اس میں دو دو (یعنی) جوڑے بنائے۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ [۵] اور اس میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں برکت دی اور اس کی خوراکوں کا اندازہ کیا یہ چار دن میں کیا مانگنے والوں کے لئے سب کچھ ٹھیک کر رہا ہے۔

[۱] الملک ۶۷: ۱۵ [۲] البقرہ ۲: ۲۹ [۳] الاعراف ۷: ۱۰ [۴] الاعراف، ۱۳: ۳
[۵] حم السجدہ ۴۱: ۱۰۔

Marfat.com

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۱؎

۱؎ کیا تم نے دیکھا جو تم بوتے ہو، کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ (الواقعہ)

اسلام ایک فطری اور سلامتی کا دین ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی بالاتر ملکیت کے ماتحت جائز اور ناجائز حدود متعین کر کے رفع نزاع اور حصول انتفاع کے لئے ذاتی ملکیت کو تسلیم کیا ہے۔

اصول اشتراک کے بیان کرتے ہیں اسلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ تمام اشیاء کا حقیقی مالک تو اللہ کو ہی سمجھو لیکن چند پابندیوں کے ساتھ جو حقوق ملکیت اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخشے ہیں ان کو پورا کرو اگر تم نے ان پابندیوں کو پورا نہ کیا تو وہ ذاتی ملکیت تمہارے لئے خسران کا موجب بنے گی۔

ارشاد الٰہی ہے وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۲؎ اور دنیا کی زندگی نرا دھوکے کا سامان ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۳؎ اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس بھاری اجر ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۴؎

۴؎ لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت جیسے عورتوں اور بیٹیوں اور ڈھیروں ڈھیر سونے اور چاندی اور پلے ہوئے گھوڑوں اور مویشی اور کھیتی سے بھلی معلوم ہوتی ہے یہ اس دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس لوٹ کر جانے کی اچھی جگہ ہے۔

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا ۵؎

اور نہ تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد وہ چیز ہے جو مرتبہ میں تمہیں ہمارے قریب کرے مگر جو ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو ان کے لئے ان کے عمل کا دو چند اجر ہے۔

مال و دولت کی مدح

وہ دولت جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر کمائی جائے وہ سب کے لئے زینت

۱؎ الواقعہ ۵۶: ۶۳، ۶۴ ۲؎ آل عمران ۳: ۱۸۵ ۳؎ الانفال ۸: ۲۸ ۴؎ آل عمران ۳: ۱۴
۵؎ سبا ۳۴: ۳۷

Marfat.com

رحمت اور فضل ہو گی ۔

قرآن مجید میں آتا ہے ۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا ۔ [1] مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والے اچھے عمل تیرے رب کے نزدیک بدلے میں بہتر ہیں اور امید کے لحاظ سے بھی بہت اچھے ہیں ۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔

[2] اور جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے اس کے لئے زینت بنایا ہے تاکہ انہیں آزمائیں کہ کون ان میں سے بہترین عمل کرنے والا ہے ۔

اَلَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا [3] مال کو اللہ نے تمہارے لئے سہارا بنایا ہے ۔

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ [4] اللہ کا فضل (دولت) تلاش کرو ۔

وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ [5]

اگر تم کو مفلسی کا ڈر ہو تو اللہ اگر چاہے تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا ۔

متذکرہ بالا بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر دولت اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام کے تحت کمائی جائے تو وہ کمانے والے کے لئے فضل ہے اور اگر خدا کے احکام کو توڑ کر ناجائز ذرائع سے کمائی جائے تو وہ دولت دنیا اور آخرت میں گھاٹے کا موجب ہو گی ۔

انفرادی ملکیت

قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات ہیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے افراد کے لئے ملکیت کا حق تسلیم کیا ہے ۔

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ [6]

مردوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ جو وہ کمائیں

وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا [7]

اور تم اسے سونے کا ڈھیر دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ نہ لو ۔

---

[1] الکہف ۱۸ : ۴۶ [2] الکہف ۱۸ : ۷ [3] النساء ۴ : ۵ [4] الجمعہ ۶۲ : ۱۰
[5] توبہ ۹ : ۲۸ [6] النساء ۴ : ۳۲ [7] النساء ۴ : ۲۰

Marfat.com

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ اَمْوَالِكُمْ [1] اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے اصل مال ہیں۔
وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِي آتَاكُمْ [2] اور ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تمہیں دیا کچھ دو۔
وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا [3]
اور تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنایا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا۔
وَلَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ [4]
اور اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور نہ ان کے ذریعہ حاکموں تک پہنچو تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔
وَاَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ [5]
اور ان اچھی چیزوں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور اس سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے۔
وَآتُوا الْيَتَامٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ [6]
اور یتیموں کو ان کے مال دو اور اچھی چیزوں کو ردی سے نہ بدلو۔
فِي اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ [7] اور وہ جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے سوال کرنے والے اور محروم کے لئے۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات سے بھی انفرادی حق ملکیت ثابت ہے۔
ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا [8] تمہاری جانیں اور اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت (یعنی حج کے دن کی)
مالک کو اپنے مال کی حفاظت کا حق ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہوا مرتا ہے شریعت اسلامی کی نگاہ میں وہ شہید ہے۔

[1] البقرہ ۲: ۲۷۹ [2] النور ۲۴: ۳۳ [3] احزاب ۳۳: ۲۷ [4] البقرہ ۲: ۱۸۸ [5] البقرہ ۲: ۲۶۷ [6] النساء ۴: ۲ [7] معارج ۷۰: ۲۴-۲۵
[8] بخاری کتاب الحج۔

Marfat.com

عن عبداللہ بن عمرو قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من قتل دون مالہ فھو شہید[1] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا وہ شہید ہے

عن ابی ھریرۃ قال جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ارایت ان جاء رجل یرید اخذ مالی قال فلا تعطہ مالک قال ارایت ان قاتلنی قال قاتلہ قال ارایت ان قتلنی قال فانت شہید قال ارایت ان قتلتہ قال ھو فی النار[2] حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ کی کیا رائے ہے اگر میرے پاس کوئی آدمی میرا مال چھیننے کے ارادہ سے آئے؟ آپ نے فرمایا تو تم اس کو اپنا مال نہ دو اس نے کہا کہ اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے تو آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا تم بھی اس سے لڑائی کرو اس نے کہا کہ اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ آپ نے فرمایا تو تم شہید ہو اس نے کہا اگر میں اسے قتل کر دوں تو آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ کی آگ میں جائے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کی مملوکہ زمین پر غاصبانہ قبضہ کو بدترین جرم قرار دیا ہے جس سے انفرادی حق ملکیت ثابت ہو جاتا ہے - اگر زمین کا مالک ہی کوئی نہ ہو تو غاصبانہ قبضہ چہ معنی دارد فرمایا من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیامۃ الی سبع ارضین[3] جس نے بغیر حق کے کسی کی تھوڑی سی زمین پر قبضہ کر لیا اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔

من ظلم من الارض شیئا طوقہ من سبع ارضین[4] جس نے تھوڑی سی زمین پر قبضہ کر لیا اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

---

[1] بخاری ابواب المظالم والقصاص باب من قتل دون مالہ [2] مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من قصد اخذ مال غیرہ بغیر حق کان القاصد مھدر الدم فی حقہ ..... الخ [3] بخاری کتاب المظالم والقصاص

[4] بخاری کتاب المظالم والقصاص -

Marfat.com

انفرادی ملکیت اور آزادی

معاشی آزادی کے متعلق چار نظریے ہیں۔ ایک نظریہ تو سرمایہ دارانہ ہے جس کی رو سے اکتساب دولت اور تصرف دولت پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔ ہر فرد آزاد ہے جو چاہے کاروبار کرے۔ اور نفع اندوزی کے لئے جو چاہے طریقے اختیار کرے اور اسی طرح تصرف دولت کے لئے بھی ہر قسم کی پابندی اور قید سے آزاد ہے۔

دوسرا نظریہ اشتراکی ہے جس کی رو سے کوئی فرد بھی ذاتی ملکیت رکھنے میں آزاد نہیں۔ تمام پیدائش دولت کے وسائل حکومت کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ محنت کا وسیلہ بھی۔ جو فرد محنت کرتا ہے۔ اس کا ثمر حکومت لے لیتی ہے اور حکومت اس فرد کی ضروریات اور احتیاجات کو پورا کرتی ہے۔ اس طرح تمام افراد حکومت میں مدغم ہو جاتے ہیں اور ان کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اشتراکی نظام میں حکومت ہی مختار کل ہے اور رعایا اس کی غلام اور خادم تو بے جا نہ ہوگا۔ اس نظام میں تنقید۔ شکایت استغاثے وغیرہ کے تمام دروازے مسدود کر دیئے جاتے ہیں۔ ہر فرد کو وہی کام سرانجام دینا ہوتا ہے جو حکومت چاہتی ہے۔

تیسرا نظریہ فاشزم کا ہے۔ اس نظریہ کی رو سے وسائل معیشت پر شخصی تصرف تو رہتا ہے لیکن اجتماعی مفاد کی خاطر اس شخصی تصرف پر حکومت کا زبردست کنٹرول ہوتا ہے جس طرح اشتراکی نظام میں افراد جماعت میں گم ہو جاتے ہیں اسی طرح اس نظام میں بھی افراد جماعت میں اپنی حیثیت گم کر دیتے ہیں۔

چوتھا نظریہ اسلام کا ہے اور وہی طبعی اور فطری نظریہ ہے اس میں فرد اور جماعت کی ترقی مضمر ہے۔ اور یہی وہ نظریہ ہے جو تمام خوبیوں کا حامل اور ہر قسم کے عیوب سے مبرا ہے وہ نظریہ یہ ہے۔

اسلام ذاتی ملکیت کا قائل ہے لیکن فطری تقاضے کے مطابق دولت کا وہ حصہ جس کی پیدائش میں انسان کی ذاتی سعی اور اس کے عمل کا دخل ہوتا ہے۔ جیسے صنعت و حرفت زراعت اور تجارت وغیرہ وہ انسان کی ذاتی ملکیت تصور کیا جاتا ہے۔ پھر اکتساب دولت دولت کے ذرائع و وسائل پر پابندیاں لگاتا ہے۔ جو مال جائز طریقہ سے کمایا جائے اس پر بھی حقوق و فرائض عائد کر کے اہل حقوق تک اس مال کے پہنچانے کا حکم دیتا ہے۔ اس طرح

Marfat.com

اسلام کسب مال اور تصرف مال کے لیئے حدود مقرر کر دی ہیں۔ ان حدود کے اندر اس کو آزادی حاصل ہے۔ اس آزادی کو سلب کر لینے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح انسان کو یہ اختیار نہیں ہے جو اسلام نے حدود مقرر کی ہے۔ ان سے تجاوز کرے۔ روزی کمانے کے حلال اور حرام طریقے وضع کرنا خدا کا اختیار ہے۔ اگر کوئی روزی کمانے والا اللہ کی حدود کو پھاند کر اپنی تجوریاں بھر لیتا ہے اور گناہوں کی جگہ پہ دولت خرچ کرتا ہے تو وہ خدا کا باغی ہے۔ اللہ تعالی نے قوم مدین کی اس بات پہ مذمت کی ہے وہ لوگ اکتساب اور تصرف کے معاملہ میں آزادی کے مدعی تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۤؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا [۱]

انہوں نے کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں وہ نہ کر سکیں۔

اکتساب دولت اور تصرف دولت کی کیا حدود ہیں ان کا ذکر بعد میں آئے گا۔

سرمایہ لگانے کی صورتیں

کسی کاروبار میں سرمایہ لگانے کی تین صورتیں ہیں

۱۔ **انفرادی کاروبار:** جب سرمایہ لگانے والا بلا شرکت غیرے خود ہی تجارت کرے اس صورت میں جو بھی منافع اس کو ہو گا وہ اسی کا ہو گا۔ وہ منافع دو چیزوں کا مجموعہ ہو گا۔ سرمایہ لگانے کا منافع اور محنت کی اجرت۔

شرکت: شرکت سے مراد وہ معاہدہ ہے جس کی رو سے چند افراد اپنا اپنا راس المال جمع کر کے کسی کاروبار میں شریک ہوں گے۔

حنفی فقہاء اس قسم کے معاہدہ کو شرکت عنان اور مالکی شرکت مفاوضہ کہتے ہیں۔

شرکت کی ایک اور قسم صنائع ہے۔ شرکت صنائع کمپنی کے طرز پر اس کاروبار کو کہا جاتا ہے جس میں چند ہم پیشہ صنعت و حرفت اپنے کاروبار کو شرکت کے ساتھ چلاتے ہیں اور نفع و نقصان میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

---

[۱] ہود ۱۱ : ۸۷

Marfat.com

مضاربت:۔ مضاربت یہ ہے کہ ایک فریق سرمایہ فراہم کرے اور دوسرا فریق اس سرمایہ سے کاروبار کرے نفع متعین نسبت کے ساتھ ہر دو فریق کو ملے گا۔ اور اگر خسارہ ہو تو رب المال برداشت کرے گا۔ اور مضارب کی محنت اکارت جاتے گی۔

شرکت اور مضاربت کے احکام

۱۔ کاروبار میں جو خسارہ ہو وہ سرمایہ لگانے والوں میں ان کے سرمائے کی مقداروں کی نسبت تقسیم کیا جائے گا۔

۲۔ نفع ہر حصہ دار کے حصہ کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔

۳۔ اگر کاروبار ختم ہو جائے تو نفع و نقصان کا حساب کر کے ہر حصہ دار کو اس کا سرمایہ دے دیا جائے گا۔

۴۔ ایک شریک دوسرے شرکاء کی اجازت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ شرکت اور مضاربت کے معاہدے کے تحت کاروبار کر سکتا ہے۔

۵۔ کوئی شریک دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر قرض کا لین دین نہیں کر سکتا۔

۶۔ شرکت و مضاربت کا معاہدہ ہر حصہ دار کسی وقت بھی ختم کر سکتا ہے۔

۷۔ کسی حصے دار کی موت بھی معاہدہ کو ختم کر سکتی ہے

۸۔ شریک کی موت کے بعد اس کے سرمایہ کے وارث اس کے شرعی وارث ہوں گے۔ اگر وہ چاہیں تو شرکت کو برقرار رکھ لیں۔ چاہئیں تو متوفی کا حصہ نکلوا لیں۔

۹۔ معاہدہ لکھا جانا چاہیے۔

۱۰۔ اگر کوئی ایک شریک دوسرے شرکاء کی اجازت کے ساتھ کسی کاروبار میں مشترکہ سرمایہ کے ساتھ شریک ہوتا ہے تو وہ تمام شرکاء کی طرف سے مالی ذمہ داریوں کا کفیل ہوگا۔

۱۱۔ کاروبار کے متعلق فیصلے حصہ داروں کے باہمی مشورہ یا نمائندہ مجلس کے ذریعہ طے پائیں۔

ذاتی ملکیت کے شرعی ذرائع

ذاتی ملکیت کے شرعی ذرائع دو قسم کے ہیں مادی ذرائع اور غیر مادی ذرائع جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مادی ذرائع :۔ ۱۔ تجارت۔ ۲۔ صنعت و حرفت۔ ۳۔ زراعت۔ ۴۔ احیائے موات

Marfat.com

(افتادہ زمینوں کو آباد کرنا) ۵۔ اقطاع (عطیات)۔ ۶۔ شکار۔ ۷۔ جہاد (مال غنیمت)
۸۔ ورثہ۔ ۹۔ ہبہ ۱۰۔ وصیت ۱۱۔ بیت المال سے مالی امداد ۱۲۔ رکاز (دفینہ)
وغیرہ جیسے ذرائع۔ ۱۔ محنت۔

تجارت :- ذاتی ملکیت کے شرعی ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ ہے۔ فقہاء امت فرماتے ہیں
فالبیع والشراء من اکبر الوسائل الباعثة علی العمل فی هذہ الحیوة الدنیا واجل
اسباب الحضارة والعمران [۵۱] تجارت اس دنیا میں معاشی وسائل میں سے
سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ اور حضارت اور تمدن کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب۔

تجارت کی ترغیب :- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار تجارت کی ترغیب دی ہے۔
اور اس کے فضائل بیان کیے۔ ارشاد الٰہی ہے۔
فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَوٰةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ [۵۲]
جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ کا فضل (مال تجارت) تلاش کرو۔ اس آیت کا شان
نزول یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ باہر سے تجارتی قافلہ آگیا
لوگوں کو علم ہوا تو سب لوگ قافلہ کی طرف خرید و فروخت کے لئے بھاگ گئے۔ تب یہ آیت
نازل ہوئی۔ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے جمعہ پڑھ کر کاروبار میں لگ جانا جائز ہے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً
عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ [۵۳] اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے
مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضامندی
سے تجارت ہو۔
وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ [۵۴]
اور جو زمین میں سفر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل (معاش) کو تلاش کرتے ہوں گے۔
وَيَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا [۵۵] وہ اپنے رب سے
فضل (بذریعہ تجارت) اور خوشنودی چاہتے ہیں۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ [۵۶]
اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو ان پاک چیزوں سے جو تم نے کمائی ہیں۔

---

[۵۱] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربع ص ۲۰۲ [۵۲] الجمعہ ۶۲ : ۱۰ [۵۳] النساء ۴ : ۲۹
[۵۴] المزمل ۷۳ : ۲۰ [۵۵] المائدہ ۵ : ۲ [۵۶] بقرہ [۵۷] بیہقی کتاب اسوا البیوع ج ۵

Marfat.com

مفسر قرآن حضرت مجاہد تابعی نے ما کسبتم کی تفسیر میں کسب سے مراد تجارت لی ہے[1]
وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ ۲: ۲۷۵) اور اللہ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام کیا ہے۔

بحری تجارت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ (فاطر ۳۵: ۱۲) اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اسے پھاڑتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء[2] سچے اور امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اچھا ذریعہ معاش کون سا ہے۔ آپ نے جواب دیا پاک صاف تجارت تسعة اعشار الرزق فی التجارۃ[3] روزی کا ۹/۱۰ حصہ تجارت میں ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ نبوت سے قبل بصری کی منڈی میں حضرت خدیجہؓ کے مال سے تجارت کی۔ جلیل القدر صحابہ نے تجارتی کاروبار کیا۔ تسخ مقام پر حضرت ابو بکرؓ کا کاروبار تھا حضرت عمرؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور عمارہ بن ولیدؓ تجارتی کاروبار کرتے تھے۔

تجارت کے اصول

۱۔ تجارتی معاملہ میں فریقین کی باہمی رضامندی ضروری ہے۔ اضطراری رضا معتبر نہیں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ[4] اے لوگو جو ایمان لائے مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ۔ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ نہی رسول اللہ صلی علیہ وسلم عن بیع المضطر (ابوداؤد الواب البیوع) رسول کریم صلعم نے مجبوری اور زبردستی کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

۲۔ بائع کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مشتری کو مبیع کے عیب سے آگاہ کر دے۔ ارشاد الٰہی ہے تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[5] نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

---

[1] بیہقی کتاب البیوع ج ۵ [3] [4] النساء ۴: ۲۹ [5] المائدہ ۵: ۲

Marfat.com

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ فان صدقا وبینا بورک لهما فی بیعهما وان کتما وکذبا محقت برکة بیعهما [1] اگر دونوں سچ بولیں اور عیب وغیرہ ظاہر کردیں تو انہیں ان کی بیع میں برکت دی جائے گی اور اگر وہ جھوٹ بولیں گے یا عیب پوشی کریں گے تو بیع کی برکت مٹا دی جائے گی۔

فقہاء کہتے ہیں۔ والبیع المبرور هو البیع الذی یبر فیه صاحبه فلم یغش ولم یعص الله فیه (کتاب الفقه علی الاربع الجزالثانی ص ۲۰۲) بیع مبرور وہ بیع ہے جس میں فریقین ایک دوسرے سے اچھائی اور بھلائی کا معاملہ کریں یعنی نہ اس میں دھوکا ہو نہ خیانت اور نہ خدا کی نافرمانی لازم آتی ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے عدا ابن خالد کو یہ تحریر دی تھی "کا تحریر ہے جس کے ذریعہ محمد اللہ کے رسول نے عدا ابن خالد سے خریداری کی ہے۔ یہ ایک مسلمان کی خرید و فروخت دوسرے مسلمان سے ہے اس میں نہ کوئی دھوکا ہے اور نہ ہی کوئی قباحت (بخاری کتاب البیوع)

۳۔ اہل معاملہ معاملہ کی سوجھ بوجھ رکھتے ہوں یعنی فریقین میں سے کوئی بھی بچہ مجنون وغیرہ نہ ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رفع القلم عن ثلثة عن المجنون المغلوب حتی یبرء وعن النائم حتی استیقظ وعن الصبی حتی یحتلم [2] تینوں شخصوں پر تکلیف شرعی عائد نہیں ہوتی مجنوں پر حتی کہ وہ ٹھیک ہو جائے سونے والے پر حتی کہ وہ جاگ اٹھے بچے پر حتی کہ بالغ ہو جائے۔

۴۔ ماپ تول بالکل صحیح ہو۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ [3] ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ [4] کمی کرنے والوں کے لئے تباہی ہے جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا کر لیتے ہیں اور جب انہیں ماپ یا تول کر دیتے ہیں

---

[1] بخاری کتاب البیوع [2] ابوداؤد [3] الانعام ۶ : ۱۵۲ [4] المطففین ۸۳ : ۱ — ۳

Marfat.com

تو کم کر دیئے جاتے ہیں۔

۵۔ تاجر خریداروں کو ترغیب دلانے کے لئے عموماً قسمیں کھاتے ہیں رسول کریم صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ الحلف منفقة للسلعة ممحقة للبرکة[۱] قسم مال تجارت کے بکنے کا باعث تو ہے لیکن اس کے ساتھ برکت مٹ جاتی ہے۔

۶۔ جن چیزوں کا کھانا پینا حرام ہے ان کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا[۲] تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑی برائی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور ان کی برائی ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ لا یحل ثمن شیء لا یحل اکله وشربه[۳] یعنی کسی ایسی چیز کی قیمت لینا جس کا کھانا اور پینا حرام ہے جائز نہیں ہے۔

سوء الکسب اجرة الزمارة وثمن الکلب یعنی گانے بجانے اور کتے کی قیمت سب سے برا کسب ہے۔

ان اللہ حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والاصنام الخ[۴] اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار خنزیر اور بتوں کی بیع حرام کر دی ہے۔

۷۔ جب لین دین نقد نہ ہو بلکہ ادھار ہو تو اس کو لکھ لینا چاہیئے۔ ارشاد الٰہی ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ[۵] اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب آپس میں مقررہ وقت کے لئے قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لو۔

۸۔ وہ معاملات جن میں متعاقدین کے بیع و شرا ہو جانے کے باوجود جھگڑے کی صورت باقی رہے اور کسی ایک فریق کو نقصان ہونے کا اندیشہ ہو۔ وہ بیوع شرعاً ناجائز ہیں۔

۱۔ ایک معاملہ کو دو معاملے بنا لیا جائے یعنی چیز کی نقد قیمت کم ہو اور ادھار کی زیادہ۔ نهی النبی صلی اللہ علیه عن بیعتین فی بیعة[۶] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاملہ بیع کو دو معاملات بیع بنانے سے منع فرمایا ہے۔

---

[۱] بخاری ومسلم [۲] البقرہ ۲ : ۲۱۹ [۳] اخرجه دار القطنی عن تمیم الداری۔
[۴] البقرہ ۲ : ۲۸۲ [۵] نیل الاوطار ج ۵ [۵] البقرۃ ۲ : ۲۸۲ [۶] نسائی ترمذی

Marfat.com

۲۔ بیع و شراء میں ایسی شرط عائد کر دی گئی ہو جو معاملہ کا جزء نہیں ہے۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع و شرط [۱] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے ساتھ ایسی شرط لگانے سے منع فرمایا جو اس کا جزء نہیں ہے۔

۳۔ جو چیز ملکیت میں نہ ہو ایسی چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابیع مالیس عندی [۲] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کے فروخت کرنے سے منع فرمایا جو میری ملکیت میں نہیں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابتاع طعاماً فلا یبیعہ حتی یستوفیہ (بخاری و مسلم) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غلہ خریدے تو جب تک اس کی ملکیت میں نہ آجائے اس کو نہ بیچے۔

۴۔ پھلوں کی بیع پختگی سے پہلے ناجائز ہے۔
نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الثمار حتی تزھی قیل وما تزھی قال حتی تحمر وقال ارایت اذا منع اللہ الثمرۃ فبم یاخذ احدکم مال اخیہ [۳]
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع و پختگی سے پہلے منع فرمائی ہے۔ کسی نے عرض کیا پختگی سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا یہاں تک کہ سرخ ہو جائے پھر فرمایا بھلا یہ تو بتلاؤ کہ خدا پھل کو روک دے تو تم میں سے ایک شخص اپنے بھائی کا مال کس طرح لے سکتا ہے۔

ہر وہ طریقہ تجارت جس میں دھوکا اور فریب مضمر ہو متعاقدین میں سے کسی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔
نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحصاۃ و بیع الغرر [۴]
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری پھینک کر کسی چیز کی بیع اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا۔
نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الملامسہ والمنابذہ [۵]
کہ رسول کریم نے ملامسہ اور منابذہ کی مخالفت فرمائی۔
ملامسہ سے مراد یہ ہے کہ خریدار بغیر دیکھے کپڑے کو ہاتھ لگا دے اور وہ بیع مکمل

[۱] معجم الاوسط للطبرانی [۲] ترمذی [۳] بخاری مسلم [۴] مسلم [۵] بخاری و مسلم

Marfat.com

سمجھی جاتے۔

- نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن النجش ۔

- نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن النجش [1] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کی بے جا تعریف کرکے قیمت بڑھانے سے منع فرمایا۔
- نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلقی الرکبان [2] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے نکل کر باہر قافلے کے سواروں سے ملنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منڈی میں چیز آنے سے پہلے ہی باہر جاکر خریدنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس میں ایک تو مال لانے والوں کے نقصان کا احتمال ہے کیونکہ ان کو منڈی کے بھاؤ کا صحیح علم ہی نہیں ممکن ہے۔ ان سے سستے داموں مال لے لیا جائے پھر مال خریدنے والے جس بھاؤ چاہیں فروخت کریں کیونکہ عام تاجروں کو موقع ہی نہیں ملا۔ تجارت میں اس قسم کی چالیں شرعاً ممنوع ہیں۔

- نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یبیع حاضر لباد۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ شہری دیہات والوں کے لئے خرید و فروخت کا معاملہ نہ کرے۔

بیع حاضر للبادی کا ایک مطلب یہ ہے کہ کسی تاجر کا مال شہر میں موجود ہے مگر وہ بے جا نفع اٹھانے کے لئے شہر والوں کی ضرورت کے باوجود ان کے پاس نہیں بھیجتا بلکہ دیہاتیوں میں جاکر گراں قیمت پر فروخت کرتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے شہری دیہاتی کو نقصان پہنچانے کی نیت سے دیہاتی کی چیز کو دلالی کے فروخت نہ کرے۔ کیونکہ شہری ہوشیار چالاک ہوتے ہیں اور دیہاتی سادہ لوح ہوتے ہیں۔

- نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المزابنۃ [3] رسول کریم نے مزابنہ سے روکا ہے۔ مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر کی کھجور خشک کھجور کے بدلے ماپ کر بیچی جائے اور بیل پر کے انگور منقے کے بدلے ماپ کر بیچا جائے۔ اس بیع سے منع اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ درخت کا پھل طرح طرح کی آفات کے نیچے ہوتا ہے اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ بیع و شراء میں کسی شخص کو دھوکا ہو جائے۔

---

[1] بخاری [2] بخاری [3] بخاری۔

Marfat.com

صنعت و حرفت

ذرائع معیشت میں سے صنعت و حرفت کا ایک اہم شعبہ ہے۔ ملک اور تمدن کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جو وسیلہ تجارت کا ایک اہم حصہ ہے اور تجارت کی ترقی کا دارومدار اسی کی ترقی پر ہے گویا صنعت و حرفت اور تجارت لازم ملزوم ہیں۔ جب کسی ملک میں صنعت و حرفت ترقی کرے گی وہاں لازمی طور پر تجارت کو فروغ ہوگا۔

اسلام نے صنعت و حرفت کے فروغ کی طرف بہت ترغیب دی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ [1]

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ [2]

اور ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کر دیا کہ فراخ زرہیں بنا اور ان کے بنانے میں اندازہ رکھ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

كان داؤد زرادا وكان آدم حراثا وكان نوح نجارا وكان ادريس خياطا وموسى راعيا [3] یعنی داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اور آدم علیہ السلام کاشتکاری کرتے تھے اور نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے اور حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا پیشہ کرتے تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کا کام کرتے تھے۔

رسول کریم صلعم فرماتے ہیں۔ ان نبی اللہ داؤد علیہ السلام کان یاکل من عمل یدہ [4] اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔

ابن عمرؓ رفعہ ان اللہ یحب المومن المحترف [5] ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ ہنر مند مومن کو دوست رکھتا ہے۔

ان اللہ یحب ان یری العبد المحترفا [6] اللہ اپنے بندہ کو کوئی پیشہ کرتے ہوئے دیکھنا پسند کرتا ہے۔

نعم العون المغزل للمرأة على الجلوس في بيتها [7] عورت کو گھر بیٹھنے کے

---

[1] الانبیاء ۲۱: ۸۰ [2] السباء ۳۴: ۱۰، ۱۱ [3] فتح الباری ج ۴ کتاب البیوع
[4] بخاری کتاب البیوع [5] کبیر اوسط [6] طبرانی۔

Marfat.com

عوض چرخہ کاتنا اچھی کمائی کا ذریعہ ہے۔

فقہاء عظام نے صنعت و حرفت کو اس کی اہمیت کے پیش نظر مسلمانوں پر فرض کفایہ کہا ہے۔

من فرض الکفایۃ الحرف والصنائع وما یتم بہ المعاش[۲] صنعت و حرفت کے ذریعہ روزی کی تکمیل انسان پر فرض کفایہ ہے۔

زراعت[۳]

زراعت بدنی زندگی کا ایک اہم جزء ہے اس کے بغیر زندگی کی تمام رعنائیاں اور خوشیاں مفقود ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ تجارت اور صنعت و حرفت کا دارومدار بھی زراعت پر ہے۔ قرآن مجید میں ذرائع معیشت میں زراعت کو خاص اہمیت دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

اَفَرَاَیۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ (الواقعہ ۵۶: ۶۳، ۶۴)[۴]

کیا تم نے دیکھا جو تم بوتے ہو۔ کیا تم اُسے اگاتے ہو۔ یا ہم اگاتے ہیں۔

وَلَقَدۡ مَکَّنّٰکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَکُمۡ فِیۡہَا مَعَایِشَ (الاعراف ۷: ۱۰)[۵]

اور یقیناً ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانا بنایا اور تمہارے لئے اس کے اندر روزی کے سامان رکھے۔

اَلَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَہۡدًا وَّسَلَکَ لَکُمۡ فِیۡہَا سُبُلًا وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰی کُلُوۡا وَارۡعَوۡا اَنۡعَامَکُمۡ (طٰہٰ ۲۰: ۵۳، ۵۴)[۶]

وہ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے لئے اس میں راستے چلائے اور بادل سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ساتھ مختلف اقسام کے نباتات پیدا کئے تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔

فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰی طَعَامِہٖۤ اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضۡبًا وَّزَیۡتُوۡنًا وَّنَخۡلًا وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا وَّفَاکِہَۃً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّکُمۡ وَلِاَنۡعَامِکُمۡ[۷]

پس انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے۔ پہلے ہم خوب پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم زمین

[۱] کنز الحقائق [۲] المنہاج ج ۷ ص ۱۹۴ [۳] الواقعہ ۵۶: ۶۳، ۶۴ [۵] الاعراف ۷: ۱۰
[۶] طٰہٰ ۲۰: ۵۳، ۵۴ [۷] عبس ۸۰: ۲۴ - ۳۲

Marfat.com

شق کرتے ہوئے پھاڑتے ہیں۔ پھر ہم اس میں غلہ اگاتے ہیں اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغ اور پھل اور چارہ تمہارے لئے اور تمہارے چارپایوں کے لئے سامان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اُطلبوا الرزق فی خبایا الارض [۵] رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔

امام سرخسی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی عمل الزراعۃ اس ارشاد سے مراد زراعت کا عمل ہے۔

امام سرخسی نقل فرماتے ہیں وازدرع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجرف [۲] کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جرف میں خود کاشت کی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی زراعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فانہم ان کان اکثرہم مکتسبین بالصناعات وسیاسۃ البلدۃ والقلیل مکتسبین بالرعی والزراعۃ فسد ما لہم فی الدنیا الخ

اگر ملک کے باشندوں کی اکثریت صنعت و حرفت اور ملکی سیاست میں مصروف رہے اور زراعت اور مویشیوں کی حفاظت اور پرورش کی طرف بہت تھوڑے لوگ مشغول ہوں تو ان کی دنیوی حالت خراب ہو جائے گی۔

علامہ عبدالرحمٰن جزائری فرماتے ہیں۔ اما الزرع فی ذاتہ سواء کان مشارکۃ اولا فہو فرض کفایۃ لاحتیاج الانسان والحیوان الیہ۔ لیکن زراعت خواہ شرکت سے کی جائے یا بغیر شرکت کے وہ ہر انسان پر فرض کفایہ ہے اس لئے کہ انسان اور حیوان سب ہی اس کے محتاج ہیں۔

احیائے موات

احیائے موات (افتادہ زمینوں کو آباد کرنا)

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں احیائے موات کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

"ایسی زمین جو نہ کسی کی ملک میں ہوں اور نہ کسی شہر یا گاؤں کے باشندے انہیں چراگاہ کے طور پر یا ایندھن حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہوں۔ اور جو آبادی کی آخری حد سے

---

[۵] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۴

Marfat.com

کم از کم اتنے فاصلے پر واقع ہوں کہ ایک بلند آواز آدمی اگر وہاں کھڑا ہو کر پوری قوت سے چلائے تو بھی وہاں نہ سنائی دے۔ ؎

فقہاء کے نزدیک، وہ زمینیں بھی موات نہیں ہیں جن میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہوں۔ جن کی عوام کو ضرورت ہوتی ہے مثلاً نمک تیل تارکول وغیرہ۔

افتادہ زمینوں کو جو شخص ریاست کی منظوری کے ساتھ تین سال کے اندر اندر کارآمد بنا لیتا ہے۔ وہ اس کی منصور ہو گی تین سال کی مدت اس بات کو معلوم کرنے کے لئے ہے کہ آیا قبضہ کرنے والا اس زمین کے آباد کرنے پر قادر ہے یا کہ نہیں اتنے عرصہ میں زمین حاصل کرنے والا اس کو آباد نہیں کر سکتا تو وہ افتادہ زمین دوبارہ ریاست کی طرف لوٹ آئے گی۔

ریاست کی اجازت حاصل کرنا اس وجہ سے ضروری ہے تاکہ متعدد افراد ایک ہی قطعہ زمین پر قبضہ کی خواہش سے آپس میں نہ جھگڑیں اور سوسائٹی میں بدامنی پیدا نہ ہو۔

افتادہ زمینوں کی آباد کاری بھی زراعت کا اہم جز ہے۔ چونکہ افتادہ زمین حکومت کی طرف سے بعض شرائط کے ساتھ محض آباد کاری کے لئے ملتی ہے۔ اس وجہ سے زراعت سے الگ اس کو ایک وسیلہ معیشت قرار دیا گیا ہے۔

اقطاع (عطیات)

ایسی لاوارث زمینیں جو بیت المال کی ملک ہوں۔ اور امام نے کسی کو ملکی خدمت یا کسی نمایاں کارنامہ کے صلہ میں دے دی ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو زمینیں عطا فرمائی تھیں، آپ کے بعد خلفاء بھی بطور عطیہ زمینیں دیتے رہے ہیں۔

افتادہ زمینیں اور عطیات دینے کے احکام کا تفصیلاً ذکر بعد میں آئے گا۔ یہاں صرف انفرادی ملکیت کے وسائل پر بحث ہو رہی ہے۔

شکار

قدیم زمانہ سے شکار خواہ بری ہو یا بحری بنی نوع انسان کے لئے ذریعہ معاش چلا

؎ مجلۃ الاحکام العدلیہ دفعہ ۱۲۷۰ بحوالہ اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ اول از ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی صفحہ ۱۴۳۔۱۴۳

Marfat.com

آ رہا ہے۔ اب یہ ہر ملک میں دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا ہوا ہے یہ ذریعہ بھی تجارت کا ایک حصہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے۔ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ۱؎

اور وہ جو تم شکاری جانوروں کو شکار کی تعلیم دیتے ہوئے سکھاؤ تم ان کو سکھاتے ہو اس علم سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا سو جس کو وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس سے کھاؤ۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۲؎

اور تمہارے لیے دریا کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے نفع اور مسافروں کے لئے سامان ہے۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۳؎ اللہ وہ ہے جس نے سمندر تمہارے کام میں لگا یا ہے تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل (ذریعہ معاش) تلاش کرو۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۴؎ ان دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۵؎ وہی ہے جس نے سمندر کو کام میں لگا رکھا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے موتیوں کے زیور نکالو جنہیں تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے اسے پھاڑتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل طلب کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۶؎ اور جس وقت تم حرام سے باہر آجاؤ تو شکار کرو۔

جہاد

جہاد میں جو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے اس سے بھی ملکیت وجود میں آتی ہے۔ اس مال کا $\frac{4}{5}$ حصہ مجاہدین کا حق ہے اور $\frac{1}{5}$ حصہ اللہ اور اس کے رسول کا۔ ارشاد الٰہی ہے وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۷؎

۱؎ المائدہ ۵: ۴ ۲؎ المائدہ ۵: ۹۶ ۳؎ الجاثیہ ۴۵: ۱۲ ۴؎ الرحمٰن ۵۵: ۲۲
۵؎ النحل ۱۶: ۱۴ ۶؎ مائدہ ۵: ۲ ۷؎

Marfat.com

اور جان لو کہ جو چیز تم فتح پاکر حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور قریبیوں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔

اللہ کے لئے ہونے سے مراد یہ ہے وہ بیت المال میں داخل ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من قتل قتیلا له علیه بینة فسلبه له[۱] جو کسی مشرک کو قتل کرے تو اس کی سلب اسی مجاہد کی ملکیت قرار پائے گی۔ بشرطیکہ وہ گواہی پیش کرے۔

ورثہ

مال اور جائداد کے حصول کا ایک ذریعہ ورثہ ہے۔ متوفی جو دولت اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ ورثہ تقسیم ہوتی ہے۔ اسلام نے ہر وارث کے لئے حصہ مقرر کر دیئے ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا[۲]

جو کچھ ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے حق دار ٹھہرا دیئے ہیں اور جن عورتوں سے تمہارا نکاح ہو چکا ہے پس چاہیے کہ جو کچھ جس کا حصہ ہے اس کو دے دیا جائے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا

[۳] مردوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی رشتے دار چھوڑیں اور عورتوں کے لئے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت ایک مقررہ حصہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر[۴] مقررہ حصص ان کو دو جو ان کے حق دار ہیں اور جو باقی بچے وہ قریب کے مرد کو ملنا چاہیئے۔

ہبہ

دولت کے حصول کا ایک ذریعہ ہبہ ہے جائیداد کے مالک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ

---

[۱] بخاری و مسلم۔ [۲] النساء ۴: ۳۳ [۳] النساء ۴: ۷ [۴] بخاری کتاب الفرائض باب میراث ابن الابن

Marfat.com

اپنی جائیداد کو کسی دوسرے کے حق میں ہبہ کر دے۔ ہبہ ایک بیٹے کے حق میں کرنے کی اجازت ہے لیکن رسول کریم صلعم نے یہ بھی سفارش کی ہے کہ ایسے ہبہ دوسرے بیٹوں کے حق میں ہونے چاہئیں۔

عن النعمان بن بشیر یقول اعطانی ابی عطیه فقالت عمرة بنت رواحه لا ارضی حتی تشهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فاتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال انی اعطیت ابنی من عمرة بنت رواحة عطیة فامرتنی ان اشهدك یا رسول الله قال اعطیت سائر ولدك مثل هذا قال لا قال فاتقوا الله واعدلوا بین اولادکم فرجع فرد عطیتهٗ [۱]

نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے بطور ہبہ کچھ دیا تو عمرہ بنت رواحہ (نعمان کی ماں) نے کہا کہ میں پسند نہیں کرتی یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناؤ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ سے ہے کچھ دیا ہے تو یا رسول اللہ عمرہ نے مجھے کہا ہے کہ میں آپ کو گواہ بنالوں۔ فرمایا اپنے باقی بیٹوں کو بھی تو نے اسی طرح دیا ہے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو۔ سو وہ لوٹے اور اپنا عطیہ واپس کر لیا۔

خاوند اپنی بیوی کے حق میں ہبہ کر سکتا ہے اور بیوی اپنے خاوند کے حق میں ہبہ کر سکتی ہے۔ شوہر کے علاوہ دوسرے لوگوں کے نام بھی ہبہ کیا جا سکتا ہے [۲]

جب ہبہ لینے والے نے اس کو قبول کر لیا ہو تو دینے والا اس کو واپس لینے کا مجاز نہیں۔

وصیّت

صاحب جائیداد اپنی وفات کے بعد دوسروں کو جائز ورثاء کے علاوہ اپنے مال میں سے دینے کا مجاز ہے۔ اس طرح جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے وہ اس جائیداد کے مقررہ حصہ کا مالک بن جاتا ہے۔ قرآن مجید نے امراء کے لئے وصیت کرنا فرض قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔

---

[۱] بخاری کتاب الھبة [۲] بخاری کتاب الھبة باب ھبة الرجل لامراته الخ و باب ھبة المراة لغیرہ

Marfat.com

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ [1] تم پر جب تم میں سے کسی کی موت آموجود ہوگی کے ساتھ وصیت کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر وہ بہت سا مال ماں باپ کے لئے اور قریبیوں کے لئے چھوڑے یہ متقیوں پر لازم ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ما حق امرئ مسلم له شئ يوصى فيه يبيت ليلتين الا وصيته مكتوبة عنده [2] ایسے مسلمان شخص کو مناسب نہیں جس کا کوئی مال ہو جس میں اس پر وصیت کرنا ضروری ہو کہ وہ دو راتیں گزارے مگر اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہیے۔

اسلام نے وصیت کے لئے چند اصول مقرر کئے۔ جو ان اصولوں کے خلاف ہو گی وہ ناقابل عمل قرار پائے گی۔

پہلا اصول: ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت نہیں کی جاسکتی۔
دوسرا اصول: وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں کی جاسکتی۔
تیسرا اصول: متوفی نے ورثاء کے لئے کافی دولت چھوڑی ہو۔

بیت المال سے مالی امداد

مملکت میں کئی ایسے افراد ہوتے ہیں جن کی بقائے حیات اور ضروریات کی تکمیل کے لئے بیت المال سے امداد ضروری ہے۔ یہ امداد انفرادی ملکیت کا ایک وسیلہ ہے۔

قرآن مجید میں ایسے لوگوں کی امداد کا ذکر ہے۔ ارشاد الہٰی ہے۔ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ [3] زکوٰۃ صرف ناداروں کے لئے ہے اور مسکینوں اور اس کے کارکنوں کے لئے اور جن کے دل مائل کرنا ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے۔

---

[1] البقرہ ۲: ۱۸۰ [2] بخاری کتاب باب الوصایا الخ [3] التوبہ

Marfat.com

رکاز (دفینہ)

دفینہ سے جو کچھ نکلتا ہے اس کا ⅘ حصہ نکالنے والے کی ملکیت قرار پاتا ہے اور ⅕ حصہ بیت المال۔

رکاز کیا ہے؟ اور اس کے دوسرے شرعی احکام کے متعلق بحث بعد میں آئے گی۔

محنت

علم معاشیات میں جس طرح زراعت صناعت اور تجارت پیدائش دولت کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ اسی طرح محنت بھی ایک وسیلہ ہے۔ اسلام میں محنت سے مراد انسانی فعل ہے۔ خواہ اعضاء وجوارح کا ہو یا ذہن قلب کا۔ اسلام میں جس طرح متقوم یعنی قیمت والی شے ہے اسی طرح انسان کے افعال بھی متقوم یعنی قیمت والی شے ہیں۔

انسانی تمدنی زندگی کا دارومدار ہی انسان کے افعال پر ہے۔ اگر ایک شخص اپنے سرمایہ سے ایک کارخانہ نصب کر لیتا ہے تو پیدائش دولت کے لئے مزدوروں کا محتاج ہے سرمایہ دار تنہا تو کارخانہ کے تمام کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ ہر قدم پر دوسرے لوگوں کا محتاج ہوگا۔ اگر کارخانہ میں مزدوروں کی محنت شامل نہ ہو تو تمام کارخانہ بند ہو جائے گا۔ لہٰذا معلوم ہوا محنت پیدائش دولت کا ایک اہم وسیلہ ہے جس کے بغیر دنیا کے تمام کاروبار ختم ہو جاتے ہیں اور دنیا کی علمی ثقافتی تمدنی زندگی ماند پڑ جاتی ہے۔ علماء معاشیات جسمانی مشقت کرنے والوں کو مزدور کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ دماغی محنت کرنے والوں کو ملازمین کے لفظ سے اور اہل حرفہ اور ماہرین فن اپنی اپنی فنی مہارت کی وجہ سے الگ الگ ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ مثلاً طبیب۔ وکیل حجام وغیرہ۔

فقہ اسلامی کی اصطلاح میں پہلی قسم کے کام کرنے والوں کو اجیر خاص کہتے ہیں یعنی ایسا اجارہ پہ قائم کرنے والا جو ایک وقت میں ایک ہی آجر کا کام کرتا ہے۔ دوسری قسم کے کام کرنے والوں کو اجیر مشترک یا اجیر عام کہتے ہیں جیسے اہل حرفہ میں دھوبی۔ حجام موچی وغیرہ اور اہل فن میں طبیب وغیرہ۔

اسلام نے اس ہمہ گیر ذریعہ اور پیدائش دولت یعنی محنت کو بہت اہمیت دی ہے۔

Marfat.com

قرآن مجید میں آتا ہے۔ کہ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى [1] اور انسان کے لئے کچھ نہیں مگر وہی جو وہ کوشش کرتا ہے اور کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى [2] بے شک تمہاری کوشش الگ الگ ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ [3] کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے اپنی کوشش کی وجہ سے راضی ہوں گے۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا [4] یہ تمہارا بدلہ ہے اور تمہاری کوشش کی قدر ہوگی۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ [5] اور سب کے لئے درجے ہیں اس کے مطابق جو انہوں نے عمل کئے۔ اور تیرا رب اس سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ [6] پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (دولت) تلاش کرو۔

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ [7] اور جو زمین میں سفر کریں گے۔ اللہ کے فضل (روزی) کو تلاش کرلیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من جد وجد و لکل مجتهد نصیب الصحة تمنع الرزق [8] جو شخص کوشش کرے گا اس کی کوشش کا پھل ملے گا۔ اور ہر کوشش کرنے والے کو کچھ نہ کچھ ملتا ہے۔

اعملوا فکل میسر لما خلق له [9] عمل کرو ہر شخص کے لئے وہ کام آسان ہے جس کی وہ صلاحیت رکھتا ہو۔

اسعوا فان الله کتب علیکم السعی [10] کوشش کرو کہ اللہ نے تم پر کوشش کرنا فرض کی ہے۔

---

[1] النجم ۵۳: ۳۹-۴۱ [2] اللیل ۹۲: ۴ [3] الغاشیة ۸۸: ۸-۹ [4] الدھر ۷۶: ۲۲ [5] الانعام ۶: ۱۳۲ [6] الجمعہ ۶۲: ۱۰ [7] المزمل ۷۳: ۲۰ [8] المدینة دالاسلام (فرید وجدی) [9] بخاری مسلم بحوالہ کنوز الحقائق [10] مسند امام احمد کنوز الحقائق

Marfat.com

اجملوا فی طلب الدنیا فان کلا میسر لما خلق له[1] دنیا کی طلب اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق کرو اس لئے کہ جس کے لئے کوئی پیدا کیا گیا ہے وہ اس کو ضرور ملے گا۔

اعمل لدنیاک کانک تعیش ابداً واعمل لاخرتک کانک تموت غداً[2] دنیا کے کاموں میں ایسی کوشش کرو گویا تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت کے لئے اس طرح عمل کرو گویا کہ تم کل ہی مر جاؤ گے۔

طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضه[3] حلال روزی کا طلب کرنا اللہ کے فریضہ عبادت کے بعد سے بڑا فرض ہے۔

اذا صلیتم الفجر فلا تناموا عن طلب ارزاقکم[4] فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی کوشش کئے بغیر آرام کا نام نہ لو۔

اطلبوا الرزق فی خبایا الارض[5] روزی کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو۔

من سعی علی والدیه فهو فی سبیل الله ومن سعی علی عیاله فهو فی سبیل الله ومن سعی علی نفسه لیعفها فهو فی سبیل الله ومن سعی علی التکاثر فهو فی سبیل الشیطان[6] جو والدین کے لئے محنت کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے جو اہل وعیال کے لئے محنت کرتا ہے وہ بھی اللہ کی راہ کام کرتا ہے اور جو اپنے نفس کو فقر وفاقہ سے بچانے کے لئے کام کرتا ہے وہ بھی اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے اور جو سرمایہ دار بننے کے لئے محنت کرتا ہے وہ شیطان کی راہ میں کام کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ لایقعد احدکم عن طلب الرزق[7] تم میں سے کوئی شخص بھی طلب رزق کی تلاش میں شکست ہو کر نہ بیٹھ جائے۔

سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم میں حضرت عمرؓ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ای لابد للعبد من حرکة ومباشرة بسبب من اسباب یتیعقل به طریق الوصول الی الرزق[8] یعنی ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ روزی کے جائز اسباب میں سے کسی سبب اور وسیلہ کو ضرور اختیار کرے جس سے وہ روزی کو حاصل کر سکے۔

---

[1] ابن ماجہ باب الاقتصاد فی طلب المعیشة [2] المدینة والاسلام [3] کنز العمال ج ۳
[4] کنز العمال ج ۳ مشکوٰۃ کتاب البیوع [5] طبرانی فی الاوسط و کنز العمال ج ۲ -
[6] بیہقی طبرانی صغیر [7] احیاء العلوم ج ۲ ص ۵ [8] اتحاف السادہ ج ۵ ص ۴۲۱

Marfat.com

محنت کے معاوضہ کا مسئلہ۔

اس دور میں محنت کی اجرت کے متعلق دو نظریے ہیں سرمایہ داری نظریہ اور اشتراکی نظریہ۔ سرمایہ داری نظام معیشت کی بنیاد ہی بے لگام انفرادی ملکیت پر ہے سرمایہ دار محنت کی اجرتیں من مانے طریقہ پر متعین کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اس نظام میں آجر اور اجیر کے درمیان ایک مستقل جھگڑا رہتا ہے۔ آئے دن ہڑتالیں۔ اور کارخانوں میں آتش زنی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔

اس کے برعکس اشتراکی نظام میں محنت کی اجرت کی مالک اسٹیٹ ہے۔ ملک کے تمام افراد محنت کرتے ہیں اور حکومت تمام افراد کی ضروریات کے مطابق ان کے اخراجات کی کفیل ہوتی ہے۔ اس نظام میں تمام محنت کش حکومت کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان دونوں نظریوں کے خلاف اسلام نے محنت کی اجرت کے مسئلہ کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے۔ اسلام اگرچہ آجر اور اجیر کے درمیان رسد اور طلب کے نظام کو کسی حد تک تسلیم کرتا ہے لیکن کا تعلق رسمی نہیں ہے۔ بلکہ اخوت پر مبنی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ صلی اللہ فرماتے ہیں:

إنَّ اخوانكم خولكم جعلهم الله تحت أيديكم فمن كان اخوه تحت يده فليطعمه مما يأكل وليلبسه مما يلبس ولا تكلفوهم ما يغلبهم فان كلفتموهم ما يغلبهم فأعينوهم[1] تمہارے غلام تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں۔ جنہیں اللہ نے تمہارے زیردست کر رکھا ہے۔ لہٰذا جن کا بھائی اس کے ماتحت ہو اسے چاہیئے کہ وہ جو کھاتے اس میں سے اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنتا ہے اسی میں سے اس کو بھی پہنائے اور ان پر کسی قسم کا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ اگر ان کے ذمے ایسا کام کردیتے ہو تو ان کی امداد کرو۔ وفات سے قبل آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم[2] نماز کو باقاعدہ پڑھو اور زیردست لوگوں کے حقوق کی نگہداشت رکھو۔

مزدور کی محنت کا معاوضہ دینے کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ[3]۔ مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب العتق ج ۱ [2] ابن ماجہ (جمع الفوائد جلد اول ص ۲۶۵)
[3] ابن ماجہ وطبرانی عن ابن عمر (جمع الفوائد جلد اول ص ۲۵۶

Marfat.com

ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة رجل اعطى بي ثم غدر ورجل باع حرا فاكل ثمنه ورجل استاجر اجيرا فاستوفى منه ولم يعطه اجره ۵ ؎۱

تین آدمیوں سے قیامت کے دن میں خود لڑوں گا۔ اول وہ شخص جس نے میرے نام سے عہد کر کے عہد شکنی کی۔ دوم وہ شخص جس نے آزاد شخص کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی تیسرے وہ شخص جس نے کام پر مزدور لگایا اور اس سے پورا کام لیا اور مزدوری نہ دی۔

ان احادیث کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو محنت کی اجرت کے مسئلہ کو نہایت خوش اسلوبی سے حل کرتا ہے۔

عقد (معاہدہ)

مزدور اجیر کے جس کام کے کرنے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لیتا ہے اس کو فقہ اسلامی میں عقد (معاہدہ) کہا جاتا ہے۔ جس کی پابندی کرنا اجیر پر ضروری ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ؎۲ اے لوگو! جو ایمان لاتے ہوئے، اپنے معاہدوں کو پورا کرو۔

إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ؎۳ بہترین نوکر جو تو رکھنا چاہے مضبوط امین ہے۔

فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ؎۴ پس جب اس سے گفتگو کی کہا آج تو ہمارے ہاں صاحب مرتبہ امین ہے۔ یوسف نے کہا مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دو میں نگہبان خبردار ہوں۔

ارشاد الٰہی ہے۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ؎۵ کمی کرنے والوں کے لئے تباہی ہے۔ جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا کر لیتے ہیں۔ اور جب انہیں ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

فقہاء اسلام نے تطفیف (ناپ تول کم کرنا) کرنے والوں میں ان مزدوروں کو بھی

؎۱ صحیح بخاری کتاب الاجارۃ جلد اول ؎۲ مائدہ ۵ : ۱ ؎۳ القصص ۲۸ : ۲۶

؎۴ یوسف ۱۲ : ۵۴، ۵۵ ؎۵ المطففین ۸۳ : ۱

Marfat.com

شامل کیا ہے جو اجرت تو پوری لیتے ہیں لیکن کام دلجمعی اور پوری توجہ سے سرانجام نہیں دیتے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا [۱]

اور عہد پورا کرو اور ہر عہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا [۲]

اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کر لو اور قسموں کو ان کے پکا کرنے کے بعد مت توڑو۔ اور تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن کر چکے ہو۔ اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

اسلام نے جہاں تاجر کو اجیر کی محنت کا معاوضہ بہتر طور پر دینے کا حکم دیا ہے اسی طرح مزدور پر بھی یہ لازم کر دیا ہے کہ وہ کام کو دیانت داری سے سرانجام دے۔

انفرادی حقوق ملکیت کے شرعی حدود وقیود

پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اسلام نے جو ملکیت کا تصور دیا ہے اس کی رو سے کائنات کی ہر چیز اصلاً اللہ کی ملکیت ہے۔ رفع نزاع اور حصول انتفاع کے لئے اللہ تعالیٰ نے ملکیت کے حقوق انسان کو منتقل کئے ہیں۔ وہ اشیاء کا مالک تو بن جاتا ہے لیکن وہ حقوق اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے مصالح کے پابند ہوتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ [۳] اور اس سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ [۴] اور ان کو اللہ کے مال سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ یہ دونوں آیات ظاہر کرتی ہیں کہ کائنات کی ہر چیز کا مالک دراصل اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے نیابتاً اس میں تصرف کا حق دیا ہے۔

جب حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہوا اور انسان اس کا نائب تو حدود وقیود مقرر کرنے کا حق بھی اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔ قرآن مجید میں عرب کی ایک قدیم قوم مدین کی اس بات پہ مذمت کی گئی ہے کہ وہ اپنی دولت کے معاملہ میں اپنے آپ کو مختار کل سمجھتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کو ناجائز قرار دیتی تھی۔ ارشاد الٰہی ہے قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْ

---

[۱] بنی اسرائیل ۱۷: ۳۴ [۲] نحل: ۹۱ [۳] الحدید ۵۷: ۷ [۴] النور ۲۴: ۳۳
[۵] ہود ۱۱: ۸

Marfat.com

آموالنا ما نشاءُ ۔

انہوں نے کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں نہ کریں۔

حرام اور حلال کے پیمانے انسان مقرر نہیں کر سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مالک ہونے کی حیثیت سے اختیار رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے اس بات کو کذب قرار دیا ہے کہ انسان خود ہی کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام قرار دے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ [1]

اور اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کر دیتی ہیں نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

شرعی پابندیاں

اسلام نے دولت کمانے کے وہ تمام طریقے ناجائز اور حرام قرار دے دیئے ہیں جن سے دوسرے افراد یا سماج کو نقصان پہنچتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [2]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ۔

باطل اور ناجائز طریقے کیا ہیں ان کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے۔

تجارتی بدعنوانیوں کا انسداد

سرمایہ دارانہ نظام صاحب ملکیت کو بے حد حقوق ملکیت عطا کرتا ہے۔ مشہور مغربی محقق اور ماہر قانون دان جان اسٹن حق ملکیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے یہ کسی متعین شے پر ایک حق کی نشان دہی کرتا ہے جو استعمال کے اعتبار سے غیر محدود اور تصرف و انتقال کے اعتبار سے بے قید ہے۔" [3]

اس تعریف کی رو سے مالک کو اپنی ملکیت میں ایسے کسی تصرف کا اختیار ہے چاہے اپنا مال فروخت کرنے کے لئے منڈی میں لائے چاہے اپنے پاس رکھے، چاہے ضائع کر دے۔ اسلام کسی مالک کو اپنی ملکیت میں ایسے کسی تصرف کی اجازت نہیں دیتا جس سے معاشرے

---

[1] النحل ۱۶: ۱۱۶ [2] النساء ۴: ۲۹

[3] LECTURES ON JURISPRUDENCE VOL II P 790 بحوالہ اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ اول ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی ۱۲۹

کو نقصان پہنچتا ہو۔ اس لئے اسلام ان تمام عوامل پر قدغن لگاتا ہے جن کی وجہ سے مصنوعی گرانی پیدا کر کے ناجائز طور پر عوام سے دولت بٹوری جاتی ہے۔ ایسی مصنوعی عوامل میں سے احتکار۔ اتلاف مال۔ تخمیس اشیاء اجارہ داری وغیرہ ہیں۔

احتکار :- احتکار کے معنی ہیں اشیاء کی قیمتوں کو بڑھانے کے لئے روک رکھنا تاکہ زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جائے۔

تاجر منڈی میں اپنی اشیاء کو مہنگے داموں فروخت کرنے کے لئے ذخیرہ (HOLDING) کرتے ہیں جس سے رسد گھٹ جاتی ہے اور قیمتوں کا بڑھنا اور گرنا رسد اور طلب پر منحصر ہے۔ رسد کے بڑھ جانے سے قیمت گر جاتی ہے اور طلب کے بڑھنے سے قیمت چڑھ جاتی ہے۔ اگر رسد اور طلب دونوں طاقتوں کا زور باہم برابر ہو تو کسی شے کی فطری قیمت کا تعین ہو جاتا ہے۔

عوام منڈی میں کسی شے کی نایابی کی وجہ سے اسے ہر قیمت پر حاصل کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ تاجر عوام کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر چور بازاری کے ذریعے کئی گنا زیادہ قیمت پر فروخت کرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسلام اس عمل کو ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من احتکر طعاما اربعین یوما یرید به الغلاء فقد بری من اللہ تعالیٰ وبری اللہ تعالیٰ منه [1]

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چالیس روز تک غلہ ذخیرہ کر رکھے اور اس کی نیت یہ ہو کہ قیمتیں بڑھ جائیں تو وہ شخص گویا خدا سے بیزار ہے اور اللہ بھی اس سے بیزار ہے اور اس نے اپنا تعلق منقطع کر لیا ہے۔

فرمایا لا یحتکر الا خاطی [2] احتکار نہیں کرتا مگر وہی جو گنہگار ہو۔

فرمایا الجالب مرزوق والمحتکر ملعون [3] باہر سے مال لانے والا خوش نصیب ہے۔ قیمتوں میں گرانی کے لئے ذخیرہ کرنے والا ملعون ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا:- لا حکرة فی سوقنا لا یعمد رجال بایدیهم فضول من اذهاب الی رزق من ارزاق اللہ نزل بساحتنا فیحتکرونه علینا

---

[1] تیسیر الوصول ج ۱ [2] ابن ماجہ باب الحکرۃ والجلب [3] ابن ماجہ باب الحکرۃ والجلب [4] موطا امام مالک کتاب البیوع۔

Marfat.com

ولکن ایما جالب جلب علی عمود کبدہ فی الشتاء والصیف فذلک ضیف عمر فلیبیع کیف شاء اللہ ولیمسک کیف شاء اللہ ۹۴

یعنی ہمارے بازار میں کوئی احتکار نہ کرے جن لوگوں کے ہاتھ میں ضرورت سے زائد روپیہ ہے۔ وہ کسی ایک غلہ کو جو ہمارے ملک میں آتے خرید کر احتکار نہ کریں اور جو شخص تکلیف اٹھا کر ہمارے ملک میں غلہ لاتے گرمی یا سردی میں تو وہ عمر کا مہمان ہے جس طرح اللہ کو منظور ہو بیچے اور جس طرح اللہ کو منظور ہو رکھ چھوڑے۔

اتلاف مال: بعض اشیاء خورد و نوش کو زیادہ عرصہ تک ذخیرہ کر کے محفوظ نہیں رکھا جاسکتا مثلاً ترکاری پھل وغیرہ بعض ایسی اشیاء بھی ہوتی ہیں کہ ان کو ذخیرہ کرنے کے اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ذخیرہ کرنے سے نفع کی بجائے نقصان اٹھانا پڑتا ہے اس لئے تاجران اشیاء کو ضائع کر دیتے ہیں تاکہ منڈیوں میں ان اشیاء کی رسد کم ہو جائے اور قیمتیں بڑھ جائیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں اس طرح تلف مال کرنا کوئی جرم نہیں۔

جان اسٹون کہتا ہے۔

"غیر منقول املاک یا مویشی وغیرہ میں مطلق ملکیت کی رو سے اپنی ملکیت کے تباہ کر دینے یا ضائع کر دینے کا حق حاصل ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس تباہی میں کسی دوسرے فرد پر کوئی برا اثر نہ پڑے"۔

"اگر میں اپنے مکان کا مالک ہوں تو میں چاہوں تو اسے تباہ کر سکتا ہوں۔ مگر مجھے اس کو اس طرح ہرگز تباہ نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے میرے پڑوسیوں کو نقصان پہنچے"۔

اشیاء کی قیمتوں کو بڑھانے کے لئے سرمایہ دار ممالک میں اشیاء کے ضائع کرنے کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ برٹرینڈرسل اپنی تصنیف جنگی جرائم WAR CRIME IN VIETNAM میں لکھتا ہے۔

"پچھلے چودہ برس میں امریکہ نے فالتو زرعی پیداوار مزید نے پر چار ارب ڈالر صرف کئے لاکھوں ٹن گندم، باجرہ، مکئی، مکھن اور پنیر ذخیرہ کر کے ان میں زہر ملا دیا گیا تاکہ دنیا کے بازاروں میں قیمتیں زیادہ رکھی جاسکیں۔ مکھن اور پنیر کے بڑے بڑے پہاڑوں میں نیلا تھوتھا

۹۵ کتاب مذکور صفحہ ۱۱۶

Marfat.com

ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ ناقابل استعمال ہو جاتے۔ ۱۹۲۰ء تک ساڑھے بارہ کروڑ ٹن غلہ امریکہ میں ذخیرہ کیا گیا کہ سڑ جاتے یہ غلہ ہندوستان کی پوری آبادی کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ ۱؎

برازیل میں ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۴ء کے درمیان بیس لاکھ ٹن کافی صرف قیمتوں کو بڑھانے کے لئے تلف کی گئی۔

اکتوبر ۱۹۳۲ء میں جاپان میں سات لاکھ بیس ہزار موتی اس وجہ سے تلف کر دیئے گئے کہ رسد میں اضافہ کی وجہ سے ان کی قیمت گرتی جا رہی تھی۔

اسلام نفع اندوزی کے لئے اشیاء کو ضائع کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اس طرح تلف مال کرنا پوری انسانیت کی حق تلفی ہے۔ قرآن اس کو ارشاد فی الارض سے تعبیر کرتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۚ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۲؎ اور جب حاکم بنتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا ہے کہ اس میں فساد ڈالے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

رسول کریم نے مختلف مواقع پر تلف مال کی شدت سے مخالفت فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔ قال وکان ینھی عن قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال ومنع وھات وعقوق الامھات ووأد البنات ۳؎

راوی نے کہا کہ آپ نے قیل وقال کرنے بہت زیادہ سوال دریافت کرنے مال کو ضائع کرنے خود دینے اور دوسروں سے مانگنے ماں کی نافرمانی کرنے اور بچیوں کے زندہ دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

ان اللّٰہ کرہ لکم ثلاثا قیل وقال واضاعۃ المال وکثرۃ السوال ۴؎

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب شام کی طرف فوجیں بھیجیں تو یزید بن ابی سفیان قائد افواج کو نصیحت فرمائی۔

انی موصیک بعشر لا تقتلن امرأۃ ولا صبیا ولا کبیرا ولا تقطعن شجرا ثمرا ولا تخربن عامرا ولا تعقرن شاۃ ولا بعیرا الا لماکلہ ولا تحرقن نخلا ولا تغرقنہ ولا تغلل ولا تجبن ۵؎

۱؎ کتاب مذکور صفحہ ۱۱۶ ۲؎ البقرہ ۲: ۲۰۵ ۳؎ بخاری کتاب الرقاق ۔ ۴؎ بخاری کتاب الزکوٰۃ ۵؎ موطا امام مالک کتاب احکام الخلافۃ

Marfat.com

میں تمہیں دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں. کسی عورت بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا کسی آباد زمین کو ویران نہ کرنا کسی بکری یا اونٹ کو بجز کھانے کے ذبح نہ کرنا. کسی نخلستان کو جلا کر یا پانی میں غرق کر کے تباہ و برباد نہ کرنا. مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا. اور بزدلی نہ دکھانا.

تخلیس اشیاء: بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اشیاء کا خاطر خواہ نفع نہیں ہوتا اگر ان اشیاء کی قیمت بڑھا دی جائے تو طلب کم ہو جائے گی. تو اس حالت میں تاجر حضرات زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ ان اشیاء کا معیار گرا دیتے ہیں۔ پہلے اشیاء صرف کے تیار کرنے میں اعلیٰ درجہ کا مواد استعمال کرتے ہیں۔ اب کم تر درجہ کا خام مواد استعمال کرتے ہیں یا اس کی مقدار کم کر دیتے ہیں. اس طریقہ سے تاجر یہ کوشش کرتے ہیں کہ اشیاء کی تیاری میں لاگت کم آئے تاکہ قیمت بڑھائے بغیر سابقہ قیمت پر ہی ان اشیاء پر نفع کی شرح بڑھ جائے.

اس طریقہ سے عوام کو یہ نقصان ہوتا ہے کہ وہ قیمت تو پوری دیتے ہیں لیکن چیز گھٹیا ملتی ہے یا کم ملتی ہے اسلام اس طریقہ کاروباری کو تخلیس کہتا ہے اور اس سے منع کرتا ہے.

تخلیس صرف تول یا ماپ میں ہی کم چیز دینے کا نام نہیں ہے بلکہ کسی شے صرف کے معیار اور مقدار میں تخفیف کر دینے کا نام بھی تخلیس ہے کیونکہ فروخت کرنے والا قیمت تو اس شے کی حاصل کر رہا ہے جس کا خام مواد اعلیٰ ہو۔ لیکن دھوکہ دے کر چیز وہ دے رہا ہے جس کا خام مواد ناقص ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا [۱] سو ماپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔

حدیث میں آتا ہے۔ عن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصحاب الکیل والمیزان انکم قد ولیتم امرین ھلکت فیھما الامم السابقۃ [۲]

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ناپنے اور تولنے والوں سے فرمایا کہ تم لوگوں کے متعلق ایسی دو چیزیں کی گئی ہیں ناپ اور تول جن کی وجہ سے پہلی امتیں ہلاک ہو گئی تھیں۔

---

[۱] الاعراف ۷ : ۸۵ [۲] ترمذی ابواب البیوع

Marfat.com

عن عقبة بن عامر الجهني قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المسلم اخو المسلم ولا یحل لمسلم ان باع من اخیہ بیعاً فیہ عیب الا بینہ لہٗ [1]

حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے ہاتھ اپنی چیز فروخت کرے جس میں کوئی نقص ہو اور وہ اس کو اس نقص سے آگاہ نہ کرے۔

اجارہ داری

قیمتوں میں گرانی کی ایک وجہ اجارہ داری ہے۔ ایک تاجر یا چند تاجر مل کر کسی شے پر قبضہ کر جاتے ہیں۔ اس طرح اس شے کی تمام پیداوار چند بڑے بڑے تاجروں کے ہاتھ میں سمٹ آتی ہے۔ پھر اس شے کی قیمت متعین کرنے کے مالک بن جاتے ہیں اور عوام سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ طریقہ مصالح عامہ کے خلاف ہے۔ اس وجہ سے اسلام کو ناجائز قرار دیتا ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق کاروباری گروہوں پہ پابندیاں عائد کی تھیں ان میں سے تلقی الرکبان (شہر سے باہر جا کر تجارتی قافلوں سے تمام سامان کر لینا) اور بیع الحاضر للبادی کی مخالفت فرمائی تھی۔

کیونکہ ان طریقوں سے شہر والے اشیاء صرف پہ اجارہ داری حاصل کر لیتے تھے۔ اور اشیاء کو مہنگے داموں فروخت کرتے تھے۔

حضرت امام تیمیہ اپنی تصنیف "الحسبة فی الاسلام" میں لکھتے ہیں

"اسی اصول کی بنیاد پہ متعدد فقہاء، ابو حنیفہ اور ان کے رفقاء نے ان بٹوارہ کرنے والوں کو باہم اشتراک کر کے انجمن بنا لینے سے منع کیا ہے۔ جو عوام کی غیر منقولہ املاک وغیرہ کے بٹوارہ کا کام اجرت لے کر کرتے ہوں۔ کیوں کہ جب اشتراک کر لیں گے تو چونکہ عوام ان کی خدمات کے محتاج ہوں گے یہ ان سے زیادہ اجرت طلب کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ان تاجروں پہ پابندیاں (ان بٹوارہ کرنے والوں پہ پابندی سے) زیادہ ضروری ہے جو باہم اشتراک کر کے بیٹھے کر لیں کہ مال کو اپنی طے کی ہوتی قیمتوں پہ فروخت کریں گے۔ یہی حکم ان خریداروں پہ پابندی عائد کرنے کا ہے جو خرید نے سلسلہ میں باہم اشتراک کر لیں۔ تاکہ فروخت کرنے والے لوگوں کا مال ہضم کر سکیں۔ ان پہ بھی پابندی (مذکورہ بالا شکل میں پابندی سے) زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ جب افراد کا کوئی گروہ جو کسی خاص چیز

---

[1] حاکم مستدرک جلد ۲ ص۸

کو خریدتا یا فروخت کرتا ہو باہم یہ معاہدہ کرے کہ خریدنے میں زیادتی کرے گا اور اسے (خریدنے کی) معروف قیمت مثل سے کم پر خریدے اور (بیچنے کی) معروف ثمن مثل سے زیادہ پر فروخت کرے اور اس طرح اپنے خریدے ہوئے مال پر بیش از بیش نفع حاصل کرے تو یہ طرز عمل اس سے بڑا ظلم ہے جو تلقی سلع یا بیع الحاضر للبادی یا نجش میں پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ باہم اس بات پر اشتراک کرتے ہیں کہ عوام پر ظلم کریں گے تاکہ عوام ان کے مال کو ثمن مثل سے زیادہ خریدنے اور (اس سے کم داموں پر) فروخت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ عوام ان اشیاء کی خرید و فروخت پر مجبور ہیں جس کی خرید و فروخت کے سارے عوام ضرورت مند ہوں۔

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ ہر قسم کی اجارہ داری خواہ اشیاء کی فروخت پر ہو خواہ اشیاء کی خرید پر ناجائز اور ظلم ہے۔

بددیانتی اسلام تجارت میں بددیانتی اور فریب کاری کو حرام قرار دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من غش فلیس منی[1] جس نے کاروبار میں دھوکہ دیا وہ میرا پیرو نہیں ہے۔ البیعان بالخیار مالم یتفرقا او قال حتی یتفرقا فان صدقا وبینا بورک لهما فی بیعهما وان کتما وکذبا محقت برکة بیعهما[2] خریدار اور فروخت کنندہ دونوں کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں۔ یا یہ فرمایا یہاں تک کہ علیحدہ ہو جائیں پس اگر وہ دونوں راست بازی سے کام لیں اور عیب وغیرہ ظاہر کر دیں تو ان کے کاروبار میں برکت دی جائے گی۔ اگر عیب پوشی کریں گے یا کذب بیانی سے کام لیں گے تو بیع کی برکت مٹا دی جائے گی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ضرر ولا ضرار یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہنچانا ہے۔

فرمایا افضل الکسب بیع مبرور وعمل الرجل بیدہ[3] بہترین کسب بیع مبرور ہے اور آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمائی کرنا۔

والبیع المبرور ھو البیع الذی لیس فیہ ما حبہ فلم یغش ولم یخن ولم یعص اللہ فیہ[4] بیع مبرور وہ بیع ہے جس میں متعاقدین ایک دوسرے سے بھلائی کا معاملہ کریں یعنی نہ اس میں فریب کاری ہو نہ خیانت اور نہ خدا کی معصیت۔

حرام چیزوں کے کاروبار کی ممانعت

اسلام ان تمام چیزوں کے کاروبار کو حرام اور ناجائز قرار دیتا ہے جن کا کھانا حرام ہے۔

---

[1] اصحاب السنن [2] بخاری کتاب البیوع [3] ... [4] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربع الجزء الثانی ص ۲۰۲

Marfat.com

قرآن مجید میں آتا ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ۔
تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا [1] تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو ان دونوں میں بڑی برائی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور ان کی برائی ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الاعراف ۷: ۱۵۷) وہ ان کے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یحل ثمن شئی لا یحل اکلہ وشرابہ [2] یعنی کسی ایسی چیز کی قیمت جس کا کھانا پینا حرام ہے جائز نہیں ہے۔

سوء الکسب اجرۃ الزمارۃ وثمن الکلب [3] یعنی گانے بجانے اور کتے کی قیمت سب سے برا کسب ہے۔

ان اللہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام الخ [4] اللہ تعالیٰ نے شراب مردار خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت خاص سے ان تمام چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جن کے کھانے سے انسان کے اخلاق کردار اور جسمانی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ اسلام کی حرام کی ہوئی چیزوں کے بد اثرات پر یورپ کی طب نے بھی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

حرام دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن کی حرمت ذاتی ہے مثلاً مردار، خنزیر، شراب وغیرہ۔ دوسری حرام وہ چیزیں ہیں جن کی حرمت ان کی ذات میں نہیں پائی جاتی بلکہ وہ خارجی اسباب سے وہ حرام ٹھہرائی جاتی ہے مثلاً فریب دھوکے اور ناجائز طریقوں سے روزی کمانا۔

اسلام نے دونوں قسم کی حرام چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

---

[1] البقرہ ۲: ۹۰ [2] اخرجہ الدارقطنی عن تمیم الداری [3] ابو بکر بن مقسم عن ابی ہریرہ [4] نیل الاوطار ج ۵

Marfat.com

ڈاکہ اور چوری سے روپیہ حاصل کرنا۔

اسلام ڈاکہ زنی اور چوری سے روپیہ کمانے کو حرام اور ناجائز قرار دیتا ہے اور ان افعال کے مرتکبین کے لئے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ[1] ان کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صرف یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا صلیب پر مارے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف اطراف سے کاٹے جائیں یا ان کو قید کیا جائے

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمد حنبلؒ نے ینفوا من الارض کا ترجمہ قید کیا ہے۔

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا[2] اور چور مرد اور چور عورت سو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ اس کی سزا ہے جو انہوں نے کیا۔

بدکاری کروا کر دولت حاصل کرنا

عرب میں دولت کمانے کا ایک یہ طریقہ بھی تھا کہ بڑے بڑے لوگ اپنی لونڈیوں سے پیشہ کرواتے تھے۔ یہ طریقہ کسب رزق اب تمام دنیا میں رائج ہو چکا ہے جس نے سوسائٹی کو اوندھے منہ گرا دیا ہے۔ اسلام نے اس طریقہ کسب کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَلَا تُکْرِهُوْا فَتَیٰتِکُمْ عَلَی الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا[3]

اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو تاکہ تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہو۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا[4] اور زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے۔

---

[1] المائدہ ۵ : ۳۲ [2] المائدہ ۵ : ۳۸ [3] النور ۲۴ : ۳۳
[4] بنی اسرائیل ۱۷ : ۳۲

Marfat.com

پیروں کی چڑھاؤں اور نذرانوں سے آمدن

اسلام اس طریقہ کسب رزق کو ناجائز قرار دیتا ہے جس میں محنت نہیں کرنا پڑتی اسلام رزق حلال کی کمائی کے لئے محنت کو ضروری قرار دیتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ [1] اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یقیناً بہت سے علماء اور راہب لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ثمن الکلب ومھر البغی وحلوان الکاھن [2]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت زانیہ کی خرچی اور چڑھاوے سے منع فرمایا ہے

خیانت سے روپیہ حاصل کرنا

خیانت خواہ افراد کے مال میں ہو یا جماعت کے مال میں حرام ہے۔ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ [3] اگر تم میں سے دوسرے کا اعتبار کرے تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے چاہیے کہ وہ امانت کو ادا کرے۔

وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ [4] جو عوام کے مال میں خیانت کرے وہ جو کچھ خیانت کی ہے قیامت کے دن لائے گا۔ پھر ہر شخص کو جو اس نے کمایا پورا دیا جائے گا۔

رشوت ستانی۔

اسلام نے رشوت کے ذریعہ دولت کمانے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الراشی والمرتشی ھما فی النار۔ یعنی رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں آگ میں پڑیں گے۔

---

[1] التوبہ ۹ : ۳۴ [2] بخاری [3] البقرہ ۲ : ۲۸۳

Marfat.com

سُود

ربا اور سُود میں فرق

قرآن مجید میں جس چیز کو بلفظ ربا حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ اردو زبان میں سُود کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ربا کا وسیع مفہوم ہے۔ جبکہ سُود اس کی ایک قسم کی حیثیت رکھتا ہے۔ سُود ایک معین مقدار روپیہ مقررہ معیاد کے لئے اُدھار دے کر مقررہ شرح کے ساتھ بڑھوتی کا نام ہے۔ گو سُود کی یہ تعریف ربا کے مفہوم میں داخل ہے لیکن اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے۔ اس میں وہ معاملات بیع وشرا بھی داخل ہیں جن میں اُدھار کا لین دین حرام ہے۔

ربا کے لغوی اور اصطلاحی معنی

الربو اور ربا الشی ءُ کے معنی ہیں ایک چیز بڑھ گئی اور اس نے ترقی کی (امام راغب)

قرآن مجید میں سبزی کے بڑھنے پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ [۱] اور تو زمین کو بے حس پڑا دیکھتا ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی اُتارتے ہیں تو وہ لہلاتی ہے اور اُبھرتی ہے۔

ایسا ہی مال کے بڑھنے پر استعمال ہوا ہے۔ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ [۲] اور جو تم سُود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں جا کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔

ربوٰ راس المال بڑھوتی کا نام ہے لیکن شریعت میں ایسی بڑھوتی کو ربا کہتے ہیں جو بغیر کسی مالی معاوضہ کے حاصل کی جائے۔

الربا فی اللغۃ الزیادۃ والمراد فی الاٰیۃ کل زیادۃ لا یقابلھا عوض [۳]

اس تعریف میں روپیہ اُدھار دینے پر بلا معاوضہ زیادتی بھی داخل ہے اور اسی طرح خرید و فروخت کی وہ تمام صورتیں بھی داخل ہیں جن میں کوئی زیادتی بلا معاوضہ حاصل کی جائے۔

غرض اسلام میں اصطلاحی ربوٰ جہاں سُود، معاملہ قرض اور معاملہ تجارت پر بلا معاوضہ بڑھوتی پر استعمال ہوتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ربا اسی بڑھوتی کا نام تھا جس کو آج کل سُود کہا جاتا ہے لیکن

---

[۱] الحج ۲۲: ۵ [۲] الروم ۳۰: ۳۹ [۳] احکام القرآن ابن عربی۔

Marfat.com

اسلام نے ربا کے معنی میں وسعت پیدا کر دی ہے ۔

عرب میں سود کے مختلف طریقے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل سود لینے کے مختلف طریقے رائج تھے۔ امراء ضرورت مند کو نقد قرض دیتے اور مدت مقرر کر کے راس المال پر سود لگا دیتے تھے۔

ربا الجاهلية الذي نهى عنه وذالك انهم كانوا يسلفون بالزيادة فينظرون فكانوا يقولون انظرني ازدك وهذا هو الذي عناه بقوله فى حجة الوداع ان ربا الجاهلية موضوع [1]

ربا الجاهلیۃ جس سے قرآن میں منع کیا گیا ہے یہ ہے کہ لوگ قرض پر کچھ بڑھوتی کی شرط عائد کر کے قرض دیا کرتے تھے۔ پھر میعاد متعینہ پر مزید مہلت مزید سود لگا کر دیتے تھے یہی وہ ربا ہے جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں باطل قرار دیا تھا۔

دوسری صورت یہ ہوتی جب مقررہ مدت ختم ہو جاتی تو سود اور راس المال کو ملا کر اپنی قرار دیتے پھر اس مجموعہ رقم پر سود لگانا شروع کر دیتے۔ اس کا نام سود در سود ہے۔

تیسری صورت یہ تھی کہ کوئی چیز رہن رکھ کر اس کے عوض قرض دیتے اور اگر مقررہ مدت میں قرض دار قرض ادا نہ کر سکتا تو روپیہ پر سود لگا دیتے اور چیز کی قیمت کم سے کم لگا کر اس کو خرید لیتے فقہا کی اصطلاح میں اس کو "ربا نسیہ" کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ربا کی حرمت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ [2]

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ بڑھا بڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ جب قرضہ کی میعاد ختم ہو جاتی تو قرض دار قرض ادا نہ کر سکتا تو سود کو راس المال میں بڑھا کر پھر از سر نو اس پر سود لگایا جاتا اور یوں قلیل المیعاد میں مدیون ایک بھاری رقم کے بوجھ کے نیچے دب جاتا۔

اسلام نے اس رواج کو ختم کیا ہے۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سود در سود نہ کھاؤ اور تھوڑا سا کھا لو۔

---

[1] ہدایۃ المجتہدین ابن رشد ملکی۔ [2] آل عمران ۳: ۱۲۹

Marfat.com

مطلق سُود کے متعلق تو صاف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔
اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [1] اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سُود کو حرام کیا ہے ۔

حرمتِ سُود کے اعلان کے ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا کہ واجب الادا سُودی رقم کو چھوڑ دو۔ ارشادِ الٰہی ہے ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ [2] اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کا تقویٰ کرو۔ اور جو کچھ سُود سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو جب تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا۔ تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کے لئے خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال ہیں نہ تم نقصان پہنچاؤ اور نہ تمہیں نقصان پہنچایا جائے ۔

حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں فرمایا وربا الجاھلیہ موضوعۃ واول ربا اضع ربا عباس بن عبد المطلب فانہ موضوع کلہ [3] یعنی زمانہ جاہلیت کے سُود کی تمام رقمیں موقوف کی جاتی ہیں یعنی اب وہ قابل وصول نہ ہوں گی۔ اور پہلی سود کی رقم جو موقوف کی جاتی ہے وہ عباس بن عبد المطلب کی ہے ۔

پھر فرمایا یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ [4] اللہ سُود کو بے برکت کرتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ کسی ناشکر گذار گنہگار کو پسند نہیں کرتا ۔

پھر فرمایا
وَاَخْذِھِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُھُوْا عَنْہُ وَاَکْلِھِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ مِنْھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا [5] اور ان کے (یہودی) سُود لینے کی وجہ سے حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے اور ان کے لوگوں کا مال ناحق کے ساتھ کھانے کی وجہ سے اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لئے دردناک دُکھ تیار کیا ہے ۔

---

[1] البقرہ ۲: ۲۷۵ [2] البقرہ ۲: ۲۷۸-۲۷۹ [3] صحیح مسلم بروایت جابر فی حجۃ الوداع۔
[4] البقرہ ۲: ۲۷۶ [5] النساء ۴: ۱۶۱

Marfat.com

پھر فرمایا

وَمَا اٰتَیْتُمْ مِنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ[1] اور جو تم سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں جا کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔

حدیث میں حرمت سود

عن جابرؓ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ و کاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[2]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر۔ کھلانے والے پر۔ لکھنے والے پر اور گواہی کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔ پھر فرمایا کہ خدا کے نزدیک یہ سب لوگ برابر ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ لیلۃ المعراج میں جو تفصیلی مناظر دیکھے ان میں ایک منظر سود خوار کے عذاب کا بھی تھا۔

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے رات کو دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ارض مقدس کی طرف لے گئے ہم چلتے گئے یہاں تک کہ ہم خون کے ایک دریا پر پہنچے جس میں ایک شخص کھڑا تھا اور کنارے پر دوسرا شخص تھا جس کے پاس بہت سے پتھر تھے جو شخص دریا میں تھا باہر نکلنے کے ارادے سے کنارے کی طرف آیا تو کنارے پر کھڑے شخص نے ایک پتھر اس کے منہ پر مارا اور اس کو واپس لوٹا دیا۔ اس طرح جب بھی وہ شخص نکلنے کے لئے کنارے کی طرف آتا تو کنارے والا شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا اور وہ پھر واپس لوٹ جاتا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے جس کو میں نے خون کے دریا میں دیکھا ہے جواب ملا سود خوار[3]

مسند احمد کی روایت ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے قریب پہنچے جن کے پیٹ مکانوں کی طرح تھے اور ان کے اندر سانپ تھے جو باہر سے دیکھے جاتے تھے میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں اس نے کہا یہ سود خوار ہیں

ان روایات کے مضمون کے اختلاف میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ پہلی روایت میں ان سود خواروں کا ذکر ہے جنہوں نے سود کا مال جمع کیا ہو لیکن کھایا نہ ہو۔ دوسری روایت میں ایسے سود خوروں

---

[1] الروم ۳۰: ۳۹ [2] مسلم [3] بخاری۔

Marfat.com

کا ذکر ہے جنہوں نے سود کھایا ہو۔ پہلی مثال میں سود کے جرم کی سزا خون کے دریا کی شکل میں ہے۔ گویا سود خور نے لوگوں کے خون پسینہ کا کمایا ہوا مال بلا معاوضہ جمع کیا ہے گویا وہ دوسروں کا خون جمع کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو خون کے دریا میں دکھایا گیا ہے۔ دوسری مثال میں سود خور لوگوں کا مال کھاتا ہے۔ اس کی سزا پیٹ کے اندر سانپوں کے جمع ہونے اور ڈسنے کی شکل میں ہے۔ چونکہ سود خور بلا معاوضہ دوسروں کا مال لے کر ان کو ایسی تکلیف دیتا ہے جیسے سانپ ڈسنے سے پہنچتی ہے اس وجہ سے اس کو سزا اسی مناسبت سے ملی ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اربع حق علی اللہ ان لا یدخلھم الجنۃ ولا یذیقھم نعیمھا مدمن الخمر واکل الربا واکل الیتیم بغیر حق والعاق لوالدیہ [1] حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ چار ایسے اشخاص ہیں کہ اللہ نے ان کے متعلق اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ وہ ان کو جنت میں داخل نہیں کرے گا اور اس کی نعمتیں انہیں نہیں چکھائے گا۔ ایک عادی شراب نوش۔ دوم سود خور۔ سوم یتیم کا ناحق کے ساتھ مال کھانے والا چہارم والدین کا نافرمان۔

تجارتی سود

اسلام نے مروجہ ربوا کے مفہوم میں یہ اضافہ کیا کہ تجارتی کاروبار کی بعض اقسام کو ربوا میں داخل کر دیا۔ حدیث میں آتا ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل یداً بید فمن زاد او استزاد فقد اربی الآخذ والمعطی فیہ سواء [2] حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونے کا تبادلہ سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے جو کا جو سے، چھوہارے کا چھوہارے سے، نمک کا نمک سے برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہیے۔ (ناپ اور تول میں بھی مساوی ہوں اور ادھار بھی نہ ہوں) جس شخص نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا تو اس نے سودی کاروبار کیا۔ لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔

---

[1] رواہ الحاکم [2] مسلم

Marfat.com

ایک اور حدیث اس کی وضاحت کرتی ہے۔ حضرت اسامہؓ کی روایت ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا لا ربا الا فی النسیئۃ یعنی ربا صرف اُدھار میں ہے۔

اس حدیث میں مختلف تجارتوں میں سود کی مختلف صورتوں سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ مثلاً کسی شخص کو سونا اس شرط پر دیا جائے کہ وہ کچھ مدت کے بعد اس سونے کی زیادہ مقدار ادا کرے گا یا گندم اس شرط پر دی جائے کہ وہ زیادہ گندم واپس کرے گا۔ یہ درحقیقت سودی کاروبار ہے۔ گو اس کو ظاہراً تجارت کی شکل دی گئی ہے۔ ہاں اگر مقروض اپنی مرضی سے قرض خواہ کو زیادہ دے دے تو وہ سود نہیں ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کا قرض ادا کرنا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائیگی کی تو قرض خواہ کو زیادہ دے دیا۔ اس قسم کی زیادتی عطیہ ہے جو مقروض بطیب خاطر دیتا ہے۔

مخابرہ

مخابرہ بٹائی کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ زمیندار کسی مزارع کو اپنی زمین اس معاہدے پر دے کہ وہ اس کو غلہ کی ایک خاص مقدار دیا کرے گا۔ خواہ اس کی پیداوار کم ہو یا زیادہ یا بالکل نہ ہو یہ معاملہ مخابرہ کہلاتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی بٹائی کو ربوا کی ایک شکل قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ من لم یذر المخابرۃ فلیوذن بحرب من اللہ ورسولہ [1]

جو شخص مخابرہ نہ چھوڑے وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سُن لے کیونکہ اس قسم کی بٹائی میں کاشتکار کو نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ کسی آسمانی آفت کی وجہ سے فصل تباہ ہو جائے یا اور کسی وجہ سے پیداوار کم ہو جائے۔ زمیندار نے معاہدہ کے مطابق ہر صورت میں مقررہ مقدار حاصل کرنی ہے۔ ممکن ہے کاشتکار کے پاس کچھ بھی نہ بچے۔ اس وجہ سے مخابرہ کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بھی سود کی ایک شکل ہے۔

نفع اور ربا میں فرق

نفع اور ربا (سود) میں بہت نمایاں فرق ہے۔ نفع کا دارومدار بیع و شرا پر ہوتا ہے اور متعاقدین کے مابین تعاون اور حقیقی رضا کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ربا وہ زیادتی

---

[1] ابوداؤد و کالم

Marfat.com

اور بڑھوتری ہے جو بغیر کسی مالی معاوضہ کے حاصل کی جاتی ہے اور طرفین کی رضا اور باہمی تعاون مفقود ہوتا ہے۔ قرض دار محض مجبوری کی بنا پر سرمایہ دار سے مال لیتا ہے اور اپنی ضرورت کو پورا کرتا ہے بیع و شراء کے ذریعہ نفع حاصل کرنے سے محنت کرنی پڑتی ہے اور سود میں محنت کرنی نہیں پڑتی

حرمت سود کی وجوہ

پہلی وجہ: اخلاقی گراوٹ

سود کی حرمت کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ [1] جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر اس طرح جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے۔ جسے شیطان نے چھو کر بچھاڑ دیا ہو۔

اس آیت کریمہ میں سود خوار کی ذہنی حالت بیان کی جاتی ہے۔ وہ مال و دولت کی محبت میں دیوانہ ہو جاتا ہے اور اسی دیوانگی میں شرف انسانیت سے گر جاتا ہے۔ یہ الفاظ مبنی بر حقیقت ہیں کہ سود خوار عام اسانی انسانی کی اعلیٰ صفات سے عاری ہو جاتے ہیں۔ ان کا ایک ہی محور ہوتا ہے وہ دولت ہے۔ اس کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ اور اس کی پوجا کرتے ہیں۔ سود خوار خود غرضی میں یہاں تک ترقی کر جاتا ہے کہ وہ اپنے مقروض کو فاقہ کشی تک پہنچانے سے بھی تامل نہیں کرتا۔

دوسری وجہ: محنت کی بے توقیری

معاشیات کی اصطلاح کے مطابق پیدائش دولت کا سب سے اہم عامل پیدائش دولت محنت ہے۔ اسلام نے اس عامل پیدائش دولت پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی [2] اور کہ انسان کے لئے کچھ نہیں مگر وہ جو وہ کوشش کرتا ہے۔ اور کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

انسان کو اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کی غرض سے محنت، کوشش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

---

[1] البقرہ ۲: ۲۷۵ [2] النجم ۵۳: ۳۹-۴۱

Marfat.com

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ؁ یقیناً ہم نے انسان کو مشقت کے لئے پیدا کیا ہے۔ سُود خوری جذبہ محنت کو مفلوج کر دیتی ہے اور انسان کو مُفت خوری کا عادی بنا دیتی ہے سرمایہ دار گھر بیٹھے سرمایہ سُود پر دے کر لاکھوں روپے حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت امام رازیؒ لکھتے ہیں۔

"دوسری عقلی دلیل بعض علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سُود کو صرف اس وجہ سے حرام کیا ہے کہ یہ سُود لوگوں کو روزی کمانے کے (جائز اور فطری) ذرائع میں مشغول ہونے سے روک دیتا ہے۔ اس لئے کہ جب (مثلاً) ایک درہم کے مالک کو سودی لین دین کے ذریعہ (بے محنت و مشقت) دو درہم نقد یا اُدھار حاصل کرنے کی قدرت میسر آجاتی ہے تو فطری ذرائع معاش سے روزی کمانے کی اس کی نظر میں کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔ پھر وہ روزی کمانے کی مشقت اُٹھانے کی تجارت یا محنت طلب و دشوار صنعت و حرفت اختیار کرنے کی ور دوسری مول لینے اور مشقت اُٹھانے کے پاس بھی نہیں پھٹکتا۔ اور اس فرار و گریز کے نتیجہ میں مخلوق کا معاشی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ معاشی اور تمدنی زندگی کا نظام زراعت و تجارت، صنعت و حرفت (جیسے محنت طلب کاموں) اور معاشی تعمیر و ترقی کے (فروغ) سے ہی وابستہ ہے ؂

تیسری وجہ: طبقاتی کشمکش

سُود کی وجہ سے سرمایہ دار طبقہ امیر سے امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے اور سرمایہ چند ہاتھوں میں اکٹھا ہو جاتا ہے۔ جب سرمایہ ایک دفعہ کسی کے ہاتھ میں آجاتا ہے تو سرمایہ داری نظام میں کوئی ایسا اصول نہیں جس سے سرمایہ محنت کشوں کی طرف لوٹایا جا سکے۔

اس وجہ سے محنت کش غریب سے غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مزدور اپنے افلاس سے تنگ آکر سرمایہ داروں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔

چوتھی وجہ: اکتناز

سرمایہ دار شرح سُود کو بڑھانے کے لئے سرمایہ کا ایک بڑا حصہ روک لیتا ہے جس وجہ سے ضرورت مند تاجر مجبور ہوتا ہے کہ وہ زیادہ شرح سُود سے قرض لے کر اپنا کاروبار چلائے بعض

؂ البلد - ۹۰ : ۴ ؂ تفسیر کبیر ج ۲

Marfat.com

اوقات کاروبار میں ایسے مواقع بھی آجاتے ہیں کہ تاجر اپنے کاروبار کو خسارے سے بچانے کے لئے زیادہ شرح سود پر قرض لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ سرمایہ دار اس قسم کے مواقع کی تاک میں ہوتے ہیں۔ جونہی کسی صنعت کار کو اس قسم کی تجارتی نازک حالت میں دیکھتے ہیں وہ سرمایہ کو روک لیتے ہیں۔ صنعت کار مجبوراً زیادہ سے زیادہ شرح سود پر قرض لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جب صنعت کار زیادہ شرح سود پر قرض لے گا تو وہ مجبوراً اشیاء کی قیمتیں زیادہ مقرر کرے گا۔ اس طرح بھاری شرح سود کا اثر غریب عوام پر پڑے گا۔ اس سے ملکی تجارت وصنعت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور عوام کی معاشی حالت بھی خراب ہو جاتی ہے۔

پانچویں وجہ: کاروباری چکر (TRADE CYCLE)

سرمایہ دار تاجر کو سرمایہ دیتے وقت یہ اندازہ لگاتا ہے کہ اس کو کاروبار میں کتنا نفع ہوگا اس نسبت سے سرمایہ دار سود کی شرح کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ بعض اوقات منافع کا اندازہ لگانے میں مبالغہ کر جاتا ہے اور تاجر خسارے سے خائف ہو کر بھاری شرح پر قرض لینے سے رُک جاتا ہے۔ اس طرح دائن اور مدیون کی اس کشمکش سے سرمایہ بیکار پڑا رہتا ہے اور آخر کار سرمایہ دار مجبوراً شرح سود کو گھٹا دیتا ہے اور سرمایہ بازار میں آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہی وہ کاروباری چکر ہے جس سے سرمایہ دار اور تاجر پریشانی میں مبتلا ہیں۔

چھٹی وجہ: تجارتی بدعنوانیوں کا فروغ

سود تجارتی بدعنوانیوں کو فروغ دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک شخص اپنی تجارتی اسکیموں کے لئے سرمایہ ایک خاص شرح کے مطابق دس سے بیس سال کے لئے قرض لیتا ہے۔ اس کو یہ علم نہیں ہوتا کہ مستقبل میں بازار کے نرخ میں کیا اُتار چڑھاؤ ہوگا۔ لیکن قرض دار طے شدہ شرح کے مطابق سود دینے پر مجبور ہے۔ اگر چند سالوں کے بعد قیمتیں گر جائیں تو قرض دار کو سود کی رقم دینے میں نہ صرف ناگواری ہوگی بلکہ وہ ادا کرنے کے بھی قابل نہ رہے گا۔ اس ارزانی کے دو نتیجے نکلیں گے۔ یا تو قرض دار سود کی رقم ادا کرنے کے لئے تجارتی بدعنوانیوں کا شکار ہوگا۔ مثلاً اشیاء کی تیاری میں خام مال گھٹیا لگا کر زیادہ قیمت وصول کرے گا۔ حکومت کے ٹیکسوں سے بچنے کے لئے غلط حساب رکھے گا۔ یا اس کا دیوالیہ نکل جائے گا۔

ساتویں وجہ: غلط سرمایہ لگانا۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک تاجر کسی سرمایہ دار سے بھاری شرح پر قرض لے لیتا

Marfat.com

ہے۔ اپنے سرمایہ کو خسارے سے بچانے کے لئے اس کاروبار میں سرمایہ لگاتا ہے جو اخلاقی سوز اور شرعی اعتبار سے ناجائز ہوتا ہے۔ مثلاً فلم سازی حرام اشیاء کی تجارت وغیرہ کیونکہ اس کو یہ امید ہوتی ہے کہ اس قسم کے کاروبار میں اس کو زیادہ نفع ہوگا۔ اگر اس نے انسانوں کی طبعی مانگ والے کاروبار میں سرمایہ لگایا تو اس کو فائدہ نہیں ہوگا۔ سود کی اس بھاری شرح کی وجہ سے اس تاجر نے ملکی مفاد کو پس پشت ڈال کر محض خودغرضی کی بناء پر غلط کاروبار میں سرمایہ لگایا ہے۔

آٹھویں وجہ: جنگ

اگر دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ دنیا میں جنگوں کا دارومدار سودی روپیہ پر ہے۔ یہی وجہ ہے۔ قرآن مجید میں جنگ[1] کے ذکر کے ساتھ ہی حرمت سود کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ان اکثر اموال المشرکین کانت قد اجتمعت من الربا و کانوا ینفقون تلک اموال علی العساکر یعنی اکثر مال مشرکوں کے سود سے جمع ہوتے تھے۔ اور یہی جمع شدہ مال وہ لشکروں پر صرف کرتے تھے۔ جب کسی حکومت کو سود پہ کثرت کے ساتھ روپیہ ملتا ہے تو وہ بغیر ضرورت اور بغیر قوم کی خواہش کے جنگ کا صور بجا دیتی اور تمام قوم جنگ کی لپیٹ میں آجاتی ہے اگر سود کو ختم کر دیا جائے تو کوئی حکومت بھی اس وقت تک جنگ نہیں کرے گی جب تک اس کا وجود معرض خطر میں نہ ہو۔ اس وقت تمام قوم اپنا مال اور اپنی طاقت جنگ میں لگائے گی۔ اگر قوم اپنا مال اور طاقت لگانے کے لئے تیار نہ ہوگی۔ نہ حکومت کو یہ جرأت پیدا ہوگی کہ وہ قوم کی خواہش کے بغیر جنگ چھیڑ دے۔ پس حرمت سود جنگوں کے انسداد اور قیام امن کا ایک ذریعہ ہے۔

نویں وجہ: اللہ سے انحراف

سود خوار اپنے آپ کو ہی اصلاً ہر چیز کا مالک اور اخلاقی شرعی قیود سے آزاد خیال کرتا ہے۔ عملاً خدا کے حق ملکیت کی نفی کرتا ہے۔ یہ خیال سود خوار کو اللہ اور معاشرے کا باغی بنا دیتا ہے نہ وہ حقوق اللہ کی پرواہ کرتا ہے اور نہ حقوق العباد کی۔ اس کو صرف ایک ہی فکر دامنگیر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ کس طرح وہ اپنا خزانہ لوگوں کا خون چوس کر بھرے۔ اس کا معبود صرف دولت ہوتی ہے اس کے حصول کے لئے دن رات حرص و لالچ کی تیرو تار وادی میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ یہ وہ افراد ہیں جن کا دائرہ سود انفرادی قومی اور بین الاقوامی

---

[1] سورۃ آل عمران میں غزوہ احد اور غزوہ احزاب کے ذکر کے بعد حرمت سود کا ذکر ہے۔

Marfat.com

سطح پر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ وہ افراد کو بھی قرضے دیتے ہیں، حکومتوں کو بھی قرضے دیتے ہیں۔ اور اپنے ملک باہر بھی قرضے دیتے ہیں۔ انفرادی زندگی سے لے کر بین الاقوامی انسانی زندگی تک سُود خوار چھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس سے ایک ایسا نظام جنم لیتا ہے جو انسانیت کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

دسویں وجہ: بین الاقوامی مصائب

ایک زمانہ تھا جب قرضے سُود پر صرف انفرادی اور مُلکی سطح پر دیئے جاتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دُنیا ایک عالمگیر برادری کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ دورِ حاضرہ میں دُنیا کی تمام اقوام ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئی ہیں۔ رسل و رسائل نے دُنیا کی ہر قوم کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے اور ہر ملک کو اپنی ضروریات پُوری کرنے کے لئے دوسرے ملک کی مدد ضروری ہوتی ہے ترقی پذیر ملک اپنے تعمیری منصوبوں کی تکمیل کے لئے بیرونی حکومتوں یا بین الاقوامی بازار زر کے ساہوکاروں سے سُود پر قرض لیتے ہیں۔ تاکہ ان کے وسائل جلد ترقی کر جائیں اور ملک ترقی کی شاہراہ پر چل پڑے۔ ان بیرونی قرضوں سے ترقی پذیر ملک کی معاشی حالت تباہ و برباد ہو جاتی ہے ہر سال قرض خواہ ملک کو سُود کی ایک بھاری رقم ادا کرنے کے لئے عوام پر بھاری ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں۔ اس کے دو نتیجے نکلتے ہیں۔ ایک نتیجہ نکلتا ہے کہ ترقی پذیر ملک کے عوام میں بے چینی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ عوام حکومت اور سرمایہ داروں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ایک خونی انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرض دار اور قرض خواہ ممالک کے مابین عداوت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے اور نوبت لڑائی تک پہنچ جاتی ہے۔

ان بین الاقوامی قرضوں کا سب سے بڑا نقصان یہ بھی ہوا ہے کہ ہر ترقی یافتہ ملک ترقی پذیر ممالک کو اپنے قرضوں کے جال میں پھنسانے کے لئے کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے بڑی طاقتوں کے درمیان حسد اور دشمنی پیدا ہو گئی ہے۔ بڑی طاقتیں کمزور ملک میں اپنا سرمایہ لگانے کے لئے سازشوں کا ایک جال بچھا دیتی ہیں۔ اور کمزور ملک ان سازشوں کے جال سے رہائی حاصل نہیں کر پاتے۔ اب ترقی پذیر ملک ترقی کرنے کی بجائے تنزل کی طرف جا رہے ہیں اور اپنی اقتصادی اور سیاسی آزادی کھو بیٹھتے ہیں۔

قمار بازی

جوئے کے ذریعہ دولت کمانا حرام ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا

Marfat.com

الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [1] اے لوگو جو ایمان لائے ہو شراب اور جوا اور بُت اور پاسے ناپاک کام صرف شیطان کے عمل سے ہیں۔ سو اس سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو۔

تقسیم دولت کی راہیں

صدقات

صدقات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک لازمی جس کا نام اسلامی اصلاح میں زکوٰۃ ہے جو ہر سال ادا کی جاتی ہے۔ زکوٰۃ سوسائٹی کا ایک شرعی حق ہے جو ایک صاحب نصاب فرد پر فرض ہوتا ہے تاکہ ضرورت مند لوگوں کی ضروریات اور احتیاجات پوری ہو سکیں، تمام ماہرین عمرانیات اس امر پر متفق ہیں کہ سوسائٹی کی بقا اور ارتقا کا دارومدار غربت اور افلاس کو ختم کرنے پر ہے۔ جس سوسائٹی میں غربت اور افلاس ہوتی ہے وہاں طبقاتی جنگ چھڑ جاتی ہے۔ جس سے سوسائٹی کا اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اسلام سوسائٹی کو طبقاتی جنگ سے نجات دلانے کے لئے امراء پر ایک لازمی ٹیکس عائد کرتا ہے۔ تاکہ ان سے لے کر غرباء کی حالت سدھاری جائے۔ غربت اور افلاس سے صرف سوسائٹی کا امن ہی برباد نہیں ہوتا بلکہ غریب انسان کے اخلاق اور ایمان بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ [1] اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ [2] اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ (التوبہ ۹ : ۱۰۳) ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے لے۔ تاکہ اس سے تو انہیں پاک صاف کرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا زکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول [3] کسی مال پر زکوٰۃ نہیں جب تک کہ اس پر سال نہ گزر جائے

---

[1] البقرہ ۲ : ۴۳ [2] المائدہ ۵ : ۵۵ [3] سنن ابن ماجہ کتاب الزکوٰۃ

Marfat.com

اذا ادیت زکوٰۃ مالک فقد قضیت ما علیک [1] جب تو نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی تو تو نے اپنا حق جو تجھ پر تھا ادا کر دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد عرب کے لوگ منکر زکوٰۃ ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ ان لوگوں سے کیونکر لڑ سکتے ہیں؟ جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں "امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فمن قالھا فقد عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ تعالیٰ" یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں پس جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہہ دے تو بے شک اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچا لی۔ مگر بحق اسلام اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال، واللہ لو منعونی عناقاً کانوا یودونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعھا" [2]

خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق سمجھے کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم اگر وہ ایک بھیڑ کا بچہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیا کرتے تھے نہ دیں گے تو میں اس کے نہ دینے پر ضرور ان سے جنگ کروں گا۔

دوسری قسم طوعی صدقات

دوسری قسم طوعی ہے۔ یعنی ایک دولتمند جتنا چاہے غربا اور مساکین کو دے۔ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً (فاطر ۳۵: ۲۹) اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرو۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ (البقرہ ۲: ۲۷۴) جو لوگ رات اور دن چھپ کر اور ظاہر اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ [3] اور ان کے مالوں میں سوالی اور نہ مانگنے والے محتاج کا حق ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الزکوٰۃ۔ [2] بخاری کتاب الزکوٰۃ [3] الذّٰریٰت ۱۹:۵۱۔

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًی لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ [1] وہ لوگ جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے پیچھے جو خرچ کیا نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دُکھ دیتے ہیں ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لیس المومن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ۔ ایسا شخص مومن نہیں ہے جو خود تو سیر ہو کر سوئے اور اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

فرماتے ہیں۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک انسان سے پوچھے گا۔ اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی بندہ حیران ہو کر کہے گا بھلا ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے اور تو تو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ خدا فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی۔ اگر تو اُس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اسی طرح خدا فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کریگا بھلا ایسے کیوں کر ہو سکتا ہے میں تجھے کیسے کھلا سکتا۔ آپ تو خود رب العالمین ہیں۔ خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ فلاں میرے بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے کھلانے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر تو اُسے کھانا کھلاتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔ ایسے ہی خدا فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے پیاس لگے تو تو خود تمام جہانوں کا پالن ہار ہے۔ خدا فرمائے گا۔ میرے فلاں پیاسے بندے نے تجھ سے پانی مانگا۔ لیکن تو نے اسے پانی نہیں پلایا۔ اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو تو اُسے میرے پاس پاتا [2]

ورثہ

قرآن مجید نے متوفی کے تمام قریبی ورثاء کے حصص مقرر کر دئے ہیں تاکہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

---

[1] البقرہ ۲:۲۶۲　[2] مسلم عن ابی ہریرہ

Marfat.com

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا [1] اور سب کے لئے اس میں جو کچھ وہ چھوڑے ہم نے ماں باپ اور قریبی وارث بنائے ہیں اور جن سے تمہارے داہنے ہاتھوں نے عہد باندھے ہیں تو ان کو ان کا حصہ دو۔ اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا [2] اور مردوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو اُن کے والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں اور عورتوں کے لئے ایک حصہ ہے۔ جو اُن کے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں۔ خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت مقررہ حصہ۔

کفارات

غرباء تک دولت کے پہنچانے کا ایک ذریعہ کفارات ہیں۔ کوئی شخص بلا عمد کسی مسلمان کو قتل کر دے یا قسم کھا کر اسے توڑ دے۔ رمضان کے مہینے میں روزہ رکھ کر توڑ دے یا اپنی بیوی سے ظہار کرے تو ان صورتوں میں مال کا ایک حصہ غرباء کے لئے خرچ کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

صدقۃ الفطر

عید الفطر کے موقع پر صاحب نصاب لوگوں پر محتاجوں کے لئے صدقۃ الفطر دینا واجب قرار دیا گیا ہے۔ نماز عید کو جانے سے پہلے فی کس پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ضرورتمندوں پر خرچ کریں۔ یہ رقم صرف اپنی طرف سے نہیں بلکہ گھر کے ہر فرد کی طرف سے نکالی جاتی ہے

نفقات

اسلام نے ہر انسان پر کچھ ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ وہ اپنے اقرباء کی معاشی کفالت کرے۔ بعض ذمہ داریاں تو وہ ہیں جو واجب ہیں۔ مثلاً بیوی۔ اولاد۔ والدین کی کفالت کرنا۔ بعض ذمہ داریاں معاشی خوش حالی کے ساتھ مشروط ہیں کہ اپنے خاندان کے دور کے نادار رشتے داروں کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

---

[1] النساء ۴ : ۳۳ - [2] النساء ۴ : ۷

Marfat.com

ارشادِ الٰہی ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ [1] مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔ اور اس لئے کہ انہوں نے اپنے مالوں میں سے کچھ خرچ کیا ہے

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ [2] اور چھوٹا بچہ ہے اس پر اچھے طور پر ان کا کھانا اور ان کا کپڑا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ [3] تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہ جو کچھ بھی اچھے مال سے خرچ کرو۔ وہ ماں باپ اور قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لئے ہے اور جو کچھ بھی تم نیکی کرو گے تو اللہ اسے جانتا ہے۔

عشر

عشر ان اراضیات کی پیداوار پر واجب ہے جو بارش سے سیراب ہوں۔ چونکہ اس پیداوار میں محنت کا دخل نسبتہً کم ہوتا ہے۔ اس کی شرح ۵ء۲ کی بجائے ۱۰ فیصد رکھی گئی ہے۔

وہ زمین جو محنت سے سیراب ہوتی ہو تو کل پیداوار کا بیسواں حصہ وہ وصول کیا جائے گا۔

خراج و جزیہ

خراج ایک قسم کا زمینی لگان ہے جو صرف ان اراضیات پر عائد کیا جاتا ہے۔ جو خراجی ہوں۔

جزیہ وہ ٹیکس ہے جو ذمیوں سے ان کی جان اور آبرو کی حفاظت کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔

وصیت: مالک جائیداد کو یہ اجازت ہے کہ وہ جائز ورثاء کے علاوہ خیراتی کاموں

---

[1] البقرہ ۲: ۳۴ [2] البقرہ ۲: ۲۳۳ [3] البقرہ ۲: ۲۱۵

Marfat.com

کے لئے بھی وصیت کرے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ [1] تم پر جب تم سے کسی کے لئے موت آموجود ہو عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے اگر وہ بہت سا مال ماں باپ کے لئے اور قریبیوں کے لئے چھوڑے یہ متقیوں پر لازم ہے۔

وقف

قانون میں وقف کے معنی ہیں دائمی طور پر کسی جائداد کو افراد کی افادیت کے لئے یا مذہبی یا دوسرے خیراتی کاموں کے لئے مخصوص کر دی جائے۔ احادیث میں وقف کی کئی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت ابو طلحہ نے ایک وقف قائم کیا تھا جس کی آمدان کے نادار اور مفلس رشتے داروں پر صرف کی جاتی تھی۔ اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت کیا گیا تھا۔ [2]

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر رض نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ایک وقف اپنے غریب اور امیر رشتے داروں اور مہمانوں کے لئے قائم کیا تھا۔ [3]

ضروریات سے زائد مال خرچ کرنے کی تعلیم

مندرجہ بالا مدات میں خرچ کرنے کے بعد بھی اگر کسی کے پاس دولت بچ جاتی ہے تو اس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ [4] وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دیجئے کہ جو کچھ ضروریات سے زیادہ ہو۔

انفرادی ملکیت کی حدود

سرمایہ داری نظام میں مالک کو اپنی ملکیت پر بے قید اور غیر محدود حقوق حاصل ہیں۔ جیسا جان اسٹن نے ملکیت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

---

[1] البقرہ ۲: ۱۸۰ [2] بخاری کتاب الوصایا باب اذا وقف او وصی لاقاربہ [3] بخاری کتاب الوصایا باب الوقف للغنی والفقیر والضیف [4] البقرہ ۲: ۲۱۹

Marfat.com

"اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے یہ کسی متعین شے پر ایک حق کی نشان دہی کرتا ہے جو استعمال کے اعتبار سے غیر محدود اور تصرف و انتقال کے اعتبار سے بے قید ہے"۔[1] لیکن اسلام میں مالک نیابتاً اس میں تصرّف کرنے کا حق رکھتا ہے کیونکہ اسلام کی رُو سے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡہِ[2] اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔

اسلام نے حق استعمال و تصرّف پر چند قیود عائد کی ہیں۔ اس کو احادیث میں حجر کہا گیا ہے جس کے لفظی معنی ہیں "وہ جو ممنوع ہے"

اسراف اور تبذیر کی ممانعت

کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ[3] کھاؤ اور پیو اور زیادہ نہ کرو اور وہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

وَ لَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا ۔ اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ[4] اور بے جا خرچ کرکے مال ضائع نہ کر۔ بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

وَ لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَ لَا تَبۡسُطۡہَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا[5] اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حسد سے زیادہ کھول ورنہ تو ملامت کیا ہوا اور درماندہ ہو کر بیٹھ رہے گا۔

وَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَ لَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَ کَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا[6] اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ موقع پر تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دو حالتوں کے درمیان اعتدال پر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "کھاؤ پیو۔ پہنو اور صدقہ کرو مگر اس میں اسراف اور گھمنڈ نہ ہو۔ اور ابن عباسؓ نے کہا ہے اسراف اور گھمنڈ سے بچتے ہوئے جو جی چاہے کھاؤ اور جو چاہو پہنو۔[7]

---

[1] مجلہ اسلام کا نظریۂ ملکیت حصہ اوّل مصنفہ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی ص ۱۱ [2] الحدید ۵۷: ۷
[3] اعراف ۷: ۳۱ [4] بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶ [5] بنی اسرائیل ۱۷: ۲۹ [6] الفرقان ۲۵: ۶۷
[7] بخاری کتاب اللباس۔

Marfat.com

ان من السراف ان تاکل ھل ما اشتھیت [1] یہ بات بھی اسراف میں داخل ہے کہ جس چیز کی بھی خواہش ہو اُسے کھا ہی لیا جائے۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ھاتین اللبستین المرتفعۃ والدون [2] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت قیمتی اور بہت گھٹیا لباس کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

مال کے ضائع کرنے کی ممانعت

بعض اوقات سرمایہ دار قیمتوں میں مصنوعی گرانی پیدا کرنے کے لئے اشیاء کے ذخیروں کے ذخیرے تباہ کر دیتے ہیں۔ اسلام مال کے ضائع کرنے کی سختی سے ممانعت کرتا ہے کیونکہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان امین ہے۔ امین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مال کو ضائع کرے۔

ارشادِ الٰہی ہے۔ وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ [3] اور جب حاکم بنتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا ہے کہ اس میں فساد ڈالے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں دولت کے ضائع کرنے کو فساد سے تعبیر کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اللہ کرہ لکم ثلاثاً قیل وقال واضاعۃ المال وکثرۃ السوال [4] اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے۔ قیل وقال کرنا۔ مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔

ایک اور روایت ہے۔ قال وکان ینھی عن قیل وقال وکثرۃ السوال و اضاعۃ المال ومنع وھات وعقوق الامھات و وأد البنات [5]

راوی کہتا ہے کہ آپ نے قیل وقال کرنے، بہت زیادہ سوالات دریافت کرنے، مال کو ضائع کرنے، خود نہ دینے اور دوسروں سے مانگنے۔ ماں کی نافرمانی کرنے اور بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا ہے۔

عیش وعشرت کی ممانعت

اسلام نے جہاں اسراف اور تبذیر سے منع کیا ہے وہاں عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے

---

[1] ابن ماجہ ابواب الاطعمہ [2] تلخیص الصحاح کتاب اللباس [3] البقرہ ۲ : ۲۰۵

[4] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قولہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافا [5] بخاری کتاب الرقاق

Marfat.com

سے بھی روکا ہے اور سادہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی ہے کیونکہ عیش پرستی کی زندگی اپنے ساتھ بے شمار مصائب لاتی ہے۔ اللہ کے ذکر سے روک دیتی ہے۔ انسان کو انسان سے جدا کر دیتی ہے انسان کو محنت جیسے قیمتی جوہر سے محروم کر دیتی ہے اور قوم کی معتد بہ دولت غیر طبعی مانگ پہ خرچ ہو جاتی ہے۔ یہ وہ موذی امراض ہیں جس سے سوسائٹی کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ اس وجہ سے اسلام نے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعث بہ الی الیمن قال ایاک والتنعم فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین [1]

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن بھیجا تو فرمایا۔ خبردار عیش و تنعم کی زندگی بسر کرنے سے بچنا۔ کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔

شرار امتی الذین ولدوا فی النعیم وغذوا بہ یاکلون من الطعام الوانا ویلبسون من اللباس الوانا ویرکبون من الدواب الوانا ویتشدقون فی الکلام [2] میری امت کے بدترین وہ افراد ہیں جو نعمتوں کی آغوش میں پیدا ہوئے اور اسی میں پروان چڑھے اور طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں قسم قسم کے کپڑے پہنتے ہیں۔ قسم قسم کی سواریاں استعمال کرتے ہیں۔ اور بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے آذربائیجان کے والی کے نام خط بھیجا اس میں لکھا۔

ایاکم والتنعم وزی اهل الشرک ولبوس الحریر [3]......

خبردار عیش کوشی سے بچو اور مشرکین کی وضع قطع اور ریشمی لباس پہننے سے۔ اسلام نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے اور دیباج اور ریشمی کپڑے پہننے سے اسی وجہ سے منع کیا ہے۔ تاکہ انسان عیش و عشرت کی زندگی میں پڑ کر مقصد حیات سے دور نہ جا پڑے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

حرم لباس الحریر والذهب علی ذکور امتی واحل لاناثهم [4]

---

[1] مشکوٰۃ باب فضل الفقراء [2] الحاکم مستدرک [3] سیرۃ عمر ابن الخطاب از جمال الدین ابو الفرج ابن الجوزی ص۱۲۱ [4] ترمذی ابواب اللباس باب ما جاء فی الحریر والذهب للرجال

Marfat.com

میری اُمت کے مردوں پر ریشمی لباس اور سونے کا استعمال حرام کر دیا گیا ہے اور عورتوں کے لئے جائز ہے

لا تلبسوا الحریر ولا الدیباج ولا تشربوا فی انیة ولا الفضة ولا تاکلوا فی صحافها فانها لهم فی الدنیا[۱] ریشم اور دیباج کے کپڑے نہ پہنو سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو اور نہ بڑے بڑے پیالوں میں کھانا کھاؤ۔ یہ سب چیزیں دنیا کی زندگی میں دُنیا پرستوں کے لئے ہیں۔

مضرت رساں استعمال ملکیت کی ممانعت

اسلام اخوت اور مودت کا پیغام لے کر آیا ہے وہ کسی صاحب ملک کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی دولت کو اس طرح استعمال کرے جس سے دوسرے افراد یا سوسائٹی کو نقصان پہنچے۔ حدیث میں آتا ہے

عن عبادہ بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی ان لا ضرر ولا ضرار[۲] حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ نہ خود نقصان اٹھاتا ہے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے۔

عن ابی بکر الصدیق قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملعون من ضار مومن او مکربه[۳] حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کو دھوکا دے۔

لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام[۴] اسلام میں نہ خود نقصان اٹھاتا ہے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے۔

فقہاء اسلام نے اس اصول کو قانونی شکل میں بیان کیا ہے کہ مالک حسب منشاء اپنی املاک میں تصرف کر سکتا ہے لیکن ایسا تصرف نہیں کر سکتا کہ جس سے اس کے پڑوسی کو نقصان پہنچتا ہو۔

چنانچہ امام فخر الدین زیلعی رقمطراز ہیں۔

---

[۱] مسلم کتاب اللباس والزینة۔ [۲] ابن ماجہ کتاب الاحکام [۳] ترمذی ابواب البر والصلة [۴] موطا امام مالک و دارقطنی

Marfat.com

"ہر آدمی کو اپنی ملکیت میں حسب منشا تصرف کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ جب تک اس سے دوسروں کو واضح نقصان نہ پہنچ رہا ہو۔" [1]

اپنے اور متعلقین کے گذارہ کے لئے کافی نہ ہونے کی صورت میں خیرات سے ممانعت

مال کا ضیاع صرف تبذیر، اسراف اور مصنوعی گرانی کے لئے تلف کرنے سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اپنے اور متعلقین کے گذارے کے لئے کافی نہ ہونے کی صورت میں خیرات کرنے اور نابالغ بچے کے سپرد مال کا انتظام کرنے سے بھی ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام نے عسرت والے کو خیرات کرنے سے اور نابالغ بچے کے سپرد مال کا انتظام والصرام کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ بخاری کے ایک باب کا یہ عنوان ہے۔

لا صدقة الا عن ظهر غنی ومن تصدق وهو محتاج او اهله محتاج او عليه دين فالدين احق ان يقضى من الصدقة والعتق والهبة وهو رد عليه ليس له ان يتلف اموال الناس وقال النبی صلی الله عليه وسلم من اخذ اموال الناس يريد اتلافها اتلفه الله الا ان يكون معروفا بالصبر فيؤثر على نفسه ولو كان به خصاصة [2] صدقہ وہی ہے جو غنا کے ہوتے ہوئے دیا جائے اور جو شخص صدقہ دے اور وہ یا اس کے ہاں بچے محتاج ہوں۔ یا اس پر قرضہ ہو۔ تو قرضہ ادا کرنا۔ صدقہ اور غلام کے آزاد کرنے اور ہبہ پر مقدم ہے اور وہ اس پر واپس کر دیا جائے گا۔ اس کا یہ حق نہیں کہ لوگوں کا مال برباد کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو لوگوں کا مال لے کر تباہ کرنا چاہے تو اللہ اسے ہلاک کر دے گا ہاں جب صبر کے لئے مشہور ہو تو اگرچہ وہ تنگی کی حالت میں اپنے اوپر محتاج کو مقدم کر سکتا ہے۔

اسلام کی تعلیم کتنی اعلیٰ اور فطرت کے مطابق ہے ایک طرف صدقات پر بہت زور دیا ہے۔ دوسری طرف عسرت والے کو حکم دیا ہے۔ کہ اگر اس کے پاس اپنے لئے اور متعلقین کے گذارہ کے لئے کافی نہیں ہے تو وہ خیرات نہ کرے ایسا نہ ہو کہ خیرات کر دینے سے

---

[1] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد ۴ صـ ۱۹۶

[2] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب لا صدقۃ الا عن ظهر غنی

Marfat.com

وہ خود اور اس کے متعلقین نان و نفقہ کے محتاج ہو جائیں اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جائیں۔ اسلام نے عسرت کی حالت میں صدقہ کرنے کو تضییع مال کہا ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ کرہ لکم ثلاثا قیل وقال واضاعۃ المال وکثرۃ السوال [1] اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین کام ناپسند کرتا ہے۔ فضول باتیں کرتے رہنا، مال کو تباہ کرنا اور زیادہ مانگنا۔

بخاری میں آتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ میری توبہ کا ایک جزو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے صدقہ کرتا ہُوا اپنے سارے مال سے الگ ہو جاؤں۔ رسول کریم صلعم نے فرمایا۔ اپنے مال میں سے کچھ اپنے پاس رہنے دے وہ تیرے لئے بہتر ہے۔ حضرت کعب بن مالک نے جواب دیا کہ میں اپنا خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھتا ہوں۔ فقہاء سلف کی بھی یہ رائے ہے۔ اگر کوئی شخص کسی نیک کام میں واجب الادا حقوق کو نظر انداز کر کے حدِ اعتدال سے زیادہ خروج کرے تو اس پر حجر عاید کیا جا سکتا ہے۔

فاترالعقل اور نابالغ کو انتظام مال سپرد کرنے کی ممانعت

فاترالعقل اور نابالغ بچوں کے سپرد اموال کا انتظام و انصرام کرنے کی بجائے ایک ولی مقرر کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اپنے اموال ضائع نہ کر دیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا ۚ وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا [2]

اور یتیموں کا احتساب لیتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ تب اگر تم

---

[1] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافا الخ

[2] النساء ۴ : ۶

Marfat.com

ان میں عقل کی پختگی پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور فضول خرچی سے اور جلدی کر کے ان کو کھا نہ جاؤ۔ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔ اور جو آسودہ ہے چاہیئے کہ وہ بچا رہے اور جو حاجت مند ہے وہ مناسب طور پر لے لے۔ پھر جب تم ان کے مال اُن کے حوالے کرو تو ان پر گواہ کر لو اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔

دوسری جگہ آتا ہے لَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ [۱] یعنی تم ناقص العقل لوگوں کو اپنے مال نہ دو۔

بلوغت کی عمر میں فقہاء کا اختلاف ہے حنفی فقہ کی رو سے لڑکوں کی بلوغت کی عمر ۱۸ سال اور لڑکیوں کی عمر ۱۷ سال ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں پندرہ سال ہے [۲]۔

صحیح مسلک یہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں لفظ رشد سے ظاہر ہے کہ جب بچہ سن تمیز کو پہنچ جائے خواہ پچیس سال پر یا اس سے قبل یا اس کے بعد پہنچے۔ اور اس سے دولت کے ضائع کرنے کا اندیشہ نہ رہے تو مال اس کے حوالے کر دینا چاہیئے۔

حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد شیبانی کا یہی مسلک ہے کہ بچہ میں علامت رشد ظاہر ہو خواہ پچیس سال پر ظاہر ہو۔ یا اس سے پہلے یا اس کے بعد ظاہر ہو۔ متذکرہ فقہاء کا یہ مسلک ہے اگر کوئی شخص عاقل بالغ ہوتے ہوئے اپنی دولت عیش و عشرت میں اُڑا رہا ہو تو وہ مقام سفاہت پر ہے۔ اس پر حجر عائد کرنا ضروری ہے حضرت امام شافعی اس مسلک کے حامی ہیں (ہدایہ کتاب الحجر)

انفرادی ملکیت کی حد بندی

زمین اور انفرادی حد ملکیت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام انفرادی ملکیت کو جائز قرار دیتا ہے لیکن شرائط اور قیود کے ساتھ یہی شرائط اور قیود معاشی نظام میں اعتدال اور توازن قائم رکھتی ہیں۔ ان قیود اور شرائط کے فقدان کے ساتھ ہی معاشی نظام میں راہ فساد کھلتی ہے کہ

---

[۱] النساء ۵ [۲] ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۳۴۱

Marfat.com

اسلام نے زمین کی انفرادی ملکیت کو کس حد تک تسلیم کیا ہے۔

اسلام ایک فطری اور ابدی دین ہے۔ جو زمان اور مکان کی قیود سے بالاتر ہے اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اصولی تعلیم موجود ہے۔ زمانہ کے حالات اور تقاضے کے مطابق زندگی کے مسائل کو اصولی تعلیم کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے انفرادی ملکیت کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ اور یہی حکیم و خبیر اللہ کی طرف سے نازل ہونے کی دلیل ہے۔ اگر یہ کتاب کسی انسان کے ذہن کی پیداوار ہوتی تو زمانہ کے حالات اور تقاضے کے مطابق کسی زرعی نظام کے بیان کی مرتکب ہو جاتی اور ابدی رہنمائی کی کتاب نہ رہتی اور حالات کے بعد اس کی تعلیم بیکار ہو جاتی۔

اسلام نے زمین کا ایک خاص مقصد بیان کیا ہے۔ اس مقصد کے تحت انفرادی ملکیت کی زمانہ اور حالات کے پیش نظر حد بندی کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سورۃ رحمٰن میں زمین کا مقصد ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ [۱] اور زمین کو مخلوق کے لئے رکھا ہے اور اس میں پھل ہے اور گابھوں والی کھجوریں اور بھس والا دانہ اور خوشبودار پھول تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ان آیات کریمہ میں زمین کا مقصد وحید یہ بیان کیا ہے کہ وہ مخلوق کے لئے اناج پھل پھول وغیرہ پیدا کرے۔ اس اصول کی روشنی میں زمانہ کے تقاضے کے مطابق زرعی نظام قائم کیا جائیگا۔

جاگیرداری اور اسلام

بعض علماء نے جاگیرداری نظام کو جائز قرار دیا ہے اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فتح عراق کے بعد اور

---

[۱] الرحمٰن ۵۵: ۱۰-۱۳

کسریٰ اور اس کے خاندان اور ان لوگوں کی زمینیں جو جنگ میں مارے گئے تھے ان مجاہدین کو دے دیں جو خدمات اسلامی میں ممتاز تھے۔

اگر یہ علماء قطیعہ کی تعریف اور زمانہ خلافت کے اقطاع کی صحیح شکل سے واقف ہوتے تو وہ کبھی بھی موجودہ جاگیرداری کے نظام کو جائز قرار نہ دیتے۔

تعریف

"مفاد عامہ کی خاطر غیر آباد زمین کو آباد کاری کے لئے کسی کو دینا اور موقع ضرورت اور مصلحت کے مطابق اس سے سرکاری ٹیکس وصول کرنا۔

علامہ انور کاشمیری فیض الباری میں قطیعہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

الاقطاع اعطاء الارض للاحیاء سواءٌ وجب علیہ فیہ العشر او الخراج [1]

اقطاع کسی کو آباد کاری کے زمین دینا خواہ اس میں عشر واجب ہو یا خراج۔

علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری فرماتے ہیں۔

قطائع قطیعہ کی جمع ہے۔ خلیفہ کے قطائع دینے کی یہ صورت ہے۔ جس شخص میں وہ صلاحیت دیکھے اسد کے اموال میں سے کچھ حصہ خلافت کی جانب سے اس کو عطا کر دے اکثر اس لفظ کا استعمال اراضی کے بارے میں آتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ یا تو زمین کی ذات اور منفعت دونوں کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔

۲۔ یا صرف زمین کی منفعت کا مالک بنا دیا جاتا تھا۔ ذات کا نہیں [2]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

وللسلطان اقطاعہ علی الملک وکذا علی عدمہ [3]

خلیفہ کو قطائع دینا جائز ہے چاہے وہ زمین کا مالک بنا دے۔ اور چاہے مالک نہ بنائے۔ صرف نفع اٹھانے کے لئے دے۔

احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے تین قسم کی اراضی حکومت کی جانب سے لوگوں کو بطور قطیعہ دی جاتی تھیں۔

---

[1] ج ۳ صفحہ ۳۰۸ [2] عمدۃ القاری ج ۲ ص ۷۶ [3] سوی ص ۵۰۴۔

Marfat.com

۱۔ بنجر زمین جو ویرانی اور سختی کی وجہ سے غیر مزروعہ چلی آتی تھیں۔ ایسی زمینوں کو آباد کرنے کے لئے خلافت نے لوگوں میں تقسیم کر دیا چنانچہ نقیع میں جو زمین حضرت زبیر کو دی گئی تھی وہ غیر مزروعہ اور غیر آباد تھی [۱]

۲۔ افتادہ زمین۔ جو قابل کاشت ہوتی تھیں۔ لیکن کسی وجہ سے آباد نہ ہوتی تھیں۔ حضرت بلال بن حارث کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی عتیق اسی زمین سے دی تھی۔[۲]

۳۔ خالصہ زمین:۔ اس میں مفتوحہ علاقوں کی وہ تمام اراضیات شامل ہوتی تھیں جو خلافت کے لئے خالصہ قرار دی جاتی تھیں۔ ایسی اراضیات کی کئی اقسام تھیں۔

ا۔ جن اراضی کے مالک جنگ میں مارے جاتے تھے۔

ب۔ یا بھاگ جاتے تھے۔

ج۔ شاہی جاگیریں جو صرف بادشاہ کے صرف خاص کے لئے خالصہ ہوتی تھیں۔

د۔ شاہی خاندان اور افسران کی زمینیں۔

ہ۔ ترائی جھیلیں جھاڑیاں وغیرہ۔

یہ اور اس قسم کی تمام وہ اراضیات جن پر چند افراد قابض ہوتے تھے اور عیش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اسلامی فتح کے بعد ان کا کوئی مالک اور آباد کرنے والا نہ رہ جاتا تھا۔ ایسی تمام اراضیات خلافت کے لئے خالصہ ہو کر مفاد عامہ کے لئے وقف ہو جاتی تھیں[۳]

قاضی امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

وذالک بمنزلۃ المال الذی لم یکن لاحد ولا فی ید احد [۴]

ایسی زمین اس مال جیسی ہوتی ہے جو نہ کسی کا ہو اور نہ کسی کے قبضہ میں ہو۔

خلفاء کے کردی جا

اس تمام بحث سے یہ بات نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے کہ خلافت انہی زمینوں میں سے قطائع لوگوں کو دیتی جو غیر آباد ہوتیں کسی کے قبضہ نہ ہوتیں اور ان کے آباد کرنے سے ملک کی معاشی حالت بہتر ہوتی اور ایسی زمین نہ ہوتی تھی۔ جس سے مفاد عامہ وابستہ ہوتا مثلاً چراگاہ جنگل وغیرہ۔ نہ ایسی زمین ہوتی جس کے عطا کرنے سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا

۱۔ الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۱۸۳ ۲۔ الاموال لابی عبید ص ۲۸۶

۳۔ الاموال ص ۲۸۲ والخراج ص ۵۷، ۵۸ ۴۔ الخراج ص ۵۸

Marfat.com

قطائع کن لوگوں کو

اندیشہ ہوتا۔

قطائع کن لوگوں کو دیئے جاتے تھے۔

زمانہ خلافت راشدہ میں حسب ذیل لوگوں کو قطائع دیئے۔

۱۔ جو زمین کو آباد کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

۲۔ جو مفادِ عامہ کی خدمت پر مامور ہوتے تھے۔

۳۔ جن کے سپرد ملک اور قوم کا دفاع ہوتا تھا۔

۴۔ نو مسلموں کو تالیفِ قلوب کے لئے قطائع دیئے جاتے تھے۔

علامہ مقریزی فرماتے ہیں۔

فذا قطع رسول اللہ و تالف علی الاسلام اقواما واقطع الخلفاء من دا ؤا ن فی اقطاعہ صلاحا۔[1]

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء انہی لوگوں کو قطائع دیتے تھے جن کے دینے میں ملک کی بھلائی ہوتی تھی، اور تالیف قلوب مقصود ہوتی تھی۔

قطائع دینے کے اغراض و مقاصد:۔

۱۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانہ خلافت میں ویران اور افتادہ زمینیں کثرت سے تھیں ان کو آباد کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ لوگوں میں تقسیم کی جائیں۔

۲۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت تک فوجیوں اور دوسرے عمال کی تنخواہیں مقرر نہ تھیں ان کی گذران کے لئے ضروری تھا کہ ان کو قطائع دیئے جاتے

۳۔ ملک کی معیشت کی بہتری زرعی پیداوار کے بڑھنے میں مضمر ہے۔ اس وجہ سے اسلامی حکومت نے پیداوار کو بڑھانے کے لئے مختلف افراد میں قطائع تقسیم کر دیئے۔

حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

میرے خیال میں غیر مملوکہ اور غیر آباد زمینوں کو بے کار چھوڑ رکھنے کی بجائے امام کو چاہیئے کہ انہیں بطور جاگیر مختلف افراد کو دے دے۔ اس طرح ہمارے علاقے زیادہ آباد اور خوشحال ہو جائیں گے۔ اور خراج میں بھی اضافہ ہوگا۔[2]

[1] الخطط للمقریزی ج ا ص ۱۵۳ [2] اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۲۴۵۔

Marfat.com

قطائع پر خلافت کے اختیارات

قطائع پر خلافت کے اختیارات باقی رہتے تھے جس غرض کے لئے کسی کو قطیعہ دیا جاتا تھا۔ اگر وہ غرض پوری نہ ہوتی تو خلافت اس شخص سے جاگیر واپس لے لیتی تھی۔ اسی بناء پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔ انما رقاب الارض یعنی زمین ہماری (خلافت) کی ہے۔

ابو عبید فرماتے ہیں۔

ہر وہ زمین جس کی آبادکاری سے لوگ درماندہ اور عاجز رہیں اور حقوق عامہ جو زمین سے متعلق ہیں پامال ہونے لگیں تو اس کے انتظام و انصرام کے بارے میں خلافت کو پورا اختیار حاصل ہے [۱]

حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

ولا یخرج من ید احد من ذالک شیئا الا بحق یجب له علیه فیاخذه بذالک الذی وجب علیه [۲]

خلافت بلاوجہ لوگوں سے قطائع واپس نہ لے۔ البتہ اگر حقوق کی ادائیگی نہ ہو رہی ہو تو قطائع لے لینے کا پورا اختیار حاصل ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث مزنی کو جاگیر کا ایک بڑا ٹکڑا عطا فرمایا۔ یہ جاگیر اتنی بڑی تھی کہ حضرت بلالؓ اس کے بیشتر حصے کو آباد نہ کر سکے۔ جب حضرت عمرؓ کا عہد آیا تو حضرت بلال کو بلوایا اور کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو قطیعہ دیا تھا۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ مگر اتنی بڑی جاگیر کو تم آباد کرنے سے معذور ہو۔ لہٰذا بقدر ضرورت رکھ لو اور باقی خلافت کو واپس کر دو تاکہ ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کروں۔ تو حضرت بلال بن حارث نے جواب دیا۔

لا افعل واللہ شیئا اقطعنیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال عمرؓ واللہ لتفعلن فاخذ منها ما عجز عن عمارته فقسمه بین المسلمین [۳]

خدا کی قسم میں اس جاگیر میں سے کوئی حصہ بھی واپس نہیں کروں گا جو رسول کریم صلی اللہ

---

[۱] الاموال ص ۲۸۶ [۲] احکام القرآن ج ۳ ص ۲۳۷ [۳] الخراج ص ۶۰ [۴] کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۹۱

علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا خدا کی قسم تم کو کرنا ہی پڑے گا۔ اور جس قدر وہ اراضی آباد نہ کر سکے تھے اُس کو حضرت عمرؓ نے ان سے واپس لے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

اِس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے مفادِ عامہ کے پیشِ نظر لوگوں کو قطائع دیئے تھے اور اُن پر خلافت کا پورا اختیار تھا۔ جن لوگوں نے زمینوں کو آباد نہ کیا ان سے زمینیں واپس لے لیں اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیں۔

دورِ خیر کے قطائع اور موجودہ جاگیرداری نظام

دورِ خیر کے قطائع اور موجودہ جاگیرداری نظام کے درمیان کوئی مطابقت نہیں۔ اِس دور کے قطائع کے پیشِ نظر اِس دور کے جاگیرداری نظام کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا ایک تو وجہ یہ ہے کہ اُس دور میں قطائع دینے والا امام عادل تھا۔ ہمارے دور کی جاگیرداری کا ایک بڑا حصہ وہ ہے جو انگریزوں نے ان لوگوں کو دیں جنہوں نے اپنے ملک کے خلاف برطانیہ حکومت کی وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ کچھ جاگیریں سکھوں کے عہدِ حکومت کی یادگار ہیں اور کچھ مغلیہ دور کی۔ دوم پھر یہ جاگیریں زرعی پیداوار بڑھانے ملک کو خوش حال کرنے کے لئے نہیں دی گئی تھیں۔ یہ محض افراد کو خوش حال کرنے اور ان کا معیارِ زندگی بلند کرنے کے لئے دی گئی تھیں۔ سوم یہ تالیفِ قلوب کے لئے نہیں دی گئی تھیں بلکہ برطانوی اقتدار کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے دی گئی تھیں۔ چہارم یہ جاگیریں مفادِ عامہ کے پیشِ نظر نہیں دی گئی تھیں بلکہ مفادِ عامہ کو نقصان پہنچا کر ایک افراد کو خوش کرنے کے لئے دی گئی تھیں۔

یہ وہ وجوہ ہیں جن کی بناء پر موجودہ جاگیرداری نظام باطل ہے۔ اس کے شرعی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

اجارہ داری

اسلام اجارہ داری کے خلاف ہے۔ جاگیرداری چند آدمیوں کا زمین کے ایک وسیع رقبہ پر قبضے کا نام ہے۔ اِس سے تمام زرعی پیداوار چند ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور اشیاءِ خوردنی کو گراں سے گراں تر قیمتوں پر فروخت کرنے کے مالک بن

Marfat.com

جاتے ہیں۔ عوام کی تمام دولت ان کے قبضہ میں آجاتی ہے جس سے معاشرہ میں اقتصادی توازن برباد ہوجاتا ہے۔

اخوت کے منافی ہے

اسلام اخوت کا پیغام لے کر آیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ [1] مومن بھائی بھائی ہیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا [2] اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم باہم دشمن تھے۔ پھر اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہوگئے۔

اسلام کے اس اصول کی روشنی میں ہر وہ نظام جو طبقاتی جنگ کو جنم دے گا وہ غیر اسلامی ہوگا۔

موجودہ جاگیرداری نظام نے طبقاتی جنگ کے شعلے بھڑکائے ہیں۔ اس وجہ سے یہ نظام اسلامی نہیں ہوسکتا۔

معاشی مساوات کے منافی ہے

اسلام میں معاشی مساوات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر ایک فرد ملک کی دولت میں برابر برابر ہو۔ اس قسم کی مساوات حیاتِ اجتماعی کے برخلاف ہے۔ اجتماعی نظام اُس وقت چلے گا جب سوسائٹی میں مزدور بھی ہوں۔ مالک بھی ہوں۔ کم رتبے کے بھی ہوں اور اعلیٰ رتبہ کے لوگ بھی ہوں۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر شخص مختلف استعدادیں لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اپنی استعدادوں اور قابلیتوں کی بناء پر ترقی کرتا ہے۔ اس بات کی طرف مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا [3] ہم نے ان کے درمیان

---

[1] الحجرات ۴۹ : ۱۰ [2] آل عمران ۳ : ۱۰۳ [3] الزخرف ۴۳ : ۳۲ ۔

Marfat.com

ان کی دُنیا کی زندگی میں دُنیا کی روزی تقسیم کی ہے اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیئے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔

لہٰذا اسلام میں معاشی مساوات کا یہ مطلب ہے کہ تمام افراد کو ذرائع پیدا وار میں حق انتفاع برابر سب کو حاصل ہو۔ اگر کوئی حکومت کسی فرد کو زمین کا ایک وسیع رقبہ دے دیتی ہے اور وہ بغیر محنت کے لاکھوں روپے حاصل کرے تو اسلام اس کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ [1] اور اس کی خوراکوں کا اس میں اندازہ کیا۔ یہ چار دن میں کیا مانگنے والوں کے لئے برابر کا حصّہ ہے۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زمین سب میں برابر تقسیم کردی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ انتفاع کا سب کو برابر حق دیا جائے۔ اب جو فرد انتفاع کے لئے اپنا حق استعمال نہیں کرتا اور زمین پر محنت نہیں کرتا تو وہ زمین کا سائل نہیں ہوگا۔ سائل وہ ہوگا جو دن رات ایک کرکے محنت کرتا ہے۔ پس جاگیرداری نظام سے معاشرہ کا ایک بہت بڑا طبقہ حق انتفاع سے محروم ہو جاتا ہے جو اسلامی معاشی مساوات کے سراسر منافی ہے۔ لہٰذا جاگیرداری نظام ناجائز اور باطل ہے۔

کساد بازاری

جدید اقتصادی نظریہ کی رُو سے معیشت میں کساد بازاری پیدا کرنے کے دو عوامل ہیں۔ ایک سود اور دوسرا کرایہ پر دی جانے والی اراضیات۔ کرایہ پر دی جانے والی فالتو زمین اُتنی ہی اقتصادی لحاظ سے نقصان دہ ثابت ہے جتنا سود۔ اگر اسلام سود حرام قرار دیتا ہے تو جاگیرداری نظام بھی ممنوع قرار دیا جانا چاہیئے۔

آج سے چودہ سو سال قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود اور فالتو زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے۔ کچھ صحابہ کے پاس فالتو زمینیں تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس اپنی ضرورت زیادہ زمین ہو۔ اُسے وہ خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو بخش دے یا اپنی زمین کو روکے رکھے [2]۔

---

[1] حم السجدہ ۴۱: ۱۰ [2] بخاری و مسلم

Marfat.com

کیا جاگیرداروں سے حکومت زمین لے سکتی ہے؟

جب یہ ثابت ہو گیا کہ موجودہ جاگیرداری نظام باطل ہے تو اس کو توڑنا حکومت پر فرض ہے۔ اس کی نظیر تاریخ اسلامی میں موجود ہے۔ بنی امیہ کے امراء نے اپنے عہدِ حکومت میں غیر مسلموں کی زمینیں شاہی خاندان میں جاگیر کے طور پر تقسیم کر دی تھیں۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہد آیا تو انہوں نے ایسی تمام زمینیں شاہی خاندان کے افراد سے لے کر اصل مالکوں کے حوالے کر دیں۔

ہمارا جاگیرداری نظام تو پھر سراسر فساد اور ظلم پر مبنی ہے۔ خلفاء راشدین نے تو ان افراد سے زمینیں واپس لے لیں جو آباد نہیں کر سکے تھے۔

ہمارا جاگیرداری نظام صرف معاشی مسئلہ ہی نہیں بلکہ معاشرتی۔ اخلاقی اور سیاسی بھی ہے۔ جاگیرداری نظام نے معاشرہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور ان کے درمیان طبقاتی جنگ جاری ہے۔ جاگیردار دولت کے نشہ میں چور ہیں اور ہر قسم کی برائی کے مرتکب ہیں۔ مزارعین کی جان مال اور عزت ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں۔ اپنے ظلم و جور کے بد نتائج سے بچنے کے لئے ملکی سیاست پر غالب ہیں۔ روپے کے بل بوتے پر انتخاب جیتتے ہیں اسمبلیوں میں جا کر سرمایہ دار طبقے کے حقوق کی نگہداشت کرتے ہیں یہی وجہ ہے ملک میں غریب طبقہ میں بے چینی زیادہ پائی جاتی ہے۔ ان تمام برائیوں سے بچنے کا صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ جاگیرداری نظام کو ختم کر دیا جائے۔

مزارعت

مزارعت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ احادیث اس کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں اور کچھ جواز پر۔

عدم جواز کی احادیث

عن رافع بن خدیج قال نہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن امر کان لنا نافعا اذا کانت لاحدنا ارض ان یعطیھا ببعض خراجھا او بدراھم وقال اذا کانت لاحدکم ارض فلیمنحھا اخاہ او لیزرعھا [1]

---

[1] ترمذی باب الزکوٰۃ و بخاری باب المزارعۃ

Marfat.com

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک ایسے کام سے روک دیا جو ہمارے لئے نفع بخش تھا۔ وہ یہ کہ ہم میں سے کسی شخص کے پاس زمین ہو تو وہ اس کو نہ بٹائی پر دے اور نہ نقد لگان پر اور فرمایا اگر تم میں سے جس کے پاس زمین ہو یا تو وہ اپنے بھائی کو احسان کے طور پر مفت دے دے یا خود کاشت کرے۔

عن ابی ھریرۃ رضؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کانت لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا فان ابی فلیمسک ارضہ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص کے پاس زمین ہو اس کو چاہیئے کہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لئے مفت احسان کے طور پر دے دے اور اگر وہ دونوں میں سے کوئی بات نہیں کرتا تو وہ اپنی زمین کو یوں ہی روکے رکھے۔

عن جابر بن عبداللہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یوخذ للارض اجر او حظ [2] حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ زمین کے ذریعہ عیوض کا یا اجارہ کا فائدہ اٹھایا جائے۔

جواز مزارعت کی احادیث

عن ابن عمر رضؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اعطی خیبر الیھود علی ان یعملوھا ویزرعوھا ولھم شطر ما خرج منھا [3]

حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں جو پیداوار ہو وہ نصف بٹائی پر ہو۔

عن سعد بن ابی وقاص ان المزارع فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانوا یکرون مزارعھم [4]

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ مالکان زمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی زمینوں کو کرایہ پر دیا کرتے تھے۔

---

[1] بخاری باب المزارعۃ [2] مسلم [3] بخاری کتاب المزارعہ [4] ابوداؤد ونسائی۔

Marfat.com

قیس بن مسلم کی روایت ہے۔

مدینہ کے مہاجرین کا ایک خاندان بھی نہیں تھا جو تیسرے یا چوتھے حصے کی بٹائی پر زراعت نہ کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت علی اور سعد بن مالک اور عبداللہ بن مسعود اور عمر بن عبدالعزیز اور قاسم اور عروہ بن زبیر اور حضرت ابوبکرؓ و عمر اور علی کی اولاد اور ابن سیرین بٹائی پر زمینیں دیتے تھے) عبدالرحمٰن بن اسود کہتے کہ میں بھی عبدالرحمٰن بن یزید کے ساتھ مل کر یہ کام کیا کرتا تھا۔[1]

خالد حذا یعنی طاؤس کی زبانی یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا۔ معاذ گورنر مقرر ہو کر یمن آئے اور آپ زمین تیسرے یا چوتھے حصہ پر بٹائی پر لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ ہم بھی اسی طرح بٹائی پر لوگوں کو آج تک دیتے ہیں۔[2]

ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔

لا بأس بالمزارعة بالنصف[3] نصف نصف کی بٹائی کر لینے پر کوئی حرج نہیں۔

ان احادیث کے ظاہری تضاد اور تخالف کی وجہ سے فقہا کے ایک گروہ نے یہ مسلک اختیار کر لیا ہے کہ اسلام میں مزارعت قطعی نا جائز ہے۔ اگر عدم جواز والی احادیث پر بنظر تعمق تفحص کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت حرام قرار نہیں دی بلکہ مزارعت کی بعض صورتوں سے منع فرمایا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

اوّل: بعض روایات جن مزارعت کو نا جائز قرار دیا گیا ہے۔ وہ جاہلی دستور ہے جس میں یہ طے کر لیا جاتا تھا کہ زمین کے فلاں حصہ کی پیداوار مالک کی ہوگی۔ اور فلاں حصہ کی پیداوار کاشت کار کی۔ حضرت رافع بن خدیج کی روایت ہے۔

عن رافع بن خدیج قال حدثنی عمای انھم کانوا یکرون الارض علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما ینبت علی الاربعاء اوشی یستثنیہ صاحب الارض فنھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک[4]

رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ ہم سے ہمارے چچا نے فرمایا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمین کو اس شرط پر کرایہ پر دیا کرتے تھے کہ نہر کے قریب کے حصہ

---

[1] بخاری باب المزارعة [2] مبسوط جلد ۲۳ کتاب المزارعة [3] کنز العمال۔

زمین کی پیداوار ہماری ہوگی یا کوئی اور استثنائی شرط کر لیتے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

مزارعت کا یہ جاہلی دستور اپنے ساتھ چند قباحتوں کا حامل تھا۔ اس وجہ سے رسول کریم صلعم نے اس طریقہ مزارعت سے منع فرما دیا۔ وہ قباحتیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اقتصادی معاملات باہمی تعاون کے اصول پر طے ہونے چاہئیں۔ یہ معاملہ سراسر ظلم اور زیادتی پر محمول تھا۔ ارشاد الٰہی ہے تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی یعنی نیکی اور تقویٰ پر تعاون ہونا چاہیئے۔ رسول کریم صلعم نے معاملات کے متعلق ایک کلیہ بیان فرما دیا ہے۔

لا ضرر ولا ضرار یعنی نہ خود کو نقصان پہنچانا جائز ہے اور نہ کسی دوسرے کو۔

چونکہ یہ طریقہ مزارعت ایک فریق کی صریحاً حق تلفی پر مبنی تھا۔ اس وجہ سے رسول کریم صلعم نے منع فرما دیا۔

۲۔ یہ شرط باطل اور مقتضائے عقد کے خلاف تھی۔ کیونکہ کاشتکار تمام زمین میں یکساں محنت کرتا ہے تو پھر اس کو ایک حصّہ کی پیداوار سے کیوں محروم کر دیا جائے۔

۳۔ یہ جوا کی ایک شکل تھی۔ کیونکہ یہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ کس حصّہ زمین میں پیداوار اچھی ہوگی اور کس میں خراب۔

۴۔ اس قسم کی شرائط سے عموماً جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو خاندانوں کی بربادی کا باعث بن جاتے ہیں۔

(۵)

دوم عدم جواز کی روایات اس بات پر محمول ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زائد قیود اور شرائط کی وجہ سے بہت سے جھگڑے پیدا ہو گئے تو آپ نے مصلحتاً ایک خاص وقت کے لئے مزارعت کی بجائے زر نقدی پر زمین دینے کا ارشاد فرما دیا۔

حضرت زید بن ثابت کو جب یہ خبر پہنچی کہ رافع بن خدیج مزارعت سے منع کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

دو اللہ تعالیٰ رافع کی مغفرت کرے۔ اللہ کی قسم میں اس حدیث کو ان سے بہتر سمجھتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انصار کے دو شخص آئے ان کے درمیان مزارعت پر جھگڑا تھا۔ اور نوبت ایک دوسرے کو قتل کرنے تک پہنچ گئی

Marfat.com

تھی وقد اقتتلا) تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کان ھذا شانکم فلا تکرو المزارع ۔ یعنی تمہاری یہ حالت ہے تو مزارعت کا معاملہ ہی نہ کرو۔ [1]

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ زمیندار اپنی زمین اس پیداوار کے بدلے جو نہروں کے قریب ہوتی تھی دیا کرتے تھے۔ وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور مزارعت کے بارہ میں جھگڑا کرتے۔ آپ نے فرمایا اس شرط پر مزارعت نہ کیا کرو بلکہ سونا چاندی کے عوض دیا کرو۔ [2]

یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ محض جھگڑوں کی کثرت کی وجہ سے یہ فرما دیا کہ آئندہ مزارعت کی بجائے زرِ نقد پر زمین لیا دیا کرو۔

۱۰۔ بعض لوگوں کے پاس فالتو زمینیں تھیں اور معاشرہ میں محتاج اور ضرورت مند افراد بھی تھے جو دوسروں کی زمینیں مزارعت پر لیتے اور ان کی ضروریات پوری نہ ہوتیں تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فالتو زمینوں کو مزارعت پر دینے سے منع فرما دیا کیونکہ یہ بات اسلامی اخوت کے منافی تھی کہ ایک شخص تو گھر بیٹھے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرے تو دوسرا شخص دن رات کام کرنے کے باوجود نان و نفقہ سے محروم رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد میں سب سے بڑا زمیندار گھرانا رافع بن خدیج کا تھا۔ وہ اپنی فالتو زمینیں مزارعت پر صحابہ کرام کو دیتے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما دی اور تاکید کر دی۔ کہ اگر کسی کے پاس زمین ہو تو وہ خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو بغیر کسی معاوضے کے دے دے۔

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کی زمین پر گذرے وہ اپنی مفلسی کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا زمین کس کی ہے اس نے بتایا کہ یہ فلاں شخص کی ہے۔ اس نے مجھے اجرت پر دی ہے۔ آپ نے فرمایا کاش وہ اپنے بھائی کو بلا عوض دیتا۔ حضرت رافع اس انصاری کے پاس گئے اور ان سے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک ایسی چیز سے روک دیا ہے جو

---

[1] ابو داؤد [2] سنن نسائی

Marfat.com

تمہارے لئے نفع بخش ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل اس سے بھی زیادہ نافع ہے" ؎۱

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی احادیث عدم جواز پر بحث کرتے ہوئے نہایت اختصار کے ساتھ مندرجہ بالا تینوں امور کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"صحابہ کے بعد اکابر تابعین مزارعت کا معاملہ کرتے تھے۔ مزارعت کے جواز کی دلیل اہل خیبر سے معاملہ کی حدیث ہے اور مزارعت کی ممانعت کی احادیث یا تو ایسی مزارعت پر محمول ہیں جن میں نہروں کے کناروں کی پیداوار یا کسی معین قطعہ کی پیداوار طے کرلی جائے۔ جیسا کہ حضرت رافع رضؓ نے فرمایا یا تنزیہ دارشاد پر جیسا کہ حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا ہے یا اس پر محمول ہیں کہ مزارعت کی وجہ سے کثرت مناقشات پیدا ہو گئے تھے۔ اس مصلحت کی بناء پر اس سے روک دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت زید رضؓ نے بیان فرمایا۔ ؎۲

بڑی بڑی صنعتیں

اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی اصول اجتماعی مصالح ہے اگر کوئی کاروبار رفاہِ عامہ اور اجتماعی حیات کو مجروح کرنے والا ہو تو اسلامی فقہ کے اصول "استحسان" کی رُو سے اسلامی حکومت پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اصلاح حال کے لئے اس صنعت یا کاروبار کو انفرادی ملکیت سے نکال کر اپنی تحویل میں لے لے۔

جب اس بنیادی اصول کو سامنے رکھ کر پاکستان کے صنعتی کاروبار کو دیکھتے ہیں تو یہ بات سورج کی طرح روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ہمارا صنعتی کاروبار رفاہ عامہ اور اجتماعی مصالح کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ بڑے بڑے صنعت کار اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ملکی سیاست پر چھائے ہوئے ہیں۔ گویا وہی حاکم ہیں اور وہی صنعت کار اور تاجر۔

اب پاکستان کی نہ تو ملکی سیاست پاک ہو سکتی ہے اور نہ اجتماعی مصالح محفوظ

؎۱ سنن نسائی ؎۲ حجۃ اللہ البالغہ

Marfat.com

رہ سکتے ہیں۔ اور نہ معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ جب تک حکومت بڑی بڑی صنعتوں کو قومیاتی نہیں۔ اب ملکی حالات کا یہ تقاضا ہے کہ حکومت کا سربراہ اس امر کی طرف سنجیدگی سے غور کرے تاکہ ملک امن اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔

رکاز

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ کان سے جو کچھ نکلتا ہے اس کا ۴/۵ حصہ نکالنے والے کی ملک ہوگا اور ۱/۵ حصہ زکوٰۃ۔ لیکن یہ شرط ضروری ہے کہ وہ دفینہ اسلامی دور سے پہلے کا ہو[1]۔ جن دفینوں پر اسلامی حکومت کی علامت پائی جائے تو وہ لقطہ قرار پائے گا تو اس کو بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ رکاز سے مراد صرف وہ دفینہ مراد ہے جس کا تعلق اجتماعی حیات کی ضروریات سے نہ ہو۔ مثلاً سکے۔ سونے چاندی کے برتن اسلحہ اور دوسری قیمتی اشیاء۔ اگر وہ دفینہ ایسی چیزوں پر مشتمل ہے جو افادہ عام کے لئے ضروری ہیں اور جن پر انفرادی ملکیت ہو جانے کی وجہ سے افراد تنگی اور تکلیف اٹھائیں ان کو حکومت اپنے قبضہ میں لے گی۔ اس پر تفصیلاً بحث ریاست کی اجتماعی ملکیت کے عنوان کے تحت ہوگی۔

تسعیر

اسلام عام حالات میں تاجروں کے حق میں کوئی مداخلت نہیں کرتا وہ اشیاء کو جس نرخ پر چاہیں بیچیں۔ تاکہ بازار میں رسد اور طلب کا توازن برقرار رہے۔ ہاں اگر تاجر نفع کے حصول کے لئے احتکار شروع کر دیں یا بازار میں رسد کم کرنے کی خاطر مصنوعات کا کچھ حصہ ضائع کر دیں۔ اس طرح رسد اور طلب کا توازن برباد ہو جائے تو اس وقت حکومت کا فرض ہے کہ وہ قیمتیں مقرر کر دے۔

لا یسعر حاکم الا اذا تعدی الارباب عن القیمۃ تعدیا فاحشا فیسعر بمشورۃ اھل الرای۔ یعنی حاکم اس وقت تک نرخ مقرر نہ کرے جب تک ارباب نرخ (تاجر) قیمتوں کو بڑھانا شروع نہ کر دیں۔ اس وقت حاکم اہل رائے کے مشورہ سے نرخ مقرر کر دے۔

---

[1] الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۱ ص ۶۱۲، ۶۱۴

Marfat.com

حضرت امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

"جب عوام الناس کی ضرورت قیمتوں کی منصفانہ تعین کے بغیر پوری نہ ہو سکتی ہو تو ان کے لئے ایسی قیمتیں مقرر کر دی جائیں گی جو عدل و انصاف پر مبنی ہوں۔ بغیر کسی کمی یا زیادتی کے" ؎۱

صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔

"سلطان کے لئے مناسب نہیں کہ لوگوں کو متعین قیمتوں کا پابند بنائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "قیمت نہ مقرر کرو کیونکہ اللہ ہی قیمت مقرر کرنے والا تنگی پیدا کرنے والا فراخی پیدا کرنے والا رزق عطا کرنے والا، فراخی پیدا کرنے والا، رزق عطا کرنے والا ہے"۔ اور اس لئے کہ قیمت (دبانا) عقد بیع کرنے والے کا حق ہے لہٰذا اس کی تعین وہی کر سکتا ہے۔ پس امام کو اس کے حق میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ بجز اس صورت حال کے جب کہ ضرر عامہ کا دفعیہ اس کا متقاضی ہو۔"

بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ ایک موقعہ پر صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نرخ مقرر کرنے کی درخواست کی تو آپ نے انکار فرمایا۔ اس وجہ سے تسعیر ہر حالت میں ناجائز ہے۔

اصاب الناس سنۃ فقالوا یا رسول اللہ سعّر لنا قال لا یسئلنی اللہ عن سنۃ احدثتها علیکم لا یامرنی بها ولکن سلوا اللہ من فضلہ ؎۲

لوگ قحط کا شکار ہو گئے تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ہمارے لئے نرخ مقرر کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں اللہ مجھ سے ایسے طریقے کے متعلق پوچھے گا جس کا اس نے مجھے حکم نہ دیا ہو اور میں اپنی طرف سے گھڑ لوں۔ بلکہ تم اللہ کے فضل کے لئے دعا مانگو۔

عن انس قال قال الناس یا رسول اللہ غلا السعر فسعّر لنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان اللہ هو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لارجو ان القی اللہ ولیس احد منکم یطالبنی بمظلمۃ فی دم ولا مال ؎۳

؎۱ در مختار مع الشامی ج ۵ باب الحظر والاباحۃ ؎۲ الحسبۃ فی الاسلام ص۳۰

؎۳ ابوداؤد کتاب البیوع کتاب فی منع الماء۔

Marfat.com

حضرت انس سے روایت ہے کہ لوگوں نے یہ کہا یا رسول اللہ نرخ گراں ہوگئے ہیں لہذا آپ ہمارے لئے نرخ مقرر کر دیجئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا، تنگی پیدا کرنے والا۔ فراخی پیدا کرنے والا اور رزق عطا کرنے والا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ خدا کے سامنے اس حال میں حاضر ہوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے کسی ظلم کا بدلہ طلب کرنے والا نہ ہو جو جان یا مال کے بارے میں لیا گیا ہو۔

یہ اس زمانہ کی احادیث ہیں جب مدینہ میں قحط پڑا تھا اور گرانی کی وجہ یہ تھی کہ غلہ مدینہ میں باہر سے گراں نرخ پر آتا تھا جب غلہ ہی مہنگے داموں تاجر خرید کریں تو ان کو سستے داموں فروخت کرنے کے لئے مجبور کرنا ان پر ظلم ہے۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نرخ مقرر کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان حالات میں قیمتیں مقرر کرنا صرف تاجروں کے لئے ہی نقصان دہ نہیں بلکہ عوام کے لئے بھی مضر تھیں۔

ان احادیث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ کسی حالت میں بھی نرخ مقرر نہیں کئے جا سکتے۔

ریاست کی اجتماعی ملکیت

اجتماعی ملکیت سے مراد وہ ملکیت ہے جس پر ریاست کا مالکانہ تصرف ہو اور ہر فرد اس چیز سے آزادانہ استفادہ کا حق ہو — اس قسم کی ملکیت ان اشیاء پر ہوتی جو افادہ عامہ کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ اگر ان پر فرد یا افراد کی ملکیت ہو جائے تو عوام تنگی اور تکلیف محسوس کریں۔

قرآن مجید میں آتا ہے ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا یعنی اللہ وہ ذات ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ اب اس بات کا فیصلہ کہ کون کونسی چیزیں انفرادی ملکیت میں آسکتی ہیں اور کن اشیاء کو اجتماعی اور قومی ملکیت سمجھنا چاہیئے۔ اشیاء کی نوعیت اور شریعت کی ہدایات کو پیش نظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَکَاءُ فِیْ ثَلٰثٍ فِی الْمَاءِ وَالْکَلَاءِ وَالنَّارِ[1] یعنی تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں۔ پانی۔ گھاس اور آگ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پر صرف تین چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی منع الماء

درحقیقت اس حدیث کا منشا یہی ہے کہ قدرتی وسائل پیدائش جو افادہ عام کے لئے ہوں وہ حکومت کی تحویل میں ہوں گے۔

فقہاء کا اختلاف اور صحیح مسلک

فقہاء نے معدنی اشیاء کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ معادن ظاہر جن کے حصول کے لئے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہو۔ وہ متفقہ طور پر انفرادی ملکیت بنائی نہیں جا سکتی۔

معادن باطنہ: یعنی وہ معدنی ذخیرے جو زمین کے اندر چھپے ہوئے ہیں اور ان کے نکالنے میں کافی محنت اور اخراجات کی ضرورت پڑتی ہو۔ مثلاً سونا چاندی وغیرہ کی کانیں۔ حنفی۔ شافعی اور حنبلی فقہا کی رائے یہ ہے اگر یہ کانیں کسی شخص کی مملوکہ زمین میں پائی جاتی ہیں تو مالک زمین کی یا اس شخص کی ملک ہوں گی جس کو مالک اراضی نے ان کے نکالنے کی اجازت دی ہے۔ اگر یہ کانیں غیر مملوکہ زمین میں ہیں تو اس شخص کی ملک ہوں گی جو ان کو دریافت کرے اور نکال لے۔ حضرت امام مالک کی یہ رائے ہے کہ زمین کے اندر پائی جانے والی کانیں تمام مسلمانوں کی ملک ہیں۔ اور ان کی مالک مختار اسلامی ریاست ہے۔

میرے نزدیک صحیح مسلک حضرت امام مالکؒ کا ہے۔ کہ زمین کے اندر پائی جانے والی تمام کانیں حکومت کی ملک ہوں گی۔

بیت المال

کوئی مملکت بغیر دولت کے قائم نہیں رہ سکتی۔ اصطلاح میں اسلامی حکومت کے خزانہ کا نام بیت المال ہے۔ حکومت کی تمام آمدن جمع ہوتی ہے۔ اور عوام کی بہبود اور مملکت کے دفاع کے لئے اس میں سے صرف کیا جاتا ہے۔

ذرائع آمدنی

۱۔ زکوٰۃ۔ اس سالانہ خدائی محصول کا نام ہے۔ جو امراء سے لے کر غرباء کو دیا جائے۔[1] اس کو زکوٰۃ اس وجہ سے کہتے ہیں۔ یہ مال کو بڑھاتی ہے یا اس لئے مال کا دینا تزکیہ نفس کا باعث ہے۔ یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ زکوٰۃ سے مال اس طرح بڑھتا ہے کہ دولت صرف

---

[1] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق فرمایا۔ "تؤخذ من اغنیاءھم وترد الی فقراءھم" (بخاری کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ) یہ وہ مال ہے جو امراء سے لے کر غرباء کو دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

چند ہاتھوں میں ہی جمع نہیں رہتی بلکہ تمام قوم میں گردش کرتی ہے۔ جس سے بحیثیت مجموعی قوم کی دولت بڑھ جاتی ہے۔

زکوٰۃ دینے سے دولت کی محبت کی آگ دل سے سرد پڑجاتی ہے جو کئی گناہوں کا سبب ہوتی ہے اور دل گناہوں کی میل سے پاک صاف رہتا ہے۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت

قرآن مجید میں اکثر جگہ جہاں قیام نماز کا ذکر آتا ہے۔ ساتھ ہی ادائیگی زکوٰۃ کا حکم ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نماز کی غرض اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک مال میں سے غربا کی بہبود کے لئے خرچ نہ کیا جائے۔ زکوٰۃ کا حکم ان سورتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جو آغاز بعثت میں نازل ہوئی تھیں اور ان سورتوں میں بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی میں نازل ہوئیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ؎۱ اور

نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اچھا مال کاٹ کر اللہ کو دو۔

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ ؎۲ اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دی۔ اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ کیا۔

انواع زکوٰۃ پانچ ہیں۔

۱۔ سونا چاندی:۔ سونا بیس مثقال (۷½ تولے) اور چاندی دوسو درہم (۵۲½ تولے) اور ان پر ایک سال گزر جانے کے بعد ۱/۴۰ حصہ دینا پڑتا ہے۔ نقدی کا نصاب سونے اور چاندی کی طرح ہے۔

۲۔ مویشی:۔ ان میں اونٹ، گائے بیل اور بھیڑ بکریاں داخل ہیں۔

اونٹوں کی شرح زکوٰۃ یہ

؎۱ المزمل ۷۳: ۲۰ ؎۲ التوبہ ۹: ۱۸

Marfat.com

تعداد	شرح زکوٰۃ
۵ - ۹	ایک بکری
۱۰ - ۱۴	دو بکریاں
۱۵ - ۱۹	تین بکریاں
۲۰ - ۲۴	۴ بکریاں
۲۵ - ۳۵	اونٹ کا ایک سال کا بچہ
۳۶ - ۴۵	اونٹ کا دو سال کا بچہ
۴۶ - ۶۰	تین سال کا اونٹ کا بچہ
۶۱ - ۷۵	چار سال کا اونٹ
۷۶ - ۹۰	دو سال کے دو بچے
۹۱ - ۱۲۰	تین سال کے دو بچے

گائے بیل کی شرح زکوٰۃ

ایک سے انتیس تک کی تعداد پر زکوٰۃ نہیں

۳۰ پر	ایک دو سالہ بچھڑا
۴۰ پر	تین سالہ بچھڑا
۶۰ پر	دو سال کے دو بچھڑے
۷۰ پر	ایک تین سال کا اور ایک سال کا
۸۰ پر	تین سال کے دو
۹۰ پر	دو سال کے تین
۱۰۰ پر	دو سال کے دو اور تین سال کا ایک

بکریوں کی شرح زکوٰۃ

ایک سے انتالیس تک کی تعداد پر کوئی زکوٰۃ نہیں

تعداد	شرح تعداد
۴۰ سے ۱۲۰	ایک بکری
۱۲۱ سے ۲۰۰	دو بکریاں
۲۰۰ سے ۳۰۰	تین بکریاں

Marfat.com

پھیر ہر سینکڑے پر ایک ایک بکری

یہ ضروری ہے کہ مویشی بار برداری، گھی، دودھ اور افزائش نسل کے لئے پالے گئے ہیں۔ اور سال کی اکثر مدت میں چرتے پھرتے رہے ہوں۔

۳۔ سامانِ تجارت

تجارت کا سامان اگر سونے، چاندی کے نصاب تک پہنچ جائے اور اس پر ایک سال کی مدت گزر جائے تو $\frac{1}{40}$ حصہ دینا پڑتا ہے۔

۴۔ غلّہ اور پھل

اگر زمین بارش یا قدرتی چشموں سے سیراب ہوتی ہے تو اس کی پیداوار کا $\frac{1}{10}$ حصہ لیا جاتا ہے۔ جب کنوؤں یا مصنوعی ذرائع سے سیراب ہوتی ہو۔ تو اس کی پیداوار کا $\frac{1}{20}$ حصہ لیا جاتا ہے۔

۲۔ صدقات

وہ مال جو ذی ثروت اصحاب طوعاً غرباء کی بہبود کے لئے بیت المال کو دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى [۱] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ستا کر باطل نہ کرو۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ [۲] اگر تم خیرات کھلے طور پر دو تو کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر تم اسے چھپاؤ اور محتاجوں کو دو تو وہ تمہارے لئے اچھا ہے۔

۳۔ خمس

مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ۔

مالِ غنیمت اس مال و دولت کو کہا جاتا ہے۔ جو مسلمانوں نے غیر مسلموں سے لڑنے کے بعد حاصل کیا ہو۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (الانفال ۸ : ۴۱) اور جان لو کہ جو چیز تم فتح پا کر حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور قریبیوں

---

[۱] البقرہ ۲ : ۲۶۴ [۲] البقرہ ۲ : ۲۷۱

Marfat.com

کے لیئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔

اموالِ غنیمت دو طرح کے ہیں۔ (۱) منقولہ اموال (۲) غیر منقولہ جائیداد۔

اموالِ منقولہ میں خمس (پانچواں حصہ) نکالنے کے بعد باقی چار حصے مجاہدین پر تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ اس تقسیم پر تمام آئمہ مجتہدین متفق ہیں۔ اموالِ غیر منقولہ کے بارہ میں آئمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

اموالِ منقولہ کی طرح اموال غیر منقولہ بھی مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور خلیفہ اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اموال غیر منقولہ میں امام کو اختیار حاصل ہے کہ چاہے مجاہدین پر تقسیم کرے چاہے مفتوحہ زمینوں کو بیت المال کے سپرد کر دے۔ تاکہ ان کی آمدنی ملکی ضروریات پر خرچ کی جا سکے۔

دونوں حکم حالات اور وقت کے تقاضے کے مطابق ٹھیک ہیں۔ اگر حالات تقاضا کرتے ہوں کہ اموال غیر منقولہ مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں تو تقسیم کرنا بھی ٹھیک ہے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد ان کی زمینیں خمس نکالنے کے بعد مہاجرین میں تقسیم کر دیں اس لئے کہ مہاجرین حاجت مند تھے۔ انصار میں سے صرف تین افراد کو اس میں سے حصہ دیا (۱) سہیل بن حنیف (۲) ابو دجانہ (۳) حارث بن صمہ کیونکہ انصار میں سے یہ حضرات ضرورت مند تھے۔

خیبر فتح ہوا تو اس کی تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی۔ اس کو چھتیس حصوں میں تقسیم کیا۔ اور ایک ایک حصہ میں سو سو حصہ مقرر کیا۔ پھر اس میں سے نصف یعنی اٹھارہ حصوں کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا اور باقی ماندہ اٹھارہ حصوں کو مسلمانوں پر تقسیم نہ کیا بلکہ اس کو دوسری ملکی ضروریات کے لئے محفوظ کر لیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اموال غیر منقولہ مجاہدین میں تقسیم کرنا ضروری نہیں، بلکہ حالات کے مطابق تقسیم کرنا چاہیئے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طرزِ عمل کو حضرت عمرؓ نے سامنے رکھ کر عراق وغیرہ کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ وہاں کی زمینیں اُن کے مالکوں کے پاس ہی رہنے دیں اور ان پر خراج مقرر کیا۔ تاکہ اس سے ملکی ضروریات پوری ہو سکیں۔

Marfat.com

ب۔ مال رکاز

وہ مال جو دفینوں اور کانوں سے نکلتا ہے۔
اس مال میں خمس (پانچواں حصہ) حکومت کا ہوگا۔ باقی چار حصے اس شخص کو مل جائیں گے جس نے اُسے پایا۔
حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال فی الرکاز الخمس۔ کہ رسول کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دفینہ میں اسلامی .... حکومت کا پانچواں حصہ ہے۔

۴۔ فئ

وہ مال ہے جو محارب قوموں سے بغیر جنگ و جدل کے حاصل ہو۔ قرآن مجید میں آتا ہے وَمَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ [۱]
اور اللہ نے اپنے رسول کو ان سے جو مال دلوایا تو تم نے اس پر گھوڑے نہیں دوڑائے اور نہ اُونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے۔ تسلط دے دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
فئ کا ۱/۵ حصہ پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا۔ ایک حصہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک آپ کا ہوتا تھا اور باقی چار حصے آپ کے قرابت داروں، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کو دیئے جاتے تھے۔
یہ حصہ حضرت عمرؓ کے ابتدائی دورِ خلافت تک مجاہدین میں اسلحہ جنگ خریدنے کے لئے تقسیم کر دیا جاتا تھا جب اسلحہ فراہم کرنے کا انتظام حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تو یہ مال بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔

۵۔ خراج

وہ سرکاری لگان ہے جو غیر مسلم مفتوحین کی غیر مقبوضہ زمین پر سالانہ عائد ہوتا تھا۔
خراج وصول کرنے کے دو طریقے تھے۔ ایک پیمائش کا طریقہ تھا۔ اس میں زمین کی پیمائش یا تخمینہ

---

[۱] الحشر ۵۹ : ۶

Marfat.com

کے بعد نقد یا پیداوار کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس طریقہ پر خراج مقرر کیا تھا۔

دوسرا طریقہ بٹوارے کا تھا اس میں پیداوار کا ایک معین حصہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پایا جاتا تھا۔

خراج زمین کی زرخیزی اور وسائل آب پاشی کی سہولتوں کا لحاظ کر کے مقرر کیا جاتا تھا۔

۶۔ جزیہ

جزیہ اس ٹیکس کا نام ہے جو اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلم افراد سے ان کی طے شدہ مرضی کے مطابق لیا جاتا تھا۔ یہ ٹیکس ان کی فوجی خدمت اور ان کی حفاظت کے عوض میں لیا جاتا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ جزیہ کی رقم ذمیوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جائے۔

جزیہ کی مقدار حسب ذیل تھی۔

۱۔ دولت مندوں سے ۴۸ درہم سالانہ (بارہ روپے)

۲۔ متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم سالانہ (چھ روپے)

۳۔ ادنیٰ طبقہ سے ۱۲ درہم سالانہ (تین روپے)

متذکرہ بالا مقدار عام قانونی حیثیت رکھتی ہے لیکن امیر مملکت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس سے کم مقدار پر بھی اہل الذمہ سے سمجھوتہ کرے۔ اس صورت میں جزیہ کی مقدار کسی صورت میں بھی بڑھائی نہیں جا سکتی۔

صاحب ہدایہ لکھتا ہے۔ لان الموجب ھو التراضی فلا یجوز التعدی الی غیر ما وقع علیہ الاتفاق چونکہ یہ مقدار باہم رضامندی سے طے پائی ہے۔ اس لئے اس سے تجاوز کرنا جائز نہ ہوگا۔ غرباء، بوڑھوں، غلام، درویش، مذہبی رہنما اور معذور افراد سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

۷۔ عشور

عشور وہ ٹیکس ہے جو ان غیر مسلم تاجروں سے وصول کیا جاتا ہے جو اسلامی ریاست میں تجارت کی غرض سے مال لے کر داخل ہوتے ہیں۔

یہ ٹیکس حضرت عمرؓ کے عہد میں شروع ہوا۔ وہ اس طرح کہ حضرت موسیٰ اشعری نے

Marfat.com

حضرت عمرؓ بن الخطاب کو لکھا کہ

ہمارے ملک کے مسلمان تاجر جب حربی علاقوں میں جاتے ہیں تو وہ لوگ، ان سے دسواں حصّہ وصول کرتے ہیں۔

تو حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ "تم بھی ان سے اسی طرح وصول کرو جس طرح وہ مسلمان تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔

یہ سال میں ایک دفعہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

۸۔ کراء الارض

ریاست کی زمینوں کا مقررہ لگان جو کاشتکاروں کی باہمی رضامندی سے وصول کیا جاتا ہے[1]

۹۔ وقف

وقف وہ جائیداد ہے جو مالک جائیداد خدا کے نام پر بیت المال کے نام پر وقف کر دیتا ہے۔

۱۰۔ ضرائب

وہ مالی امداد جو امراء سے غرباء کے لئے وصول کی جاتی ہے۔ یہ ٹیکس اس وقت امراء پر عائد کیا جاتا ہے۔ جب وہ معاشی قوانین پر عمل نہ کریں اور امراء دولت جمع کر کے عوام کی غربت کا سبب بن جاتے ہیں تو معاشی توازن قائم رکھنے کے لئے حکومت امراء پر ٹیکس عائد کر دیتی ہے۔

۱۱۔ لقطہ

وہ مال جس کا کوئی مالک نہ مل سکے۔ اس میں گری پڑی چیزوں کے علاوہ وہ تمام اموال شامل ہیں جو کسی کی ملکیت میں رہے ہوں لیکن اب اُن کے مالک کا پتہ نہ چلتا ہو۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مال کے متعلق ایک سال تک اشتہار کا اہتمام کرے۔

---

[1] در مختار ج ۳ صـ ۳۵۳ باب العشر والخراج

اگر مالک نہ ملے تو اس کو غرباء میں تقسیم کر دے ۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے فرمایا لا تحل اللقطۃ فمن التقط شیئاً فلیعرفہ سنۃ فان جاء صاحبھا فلیردہ علیہ وان لم یات فلیتصدق[1]

لقطہ حلال نہیں ہے۔ لہٰذا جو کوئی چیز کو اٹھائے اُسے چاہیئے کہ ایک سال تک اُس کا اشتہار کرے۔ اگر اس کا مالک آجائے تو اس مال کو اس کے حوالے کر دے اور اگر نہ آئے تو اُسے خیرات کر دے ۔

امام اوزاعی کی رائے ہے کہ لقطہ کے طور پر پایا جانے والا مال کثیر رقم ہے تو اسے بیت المال میں داخل کر دے [2]

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ مال جو کسی مسلمان کا ہو۔ لیکن اس کے مالک یا ورثاء کا پتہ نہ چل سکے تو ریاست کی ملکیت میں داخل کر لیا جائے گا۔ [3]

لاوارث ترکے

ایسے تمام ترکے جن کا کوئی شرعی وارث نہ ہو۔ نہ مالک نے وصیت کے ذریعہ اس کا حقِ ملکیت کسی کی طرف منتقل کیا ہو۔ اسلامی ریاست کی ملکیت سمجھا جائے گا۔ کیونکہ رسولِ کریم صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے ...... وانا وارث من لا وارث لہ ارثہ واعقل عنہ [4]

اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث میں ہوں میں اس کا ترکہ پاؤں گا اور اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا ۔

حضرت عمر رضی بھی اسی اصول پر عمل کرتے تھے ۔

حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر ابن الخطاب کو مصر کے ایسے راہبوں کے بارے میں لکھا ۔ جو وارث چھوڑے بغیر مر جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی نے انہیں جواب دیا کہ جس راہب کے پیچھے اس کی نسل میں کوئی زندہ ہو تو اس کا ترکہ اس کے حوالے کر دیا جائے

---

[1] بدائع الصنائع جلد ۶ صفحہ ۲۰۲ [2] بدایۃ المجتہد بن ابن رشد جلد ۲ صفحہ ۳۰۶ [3] السیاست الشرعیہ فی احوال الراعی والرعیہ صفحہ ۴۰۔ [4] کتاب الاموال ابو عبیدہ صفحہ ۲۲۱

Marfat.com

اور جس کے پیچھے کوئی نہ ہو اُس کے مال کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کی ولایت مسلمانوں کو پہنچتی ہے۔ لہ

قاضی ابو یوسف کہتے ہیں۔

"مسلمانوں میں سے جو کوئی بھی لاوارث مر جائے۔ اس کا مال بیت المال کی ملکیت قرار پائے گا۔" سے

۱۳۔ کاروبار کے منافع

اسلامی ریاست کو مختلف قسم کے نفع اور کاروبار کرنے کا حق حاصل ہے جو منافع حاصل ہوگا وہ اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پائے گا۔

۱۴۔ نشو نمائے ملکیت

اسلامی ریاست کی املاک سے حاصل ہونے والی آمدنی بیت المال میں داخل ہوگی۔ مثلاً درختوں کے پھل، جنگلات۔ جانوروں کی نسل وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدن ریاست کی ملکیت ہے۔

۱۵۔ النوائب

نوائب سے مراد ہنگامی ٹیکس ہیں جو خاص حالات کی وجہ سے عوام پر عائد کئے جاتے ہیں۔ ہدایہ میں نوائب کی یہ تعریف کی گئی ہے۔

ماینوبہ من غیر راتب (باب الکفالہ) وہ مطالبہ زر جو دائم اور مسلسل نہ ہو۔ جب حکومت کو ہنگامی حالات درپیش ہوں۔ خزانہ ملکی ضروریات کا متحمل نہ ہو سکتا ہو۔ ان حالات میں حکومت عوام پر ملی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ٹیکس عائد کر سکتی ہے لیکن یہ امر لازمی ہے۔ یہ ٹیکس اتنا زیادہ نہ ہو جو لوگوں کی برداشت سے باہر ہو۔

ارض موات

مفتوحہ علاقے کی ایسی زمین جس میں نہ کھیتی کی گئی ہو اور نہ اس پر کوئی عمارت تعمیر کی گئی ہو۔

لہ فتوح مصر و اخبارھا از ابو القاسم عبد الرحمان بن عبد اللہ بن الحکم صفحہ ۹

سے کتاب الخراج صفحہ ۲۳۱

Marfat.com

نیز کسی بستی کے مرافق میں بھی شامل نہ ہو تو وہ ارض میتہ کہلاتی ہے۔

مصارف

اسلام دولت اور وسائل دولت دونوں اللہ تعالیٰ کی ملک قرار دیتا ہے۔ انسان اس دولت کا امین ہے۔ اس لئے انسان احکام شریعت کے مطابق ہی اس میں تصرف کرسکتا ہے۔ اگر احکام شریعت کے خلاف تصرف کرے گا تو وہ اسلام کی نظر میں خائن ہوگا۔ حکومت بھی اسی قاعدہ کے تحت امین ہے۔ اس کی جو آمدنی ہے وہ احکام الٰہی کے مطابق ہی صرف ہوگی بعض تصرفات تو قرآن مجید نے واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ بعض کی وضاحت نہیں کی۔ امیر مملکت کو اختیار حاصل ہے کہ حالات کے مطابق مسلمانوں اور ملک کی بہبود کے لئے خرچ کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ فِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ [1]

زکوٰۃ صرف ناداروں کے لئے ہے اور مسکینوں اور اس کے کارکنوں کے لئے اور جن کے دل مائل کرنا ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے۔ یہ اللہ کی طرف سے ضروری ٹھیرایا گیا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اوّل مصرف فقراء

فقراء فقیر کی جمع ہے فقیر فقر سے مشتق ہے جس کے معنی ریڑھ کی ہڈی کو توڑنا ہے یہ لفظ اس شخص پر بولا جاتا ہے جو کسی جسمانی عذر کی وجہ سے روزی کمانے کے اہل نہ ہو۔ یا جس پر کوئی سخت مصیبت آن پڑی ہو۔ اور وہ اس قابل نہ رہا ہو۔ کہ وہ اپنے پاؤں پر

---

[1] التوبۃ ۹: ۶۰

Marfat.com

کھڑا ہو سکے۔ اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکے۔
اِس قسم کے لوگوں کے لئے یہ بہتر ہے کہ اگر وہ کسی پیشہ کا جاننے والا ہے۔ تو اس پیشہ کے آلات خرید دیئے جائیں۔ اگر تجارت کرتا ہے تو سامانِ تجارت لے دیا جائے۔

دوسرا مصرف۔ مساکین

مساکین مسکین کی جمع ہے۔ مسکین سکن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں وہ خاموش یا بے حرکت ہو گیا۔ مسکین سے مراد وہ شخص ہے جو کمانے کے لائق ہو۔ مگر غربت یا عدم ذرائع کی وجہ سے کچھ کما نہ سکتا ہو۔ مثلاً ایک شخص مہنگائی کے زمانہ میں پچاس روپے کا نوکر ہے۔ کئی بچے ہیں۔ پچاس روپے سے اس کی اور اس کے بچوں کی گزر اوقات نہیں ہو سکتی تو اس کی مدد کرنی چاہیئے۔ یا کوئی طالب علم ہے اس کا کوئی ذریعہ آمدن نہیں اس کے تعلیمی اخراجات کے لئے بیت المال سے اس کا وظیفہ ہونا چاہیئے۔

تیسرا مصرف

العاملین علیھا (کارکن)

یہ وہ کارکن ہیں جو صدقات جمع کر کے بیت المال میں داخل کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ تحصیل صدقات میں مصروف ہونے کی وجہ سے کسب سے معذور ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ امر بالکل عقل اور حکمت پر مبنی ہے کہ اس قسم کے کارکنوں کے اخراجات کا بیت المال متکفل ہو۔ تاکہ یہ لوگ پوری توجہ سے کام کر سکیں۔

چوتھا مصرف

المولفۃ قلوبھم (تالیف قلوب)

یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔ اوّل ایسے لوگ جو دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوتے اور ان کو اسلام کے قریب لانے کی ضرورت ہے۔
دوم۔ وہ نو مسلم جن کے قلوب میں اسلام پورے طور پر راسخ نہیں ہوا۔ ان کی امداد اور ان کو تعلیم اسلام سے واقف کرانے کے لئے بیت المال سے خرچ کیا جائے گا۔
یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے مذہب کو ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوگا

Marfat.com

تو اس کے اعزہ و اقربا اور ہم قوم اس سے اپنے تعلقات قطع کر دے گی۔ کیونکہ انسان کی عقل پر مذہبی تعصب کی اتنی دبیز یں ہوتی ہیں کہ وہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کا کوئی عزیز دوسرا دین قبول کرے۔

اس مصرف کا منتہا یہ ہوتا ہے کہ نومسلم ایمان لائیں تو اسلامی حکومت ان کے اخراجات کا بوجھ اٹھائے اور اپنے اعزہ و اقربا اور ہم قوم کے سوشل بائیکاٹ کو بھول جائیں اور مسلمانوں میں داخل ہو کر یہ سمجھیں کہ وہ ایسے معاشرہ میں داخل ہوئے ہیں جو خونی اور نسبی تعلقات سے بھی زیادہ محبت کرنے والا ہے۔

سوم :۔ وہ لوگ جن کے شر سے مسلمانوں اور اسلام کو بچانا مقصود ہوتا ہے۔

پانچواں مصرف: فی الرقاب (غلاموں کا آزاد کرانا)

اسلام کے علاوہ کوئی مذہب نہیں ہے جس نے غلاموں کی رہائی کے لئے باضابطہ طور پر بیت المال سے ایک مد مقرر کر دی ہو۔ یہ آزادی تین طرح کی ہو سکتی ہے (۱) حکومت مالکوں سے غلام خرید کر آزاد کرائے (۲) اسیرانِ جنگ کا فدیہ دیا جائے۔ (۳) ان غلاموں کی مدد کی جائے جو مالک سے مکاتبہ کر کے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ فی الرقاب کے حکم میں مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کے غلام داخل ہیں۔

چھٹا مصرف: الغارمین مقروض

قرض داروں کا قرضہ اتارنے کے لئے بیت المال سے خرچ کیا جائے گا۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن پر جرمانہ ہو گیا ہو مگر یہ شرط ضروری ہے کہ مقروض پر قرضے کا بوجھ عیاشی اور فضول خرچی کی وجہ سے نہ پڑا ہو۔ بلکہ کسی ناگہانی مالی مصیبت کی وجہ سے یا کوئی عضو بیکار ہو جانے۔ مال چوری ہو جانے۔ تجارت میں گھاٹا پڑ جانے کی وجہ سے قرض کے بوجھ تلے آ گیا ہو اور اس سے نجات حاصل کرنا مشکل نظر آتی ہو تو حکومت پر فرض ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی بیت المال سے مدد کریں۔

ساتواں مصرف: فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں)

اس سے مراد جہاد ہے۔ جہاد تین قسم کا ہے۔ جہاد سیفی۔ جہاد قلمی اور جہاد لسانی۔

Marfat.com

جہاد سیفی سے مراد یہ ہے کہ ملک کے دفاع کا خرچ بیت المال پر ہے۔
جہاد قلمی سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لئے عمدہ عمدہ کتب بیت المال کے خرچ سے شائع کی جائیں۔
جہاد لسانی سے یہ مراد ہے۔ بیت المال کے خرچ پر مبلغ تیار کرکے بیرونی ممالک میں بھیجے جائیں اور وہ فریضۂ تبلیغ سر انجام دیں۔

آٹھواں مصرف ابن السبیل (مسافر)

بیت المال سے مسافروں کی امداد کرنے کا حکم ہے۔ بعض اوقات سفر میں ایسے مرحلے بھی آجاتے ہیں کہ مسافر بیمار ہو جاتا ہے۔ اس کی رقم گم جاتی ہے تو وہ بالکل تہی دست ہو جاتا ہے اس صورت میں وہ مالی امداد کا بہت محتاج ہوتا ہے۔ حکومت پر یہ فرض ہے کہ وہ اس قسم کے مسافروں کی مالی امداد کرکے ان کے گھروں تک پہنچائے۔
عشر بھی ایک قسم کی زکوٰۃ ہے اس لئے اس کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں یہ اموال مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں۔ غیر مسلم رعایا کے لئے نہیں۔
عشور جو مسلمانوں سے لیا جائے۔ اس کے مصارف بھی یہی ہیں (رد المختار کتاب الزکوٰۃ باب العصرف)۔
مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے جن میں چار حصے غانمین پر تقسیم کر دیئے جائیں گے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ مال غنیمت کے مصارف کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ[1] اور جان لو کہ جو چیز تم فتح پا کر حاصل کرلو۔ تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور قرابتیوں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

---

[1] الانفال ۸: ۴۱

Marfat.com

فیٔ

فی حسب ذیل مدات پر خرچ ہوگی جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں آتا ہے۔

مَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ [1] جو اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے بغیر مقابلہ کے دولت دلائی ہے تو وہ اللہ کے لیے رسول کے لئے اور قریبیوں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

مال خراج کے متعلق خلیفہ کو حسب مصلحت خرچ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

مال جزیہ

مال جزیہ کا وہی مصرف ہے جو مال خراج کا مصرف ہے۔ یعنی مال خراج کی طرح مسلمانوں اور ریاست کی بہبود کے لئے خرچ کیا جائے گا۔

وقف

مالک جائیداد نے جس مقصد کے لئے جائیداد وقف کی ہے بیت المال اس مقصد میں خرچ کرے گا۔

لقطہ لاوارث ترکہ۔ کاروبار کے منافع۔ نشوونمائے ملکیت۔ نوائب اور ارض اموات سے حاصل شدہ دولت کے متعلق امیر مملکت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے مسلمانوں اور مملکت کی بہبود کے لئے خرچ کرے۔

---

[1] الحشر ۵۹ : ۷

Marfat.com

بنک

حال کی طرح زمانہ قدیم میں بھی لوگوں کی آمدنی اور اخراجات میں تفاوت ہوا کرتا تھا۔ کچھ لوگ خوشحال ہوتے تھے اور کچھ نان و نفقہ سے محتاج ہے۔ اس کے باوجود ہر فرد کی یہ کوشش ہوا کرتی تھی۔ کہ وہ اپنے اخراجات کو آمدنی سے تجاوز نہ کرنے دے بلکہ کچھ نہ کچھ پس انداز بھی کرے تاکہ مستقبل کے غیر یقینی اور ناگہانی حالات میں اسے کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں۔ علاوہ ازیں ہر دور میں معاشرہ میں ایسے افراد رہے ہیں جن میں کاروباری فراست، ناظمانہ صلاحیتیں اور آجرانہ قابلیتیں تو موجود ہوتی ہیں۔ مگر سرمایہ کی قلت کی وجہ سے انکی صلاحیتیں اجاگر نہیں ہوتیں۔ اگر انہیں سرمایہ فراہم کردیا جائے تو وہ معاشرہ کی اقتصادی ترقی اور خوشحالی کا باعث بنتے ہیں۔ گویا سرمایہ کی ضرورت قدیم اور جدید ہر دور میں رہی ہے۔

زمانہ قدیم میں لوگوں کی جان و مال ڈاکوؤں اور رہزنوں کے ہاتھوں محفوظ نہیں تھی۔ لہٰذا یہ پس انداز کرنا رائے خود ایک مسئلہ ہوا کرتا تھا۔ اس کے ابتدائی دور میں یا تو لوگ پس انداز ہی نہیں کیا کرتے تھے یا اپنی پس انداز کی ہوئی رقوم زمین میں دفن کردیا کرتے تھے جس کا علم کنبے کے سربراہ کو ہی ہوا کرتا تھا۔ اگر وہ اس راز کو اپنے سینے میں دبا ہی دنیا سے رخصت ہوجاتا تو دفینہ زمین کا حصہ بن جاتا ورنہ ضرورت کے وقت مدفون ذخائر نکال لئے جاتے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ضرورت نے انسان کو سوچنے پر مجبور کیا کہ وہ اپنے میں سے سب سے بہتر، متمول اور قابل اعتماد کے پاس اپنی امانتیں جمع کروائیں۔ رفتہ رفتہ یہ مقام سنار نے لے لیا۔ کیونکہ اس کے پاس سونے چاندی کے ذخائر ہوا کرتے تھے۔ اور وہ انکے تحفظ کے لئے لوہے کے بڑے بڑے صندوق اور ہتھیار بند ملازم بھی رکھا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے سنار کا گھر محفوظ ترین جگہ اور سنار قابل اعتماد شخص سمجھا گیا۔ سنار لوگوں سے انکی امانتیں وصول کر کے رسیدیں لکھ دیا کرتے تھے جن سے وہ بعض اوقات کاروبار بھی کر لیا کرتے تھے۔ قابل اعتماد ہونے کی بنا پر صرافوں کی رسیدیں عام لین دین میں قبول کی جاتی تھیں۔ یہ رسیدیں زر کاغذی کی قدیم ترین شکل ہے۔ رفتہ رفتہ شاہوکاروں نے اپنے ذاتی لین دین میں اپنے ہی ہاتھ کی لکھی ہوئی رسیدوں کو بطور زر چلایا اور لوگوں نے انہیں بطور زر قبول کرنے میں کوئی لیت و لعل نہ کی اس طرح یہ رسیدیں آلہ مبادلہ کے علاوہ قرضوں کی ادائیگیوں اور وصولیوں کے لئے بھی گردش کرنے لگیں۔

چونکہ صرافوں کے پاس لوگوں کی کثیر امانتیں جمع ہوتی تھیں اور انہیں سے بہت کم امانتدار

Marfat.com

اپنی امانتیں واپس لینے آتے تھے لہٰذا صرافوں نے انہیں ضرورت مند لوگوں کو ادھار دینا شروع کر دیا۔ جس پر قرضخواہ کی ضرورت کی نوعیت کے مطابق شرح سود بھی وصول کیا جاتا۔ اگر قرضخواہ قرض لینے نہ آتے تو صراف جمع شدہ رقوم کو خود کاروبار میں لگا دیا کرتے تھے۔ جوں جوں امانتوں کی مقدار بڑھتی گئی صراف کا کاروبار وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور کسی ایک صراف کے لئے کاروبار کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس طرح شراکت کی بنیاد پڑی جس نے بعد میں مشترکہ سرمایہ کی انجمن کی شکل اختیار کی تاکہ احتمالی نقصان کی ذمہ داری کا بوجھ ایک یا چند افراد پر ڈالنے کی بجائے بہت سے افراد پر ڈالی جا سکے۔

لفظ بینکو (Banco) اطالوی زبان سے ماخوذ ہے جس کے معنی بینچ (Bench) کے ہیں۔ دو ہزار سال قبل مسیح اہل بابل کے ہاں سودی کاروبار عبادت گاہیں کیا کرتی تھیں۔ وہ سود پر امانتیں وصول کیا کرتیں اور حاجت مندوں کو سود پر قرض فراہم کیا کرتیں۔ سنہ ۲۰۰ قبل مسیح میں یونان میں مالی کاروبار عبادت گاہوں کے علاوہ نجی اور سرکاری شعبے بھی سرانجام دیتے تھے۔ بعد میں ایسا ہی مالی کاروبار مصر میں بھی رائج کیا گیا۔ یونانی مالی کاروبار استفادہ کامیابی سے ہمکنار ہوا کہ روم کا مالی نظام بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس میں بہت زیادہ اصلاح ہوئی۔ روم اور یونان میں بہت سے نجی ادارے بنکاری کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی تخلیق زر نہیں کرتا تھا۔ یہ مالی ادارے تجارت کو مالیات فراہم کرتے تھے۔

سلطنت روم کی تباہی کے ساتھ تجارت کو بھی دھچکا لگا جس سے قرضوں کی فراہمی کا کاروبار بہت حد تک ماند پڑ گیا۔ چودھویں صدی تک یورپ کے بڑے بڑے تجارتی مراکز اٹلی کے شہروں میں واقع تھے جس سے تجارت کے علاوہ بنکاری کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ اگرچہ ہر علاقے کا بنکاری نظام علاقائی ضرورتوں کے مطابق ڈھلا ہونے کی وجہ سے ظاہراً ایک دوسرے سے مختلف نظر آتا ہے مگر بنیادی طور پر ان میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ مالی کاروبار اور بنکاری کو فروغ دینے میں عالمی تجارتی میلوں کے کردار کو کسی صورت میں بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ میلے عموماً اہم چوراہوں پر منعقد ہوا کرتے تھے جن میں Champagne (خاص طور پر مشہور ہے (Champagne) میں اپنی نوعیت کا انوکھا بنکاری کا نظام رائج تھا۔ وہاں گرد و نواح سے مختلف قومیتوں کے تجار اور بنکار آیا کرتے تھے۔ اور یا ایک دوسرے سے مختلف علاقوں اور ممالک کی کرنسیوں کے تبادلہ سے عالمی مالی امور طے کیا کرتے اس طرح ایسی قسم کے پہلے عالمی حساب

Marfat.com

کمر کے فرائض بھی سرانجام دیا کرتے تھے جس سے لین دین کے تصفیے ہو جاتے تھے۔

قرون وسطیٰ تک سودی کاروبار پر یہودیوں کی اجارہ داری قائم تھی۔ اس دور میں عیسائی ساہوکاروں نے یہودیوں کی اجارہ داری توڑنے کی کوشش کی مگر انہیں چنداں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ مالی امور میں جو دسترس یہودی ساہوکاروں کو حاصل تھی وہ عیسائی ساہوکاروں کو حاصل نہ ہو سکی۔

بنکاری امور میں وینس اور جینوا کے ساہوکاروں کو خاص دسترس حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ وہاں کے بنک صحیح معنوں میں جدید بنکاری کے پیشوا ثابت ہوئے۔ وینس کے ساہوکار اپنے امانت داروں کو انکی امانتوں کی رسیدیں بھی دیا کرتے تھے۔ چودھویں اور پندرھویں صدی میں امانت داروں کو اپنے حسابات میں سے زائد رقم لینے کی اجازت تھی، اگرچہ اسے مستحسن نہیں سمجھا جاتا تھا۔

سنہ ۱۳۵۶ء میں سرکاری بنک قائم کرنے کی تجویز ہوئی جو سرکار کے لئے مفت خدمات سرانجام دے تاکہ حکومت کو اپنے مالی امور کے لئے نجی بنکوں کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ اس بنک کے اخراجات سرکاری خزانے سے پورے کئے جاتے تھے۔ جنگی اخراجات کو پورا کرنے کے لئے یہ بنک حکومت کو قرضے بھی دیتا تھا۔ مگر محدود مالی وسائل کی وجہ سے یہ بنک حکومت کے جنگی اخراجات پورے نہ کر سکا۔

بنک آف امسٹرڈم سنہ ۱۶۰۹ء میں قائم ہوا ..... بنک آف فرانس سنہ ۱۸۰۰ء میں قائم کیا گیا۔ یورپ میں مشترکہ سرمایہ کی انجمن کی شکل میں سب سے پہلے بلجیم نے سنہ ۱۸۲۲ء میں بنک قائم کیا۔ بنک آف نیدرلینڈ سنہ ۱۸۱۴ء اور بنک آف سویڈن سنہ ۱۸۰۹ء میں قائم ہوئے۔ روس میں بنکاری سنہ ۱۷۶۹ء میں شروع ہوئی جبکہ کیتھرائن نے ماسکو میں دو ادارے قائم کئے۔ روس کا سٹیٹ بنک البتہ سنہ ۱۸۶۰ء میں قائم ہوا۔ ہندوستان میں پہلا جائینٹ سٹاک بنک جس کا نام بنک آف ہندوستان تھا، سنہ ۱۷۷۰ء میں قائم ہوا۔

قرون وسطیٰ میں یہودی بنچوں پر بیٹھ کر زرمبادلہ اور ہنڈیوں کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ جب کسی یہودی تاجر کو خسارہ ہوتا اور اس کا کاروبار تباہ ہو جاتا تو لوگ چوراہے میں اس کا بنچ توڑ دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ فلاں کا بنچ ٹوٹ گیا۔ بالفاظ دیگر فلاں شخص دیوالیہ ہو گیا۔ دور جدید میں بھی جب کوئی بنک دیوالیہ ہو جاتا ہے تو اسے بھی BANKRUPT ہی کہا جاتا ہے۔

بنک کی تعریف

بنک ایک ایسا مالی ادارہ ہے جو ایسے لوگوں سے امانتیں وصول کرتا ہے جنہیں فی الحال انکی

ضرورت نہیں ہوتی اور ان افراد کو سرمایہ مہیا کرتا ہے جو کاروباری اور پیداواری کاموں میں استعمال کرنا چاہتے ہوں۔ اس طرح امانت داروں اور ضرورت مندوں کے درمیان ایک واسطہ بن کر اپنے اور اپنے امانت داروں کے لئے منافع کماتا ہے۔ یہ سب کام اس خوبی سے ہوتا ہے کہ قرضہ لینے اور قرضہ فراہم کرنے والے ایک دوسرے سے آشنا بھی نہیں ہوتے۔ دور جدید میں بنک لوگوں سے امانتیں وصول کرنے کے علاوہ ہنڈیوں پر بٹہ لگا کر اور تمسکات خرید کر بھی نئی امانتیں معرض وجود میں لاتا ہے۔ جسے تخلیق زر بھی کہتے ہیں۔

بنک کی قسمیں

دور جدید میں تخصیص کار کی وجہ سے بنک کئی قسموں میں منقسم ہو چکے ہیں۔ ہر بنک کسی خاص شعبے میں تخصیص حاصل کرتا ہے۔ اور ان کی تقسیم بھی ان ہی مخصوص فرائض کی بناء پر کی جاتی ہے۔ ذیل کی سطور میں اختصار کے ساتھ بنکوں کی قسموں پر بحث کی گئی ہے۔

(۱) تجارتی بنک :- (CUMMERCIL BANK) تجارتی بنک جائنٹ سٹاک کمپنی (JOINT STOCK COMPANY) یعنی مشترکہ سرمایہ کی انجمنیں ہوتا ہے۔ جس کے حصہ داروں کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے۔ یعنی نقصان کی صورت میں حصہ دار صرف اپنے حصے (SHARE) کی مالیت کی حد تک ذمہ دار ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ تجارتی بنک اندرونی اور بیرونی تجارت کو مالیات فراہم کرتے ہیں۔ ملکی اور بدیشی ہنڈیوں پر بٹہ لگاتے ہیں۔ لوگوں سے امانتیں وصول کرتے ہیں اور ضرورت مندوں کو قرضے فراہم کرتے ہیں۔ یہ خود بھی براہ راست نجی کاروبار اور سرکاری تمسکات میں سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ انتقال زر اور قیمتی دھاتوں اور دستاویزات کے تحفظ کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ ملکی قوانین اور مرکزی بنک کے احکامات کے مطابق مدتی اور طلبی امانتوں کا طے شدہ حصہ مرکزی بنک میں جمع کرنے کے پابند ہوتے ہیں یہ اپنی امانتوں سے زیادہ قرض بھی دیتے ہیں جسے تخلیق زر کہا جاتا ہے۔ پاکستان میں ایسے بنکوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن بنکوں کا ادا شدہ سرمایہ ۵ لاکھ یا ۵ لاکھ روپے سے زیادہ ہو انہی فہرستی بنک (SCHEDULED BANK) کہا جاتا ہے۔ پاکستان میں ۲۰ فہرستی بنک ہیں جن میں غیر ملکی بنک بھی شامل ہیں

پاکستان میں کل ۹۸ کاروبار فہرستی بنک ہی سرانجام دیتے ہیں اور صرف دو فیصد کاروبار غیر فہرستی

Marfat.com

بنکوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ فہرستی بنکوں میں بھی ۹۰ فیصد کاروبار پاکستان بنک سرانجام
دیتے ہیں۔ ملک کے ۹۶ فیصد امانتیں اور ۸۹ فیصد قرضے پاکستانی زر ادا کرتے ہیں۔ پانچ بڑے
بنک، نیشنل بنک آف پاکستان۔ حبیب بنک لمیٹڈ۔ یونائیٹڈ بنک۔ مسلم کمرشل بنک اور
کامرس بنک ہیں۔ ۱۹۷۰ء تک ملک میں ۵۳۴۷۲ بنکوں کی شاخیں تھیں۔ اس کے علاوہ ۲۳ شاخیں
بیرونی ممالک میں بھی قائم ہیں۔ ان تمام بنکوں میں امانتوں کی مقدار ۱۲ ارب روپے تھی۔

(۲) **صنعتی بنک**:۔ یہ بنک صنعتی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ صنعتوں کو درمیانے اور
طویل عرصے کے قرضے فراہم کرتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی صنعتی اور اقتصادی ترقی صنعتی بنکوں کی
بھی مرہون منت ہے جن میں جرمنی۔ برطانیہ۔ امریکہ اور جاپان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس
کامیابی کے پیش نظر اقتصادی طور پر پسماندہ ممالک بھی صنعتی ترقی کے لئے ایسے اداروں کا قیام
اور فروغ کو خاص اہمیت دے رہے ہیں۔ پاکستان میں بھی صنعتی ترقیاتی بنک اور صنعتی قرضہ اور
سرمایہ کاری کی کارپوریشن صنعت کاروں کو طویل اور درمیانے عرصے کے لئے حوصلہ افزا شرائط پر
قرضے فراہم کرتی ہے۔ پاکستان میں صنعتی بنک کا ادا شدہ سرمایہ تین کروڑ روپے ہے جو سو سو روپے
کے تین لاکھ حصوں میں منقسم ہے جن میں سے اسی فیصد حکومت کی ملکیت میں ہیں اور باقی
عوام نے خرید رکھے ہیں۔ جولائی ۱۹۶۸ء میں اس کے ادا شدہ سرمایہ کو ۴ کروڑ روپے کر دیا گیا۔ اگست
۱۹۶۱ء سے مارچ ۱۹۶۹ء تک اس بنک نے ۱۵۳ کروڑ روپے کے قرضے دیئے۔ قرضے دینے
کے علاوہ یہ بنک صنعت کاروں کو فنی مشاورتی خدمات بھی فراہم کرتا ہے۔

(۳) **زراعتی بنک**:۔ ایسے بنک کا بنیادی مقصد زرعی انقلاب برپا کرنے کے لئے زراعت
پیشہ لوگوں کو آسان شرائط پر سستے قرضے فراہم کرنا ہوتا ہے۔ تاکہ کاشتکار کو قرضے کے حصول
میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ کاشتکار کو بیج۔ کیمیائی کھاد۔ آلات کاشتکاری اور مویشیوں
کی خرید کے علاوہ آبپاشی کے لئے ٹیوب ویل کی تنصیب اور سیم و تھور سے متاثرہ زمینوں کو قابل
کاشت بنانے کے لئے ایسے آسان اور سستے قرضوں کی ضرورت ہوتی ہے جو عام تجارتی بنک
فراہم نہیں کر سکتے لہٰذا خالص زرعی بنک قائم کئے جاتے ہیں۔ پاکستان میں بھی اس مقصد کے
لئے زرعی ترقیاتی بنک اور زرعی ترقیاتی کارپوریشن قائم ہے جو زرعی ترقی میں کارہائے نمایاں
سرانجام دے رہی ہے۔

زرعی ترقیاتی بنک کا ادا شدہ سرمایہ ۱۰ کروڑ روپے ہے۔ اس کی ۱۳۵ شاخیں ہیں

Marfat.com

مارچ سنہ ۱۹ء تک اس بنک نے نو لاکھ کسانوں کو تقریباً ۲۲۵ کروڑ روپے قرض دیئے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ تیسرے منصوبے کے دوران اس بنک نے زرعی ترقی کے جو قرضہ دیا اس سے تقریباً ۶۸ کروڑ روپے کی زائد پیداوار حاصل ہوئی۔

(۴) مبادلہ کے بنک:۔ مبادلہ کے بنک غیر ملکی زرمبادلہ کا لین دین کرتے ہیں۔ یہ غیر ملکی ہنڈیوں اور ڈرافٹوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں اور اس طرح بین الاقوامی ادائیگیوں کے لئے سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔ آج کل چونکہ اکثر ممالک نے معاملات خارجہ پر کنٹرول نافذ کیا ہوا ہے اس لئے ہر بنک کو زرمبادلہ کے لین دین کی اجازت نہیں ہوتی۔ مرکزی بنک کی باقاعدہ اجازت سے چند ایک بنکوں کو ہی زرمبادلہ کے لین دین کی اجازت ہوتی ہے۔ پاکستان میں بھی زرمبادلہ پر کنٹرول رائج ہے۔ لہٰذا سٹیٹ بنک کی اجازت سے چند پاکستانی بنکوں کو مبادلات خارجہ کا لین دین کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

بچت کے بنک:۔

تجارتی بنک اپنے امانت داروں سے امانتیں جمع کرانے اور نکلوانے کے متعلق بڑی سختی سے اپنے ضابطوں پر پابندی کراتے ہیں جن سے چھوٹی چھوٹی بچتیں کرنے والے افراد کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قلیل بچتوں کو پیداواری مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی غرض سے آج کل عام تجارتی بنک بھی اپنے ہاں چھوٹی بچتوں کے لئے ایک خاص شعبہ قائم کر دیتے ہیں جہاں امانتداروں کو شرح سود بھی ادا کیا جاتا ہے اگرچہ یہ شرح سود مدتی امانتوں پر ملنے والے شرح سود سے کم ہوتا ہے ترقی یافتہ ممالک میں بچت کے علیحدہ بنک قائم ہیں۔ بلکہ پاکستان میں بچت کے بنک پوسٹ آفس میں قائم ہیں جہاں صرف دو روپے سے حساب کھولا جا سکتا ہے، اور ہفتہ میں دو مرتبہ امانتیں واپس بھی لی جا سکتی ہیں۔ پاکستان میں ایسے بنکوں کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ ملک کی ۸۵ فیصد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔ جہاں جدید بنکاری کی سہولتیں فراہم نہیں چنانچہ ایسے علاقوں میں عوام کو بچت کی سہولتوں کی فراہمی کے لئے ڈاکخانوں کا وجود بہت اہمیت کا حامل ہے سنہ ۱۹۷ء میں ملک میں ڈاکخانوں کی تعداد ۱۶ ہزار سے زائد تھی۔ جن میں ۱۵ ہزار ڈاکخانوں میں سیونگ بنک کی سہولتیں فراہم تھیں۔

سرمایہ کاری کے بنک:۔

سرمایہ کاری کے بنک عموماً

Marfat.com

کاروباری تنظیموں کے حصص۔ کفالتیں اور تمسکات خرید کرانے سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ یہ سرمایہ کاری کے علاوہ امانتیں وصول کرنے کا کام بھی کرتے ہیں۔ امریکہ میں سرمایہ کاری کے بنک کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ اور جاپان کی اقتصادی ترقی تو بہت حد تک ایسے اداروں کے فعال کردار کی مرہون منت ہے۔ پاکستان کو بھی اپنی اقتصادی ترقی کے لیے ایسے ہی اداروں کے قیام کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ پاکستان صنعتی قرضہ اور سرمایہ کاری کی کارپوریشن کے نام سے ایسا ادارہ قائم کیا گیا۔ اس کے قیام میں حکومت پاکستان کے علاوہ سٹیٹ بنک۔ عالمی بنک، عالمی ترقیاتی ایجنسی۔ برطانیہ۔ امریکہ۔ جاپان اور پاکستان کے نجی، سرمایہ داروں نے بھرپور حصہ لیا۔ اس کا منظور شدہ سرمایہ ۱۵۰ کروڑ روپے ہے۔ کل سرمایہ کا ۶۰ فیصد پاکستان کے نجی سرمایہ کاروں اور ۴ فیصد برطانیہ۔ جرمنی امریکہ اور جاپان کے سرمایہ کاروں اور عالمی مالی کارپوریشن نے فراہم کیا۔ حکومت پاکستان نے اسے ۷ کروڑ روپے کا طویل المیعاد قرضہ دیا۔ ۱۹۶۹ء تک اس نے ۶۷۹ منصوبوں کے لئے ایک ارب ۴۷ کروڑ روپے قرض دیئے جس میں سے ۱۶۶ کروڑ روپے زرمبادلہ کی شکل میں دیا گیا۔ سب سے زیادہ قرضہ سوتی کپڑے کی صنعت کو دیا گیا۔ جن اداروں نے اس کارپوریشن سے قرض لیے وہ سالانہ ۱۳۵ کروڑ روپے کی مالیت کی اشیاء سالانہ پیدا کرتے ہیں۔

صارفین کے بنک:۔

ایسے بنکوں کے قیام کا بنیادی مقصد صارفین کو روزمرہ ضروریات کی خرید کے لیے سستے قرضے فراہم کرنا ہوتا ہے۔ ان قرضوں کی ادائیگی یک مشت یا بالاقساط عموماً ماہوار ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے بنک امانتیں وصول کرنے اور قرضہ کی سہولتیں فراہم کرنے کے علاوہ تمسکات اور کفالتوں کی فروخت سے بھی سرمایہ اکٹھا کرتے ہیں۔ اگر صارفین کی قرضوں کی طلب شدید ہو تو بنک دوسرے مالی اداروں سے بھی قرض لے لیتا ہے۔ اس قسم کے بنک امریکہ میں کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں صارفین کی روزمرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کوئی بنک نہیں۔

رہن بنک:۔

رہن بنک منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد مثلاً مکان، زمین اور قیمتی زیورات وغیرہ رہن رکھ کر ضرورت مند افراد کو قلیل اور درمیانے عرصے کے لئے قرض دے دیتے ہیں۔ ایسے قرضے عموماً غیر ترقیاتی مقاصد کے لیے لئے جاتے ہیں۔ پاکستان میں اکثر تجارتی بنک ہی قیمتی اشیا گروی رکھ کر قرضے دے دیتے ہیں۔ ان میں نیشنل بنک آف پاکستان خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ لاہور کا شاہو کارہ بنک

خاص طور پر اسی مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا۔

امداد باہمی کے بینک:۔

امداد باہمی کا بینک عموماً امداد باہمی کی قرضہ کی انجمنوں (SOCIETIES) کو قرض دیتے ہیں۔ جو کاشتکاروں کو کیمیائی کھاد۔ بیج۔ آلات کاشتکاری۔ ٹیوب ویل اور مویشیوں کی خرید کے لئے امداد دیتی ہے۔ پاکستان میں ہر ضلع کے صدر مقام پر ایک مرکزی امداد باہمی کا بینک قائم ہے جو ضلع میں بالواسطہ طور پر کاشتکاروں کی مالی ضرورتوں کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے جو مرکزی امداد باہمی کے بینکوں کی نگرانی کے علاوہ انکی مالی ضروریات کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے یہ بینک زرعی ترقی کے علاوہ گھریلو صنعتوں کے قیام اور فروغ کے لئے بھی قرض دیتا ہے۔

مرکزی بینک:۔

یہ ملک کا سب سے بڑا اور اہم ترین بینک ہوتا ہے۔ جسے کرنسی کے اجراء کی اجارہ داری حاصل ہے یہ حکومت کا مالی مشیر ہوتا ہے۔ ہر قسم کی سرکاری ادائیگیاں اور وصولیاں اسی بینک کی معرفت ہوتی ہیں۔ زرمبادلہ پر کنٹرول اسی کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ یہ بینکوں کا بینک ہوتا ہے۔ ان کے کام کی نگرانی بھی کرتا ہے۔ اور ان کے مسائل اور مشکلات دور کرتا ہے۔ ملکی اور اقتصادی تقاضوں کے مطابق بینکوں کی تخلیق زر کی صلاحیت میں ردو بدل بھی کرتا ہے۔ یہ ان کا آخری سہارا ہوتا ہے۔ ملک کی کرنسی کی اندرونی اور بیرونی قدر میں ثبات اور استحکام پیدا کرنا اسی کی ذمہ داری ہے۔ نظام زر پر کنٹرول کے لئے مالی پالیسی پر عمل درآمد کرتا ہے۔ تمام بینک کا کام تو منافع کمانا ہوتا ہے لیکن مرکزی بینک کے لئے منافع کمانا ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ پاکستان کا مرکزی بینک سٹیٹ بینک آف پاکستان ہے جو یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو قائداعظم کے ہاتھوں معرض وجود میں آیا تھا اس کا سرمایہ تین کروڑ روپے ہے۔ کل سرمایہ میں سے ۵۱ فیصد حکومت پاکستان نے ادا کیا اور ۴۹ فیصد پاکستانی عوام نے ادا کیا۔

بنکوں کے فرائض

(۱) امانتیں وصول کرنا:۔ امانتوں کے بغیر تو کوئی بینک اپنے فرائض سرانجام دے ہی نہیں سکتا۔ اور نہ ہی وہ قائم رہ سکتا ہے۔ لوگوں سے انکی پس انداز کی ہوئی رقوم حاصل کرتا ہے۔ جمع شدہ امانتیں

Marfat.com

حسب ضرورت چیکوں کے ذریعے واپس بھی نکلوائی جاسکتی ہیں۔ چونکہ امانتوں سے ہی بنک کے کاروبار کو چار چاند لگتے ہیں۔ اس لئے ہر بنک زیادہ سے زیادہ امانتیں حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرتا ہے۔ اور اپنے امانت داروں کو زیادہ سے زیادہ سہولتوں کی پیشکش کرتا ہے۔ بنک میں رکھی جانے والی کچھ امانتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں امانت دار بغیر نوٹس کسی وقت بھی بنک سے واپس لے سکتا ہے۔ ایسی امانتوں کو طلبی امانتیں کہا جاتا ہے۔ یہ امانتیں سیال حالت میں پڑی رہتی ہیں بنک نہ تو انہیں ادھار دے سکتا ہے اور نہ ہی کسی جگہ سرمایہ کاری کر سکتا ہے۔ اس لئے بنک عموماً ان امانتوں پر کوئی سود ادا نہیں کیا کرتا۔ دوسری مدتی امانتیں ہوتی ہیں۔ جو ایک معینہ مدت کے لئے بنک میں رکھی جاتی ہیں۔ اس مدت سے پہلے بلا نوٹس انہیں واپس لینے کا امانت دار کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ چونکہ بنک کو معینہ مدت تک کے لئے ایسی امانتوں پر اعتماد ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ انہیں بلا حیل و حجت کسی کاروبار میں لگا کر یا قرضدار کو قرض دیکر منافع کماتا ہے۔ طویل مدت کے لئے زیادہ شرح سود دیا جاتا ہے۔ جبکہ کہ قلیل عرصہ کے لئے کم

۲۔ قرض دینا۔ اپنے اور اپنے امانت داروں کے لئے منافع کمانا بنک کے بنیادی مقاصد میں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا بنک جمع شدہ امانتوں کا کچھ حصہ امانت داروں کی ضروریات کے لئے رکھ کر باقی ضرورت مندوں کو سود پر قرض دے دیتا ہے۔ وہ خود بھی نفع بخش کاروبار میں سرمایہ کاری کرتا ہے۔ امانت داروں کے لئے نقد زر رکھتے وقت بنک بہت احتیاط سے کام لیتا ہے۔ اگر زیادہ رقم سیال حالت میں رکھی جائے تو بنک کے منافع کمانے کے امکانات محدود ہو جاتے ہیں۔ مگر کم زر نقد بنک کی ساکھ اور اعتماد کو تباہ کرنے کا موجب بھی بن سکتا ہے۔ امانت دار جب بھی رقم واپس لینے آئے تو بلا حیل و حجت رقم ملنی چاہئے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ بنک امانتوں کو کاروبار میں لگاتا ہے یا نہیں۔ بنک کی جانب معمولی سی پس و پیش اس کے دیوالیہ ہو جانے کا موجب بن سکتا ہے۔

قرض دیتے وقت بنک شخصی یا منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کی ضمانت بھی لیتا ہے۔ سونا چاندی۔ تمسکات اور کفالتوں کی ضمانت پر بھی قرض مل جاتا ہے۔

کچھ قرض بوقت ضرورت واپس بھی طلب کئے جا سکتے ہیں جنہیں طلبی قرضے (DEMAND LOAN) کہتے ہیں۔ بعض قرضے ۳۰ سے ۹۰ ایام کے لئے ہوتے ہیں انہیں قلیل عرصہ کے قرضے کہا جاتا ہے بعض قرضے لمبے عرصہ مثلاً ایک سال سے ۲۰ سال تک کے لئے ہوتے ہیں انہیں طویل عرصہ کے قرضے

Marfat.com

(LONG TERM LOANS) کہتے ہیں۔ چونکہ عرصہ کی طوالت کی وجہ سے قرض کی واپسی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں اس لئے طویل عرصہ کے قرضوں پہ شرح سود زیادہ اور قلیل عرصہ کے قرضوں پہ کم شرح سے سود وصول کیا جاتا ہے۔

بنک تخلیق زر بھی کرتا ہے مثلاً ایک شخص ندیم بنک سے ایک لاکھ روپیہ قرض مانگتا ہے بنک ضمانت بیمہ اور دیگر امور میں اپنی تسلی کر لینے کے بعد اسے نقدی کی صورت میں ایک لاکھ روپیہ نہیں دیگا۔ بلکہ ندیم کے نام بنک میں ایک فرضی حساب کھول کر اسے پاس بک اور چیک بک دیکر اس رقم میں سے حسب ضرورت رقم نکلوانے کا اختیار دے دے گا۔ اگرچہ قرضدار قرض کی رقم یکمشت نہیں نکلواتا بلکہ تھوڑی تھوڑی کر کے نکلواتا ہے۔ اور رقم کا بیشتر حصہ ایک عرصے تک بنک میں پڑا رہتا ہے۔ اس کے باوجود ندیم کو ایک لاکھ روپے پر ہی سود ادا کرنا پڑے گا۔

بنک اپنے امانت داروں کو انکی جمع شدہ امانتوں سے زائد رقم کا چیک جاری کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ جسے (OVER DRAFT) کہتے ہیں۔ کاروباری افراد اپنی ضرورتیں عموماً اسی طرح پوری کرتے ہیں۔

ہنڈیوں پہ بٹہ لگانا:۔

ہنڈیوں پہ بٹہ لگانا بھی بنک کے اہم ترین فرائض میں سے ہے۔ امریکہ۔ برطانیہ اور جرمنی جیسے ترقی یافتہ ممالک میں اکثر لین دین نقدی کی بجائے آلات اعتبار سے ہوتا ہے۔ ان آلات اعتبار میں ہنڈی ایک اہم ترین آلہ اعتبار ہے۔ جس کے بغیر بین الاقوامی تجارت چل ہی نہیں سکتی۔ برآمد کنندہ اشیاء برآمد کر کے درآمد کنندہ کے نام شئے کی مالیت کے متعلق جو حکمنامہ لکھتا ہے اسے بدیشی ہنڈی کہا جاتا ہے۔ جب درآمد کنندہ اس ہنڈی کی پشت پر رقم کی تصدیق کر دیتا ہے تو اس کی حیثیت قانونی دستاویز کی سی ہو جاتی ہے۔ اور یہ قابل بیع و بیشتری بھی ہو جاتی ہے۔ برآمد کنندہ اس ہنڈی کو ۹۰ ایام تک اپنے پاس رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ درآمد کنندہ سے رقم کا مطالبہ کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ لیکن کوئی تاجر بھی کاروباری ضرورتوں کے پیش نظر اپنی رقم کو بلاک نہیں کرتا۔ وہ بنک سے اس پر بٹہ لگوا لیتا ہے۔ بنک مروجہ شرح سود کے مطابق باقی ماندہ مدت کا سود کاٹ کر باقی رقم برآمدی تاجر یا ہنڈی پیش کرنے والے کو ادا کر دیتا ہے گویا بنک نے ہنڈی پیش کرنے والے کو ایک معینہ مدت کے لئے قرض دیا۔ اگر بنک کو بھی کسی وقت پیسے کی ضرورت پڑے تو وہ اس ہنڈی پہ مرکزی بنک سے دوبارہ بٹہ لگوا کر اپنی ضرورت

Marfat.com

جاری کرتا ہے

انتقالِ زر:-

بنک زر کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک بحفاظت منتقل کرنے کی سہولتیں فراہم کر کے کمیشن کماتا ہے۔ یہ منتقلی اندرون اور بیرون ملک دونوں میں ہو سکتی ہے۔ ایسی منتقلی سے رقم کے کھو جانے یا ضائع ہونے کا احتمال ختم ہو جاتا ہے۔ کاروباری لوگ عموماً سفر سے پہلے اپنی رقم کسی بنک میں جمع کروا کے وہاں سے ڈرافٹ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اپنی منزل پر پہنچ کر بحفاظت اپنی رقم وصول کر لیتے ہیں۔

دیگر خدمات:-

بنک اپنے گاہکوں کے لئے مختلف امور میں بطور ایجنٹ بھی کام کرتا ہے۔ وہ اپنے گاہکوں کی تنخواہوں کی وصولی۔ بیمہ کی قسطوں کی ادائیگی۔ حصص، تمسکات اور کفالتوں کی فروخت کا کام بھی کرتا ہے وہ ان کا مختارِ عام اور مالی مشیر بھی ہو سکتا ہے۔ ان کی قیمتی اشیاء (مثلاً سونا چاندی۔ ہیرے، جواہرات کے لئے لاکر کی خدمات مہیا کرتا ہے۔ اندرون اور بیرون ملک کے لئے سفری چیک جاری کرتا ہے۔ سہولت کے لئے اعتباری رقعہ (LETTE OF CREDIT) جاری کر کے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ برآمدی تاجر کو وقت پر رقم کی ادائیگی کا بندوبست کرے گا۔ وہ اپنے گاہکوں کی وصیتوں پر عمل درآمد بھی کراتا ہے۔ ان تمام مفید اور کارآمد خدمات کے عوض بنک اپنے گاہکوں سے معمولی سا معاوضہ وصول کرتا ہے۔

بنک کی اہمیت:-

دورِ جدید اقتصادی دور کہلاتا ہے جس میں سرمایہ کا وجود اتنا ہی اہم ہے جتنا انسانی جسم کو توانا اور صحت مند رکھتی ہے۔ اسی طرح سرمایہ کی گردش معیشت کو جاندار بناتی ہے۔ سرمایہ کی افزائش بچتوں کی مرہونِ منت ہے۔ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ پس انداز پر آمادہ کرنا اقتصادی ترقی کے لئے راہیں ہموار کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ سرمایہ سے قومی وسائل کو بروئے کار لا کر قومی دولت کو بڑھایا جا سکتا ہے اور عوام کا معیار زندگی بلند کیا جا سکتا ہے پس اندازی کے علاوہ سرمایہ کاری بھی معاشی خوشحالی کے لئے لازمی ہے۔ سرمایہ کاری سے قومی آمدنی میں اضافہ کے علاوہ بے روزگاری میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔ بنک کا یہی کردار ہے۔ یہ ملک کے گوشے گوشے میں شاخیں کھولتا ہے اور نشر و اشاعت کے ذریعے لوگوں میں پس اندازی کی خواہش اور جذبہ کو ابھارتا ہے۔ لوگوں کی بچتیں

Marfat.com

آجرین کو پیداواری مقاصد کے لئے فراہم کرتا ہے۔ تاکہ سرمایہ کاری کرکے پیدائش دولت کو تقویت دے سکیں اور روزگار کے مواقع پیدا کر سکیں جس سے بے روزگاری کا سدباب ہوتا ہے۔ اگر بنک کا وجود نہ ہوتا تو لوگ حسب عادت اور حسب ضرورت پس انداز تو کرتے۔ مگر انہیں یہ علم نہ ہوتا کہ وہ اپنی بچتوں کو محفوظ رکھنے کے علاوہ انہیں کس طرح پیداواری مقاصد کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سرمایہ کاری کرنے والے تو موجود ہوتے مگر انہیں ان ذرائع کا علم نہ ہوتا جہاں سے آجرین اپنی ضرورت کا سرمایہ حاصل کر سکیں۔ بنک دونوں فریقوں کو اکٹھا کرکے معاشی ترقی کا باعث بنتا ہے۔

اقتصادی ترقی کا انحصار سرمایہ کی فراہمی پر ہے اور بنک سرمایہ کا منبع ہوتا ہے پسماندہ ممالک میں سرمایہ کی قلت کی بڑی وجہ وہاں کا پسماندہ نظام بنکاری ہے جو نہ تو پس اندازی کے جذبہ کو ابھارتا ہے اور نہ آجرین کو سرمایہ کاری کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ ان ممالک میں قومی دولت کو صرف ۵ سے ۷ فیصد تک ہی پس انداز کیا جاتا ہے جو اقتصادی ترقی کیلئے بہت ہی کم ہے جب کہ ترقی یافتہ ممالک میں قومی دولت کا ۲۰ سے ۲۵ فیصد پس انداز کر لیا جاتا ہے۔

بنک صرف سرمایہ ہی فراہم نہیں کرتا بلکہ یہ دھاتی زر کے استعمال میں کفالت بھی کرتا ہے اور سکیک کے مصارف سے نجات دلاتا ہے۔ آلات اعتبار یعنی چیک۔ ڈرافٹ۔ ہنڈی وغیرہ کے استعمال سے دھاتی زر کا استعمال کم ہو جاتا ہے۔

بنک اقتصادی ترقی کے علاوہ معاشی بحران میں متزلزل معاشی نظام کو سہارا دیتا ہے۔ آجرین کو سرمایہ فراہم کرکے انہیں سرمایہ کاری پر آمادہ کرتا ہے جس سے کاروباری سرگرمیاں تیز ہو جاتی ہیں کساد بازاری میں مالی امداد ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ثابت ہوتی ہے۔ اور اس طرح معیشت مکمل بربادی اور تباہی سے بچ جاتی ہے۔

سرمایہ کی نقل پذیری میں بھی بنک کے کردار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کم منفعت بخش کاروبار سے سرمایہ زیادہ منفعت بخش کاروبار میں منتقل کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اس طرح سرمایہ اپنے بہترین مصرف میں آجاتا ہے۔

بنک بین الاقوامی اور اندرونی تجارت کو سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ بیرونی منڈیوں پر سٹہ لگا کر تاجروں کو بوقت ضرورت سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ ملکی سرمایہ کی حفاظت کرتا ہے۔ صنعتی اور تجارتی جدوجہد کو تیز کرتا ہے اور قومی فلاح و بہبود کا باعث بنتا ہے۔ مختصر یہ کہ قومی خوشحالی اور اقتصادی

Marfat.com

ترقی کے لیئے بنک کا وجود ناگزیر ہے۔ کیونکہ یہ ملک کی تجارتی ۔ صنعتی ۔ زرعی اور معاشی ترقی میں کارہائے نمایاں سرانجام دیتا ہے۔

بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے کا مسئلہ

موجودہ سیاسی حالات میں بنکوں اور بیمہ کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لینے کا مسئلہ خاصا زور پکڑ چکا ہے۔ قومیانے کا مسئلہ اتنا آسان اور سادہ نہیں کہ اسے بغیر سوچے سمجھے اپنا لیا جائے۔ کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ہمیں ملک میں بنکوں کی کارکردگی کا جائزہ لینا ہوگا۔

تقسیم ملک کے وقت پاکستان میں فہرستی بنکوں کی تعداد تیرہ اور انکی شاخوں کی تعداد ۶۳۱ تھی۔ مگر تقسیم کے ساتھ ہی ان میں سے بارہ بنک ہندوستان منتقل ہو گئے اور صرف ایک بنک پاکستان میں رہ گیا۔ اس طرح ہماری صنعت اور تجارت کو ناقابل بیان نقصان پہنچا۔ بعد میں مرکزی بنک کی کوششوں سے بنکوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اب ۱۹۷۰ء ملک میں ۳۶ فہرستی بنک ہیں۔ اور ان کی شاخوں کی تعداد ۳۰۶۵ ہے۔ ۱۹۴۸ء میں کل امانتوں کی مالیت ۹۰ کروڑ روپے تھی۔ جب کہ جون ۱۹۶۹ء میں ۱۴۵۰ کروڑ روپے۔ اس طرح امانتوں میں ۱۵۰۰ فیصد اضافہ ہوا۔ اس طرح ۱۹۴۸ء میں زر گردش کی مالیت ۱۶۵ کروڑ تھی۔ جب کہ ۱۹۶۹ء میں یہ ۷۶۵ کروڑ روپے ہو گئی۔ اس طرح زر گردش میں ۷۰۰ فیصد اضافہ ہوا۔ ۱۹۶۹ء کے دوران بنکوں نے تقریباً ۳۰۰ کروڑ روپے کے قرضے دیئے جس میں ۱۳۵ کروڑ روپے ان قرضداروں کو دیئے گئے جن کی قرض کی مالیت ۵۰۰ ہزار روپے روپے تھی۔ اس سے ۲ لاکھ ۳۷ ہزار افراد مستفید ہوئے۔ ۴۲ کروڑ روپے بڑے صنعتکاروں کو دیئے گئے۔ جن کی تعداد ۲۹۹ ہے۔ ۴۱ کروڑ روپے بنک کے ڈائریکٹروں کو دیئے گئے۔

بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے کے حق میں اور اس کی مخالفت میں بہت سے دلائل دیئے جاتے ہیں۔ ذیل میں انکا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا جاتا ہے۔

بنکوں کو قومی تحویل میں لینے کے دلائل:-

(۱) بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے سے حکومت کے وسائل آمدنی وسیع ہو جائیں گے۔ وہ تمام منافع جو بنک کے حصہ داروں اور بنک کے ڈائریکٹروں کی نذر ہو جاتا ہے وہ حکومت کے خزانے میں آئے گا۔ جس سے حکومت کو وسیع مالی وسائل کی مدد سے اپنے ترقیاتی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے

Marfat.com

میں مدد ملے گی۔

(ب) بنک قومیانے سے ملک کے مادی اور مالی وسائل کو اقتصادی ترقی کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ نجی بنک کی نسبت سرکاری بنک پر عوام کا زیادہ اعتماد ہوتا ہے۔ وہ نجی پس اندازی کی حوصلہ افزائی کریں گے اور زیادہ بچتیں بنکوں میں جمع کرائی جائیں گی مثلاً نیشنل بنک کے پاس تمام دوسرے بنکوں کی مجموعی امانتوں کا ۲۶ فیصد ہے۔ جس سے اس سرکاری بنک کی امتیازی حیثیت کا پتہ چلتا ہے

[اس بنک نے چھوٹی چھوٹی نجی بچتیں کھینچنے کے لئے سکولوں اور کالجوں کے طلباء کے لئے خاص بچت حساب شروع کر رکھے ہیں۔ اسی طرح صنعتی مزدوروں میں بچت کی عادت ڈالنے کے لئے مختلف کارخانوں میں بنکاری کی سہولتیں فراہم کی ہوئی ہیں۔]

(ج) بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے سے قرضوں کی تقسیم منصفانہ ہو جائے گی۔ جس سے چھوٹے چھوٹے صنعت کار زیادہ مستفید ہونگے۔ جب گھریلو صنعتوں اور زراعت کو خاص طور پر قرضے کی سہولتیں ملیں گی۔ جن سے اب تک یہ محروم ہیں۔ عام بنک معاشرتی فلاح و بہبود کے لئے قرض نہیں دیتے۔ قومی ملکیت میں آجانے کے بعد معاشرتی فلاح و بہبود کا شعبہ خاص طور پر مستفید ہوگا۔ ہمارے ملک میں ۸۹ فیصد بچتیں چھوٹی چھوٹی پس اندازی ہوئی رقوم کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ مگر چھوٹے تاجر اور صنعت کاروں کا کل قرضوں میں حصہ بمشکل ۱۰ فیصد ہے۔ بڑے بڑے صنعت کاروں اور تاجروں کا بچتوں میں حصہ انتہائی قلیل ہے۔ مگر قرضوں میں ان کا حصہ انتہائی کثیر ہے اس بنا پر بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے کی دلیل پاکستان جیسے پسماندہ ملک میں سب سے وزنی تصور کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس صورت حال نے دولت کے ارتکاز میں مدد دی ہے۔ قومی دولت کا ۸۰ فیصد صرف ۲۲ خاندانوں میں مرتکز ہو چکا ہے۔ جو اقتصادی نقطہ نگاہ سے بہت تشویشناک ہے اور جن کا سدباب جلد از جلد ہو جانا چاہئے۔ ان خاندانوں نے نہ صرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ بلکہ سیاست پر بھی ان کا گہرا اثر و رسوخ ہے۔

(د) نجی بنکاری میں ایک فرد کئی کئی کاروباری اداروں اور بنکوں کا ڈائریکٹر ہوتا ہے جس سے دولت کے ارتکاز میں اور بھی مدد ملتی ہے۔ ٹیکسوں کی ادائیگیوں سے گریز اور ڈائریکٹروں کو قرضوں کی فراہمی نے بیشمار برائیوں کو جنم دیا ہے۔ اگر بنکوں کو

Marfat.com

قومی ملکیت میں لے لیا جائے تو یہ تمام خرابیاں دور ہو سکتی ہیں۔
(س) نجی بنکاری نے غیر صحت مند مقابلہ کو جنم دیا ہے۔ جس سے قومی ضیاع ہوتا ہے مثلاً حبیب بنک اور یونائیٹڈ بنک کے مقابلہ کی وجہ سے ان کے عمارات، عملہ، نشر و اشاعت وغیرہ پر اخراجات میں بے حد اضافہ ہو چکا ہے۔ جس جگہ حبیب بنک کی شاخ موجود ہو وہاں یونائیٹڈ بنک کی شاخ بھی ضرور ملے گی۔ اگر بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے تو کسی ایک جگہ پر مختلف بنکوں کی شاخیں ہونے کی بجائے انہیں دیہی علاقوں میں پھیلایا جا سکتا ہے جس سے ملک کو بحیثیت مجموعی زیادہ فائدہ پہنچے گا۔
(ز) بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لینے سے حکومت کو سرمایہ کی منڈی پر مکمل کنٹرول حاصل ہو جائے گا۔ اس سے حکومت ہر شعبے کی ترقی کے لئے یکساں طور پر کوشاں نظر آئے گی اور حکومت کو اپنی مالی پالیسیاں کامیابی سے نافذ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ بنک چونکہ تخلیق زر کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس اہم کام کو نجی بنکوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔

قومی تحویل میں نہ لینے کے دلائل

(ا) اگر بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا تو حصہ داروں کو انکے حصص کی مالیت کے برابر معاوضہ ادا کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ جو ترقی پذیر ممالک کی معیشت پر بار گراں ثابت ہوگا۔ معاوضہ کے بانڈز پر ادا ہونے والا سود اس منافع سے کہیں زیادہ ہوگا۔ جو حکومت کو قومیانے کی صورت میں حاصل ہوگا۔
(ب) بنک کو قومیا لینے سے اقتصادی ترقی کی رفتار میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ ہے۔ موجودہ صورت حال میں ہر بنک مقامی حالات اور انفرادی ضروریات کے مطابق قرض فراہم کرتا ہے، اس میں لچک پائی جاتی ہے جو معاشی نقطہ نگاہ سے بہتر ہے۔ قومی ملکیت میں لے لینے کے بعد یہ لچک ختم ہو جائے گی۔ اور ایک یکساں مالی پالیسی اختیار کرنی پڑے گی جس سے مقامی حالات اور انفرادی ضروریات کو نظرانداز کرنا پڑے گا۔ اور جو اقتصادی ترقی کی شرح کو سست کر دے گا۔
(ج) سرکاری دفاتر میں رشوت ستانی اور کنبہ پروری کا دور دورہ ہے۔ سرخ فیتہ اسکا خاصہ ہے۔ استعداد عمل ناپید ہے۔ بنکاری کا انحصار مستعد خدمت پر ہے اگر بنک کو قومیا لیا جائے

Marfat.com

تو مستثنیٰ ہی کیونکہ صنعت کاروں اور تاجروں کو نہ تو پروفیشنل اور نہ ہی بغیر سفارش یا رشوت کے قرض مل سکے گا۔ لہٰذا سرکاری افسروں کے ہاتھ میں مزید اختیار دینا بجائے فائدہ کے باعث نقصان ہو سکتا ہے۔

(ش) موجودہ حالات میں بنکوں میں صحت مند مقابلہ موجود ہے جس سے گاہکوں کو بہتر خدمت حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ بنکوں کو قومیانے کی صورت میں گاہکوں کو انفرادی توجہ سے محروم ہونا پڑیگا۔ اس کا نتیجہ سستی اور پس اندازی پر پڑے گا۔

(ص) موجودہ صورت حال میں حکومت نہ تو صنعتی کارکردگی بڑھانے کے لیے کوئی مثبت قدم اٹھا سکتی ہے۔ اور نہ ہی معاشرتی انصاف کے حصول کے لیے دولت کی تقسیم کو منصفانہ بنا سکتی ہے کیونکہ تمام تر بنکاری کا نظام چند ایک نجی افراد کے ہاتھ میں ہے۔

بنکوں کو قومی تحویل میں لینے اور نہ لینے کے متعلق جو دلائل دیئے گئے ہیں ان کا موازنہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ پاکستان میں بنکوں کو قومیانہ ملکی اقتصادی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ جن خدشات کا اظہار قومی تحویل میں نہ لینے کے متعلق کیا جاتا ہے وہ ایسے نہیں جن کو آسانی سے دور نہ کیا جا سکے۔ یہ محض خدشات ہی ہیں۔ ان میں کوئی حقیقت نہیں۔ دیکھنا تو صرف یہ ہے کہ بنکوں کو قومی تحویل میں لینے سے ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہوتی ہے۔ یا نہ لینے سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ واضح اور کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ بنکوں کو قومی تحویل میں لینے سے ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہوتی ہے۔ نجی نظام بنکاری ہی نظام سرمایہ داروں کا سرچشمہ ہے۔ جب تک بنکوں کو قومی تحویل میں نہیں لیا جاتا اس وقت نظام سرمایہ داری کی لعنت سے نجات حاصل کرنا مشکل ہے۔ پاکستان میں بنکوں کو قومی تحویل میں لینے کی اہمیت اس سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔

کہ ۱۹۷۰ء کے قومی انتخاب کے وقت ہر سیاسی جماعت نے اپنے منشور میں بنکوں کو قومی تحویل میں لینے کا وعدہ کیا تھا۔ جس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ کہ نجی نظام بنکاری کتنی سنگین صورت حال اختیار کر گئی ہے۔

Marfat.com

اسلام میں نظامِ بنکاری[1]

اسلامی اقتصادی نظام میں بنک کا قیام مشترکہ سرمایہ کی انجمن کے عام اصولوں کے تحت ہو سکتا ہے۔ جس کے سرمایہ کو مختلف حصوں میں منقسم کر کے عام افراد کو خریدنے کی دعوت دی جا سکتی ہے۔ عام حصے داروں کی تعداد پر پابندی لگانا تو معاشی لحاظ سے بہتر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس طرح چھوٹے چھوٹے بچت کاروں کو بھی بڑے بڑے کاروباروں میں شرکت کا موقعہ ملے گا۔ مگر حصے دار کے حصوں کی تعداد پر پابندی لگائی جا سکتی ہے۔ تاکہ بنک پر چند ایک کی اجارہ داری نہ قائم ہونے پائے۔ اس طرح ضروری نہیں کہ ہر حصے دار کا فراہم شدہ سرمایہ مساوی ہو۔ ہر حصے دار اپنے فراہم کردہ سرمایہ کی مالیت تک مطابق بنک کا مالک سمجھا جائے گا۔ ان حصہ داروں کی ذمہ داری غیر محدود ہونی چاہیے۔ جب کہ غیر اسلامی بنک کے حصے داروں کی ذمہ داری محدود ہوتی ہے تاکہ بنک سے لین دین کرنے والوں کے مفادات کو تحفظ دیا جا سکے۔ سال کے اختتام پر بنک کا منافع حصوں کی تعداد اور مالیت کے مطابق حصہ داروں میں تقسیم کیا جائیگا۔ سال کے دوران بنک کو جو نقصان ہو تو یہ شرکاء بنک کے درمیان ان کے سرمایہ کی نسبت سے تقسیم کیا جائیگا۔

بنک براہ راست صنعتی۔ تجارتی یا زرعی کاروبار میں شرکت نہیں کریگا۔ بلکہ کل مشترکہ سرمایہ شراکت یا مضاربت کے اصول پہ کاروبار میں لگایا جائے گا۔ اس کے علاوہ عام افراد، اداروں یا حکومت کو ایسی خدمات بھی فراہم کرے گا۔ جس کے عوض وہ معقول معاوضہ کما سکے ہر شریک بنک کے ساتھ شرکت کا معاہدہ کرے گا۔

کاروبار کے متعلق تمام اہم فیصلے حصہ داروں کے باہمی مشورے سے طے ہونگے۔ روزمرہ کے کاروباری امور کے لئے تنخواہ دار عملہ رکھا جا سکتا ہے۔ سال کے اختتام پر حساب کی جانچ پڑتال کے بعد مجموعی نفع یا نقصان کا تعین کیا جائے گا۔ نفع کی صورت میں ہر حصہ دار کو منافع دے دیا جائے گا۔ اور نقصان کی صورت میں حصہ دار کو مطلع کر دیا جائے گا۔ اور آئندہ سال کے لئے معاہدہ شرکت کی تجدید کی جائے گی۔ ہر شریک کسی وقت بھی معاہدہ شرکت سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔ البتہ مالی امور میں بے قاعدگیوں سے بچنے کے لئے یہ مناسب ہو گا۔ کہ ہر شریک کو معاہدہ شرکت سے سال کے اختتام سے پہلے علیحدہ نہ ہونے کا پابند بنا یا جائے۔ کسی شریک کی موت کے بعد اس کا سرمایہ اس کے وارثین کے نام منتقل کر دیا جائے گا۔

[1] غیر سودی بنکاری مصنفہ نجابت اللہ سے استفادہ کیا۔

Marfat.com

بنک اپنے حصے داروں کے لئے منافع کمانے کی غرض سے دو قسم کی خدمات سرانجام دیگا جا رہا بنکوں کی طرح اسلامی بنک بھی عوام ، اداروں اور حکومت کو کئی قسم کی خدمات فراہم کریگا جس کے عوض وہ معاوضے کا حقدار ہوگا ۔ یہ معاوضہ سود سے بالکل پاک ہے ۔ مثلاً قیمتی زیورات دستاویزات کے لئے لاکرز سروس سفری چیک اور ڈرافٹ کے ذریعے زر کی منتقلی ۔ تجارت کو فروغ دینے کے لئے تجارتی رقعے کھولنا اپنے گاہکوں کی طرف سے انکا مال چھوڑانا وغیرہ گاہکوں کے غیر منقولہ جائیداد کی خرید و فروخت اپنے گاہکوں اور امانت داروں کی جانب سے تجارتی حصے کی خرید و فروخت اور قانونی مالی خدمات کی سرانجام دہی کے عوض فیس کی شکل میں معاوضہ وصول کرنا ۔ حالات اور وقت کے مطابق بنک کی خدمات کی نوعیت بدلتی رہے گی ۔ جس کا انحصار لوگوں کی طلب پر ہوگا ۔

بنک شراکت یا مضاربت کے اصول پر مایہ فراہم کریگا ۔ مضاربت کے اصول کے تحت بنک سرمایہ فراہم کریگا ۔ اور کاروباری افراد اس سرمایہ سے کاروبار کریں گے ۔ اگر کاروبار میں نقصان ہو تو چونکہ یہ سرمایہ میں واقع ہوگا ۔ اس لئے اسے تنہا بنک برداشت کرے گا لیکن اگر نفع ہوا تو یہ طے شدہ نسبتوں کے مطابق بنک اور کاروباری فریق کے درمیان تقسیم ہوگا ۔
بنک روزمرہ کاروباری معاملات میں مداخلت نہیں کریگا ۔ سرمایہ کی فراہمی کیوقت بنک اور کاروباری کے درمیان جو معاہدہ ہوگا ۔ اس میں کاروباری تفصیلات طے کی جاسکتی ہیں ۔ کاروباری فریق صرف قلیل عرصے کے قرضے لیگا ۔ "تاکہ بنک کی مالی ذمہ داریاں محدود رہیں ۔ قرضوں کی واپسی مال کی فروختگی کیساتھ ہی جانی چاہیے ۔ مضاربت کیصورت میں مال کو فراہم کرنے والے اور کاروبار کرنے والے متعدد افراد ہوسکتے ہیں ۔ یعنی سرمایہ چند افراد یکجا ہو کر فراہم کریں اور اس سے کاروبار بھی چند افراد ہی کریں یا سرمایہ ایک فرد یا ادارہ فراہم کرے اور اس سے چند افراد مل کر کاروبار کریں یا چند افراد سرمایہ فراہم کریں اور اس سرمایہ سے ایک فرد یا ادارہ کاروبار کرے ۔

بنک کسی کاروباری فریق کے ساتھ شراکت کا معاہدہ بھی کرسکتا ہے ۔ کاروبار میں بنک کے علاوہ کاروباری فریق کا سرمایہ بھی شامل ہوگا ۔ بنک اپنے ماہرین کی خدمات بھی فراہم کرنے کا ذمہ دار ہوگا ۔ شرکت کے معاہدہ میں کاروبار کی نوعیت ۔ اس کی حدود مدت معاہدہ اور نفع کی تقسیم جیسے امور طے کیئے جانے چاہئیں ، نقصان کی ذمہ داری سرمایہ کی مقدار کی نسبت سے تقسیم ہوگی ۔

موجودہ اثاثے کی قیمت کے مجموعے سے زیادہ مالی ادائیگیاں نہ واجب ہوں : معاہدہ شراکت

Marfat.com

کے اختتام پر اگر معاہدہ کی تجدید نہ کی جائے تو بنک کو اپنا سرمایہ مع منافع واپس مل جائیگا لیکن خسارہ کی صورت میں خسارہ اس کے سرمایہ سے منہا کر دیا جائے گا۔

اگر بنک کاروبار چلانے میں عملاً حصہ لینا چاہے تو وہ اپنا سرمایہ شرکت کے اصول پر فراہم کرے گا۔ لیکن اگر کاروبار میں عملی طور پر حصہ دار نہ بننا چاہے تو مضاربت کے اصول پر سرمایہ فراہم کر سکتا ہے۔ چونکہ موجودہ دور میں بنکاری ایک انتہائی پیچیدہ کاروبار بن چکا ہے اس لیے بنک کے لیے بہتر یہی ہوگا کہ وہ مضاربت کے اصول پر سرمایہ فراہم کرے۔ شراکت کی صورت میں امانت داروں کو بنک کے ساتھ غیر محدود مالی ذمہ داریوں کو قبول کرنے کا معاہدہ کرنا ہوگا۔ بعض مخصوص بنک شراکت کے تحت بھی کاروبار میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اگر شراکت کے اصول پر سرمایہ فراہم کرنے کے باوجود بنک کاروبار چلانے میں عملی طور پر حصہ نہ لے تو مشترکہ سرمایہ میں سے اسے اس کے حصہ کے مطابق منافع نہیں ملے گا۔ بلکہ اس سے کم ملے گا۔

بنک اور کاروباری فریق کے درمیان منافع کی تقسیم

(۱) اگر بنک نے سرمایہ فراہم کیا ہو اور کاروباری فریق اپنی فراست اور دانشمندی سے کاروبار کرے تو منافع طے شدہ نسبت سے تقسیم ہوگا۔ لیکن نقصان تمام کا تمام بنک کو برداشت کرنا ہوگا۔

(۲) اگر تاجر نے بنک کے سرمایہ کے ساتھ اپنا سرمایہ بھی لگا رکھا ہو تو نفع کی صورت میں بنک کے سرمایہ کا منافع بنک اور تاجر کے درمیان تقسیم ہوگا اور تاجر کے منافع پر اسی کا حق ہوگا۔ نقصان کی تقسیم سرمایہ کی نسبت سے ہوگی۔

(۳) اگر بنک اور تاجر کے سرمایہ کے علاوہ مضاربت پر کسی تیسرے فریق کا سرمایہ بھی شامل ہو تو پہلے مجموعی منافع کو مجموعی سرمایہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور پھر بنک اور تیسرے فریق کے سرمایہ کے منافع میں سے تاجر کا حصہ طے شدہ شرط کے مطابق نکالا جائے گا۔

(۴) اگر تاجر اور بنک کے علاوہ شراکت کے تحت کسی شریک کا سرمایہ لگا ہوا ہو تو پہلے تاجر اور شریک کے درمیان طے شدہ اصول کے مطابق منافع تقسیم ہوگا اور پھر تاجر اپنے منافع کے حصے میں سے طے شدہ اصول کے مطابق بنک کو منافع دیگا۔

نفع و نقصان کا حساب لگانے سے پہلے طویل عرصہ کے قرضے ادا کئے جائیں گے اور نفع و نقصان کا حساب اصل سرمایہ اور طویل عرصہ کے قرضوں کی بنیاد پر کیا جائے گا۔

غیر سودی کاروبار کے لیے سٹہ بازی کو قانونی طور پہ تقسیم کرنا ہوگا۔

Marfat.com

امانت دار مضاربت کے اصول پر بنک میں اپنی بچتیں جمع کرائیں گے۔ ان کی مالی ذمہ داری محدود ہوگی۔ جو انکی امانتوں سے تجاوز نہیں کرے گی۔ معینہ مدت کے لئے بھی رقوم جمع کرائی جا سکتی ہیں اور غیر معینہ مدت کے لئے بھی۔ ہر سہ ماہی یا ششماہی یا سال کے اختتام پر امانت داروں کو نفع و نقصان سے آگاہ کیا جائے گا۔ نفع کی صورت میں بنک کے حصہ دار کا منافع امانت دار کی نسبت زیادہ ہوگا مگر نقصان کی صورت میں حصے دار اور امانت داروں کا نقصان یکساں تناسب سے متعین ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حصے دار اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق عملی طور پر بنک کے کاروبار میں شریک ہوتے ہیں جب کہ امانت دار صرف سرمایہ فراہم کرتا ہے اگر امانت دار اپنی مرضی کے مطابق جب چاہیں اپنی امانتیں واپس لینے کے مجاز ہوں تو اس نفع و نقصان میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ انکی رقم بغیر کسی کمی بیشی کے واپس کی جائے گی۔ بنک خود بھی اپنے جمع شدہ سرمایہ کی نسبت سے تاجروں کو قرض دے گا جس کی واپسی کی مدت ہوگی بنک اس قرض پر کوئی سود نہیں لے گا۔ غیر سودی قرض کے لئے مرکزی بنک کی طرف سے تحریک پیدا کی جائے گی۔ بنک قرض کے حساب کتاب پر آنے والے اخراجات پورے کرنے کے لئے قرض لینے والوں سے کچھ معاوضہ بھی وصول کر سکتا ہے۔ لیکن یہ معاوضہ اخراجات سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے

بیمہ

بیمہ ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی ہیں فکر و اندیشہ۔ معاشی اصطلاح میں بیمہ زندگی اس معاہدہ کا نام ہے جس کی رو سے بیمہ کرانے والا غیر متوقع یا ناگہانی حوادث کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مخصوص رقم بیمہ کمپنی کے لئے مختص کر دیتا ہے۔ جسے وہ مقرر کردہ اقساط کے ساتھ مقررہ مدت کے لئے ادا کرتا رہتا ہے۔ کمپنی مقررہ میعاد ختم ہونے پر یا اس سے قبل اتفاقیہ موت ہو جانے پر مقررہ کردہ رقم اس کے وارثوں کو ادا کرتی ہے۔

بیمہ کی مختصر تاریخ

تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ تجارتی بیمہ کا رواج اندلس کی مسلم حکومت کے دور میں ہوا۔ دور جدید سے قبل سرمایہ کی زیادہ مقدار تجارت میں لگی ہوئی ہوتی تھی۔ اور تجارتی کاروبار سمندر کے ذریعہ ہوا کرتا تھا۔ اس دور میں بحری سفر کے ذرائع بادبانی جہاز اور کشتیاں ہوتی

Marfat.com

نہیں۔ جو اکثر طوفانوں کی نذر ہو جاتی تھیں۔ تاجروں اور کاروباری حضرات کو یہ تحریک ہوئی کہ وہ ناگہانی حوادث کی تباہ کاریوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔ چنانچہ مسلم تاجروں نے تجارتی بیمہ کی بنیاد ڈالی۔

دور جدید میں ہالینڈ کے تاجروں، صناعوں وغیرہ نے اس ابتدائی رواج کو اختیار کیا۔ انہوں نے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ جس کو گارنیٹڈ ایسوسی ایشن (GUARANTED ASSOCIATION) کہا جاتا ہے۔ اس انجمن کے ممبر تاجروں نے مل جل کر یہ طے کیا کہ اگر کسی رکن تاجر کو سمندر کے راستے مال بھیجتے ہوئے ناگہانی نقصان پہنچے تو دوسرے ارکان انجمن اس تاجر کے نقصان کو پورا کریں تمام ارکان ایسوسی ایشن کو ایک مقررہ رقم ادا کرتے تھے۔ اسی نظام کار کی جدید ترقی یافتہ شکل لائیڈز (Lloyds) سسٹم کہلاتی ہے۔

اس سے ملتی جلتی شکل مشترک نظام بیمہ (Mutual INSURANCE) ہے۔ جس میں بیمہ دار ہی کاروبار میں حصہ دار ہوتے ہیں۔

بیمہ کی ایک اور شکل سرمایہ کارانہ نظام بیمہ (Capital Form of Insurance) یہ مقررہ چندہ پر بیمہ کاری ہے بیمہ کی ہمہ گیر شکل ریاستی نظام بیمہ (State Insurance) ہے۔ جس کے تحت حکومت شہریوں کو خاص خاص مصائب کے مقابلہ میں تحفظ دیتی ہے۔

بیمہ زندگی۔

بیمہ زندگی کا آغاز انگلستان سے ہوا۔ اس کی ابتدائی شکل یہ تھی کہ اگر کوئی نادار اور مفلس آدمی مر جاتا تو چند امیر آدمی کچھ رقم اکٹھی کر کے اس کی تجہیز و تکفین کرتے تھے پھر اس کا دائرہ وسیع ہوا تو پسماندگان اور یتامیٰ وغیرہ کی کفالت جمع شدہ رقم سے کی جانے لگی۔

باقاعدہ بیمہ زندگی ...... کا آغاز پہلے پہل انگلستان اور اسکاٹ لینڈ سے ہوا۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں لائف انشورنس ایکٹ پاس ہوا۔ جس کی رو سے بیمہ داروں کے مفادات کا تحفظ کیا گیا۔

بیمہ کی اقسام۔

عمومی بیمہ اس نظام بیمہ کے تحت بیمہ کرانے والے کو املاک اور کاروبار وغیرہ کے نقصان کا تحفظ دیا جاتا ہے۔

بیمہ زندگی:- اس نظام کے تحت جان کے نقصان کا تحفظ دیا جاتا ہے۔

منافع کے لحاظ بیمہ زندگی کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک مع منافع۔ دوسری بلا منافع۔ بیمہ

Marfat.com

اگر کسی مع منافع اسکیم کے تحت کرایا گیا ہے۔ تو بیمہ دار کا حق کمپنی کے مجموعی منافع پر ہوتا ہے۔ اور بیمہ کی رقم مقررہ عرصہ پر بونس کے ذریعہ زیادہ زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ لیکن بلا منافع اسکیم کے تحت بیمہ کرانے پر بیمے دار کا حق کمپنی کے مجموعی منافع پر نہیں ہوتا۔ پالیسی کے لحاظ سے بیمہ زندگی کی تین اقسام ہیں:

لائف پالیسی (جسے ٹرم پالیسی کہا جاتا ہے۔) اس نظام کے تحت مقررہ رقم بیمہ دار کی موت واقع ہونے پر اس کے پسماندگان کو ادا کی جاتی ہے۔

ہول لائف پالیسی۔ اس نظام کے تحت قسط ادا کرنے کی مقررہ مدت ختم ہونے سے قبل جب بھی بیمہ دار کی موت واقع ہو جائے۔ تو اس کے پسماندگان کو معاہدہ کی رقم ملے گی۔

معاہدہ وقف (ENDOMENT POLICY)

اس نظام کی رو سے بیمہ دار کو ایک مقررہ مدت کے پورا ہونے پر یا اگر اس سے پہلے موت واقع ہو جائے تو اس کے پسماندگان کو مقررہ رقم ادا کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بے شمار بیمہ کی شکل ایجاد ہو گئی مثلاً شادی۔ بچوں کی تعلیم وغیرہ۔ جوں جوں انسانی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں۔ توں توں بیمہ کی شکلوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

بیمہ زندگی کا عمرانی تجزیہ:-

بیمہ زندگی کا رواج صرف انہی ممالک میں ہو سکتا ہے۔ جہاں سرمایہ دارانہ نظام قائم ہے اس کی وجہ یہ ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ایک طبقہ تو گنج شائیگان کا مالک ہو جاتا ہے۔ تو دوسرا طبقہ نان و نفقہ کا محتاج بن جاتا ہے۔ دوسرا طبقہ کو اپنی اولاد اور بڑھاپے کا فکر دامن گیر ہوتا ہے۔ اگر بے وقت موت آ گئی تو اس کی اولاد کا کیا بنے گا۔ اگر بڑھاپا آ گیا تو اس کے آخری ایام کیسے گزریں گے۔ اولاد اور بڑھاپے کا غم اس کو پس انداز کرنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک ثابت شدہ امر ہے۔ کہ رقم ہاتھ میں رہے تو کہیں خرچ ہو جاتی ہے لیکن اگر کسی ایسی جگہ رکھی رہ جائے جہاں سے نکالی نہ جا سکے تو پیسہ بچا رہتا ہے۔ تو ان تمام چیزوں کو سامنے رکھ کر بیمہ زندگی کی بنیاد رکھ دی گئی۔ لہ لوگ مقررہ مدت کے لئے مقررہ رقم ایک کمپنی کو دیتے رہیں۔ اگر وہ مقررہ مدت سے پہلے فوت ہو جائیں۔ تو بھی ان کے پسماندگان کو مقررہ رقم مل دی جائے گی۔ ورنہ مقررہ مدت کے بعد زیادتی کے ساتھ اس کی رقم اس کو واپس لوٹا دی جائے گی۔

بیمہ کمپنی بحیثیت ایک اقتصادی ادارے کے۔

Marfat.com

جب عوام نے دیکھا کہ بیمہ کمپنیاں ان کی ناگہانی موت اور غیر متوقع حادثات کے مقابلہ میں ان کو پورا پورا تحفظ دیتی ہیں۔ تو یہ کاروبار تیزی سے بڑھنا شروع ہو گیا۔ امریکہ اور انگلستان وغیرہ ملکوں میں یہ کاروبار تو بہت ہی پھیلا ہوا ہے۔ پاکستان میں اتنی سرعت کے ساتھ نہیں پھیل رہا۔ پھر بھی پاکستان میں بیمہ کمپنیاں کروڑوں روپے سالانہ عوام سے حاصل کر رہی ہیں۔ پھر آگے اس رقم کو کاروبار پر لگاتی ہیں۔ اقتصادیات کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ انشورنس کمپنیاں بازار زر (Money Market) کا ایک بڑا وسیع اور اہم حصہ ہیں۔ ایک مقولے کے مطابق سرمائے کی ایک بڑی مقدار کو زیر تصرف رکھتی ہیں۔

اس کی توضیع کے لیے سنہ ۱۹۶۷ء میں مسلم انشورنس کمپنی کی آمد۔ اخراجات اور انوسمنٹ (Investment) کا نقشہ درج کیا جاتا ہے۔

(۱) کل آمدنی	۲،۱۹،۲۳،۵۰۰/-
(۲) اخراجات	۳۰،۵۰،۰۰۰/-
(۳) وہ رقوم جو بیمہ دار کی موت کے بعد پسماندگان کو دی گئی	۲،۴۳،۰۰۰/-
(۴) وہ رقوم بیمہ دار کو مقررہ وقت ختم ہونے پر دی گئیں	۱۳،۶۶،۵۰۰/-
(۵) گورنمنٹ کو قرضہ	۱۰،۱۱،۵۰۰/-
(۶) حصص کی خریداری: 1۔ سٹیٹ بینک۔ 2۔ پاکستان انشورنس کارپوریشن۔ 3۔ نیشنل شپنگ کارپوریشن	۷،۴۳،۰۰۰/-
(۷) بنک ڈیپازٹ	۸،۵۶،۰۰۰/-
(۸) فیکسڈ ڈیپازٹ۔	۳،۰۰،۰۰۰/-
(۹) پرائیویٹ کمپنیوں سے حصص خریداری	۵۹ لاکھ
(۱۰) بلڈنگ	۲۸،۵۶،۵۰۰/-
(۱۱) ڈیبنچرز	۹،۷۷،۵۰۰/-

اس نقشہ پر سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عوام سے کتنی خطیر رقم وصول

Marfat.com

کی گئی ہے۔ اور اس سرمایہ کو مختلف کاروبار میں لگا کر کس طرح نفع حاصل کیا ہے۔ پھر اس میں سے کتنی خفیف سی رقم بیمہ داروں کو ادا کی گئی ہے۔

اسلام اور بیمہ۔

بیمہ کا کاروبار جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ علماء کا ایک طبقہ اس کاروبار کو جائز قرار دیتا ہے۔ پہلے ان علماء کا فتویٰ درج کرتا ہوں۔ جو اس کو جائز قرار دیتے ہیں بعد میں بیمہ کے کاروبار کا تجربہ کرکے بتاؤں گا کہ آیا یہ کاروبار شرعی لحاظ سے جائز ہے؟ تو ہم اس کو جائز بنانے کے لئے اصلاح کی کیا تدابیر اختیار کی جانی چاہیے۔

علمائے کرام کے فتوے۔

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری

آج کل بیمہ زندگی کرانے کا رواج ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ بیمہ کرانے والا کچھ رقم دیتا رہتا ہے اور مقررہ مدت کے اندر مر جائے تو مقررہ رقم اس کے ورثاء کو مل جاتی ہے۔ چاہے اس کی داخل کی ہوئی رقم سے زیادہ ہی ہو اس سسٹم کے جاری کرنے سے پسماندگان میت کو فائدہ رسانی مقصود ہے۔ جو نیت نیک ہے سودخوری یا سود خوانی مقصود نہیں بلکہ پس ماندگاں اور یتامیٰ کی خبر گیری مقصود ہے۔ لہذا جائز ہے۔

قرآن مجید میں عام اصول بیان فرمایا ہے (خدا مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے (اعمال کی مراد نیت پر ہے) چونکہ اس کام میں نیت پاک ہے لہذا اسکے جواز میں کلام نہیں

(مہر راقم ابوالوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ امرتسری)

مولانا عبدالسلام صاحب ندوی فاضل دارالسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

میں مذہبی اور دنیاوی حیثیت سے بیمے کو بہت فائدہ مند تجارت تصور کرتا ہوں۔ اور حضرت مولانا کفایت اللہ صدر جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کے فتویٰ سے اتفاق کرتا ہوں کہ وہ اس میں کسی ہمسایہ قوم سے پیچھے نہ رہیں۔

(دستخط عبدالسلام ندوی)

مولانا محمد داؤد غزنوی

میری رائے میں زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے۔ کوئی شرعی دلیل اس کے خلاف نہیں۔ جو لوگ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں وہ محض ناواقفی کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں۔

Marfat.com

از درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی

مسلمان بحیثیت مجموعی بہت فضول خرچ ہوتے ہیں۔ بچوں کے لئے یا اپنے لئے کچھ جمع کرنا نہیں جانتے لاکھوں مسلمان ایسے ہیں کہ جمع کرنا بھی چاہتے ہیں۔ مگر نہیں کر سکتے کیونکہ کوئی نہ کوئی خرچ ایسا آجاتا ہے کہ جمع شدہ رقم اٹھ جاتی ہے۔ بیمہ ایسی چیز ہے جس سے انسان کچھ نہ کچھ بچاتا ہے جس سے بُرا وقت آپڑنے پر متوفی کی بیوی بچوں کو تسکین مل جاتی ہے۔ اس لئے ہر ہوشیار مسلمان بھائی سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنی زندگی کا بیمہ کرائے میں نے خود غور وخوض کے بعد اپنی زندگی کا بیمہ کرا لیا ہے

دستخط مخلص حسن نظامی

مولانا ابوالکلام آزاد

جہاں تک اسلام کے احکام کا میں نے مطالعہ کیا ہے میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ کہ زندگی کا بیمہ کرانا کسی طرح بھی اسلامی احکام کے برخلاف نہیں ہو سکتا مجھ سے جب کسی نے اس بات کے بارے میں دریافت کیا ہے تو میں نے اُسے ہمیشہ یہی جواب دیا ہے۔

دستخط ابوالکلام

علماء کے فتاویٰ کو غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ جائز صرف اس وجہ سے قرار دیتے ہیں۔ کہ بیمہ دار کی ناگہانی موت کے بعد اس کے پس ماندگان کو ایک رقم مل جاتی ہے جس سے وہ دوسرے لوگوں کی دست نگری سے بچ جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ متوفی کے پسماندگان کو ایک رقم مل جاتی ہے جس سے بسر اوقات ہو جاتی ہے۔ اور ان کو مصائب کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ لیکن اس کاروبار کے ناجائز ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔ جن کی طرف علماء کا ذہن نہیں گیا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ بیمہ کمپنیاں کہاں کہاں اپنا روپیہ لگاتی ہیں۔

ناجائز ہونے کی وجوہ

(۱) بیمہ کمپنیاں جو لوگوں سے بالاقساط روپیہ حاصل کرتی ہیں اس کے ایک بہت بڑے حصہ کو سودی کاروبار پر لگاتی ہیں۔

(۲) آدمی کے مر جانے پر رقم اس شخص کو ملتی ہے جس کے متعلق وہ اپنے معاہدہ نامہ میں وصیت کر جاتا ہے۔ شریعت کی رو سے اس رقم کی حیثیت ترکے کی ہے۔ جسے شرعی وارثوں میں تقسیم ہونی چاہئے۔

(۳) بیمہ دار کمپنی کے نقصان میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ اس رقم کا ہر صورت میں لینے کا حقدار

Marfat.com

ہو جاتا ہے جو معاہدہ نامہ میں لکھی جا چکی ہے۔

(۴) بیمہ کمپنیاں نظام سرمایہ داری کے درخت کی ٹہنیاں ہیں۔ جس کا اصل سرمایہ داری حاصل کرتے ہیں۔

اصلاح کی تدابیر:

(۱) کمپنیاں اپنے روپیہ کو سودی کاروبار میں نہ لگائیں۔ بلکہ سرکاری یا نیم سرکاری کمپنیوں کارخانوں وغیرہ کے حصص خرید کریں۔

(۲) بیمہ دار کے لئے یہ ضروری اقرار دیا جائے کہ وہ جمع شدہ رقم کو شریعت کے مطابق ورثاء میں تقسیم کرنے کی وصیت کرے۔

(۳) بیمہ دار کے لئے نفع کی شرح مقرر نہ کی جائے بلکہ برابر کے نفع اور نقصان میں شریک کیا جائے۔

(۴) جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے کہ بیمہ داروں میں بہت ہی قلیل رقم تقسیم ہوتی ہے۔ کثیر منافع کمپنی کے مالکوں کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ بیمہ کمپنیوں کو مضاربت اور شراکت کے اصول پہ کام کرنا چاہئے۔ مضاربت اور شراکت کے اصولوں کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

زکوٰۃ

چونکہ زکوٰۃ اسلام کے مالیاتی نظام کا ایک اہم جزو ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر ایک الگ عنوان کے تحت اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

زکوٰۃ کے معنی اس کی حقیقت اور اسکی اہمیت

زکوٰۃ کا لفظ زکا سے مشتق ہے۔ کھیتی میں نمو آنے یا اس کے بڑھنے پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اسے زکوٰۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس سے قومی مال بڑھتا ہے یا اس سے تزکیہ نفس ہوتا ہے اسلامی اصطلاح میں زکوٰۃ وہ مال ہے جو نصاب کے تحت امراء سے لیا جاتا ہے اور سورۃ توبہ کی آیت ۶۰ کی رو سے حاجت مندوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے لئے دو اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ (۱) صدقہ (۲) انفاق

Marfat.com

فی سبیل اللہ۔ یہ صدق سے مشتق ہے۔ جس کے معنی سچائی اور خلوص کے ہیں۔ گویا زکوٰۃ کو صدقہ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ معطی کے ایمان میں سچائی اور خلوص کی چمک پیدا کرتی ہے۔ جس سے اس کا باطن روشن ہو جاتا ہے۔ دوم۔ صدقہ کا لفظ معطی کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنا مال خلوص اور صدق دل سے دے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ غرباء اور محتاجوں کو دینا گویا اللہ تعالےٰ کو دینا ہے۔

حقیقت:۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کو اس زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اور اس کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے تاکہ وہ اللہ کی صفات کو ظلی طور پر ظاہر کرے۔

اللہ تعالےٰ کی ان گنت صفات میں سے ایک صفت ربوبیت ہے۔ یہ صفت انسان سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق صفت ربوبیت کا اظہار کرے۔ اسلام نے وہ اظہار زکوٰۃ خیرات اور صدقات کی صورت میں بیان کیا ہے۔ زکوٰۃ دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ظلی طور پر اظہار ہے۔

اہمیت:۔

قرآن مجید نے اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ ایتائے زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے۔ جس میں یہ حکمت بالغہ ہے کہ انسان اس وقت تک صحیح تربیت یافتہ نہیں کہلا سکتا۔ جب تک وہ اللہ تعالےٰ کے حضور جھکنے کے ساتھ ساتھ مخلوق الٰہی کی خدمت بجا نہیں لاتا۔ یہ دونوں پہلو ہی تکمیل انسانیت کے لئے ضروری ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ (توبہ ۹: ۱۱) اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں۔ اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ هُدًی وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ (سورۃ لقمٰن ۳۱: ۲-۴) یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ نیکی کرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

Marfat.com

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ ۲-۳) یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں۔ یہ پرہیزگاروں کے لیے ہدایت کا موجب ہے پرہیزگار وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں

اللہ تعالےٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ نہ کرنے والوں کے لیے قرآن مجید اور حدیث میں سخت تنبیہ بیان ہوئی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (توبہ ۹: ۳۴-۳۵) یعنی جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائیگا پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں پر داغ لگایا جائے گا۔ یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا گیا تھا سو اس کا مزا چکھو جو تم جمع کرتے تھے۔ دوسری جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۳: ۱۸۰) اور وہ لوگ جو اس میں سے بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔ یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کے لیے اچھا ہے۔ بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے۔ قیامت کے دن وہی ان کے گلے کا ہار بنایا جائے گا جس میں وہ بخل کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق فرماتے ہیں۔ مُثِّلَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يَطْلُبُهٗ حَتّٰى يُمْكِنَهٗ يَقُوْلُ اَنَا كَنْزُكَ (موطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ) یعنی جس شخص کے پاس مال ہو اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں نکالی۔ قیامت کے دن اس کے مال کو ایک گنجے سانپ کی صورت دے دی جائے گی۔ اور اس کے منہ میں زہر کی دو تھیلیاں ہوں گی۔ اور وہ اس آدمی کی تلاش میں نکلے گا یہاں تک اس پر قابو پا لیگا اور اس سے کہے گا کہ میں تیرا خزانہ ہوں۔

حدیث میں آتا ہے اِنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِيْ فُقَرَائِهِمْ (بخاری ۱۲۲۴) کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کیا ہے کہ وہ ان کے امراء سے وصول کر کے غرباء میں تقسیم کیا جائے۔

Marfat.com

قرآن مجید کی آیات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے نماز اور زکوٰۃ کو اپنی اپنی امتوں کے لئے فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرماتا ہے "وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ (سورۃ الانبیاء ۲۱: ۷۳) اور ہم نے انہیں امام بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ اور ہم نے ان کی طرف نیکیوں کے کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی۔ اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

موسوی شریعت میں اس کا حکم ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (مائدہ ۵: ۱۲) اور اللہ تعالیٰ نے کہا میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور ان کی مدد کرو اور اچھا مال اللہ کو کاٹ کر دو گے تو میں ضرور تمہاری برائیاں تم سے دور کر دوں گا۔ اور ضرور تم کو باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ پس جو کوئی تم میں سے اس کے بعد انکار کرے وہ یقیناً سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ہے۔ تورات میں زکوٰۃ کا حکم خروج ۲۳: ۱۰ میں آیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ ارشاد الٰہی ہے اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ ہوں۔

(۶) انجیل لوقا (۱۸ء۔۱۰) اور ۲۱ ویں باب کی پہلی آیت متی ۱۹-۲۱-۲۱۔ متی ۱۷-۲۴ میں زکوٰۃ ادا کرنے کی تعلیم ہے۔

زکوٰۃ کن اموال پر فرض ہے

سونا۔ چاندی۔ نقدی خواہ سکے کی شکل میں ہو یا نوٹ ہوں۔ مال تجارت پر اور ان جانوروں پر جو سال کا اکثر حصہ چر کر اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ اور زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ فرض ہے۔ زمین اور سکنی مکان استعمال کی جانے والی چیزیں جواہرات۔ ترکاری سبزیاں پھل وغیرہ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

اسلام نے نہایت ہی حکمت بالغہ سے ان اشیاء پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو کچھ عرصہ تک محفوظ رہ سکتی ہیں اور ان میں ترقی و نشوونما کی صلاحیت موجود ہو۔ جواہرات زیادہ

Marfat.com

عرصہ محفوظ نہ رہ سکتی ہوں۔ اور ان میں ترقی اور نشو و نما کی صلاحیت بھی موجود نہ ہو۔ ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

نصاب زکوٰۃ

مختلف مالوں کا نصاب زکوٰۃ مختلف ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

چاندی کی صورت میں ۲۰۰ درہم یا ۵۲½ تولے تقریباً ۲۱ اونس

سونے کی صورت میں ۲۰ مثقال یا ۷½ تولے تقریباً ۳ اونس

نقدی اور مال تجارت کی صورت میں قیمت کا شمار اور نصاب چاندی کے معیار پر ہوگا۔

زیورات اگر چاندی کے ہیں تو چاندی کا نصاب اگر سونے کے زیور ہیں تو سونے کا نصاب ہوگا۔

حیوانات کی صورت میں نصاب اونٹوں کے لئے پانچ، بیلوں اور گایوں کے لئے تیس اور بکریوں کے لئے چالیس ہے۔

زکوٰۃ کی شرح :- جب کسی مال پر ایک سال گذر جائے تو اس پر حسب ذیل شرح سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جمع شدہ مال پر اڑھائی فیصد اور حیوانات کی شرح کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

	تعداد	شرح زکوٰۃ
اونٹ	۵ —— ۹	ایک بکری
	۱۰ —— ۱۴	دو بکریاں
	۱۵ —— ۱۹	تین بکریاں
	۲۰ —— ۲۴	چار بکریاں
	۲۵ —— ۳۵	اونٹ کا ایک سال کا بچہ
	۳۶ —— ۴۵	اونٹ کا دو سالہ بچہ
	۴۶ —— ۶۰	تین سال کا اونٹ کا بچہ
	۶۱ —— ۷۵	چار سال کا اونٹ
	۷۶ —— ۹۰	دو سال کا دو بچے
	۹۱ —— ۱۲۰	تین سال کے دو بچے

Marfat.com

۱۲۰ کے بعد ہر چالیس پر دو سال کا ایک بچہ اور ہر پچاس پر تین سال کا ایک بچہ۔

بکری

ایک سے ۳۹ تک کی تعداد پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

۴۰ —— ۱۲۰		ایک بکری
۱۲۱ —— ۲۰۰		دو بکریاں
۲۰۱ —— ۳۰۰		تین بکریاں

پھر ہر سو پر ایک ایک بکری۔

گائے بیل بھینس

ایک سے انتیس تک کی تعداد پر زکوٰۃ نہیں۔

۳۰	پر	ایک دو سالہ بچھڑا
۴۰	پر	تین سالہ بچھڑا
۶۰	پر	دو سال کے دو بچھڑے
۷۰	پر	ایک تین سال کا اور ایک سال کا
۸۰	پر	تین سال کے دو
۹۰	پر	دو سال کے تین
۱۵۰	پر	دو سال کے دو اور تین سال کا ایک

زمین:-

زمین کی دو قسمیں ہیں۔ وہ زمین جو بارش یا قدرتی چشموں سے سیراب ہوتی ہے، تو حکومت اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لے گی۔ جب زمین کنوؤں یا مصنوعی ذرائع سے سیراب ہوتی ہو تو اس سے پیداوار کا بیسواں حصہ لیا جاتا ہے۔

رکاز (دفینہ)

اسلامی تعلیم کی رو سے اگر کسی کو دفینہ مل جائے تو حکومت اس کے پانچویں حصہ کی مالک ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال..... فی الرکاز الخمس۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دفینہ میں اسلامی حکومت کا پانچواں حصہ

مصارف زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔

Marfat.com

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

(توبہ ۹ : ۶۰)

زکوٰۃ صرف فقراء کے لئے ہے مساکین اور اس صیغہ میں کام کرنے والوں اور ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہے۔ اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے اور قرضداروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لئے یہ اللہ کی طرف سے ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اول مصرف :- فقراء

فقراء فقیر کی جمع ہے فقیر فقرت سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ریڑھ کی ہڈی کو توڑنا ہے۔ یہ لفظ اس شخص پر بولا جاتا ہے جو کسی جسمانی عذر کی وجہ سے روزی کمانے کا اہل نہ ہو۔ یا جس پر کوئی سخت مصیبت آن پڑی ہو۔ اور وہ اس قابل نہ رہا ہو کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکے۔

اس قسم کے لوگوں کے لئے یہ بہتر ہے کہ اگر وہ کسی پیشہ کو جانتے ہیں تو اس پیشہ کے متعلق آلات خرید دیئے جائیں۔ اگر تجارت کرتا ہے تو سامان تجارت لے دیا جائے یا پیشہ سکھایا جائے یا تعلیم دلائی جائے۔ ہٹے کٹے ...... پیشہ ور فقراء کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہئے۔ اس سے معاشرہ میں ایک کاہل اور سست افراد کی جماعت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو معاشرہ کے لئے نہایت ہی خطرناک ہے۔

دوسرا مصرف :- مساکین۔

مساکین۔ مسکین کی جمع ہے مسکین سکن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں۔ وہ خاموش یا بے حرکت ہو گیا۔ مسکین سے مراد وہ شخص ہے جو کمانے کے لائق ہو۔ مگر غربت یا عدم ذرائع کی وجہ سے کچھ کما نہ سکتا ہو۔ مثلاً ایک شخص مہنگائی کے زمانہ میں پچاس روپے کا نوکر ہے کئی بچے ہیں۔ پچاس روپے سے اس کی اور اس کے بچوں کی گذراوقات نہیں ہو سکتی۔ اسکی مدد کرنی چاہیئے۔ یا کوئی طالب علم ہے اسکا کوئی ذریعہ آمدن نہیں۔ اسکے تعلیمی اخراجات کیلئے اسکی امداد کرنی چاہیئے۔

تیسرا مصرف :- العاملین علیہا۔

یہ وہ کارکن ہیں جو صدقات اور زکوٰۃ جمع کرتے اور بیت المال میں پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ

Marfat.com

یہ لوگ تحصیل زکوٰۃ میں مصروف ہونے کی وجہ سے اپنے کسب سے محروم ہو جاتے ہیں اس وجہ سے یہ امر بالکل عقل اور حکمت پر مبنی ہے۔ کہ اس قسم کے ...... لوگوں کے اخراجات متکفل بیت المال ہو۔ تاکہ یہ لوگ پوری توجہ اور دلجمعی سے زکوٰۃ حاصل کریں۔

اس مصرف کے بیان کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مرکزی جگہ پر جمع ہونی چاہیے

چوتھا مصرف:۔ اَلْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُم (تالیف قلوب)

یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔ اول ایسے لوگ جو دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔ اور ان کو اسلام کے قریب لانے کی ضرورت ہے۔

دوم۔ وہ نو مسلم جن کے قلوب میں اسلام ابھی پورے طور پر راسخ نہیں ہوا۔ ان کی امداد اور ان کو تعلیم اسلام سے واقف کرانے کے لئے زکوٰۃ کے فنڈ سے خرچ کیا جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے مذہب کو ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوگا۔ تو اس کے اعزہ و اقارب اور ہم قوم اس سے اپنے تعلقات قطع کرے گی۔ کیونکہ انسان کی عقل پر مذہبی تعصب کی اتنی دبیز پردے ہوتی ہیں۔ کہ وہ برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ اس کا کوئی عزیز دوسرا مذہب قبول کرے۔ پہلے دیکھا ہے جب کبھی کوئی نبی آیا۔ اس کے ماننے والوں کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ماں باپ گھر سے نکال دیتے ہیں۔ آبائی مذہب قبول کرنے کے لئے ہر قسم کے طمع اور لالچ دیئے جاتے ہیں۔

اس مصرف کا یہ منشا ہے۔ کہ نو مسلم ایمان لائیں تو اسلامی حکومت مال زکوٰۃ سے ان کے ساتھ ایسا حسن سلوک کرے۔ کہ وہ اپنے اعزہ و اقارب اور ہم قوم کے سوشل بائیکاٹ کو بھول جائیں۔ اور مسلمانوں میں داخل ہو کر یہ سمجھیں کہ وہ ایسے معاشرہ میں داخل ہوئے ہیں جو قومی اور نسبی تعلقات سے بھی زیادہ محبت کرنے والا ہے۔

تالیف قلوب کتنا اعلیٰ اصول ہے۔ لیکن اس اصول کو مسلمانوں نے نسیاً منسیاً کر دیا ہے جس وجہ سے کوئی بھی اپنے ہم قوم اور اعزہ و اقارب سے بگاڑ کر اسلام کو قبول کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس عیسائیوں نے اس اصول کو اپنا رکھا ہے اور تالیف قلوب کی مد میں کروڑوں روپے خرچ کر رہی ہے۔ اس احسان اور امداد کو دیکھ کر لوگ دھڑا دھڑ آغوش نصرانیت میں جا رہے ہیں۔

پانچواں مصرف:۔ فِی الرِّقَابِ یعنی غلاموں کا آزاد کرنا۔

اسلام کے علاوہ کوئی مذہب نہیں جس نے غلاموں کی رہائی کے لئے باضابطہ طور پر بیت المال

Marfat.com

سے ایک حصہ مقرر کر دیا ہو۔ یہ آزادی تین طرح ہو سکتی ہے (۱) حکومت مالکوں سے غلام خرید کر آزاد کر دے (۲) اسیران جنگ کا فدیہ دیا جائے۔ (۳) ان غلاموں کی مدد کی جائے جو مالک سے مکاتبہ کرکے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔

فی الرقاب کے حکم میں مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کے غلام شامل ہیں۔ اسلام تمام انسانیت کی بھلائی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالےٰ کی ربوبیت عام ہے۔ اسی طرح اسلام کو قبول کرنے والوں کی ربوبیت بھی کسی ایک طبقہ کے ساتھ مختص نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اپنوں اور بیگانوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

چھٹا مصرف :۔ الغارمین۔ مقروض۔

قرضداروں کا قرضہ اتارنے کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے خرچ کیا جائے گا۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن پر جرمانہ ہو گیا ہو۔ مگر یہ شرط ضروری ہے۔ کہ مقروض پر قرضے کا بوجھ اس کی عیاشی اور فضول خرچی کی وجہ سے نہیں ہوا۔ بلکہ کسی ناگہانی مالی مصیبت کی وجہ سے یا کوئی عضو بیکار ہو جائے مال چوری ہو جائے۔ تجارت میں گھاٹا پڑ جانے کی وجہ سے قرض کے بوجھ تلے آ گیا ہو۔ اور اس سے نجات حاصل کرنا مشکل نظر آتی ہو۔ تو حکومت پر فرض عائد ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی زکوٰۃ کے مال سے امداد کرے۔

ساتواں مصرف :۔ فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستہ میں۔

اس سے مراد جہاد ہے۔ جہاد تین قسم کا ہے۔ جہاد سیفی۔ جہاد قلمی اور جہاد لسانی۔

جہاد سیفی سے مراد یہ ہے۔ دشمن کی طاقت کا مقابلہ طاقت سے کیا جائے۔

جہاد قلمی سے مراد یہ ہے۔ کہ اسلام کی اشاعت اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات قلم سے دیئے جائیں۔

جہاد لسانی سے مراد یہ ہے کہ مبلغ اپنی تقریروں سے کفار کو دعوت اسلام دیں۔

تینوں جہاد مسلمانوں کی زندگی کے لئے ضروری ہیں اور اس کے لئے روپے کی ضرورت ہے اس ضرورت کو زکواۃ کے فنڈ سے پورا کیا جائے گا۔

آٹھواں مصرف :۔ ابن السبیل یعنی مسافر۔

زکواۃ کے فنڈ سے مسافروں کی امداد کرنے کا حکم ہے۔ بعض اوقات سفر میں ایسے مرحلے بھی آ جاتے ہیں۔ کہ مسافر بیمار ہو جاتا ہے۔ اس کی رقم گم ہو جاتی ہے۔ تو وہ بالکل تہی دست ہو جاتا ہے

Marfat.com

اس صورت میں وہ مالی امداد کا بہت محتاج ہوتا ہے ۔ حکومت پر یہ فرض ہوتا ہے ۔ کہ وہ اس قسم کے مسافروں کی مالی امداد کر کے ان کے گھروں تک پہنچائے ۔

خیرات کی اقسام ۔

اسلام میں خیرات کی دو قسمیں ہیں ۔ لازمی اور اختیاری ۔

لازمی خیرات کو اسلامی اصطلاح میں زکوٰۃ کہا جاتا ہے اور اختیاری کو عام طور پر صدقہ اور احسان قرآن مجید اور احادیث میں دونوں خیراتوں سے متعلق بحث موجود ہے قرآن مجید میں آتا ہے ۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَ مَا اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ (البلد ۹۰: ۱۱ —— ۱۶)

یعنی وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا ۔ اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے ۔ کسی گردن کو آزاد کرنا ۔ یا بھوک کے دن قریبی یتیم یا مٹی سے ملے ہوئے مسکین کو کھانا کھلانا ۔

دوسری جگہ آتا ہے وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ۔ (سورہ دھر ۷۶ — ۸) اور وہ اللہ کی محبت کی وجہ سے مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں پھر آتا ہے ۔ یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ) وہ تجھ سے پوچھتے ہیں وہ کیا خیرات کریں ۔ کہہ دے جو تمہاری ضرورت سے بچ جائے ۔ اس کو خیرات کر دو ۔

یہ تمام آیات اختیاری خیرات پر دلالت کرتی ہیں ۔

رسول کریم صلعم کی حدیث ہے ۔ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَیْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوةِ ثُمَّ تَلَا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الآیہ (بقرہ ۲ : ۱۷۷) فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی غرباء کے لئے حق ہے ۔ پھر آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی ۔ کہ نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ پھیرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (الخ)

صوفیاء کرام نے خیرات کے تین درجے مقرر کئے ہیں ادنیٰ ۔ متوسط ۔ اعلیٰ ۔

ادنیٰ یہ ہے ۔ کہ ایک آدمی صرف لازمی خیرات کو ہی ادا کرے ۔ اس درجہ میں کمزور قسم کے لوگ آتے ہیں ۔

متوسط درجہ یہ ہے ۔ کہ اپنی تمام کمائی کو تو خرچ نہیں کرتے ۔ البتہ جب کوئی قومی ۔

Marfat.com

ملکی اور مذہبی ضرورت آتی ہے، تو وہ بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔

خیرات کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا جائے جس طرح حضرت ابوبکر رضؓ نے اپنا سارا اثاثہ رسول کریم صلعم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

جب رسول کریم صلعم نے دریافت فرمایا "اے ابوبکر گھر کیا چھوڑ آئے ہو" تو حضرت ابوبکرؓ نے نہایت ہی وقار۔ عشق کے لہجہ میں فرمایا "اللہ اور اسکا رسول"

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحؒ نے اپنے مکتوب میں حضرت شبلی رحؒ کا ایک فتویٰ لکھا ہے کہ کسی فقیہی نے حضرت شبلی رحؒ سے پوچھا کہ زکوٰۃ کتنے سال پر واجب ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ فقہاء کے مذہب کے مطابق جواب چاہتے ہو یا فقراء کے مسلک پر۔ اس عالم نے جواب دیا۔ دونوں کے۔ حضرت شبلی رحؒ نے فرمایا۔ دو سو درہم پر واجب ایک سال گذر جائے۔ تو پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے۔ اور فقراء کے مسلک کے مطابق سب کا سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دینے چاہیں۔ اس عالم نے پوچھا کہ اس مسلک میں آپ کا امام کون ہے۔ حضرت شبلی رحؒ نے جواب دیا۔ حضرت ابوبکر رضؓ جنہوں نے اپنا سب مال رسول کریم صلعم کے سامنے رکھ دیا۔

زکوٰۃ کے آداب و شرائط

رضائے الٰہی

(۱) زکوٰۃ دینے والے کے سامنے صرف رضائے الٰہی ہو۔ ذاتی شہرت اور منفعت مقصود نہ ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ (سورہ بقرہ ۲ : ۲۷۲) اور تم خرچ نہیں کرتے سوائے اس کے اللہ کی رضا حاصل ہو۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (۷۶ : ۹) ہم تم کو خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے کوئی بدلہ اور شکریہ نہیں چاہتے۔ احسان جتلانے سے گریز

(۲) جسے خیرات دی جائے اس پر احسان نہ جتایا جائے اور نہ اس کی دل آزاری کی جائے۔ ارشاد الٰہی ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ (سورۃ بقرہ ۲ : ۲۶۴) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور تکلیف دے کر باطل نہ کرو۔ اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے

Marfat.com

خرچ کرتا ہے۔ طیب مال

(۳) خیرات اچھی اور طیب کمائی سے کرنی چاہیئے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَیِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ (بقرہ ۲: ۲۶۷)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ ان اچھی چیزوں سے خرچ کرو۔ جو تم کماتے ہو اور اس سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا۔ اور ردی چیز دینے کا قصد نہ کرو۔ کہ اس میں سے تم خرچ کرنے لگو۔

اس آیت میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں۔ اول، زکوٰۃ کسب حلال سے دینی چاہیئے۔ دوم مال ردی نہ ہو۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں آتا ہے لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (آل عمران ۳: ۹۲) تم نیکی ہرگز حاصل نہیں کر سکو گے۔ یہاں تک کہ اس مال سے خرچ کرو۔ جس سے تمہیں محبت ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ إِلَّا طَیِّبًا۔ (مسلم کتاب الزکوٰۃ) اے لوگو! اللہ پاک ہے وہ پاک مال سے صدقہ زکوٰۃ قبول کرتا ہے۔

(۴) خیرات اعلانیہ بھی دینی چاہیئے اور خفیہ بھی۔

ارشاد الٰہی ہے إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ (سورہ بقرہ ۲۷۱:۲) اگر تم خیرات کھلے طور پہ دو تو کیا ہی اچھا ہے اور اگر تم اسے چھپا کر دو اور فقراء کو دو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

علماء نے اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ کہ زکوٰۃ اعلانیہ اور اختیاری خیرات چھپا کر دینی چاہیئے۔

(۵) خیرات کرتے وقت قلبی مسرت ہونی چاہیئے۔ قرآن مجید نے منافقین کی ایک علامت یہ بیان کی ہے کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ کو چٹی سمجھتے ہیں اور حتی الامکان بخل سے کام لیتے ہیں قرآن مجید میں آیا ہے کہ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن یَتَّخِذُ مَا یُنفِقُ مَغْرَمًا (توبہ) ان اعراب میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو چٹی سمجھتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتا ہے۔ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِی سَبِیلِ اللّٰهِ فَمِنكُم مَّن یَبْخَلُ وَمَن یَبْخَلْ فَإِنَّمَا یَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ (محمد) سن لو! تم لوگ ایسے ہو۔ کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ بخل کرتے ہیں اور جو کوئی اس کام میں

Marfat.com

بخیلی کرتا ہے وہ خود اپنے لئے ہی بخل کرتا ہے۔

(۶) زکوٰۃ قومی بیت المال میں جمع ہونی چاہئے۔ جیساکہ والعاملین علیہا (کارکنان زکوٰۃ) کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ اگر زکوٰۃ انفرادی طور پہ خرچ کرنا جائز ہوتی تو یہ الفاظ بیان نہ ہوتے۔

(۷) خیرات میں میانہ روی ہونی چاہئے۔

اسلام انسانی طبائع اور فطرت کے عین مطابق ہے وہ عیسائیت کی طرح یہ تعلیم نہیں دیتا کہ اللہ کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لئے سب کچھ خیرات کردیا جائے، اگر کوئی حاجت مند کرتا مانگے تو پاجامہ بھی اتار کر دے دیا جائے۔ اس قسم کی تعلیم پہ عمل کرنا انسانی طبائع پہ دوبھر ہے۔

اسلام میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ : ۲۹) اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول دے ورنہ ملامت کیا ہوا اور درماندہ ہو کر بیٹھ جائے گا۔

حدیث میں آتا ہے ماعال من اقتصد جو شخص خرچ میں میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ تنگدست نہیں ہوتا۔

(۸) صدقہ و زکوٰۃ صرف مستحقین کو دی جانی چاہئے۔ تاکہ غریب طبقہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو سکے۔ اور قوم اور ملک کے لئے تقویت کا باعث بن سکے۔

زکوٰۃ کے فوائد

انفرادی فوائد:۔ زکوٰۃ تزکیہ نفس کا موجب ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا (توبہ ۹ : ۱۰۳) یعنی ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے تاکہ اس سے انہیں پاک اور صاف کرے۔

انسان کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب چیز مال ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے مال کو فتنہ قرار قرار دیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات محبوب چیز کی وجہ سے انسان احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ زکوٰۃ انسان کے دل سے مال کی محبت کم کرتی ہے۔ مال کی محبت کی کمی کی وجہ سے انسان بے شمار برائیوں سے بچ جاتا ہے اور بے شمار نیکیوں کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ ایک تو ناجائز طریقہ سے روپیہ کما کر اپنے پیٹ کے دوزخ کو نہیں بھرتا۔ دوم بخل کی قبیح عادت سے نجات مل جاتی ہے قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے

مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (حشر سورہ ۵۹: ۹) اور جو اپنے دل کو حرص اور لالچ سے بچائے گا وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

سوم: انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے جو تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ اور انسان کی زندگی کا منتہائے مقصود اور جوہر مطلوب ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ (سورہ بقرہ ۲: ۲۶۵) اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے خرچ کرتے ہیں اور کچھ اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں اس باغ کی مثال کی طرح ہے جو اونچی جگہ پر ہے اس آیت کریمہ میں زکوٰۃ کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ جو لوگ رضا الٰہی کے لئے صدقات دیتے ہیں، وہ ایمان کی ایک مستحکم چٹان پر کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کے دل اللہ کی محبت سے بھر جاتے ہیں۔ اور ان کی طبیعت خود بخود نیکی کی طرف بہہ نکلتی ہے اور اپنے آپ کو ایک حصن حصین میں پاتے ہیں جہاں شیطان کا گذر نہیں ہوتا۔

اجتماعی فوائد

(۱) اقتصادی اور معاشی ترقی۔ زکوٰۃ قوم کی اقتصادی اور معاشی ترقی کا بہترین ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (۲: ۲۷۶) اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے دوسری جگہ آتا ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ (بقرہ ۲: ۲۶۱) ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ایک دانہ کی مثال ہے جو سات بالیں اُگائے ہر ایک بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے کئی گنا کر دیتا ہے اور اللہ بہت دینے والا اور جاننے والا ہے

زکوٰۃ کا لفظ بھی قوم کی معاشی اور اقتصادی ترقی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ زکوٰۃ کا مفہوم ہی بڑھوتی ہے

کسی قوم کی اقتصادی اور معاشی ترقی کا انحصار چند اشخاص کے ہاتھوں میں دولت کے جمع ہونے پر نہیں ہے بلکہ ساری قوم کی مجموعی خوشحالی سے وابستہ ہے۔ جب غرباء میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی تو روپیہ چند ہاتھوں سے نکل کر قوم کے بے شمار دوسرے افراد میں تقسیم ہو جائیگا دوم، وہ اس مالی امداد سے اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ اپنی روزی کما سکیں۔ اس طرح ملک کی اقتصادی

Marfat.com

اور معاشی حالت مستحکم بنیادوں پر قائم ہو جائے گی۔

(۲) زکوٰۃ قوم کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو قوم کی ترقی کا ذریعہ بیان کیا ہے۔ سورہ بقرہ میں حضرت عزیر کا ایک رویاء بیان ہوا ہے کہ وہ ایک تباہ حال بستی (یروشلم) پر سے گذرے۔ اس کو دیکھ کر حضرت عزیر نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یہ بستی کب آباد ہوگی، کب اس کے رہنے والے ترقی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو رویا میں بتایا کہ یہ بستی سو سال کی تباہی کے بعد آباد ہوگی۔ اسی رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے احیاء موتیٰ کی کیفیت کا سوال کرتے ہیں۔ معاً اس رکوع کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر آجاتا ہے۔ تباہ حال بستی اور احیاء موتیٰ کے ذکر کے معاً بعد اللہ کی راہ میں خرچ کا بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا تباہ حال بستی کی آبادی اور احیاء موتیٰ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ وہی قوم سطح نقشہ پر ترقی کے ساتھ ابھرتی ہے۔ جو قومی ملی مفاد کی خاطر خرچ کرنا جانتی ہے۔ آغاز اسلام میں مسلمان کس کسمپرسی اور غربت کی حالت میں تھے۔ انہوں نے اس حالت میں بھی ملی اور قومی مفاد کے لئے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت کے لئے چندہ کی اپیل کرتے ہیں۔ تو صحابہ اپنے گھر کا اثاثہ لاکر پیش کر دیتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس کچھ نہیں تو وہ مزدوری کر کے چند ٹکے کما کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔ آخر اس قربانی کے نتیجہ میں یہ اللہ کے فضلوں کی وارث اور بڑی بڑی حکومتیں ان کے قدموں پر آن پڑیں۔

(۳) غرباء کی ربوبیت:۔ زکوٰۃ قوم کے غرباء کی ربوبیت اور کفالت کا بہترین ذریعہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ فِیْ فُقَرَائِھِمْ (مسلم جلد اکتاب الایمان) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر (مسلمانوں) پر زکوٰۃ فرض کی ہے کہ وہ امراء سے لے کر حاجت مندوں میں تقسیم کی جائے۔

(۴) زکوٰۃ قوم کی اخلاقی حالت درست رکھنے کا ذریعہ ہے۔ بھوک افلاس اور افلاس ہمیشہ جرائم کے ارتکاب کا سبب بنتے ہیں جس قوم کے افراد افلاس کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔ اس قوم میں جرائم کی کثرت ہو جاتی ہے۔ روزمرہ کے واقعات اس پر کافی گواہ ہیں۔ کہ بعض لوگ مالی عسرت کی وجہ سے چوری، قزاقی اور لوگوں کی جیبیں کاٹنی شروع کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات جب یہ عسرت اور افلاس اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو یہ لوگ دن دہاڑے امراء کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور

Marfat.com

ملک کا امن تہس نہس ہو جاتا ہے۔
غربت کی وجہ سے انسان صرف جرائم کا ہی ارتکاب نہیں کرتا۔ بلکہ اس میں اور بھی بے شمار اخلاقی کمزوریاں آجاتی ہیں۔ فقر اور مسکنت انسان کو دنی اور خسیس بنا دیتی ہے۔ ایمان باللہ دل سے نکل جاتا ہے۔ وہ اُمراء کو ہی ارباباً من دون اللہ (اللہ کے سوا دوسرے کو معبود بنالینا) تصور کرنا شروع کر دیتا ہے .... انہی کو اپنا پالن ہار اور مربی خیال کرتا ہے۔ ان کا خوف خدا کے خوف سے بڑھ کر دل پر مستولی ہوتا ہے۔ یہی وہ اخلاقی بیماریاں ہیں جن کی وجہ سے انسان کی طبعی استعدادیں دب جاتی ہیں۔ اور وہ فردِ قاسٹین کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ کا معاشی نظام میں مقام

اس وقت دنیا میں دو معاشی نظام چل رہے ہیں۔ ایک سرمایہ داری نظام ہے اور دوسرا کمیونزم۔ سرمایہ داری نظام کا مزاج اس قسم کا ہے۔ اس سے چند ہاتھوں میں ہی دولت جمع ہو جاتی ہے۔ اور دوسری تمام قوم افلاس کے ویلو کے منہ میں چلی جاتی ہے اسی نظام کے ردعمل سے دور ... معاشی نظام اشتراکیت ظاہر ہوا۔ جس کا اصول یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کمائے ہوئے مال کا مالک نہیں ہے۔ سب دولت حکومت کی ہے وہ تمام لوگوں کو ضروریات کے مطابق دے گی۔

یہ دونوں نظریات افراط اور تفریط کے شکار ہیں۔ اگر سرمایہ داری نظام مزدور طبقہ کے افلاس کا سبب بنتا ہے اور ان کی محنت کی بے وقری ہوتی ہے تو دوسری طرف اشتراکی نظام نے بھی محنت کی بے وقری کی ہے۔ کیونکہ اشتراکی نظام میں مزدور محنت سے کمائی ہوئی چیز کا خود مالک نہیں بن سکتا۔ اس سے زیادہ محنت اور کوشش کرنے کی تحریک اور جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔

اسلام نے دونوں نظاموں کے برعکس محنت کی توقیر اور عزت کی ہے۔ ملکیت کو بھی جائز قرار دیا ہے تاکہ محنت کرنے کا جذبہ زندہ رہے۔ دوسری طرف تقسیم دولت کے لئے زکوٰۃ جیسا حکمت الغرپر مبنی قانون بنا دیا ہے۔ تاکہ دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہونے پائے۔ بلکہ

Marfat.com

ساری قوم میں گردش کرتی ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا اصول یہ ہے۔ کہ ہر سال جمع شدہ سرمایہ کا چالیسواں حصہ غرباء کے لئے قومی بیت المال میں داخل کیا جائے۔ ایک تو اس لازمی خیرات کی وجہ سے سرمایہ دار ہمیشہ اپنے سرمایہ کو کاروبار میں لگائے رکھے گا۔ تاکہ زکوٰۃ ہی تمام سرمایہ کو نہ کھا جائے۔ کاروبار میں سرمایہ لگانے سے روپیہ لوگوں کے ہاتھوں میں گردش کرتا رہتا ہے اور مزدور طبقہ بھی اپنی محنت کا پھل حاصل کرتا رہتا ہے۔ دوسرے امراء اور غرباء کے تعلقات خوشگوار رہتے ہیں۔ امراء غرباء کو اپنا بھائی خیال کرتے ہیں۔ اور ان کے بارہ میں ہمدردی اور مواسات کے جذبات اپنے دل میں لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف امراء کے جذبہ ہمدردی کی وجہ سے غرباء کے دلوں میں محبت کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔ دونوں طبقوں کے باہمی اتحاد اور اتفاق اور مواسات کی وجہ سے ملک اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے محفوظ رہتا ہے۔

زکوٰۃ اور ٹیکس میں اصولی فرق

بعض متجددین زکوٰۃ کو ٹیکس شمار کرتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ بات ذہن نشین رکھی جائے کہ ٹیکس حکومت کی طرف سے ہوتا ہے اور زکوٰۃ بنائے اسلام ہے۔ اور خدا کی طرف سے بندوں پر فرض ہوا ہے۔ ٹیکس کی کمی بیشی اور ساقط کرنے میں حکومت کو ہر وقت اختیار ہے جبکہ زکوٰۃ میں نہ کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ صاحب نصاب سے ساقط ہو سکتی ہے۔ ٹیکس کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے بندہ صرف حکومت کا مجرم ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے سے انسان خدا کا مجرم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف قرآن مجید میں بیان کر دیئے ہیں۔ اور انہی جگہوں پر زکوٰۃ خرچ ہو گی۔ جبکہ ٹیکس کے خرچ کرنے میں حکومت کو کلی اختیار ہے۔ جہاں چاہے خرچ کرے۔ اس وجہ سے یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے۔ جب حکومت کسی سے کوئی ٹیکس وصول کرے تو زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری نہیں رہتی۔

Marfat.com

زکوٰۃ کی وصولی اور ادائیگی کا مسئلہ

اسلامی حکومت کی موجودگی میں کوئی ادارہ زکوٰۃ وصول کرکے عامۃ الناس کی بھلائی پر خرچ نہیں کر سکتا۔ زکوٰۃ صرف حکومت وصول کر سکتی ہے۔ عہد نبوی میں زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہوتی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب مسلمان عرب قبائل نے حکومت کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ اور اس مالیاتی نظام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تو خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کو حکومت کا باغی قرار دے کر ان کے خلاف اعلان جہاد کیا۔ اور اس وقت تک ان کی سرکوبی کی جب تک انہوں نے زکوٰۃ بیت المال میں بھیجنی شروع نہ کر دی۔

جب حضرت عثمان رضؓ شہید ہو گئے تو مسلمان حضرت علی رضؓ اور حضرت امیر معاویہ کی حمایت دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اس انتشار اور سیاسی عدم استحکام کے زمانہ میں صحابہ کرام کے درمیان یہ سوال اٹھا کہ زکوٰۃ کس کو دی جائے۔ اہل مدینہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا۔ مسلمانوں کی حکومت کیسی ہو۔ زکوٰۃ بہر حال حکومت کو ادا کی جائے گی۔

اہل حجاز کے لئے ایک عملی دشواری یہ تھی۔ کہ حجاز پر کبھی حامیان معاویہ رضؓ غالب آ جاتے اور کبھی ۔۔۔ شیعان علی رضؓ۔ اور دونوں حکومتیں ایک دوسرے کو باغی سمجھتی تھیں۔ ایسی حکومتوں میں سے کس کو زکوٰۃ ادا کی جائے۔

جب یہ مسئلہ دوبارہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ "جو غالب آ جائے اسے زکوٰۃ دے دو۔" [1]

ایک دفعہ بریح بن معید نے اس فتنے کے دور میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ وہ اپنے زیر نگرانی یتیموں کے مال کی زکوٰۃ اپنے ضرورت مند عم زاد بھائیوں کو دے دوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ زکوٰۃ صرف حکومت کا حق ہے۔ اسے اہل حکومت کے حوالے کر دو۔ [2]

غرضیکہ مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ صرف اسلامی حکومت کو ادا کرنی چاہیئے زکوٰۃ کی وصولی کا اور کوئی حق نہیں رکھتا۔

---

[1] ابو عبید کتاب الاموال ج ۲ ص ۳۲۹ [2] ابو عبید کتاب الاموال ج ۲ ص ۳۴۵

Marfat.com

زکوٰۃ کو انفرادی طور پر جمع کرنے اور خرچ کرنے کا رواج سقوط بغداد کے بعد ہوا۔ جب مسلمانوں کا سیاسی شیرازہ منتشر ہو گیا تو مسلمانوں نے غیر مسلم حکومتوں کو زکوٰۃ دینا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے بعد زکوٰۃ کی وصولی حکومتوں کے ہاتھ نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے اسلامی حکومتوں کی معاشی حالت درست نہیں ہوئی۔ اگر اسلامی حکومتیں زکوٰۃ کی وصولی اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ تو ہر اسلامی حکومت اپنے ملک سے غربت اور افلاس کو ختم کر سکتی ہے۔

اقتصادی ترقی

اقتصادی ترقی۔ مفہوم۔ ضرورت۔ عوامل۔ اہمیت۔

اقتصادی ترقی کا مفہوم:-

معاشیات کی اصطلاح میں معاشی ترقی کو کسی ملک کی حقیقی قومی آمدنی کے مسلسل بڑھنے کو کہتے ہیں۔ حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ دیکھنے کے لئے ایک طویل عرصہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ۲۰ سال سے لیکر ۲۵ سال تک ہوتا ہے۔ گویا اس عرصہ میں قومی آمدنی کے بڑھنے کی رفتار مناسب طور پر معلوم کی جا سکتی ہے۔ گویا معاشی ترقی کا جائزہ لینے کے لئے حقیقی قومی آمدنی ایک بہترین معیار کی حیثیت رکھتی ہے۔ کچھ ماہرین معاشیات کے نزدیک معاشی ترقی کا فروغ دیکھنے کے لئے فی کس آمدنی ایک بہترین آلہ ہے اگر حقیقت میں فی کس آمدنی ایک معیاری طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے تحت کسی ملک کی قومی آمدنی اور آبادی کی شرح افزائش کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اگر آبادی کی شرح افزائش مناسب حد سے بڑھ جائے تو معاشی ترقی کی بجائے معاشی پسماندگی ہوتی ہے اور اگر آبادی کی شرح افزائش مناسب حد تک کم رہے تو اس کو معاشی ترقی کا نظریہ محدود ہو جاتا ہے۔ اور صحیح معاشی ترقی کا نظریہ بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ لہذا فی کس آمدنی کی بجائے قومی آمدنی کو ایک بہترین آلہ سمجھا گیا ہے۔ جس سے معاشی ترقی کی ٹھیک طرح پیمائش ہو سکتی ہے

معاشی ترقی اور معاشی بہبود

معاشی ترقی سے زیادہ ضروری چیز معاشی بہبود ہوتی ہے۔ معاشی بہبود کو پرکھنے کے لئے معیار زندگی کا بلند ہونا ایک بہترین آلہ سمجھا گیا ہے۔ اگر معاشی ترقی کے اثرات معاشرے کے تمام

Marfat.com

افراد پر پڑتے ہوں تو معاشی ترقی معاشی بہبود میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ معاشی بہبود میں کسی ملک کی مجموعی دولت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ شخصی آزادی۔ تفریح کے اوقات۔ منصفانہ تقسیم دولت تا فارغ اوقات کا مہیا کرنا۔ اوقات کا مناسب طور پر تعین ضروری ہوتا ہے۔ گویا معاشی بہبود اسی وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ مذکورہ بالا تمام امور حاصل ہو جائیں

معاشی ترقی کی ضرورت

ہر ملک جو ترقی یافتہ ہو وہ اپنی معاشی ترقی بڑھانا چاہتا ہے اور جو غریب ہو اپنی غربت اور پسماندگی کو دور کر کے معاشی ترقی کی راہ ہموار کرنا چاہتا ہے چنانچہ ہر ملک کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا معاشی ڈھانچہ مضبوط ہو اُس کی مجموعی پیداوار اور روزگار کا معیار بلند ہو معیشت کا ہر شعبہ ترقی کر رہا ہو کہ ملک اپنی ضروریات پوری کرنے میں خود کفیل ہو۔ بیرونی قرضوں اور امداد پر اس کا انحصار کم ہو۔ گویا ملک معاشی دوڑ میں آگے نکل رہا ہو۔ یہ تمام چیزیں کسی معیشت کی بنیادی ضروریات ہو سکتی ہیں۔

معاشی ترقی کے عوامل

یہ تین ہیں۔ ۱۔ معاشی عوامل
۲۔ معاشرتی عوامل
۳۔ سیاسی عوامل

۱۔ معاشی عوامل :- (i) وسائل کا بھرپور استعمال کرنا (ii) قوت پیداواری یا پیداواری استعداد میں اضافہ (iii) تشکیل سرمایہ کی رفتار میں اضافہ کرنا (iv) آبادی کی شرح افزائش کو مناسب حد تک رکھنا (v) اشیاء اور عوامل کی منڈی کا کامل ہونا (vi) زر کی منڈی کا مستحکم ہونا (vii) نظام مواصلات کا منظم ہونا (viii) معاشی منصوبہ بندی اور معاشی پالیسیوں کا مرتب کرنا (ix) اس پر عملدرآمد کرنا۔

۲۔ معاشرتی عوامل :- معاشی ڈھانچہ کی بنیاد معاشرتی ڈھانچہ پر ہوتی ہے معاشی ترقی کا فروغ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ کسی معاشرہ کے افراد ذہنی طور پر معاشی تبدیلیوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ کیونکہ معاشی ترقی کے عمل کو اختیار کرنے کے لئے معاشرہ میں کچھ تبدیلیاں لانا ضروری ہوتی ہیں۔ مثلاً تعلیم کو عام کرنا۔ رسوم اور قدامت پسندی کو دور کرنا۔ معاشی ترقی کی ضرورت اور اہمیت کو ذہن نشین کرانا۔

Marfat.com

افراد کو معاشی پالیسیوں پر عملدرآمد کرنے کے لئے پورے طور پر تیار کرنا اور وہ سمجھتے ہوں کہ واقعی ان کو اپنا معیار زندگی بلند کرنا ہے۔ اور معاشی ترقی کے مقصد کو حاصل کرنا ہے۔

اس کے علاوہ معاشی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے سرکاری اور نجی دونوں شعبوں میں بیک وقت عمل کی ضرورت ہوتی ہے مگر نجی شعبہ اسی وقت معاون اور مفید ثابت ہوگا۔ جب کہ معاشرتی ماحول صحت مند اور حوصلہ افزا ہو۔

III سیاسی عوامل:۔ معاشی ترقی کو فروغ دینے کے لئے سیاسی نظام مستحکم ہونا چاہئے تاکہ اندرون ملک سرکاری اور نجی شعبے خوب ترقی کریں۔ اور خارجہ معاشی تعلقات بھی بڑھائے جاسکیں۔ اگر کسی ملک میں سیاسی اختلافات بہت پائے جاتے ہوں۔ اور سیاسی نظام غیر مستحکم ہو تو سرکاری شعبہ غیر مؤثر اور کمزور ہو کر رہ جائیگا۔ اور ایسی حالت میں معاشی پالیسیوں پر عمل کرنا مشکل ہو جائیگا۔ بین الاقوامی تجارت کا بہت زیادہ انحصار کسی ملک کی ساکھ پر ہوتا ہے۔ گویا اس وقت خارجہ تجارتی تعلقات میں فروغ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کسی ملک میں مکمل طور پر سیاسی امن وامان کی ضمانت نہ دی گئی ہو۔

اہمیت:۔

معاشی ترقی کے نظریہ کا مطالعہ شخصی اور قومی دونوں سطح پر ضروری ہوتا ہے۔ معاشرے کے ہر ایک فرد کا فرض ہے کہ وہ اپنا معیار زندگی بلند کرنے کے کیلئے کوشش کرے اور پھر پورے ملک کی معاشی خوشحالی کو بڑھانے میں اپنا موثر کردار پیش کرے۔ معاشی ترقی ہی صرف ایک ایسی چیز ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی ملک کے اقتصادی حالات کیسے ہیں۔ افراد کس حد تک اپنی بنیادی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔

ملک کے مختلف شعبہ جات مثلاً زراعت، صنعت، تجارت، بنکاری اور متفرقات کس قدر ترقی کر رہے ہیں۔ گویا معاشی ترقی کے مطالعہ سے کسی ملک کی معیشت کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ اور پتہ چل جاتا ہے۔ کہ ملک معاشی دوڑ میں کس منزل پر پہنچا ہے۔ اور اس کو ابھی کسی قدر اور دوڑ لگانی ہے۔ معاشی ترقی کا مطالعہ کرتے وقت معیشت کے مختلف شعبوں کا جزوی مطالعہ کرنے کا موقع بھی فراہم ہو جاتا ہے۔ اور پھر مختلف شعبوں کے مابین تعلقات کی اہمیت سمجھنے کا موقع بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ معاشی ترقی کو سمجھتے وقت ہمیں یہ بھی علم ہو جاتا ہے۔ کہ

Marfat.com

اپنے وسائل کا کس قدر استعمال کر رہا ہے۔ اور اس کی معیشت کا دوسرے ممالک پر انحصار کس قدر ہے۔ کسی معیشت کے برآمدی اور درآمدی شعبوں کی ترقی کے بارے میں بھی علم ہو جاتا ہے۔ ان تمام حقائق سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ معاشی ترقی کا مطالعہ کسی معاشرے کے افراد کے لئے از حد ضروری اور مفید ہوتا ہے۔

اسلامی نظریہ معیشت کے خصائص

(۱) اصولی طور اسلام کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالےٰ کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ اور اس میں تمام انسانوں کو برابر کا حصہ دار قرار دیتا ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۔ اس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔ وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا ۲؎ اس کی خوراکوں کا اس میں اندازہ کیا۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۳؎ اور تمہارے لیئے اس کے اندر روزی کے سامان رکھے ہیں۔

(۲) اللہ تعالےٰ نے رفع نزاع حصول انتفاع کے لئے ذاتی ملکیت کو تسلیم کیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۴؎ مردوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں۔ اور عورتوں کا وہ حصہ جو وہ کمائیں۔ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۵؎ اور ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تمہیں دیا ہے کچھ دو۔

آیۃ غلط لکھی ہے

(۳) انسان کی ملکیت اصالتاً نہیں ہوگی بلکہ نیابتہً ہوگی۔ گویا جو دولت کسی انسان کی ملکیت میں ہے۔ وہ خدا کی طرف سے اس پر وکیل ہوگا۔ اصیل نہیں ہوگا۔ ارشاد الٰہی ہے آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۶؎ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔ یہ آیت کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے کہ انسان کے ہاتھ میں

۱؎ البقرہ ۲: ۲۹ ۲؎ حم السجدہ ۴۱: ۱۰ ۳؎ الاعراف ۷: ۱۰ ۴؎ النساء ۴: ۳۲ ۵؎ النور ۲۴: ۳۳ ۶؎ الحدید ۵۷: ۷

Marfat.com

جو اموال ہیں وہ اللہ کے ہیں۔ انسان ان میں وکیل ہے۔

(۴) حصول دولت اور تصرف دولت پر ایسی قیود اور پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں جن کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں کسی قسم کی بدنظمی اور اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ معاشرہ اتحاد اور اخوت کی سلک میں منسلک ہو جاتا ہے۔

حصول دولت کے ناجائز طریقے :

اسلام نے حصول دولت کے تمام ناجائز ذرائع سے منع کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ [۱] اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اپنے مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ۔

شریعت اسلامیہ میں حصول دولت کے ناجائز ذرائع حسب ذیل ہیں۔

(۱) احتکار (۲) اکتناز (3) سود (4) قمار سٹہ لاٹری (5) بیع و شراء کی وہ تمام صورتیں جن سے کسی ایک فریق کو نقصان پہنچتا ہو (6) حرام چیزوں کی خرید و فروخت۔

ان ناجائز ذرائع کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

تصرف دولت پہ پابندیاں :

ارشاد الٰہی ہے۔ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا [۲] اور جب خرچ کرتے ہیں۔ نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ موقع پر تنگی کرتے ہیں۔ ان کا خرچ ان دو حالتوں کے درمیان اعتدال پر ہے۔

وَلَا تُسْرِفُوْٓا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ [۳] اور بے جا خرچ نہ کرو وہ بے جا خرچ کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا [۴] اور بے جا خرچ کر کے مال کو نہ اڑا مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرگذار ہے۔

---

[۱] النساء ۴ : ۲۹ [۲] الفرقان ۲۵ : ۶۷ [۳] الانعام ۶ : ۱۴۱ - [۴] بنی اسرائیل ۱۷ : ۲۶ - ۲۷ -

Marfat.com

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ؎۱ اور اپنے ہاتھ کو گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول۔ ورنہ ملامت کیا ہوا ہو کر بیٹھ رہے گا۔

(۵) اسلام نے کسب شدہ دولت پر حقوق و فرائض متعین کر دیئے ہیں۔ تاکہ دولت زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں گردش کرے۔

(۱) مال کا ایک حق یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ ارشاد الٰہی ہے وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ؎۲ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اچھا مال کاٹ کر دو۔

(۲) صاحب ثروت اپنی خوشی سے غربا و مساکین کی بہبود کے لئے خرچ کرے۔ ارشاد الٰہی ہے وَأَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً ؎۳ اور جو ہم نے انہیں دیا ہے چھپ کر اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔

(۳) عشر:۔ ان اراضیات کی پیداوار پر واجب ہے۔ جو بارش سے سیراب ہوتی ہیں اور جو زمین محنت سے سیراب ہوتی ہو تو اس سے کل پیداوار کا بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔

(۴) **نفقات:**۔ اسلام نے انسان پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ وہ اپنے مال سے رشتے داروں کی کفالت کرے۔

(۵) **وصیت:**۔ مالک جائیداد۔ جائز ورثا کے علاوہ خیراتی کاموں کے لیے وصیت کرے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ؎۴ تم پر جب تم سے کسی کے لئے موت آموجود ہو۔ عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا۔ ضرور ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر وہ بہت سامال ماں باپ کے لئے اور قریبیوں کیلئے چھوڑے یہ متقیوں پر لازم ہے۔

؎۱ بنی اسرائیل ۱۷: ۲۹ ؎۲ المزمل ۷۳ : ۲۰ ؎۳ فاطر ۳۵: ۲۹۔
؎۴ البقرہ ۲: ۱۸۰

Marfat.com

(۶) ورثہ :۔ قرآن مجید نے متوفی کے مال میں سب قریبی ورثاء کو شریک قرار دیا ہے۔ اور ہر ایک کے حصے مقرر کر دیئے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا[1] اور سب کے لئے اس میں جو وہ چھوڑے ہم نے ماں باپ اور قریبی وارث بنائے ہیں اور جن سے تمہارے داہنے ہاتھوں نے عہد باندھے ہیں تو ان کو حصہ دو۔ اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

(۷) صدقۃ الفطر :۔ عید الفطر کے موقع پر صاحب نصاب لوگوں پر محتاجوں کے لئے صدقہ فطر دینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

(۸) کفارات :۔ دولت کو زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کے لئے اسلام نے بعض گناہوں کے لئے مالی کفارات مقرر کر دیئے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص بلا عمد کسی مسلمان کو قتل کر دے یا قسم کھا کر اسے توڑ دیئے رمضان کے مہینے میں روزہ رکھ کر توڑ دے یا اپنی بیوی سے ظہار کرے تو اس قسم کی صورتوں میں مال کا ایک حصہ کفارہ کے طور پر غرباء کو دیا جاتا ہے۔

(۹) وقف :۔ اسلام میں وقف کے یہ معنی ہیں کہ دائمی طور پر کسی جائیداد کو مذہبی یا خیراتی کاموں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

(۱۰) ضروریات سے زائد مال خرچ کرنا :۔

مندرجہ بالا مالی حقوق و فرائض ادا کرنے کے بعد اگر کسی کے پاس دولت بچ جائے، تو اس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ[2] وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں۔ کہ کیا خرچ کریں کہہ دیجئے جو کچھ ضروریات اور حاجت سے زائد ہو۔

(۴) افادیت عامہ :۔ اسلام ایسی اشیاء کو جو افادہ عام کے لئے ضروری ہوں۔ اور جن پر انفرادی ملکیت ہو جانے کی وجہ سے افراد تنگی اور تکلیف محسوس کریں۔ اجتماعی ملکیت قرار دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا۔ المسلمون شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاء والنار۔ یعنی تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں۔ پانی، گھاس اور آگ۔ النار

---

[1] النساء ۴: ۳۳۔ [2] البقرۃ ۲: ۲۱۹۔

Marfat.com

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پر صرف تین چیزوں کا ذکر کیا ہے درحقیقت حدیث کا منشاء یہی ہے کہ قدرتی وسائل پیدائش جن پر انسان کی محنت نہ لگی ہو۔ اور وہ ہوں افادہ عام کے لئے تو وہ حکومت کی تحویل میں ہوں گے۔ ہمارے فقہاء کرام نے مذکورہ اشیاء کو ہی اجتماعی ملکیت قرار نہیں دیا بلکہ اس حدیث کو اصول تسلیم کر کے مزید قدرتی وسائل پر انفرادی ملکیت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہ نے نمک گندھک۔ مومیائی۔ اور مٹی کا تیل کے متعلق لکھا ہے
لا تملك بالاحياء ولا يجوز اقطاعها من الناس ولا احتجارها دون المسلمين لان فيه ضرر للمسلمين و تضييقا عليهم۔ یعنی نہ آباد کرنے سے اور نہ حکومت سے جاگیر ملنے کی صورت میں ان کا کوئی مالک بن سکتا ہے۔ اور نہ یہ امر جائز ہے کہ عام مسلمانوں کو ان اشیاء سے فائدہ حاصل کرنے سے روک دیا جائے کیونکہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔ اور ان پر تنگی ہوگی۔

(۷) کلیدی صنعتیں :۔

یہ دور صنعتی دور ہے۔ ملک کی معیشت کا زیادہ تر دار و مدار بڑی بڑی صنعتوں پر ہے۔ اگر یہ صنعتیں افراد کے ہاتھوں میں ہوں تو سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان ہی طبقاتی جنگ کا چھڑ جانا ضروری ہے۔ جو ملک کی معاشی اور سیاسی زندگی کے لئے مہلک ہے اس وجہ سے تمام کلیدی صنعتیں مثلاً ریلوے۔ جہازرانی۔ جہاز سازی۔ فولاد سازی وغیرہ کی صنعتیں نمبر (۱) میں بیان کئے گئے اصول کے تحت حکومت کی تحویل میں ہونی چاہئیں۔

(۸) اخلاقی اقدار :۔

دنیا کے تمام معاشی نظاموں میں اخلاقی اقدار کو معاشی اقدار سے الگ کر رکھا ہے۔ لیکن اسلام معاشی اقدار اور اخلاقی اقدار کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ کرتا ہے۔ تاکہ مجموعی نظام حیات کی تمام اکائیوں میں تناسب قائم رہے اشتراکی نظام میں تمام اخلاقی اقدار ملیامیٹ ہو کر رہ گئی ہیں۔ تو وہ فیاضی، ہمدردی، احسان وغیرہ اخلاق کی کیسے آبیاری کر سکے گا۔ سرمایہ داری نظام میں بھی مالک جائیداد کو اتنی آزادی دے رکھی ہے کہ وہ تمام مزدوروں کو اپنا غلام تصور کرتا ہے۔

Marfat.com

(۹) اُخوت :-

اسلامی معاشی نظام اخوت پر مبنی ہے ۔ سرمایہ دار پر چند فرائض عائد کر دیئے ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے ۔ دوسری طرف مزدور پر بھی چند فرائض عائد کر دیئے ہیں ۔ تاکہ سرمایہ دار اور مزدور کا رشتہ اُخوت نہ ٹوٹنے پائے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آجر اور اجیر کے درمیانی رشتہ اُخوت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ۔ ان اخوانکم خولکم جعلھم اللّٰہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ویلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتموھم ما یغلبھم فاعینوھم [۱]

تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے زیر دست کر رکھا ہے لہٰذا جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو اسے چاہیئے کہ وہ جو کھائے اس میں سے اس کو بھی کھلائے اور جو وہ پہنتا ہے ۔ اس میں سے اس کو بھی پہنائے اور ان پر کسی قسم کا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت سے باہر ہو ۔ اگر ان کے ذمے ایسا کام کر دیتے ہو ۔ تو ان کی مدد کرو ۔

وفات سے قبل جو الفاظ آپ کی زبان مبارک پر جاری تھے ۔ وہ یہ تھے ۔ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم ۔ نماز کو باقاعدہ پڑھو اور زیر دست لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کیا کرو ۔

(۱۰) طبعی مساوات ۔

اسلام حق معیشت کی مساوات کے اعتراف کے ساتھ معاشی تفاوت سے انکار نہیں کرتا ۔ قرآن مجید میں آتا ہے ۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۔ [۲]

ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے ۔ اور ایک دوسرے پر درجے بلند کئے ہیں ۔ تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا ہے ۔

یہ امر مسلم ہے ۔ کہ افراد مختلف استعدادیں اور صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں ۔ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہم روزمرہ کی زندگی میں کرتے ہیں ۔ ایک شخص اپنی اعلیٰ ذہانت اور استعداد

---

[۱] بخاری کتاب العتق ۔ [۲] الزخرف ۔ ۴۳ ۔ ۳۲ ۔

Marfat.com

کی بناء پر تجارت اور صنعت میں ترقی کر جاتا ہے۔ دوسرا شخص جو ان صلاحیتوں سے محروم ہوتا ہے، وہ ترقی نہیں کرتا۔ یہی حالت جسمانی کام کرنے والوں کی ہے۔ ایک مزدور دو گھنٹے میں وہ کام کر جاتا ہے جو اس کا ساتھی تین چار گھنٹوں میں بھی نہیں کر سکتا۔

اسلام نے ان طبعی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کے پیش نظر معاشی تفاوت سے انکار نہیں کیا۔ اگر مصنوعی رنگ میں تمام افراد کو ایک ہی معاشی پلیٹ فارم پر جمع کر دیا جائے۔ تو دنیا کا تمام نظام بگڑ جائے گا۔ دنیا کے کاروبار کو چلانے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ مزدور بھی ہوں اور منتظم بھی افسر بھی ہوں اور ماتحت بھی۔ قائد بھی ہوں اور متبعین بھی ہوں۔ سپہ سالار بھی ہوں اور سپاہی بھی ہوں۔ یہی طبعی تفاوت دنیا کے نظام کی اساس ہے۔ اگر یہ اساس ختم کر دی جائے تو دنیا کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا اور سوسائٹی کی صحت مندانہ نشوونما رک جائے گی۔

دنیا کا وہ عظیم نظریہ جو افراد میں معاشی مساوات کا نعرہ لے کر ابھرا تھا۔ جب اس کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو اس کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو افراد میں معاشی مساوات قائم نہ کر سکا۔ اس نظریہ کی پہلی تجربہ گاہ روس ہے وہاں بھی اس نظریہ کے خلاف جزوی ملکیت کو جائز قرار دیا گیا اور اجرتیں صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مطابق دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

" ازاطونب نے اکتوبر ۱۹۳۷ء کے ایک مطالعہ کی روشنی میں یہ نتائج بیان کئے تھے کہ کل تنخواہ پانے والوں میں صرف دو فیصد کو پانچ فی صد روبل یا اس سے زیادہ ملتے ہیں۔ اور اٹھتر فی صد وہ ہیں۔ جن کو دو چالیس روبل سے کم ملتے ہیں۔ اور ان میں ایک تہائی وہ ہیں جن کو ایک سو بیس سے کم ملتے ہیں۔

اسلام میں معاشی مساوات کا یہ مفہوم ہے۔ کہ ہر انسان کو معاشی ترقی کے لئے برابر کے مواقع ملنے چاہئیں۔ تاکہ وہ اپنی استعداد کے مطابق پیدائشی دولت سے استفادہ کر سکے۔ یہ تصور صرف اسلام میں ہے۔ اشتراکیت بھی اس تصور سے خالی ہے اور نظام سرمایہ داری بھی۔ نظام سرمایہ داری میں تمام دولت چند اشخاص میں سمٹ کر آ جاتی ہے اور ملک کے تمام افراد ان سرمایہ داروں کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ معاشی ترقی کے لئے تمام مواقع سے محروم ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

۱۱۔ محنت کا معاوضہ:-

اس دور میں محنت کی اجرت کے متعلق دو نظریے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظریہ اور اشتراکی نظریہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی بنیادیں بے لگام انفرادی ملکیت پہ ہے سرمایہ دار محنت کی اجرتیں من مانے طریقہ پہ متعین کرتے ہیں ۔ اس وجہ سے اس نظام میں آجر اور اجیر کے درمیان ایک مستقل جھگڑا رہتا ہے، آئے دن ہڑتالیں اور کارخانوں میں آتش زنی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں ۔

اس کے برعکس اشتراکی نظام میں محنت کی اجرت کی ، ایک اسٹیٹ ہوتی ہے ۔ ملک کے تمام افراد کی ضروریات کے مطابق ان کے اخراجات کی کفیل ہوتی ہے ۔ اس نظام میں تمام محنت کش حکومت کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں ۔

ان دونوں نظریوں کے خلاف اسلام نے محنت کی اجرت کا مسئلہ نہایت خوش اسلوبی سے حل کیا ہے ۔ مزدور کی محنت کا معاوضہ دینے کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "تین آدمیوں سے قیامت کے دن میں خود لڑوں گا ۔ اول وہ جس نے میرے نام سے عہد کر کے عہد شکنی کی ۔ دوم ۔ وہ شخص جس نے آزاد شخص کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی ۔ تیسرے وہ شخص جس نے کام پہ مزدور لگایا اور اس سے پورا کام لیا اور مزدوری نہ دی ۔

عالمگیر نظام ربوبیت :-

(۱۲) اسلام عالمگیر مذہب ہے ۔ اس وجہ سے اس کا ۔ ۔ ۔ اقتصادی نظام بھی نسلی جغرافیائی امتیازات کو ختم کرتا ہے ۔ اور دنیا کے ہر خطہ کے ضرورت مندوں کی ضرورت اور احتیاج کو پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے ۔ جس علاقہ میں بھی غربت افلاس ناداری بے بسی نظر آئے گی ۔ اسلام اس کی امداد کرے گا ۔ کیونکہ اسلام تمام دنیا کے لئے رحمت کا پیغام لے کر آیا ہے ۔

(۱۳) اسلام نہ تو نظریہ اشتراکیت کے جبر کا حامی ہے اور نہ نظریہ سرمایہ داری کی طرح اکتساب دولت میں مکمل آزادی کا ترجمان ہے ۔ بلکہ اکتساب دولت کے راستے بھی تمام لوگوں کے لئے یکساں کھلے رکھتا ہے ۔ اجارہ داریاں ۔ ناجائز ذرائع سے دولت کمانے اور ناجائز امور پہ دولت خرچ کرنے پہ سخت قیود عائد کرتا ہے ۔ اس طریقہ کار سے اسلام سرمایہ داری اور کمیونزم کے بین بین پوزیشن رکھتا ہے

(۱۴) اسلامی نظام معیشت کا کمال

Marfat.com

کوئی فرد بھی محرومی اور افلاس کا شکار نہیں ہو سکتا۔

اسلامی نظام معیشت کی برکت سے ہر شخص اپنی ضروریات اور احتیاجات کو بخوبی پورا کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس نظام کے مآل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ تصدقوا فانه یاتی علیکم زمان یمشی الرجل بصدقته فلا یجد من یقبلها یقول الرجل لو جئت بها بالامس لقبلتها فاما الیوم فلا حاجة لی بها[1] اے لوگو! صدقہ دو کیونکہ تمہارے اوپر (اسلامی نظام معیشت کی برکت سے) ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی اپنا صدقہ لئے لئے پھرے گا مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اسے قبول کرے۔ جس شخص کو بھی کہے گا۔ لے لے وہ جواب دے گا۔ تو کل لایا ہوتا تو میں لے لیتا لیکن آج مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] بخاری کتاب الزکوٰۃ۔

Marfat.com

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

ترجمہ

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور دین اسلام تمہارے لئے پسند کیا

اسلام

اور

معاشرتی سیاسی اور معاشی نظریات

تعارفی و تقابلی مطالعہ

غلام رسول ایم اے

گورنمنٹ کالج شیخوپورہ

علمی کتاب خانہ۔ اردو بازار لاہور

Marfat.com